مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب
فاضل دارُالعلوم دیوبند

دارُالاشاعت کراچی

مَعدِنُ الحقائق

مَعدِنُ الحقَائِق

شرح اردو

كنزُ الدَّقـَائِق

مع جديد اضافات

جلد دوم

مولانا محمد حنیف گنگوہی صاحب
فاضل دار العلوم دیوبند

دار الاشاعت
اردو بازار، ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۳ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 416 صفحات

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیب روڈ لسبیلہ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور

ادارہ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست مضامین کتاب معدن الحقائق شرح کنز الدقائق (جلد دوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب البیوع

قولہ کتاب الخ حقوق اللہ یعنی عبادات وعقوبات سے فراغت کے بعد حقوق العباد یعنی بیوع وغیرہ کو ذکر کر رہا ہے اور بیوع کو وقف کے بعد لا رہا ہے اس واسطے کہ ہر دو میں ازالۂ ملک ہوتا ہے مگر وقف میں ازالۂ ملک لا الی مالک ہوتا ہے اور بیع میں ازالۂ ملک بائع سے شی مشتری کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے پس وقف بمنزلۂ مفرد ہوا اور بیع بمنزلۂ مرکب اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔

قولہ البیوع الخ بیع کی جمع ہے جو مصدر ہے اور مصدر تثنیہ وجمع نہیں ہوتا مگر چونکہ اس کی متعدد انواع ہیں اس لئے مصنف نے صیغۂ جمع اختیار کیا ہے، چنانچہ بیع کی چار قسمیں ہیں، نافذ، موقوف، فاسد، باطل، اور مبیع کے اعتبار سے بھی چار قسمیں ہیں، کیونکہ مبیع عین ہوگی یا دین، جن کی چار صورتیں ہیں (۱) بیع العین بالعین اس کو مقایضہ کہتے ہیں (۲) بیع الدین بالدین اس کو صرف کہتے ہیں (۳) بیع الدین بالعین، اس کو سلم کہتے ہیں (۴) بیع العین بالدین، اس کو بیع مطلق کہتے ہیں، عام طور پر سے یہی قسم رائج ہے اور عند الاطلاق یہی متبادر ہوتی ہے، نیز ثمن کے اعتبار سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں، کیونکہ بیع یا تو ثمن اول سے زائد ہوگی اسی کو مرابحہ کہتے ہیں یا ثمن اول کے برابر ہوگی اس کو تولیہ کہتے ہیں، یا ثمن اول سے کمتر ہوگی اس کو وضیعہ کہتے ہیں، یا بلا تفاوت ثمن اول ہوگی جس پر بائع اور مشتری کا اتفاق ہو گیا ہو اس کو مساومہ کہتے ہیں۔ (۱)

(فائدہ): خرید وفروخت کا جواز کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع امت، قیاس (استحسان عقلی) ہر ایک سے ثابت ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "احل اللہ البیع وحرم الربوا" اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام، کتب حدیث میں بکثرت قولی وتقریری احادیث سے بیع کا جواز بیان سے مستغنی ہے، ارباب سیر کے یہاں آنحضرت ﷺ کا تجارت کرنا بلا ریب ثابت ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ ریشم کی حضرت عمرؓ غلہ کی حضرت عثمانؓ ریشم اور کھجور کی حضرت عباسؓ عطر کی تجارت کرتے تھے۔ اسی لئے ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ جہاد کے بعد سب سے بہترین شغل تجارت ہے پھر زراعت پھر صناعت، نیز مقتضی قیاس بھی یہی ہے، کیونکہ انسان کی تمام تر مصالح تجارتوں، عمارتوں، حرفتوں اور صنعتوں سے وابستہ ہیں جن کو اپنائے بغیر کسب معاش کے تمام وسائل بند ہو جاتے ہیں۔ مثلاً انسان کھانے پینے، اوڑھنے پہننے، رہنے سہنے کا محتاج ہے اب ایک کھانے ہی کو لے لیجئے اس کی تحصیل میں کھیت جوتنا، بیج ڈالنا، سینچنا، حفاظت کرنا، کھیت کاٹنا، اناج صاف کرنا، پیسنا، خمیر کرنا، روٹی پکانا وغیرہ امور کی ضرورت ہے جن کو ہر شخص تنہا نہیں کر سکتا، علیٰ ہذا القیاس تحصیل مکان وتحصیل لباس پر ہر شخص بذات خود قادر نہیں بلکہ وہ مجبور ہے کہ کچھ خود کرے کچھ دوسرے سے کرائے، کچھ خریدے کچھ فروخت کرے الیٰ غیر ذٰلک، پس اگر شرعاً بیع جائز اور تملیک بدلین کا سبب نہ ہوتی تو انسان اپنی مطلوب شی یا تو دوسرے سے چھینتا یا سوال کرتا یا صبر کرتا ہوا مر جاتا اور یہ تمام صورتیں خرابی سے خالی نہیں معلوم ہوا کہ مشروعیت بیع عین مقتضی حکمت اور امر معقول ہے۔

هُوَ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ بِالتَّرَاضِيْ وَيَلْزَمُ بِاِيْجَابٍ وَ قَبُوْلٍ وُضِعَا لِلْمَضِيِّ وَبِتَعَاطٍ

وہ بدل لینا ہے مال کو مال سے رضامندی کے ساتھ اور لازم ہو جاتی ہے ایجاب وقبول کے ساتھ جو موضوع ہوں ماضی کے لئے

وَاَيٌّ قَامَ عَنِ الْمَجْلِسِ قَبْلَ الْقَبُوْلِ بَطَلَ الْاِيْجَابُ

اور لازم ہو جاتی ہے تعاطی سے اور جو کوئی اٹھ جائے مجلس سے قبول کرنے سے پیشتر تو باطل ہو جائیگا

---

(۱) قیل ان انواعہ ترتقی الی عشرین او اکثر والکل مذکور فی النہایۃ سیجئ ذکر بعضھا انشاء اللہ ۱۲۔

تشریح الفقہ: قولہ ھو الخ۔ لفظ بیع از قبیل اضداد ہے یعنی خرید و فروخت دونوں میں استعمال ہوتا ہے، اور متعدی بدو مفعول ہوتا ہے یقال بعت زیدا الدار، کبھی مفعول اول پر بغرض تاکید کلمہ من یا لام داخل کر دیتے ہیں فیقال بعت من زید الدار، بعتہ لک، نیز کلمہ علیٰ کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے، یقال باع علیہ القاضی یعنی قاضی نے اس کا مال اس کی رضا کے بغیر فروخت کر دیا۔ لغت میں بیع کے معنی مبادلۃ شیٔ بالشیٔ ہیں خواہ وہ شیٔ مال ہو یا نہو، قال تعالیٰ ''وشروہ بثمن بخس دراھم معدودۃ'' چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام آزاد تھے اس لئے آپ پر مال کا اطلاق نہیں ہوسکتا، معلوم ہوا کہ لغوی بیع میں مبادلۂ مال بالمال شرط نہیں، شریعت میں بیع آپس کی رضامندی سے ایک مال کو دوسرے مال سے بدل لینے کو کہتے ہیں۔

سوال: بیع کی تعریف میں ''بالتراضی'' قید مناسب نہیں اس واسطے کہ اگر یہ مطلق بیع کی تعریف ہے تو جامع نہیں کیونکہ اس سے بیع مکروہ نکل جاتی ہے حالانکہ بیع مکروہ گو فاسد ہوتی ہے تاہم بیع ہوتی ہے اور اگر یہ بیع صحیح کی تعریف ہے تو دخول غیر سے مانع نہیں، کیونکہ اس میں اکثر بیوع فاسدہ داخل ہو جاتی ہیں۔

جواب: شرعی بیع کے مفہوم میں تراضی داخل نہیں بلکہ شرعا اس کے حکم کے ثبوت کے لئے شرط ہے، پس اعتراض ختم ہو گیا، کیونکہ اب یہ قید احترازی نہ ہوئی بلکہ ایک مستقل حکم کی طرف اشارہ کے لئے ہوئی (تأمل) **ویمکن ان یجاب ان المراد تعریف البیع النافذ الصحیح فلا یرد ماأورد علیہ.**

قولہ ویلزم الخ۔ متعاقدین کی جانب سے ایجاب و قبول متحقق ہو جانے کے بعد بیع لازم ہو جاتی ہے، متعاقدین میں سے جس کا کلام پہلے مذکور ہو اس کو ایجاب کہتے ہیں اور جو اس کے بعد مذکور ہو اس کو قبول، تو اگر اولا بائع نے کہا کہ میں نے اس چیز کو فروخت کر دیا مشتری نے کہا میں نے خرید لیا تو بائع کا قول ایجاب ہے اور مشتری کا قول قبول ہے اور اگر اولا مشتری نے کہا کہ میں نے اس کو خرید لیا پھر بائع نے کہا کہ میں نے فروخت کر دیا تو مشتری کا قول ایجاب ہے، اور بائع کا قول قبول، پھر جو لفظ بعت اور اشتریت کے معنی پر دلالت کرے وہ ایجاب و قبول ہے مثلا بائع نے کہا اعلیت بذالت، رضیت، جعلت لک ہذا بکذا، ھو عبدک، خذہ وغیرہ۔ مشتری نے کہا اخترت، قبلت، اجزت، اخذت قد فعلت۔

سوال: ایجاب و قبول کے لئے لزوم بیع کا دعویٰ صحیح نہیں کیونکہ خیار شرط یا خیار رویت کی صورت میں ایجاب و قبول ہوتے ہیں مگر لزوم نہیں ہوتا۔

جواب: لزوم سے مراد انعقاد ہے اور انعقاد کا مطلب یہ ہے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک کا کلام دوسرے کے ساتھ اس طرح منضم ہو جائے کہ محل میں اس کا اثر شرعا ظاہر ہو اور یہ چیز ہر ایجاب و قبول میں پائی جاتی ہے۔

فائدہ: جب ایجاب و قبول اپنی پوری شرطوں کیساتھ متحقق ہو جائے تو احناف کے یہاں بیع لازم ہو جاتی ہے اور متعاقدین میں سے کسی کو خیار عیب و خیار رویت کے علاوہ کسی طرح نقض بیع کا اختیار نہیں رہتا، امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں، امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک کو بقاء مجلس تک اختیار ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے **المتبایعان بالخیار مالم یتفرقا**، یعنی بائع اور مشتری مختار ہیں جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں۔

جواب یہ ہے کہ مالم یتفرقا میں تفریق سے مراد تفریق ابدان یا تفرق مجلس نہیں بلکہ تفرق اقوال مراد ہے یعنی ایجاب کے بعد دوسرے عاقد کا یہ کہنا کہ میں نہیں خریدتا یا قبول کرنے سے پہلے موجب کا یہ کہنا کہ میں فروخت نہیں کرتا، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حدیث میں متعاقدین کو متبایعان کہا گیا ہے اور حقیقت کے لحاظ سے متبایعان کا اطلاق اسی وقت ہوسکتا ہے جب ایک نے ایجاب کیا ہو اور

(۱) ائمہ ستہ عن ابن عمر (بالفاظ مختلفہ) الجماعۃ الا ابن ماجۃ عن حکیم بن حزام، ابوداؤد، ترمذی، نسائی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابن ماجۃ، نسائی عن سمرہ، ابوداؤد، ابن ماجۃ عن ابی برزہ۔۱۲

دوسرے نے ابھی قبول نہ کیا ہو، ایجاب وقبول سے پہلے ان کو متبایعان کہنا اسی طرح عقد تمام ہو جانے کے بعد متبایعان کہنا مجاز ہے، پس حقیقت پر محمول کرنا بہتر ہوگا تا کہ نصوص قرآنی کے خلاف نہ ہو۔ قال تعالیٰ اوفوا بالعقود، اور بیع قبل از تخییر عقد ہے لہذا اس کا ایفاء ضروری ہوگا وقال تعالیٰ "واشھدوا اذا تبایعتم" اس میں توثق بالشہادۃ کا حکم ہے، اگر بیع لازم نہ ہو اور خیار باقی رہے تو توثق بے معنی ہے، وقال تعالیٰ " الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم" اس آیت میں بخوشی ایجاب وقبول کے بعد خرید کردہ چیز کو کھانا مباح قرار دیا گیا ہے، اگر ایجاب وقبول کے بعد بیع لازم نہ ہو اور خیار باقی رہے تو اس چیز کا کھانا مباح نہیں ہونا چاہئے۔

سوال: حضرت عبداللہ بن عمر نے (جو حدیث مذکور کے راوی ہیں) تصریح کی ہے کہ تفریق سے مراد تفرق ابدان ہے۔

جواب: راوی کی تاویل غیر کے حق میں حجت نہیں ہوتی، کذا التقریر فی الاصول والتفصیل فی المطولات۔

قولہ وضعا للمضی الخ۔ ایجاب وقبول سے مراد ہر وہ لفظ ہے جو دوسرے کو مالک بنانے اور اپنے مالک ہونے پر دلالت کرے خواہ دونوں ماضی ہوں جیسے بعت اور اشتریت یا دونوں حال ہوں جیسے ابیعک اور اشتریہ یا ایک ماضی ہو اور ایک حال بہر کیف انعقاد بیع کسی خاص لفظ پر منحصر نہیں، بلکہ جب تملیک وتملک کے معنی حاصل ہوں گے تو بیع کا حکم ثابت ہو جائیگا، بخلاف طلاق وعتاق کے کہ ان میں معنی کا اعتبار نہیں بلکہ وہ الفاظ معتبر ہوتے ہیں جو ان کے واسطے صراحۃً یا کنایۃً موضوع ہیں، پس حاوی قدسی میں جو یہ مذکور ہے کہ نکاح کے علاوہ باقی ہر عقد میں ایجاب وقبول کا ماضی ہونا شرط ہے یہ مبنی بر تساہل ہے۔

سوال: صاحب ہدایہ نے ماضی ہونے کی قید لگائی ہے کنز کے پیش نظر نسخے میں بھی مضی کی قید موجود ہے۔

جواب: جن حضرات نے اس قید کو ذکر کیا ہے وہ صرف امر کو اور اس مضارع کو خارج کرنے کے لئے ہے جو سین اور سوف کیساتھ مقرون ہو کہ ان سے بیع صحیح نہیں ہوتی، شرنبلالیہ وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے، اور اگر صیغۂ امر حال پر دال ہو مثلاً بائع کہے خذہ بکذا اور مشتری کہے اخذتہ تو اس سے بھی بیع صحیح ہو جاتی ہے مگر بطریق اقتضاء۔

قولہ وبتعاط الخ اور فعل تعاطی سے بھی بیع منعقد ہو جاتی ہے تعاطی کا مطلب یہ ہے کہ لفظی ایجاب وقبول کئے بغیر بائع مشتری کو مبیع دیدے اور مشتری بائع کو ثمن دیدے، مصنف نے اس کو مطلق رکھکر یہ بتایا ہے کہ تعاطی نفیس شئ میں ہو یا خسیس میں یعنی وہ شئ بیش قیمت ہو یا معمولی بہر دو صورت بیع منعقد ہو جائیگی، خراسانی فقہاء اسی کے قائل ہیں۔ امام کرخی اور فقہاء عراق فرماتے ہیں کہ خسیس میں منعقد ہو جائیگی نفیس میں منعقد نہ ہوگی، کیونکہ نفیس میں بیع بالتعاطی معتاد نہیں، جواب یہ ہے کہ اصل بیع کا جواز طرفین کی رضامندی پر ہے جو بیع قولی اور بیع فعلی ہر دو کو شامل ہے **وما ادعاہ فی الحاوی القدسی من المشہور انہ لایجوز فی نفائس الاشیاء اھ فخلاف المشہور**۔

(فائدہ): بیع بالتعاطی میں اعطاء بدلین ضروری ہے یا اعطاء بدل واحد کافی ہے اس میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ اعطاء بدل واحد کافی ہے کیونکہ امام محمد نے تصریح کی ہے کہ بیع بالتعاطی احد البدلین پر قبضہ کر لینے سے ثابت ہو جاتی ہے اور یہ مبیع وثمن ہر دو کو شامل ہے **کذا فی التنویر وفی المنح، ھکذا صححہ الکمال فی الفتح وفی الکرخی وبہ یفتی**، سو اگر بائع اور مشتری ثمن پر متفق ہو جائیں پھر مشتری بائع کی رضامندی سے مبیع لے کر ثمن دیئے بغیر چلا جائے یا ثمن دے کر بلا تسلیم مبیع چلا جائے تو بقول صحیح بیع لازم ہو جائیگی بشرطیکہ مبیع موجود اور معلوم ہو اسی پر فتویٰ ہے، لیکن اکثر علماء کا نظریہ یہ ہے کہ اعطاء بدلین ضروری ہے، بزازی نے اسی کو پسند کیا ہے اور اسی پر حلوانی کا فتویٰ ہے کیونکہ تعاطی معاطاۃ سے مفاعلت ہے جو جانبین سے مباشرت چاہتا ہے[1] علامہ کرمانی نے صرف تسلیم مبیع پر اکتفاء کیا ہے بشرطیکہ ثمن بیان کر دیا گیا ہو، اس اختلاف کا منشاء دراصل امام محمد کا کلام ہے کہ آپ نے کہیں تعاطی کی تفسیر میں اعطاء بدلین ذکر کیا ہے کہیں احد البدلین اور کہیں صرف تسلیم مبیع۔

---

(۱) ذکرہ الطرطوسی وجوابہ مافی القاموس والصحاح والمصباح ان التعاطی التناول وھو انما یقتضی الاعطاء من جانب والاخذ من جانب لا الاعطاء من الجانبین ۱۲۔

قولہ وای قام الخ۔ احد المتعاقدین کے ایجاب کے بعد اگر ان میں سے کوئی ایک قبول کرنے سے پہلے اٹھ کھڑا ہو تو ایجاب باطل ہو جائیگا اور قبول کرنے کا اختیار باقی نہ رہے گا کیونکہ تملیکات میں اختلاف مجلس سے قبول کرنے کا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور مجلس کا اختلاف ہر اس عمل سے ثابت ہوتا ہے **جو اعراض** پر دال ہو جیسے اٹھ کھڑا ہونا، کھانا پینا، کلام کرنا، نماز پڑھنے لگنا وغیرہ البتہ ایک آدھ لقمہ کھانا یا اس برتن سے ایک آدھ گھونٹ پانی پینا جو بوقت ایجاب اس کے ہاتھ میں تھا یا فرض نماز کو پورا کرنا جو شروع کئے ہوئے تھا مجلس کو نہیں بدلتا۔

وَلَا بُدَّ مِنْ مَعْرِفَةِ قَدْرٍ وَوَصْفِ ثَمَنٍ غَيْرِمُشَارٍ لَا مُشَارٍ وَصَحَّ بِثَمَنٍ حَالٍ وَبِأَجَلٍ مَعْلُوْمٍ

اور ضروری ہے معلوم ہونا ثمن کی مقدار اور اس کے وصف کا جو غیر مشار ہو نہ کہ مشار کا اور صحیح ہے نقد ثمن کے ساتھ اور مدت معلومہ کیساتھ

وَمُطْلَقُهٗ عَلَى النَّقْدِ الْغَالِبِ وَاِنِ اخْتَلَفَ النُّقُوْدُ فَسَدَ اِنْ لَمْ يُبَيَّنْ

اور مطلق ثمن محمول ہوگا اس نقد پر جو بکثرت رائج ہو اور اگر نقود مختلف ہوں تو بیع فاسد ہوگی اگر بیان نہ کیا ہو۔

وَيُبَاعُ الطَّعَامُ كَيْلًا وَجُزَافًا وَبِاِنَاءٍ اَوْحَجَرٍ بِعَيْنِهٖ لَمْ يُدْرَ قَدْرُهٗ

اور بیچی جاسکتی ہیں اشیاء خوردنی ناپ کر اور اندازہ سے اور ایک معین برتن یا پتھر سے جس کی مقدار معلوم نہیں

تشریح الفقہ: **قولہ ولا بد الخ**۔ اگر مبیع اور ثمن غیر مشار ہوں تو مبیع کی مقدار اور وصف کا معلوم ہونا اور ثمن کا وصف معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ بیع صحیح نہ ہوگی، کیونکہ بیع میں تسلیم و تسلم ضروری ہے اور مقدار و وصف کا غیر معلوم ہونا باعث نزاع ہے لیکن اگر مبیع اور ثمن کی طرف اشارہ کر دیا ہو تو ان کا معلوم ہونا ضروری نہیں کیونکہ اس صورت میں نزاع کا اندیشہ نہیں ہے، پس اگر بائع مشتری سے یہ کہے کہ میں نے گیہوں کے اس ڈھیر کو اس درہموں کے عوض فروخت کر دیا جو تیرے ہاتھ میں ہیں اور مشتری قبول کر لے تو بیع درست ہے۔

(فائدہ): انعقاد و صحت نفاذ و لزوم کے لحاظ سے بیع کیلئے بہت سی شرطیں ہیں جن کو صاحب بحر نے تفصیل کیساتھ بیان کیا ہے ہم یہاں بغرض افادہ اختصار کیساتھ ذکر کرتے ہیں تاکہ آگے چل کر فہم مسائل میں دشواری نہ ہو، سو جاننا چاہئے کہ شروط انعقاد چار طرح کی ہیں اول وہ جن کا عاقدین میں ہونا ضروری ہے، دوم وہ جن کا نفسِ عقد میں ہونا ضروری ہے، سوم وہ جن کا مکان عقد میں ہونا ضروری ہے چہارم وہ جن کا معقود علیہ میں ہونا ضروری ہے، سو عاقد کیلئے دو شرطیں ہیں (۱) عاقل ہونا، پس دیوانے اور غیر عاقل بچے کی بیع منعقد نہ ہوگی (۲) متعدد ہونا تو جانبین کے وکیل کی بیع منعقد نہ ہوگی[۱]۔ نفس عقد کیلئے یہ شرط ہے کہ قبول ایجاب کے موافق ہو یعنی بائع نے مبیع کا ایجاب جس چیز کے عوض میں کیا ہے مشتری اس کو اسی کے عوض میں قبول کرے، اگر اس کے خلاف کیا تو تفرق صفقہ کی وجہ سے بیع منعقد نہ ہوگی، مکان عقد کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس متحد ہو اگر مجلس مختلف ہو تو بیع منعقد نہ ہوگی، معقود علیہ کیلئے چھ شرطیں ہیں (۱) موجود ہونا (۲) مال ہونا (۳) قیمتی ہونا (۴) فی نفسہ مملوک ہونا (۵) بائع کی ملک[۲] ہونا (۶) مقدور التسلیم ہونا، نفاذ کیلئے دو شرطیں ہیں (۱) ملک یا ولایت کا ہونا (۲) مبیع میں بائع کے علاوہ دوسرے کا حق نہ ہونا، شروط صحت دو طرح کی ہیں، عامہ اور خاصہ، شروط عامہ یہ ہیں (۱) موقت نہ ہونا (۲) مبیع کا معلوم ہونا (۳) ثمن کا معلوم ہونا (۴) مفسد عقد شرطوں سے خالی ہونا (۵) بیع سے کسی فائدہ کا حاصل ہونا (۶) مشتری منقول اور دین کی بیع میں قبضہ کا ہونا (۷) مبادلہ قولیہ میں بدل کا مسمی ہونا (۸) اموال ربویہ میں بدلین کے درمیان مرابحہ، تولیہ، اشراک وضیعہ میں ثمن اول کا معلوم ہونا اور انعقاد و نفاذ کے بعد شرط لزوم یہ ہے کہ خیار شرط، خیار عیب وغیرہ ہر قسم کے خیار سے خالی ہو، بیع کی ان تمام شرطوں کو اس نقشہ سے محفوظ کرو۔[۳]

---

(۱) [illegible] (۲) [illegible] (۳) نقشہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

قوله وصح بثمن الخ - حال بتشد ید لام حول سے مشتق ہے، دین حال خلاف مؤجل کو کہتے ہیں (نہر عن المغرب) مطلب یہ ہے کہ بیع ثمن حال اور ثمن مؤجل دونوں کیساتھ صحیح ہے، ثمن حال کیساتھ تو اسلئے کہ مقتضی عقد یہی ہے کہ ثمن حال ہو اور ثمن مؤجل کیساتھ اسلئے کہ آیت "احل اللہ البیع" میں حلت بیع مطلق ہے، نیز آنحضرت ﷺ نے کچھ مدت کے لئے ابوالشحم یہودی سے غلہ خریدا اور اپنی زرہ اسکے پاس رہن رکھی (۱) لیکن مؤجل ہونے کی صورت میں مدت کا معلوم ہونا ضروری ہے تاکہ بعد میں نزاع کی نوبت نہ آئے۔

قوله ومطلقة الخ اگر ثمن کی مقدار مذکور ہو اور اس کا وصف بیان نہ کیا گیا ہو تو جس شہر میں بیع منعقد ہوئی ہے وہاں جو نقد زیادہ رائج ہو اسی کا اعتبار ہوگا اور اگر وہاں مختلف نقود رائج ہوں اور مالیت میں مختلف ہوں جیسے بندقی، قایتابی، سلیمی، مغربی، غوری وغیرہ اور کسی ایک کو بیان نہ کیا گیا ہو تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ یہ جہالت باعث منازعت ہے۔

(فائدہ): نقود کی چار صورتیں ہیں (۱) رواج اور مالیت ہر دو میں برابر ہوں (۲) ہر دو میں مختلف ہوں (۳) صرف رواج میں برابر ہوں (۴) صرف مالیت میں برابر ہوں، ان میں سے ۳ میں بیع فاسد ہے اور باقی میں درست ہے پس ۲، ۴ میں رائج تر کا اعتبار ہوگا اور ۱ میں مشتری کو اختیار ہوگا جو نقد چاہے دیدے۔

قوله ویباع الخ عرف متقدمین میں گو طعام کا اطلاق گیہوں اور اس کے آٹے پر ہوتا ہے مگر یہاں صرف گیہوں مراد نہیں بلکہ ہر قسم کا غلہ مراد ہے کہ اگر غلہ کو اس کی مخالف جنس کے عوض میں فروخت کیا جائے مثلاً گیہوں کو جو کے عوض میں تو پیمانہ سے ناپ کر اندازہ لگا کر کسی ایسے برتن میں بھر کر جس کی مقدار معلوم نہ ہو کسی ایسے پتھر سے تول کر جس کا وزن معلوم نہ ہو ہر طرح سے صحیح ہے، کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب دونوں جنسیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو (۲) مگر صحت کیلئے چند شرطیں ہیں (۱) مبیع ممیز ومشار ہو (اندازہ سے بیچنے کی صورت میں) (۲) برتن گھٹتا بڑھتا نہ ہو جیسے لکڑی یا لوہے کا برتن، اگر زنبیل یا خرجی وغیرہ کے مانند کوئی برتن ہو تو بیع جائز نہ ہوگی البتہ پانی کی مشکوں میں رواج کی وجہ سے جائز ہے (۳) پتھر میں ٹوٹنے پھوٹنے کا احتمال نہ ہو ورنہ بیع جائز نہ ہوگی (۴) بیع سلم کا رأس المال نہ ہو کیونکہ سلم میں رأس المال کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

شروط بیع

شرط انعقاد — شرط صحت — شرط نفاذ — شرط لزوم

شرط لزوم: خیارات سے خالی ہونا — خیار شرط، خیار رؤیت، خیار عیب، خیار تعیین، خیار غبن، خیار نقد ثمن، خیار فوات وصف مرغوبہ، خیار کمیت، خیار استحقاق، خیار تغریر فعلی، خیار تفرق صفقہ بہلاک بعض مبیع، خیار کشف حال، خیار اجازت عقد فضولی، خیار خیانت مرابحہ، خیار خیانت تولیہ، خیار ظہور مبیع مستاجر، خیار ظہور مبیع مرہون

شرط نفاذ: ملک اور ولایت کا ہونا — مبیع میں بائع کے علاوہ دوسرے کا حق نہ ہونا

شرط انعقاد: عاقد کیلئے — نفس عقد کیلئے — مکان عقد کیلئے — معقود علیہ کیلئے — قبول کا ایجاب کے موافق ہونا — اتحاد مجلس — عاقل ہونا — متعدد ہونا — موجود ہونا — مال ہونا — قیمتی ہونا — فی نفسہ مملوک ہونا — بائع کی ملک کا ہونا — مقدور التسلیم ہونا

شرط صحت: عامہ — خاصہ

شروط منعقدہ ہر موقت ہونا — مبیع کا معلوم ہونا — ثمن کا معلوم ہونا — شرط فاسد سے خالی ہونا — بیع کا مفید ہونا

ایسی شرط جس میں دھوکا ہو — شرط خیار موقت مجہول — شرط خلاف مقتضی عقد — شرط خیار مطلق

بیع معین میں مدت کی شرط — تین دن سے زائد خیار موقت کی شرط — ثمن معین میں مدت کی شرط

ثمن مؤجل میں اجل کا معلوم ہونا — شروط سلم کا پایا جانا — مشتری منقول اور دین کی بیع میں قبضہ کا ہونا — شبہ ربوا سے خالی ہونا — بدل کا معین ہونا — بیع صرف میں قبل الافتراق قبضہ کا ہونا — اموال ربویہ میں بدلین کے درمیان مماثلت کا ہونا — مرابحہ، تولیہ، اشتراک، وضیعہ میں ثمن اول کا علم ہونا

---

(۱) صحیحین عن عائشہ، بیہقی عن جابر ۱۲

(۲) الجماعۃ لا البخاری عن عبادہ بن الصامت، طبرانی عن بلال، دار قطنی عن انس وعبادہ ۱۲

وَمَنْ بَاعَ صُبْرَةً كُلَّ صَاعٍ بِدِرْهَمٍ صَحَّ فِي صَاعٍ وَلَوْبَاعَ ثَلَّةً اَوْ ثَوْبًا كُلَّ شَاةٍ اَوْ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ

اور جس نے بیچا اناج کا ڈھیر ہر صاع ایک درہم میں تو صحیح ہوگی ایک صاع میں اور اگر بیچا ریوڑ یا کپڑے کا تھان ہر بکری یا ہر گز ایک درہم میں

فَسَدَ فِي الْكُلِّ وَلَوْ سَمَّى الْكُلَّ صَحَّ فِي الْكُلِّ فَلَوْ نَقَصَ كَيْلٌ اَخَذَ بِحِصَّتِهِ اَوْ فَسَخَ

تو فاسد ہوجائیگی کل میں اور اگر بیان کردیا سب کو تو صحیح ہوجائیگی کل میں سو اگر کم نکلے ایک کیل تو لے اسکے حصہ کے عوض یا فسخ کردے

وَاِنْ زَادَ فَلِلْبَائِعِ وَلَوْ نَقَصَ ذِرَاعٌ اَخَذَ بِكُلِّ الثَّمَنِ اَوْ تَرَكَ وَاِنْ زَادَ فَلِلْمُشْتَرِيْ وَلاَ خِيَارَ لِلْبَائِعِ

اور اگر زائد نکلے تو وہ بائع کا ہے اور اگر کم ہو ایک گز تو لے پورے ثمن کیساتھ یا چھوڑ دے اور اگر زائد نکلا تو وہ مشتری کا ہے اور اختیار نہیں ہے بائع کو

وَلَوْقَالَ كُلُّ ذِرَاعٍ بِكَذَا وَنَقَصَ اَخَذَ بِحِصَّتِهِ اَوْ تَرَكَ وَاِنْ زَادَ اَخَذَ كُلَّهُ كُلُّ ذِرَاعٍ بِكَذَا

اور اگر کہا کہ ہر گز اتنے میں ہے اور کم نکلا تو لے اس کے حصہ کے عوض یا چھوڑ دے اور اگر زائد نکلا تو لے پورا تھان ہر گز اتنے ہی داموں میں

اَوْ فَسَخَ وَفَسَدَ بَيْعُ عَشَرَةِ اَذْرُعٍ مِنْ دَارٍ لاَ اَسْهُمٍ وَاِنِ اشْتَرٰى عِدْلاً عَلٰى اَنَّهُ عَشَرَةُ اَثْوَابٍ فَنَقَصَ

یا فسخ کردے اور فاسد ہے بیع دس گز کی گھر سے نہ کہ حصوں کی اور اگر خریدی ایک گٹھری اس شرط پر کہ اس میں دس تھان ہیں اور وہ کم یا زیادہ نکلی

اَوْ زَادَ فَسَدَ وَلَوْ بَيَّنَ ثَمَنَ كُلِّ ثَوْبٍ وَنَقَصَ صَحَّ بِقَدْرِهِ وَخُيِّرَ وَاِنْ زَادَ فَسَدَ

تو بیع فاسد ہوگی اور اگر بیان کردیا ثمن ہر کپڑے کا پھر کم نکلا تو صحیح ہوگی اسی کے بقدر اور اختیار دیا جائیگا اور اگر زائد نکلا تو فاسد ہوگی

وَمَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا عَلٰى اَنَّهُ عَشَرَةُ اَذْرُعٍ كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ اَخَذَهُ بِعَشَرَةٍ فِي عَشَرَةٍ وَنِصْفٍ

اور جس نے خریدا ایک تھان اس شرط پر کہ وہ دس گز ہے ہر گز ایک درہم میں تو لے اس کو دس درہم میں ساڑھے دس گز ہونے کی صورت میں

بِلاَخِيَارٍ وَبِتِسْعَةٍ فِي تِسْعَةٍ وَّنِصْفٍ بِخِيَارٍ.

بلا اختیار اور نو میں لے ساڑھے نو گز ہونے کی کی صورت میں اختیار کے ساتھ

توضیح اللغۃ: صبرۃ غلہ کا ڈھیر، ثلۃ بکریوں کا ریوڑ، اذرع بمعنی گز، اسہم جمع سہم بمعنی حصہ۔ عدل بمعنی کپڑے کی گانٹھ۔

تشریح الفقہ: قولہ ومن باع الخ ایک شخص نے گیہوں یا جو کا ایک ڈھیر فروخت کیا اور کہا کہ اس کا ہر صاع ایک درہم کے عوض میں ہے اور کل ڈھیر کی مقدار بیان نہیں کی کہ وہ سو صاع ہے یا پچاس، تو امام صاحب کے نزدیک صرف ایک صاع میں بیع جائز ہوگی اور باقی میں موقوف رہے گی۔ کیونکہ مبیع اور ثمن کی اتنی ہی مقدار معلوم ہے اور باقی مجہول ہے۔ صاحبین کے نزدیک کل ڈھیر کی بیع جائز ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ باقی کی مقدار میں جو جہالت ہے اس کو دور کرنا ان کے بس میں ہے دور کرسکتے ہیں۔ اور اگر کسی نے بکریوں کا ریوڑ یا کپڑے کا ایک تھان بیچا اور کہا کہ ہر بکری درہم کے عوض ہے یا تھان کا ہر گز ایک درہم کے عوض میں ہے تو امام صاحب کے نزدیک ایک بکری اور ایک گز میں بھی بیع نہ ہوگی۔ بلکہ تمام میں فاسد ہوجائے گی۔ کیونکہ یہاں مبیع کے افراد میں اختلاف ہے تو سب پر قیمت برابر منقسم نہیں ہوسکتی۔ پس نزاع واقع ہوگا بائع چھوٹی اور دبلی بکری دے گا اور مشتری بڑی اور موٹی بکری چاہیئے گا۔ بخلاف پہلے مسئلے کے کہ اس میں گیہوں کے افراد یعنی اس کے دانوں میں کوئی تفاوت نہیں اسلئے وہاں ایک صاع میں بیع جائز ہے ہاں اگر بوقت عقد کل ڈھیر کی اور کل ریوڑ کی اور کل تھان کی مقدار بیان کردی جائے تو بالاتفاق کل کی بیع صحیح ہوجائے گی۔ **لزوال المانع وھو الجھالۃ۔**

قولہ فلو نقص الخ بائع نے بوقت عقد ڈھیر کی کل مقدار بیان کردی مثلاً یوں کہدیا کہ یہ ڈھیر سو صاع ہے اور کل ڈھیر ایک سو

درہم کے عوض میں ہے پھر وہ ایک سو صاع سے کم نکلا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے موجود حصہ کو اسی حساب سے لے لے۔ اور چاہے بیع کو فسخ کر دے۔ اور بیان کردہ مقدار سے کچھ زائد ہو تو وہ بائع کا ہے کیونکہ عقد ایک خاص مقدار یعنی سو صاع پر واقع ہے تو جتنا سو سے زائد ہے وہ عقد میں داخل نہ ہوا لہٰذا بائع کا ہوگا نہ کہ مشتری کا۔ اور اگر بائع نے کپڑے کی تھان کی کل مقدار بیان کر دی پھر تھان اس سے کم نکلا تو مشتری کو اختیار ہوگا چاہے پوری قیمت کے ساتھ لے۔ اور چاہے چھوڑ دے۔ اور اگر اس مقدار سے زائد نکلا تو مشتری کا ہوگا۔ اس واسطے کہ اشیاء مذروعہ کے لئے ذراع وصف ہوتا ہے اور وصف کے مقابلہ میں قیمت نہیں ہوتی بخلاف مقدار کے یعنی کیل اور وزن کے کہ وہ وصف نہیں ہے۔

قولہ ولو قال الخ اگر بائع نے مقدار مذروع کیساتھ یہ بھی ذکر کر دیا کہ ہر گز ایک درہم کے عوض میں ہے۔ اور پھر کپڑا اس سے کم نکلا تو مشتری مختار ہے چاہے کپڑا کو اس کے حصہ کے مطابق لے اور چاہے چھوڑ دے اور اگر زائد نکلا تو چاہے فی گز ایک درہم کے لحاظ سے کل کپڑا لے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے کیونکہ ذراع گو وصف ہے مگر یہاں ہر ذراع کی قیمت معین کر دینے کی وجہ سے اصل ہو گیا۔

قولہ وفسد الخ ایک شخص نے گھر کے دس گز کی بیع کی تو امام صاحب کے نزدیک یہ بیع فاسد ہے خواہ گھر کے کل گزوں کو بیان کر دے یا نہ کرے۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔ اور اگر کسی نے گھر کے چند سہام فروخت کئے اور کل سہام بیان کر دے تو بالاتفاق بیع صحیح ہے۔ اور کل سہام بیان کئے تو بالاتفاق صحیح نہیں۔ امام صاحب کے نزدیک فساد کی وجہ یہ ہے کہ ذراع در حقیقت اس آلہ کا نام ہے جس سے شئی کو ناپتے ہیں خواہ وہ لکڑی کا ہو یا لوہے کا۔ اور یہاں یہ معنی متعذر ہیں تو مجاز پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی ذراع سے مراد مجازاً زمین لیجائیگی۔ اور زمین پر ذراع کا اطلاق اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ معین و مشخص ہو کیونکہ ناپنا فعل محسوس ہے جو محل محسوس کو چاہتا ہے تو یہاں دس گز غیر معلوم ٹھہرے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ گھر کی کس جانب سے دس گز مراد ہیں۔ پس یہ جہالت مفضی الی المنازعت ہوگی بائع کہے گا میں دس گز فلاں طرف سے دوں گا۔ مشتری کہے گا میں فلاں جانب سے لونگا۔ اور ایسی جہالت باعث فساد ہوتی ہے۔ لہٰذا بیع فاسد ہوگی بخلاف سہم کے کہ وہ امر عقلی ہے محل محسوس کو نہیں چاہتا اس لئے اس کا شائع ہونا جائز ہے صاحبین کے نزدیک وجہ صحت یہ ہے کہ گزوں کی جہالت کو دور کرنا بائع اور مشتری کے اختیار میں ہے گھر کو ناپ کر دور کر سکتے ہیں پس یہ جہالت ایسی نہیں جو باعث نزاع ہو اس لئے صاحبین کے یہاں بیع درست ہے۔

قولہ وان اشتری الخ ایک شخص نے کپڑے کی ایک گانٹھ اس شرط پر خریدی کہ اس میں دس تھان ہیں اب جو گانٹھ کھولی تو اس میں نو یا گیارہ تھان نکلے تو دونوں صورتوں میں بیع فاسد ہے۔ کیونکہ کمی کی صورت میں ثمن مجہول ہے۔ اور زیادتی کی صورت میں مبیع مجہول ہے۔ ہاں اگر بائع ہر کپڑے کی قیمت بیان کر دے۔ مثلاً یوں کہدے کہ اس گانٹھ میں سے ہر تھان کی قیمت اتنی ہے۔ اور پھر کم نکلے تو موجودہ تھانوں کے بقدر بیع صحیح ہوگی اور مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا لیکن دس سے زائد ہونے کی صورت میں پھر بھی بیع فاسد ہوگی۔ کیونکہ مبیع مجہول ہے۔

قولہ ومن اشتری الخ ایک شخص نے ایک کپڑا اس شرط پر خریدا کہ وہ دس گز ہے اور ہر گز ایک درہم کے عوض میں ہے اس کے بعد اس کو ناپا تو ساڑھے دس گز یا ساڑھے نو گز نکلا تو امام صاحب کے نزدیک پہلی صورت میں بلا خیار دس درہم کے عوض میں لے گا اور آدھ گز مفت ہوگا اور دوسری صورت میں نو درہم کے عوض میں لے گا۔ اور لینے نہ لینے میں اس کو اختیار رہوگا' امام ابو یوسف کے نزدیک پہلی صورت میں گیارہ درہم کے عوض میں اور دوسری صورت میں دس درہم کے عوض لے گا۔ اور دونوں صورتوں میں اختیار رہوگا' امام محمد کے نزدیک پہلی

والفرق بین الاصل والوصف ان ما یتعیب بالتبعیض والتشقیص فالزیادۃ والنقصان فیہ وصف ومالا یتعیب بہما فہما فیہ اصل وقیل الوصف مالوجودہ تاثیر فی تقوم غیرہ ولعدمہ تاثیر فی نقصان غیرہ والاصل مالا یکون بہذہ المشابۃ ۱۲

صورت میں ساڑھے دس درہم کے عوض میں اور دوسری صورت میں ساڑھے نو درہم کے عوض لے گا۔ اور دونوں صورتوں میں اختیار ہوگا لے یا نہ لے۔ اس واسطے کہ جب بائع نے ہر گز کی قیمت علیحدہ بیان کردی اور ایک گز کے مقابلہ میں ایک درہم ہوگیا تو لازمی طور پر آدھ گز کے مقابلہ میں آدھا درہم آئیگا۔ اب زیادتی کی صورت میں اس پر نصف درہم قیمت زائد پڑگئی اور کمی کی صورت میں کپڑا اس کی شرط کے خلاف ہوا اس لئے دونوں صورتوں میں اس کو اختیار ہوگا تا کہ اس کا نقصان نہ ہو امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ جب بائع نے ہر گز کے مقابلے میں ایک درہم رکھا ہے تو ہر گز مستقل کپڑا کے حکم میں ہوگیا جو فی گز ایک درہم میں بیچا گیا ہو تو کم ہونے کی صورت میں قیمت سے کچھ ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ ذراع وصف ہے جس کے مقابلے میں قیمت نہیں ہوتی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ذراع دراصل وصف ہے لیکن شرط کی وجہ سے مقدار کا حکم حاصل کر لیتا ہے اور یہاں شرط یہ ہے کہ پورا ایک گز ہو اور ایک درہم کے مقابلے میں ہو جب یہ دونوں چیزیں فوت ہوگئیں تو پھر اپنے اصل کی طرف لوٹ آئے گا یعنی وصف ہو جائے گا اور وصف کے مقابلے میں قیمت نہیں ہوتی پھر زائد ہونے کی صورت میں گو اس شرط کے خلاف ہے مگر یہ مخالفت اس کے لئے نافع ہے کہ آدھ گز کپڑا مفت مل رہا ہے لہٰذا زائد ہونے کی صورت میں اختیار نہ ہوگا اور کم ہونے کی صورت میں چونکہ وصف مرغوب فوت ہو گیا اس لئے لینے نہ لینے میں اختیار ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَصلٌ يَدْخُلُ الْبِنَاءُ وَالْمَفَاتِيحُ فِي بَيْعِ الدَّارِ وَالشَّجَرُ فِي بَيْعِ الاَرْضِ بِلاَذِكْرٍ وَلاَ يَدْخُلُ الزَّرْعُ

(فصل) داخل ہوگی نیو اور کھٹکے گھر کی بیع میں اور درخت زمین کی بیع میں ذکر کئے بغیر اور نہیں داخل ہوگی کھیتی زمین کی بیع میں

فِي بَيْعِ الاَرْضِ بِلاَتَسْمِيَةٍ وَلاَ الثَّمَرُ فِيْ بَيْعِ الشَّجَرِ اِلاَّ بِالشَّرْطِ وَيُقَالُ لِلْبَائِعِ اِقْطَعْهَا وَسَلِّمِ الْمَبِيعَ

ذکر کئے بغیر اور نہ پھل درخت کی بیع میں مگر شرط کے ساتھ اور کہا جائیگا بائع سے کہ توڑ لے پھل اور حوالے کر دے مبیع اور جس نے

وَمَنْ بَاعَ ثَمَرَةً بَدَا صَلاَحُهَا اَوْ لاَصَحَّ وَيَقْطَعُهُ الْمُشْتَرِيْ فِي الْحَالِ وَاِنْ شَرَطَ تَرْكَهَا عَلَى النَّخْلِ فَسَدَ.

بیچا پھل خواہ وہ کار آمد ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تو صحیح ہے اور توڑ لے ان کو مشتری اسی وقت اور اگر شرط کر لی ان کو درختوں پر رہنے دینے کی تو بیع فاسد ہوگی۔

جو چیزیں تحت البیع داخل ہوتی ہیں اور جو نہیں داخل ہوتیں

توضیح اللغۃ: بناء نیو، عمارت، مفاتیح مفتاح کی جمع ہے، اس سے مراد اغلاق ہیں اغلاق غلق (بفتحتین) کی جمع ہے بمعنی کلیدانہ و بندور یعنی آلۂ حدید جو دروازہ کھولنے اور بند کرنے کے لئے دونوں کیواڑوں میں کیلوں سے جڑا ہوتا ہے۔ بعض اہل ہند اس کو کھٹکا کہتے ہیں اور بعض بلیّن۔ اہل عرب اس کو ضبہ اور کیلون بولتے ہیں، زرع کھیتی، ثمر پھل، بدا بدو سے ہے نمودار ہونا، نخل کھجور کا درخت۔

تشریح الفقہ: قولہ ید خل الخ اس فصل کے مسائل تین قاعدوں پر مبنی ہیں اول یہ کہ جس چیز کو اسم مبیع عرفاً شامل ہو وہ بلا ذکر بھی مبیع میں داخل ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ جو چیز مبیع کے ساتھ باتصال قرار متصل ہو وہ بھی مبیع میں داخل ہوتی ہے۔ سوم یہ کہ جو چیز ان دو قسموں میں سے نہ ہو بلکہ حقوق و مرافق مبیع میں سے ہو تو وہ حقوق مبیع ذکر کرنے سے بیع میں داخل ہوتی ہے اور اگر حقوق مبیع ذکر نہ کئے ہوں تو مبیع میں داخل نہیں ہوتی۔ جب یہ قواعد سمجھ میں آ گئے تو اب دیکھو ایک شخص نے مکان یا زمین فروخت کی اور مبیع میں دار و ارض کے علاوہ کسی اور شئی کو صراحۃً ذکر نہیں کیا تو عرفاً لفظ دار جن اشیاء کو شامل ہے وہ سب مبیع میں داخل ہوگئی مثلاً اس کی عمارت، کلیدانہ، نردبان (جو متصل ہو) تخت اور زینہ (جو زمین میں پیوست ہوں) وغیرہ اس طرح زمین کی بیع میں درخت داخل ہوں گے خواہ وہ بار آور ہوں یا نہ ہوں چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں کیونکہ درخت زمین کے ساتھ متصل باتصال قرار ہوتے ہیں۔ البتہ خشک درخت زمین کی بیع میں داخل نہ ہوں گے۔ کیونکہ وہ کاٹ دینے کی زد میں آ چکے ہیں اسی طرح زمین کی بیع میں کھیتی اور درختوں کی بیع میں پھل ذکر کئے بغیر داخل نہ ہوں گے کیونکہ یہ چیزیں متصل باتصال قرار نہیں ہوتیں بلکہ کاٹنے کیلئے بوئی جاتی ہیں۔

قوله والا التمر الخ درخت کی بیع میں پھل شرط کے بغیر داخل نہ ہوگا۔ کیونکہ درخت کے ساتھ پھل کا اتصال گوخلقی ہے مگر ہمیشگی کے لئے نہیں ہے بلکہ کٹنے ہی کے لئے ہے۔ مصنف نے شجر کو مطلق رکھا ہے تو یہ ہر بار آور درخت کو شامل ہے خواہ وہ مؤبر ہو یا غیر مؤبر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کھجور کے پھل میں تابیر[1] شرط ہے اگر تابیر ہوئی تو پھل بائع کا ہوگا ورنہ مشتری کا ہوگا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے کھجور کا وہ درخت بیچا جس کی تابیر ہو چکی ہو تو پھل بائع کا ہے مگر یہ کہ مشتری شرط لگائے جواب یہ ہے کہ یہ مفہوم صفت سے استدلال ہے جو اہل مذہب کے نزدیک مسلم نہیں (کمافی الاصول) ہماری دلیل وہ مرفوع حدیث ہے جو امام محمد نے اصل میں روایت کی ہے جو شخص ایسی زمین خریدے جس میں کھجور کے درخت ہوں تو پھل بائع کا ہے الا یہ کہ مشتری شرط لگالے۔ اس حدیث میں تابیر وعدم تابیر کی تفصیل نہیں تو یہ اپنے اطلاق پر رہے گی۔ سوال اس حدیث کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ علامہ زیلعی مخرج احادیث ہدایہ فرماتے ہیں کہ ''انہ غریب بھذا للفظ'' جواب حدیث مذکور سے امام محمد کا استدلال کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے۔

قوله ومن باع ثمرة الخ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی بیع صحیح ہے خواہ ان کی صلاحیت ظاہر ہوگئی ہو یعنی وہ کارآمد ہوگئے ہوں یا نہ ہوئی ہو اس واسطے کہ وہ ایک قیمتی مال ہے جس سے فی الحال یا فی المآل نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کارآمد ہونے سے پہلے بیع صحیح نہیں

فائدہ: بیع ثمار کی چند صورتیں ہیں ان میں سے صرف ایک صورت میں اختلاف ہے اور باقی میں اتفاق (۱) پھلوں کی بیع ان کے کارآمد ہونے سے پہلے ہوئی اور یہ شرط لگائی گئی کہ لائق انتفاع پھلوں کو اتار لیا جائے گا تو یہ بالاتفاق صحیح ہے (۲) نمودار ہونے کے بعد کارآمد ہونے سے پیشتر بیع ہوئی اور یہ شرط لگائی گئی کہ بائع پھلوں کو درخت پر رہنے دیگا یہ بالاتفاق صحیح نہیں (۳) کارآمد ہو جانے کے بعد بیع ہوئی تو بالاتفاق صحیح ہے (۴) پھلوں کی بیع ان کی بڑھوتری تمام ہو جانے کے بعد ہوئی اور درخت پر رہنے دینے کی شرط لگائی گئی تو اس میں شیخین اور امام کا اختلاف ہے (وسیاتی بیانه) پس امام صاحب اور ائمہ ثلاثہ کے مابین مختلف فیہ بیع وہ ہے جو پھلوں کے نمودار ہونے کے بعد کارآمد ہونے سے پہلے واقع ہو کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں اور ہمارے نزدیک جائز ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ ان کی صلاحیت ظاہر ہو اور کھجوروں کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ ان میں رنگت آجائے یعنی سرخ یا زرد ہو جائے۔ نیز آپ نے انگور کی بیع سے منع فرمایا ہے یہاں تک کے وہ سیاہی پکڑے۔ ہماری دلیل حدیث تابیر ہے (جو پہلے مذکور ہو چکی) کہ اس میں آپ نے شرط کر لینے سے پھل مشتری کا ٹھہرایا ہے۔ اور ظہور صلاح کی قید ذکر نہیں فرمائی جس سے پھلوں کی بیع کا جواز علی الاطلاق ثابت ہوا۔ رہی احادیث نہی سو وہ اپنے ظاہر پر نہیں کیونکہ ائمہ ثلاثہ کی نزدیک بیع ثمار قبل از ظہور صلاح بشرط قطع جائز ہے۔ معلوم ہوا کہ محل نہی کوئی مخصوص صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ بیع ظہور صلاح سے قبل بشرط ترک ہو یعنی مشتری کچے پھل خرید لے اور یہ شرط لگائے کہ پکنے کے بعد اتاروں گا تو یہ ممنوع ہے کیونکہ اس میں آفت رسیدگی کا احتمال ہے یعنی ممکن ہے کہ پکنے سے کسی آفت سماویہ سے پھل خراب ہو جائے تو بائع کا مشتری کا مال کیونکر حلال ہوگا اس کی واضح دلیل نسائی وغیرہ کی روایت ہے جس میں یہی تعلیل مذکور ہے بخلاف اس کے کچے پھل کی بیع بشرط قطع ہو کہ یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس میں احتمال مذکور کی گنجائش نہیں پس حدیث نہی اس کو شامل نہ ہوگی۔

قوله وان شرط الخ اور اگر مشتری نے درختوں پر پھلوں کے قائم رکھنے کی شرط کر لی تو شیخین کے نزدیک بیع فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے امام محمد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر پھل بڑھ چکا ہو تو تعامل کی وجہ سے بیع جائز ہے۔ ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے قہستانی میں نہایہ سے منقول ہے کہ فتوی شیخین کے قول پر ہے۔ اور مضمرات میں ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔ فلیتنبه۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

---

(۱) ...... مادہ کھجور کا غلاف شگوفہ چیر کر اس میں نر کھجور کا شگوفہ ڈالنا تا کہ پھل خوب آئے ۱۲ منہ

ے ...... ائمہ ستہ عن ابن عمر [illegible] عن انس بن مالک ۱۲ اعہ ...... ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ ابن حبان حاکم عن انس ۱۲

وَلَوِ اسْتَثْنٰی مِنْهَا اَرْطَالًا مَعْلُوْمَةً صَحَّ كَبَيْعِ بُرٍّ فِیْ سُنْبُلِهٖ وَبَاقِلًا فِیْ قِشْرِهٖ وَاُجْرَةُ الْكَيْلِ عَلَى الْبَائِعِ

اور اگر استثناء کرلیا ان سے چند معین رطلوں کا تو صحیح ہے جیسے بیع گیہوں کی اس کی بالی میں اور لوبیے کی اس کے چھلکے میں اور مزدوری ناپنے کی

وَاُجْرَةُ نَقْدِ الثَّمَنِ وَوَزْنِهٖ عَلَى الْمُشْتَرِیْ وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِثَمَنٍ سَلَّمَهٗ اَوَّلًا وَاِلَّا مَعًا.

بائع پر ہے اور مزدوری دام پرکھنے کی اور اس کے تولنے کی مشتری پر ہے اور جس نے بیچا کوئی سامان نقد کے عوض تو دے سامان اول ورنہ ایک ساتھ

توضیح اللغۃ: ارطال جمع رطل، بر گیہوں، سنبل خوشہ، باقلا لوبیا، قشر چھلکا، سلعۃ سامان۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو استثنیٰ الخ ایک شخص نے درختوں پر لگے ہوئے یا کٹے ہوئے پھلوں کو فروخت کیا اور چند معین ارطال کا استثنا کرلیا تو بلحاظ ظاہر الروایہ استثناء کرنا صحیح ہے۔ امام مالک بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام صاحب سے حسن کی روایت ہے کہ استثنا صحیح نہیں۔ امام طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور امام شافعی وامام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ استثنا کے بعد باقی ماندہ مبیع مجہول ہے لیکن ظاہر الروایہ یہ قول ہے یعنی استثنا صحیح ہے کیونکہ جو چیز تنہا فروخت ہوسکتی ہو اسکا استثنا کرنا صحیح ہے اور جو چیز تنہا فروخت نہ ہوسکتی ہوں اس کا استثنا صحیح نہیں۔ اور گیہوں کے ڈھیر سے ایک قفیز کی بیع اور پھلوں کے چند معین رطلوں کی بیع جائز ہے تو اس کا استثنا بھی جائز ہوگا بخلاف حمل اور اطراف حیوان کے کہ ان کی بیع تنہا جائز نہیں تو استثنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ ثم محل الاختلاف ماذااستثنی معینا فان استثنی جزا کربع وثلث فانه صحیح اتفاقاً۔

قولہ کبیع بر الخ ماقبل کیساتھ صحت وجواز میں تشبیہ مقصود ہے۔ یعنی معین ارطال کا استثنا صحیح ہے جیسے ہمارے نزدیک گیہوں کی بیع اس کی بال میں رہتے ہوئے اور لوبیے کی بیع اسکے چھلکے میں رہتے ہوئے جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک سبز لوبیے کی بیع جائز نہیں اور گیہوں کی بیع کے متعلق دو قول ہے ایک یہ کہ جائز ہے اور دوم یہ کہ ناجائز ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ معقود علیہ غیر منتفع چیز کے ساتھ مستور ہے اور اس کا وجود عدم وجود کچھ معلوم نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو گیہوں بالوں میں ہیں وہ قابل انتفاع اور مال متقوم ہے۔ لہٰذا اس کی بیع جائز ہوگی جیسے بالوں میں رہتے ہوئے جو کی بیع بالاجماع جائز ہے۔

قولہ واجرۃ الکیل الخ جب کوئی چیز مکایلۃً فروخت کی جائے تو پیمانہ کرنے کی اجرت اسی طرح معدود، موزون، مذروع چیز کی بیع میں شمار کرنے، تولنے اور ناپنے کی مزدوری بائع پر ہے کیونکہ بائع پر تسلیم ابھی واجب ہے۔ اور تسلیم مبیع ان افعال کے بغیر حاصل نہیں ہوتی تو ان کی مزدوری بائع پر لازم ہوگی۔ اور ثمن پر کھنے اور اس کے بولنے کی اجرت مشتری پر لازم ہے لانه هو المحتاج الي تسليمه۔

قولہ ومن باع الخ اگر کوئی سامان درہم یا دنانیر کے عوض میں فروخت کیا جائے تو اولاً قیمت دی جائے گی تاکہ ثمن میں بائع کا حق معین ہوجائے کیونکہ مبیع میں مشتری کا حق نفس عقد سے معین ہوجاتا ہے لیکن ثمن میں بائع کا حق قبضہ کے بغیر معین نہیں ہوتا اس واسطے کے اثمان میں تعیین نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اگر کسی معین اشرفی سے کوئی چیز خریدے تو اس کی جگہ دوسری اشرفی دے سکتا ہے۔ اور اگر سامان کو سامان کے عوض یا ثمن کے عوض میں فروخت کیا جائے تو دونوں بدل ساتھ ساتھ دیئے جائیں گے۔ کیونکہ سامان کی صورت میں دونوں غیر معین ہیں تو کسی ایک کو پہلے دینا ترجیح بلا مرجح ہے۔

وجوب اجرة نقدا لثمن علی المشتری علی روایة ابن سماعه عن محمد واماعلی روایة ابن رستم عنه فعلی البائع لان النقد یکون بعد التسلیم والبائع هو المحتاج الیه لیمیز ماتعلق به حقه من غیره اولیعرف المعیب لیرده ۱۲ کشف.

باب خیار الشرط

باب خیار شرط کے بیان میں

صَحَّ لِلْمُتَبَایِعَیْنِ اَوْ لِاَحَدِھِمَا ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اَوْ اَقَلَّ وَلَوْ اَکْثَرَ لَا فَاِذَا اَجَازَ فِی الثَّلٰثِ صَحَّ.

صحیح ہے متعاقدین یا ان میں سے ایک کے لئے تین دن یا اس سے کم تک اور اگر زائد ہو تو نہیں پس جب جائز رکھے تین دن کے اندر تو بیع صحیح ہو گی۔

قولہ باب الخ خیار بمعنی اختیار ہے اور اضافت از قبیل حکم الی السبب ہے۔ یعنی وہ اختیار جو بائع اور مشتری کو شرط کر لینے کیوجہ سے حاصل ہوتا ہے' صاحب درر نے کہا ہے کہ گاہے بیع لازم ہوتی ہے اور گاہے غیر لازم' لازم وہ ہے جس میں شرائط بیع موجود ہونے کے بعد اختیار نہ ہو۔ اور غیر لازم وہ ہے جس میں اختیار ہو اور چونکہ بیع لازم اقوی ہے اس لئے مصنف نے پہلے بیع لازم کو ذکر کیا اس کے بعد غیر لازم کو ذکر کر رہا ہے۔ مستصفی میں ہے کہ علل کی دو قسمیں ہیں عقلیہ' شرعیہ۔ عقلیہ وہ ہے جس میں علت سے حکم تراخی جائز نہ ہو جیسے اسود کیساتھ سواد۔ **قال الشیخ ابو نصر العلۃ العقلیۃ ماذا وجدیجب الحکم بہ**۔ حلت شرعیہ جیسے حج کیلئے بیت اللہ شریف' نماز کیلئے اوقات' ملک کے لئے بیع اس قسم میں علت سے حکم کی تراخی جائز ہوتی ہے۔ پھر موانع کی چند قسمیں ہیں (۱) جو انعقاد علت سے مانع ہو جیسے بیع کی نسبت کسی آزاد کی طرف کرنا (۲) جو تمامی علت سے مانع ہو جیسے بیع کی نسبت غیر مال کی طرف کرنا (۳) جو ابتداء حکم سے مانع ہو جیسے خیار شرط (۴) جو تمامی حکم سے مانع ہو جیسے خیار رویت (۵) جو لزوم حکم سے مانع ہو جیسے خیار عیب۔ تو خیار شرط چونکہ حکم سے مانع ہوتا ہے اسلئے مصنف نے پہلے اس کو ذکر کیا پھر خیار رویت کو اسکے بعد خیار عیب کو۔

قولہ صح الخ خیار شرط گو خلاف قیاس ہے۔ نیز حدیث میں بیع اور شرط کی ممانعت بھی موجود ہے۔ مگر چونکہ خیار شرط دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے اس لئے جواز کا قول لابدی ہے پس تین دن یا اس سے کم تک خیار شرط صحیح ہے دونوں کیلئے ہو یا کسی ایک کے لئے ۔روایت میں ہے کہ حبان بن منقذ بن عمرو انصاری ایک مرد ضعیف تھا اور اسکے سر میں زخم لگ گیا تھا جس کی وجہ سے عقل میں فتور آ گیا نیز زبان میں بھی ثقل تھا اور عموماً خرید و فروخت میں دھوکا کھا لیتا تھا تو آنحضرت صلعم نے اس کو تین دن کا اختیار دیا اور فرمایا کہ تو خرید کیا کر اور یہ کہدیا کہ لاخلابۃ یعنی مجھکو فریب نہ دینا۔ پس یہ لاخلابۃ کہدیا کرتا تھا اور خرید کر گھر والوں کے پاس آتا وہ کہتے یہ تو گراں قیمت ہے تو جواب دیتا کہ آنحضرت صلعم نے مجھکو بیع میں اختیار دیا ہے۔

قولہ ولو اکثر الخ خیار شرط کی چند صورتیں ہیں (۱) مشتری یہ کہے کہ مجھکو اختیار ہے یا چند روز تک اختیار ہے یا ہمیشہ کیلئے اختیار ہے۔ یہ صورت بالاتفاق فاسد ہے۔ (۲) یہ کہے کہ مجھکو تین دن یا اس سے کم کا اختیار ہے (۳) تین دن سے زائد کی شرط لگائے مثلاً ماہ دو ماہ یہ صورت مختلف ہے۔ مثلاً اگر مبیع ایسی شئی ہو جو ایک آدھ سے زائد باقی نہ رہ سکے جیسے فواکہ وغیرہ تو ان کے یہاں ایک دن سے زائد اختیار ہو گا اور اگر ایسی شئی ہو جس کے وصف پر تین دن میں آگہی نہیں ہو سکتی تو تین دن سے زائد تک خیار شرط ہو سکتا ہے' صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ خیار شرط کی مشروعیت غور و فکر کرنے کے پیش نظر ہے جس میں کبھی تین دن سے زائد کی بھی ضرورت واقع ہوتی ہے۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسے تاجیل ثمن کے مقتضی عقد کے خلاف ہونے کے باوجود تاجیل ثمن جائز ہے مدت کم ہو یا زائد۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ شرط خیار مقتضی عقد (یعنی لزوم بیع) کے خلاف ہے اس لئے اس کا جواز مورد نص تک ہی محدود ہو گا اور نص سے صرف تین دن کی اجازت ہے۔

ع..... حاکم، شافعی، بیہقی عن ابن عمر، ابن ماجہ دار قطنی، بخاری (فی تاریخہ الوسط) ۱۲

ع..... ابن ابی شیبہ عن محمد بن یحییٰ (مرسلا طبرانی عن) عمر (فی مضاہ) سنن اربعہ عن انس (بغیر ذکر الخیار ۱۲

لانہ انعقد فاسداً فلا ینقلب صحیحاً۔ عبدالرزاق عن انس، دار قطنی عن ابن عمر ۱۲

چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اونٹ خریدا اور چار دن کا اختیار شرط کرلیا تو آپ نے بیع کو باطل کردیا اور فرمایا کہ اختیار تین ہے دن ہے' پھر تین دن سے زائد خیار شرط ہونے کی صورت میں اگر صاحب خیار نے تین دن کے اندر لزوم بیع کی اجازت دیدی تو امام صاحب کے نزدیک بیع جائز ہوجائے گی کیونکہ اس نے مفسد بیع کو قبل از تقرر ساقط کردیا۔ امام شافعی کے نزدیک جائز نہ ہوگی۔

وَلَوْ بَاعَ عَلٰى اَنَّهُ اِنْ لَمْ يُنْقِدِ الثَّمَنَ اِلٰى ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فَلَا بَيْعَ صَحَّ وَاِلٰى اَرْبَعَةٍ لَا فَاِنْ نَقَدَ فِى الثُّلُثِ صَحَّ

اگر اس شرط پر بیچا کہ اگر تین دن تک دام نہ دے تو بیع صحیح نہ ہوگی تو یہ صحیح ہے اور چار دن تک صحیح نہیں پھر اگر دام دیدے تین دن میں تو صحیح ہوجائیگی

وَخِيَارُ الْبَائِعِ يَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِيْعِ عَنْ مِلْكِهٖ وَبِقَبْضِ الْمُشْتَرِىْ يَهْلِكُ بِالْقِيْمَةِ وَخِيَارُ الْمُشْتَرِىْ لَا يَمْنَعُ وَلَا

بائع کا اختیار نہیں نکلنے دیتا مبیع کو اس کی ملک سے اور مشتری کے قبضہ سے ہلاک ہوگی قیمت کے عوض اور مشتری کا اختیار نہیں روکتا اور نہ وہ اس کا

يَمْلِكُهٗ وَبِقَبْضِهٖ يَهْلِكُ بِالثَّمَنِ كَتَعَيُّبِهٖ فَلَوِ اشْتَرٰى زَوْجَتَهٗ بِالْخِيَارِ بَقِىَ النِّكَاحُ فَاِنْ وَطِئَهَا لَهٗ اَنْ يَرُدَّهَا.

مالک ہوتا ہے اور اس کے قبضہ سے ہلاک ہوگی ثمن کے عوض جیسے معیوب ہونے کی صورت میں سو اگر بیوی کو خرید اختیار کیساتھ تو نکاح باقی رہے گا اور وطی کے بعد اس کو لوٹا بھی سکتا ہے

تشریح الفقہ: قولہ ولو باع الخ ایک شخص نے کوئی چیز اس شرط پر خریدی کہ اگر تین دن تک ثمن نہ دے سکا تو ہمارے درمیان بیع نہیں گویا بیع بشرط خیار نقد ہوئی تو امام صاحب کے نزدیک بیع صحیح ہے مگر استحساناً قیاس کی رو سے بیع صحیح نہیں کیونکہ اس میں اقالہ کی شرط ہوگئی۔ اور اقالہ کی شرط سے بیع فاسد ہوجاتی ہے۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ اسی کے قابل ہیں۔ اور اگر چار دن کی شرط لگائی تو بیع صحیح نہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں اصح یہ ہے کہ آپ امام صاحب کے ساتھ ہیں" اب اگر مشتری تین دن کے اندر اندر ثمن ادا کردے تو شیخین اور امام محمد سب کے نزدیک بیع صحیح ہوجائے گی۔ امام صاحب کے نزدیک تو اس لئے کہ خیار نقد خیار شرط کیساتھ ملحق ہے۔ اور خیار شرط تین دن تک صحیح ہے۔ اس سے زائد کی صورت میں صحیح نہیں تو خیار نقد بھی تین دن تک ہی صحیح ہوگا اس سے زیادہ صحیح نہ ہوگا' اور امام محمد کے نزدیک اس لئے صحیح ہے کہ ان کے یہاں خیار شرط میں تین دن کی تحدید نہیں۔ امام ابو یوسف **فاخذفی الاصل بالا ثرو هوماروى ان ابن عمر اجاز الخيار الى شهرين وفى هذا بالقياس۔**

فائدہ: ہر عقد لازم محتمل الفسخ میں خیار شرط صحیح ہے جیسے مزارعۃ' معاملہ' اجارہ' قسمت' صلح عن المال وغیرہ لازم کی قید سے وصیت نکل گئی کیونکہ موصی زندگی بھر وصیت میں رجوع کرسکتا ہے اور موصی لہ کو قبول وعدم قبول کا اختیار ہے۔ اور متحمل الفسخ کی قید سے طلاق اور نکاح وغیرہ نکل گیا کہ ان میں خیار شرط نہیں' علامہ ابن عابدین نے کل عقود کو ان اشعار میں ذکر کیا ہے۔

يصح خيار الشرط فى ترك(۱)شفعة	(۲)وبيع (۳) وابراء ' (۴)ووقف (۵)كفاله
وفى (۶)قسمة (۷)خلع و(۸)عتق (۹)اقاله	' (۱۰)وصلح عن الاموال ثم (۱۱)الحواله
(۱۲)مكاتبة (۱۳)رهن كذاك (۱۴)اجاره	وزيد(۱۵)مساقاة (۱۶) مزارعة له
وماصح فى (۱)صرف (۲)نكاح (۳)اليه	وفى (۴)سلم (۵)نذر (۶)طلاق(۷)وكاله
كذالک (۸)اقرار وزيد (۹)وصيته	كما مربحثا فاغتنم ذى المقاله

(۱)..... قیدہ بانہ لو ہلک قبل القبض فلاشئی علیہ اتفاقا ۱۲۔ قیل وقد رجع عنہ والذی رجع الیہ او مع محمد کذا فی غایۃ البیان ۱۲ بحر

قولہ وخیار البائع الخ اگر بیع میں خیار بائع کے لئے ہوتو مبیع بائع کی ملک سے نہیں نکلتی۔ کیونکہ بیع اس وقت تام ہوتی ہے جب جانبین کی رضا حاصل ہو جائے پس خیار کے ہوتے ہوئے بیع تام نہ ہوگی یہی وجہ ہے کہ مشتری کو مبیع میں تصرف کا حق نہیں۔ نیز اگر مبیع غلام ہو اور بائع اس کو آزاد کر دے تو غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ پھر اگر مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کر لیا اور مدت خیار میں مبیع ہلاک ہوگئی تو مشتری پر مبیع کا بدل لازم ہوگا یعنی مبیع قیمتی ہو اور مثلی ہو تو مثل واجب ہوگا کیونکہ خیار کی وجہ سے بیع موقوف تھی اور جب مبیع ہلاک ہوگئی تو محل ہی ختم ہو گیا لہٰذا بیع فسخ ہو جائے گی۔ کیونکہ بدون محل بیع نافذ نہیں ہوسکتی۔ پس مشتری کے پاس مبیع مقبوض علیٰ سوم الشراء ہوئی۔ اور مقبوض علیٰ سوم الشراء میں بدل واجب ہوتا ہے۔

قولہ وخیار المشتری الخ اور اگر بیع میں خیار مشتری کیلئے ہوتو مبیع بائع کی ملک سے نکل جائے گی۔ اب اگر وہ مشتری کے قبضہ میں رہتے ہوئے ہلاک ہوئی تو بعوض ثمن ہلاک ہوگی۔ کیونکہ مبیع کا ہلاک ہونا مقدمہ عیب سے خالی نہیں اور عیب کے ہوتے ہوئے واپسی ممکن نہیں۔ پس بیع لزوم عقد کی صورت میں ہلاک ہوئی اور عقد لازم ہونے کے بعد مبیع کا ہلاک ہونا موجب ثمن ہوتا ہے نہ کہ موجب قیمت اخلافاً **للشافعی فان عندہ تجب القیمۃ**) پھر امام صاحب کے نزدیک مشتری اس کا مالک نہ ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مالک ہو جائے گا اس واسطے کہ خیار مشتری کی وجہ سے مبیع بائع کی ملک سے نکل گئی۔ اب اگر مشتری بھی اس کا مالک نہ ہو تو زوال ملک لا الی مالک لازم آئے گا۔ جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر مشتری کو مبیع کا مالک قرار دیا جائے تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ اول یہ کہ مشتری کی ملک میں بدلین یعنی مبیع اور ثمن کا جمع ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ ابھی ثمن مشتری کی ملک سے نہیں نکلا۔ اور ایک شخص کی ملک میں بدلین جمع ہونے کی کوئی نظیر نہیں۔ بخلاف زوال ملک لا الیٰ مالک کے اس کی نظیر موجود ہے مثلاً متولی کعبہ نے خدمت کعبہ کیلئے کوئی غلام خریدا تو وہ مالک کی ملک سے نکل جاتا ہے۔ اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر ترکہ کا مال مستغرق بالدین ہو تو میت کی ملک سے نکل جاتا ہے اور ورثہ اور قرض خواہوں کی ملک میں داخل نہ ہوتا۔ یہی حال وقف کا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ جس مصلحت کے لئے خیار کی مشروعیت ہے وہ مصلحت فوت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مبیع اگر مشتری کا کوئی قرابتدار غلام ہو تو وہ بلا اختیار فوراً آزاد ہو جائے گا۔ حالانکہ خیار کی مشروعیت غور و فکر کے لئے ہے تا کہ صاحب خیار اپنی مصلحت کے موافق عمل کرے۔

قولہ بالثمن الخ ثمن اور قیمت کے درمیان فرق یہ ہے کہ جس مقدار پر متعاقدین راضی ہو جائیں خواہ وہ قیمت سے زائد ہو یا کم اس کو ثمن کہتے ہیں۔ اور جس سے شئی کو تقویم ہو یعنی بلا زیادتی و نقصان مالیت کی مقدار بمنزلہ معیار بلحاظ نرخ بازار اس کو قیمت کہتے ہیں۔

قولہ فلو اشتری الخ امام مالک صاحب اور صاحبین کے اختلاف پر تفریع ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بشرط خیار خرید لے اور بیوی کسی دوسرے کی باندی ہو تو امام صاحب کے نزدیک نکاح باقی رہے گا۔ کیونکہ مدت خیار میں زوجہ زوج کی ملک میں داخل نہیں ہوئی۔ ہاں جب خیار ساقط ہوگا تب نکاح باطل ہوگا اور صاحبین کے نزدیک بیوی خرید لینے کے بعد نکاح فسخ ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کے نزدیک زوجہ ملک زوج میں داخل ہو چکی۔ اور اگر زوجہ مذکور ثیبہ ہو اور مشتری اس سے وطی کر لے تو امام صاحب کے نزدیک وطی کی بعد اس کو لوٹا سکتا ہے کیونکہ وطی ملک یمین کے واسطے سے نہیں ہوئی بلکہ ملک نکاح کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ صاحبین کے نزدیک نہیں لوٹا سکتا۔ خواہ وہ ثیبہ ہو یا باکرہ۔

فائدہ: امام صاحب اور صاحبین کے مذکورہ بالا اختلاف پر پندرہ مسائل متفرع ہوتے ہیں۔ جن کی طرف بعض حضرات نے اٰلحق عزک قحم تتصدر کے مجموعہ سے اشارہ کیا ہے۔ الف سے لمۃ منکوحہ مشتراۃ کی طرف اشارہ ہے اور سین استبراء رحم کی طرف اور حاء سے محرم کی طرف اور قاف سے منکوحہ مشتراۃ کے قربان کی طرف عین سے ودیعت کی طرف (جو مشتری بائع کے پاس رکھدی ہو) زاء سے زوجہ مشتراۃ کی طرف (**لو ولدت فی یدالبائع لم تصرام ولد**) کاف سے کسب عبد کی طرف (**فکسبہ فی المدۃ للبائع بعد الفسخ** خاء سے خمر کی طرف (اگر ذمی نے ذمی سے خریدی پھر مشتری مسلمان ہو گیا تو شراب بائع کی ہوگی) میم سے ماذون کی طرف (

فلو ابراه البائع عن الثمن صح استحساناً) تاء اول سے تعلیق کی طرف (کان ملکته فهو حر فشراه بخیار لم یعتق) تاء ثانی سے استدامت کی طرف (یعنی اجارہ یا اعارہ کے سبب سے دوام سکنی اختیار نہیں) صاد سے صید کی طرف (فلو اشتراه بخیار فاحرم بطل البیع) دال سے زوائد کی طرف (یعنی جو چیزیں مدت خیار میں پیدا ہوں وہ فسخ بیع کے بعد بائع کی ہوں گی) راء سے عصیر کی طرف (کہ اگر وہ مسلمان بشرط خیار شیرہ انگور فروخت کیا اور مدت خیار میں وہ شراب بن جائے تو بیع فاسد ہوجائے گی۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَوْ اَجَازَ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ بِغَيْبَةِ صَاحِبِهٖ صَحَّ وَلَوْ فَسَخَ لاَ وَ تَمَّ الْعَقْدُ بِمَوْتِهٖ

اور اگر جائز رکھا صاحب خیار نے اپنے ساتھی کی عدم موجودگی میں تو صحیح ہے اور اگر فسخ کیا تو صحیح نہیں اور تمام ہوجاتا ہے عقد اس کے مرجانے

وَمُضِيِّ الْمُدَّةِ وَالْاِعْتَاقِ وَتَوَابِعِهٖ وَالْاَخْذِ بِشُفْعَةٍ وَلَوْ شَرَطَ الْمُشْتَرِيُ الْخِيَارَ لِغَيْرِهٖ

اور مدت گزر جانے اور آزاد کرنے اور آزادی کے توابع یعنی مکاتب یا مدبر کرنے اور بطریق شفعہ لینے سے اور اگر شرط کرلیا مشتری نے خیار

صَحَّ وَاَيُّهُمَا اَجَازَ اَوْ نَقَضَ صَحَّ فَاِنْ اَجَازَ اَحَدُهُمَا وَنَقَضَ الْاٰخَرُ فَالْاَسْبَقُ اَحَقُّ

دوسرے کیلئے تو صحیح ہے اب ان میں سے جو شخص جائز یا فسخ کرے صحیح ہے پس اگر جائز کیا ان میں سے ایک نے اور فسخ کیا دوسرے نے تو سابق احق ہوگا

وَاِنْ كَانَا مَعًا فَالْفَسْخُ وَلَوْ بَاعَ عَبْدَيْنِ عَلٰى اَنَّهٗ بِالْخِيَارِ فِيْ اَحَدِهِمَا اِنْ فَصَّلَ وَعَيَّنَ صَحَّ وَاِلاَّ لاَ.

اور اگر دونوں نے ایک ہی ساتھ کیا تو بیع فسخ ہوگی اور اگر بیچا دو غلاموں کو اس شرط پر کہ ان میں سے ایک میں اختیار ہے تو اگر اس نے تفصیل وتعیین کردی تب صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں۔

تشریح الفقہ: قوله ولو اجاز الخ بائع اور مشتری میں سے کسی کو اختیار تھا اس نے بیع کو نافذ کردیا تو بیع نافذ ہوجائے گی۔ گو دوسرا ساتھی اس سے ناواقف ہو لیکن اگر دوسرے کی عدم موجودگی میں بیع کو فسخ کیا تو طرفین کے نزدیک بیع فسخ نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے عاقد کو مدت خیار میں اس کا علم نہ ہوجائے۔ امام ابو یوسف امام زفر اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ بیع فسخ ہوجائے گی۔ کیونکہ صاحب خیار دوسرے عاقد کی جانب سے فسخ بیع پر مسلط ہے تو جس طرح صاحب خیار کا بیع کو جائز کرنا دوسرے عاقد کے علم پر موقوف نہیں۔ اسی طرح بیع کو فسخ کرنا بھی اس کے علم پر موقوف نہ ہوگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ بیع کو فسخ کرنا دوسرے کے حق میں تصرف کرنا ہے۔ اور یہ تصرف دوسرے کے حق میں مضر ہے لہٰذا اس کے علم پر موقوف ہوگا بخلاف نفاذ کے بیع کو نافذ کرنے میں دوسرے کا کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔

قوله وتم العقد الخ مذکورہ ذیل امور میں سے کسی امر کے پائے جانے سے عقد بیع تمام ہوجاتا ہے (۱) صاحب خیار کا مرجانا۔ خواہ بائع ہو یا مشتری اگر بائع صاحب خیار تھا تو ثمن اس کے وارثوں کے ملک میں داخل ہوگا اور مشتری صاحب خیار تھا تو مبیع اس کے وارثوں کی ملک میں داخل ہوگی۔ پھر ہمارے یہاں خیار شرط میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ یعنی وارثوں کے فسخ کرنے سے بیع فسخ نہ ہوگی۔ امام شافعی امام مالک کے یہاں خیار شرط میں وارثت جاری ہوتی ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ خیار شرط حق لازم ہے۔ لہٰذا اس میں وارثت جاری ہوگی جیسے خیار عیب اور خیار تعیین میں وارثت جاری ہوتی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وارثت ان امور میں جاری ہوتی ہے۔ جن میں انتقال متصور ہوسکے جیسے اعیان وذوات۔ اور خیار ارادے اور مشیت کا نام ہے۔ جس میں انتقال متصور نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مورث کا

---

(۱) وهو البائع ان كان الخيار للمشترى وهو ان كان الخيار للبائع ۱۲ . (۲) قيد بخيار الشرط لان خيار العيب والرويه يثبت بغير العاقدين ۱۲ بحر الرائق بحذف (۳) اى فالفسخ احق من الاجازة قوى لان المجاز يلحقه الفسخ والمفسوخ لاتلحقه الاجازة ۱۲ زيلعى وكشف .
لانه عساه يعتمد تمام البيع السابق فيتصرف فيه فيلزمه غرامة القيمة بالهلاك فيما اذا كان الخيار للبائع اولا يطلب لسلعة مشتريا فيما اذا كان الخيار للمشترى وهذا نوع ضرر ۱۲

ارادہ اس کی موت سے منقطع ہو گیا لہذا اس میں وارثت جاری نہیں ہو سکتی۔ اور خیار شرط خیار عیب و خیار تعیین پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اس واسطے کے مورث اس مبیع کا مستحق ہے۔ جو عیب سے سالم ہو تو اس کا وارث بھی صحیح سالم کا مستحق ہو گا کیونکہ وہ اس کا خلیفہ ہے۔ پس وارث کے لئے ثبوت خیار بطور خلافت ہوا نہ کہ بطور وراثت۔ اسی طرح وارث کے تعیین کا ثابت ہونا اس لئے نہیں کہ وہ مورث کے خیار کا وارث ہے بلکہ اس لئے ہیں کہ اس کی ملک دوسرے کی ملک کے ساتھ مخلوط ہے۔ (۲) مدت خیار کا گزر جانا۔ خواہ خیار بائع کے لئے ہو یا مشتری کیلئے۔ اگر صاحب خیار کو بیماری یا بیہوشی کی وجہ سے معلوم نہ ہو کہ مدت خیار گزر گئی بہر حال بیع تمام ہو جائے گی۔ **کذافی الاختیار خلافاً لمالک**:۔

قولہ والا عتاق الخ (۳) صاحب خیار کا آزاد کر دینا۔ اگر چہ غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا ہو (۴) توابع اعتاق یعنی تدبیر اور کتابت کا پایا جانا۔ مگر ان دونوں کے ذریعہ بیع تمام ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ خیار مشتری کے لئے ہو اور اسی سے ان افعال کا صدور ہوا ہو اگر خیار بائع کیلئے ہو گا تو بیع تمام نہ ہوگی بلکہ فسخ ہو جائے گی۔ (۵) جس مکان کو خیار شرط ساتھ خریدا ہو اس کے واسطے شفعہ طلب کرنا۔ مثلاً زید نے ایک مکان بشرط خیار خریدا پھر اس کے پڑوس میں دوسرا مکان فروخت ہوا اور زید نے پہلے مکان کے سبب سے اس دوسرے مکان کا شفعہ طلب کیا تو پہلے مکان کی بیع تمام ہوگئی گو اس نے ابھی وہ مکان نہ لیا ہو۔ کیونکہ شفعہ طلب کرنا اجازت بیع کی دلیل ہے۔ اس واسطے کہ حق شفعہ بلا ملک نہیں ہو سکتا۔ جب اس نے ملک اختیار کر لی تو شرط خیار ساقط ہو گئی لہذا بیع تمام ہو جائے گی۔

قولہ ولو شرط المشتری الخ اگر مشتری نے (یا بائع نے) کسی اجنبی کیلئے خیار کی شرط کر لی تو یہ بھی صحیح ہے مگر استحساناً قیاس کی رو سے جائز نہیں۔ چنانچہ امام زفر اسی کے قائل ہیں اس واسطے کہ خیار احکام عقد میں سے ہے۔ پس غیر کیلئے اس کی شرط کرنا مقتضی عقد کے خلاف ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ اکثر اوقات بیع میں اس کی بھی ضرورت واقع ہوتی ہے کہ خیار کسی ایسے اجنبی کیلئے ہو جو خرید و فروخت کے معاملہ میں مہارت رکھتا ہو۔ اب غیر کے لئے ثبوت خیار کی دو صورتیں ہیں یا تو بالا صالۃ ہو یا بالنیابۃ پہلی صورت باطل ہے کیونکہ غیر کیلئے بالا صالۃ ثبوت خیار کے کوئی معنی ہی نہیں تو لا محالہ دوسری صورت اختیار کی جائے گی۔ پس خیار اولاً عاقد کیلئے ہو گا اس کے بعد اجنبی اس کا نائب قرار پائے گا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر نائب و نیب میں سے جو کوئی عقد بیع کو نافذ یا فسخ کرے صحیح ہے لیکن اگر ایک نے جائز کیا اور دوسرے نے فسخ کیا تو جو پہلے نافذ یا فسخ کریگا اسی کا اعتبار ہو گا۔ اور اگر دونوں نے ایک ساتھ نافذ یا فسخ کیا تو فسخ اولیٰ ہو گا **کمافی الاختیار وصححه قاضی خان وقال الزیلعی هو الاصح وبه جزم المصنف و کثیر من اصحاب المتون**۔

قولہ ولو باع عبدین الخ ایک شخص نے دو غلام فروخت کئے اور ایک غلام میں اختیار کی شرط کر لی تو اگر اس نے ہر ایک کی قیمت علیحدہ علیحدہ بیان کر دی اور جس غلام میں اختیار کی شرط کی اس کو معین کر دیا مثلاً یوں کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ ان دونوں غلاموں میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ سو کے عوض میں اس شرط پر فروخت کیا کہ مجھکو اس خاص غلام میں اختیار ہے تو ثمن اور مبیع ہر دو معلوم ہونے کی وجہ سے بیع صحیح ہے۔

فائدہ: اس مسئلے کی چار صورتیں ہیں ایک صحیح اور تین فاسد ہیں۔ صحیح صورت تو اوپر مذکور ہو چکی۔ باقی تین صورتیں یہ ہیں (۱) نہ ثمن کی تفصیل ہو نہ اس غلام کی تعیین جس میں اختیار ہے۔ یہ صورت ثمن اور مبیع ہر دو مجہول ہونے کی وجہ سے فاسد ہے۔ جہالت ثمن تو ظاہر ہے۔ جہالت مبیع کی وجہ یہ ہے کہ جس غلام میں اختیار ہے وہ تو گویا عقد ہی سے خارج ہے۔ اس واسطے کہ خیار کے ہوتے ہوئے بیع حکم کے لحاظ سے منعقد نہیں ہوتی تو داخل عقد صرف ایک غلام رہا اور وہ مجہول ہے۔ (۲) ثمن کی تفصیل ہو اور غلام کی تعیین نہ ہو۔ (۳) غلام کی تعیین ہو اور ثمن کی تفصیل نہ ہو یہ دونوں صورتیں بھی فاسد ہیں۔ کیونکہ ایک میں مبیع مجہول ہے اور دوسری میں ثمن مجہول ہے۔ یہی چار صورتیں اس وقت بھی ہو سکتی ہیں جب خیار مشتری کے لئے ہو تو در صورت تفصیل ثمن تعیین مبیع بیع صحیح ہوگی اور اگر دونوں نہ ہوں یا صرف تعیین ہو یا صرف تفصیل ہو تو بیع صحیح نہ ہوگی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَصَحَّ خِيَارُ التَّعْيِينِ فِيمَا دُوْنَ الْاَرْبَعَةِ وَلَوْ اِشْتَرَيَا عَلٰى اَنَّهُمَا بِالْخِيَارِ فَرَضِيَ اَحَدُهُمَا لَايَرُدُّهُ الْاٰخَرُ

اور صحیح ہے خیار تعیین چار سے کم میں اور اگر خریدا دو آدمیوں نے اس شرط پر کہ دونوں کو اختیار ہے پھر ایک راضی ہو گیا تو دوسرا اس کو واپس نہیں کر سکتا

وَلَوْ اِشْتَرٰى عَبْدًا عَلٰى اَنَّهُ خَبَّازٌ اَوْ كَاتِبٌ فَكَانَ بِخِلَافِهِ اَخَذَهُ بِكُلِّ الثَّمَنِ اَوْ تَرَكَهُ.

اور اگر خریدا غلام اس شرط پر کہ وہ نانبائی یا کاتب ہے اور وہ اس کے خلاف نکلا تو لے اس کو کل ثمن کیساتھ یا چھوڑ دے

تشریح الفقہ: **قولہ وصح الخ** چار سے کم یعنی دو تین چیزوں میں مشتری کے لئے خیار تعیین صحیح ہے۔ مثلاً بائع مشتری سے کہے کہ میں نے ان غلاموں سے ایک تیرے ہاتھ فروخت کیا اس شرط پر کہ تو ان میں سے ایک کو پسند کر لے۔ خیار تعیین کا جواز مبنی بر استحسان ہے قیاس کی رو سے جائز نہیں کیونکہ مبیع مجہول ہوتی ہے۔ چنانچہ امام زفر اور امام شافعی جواز کے قائل نہیں۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ خیار کی مشروعیت غبن سے بچنے کیلئے ہے خوب اچھی طرح سوچکر جس کو اپنے لئے مناسب سمجھے خرید لے۔ اور یہ ضرورت خیار تعیین میں بھی محقق ہے اس لئے خیار شرط کی طرح خیار تعیین بھی جائز قرار پایا۔ پھر اس ضرورت کا حال چونکہ تین میں بخوبی ہو سکتا ہے کیونکہ تین میں عمدہ، ناقص اور متوسط تینوں درجے ہوتے ہیں اس لئے تین سے زائد میں خیار تعیین کی حاجت نہیں۔

تنبیہ: خیار تعیین صرف قیمت والی چیزوں میں صحیح ہے مثلیات میں صحیح نہیں۔ قیمت والی چیزیں وہ ہیں جن کے افراد میں تفاوت ہو جیسے باندی، غلام، کپڑا، کتاب وغیرہ اور مثلی چیزیں وہ ہیں جن کے افراد یکساں ہوں جیسے کیلی اور وزنی چیزیں تو جب مثلیات میں تفاوت نہیں ہوتا تو ان میں خیار تعیین کی شرط کرنا بے فائدہ ہے۔ **ولم یذکر المصنف خیار الشرط مع خیار التعیین للاختلاف فقیل یشترط وقیل لا۔**

قولہ ولو اشتریا الخ دو آدمیوں میں بالاشتراک کوئی چیز بشرط خیار خریدی پھر ان میں سے ایک راضی ہو گیا تو امام صاحب کے نزدیک دوسرا شخص اپنے حصہ کو واپس نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کا خیار باطل ہو گیا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واپس کر سکتا ہے۔ یہی اختلاف خیار عیب اور خیار رویت کی صورت میں ہے یعنی ایک نے اس چیز کو دیکھ کر پسند کیا اور دوسرے نے ناپسند کیا۔ یا ایک شخص عیب کے ساتھ راضی ہو گیا اور دوسرا نہ ہوا تو امام صاحب کے نزدیک دوسرا شخص واپس نہیں کر سکتا۔ صاحبین کے نزدیک کر سکتا ہے۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ شریکین کے لئے خیار ثابت کرنا ان سے میں ہر ایک کیلئے ثابت کرنا ہے پس ایک کے ساقط کرنے سے دوسرے کا خیار ساقط نہ ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ واپس کرنے کی صورت میں بائع کا نقصان لازم آتا ہے۔* کیونکہ اس سے قبل وہ اس کا بلا شرکت مالک تھا۔ اور اب اس کا دوسرا شخص شریک ہو گیا اور شرکت بلا شبہ عیب ہے۔ کیونکہ مشترک چیز میں ہر شریک بالاستقلال تصرف نہیں کر سکتا۔

قولہ ولو اشتری الخ ایک شخص نے غلام اس شرط پر خریدا کہ وہ نان پز یا کاتب ہے یعنی یہ اس کا پیشہ ہے۔ پھر وہ اس کے خلاف ظاہر ہوا یعنی اس میں یہ ہنر نہ پایا گیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے پوری قیمت دے کر لیلے اور چاہے چھوڑ دے۔ لینے کی صورت میں پوری قیمت اسلئے لازم ہے کہ اوصاف کے مقابلہ میں قیمت نہیں۔ کیونکہ اوصاف تبع ہوتے ہیں نہ کہ اصل۔ اور چونکہ نان پزی اور کتابت مرغوب اوصاف ہیں۔ اس لئے ان کے نہ ہونے کی صورت میں رد بیع کا اختیار ہوگا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

* ای ان امکن لانہ لو تعذرا الرد بسبب رجع المشتری علی البائع بالنقصان فی ظاہر الروایۃ وھوا لاصح ۱۲ مجمع الانہر

بَابُ خِيَارِ الرُّؤْيَةِ

باب خیار رویت کے بیان میں

شِرَاءُ مَالَمْ يَرَهُ جَائِزٌ وَلَهُ اَنْ يَرُدَّهُ اِذَا رَاٰهُ وَاِنْ رَضِيَ قَبْلَهُ وَلاَ خِيَارَ لِمَنْ بَاعَ مَالَمْ يَرَهُ

خریدنا بے دیکھی چیز کو جائز ہے اور وہ اس کو واپس کر سکتا ہے دیکھنے کے بعد گو اس سے پہلے راضی ہو گیا ہو اور نہیں ہے اختیار اس کو جو بیچے بے دیکھی چیز کو

وَيَبْطُلُ بِمَايَبْطُلُ بِهٖ خِيَارُ الشَّرْطِ وَكَفَتْ رُؤْيَةُ وَجْهِ الصُّبْرَةِ وَالرَّقِيْقِ وَالدَّابَّةِ وَكَفَلِهَا.

اور باطل ہو جاتا ہے ان چیزوں سے جن سے باطل ہو جاتا ہے خیار شرط اور کافی ہے دیکھنا ڈھیر اور غلام کے چہرہ کو اور جانور کے منہ اور اس کے پٹھے کو

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ خیار عیب لزوم حکم سے مانع ہوتا ہے اور خیار رویت تمامیت حکم سے مانع ہوتا ہے اور لزوم حکم تمامیت حکم کے بعد ہوتا ہے اس لئے مصنف نے خیار رویت کو خیار عیب پر مقدم کیا ہے خیار الرویۃ میں اضافت مسبب الی السبب ہے یعنی وہ اختیار جو مشتری کو مبیع دیکھنے کے بعد حاصل ہوتا ہے' خیار رویت چار مقام میں ثابت ہوتا ہے (۱) اعیان وذوات کی خریداری میں (۲) اجارہ میں (۳) قسمت میں (۴) اس صلح میں جو مال کے دعوی سے کسی معنی شئی پر ہو پس دیون ونقود اور ان عقود میں خیار رویت نہ ہوگا جو فسخ کرنے سے فسخ نہیں ہوتے جیسے مہر' بدل خلع' بدل صلح عن القصاص' فتح القدیر میں ہے کہ جب دیون میں خیار رویت نہیں ہے تو مسلم فیہ میں خیار رویت نہ ہوگا۔

قولہ شراء الخ احناف' موالک' حنابلہ سب کے نزدیک بے دیکھی چیز خریدنا جائز ہے اور دیکھنے کے بعد مشتری مختار ہے لے یا نہ لے گو دیکھنے سے قبل راضی ہو چکا ہو امام شافعی کے یہاں بے دیکھی چیز خریدنے سے عقد ہی باطل ہے کیونکہ مبیع مجہول ہے ہماری دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص ایسی چیز خرید لے جس کو اس نے نہیں دیکھا تو دیکھنے کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے لے چاہے ترک کرے"۔

قولہ ولاخیار الخ بائع کو بن دیکھی چیز فروخت کرنے پر اختیار نہیں مثلاً کسی کو کوئی چیز وراثت میں ملی اور اس نے بے دیکھے فروخت کر دی تو اس کو دیکھنے کے بعد فسخ بیع کا اختیار نہیں ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ امام صاحب اولاً بائع کیلئے "ثبوت خیار رویت کے قائل تھے بعد میں اس سے رجوع کر لیا وجہ رجوع یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں خیار رویت شراء کے ساتھ خاص ہے پس بلا شراء ثابت نہ ہوگا۔ نیز حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمان سے کچھ مال خریدا لوگوں نے کہا آپ گھاٹے میں پڑ گئے آپ نے فرمایا تو حضرت جبیرؓ نے فرمایا کہ خیار طلحہ کیلئے ہے نہ کہ عثمان کیلئے۔

قولہ ویبطل الخ جن امور سے خیار شرط باطل ہو جاتا ہے جیسے تعیب وتصرف وغیرہ انھی امور سے خیار رویت باطل ہو جاتا ہے اب اگر صاحب خیار نے ایسا تصرف کیا جو واقع ہونے کے بعد مرتفع نہ ہو سکتا ہو جیسے غلام کو مدبر یا آزاد کر دینا یا تصرف یا تصرف کیا جس سے غیر کا حق ثابت ہوتا ہو جیسے بیع مطلق رہن اجارہ تو ایسے امور سے خیار رویت باطل ہو جائے گا خواہ رویت سے پہلے ہو یا رویت کے بعد اگر اس سے غیر کا حق ثابت نہ ہوتا ہو جیسے بشرط خیار فروخت کرنا تو ایسا تصرف قبل از رویت مبطل نہیں بعد از رویت مبطل ہے۔

قولہ و کفت الخ رویت کے سلسلے میں کل مبیع کو دیکھنا ضروری نہیں بلکہ اتنا حصہ دیکھ لینا کافی ہے جس سے مبیع کا حال معلوم ہو جائے جیسے کیلی اور وزنی چیزوں کے ڈھیر کی ظاہری سطح کو اور غلام کے چہرہ کو دیکھ لینا کہ اس سے خیار رویت ختم ہو جائے گا کیونکہ بعض کا دیکھنا کل کا دیکھنا ہے ہاں اگر ڈھیر کے اندر ناقص اناج نکلے تو اسکو پھیر سکتا ہے لیکن خیار رویت کی وجہ سے نہیں بلکہ خیار عیب کی وجہ سے اور جن چیزوں کے افراد میں تفاوت ہو ان میں خیار ساقط نہ ہوگا جب تک سب کو نہ دیکھ لے۔

ع۔۔۔۔۔۔۔دار قطنی ابی ہریرۃ ابن ابی شیبہ بیہقی دار قطنی عن مکحول (مرسلاً) ۱۲ ع۔۔۔۔۔۔۔طحاوی بیہقی عن علقمہ بن ابی وقاص ۱۲۔

وَظَاهِرِ الثَّوْبِ مَطْوِيًّا وَدَاخِلِ الدَّارِ وَنَظَرُ وَكِيلِهٖ بِالْقَبْضِ كَنَظَرِهٖ لَا نَظَرُ رَسُوْلِهٖ

اور ظاہری تہ کو لپٹے ہوئے کپڑے کی اور گھر کے اندرونی حصہ کو اور وکیل بالقبض کا دیکھنا اس کے دیکھنے کے مانند ہے نہ کہ اس کے قاصد کا دیکھنا

وَصَحَّ عَقْدُ الْاَعْمٰى وَيَسْقُطُ خِيَارُهٗ اِذَا اشْتَرٰى بِجَسِّ الْمَبِيْعِ وَشَمِّهٖ وَذَوْقِهٖ وَفِي الْعِقَارِ بِوَصْفِهٖ

اور صحیح ہے عقد نابینا کا اور ساقط ہو جاتا ہے اس کا اختیار جبکہ وہ خریدے مبیع کو ٹٹول کر یا اس کو سونگھ کر یا چکھ کر اور زمین میں اس کے وصف کیساتھ

وَمَنْ رَاٰى اَحَدَ الثَّوْبَيْنِ فَاشْتَرٰهُمَا ثُمَّ رَاَى الْاٰخَرَ لَهٗ رَدُّهُمَا وَلَا يُوَرَّثُ كَخِيَارِ الشَّرْطِ

اور جس نے دو میں سے ایک کپڑا دیکھا اور دونوں کو خرید لیا پھر دوسرا دیکھا تو وہ دونوں کو واپس کر سکتا ہے اور ورثہ میں نہیں آتا خیار شرط کی طرح

وَمَنِ اشْتَرٰى مَارَاٰى خُيِّرَ اِنْ تَغَيَّرَ وَاِلَّا لَا وَاِنِ اخْتَلَفَا فِي التَّغَيُّرِ فَالْقَوْلُ لِلْبَائِعِ

اور جس نے دیکھی ہوئی چیز خریدی تو اس کو اختیار دیا جائیگا اگر وہ متغیر ہو گئی ہو ورنہ نہیں اور اگر وہ اختلاف کریں تغیر میں تو بات بائع کی معتبر ہوگی

وَ لِلْمُشْتَرِيْ لَوْ فِي الرُّؤْيَةِ وَلَوِ اشْتَرٰى عِدْلًا وَبَاعَ مِنْهُ ثَوْبًا

اور مشتری کا قول معتبر ہوگا اگر اختلاف دیکھنے میں ہو، اگر خریدا ایک گانٹھ اور بیچدیا اس میں سے ایک کپڑا

اَوْ وَهَبَ وَسَلَّمَ رَدَّهٗ بِعَيْبٍ لَا بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ اَوْ شَرْطٍ.

یا ہبہ کر دیا اور اس کے حوالے بھی کر دیا تو واپس کر سکتا ہے اس کو عیب کے سبب سے نہ کہ خیار رویت یا خیار شرط کی وجہ سے

توضیح اللغۃ: مطوی لپٹا ہوا، جس چھونا، شم سونگھنا، ذوق چکھنا، عقار زمین، عدل کپڑے کی گانٹھ۔

تشریح الفقہ: قولہ و ظاہر الخ امام صاحب اور صاحبین کے نزدیک لپٹے ہوئے کپڑے کی ظاہری تہ اور ظاہر دار یا گھر کے صحن کا دیکھ لینا کافی ہے امام زفر فرماتے ہیں کہ پورے کپڑے کو کھول کر اور گھر کی کوٹھریوں اور اسکے دالان کو دیکھنا بھی ضروری ہے ان دونوں مسئلوں میں امام زفر کا قول مختار ہے اور اسی پر فتوی ہے اور یہ اختلاف دراصل اختلاف عادات پر مبنی ہے کہ کوفہ اور بغداد کے مکانات میں چھوٹے بڑے اور نئے پرانے ہونیکے علاوہ اور کوئی اختلاف نہ ہوتا تھا اسلئے ائمہ ثلاثہ نے ظاہر کو دیکھ لینا کافی سمجھا اور آجکل مکانات میں غیر معمولی اختلاف ہوتا ہے چنانچہ گرمی سردی کے مکانات بالائی اور زیریں مکانات انکے باورچی خانے اور غسل خانے وغیرہ مختلف ہوتے ہیں اسلئے ان سب کو دیکھنا ضروری ہے۔

قولہ و نظر وکیلہ الخ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو نے میری بن دیکھی خرید کردہ چیز پر قبضہ کرنے میں میرا وکیل ہے تو اس وکیل کا مبیع کو دیکھ لینا اسکے موکل کے دیکھنے کے مانند ہے کہ اب موکل اس چیز کو دیکھنے کے بعد خیار رویت کے لحاظ سے واپس نہیں کر سکتا اور اگر مشتری کے قاصد نے مبیع کو دیکھا تو اس کا دیکھنا مشتری کے دیکھنے کے مانند نہیں ہے یعنی مشتری دیکھنے کے بعد واپس کر سکتا ہے یہ حکم امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وکیل بالقبض اور قاصد دونوں عدم اسقاط خیار رویت کے سلسلہ میں برابر ہے۔

قولہ وصح الخ نابینا آدمی کی خرید و فروخت صحیح ہے گو وہ مادر زاد نابینا ہو کیونکہ نابیناؤں کی طرح وہ بھی مکلف اور خرید و فروخت کا محتاج ہے امام شافعی کے یہاں مادر زاد نابینا کی بیع و شرا اصلا جائز نہیں اگر اس نے مبیع کو ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر خریدا ہو اور ٹٹولنے اور سونگھنے یا چکھنے سے مبیع کا حال معلوم ہو جاتا ہو تو اسکا خیار رویت ساقط ہو جائیگا اور جو چیزیں ٹٹولنے سونگھنے اور چکھنے سے معلوم نہیں ہوتیں ایسی چیزوں میں اوصاف بیع کا ذکر سے خیار رویت ساقط ہو جائیگا اور اگر کسی بینا آدمی نے کوئی چیز بن دیکھے خریدی پھر وہ نابینا ہو گیا تو اسکا اختیار بیان وصف کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

فائدہ: نابینا جملہ مسائل میں بیناؤں کی طرح ہے سوائے بارہ مسائل کے اس پر جہاد، جمعہ، جماعت، اور حج نہیں۔ گو کوئی راہبر مل جائے، اس میں شہادت، قضاء اور امامت عظمی یعنی بادشاہت کی صلاحیت نہیں اس کی آنکھ میں دیت نہیں (حکومت عدل ہے) اس کی اذان، امامت مکروہ ہے الا یہ کہ سب سے زیادہ عالم ہو، اسکا ذبیحہ مکروہ ہے نابینا غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا صحیح نہیں۔

باب خیار العیب

باب خیار عیب کے بیان میں

مَنْ وَجَدَ بِالْمَبِيْعِ عَيْبًا اَخَذَهُ بِكُلِّ الثَّمَنِ اَوْ رَدَّهُ وَمَا اَوْجَبَ نُقْصَانَ الثَّمَنِ عِنْدَ التُّجَّارِ عَيْبٌ كَالْاِبَاقِ

جو پائے مبیع میں عیب تو لے اس کو کل ثمن کے ساتھ یا واپس کرے اور جو واجب کرے ثمن کی کمی کو تجار کے یہاں وہ عیب ہے جیسے بھگوڑا پن

وَالْبَوْلِ فِی الْفِرَاشِ وَالسَّرِقَةِ وَالْجُنُوْنِ وَالْبَخَرِ وَالدَّفَرِ وَالزِّنَا وَوَلَدِهٖ فِی الْجَارِيَةِ وَالْكُفْرِ فِيْهِمَا

اور پیشاب کرنا بستر پر اور چوری اور دیوانہ پن اور جیسے گندہ دہنی اور گندہ بغل اور زنا کار ہونا باندی میں اور جیسے کافر ہونا دونوں میں اور جیسے

وَعَدَمِ الْحَيْضِ وَالْاِسْتِحَاضَةِ وَالسُّعَالِ الْقَدِيْمِ وَالدَّيْنِ وَالدبر وَالشَّعْرِ وَالْمَاءِ فِی الْعَيْنِ.

نہ ہونا حیض کا اور آتے رہنا بیماری کے خون کا اور پرانی کھانسی اور مقروض ہونا اور بال اور پانی کا ہونا آنکھ میں

توضیح اللغۃ: تجار جمع تاجر، اباق بھگوڑا پن، بول پیشاب، بخر گندہ دہنی، وفر گندہ بغل ہونا، سعال قدیم پرانی کھانسی، دین قرض۔

تشریح الفقہ: قولہ خیار العیب الخ عرب میں عیب ہر وہ چیز ہے جس سے فطرت سلیمہ خالی ہو یعنی جو اصل خلقت میں داخل نہ ہو اور شرعاً عیب وہ ہے کہ جس کی وجہ سے سوداگروں کے یہاں اس چیز کی قیمت گھٹ جائے جیسے غلام کا بھاگنا، بستر پر پیشاب کرنا الخ تو جو شخص اپنی خریدی ہوئی چیز میں ایسا عیب پائے اس کو اختیار ہے کل ثمن دیکر لیلے اور چاہے واپس کردے کیونکہ مطلق عقد کا مقتضی یہ ہے کہ مبیع عیب سے پاک ہو تو معیوب ہونے کی صورت میں اس کو اختیار دیا جائے گا تاکہ اس کا نقصان لازم نہ آئے مگر یہ خیار چند شرطوں کے ساتھ مقید ہے۔ (۱) مبیع میں جو عیب ہے وہ بائع کے پاس رہتے ہوئے پیدا ہوا ہو مشتری کے پاس پیدا نہ ہوا ہو (۲) مشتری کو خریدتے وقت عیب معلوم نہ ہو (۳) قبضہ کے وقت بھی معلوم نہ ہو (۴) مشتری بلا مشقت ازالہ عیب پر قادر نہ ہو (۵) اس عیب سے یا جملہ عیوب سے براءت کی شرط نہ ہو (۶) فسخ ہونے سے پیشتر وہ عیب زوال پذیر نہ ہو۔

---

(۱) الاباق والبول فی الافراش والسرقة عیب فی صغیر ممیز و یزول بالبلوغ فان عاوده بعد البلوغ یکون عیباً حادثا ۱۲

(۲) هل یشترط فیه العود فی ید المشتری ؟ فبعضهم جعله کالاباق والبول فی الفراش فلا بد من المعادة واتحاد السبب وهو قول ابی بکر الاسکاف ومنهم من لم یتشرطه نظر االی قول محمد فی الجامع الصغیر ان الجنون عیب لازم ابدا فاذا جن فی یدالبائع کفی للردو اختاره ابوالليث والحلوانی وخواهرزاده وعامة المشائخ علی اشتراط العود فی ید المشتری وان لم یتحد السبب واختاره الصدر الشهیدو قاضیخان وصاحب الهداية وصححوه وحکمو ابغلط ماعداه ۱۲ بحر

(۳) یعنی ان الثلاثة عیب فی الجارية دون الغلام لانه یخل بالمقصود منها و هو الافتراش وطلب الولد ۱۲

(۴) لان طبع المسلم ینفر عن صحبة الکافر ومن اغرب ماذکره الزیلعی روایة عن الشافعی انه لو اشتراة علی انه کافر فوجده مسلماً یرده حیث یکون الاسلام عیباً ولایکون الکفر عیباً ۱۲ مجمع

(۵) لان مالیته تکون مشغولة به والغرماء متقدمون علی المولی ۱۲

(۶) لانهما یضعفان البصر ویورثان العمی ولذا کل مرض بالعین فهو عیب ومنه السبل کمانی المعراج وکثرة الدمع ۱۲

فَلَوْ حَدَثَ اٰخَرُ عِنْدَ الْمُشْتَرِیْ رَجَعَ بِنُقْصَانِہٖ اَوْ رَدَّہٗ بِرِضَاءِ بَائِعِہٖ وَمَنْ اِشْتَرٰی ثَوْبًا

پس اگر پیدا ہوجائے دوسرا عیب مشتری کے یہاں تو پھیر لے اس کا نقصان یا واپس کردے بائع کی رضامندی سے اور جس نے خریدا کپڑا

فَقَطَعَہٗ فَوَجَدَ بِہٖ عَیْبًا رَجَعَ بِالْعَیْبِ وَاِنْ قَبِلَہُ الْبَائِعُ کَذٰلِکَ فَلَہٗ ذٰلِکَ وَاِنْ بَاعَہُ الْمُشْتَرِیْ

اور اس کو کاٹا پھر پایا اس میں عیب تو رجوع کرے بقدر عیب اور اگر کٹا ہوا کپڑا لینا منظور کرلے بائع تو اس کو اس کا اختیار ہے اور اگر بیچ دیا ہو اس کو

لَمْ یَرْجِعْ بِشَیْءٍ فَلَوْ قَطَعَہٗ وَخَاطَہٗ اَوْ صَبَغَہٗ اَوْ لَتَّ السَّوِیْقَ بِسَمَنٍ فَاطَّلَعَ عَلٰی عَیْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِہٖ

مشتری نے تو رجوع نہیں کرسکتا اور اگر اس کو کاٹ کر سی لیا یا رنگ لیا یا ملا دیا ستو کو گھی کے ساتھ پھر مطلع ہوا عیب پر تو رجوع کرلے بقدر نقصان

کَمَا لَوْبَاعَہٗ بَعْدَ رُؤْیَۃِ الْعَیْبِ اَوْ مَاتَ الْعَبْدُ اَوْ اَعْتَقَہٗ فَاِنْ اَعْتَقَہٗ عَلٰی مَالٍ اَوْ قَتَلَہٗ اَوْ کَانَ طَعَامًا فَاَکَلَہٗ

جیسا کہ اگر بیچ دیا ہو اس کو عیب دیکھنے کے بعد یا مرگیا ہو غلام یا آزاد کردیا ہو اس کو پس اگر آزاد کیا اسکو مال کے عوض یا قتل کردیا یا کھانا تھا اس کو کھا گیا

اَوْ بَعْضَہٗ لَمْ یَرْجِعْ بِشَیْءٍ وَلَوْ اِشْتَرٰی بَیْضًا اَوْ قِثَّاءً اَوْ جَوْزًا وَوَجَدَہٗ فَاسِدًا یُنْتَفَعُ بِہٖ رَجَعَ بِنُقْصَانِ الْعَیْبِ

یا اس میں سے کچھ کھا گیا تو رجوع نہ کرے اگر خریدے انڈے یا کھیرے یا اخروٹ اور پایا ان کو اتنا خراب کہ کچھ کار آمد ہوسکتے ہیں تو رجوع کرے

وَاِلَّا بِکُلِّ الثَّمَنِ وَلَوْ بَاعَ الْمَبِیْعَ فَرُدَّ عَلَیْہِ بِعَیْبٍ بِقَضَاءٍ یَرُدُّہٗ عَلٰی بَائِعِہٖ

بقدر نقصان عیب ورنہ پھیر لے کل ثمن اگر بیچ ڈالا مبیع کو اور وہ لوٹا دی گئی اس پر عیب کی وجہ سے قاضی کے حکم سے تو وہ واپس کردے اپنے بائع کو

وَلَوْ بِرِضًی لَا وَلَوْ قَبَضَ الْمُشْتَرِیْ اَلْمَبِیْعَ وَادَّعٰی عَیْبًا لَمْ یُجْبَرْ عَلٰی دَفْعِ الثَّمَنِ وَلٰکِنْ یُبَرْھِنُ اَوْ یُحَلِّفُ

اور اگر بخوشی لوٹائی گئی تو نہیں اگر قبضہ کیا مشتری نے مبیع پر اور دعویٰ کیا عیب کا تو وہ مجبور نہ کیا جائیگا ثمن دینے پر لیکن وہ بینہ پیش کرے گا یا اپنے بائع

بَائِعَہٗ فَاِنْ قَالَ شُھُوْدِیْ بِالشَّامِ دَفَعَ اِنْ حَلَفَ بَائِعُہٗ فَاِنْ ادَّعٰی اِبَاقًا لَمْ یُحَلَّفْ بَائِعُہٗ

سے قسم لے گا پس اگر وہ کہے کہ میرے گواہ شام میں ہیں تو ثمن دیدے اگر قسم کھالے اس کا بائع اگر دعویٰ کیا بھگوڑا ہونے کا تو قسم نہ لیجائے اس کے بائع سے

حَتّٰی یُبَرْھِنَ الْمُشْتَرِیْ اَنَّہٗ اَبَقَ عِنْدَہٗ فَاِنْ بَرْھَنَ حَلَّفَ بِاللّٰہِ مَا اَبَقَ عِنْدَکَ قَطُّ.

یہاں تک کہ وہ گواہ لائے مشتری اس بات پر کہ وہ میرے پاس بھا گا ہے جب وہ گواہ لے آئے تو قسم لیجائے بائع سے کہ بخدا میرے پاس کبھی نہیں بھاگا

توضیح اللغۃ: خاط سی لیا صبغ رنگ لیا لت ملالیا السویق ستو سمن گھی بیض انڈے قثاء کھیرا یا ککڑی جوز اخروٹ، شہود جمع شاہد۔

تشریح الفقہ: قولہ فلو حدث الخ ایک شخص نے کوئی معیوب چیز خریدی پھر اس کے پاس کوئی عیب پیدا ہوگیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے بقدر نقصان عیب قدیم ثمن واپس لیلے اور چاہے معیوب مبیع کو واپس کردے بشرطیکہ بائع معیوب مبیع لینے پر راضی ہو بائع رضا اس لئے ضروری ہے کہ جب مبیع اس کی ملک سے نکلی تھی اس وقت عیب حادث سے پاک تھی اب اگر اس کی رضا کے بغیر واپسی ضروری قرار دی جائے تو اس میں بائع کا نقصان ہے۔

قولہ رجع بنقصانہ الخ رجوع بالنقصان کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً بلا عیب مبیع کی قیمت لگائی جائے پھر قدیم عیب کے ساتھ قیمت لگائی جائے اور دونوں قیمتوں میں جو تفاوت ہو اس کے مطابق ثمن واپس لے لیا جائے مثلاً سو روپے کی ایک چیز دس روپے میں خریدی اور عیب نے دسواں حصہ کم کردیا تو ثمن کا دسواں حصہ یعنی ایک روپیہ واپس لیلے اور اگر دو سو روپے کی چیز ایک سو میں خریدی تو عیب نے عشر کم کردیا تو بیس روپے واپس لے لے وعلیٰ ہذا القیاس۔

قولہ ومن اشتری الخ کسی نے کپڑا خرید کر بیونت کرلیا پھر عیب قدیم پر مطلع ہوا تو بقدر نقصان ثمن واپس لے سکتا ہے کپڑا واپس نہیں کرسکتا کیونکہ کٹ جانے کی وجہ سے کپڑا عیب دار ہو گیا ہاں اگر بائع کٹا ہوا کپڑا لینے پر راضی ہو تو واپس کرسکتا ہے کیونکہ بائع نے اپنا حق خود ہی ساقط کردیا اور اگر کاٹنے کے بعد مشتری نے کپڑے کو فروخت کردیا تو اب بائع پر رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ فروخت کرنے سے پہلے بائع کی رضامندی سے مبیع کو واپس کرنا ممکن تھا اور جب اس نے فروخت کردیا تو مبیع کو روکنے والا ہو گیا۔ فلا یرجع بالنقصان۔

قولہ فلو قطعہ الخ اور اگر خریدا ہوا کپڑا بیونت کرسی ڈالا یا رنگ دیا یا ستو خریدا تھا اس میں گھی ملا دیا اور پھر عیب قدیم پر مطلع ہوا تو بقدر نقصان ثمن واپس لے سکتا ہے مبیع واپس نہیں کرسکتا اگرچہ بائع اور مشتری دونوں ردمبیع پر راضی ہوں اس واسطے یہاں مشتری کی طرف سے اصل مبیع میں زیادتی ہوگی اب اس زیادتی کے ساتھ واپسی ہو تو شبہ ربوا لازم آتا ہے اور بلا زیادتی واپسی ممکن نہیں اس زیادتی کو جدا نہیں کیا جاسکتا فامتنع الرد اصلا اور اگر مشتری نے مذکورہ بالا سلے ہوئے یا رنگے ہوئے کپڑے کو یا گھی کے ساتھ ملے ہوئے ستو کو عیب دیکھ لینے کے بعد فروخت کردیا تب بھی یہی حکم ہے کیونکہ فروخت کرنے سے پہلے مبیع کی واپسی ممتنع ہو چکی تھی تو مشتری اس کو فروخت کرنے سے روکنے والا نہ ہوا اسی طرح اگر خرید کردہ غلام مر گیا (غلام کے مرجانے سے مبیع کا ہلاک ہو جانا ہے غلام ہو یا کوئی اور شئی) یا مشتری نے بلا عوض مال غلام کو آزاد کردیا تب بھی بقدر نقصان ثمن واپس لے گا موت کی صورت میں تو اس لئے کہ آدمی میں ملک کا ثبوت اس کی مالیت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور موت کی وجہ سے مالیت منتہی ہو چکی تو ملک بھی منتہی ہوگی پس واپسی ممتنع ہوگئی اب اگر رجوع بالنقصان بھی جائز نہ ہو تو اس میں مشتری کا نقصان لازم آتا ہے رہی صورت اعتاق سو قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ رجوع جائز نہ ہو کیونکہ یہاں سبب امتناع ردمبیع خود اسی کا فعل ہے۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسے اس کو قتل کردیتا کہ اس صورت میں رجوع نہیں کرسکتا مگر چونکہ عتق سے بھی ملک منتہی ہو جاتی ہے اس لئے استحساناً رجوع بالنقصان جائز ہے۔

قولہ فان اعتقہ الخ اور اگر مشتری نے خرید کردہ غلام کو مال کے عوض میں آزاد کردیا یا قتل کردیا یا مبیع از قسم طعام تھی اس کو کھا گیا یا اس میں سے کچھ کھا گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک مشتری رجوع نہیں کرسکتا صاحبین کے نزدیک طعام کی صورت میں رجوع کرسکتا ہے خلاصہ اختیار قہستانی وغیرہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ ولو باع المبیع الخ زید نے خالد کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی خالد نے عمرو کے ہاتھ فروخت کردی عمرو نے عیب کیوجہ سے وہ چیز خالد کو واپس کردی تو اگر عمرو نے قاضی کے حکم سے واپس کی ہے تب تو خالد اپنے بائع زید کو وہ چیز واپس کردیگا کیونکہ بحکم قضا مبیع کا واپس ہونا ان سب کے حق میں فسخ بیع کا حکم رکھتا ہے تو گویا بیع سرے سے ہوئی ہی نہیں اور اگر عمرو نے بلا حکم قضا صرف خالد کی رضامندی سے واپس کی ہے تو خالد زید کو وہ چیز واپس نہیں کرسکتا اس واسطے کہ یہ واپسی گو عمرو اور خالد کے حق میں فسخ بیع ہے لیکن ان کے غیر کے حق میں بیع جدید ہے اور زید ان کے لحاظ سے غیر ہی ہے۔

قولہ ولو قبض المشتری الخ مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلینے کے بعد کسی ایسے عیب کا دعویٰ کیا جو فسخ بیع یا نقصان ثمن کا باعث ہے تو مشتری کو ثمن دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے دعوئ میں سچا ہو بلکہ وہ گواہوں کے ذریعہ عیب ثابت کریگا یا بائع سے نفی عیب پر قسم لے گا اگر وہ قسم کھالے تب تو وہ بری الذمہ ہو جائے گا اور قسم نہ کھائے تو عیب ثابت ہو جائے گا اور مشتری یہ کہے کہ میرے گواہ یہاں نہیں ہیں ملک شام میں ہیں مثلاً اور بائع نفی عیب پر قسم کھالے تو مشتری بائع کو ثمن دیدے اس کے بعد جب وہ گواہ پیش کردے تو ثمن واپس لے لے۔

ع...... وھذا اذا کان الرد بعد القبض وان کان قبلہ فلہ ان یردہ علیٰ بائعہ ان کان بالتراضی فی غیر العقار لان بیع المبیع قبل القبض لایجوز فلا یمکن جعلہ بیعاً جدیداً فی حق غیرھما ۱۲

وَالْقَوْلُ فِي قَدْرِ الْمَقْبُوْضِ لِلْقَابِضِ وَلَوْ اِشْتَرٰى عَبْدَيْنِ صَفْقَةً فَقَبَضَ اَحَدَهُمَا وَوَجَدَ بِاَحَدِهِمَا عَيْبًا

اور قول مقبوض کی مقدار میں قابض کا معتبر ہے اگر خریدے دو غلام بعقد واحد اور قبضہ کیا ایک پر اور پایا ان میں سے ایک میں کوئی عیب

اَخَذَهُمَا اَوْرَدَّهُمَا وَلَوْ قَبَضَهُمَا ثُمَّ وَجَدَ بِاَحَدِهِمَا عَيْبًا رَدَّ الْمَعِيْبَ وَحْدَهٗ وَلَوْ وَجَدَ بِبَعْضِ الْكَيْلِيِّ

تو دونوں لے یا دونوں پھیر دے اور اگر دونوں پر قبضہ کیا پھر ایک میں عیب پایا تو صرف معیوب پھیر دے اگر پایا بعض کیلی یا وزنی چیز میں کوئی عیب

اَوِ الْوَزْنِيِّ عَيْبًا رَدَّهٗ كُلَّهٗ اَوْ اَخَذَهٗ وَلَوْ اُسْتُحِقَّ بَعْضُهٗ لَمْ يُخَيَّرْ فِيْ رَدِّ مَابَقِيَ وَلَوْ ثَوْبًا خُيِّرَ وَاللُّبْسُ

تو پھیر دے کل کو یا لے لے پورے کو اگر مستحق نکل آئے بعض مبیع تو اختیار نہ ہوگا باقی کو پھیرنے کا اور اگر مبیع کپڑا ہو تو اختیار دیا جائے گا اور پہننا

وَالرُّكُوْبُ وَالْمُدَاوَاةُ رِضًا بِالْعَيْبِ لَا الرُّكُوْبُ لِلسَّقْيِ اَوْ لِلرَّدِّ اَوْ لِشِرَاءِ الْعَلَفِ وَلَوْقُطِعَ الْمَقْبُوْضُ بِسَبَبٍ

سوار ہونا علاج کرنا راضی ہونا ہے عیب سے نہ کہ سوار ہونا پانی پلانے یا واپس کرنے یا چارہ خریدنے کے لئے اگر ہاتھ کاٹا گیا مقبوض غلام کا اس سبب سے

عِنْدَ الْبَائِعِ رَدَّهٗ وَاسْتَرَدَّ الثَّمَنَ وَلَوْ بَرِئَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ بِهٖ صَحَّ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّ الْكُلَّ وَلَا يُرَدُّ بِعَيْبٍ.

جو بائع کے یہاں تھا تو مشتری اس کو پھیر دے اور ثمن واپس لے۔ لے اگر بری ہو گیا بائع مبیع کے ہر عیب سے تو صحیح ہے گو سب کا نام نہ لیا ہو اب کسی عیب کی وجہ سے نہیں لوٹا سکتا

توضیح اللغۃ: صفقہ عقد لبس پہننا مداواۃ دوا کرنا سقی پانی پلانا علف چارہ استرداد واپس لینا۔

تشریح الفقہ: **قوله والقول الخ** اگر بائع اور مشتری تقابض بدلین کے بعد مقدار مقبوض میں اختلاف کریں تو قابض کا قول معتبر ہوگا۔ مثلاً ایک شخص نے باندی خریدی اور اس پر قبضہ کر لیا اور بائع نے اس کا ثمن لے لیا اس کے بعد مشتری نے باندی میں کوئی عیب پایا اور اس کو واپس کرنا چاہا اب بائع کہتا ہے کہ میں نے اس باندی کیساتھ ایک اور باندی فروخت کی تھی اور مشتری کہتا ہے کہ تو نے صرف یہی ایک باندی فروخت کی تھی تو مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ قابض ہے اور قول قابض ہی کا معتبر ہوتا ہے۔

قوله ولو اشترى عبدين الخ ایک شخص نے بعقد واحد دو غلام یا ایسی دو چیزیں خریدیں جن میں سے صرف ایک سے انتفاع ہو سکتا ہے اور عقد واحد کا مطلب یہ ہے ان دونوں کی قیمت جدا جدا نہ کور نہیں ہوئی پھر خریدار نے ایک پر قبضہ کیا اور دوسرے میں عیب پایا تو وہ چاہے دونوں لیلے اور چاہے دونوں واپس کر دے یہ نہیں ہو سکتا کہ غیر معیوب کو لے اور معیوب کو واپس کرے کیونکہ اس صورت میں تمامیت عقد سے قبل تفریق صفقہ لازم آتی ہے اور یہ جائز نہیں ہاں اگر مشتری نے دونوں پر قبضہ کر لیا ہو اور پھر ایک میں عیب پائے تو تنہا معیوب کو واپس کر سکتا ہے امام زفر اور امام شافعی (ایک قول کے لحاظ سے) فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی تنہا معیوب واپس نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں بھی تفریق صفقہ لازم آتی ہے جواب یہ ہے کہ یہاں تفریق صفقہ تمامیت عقد کے بعد ہے کیونکہ قبضہ کیوجہ سے صفقہ تمام ہو چکا۔ **لان خيار العيب لايمنع تمامها۔**

قوله ولو وجد الخ ایک شخص نے کوئی کیلی چیز جیسے گیہوں، چنا وغیرہ یا وزنی چیز خریدی جیسے زیتون کا تیل گھی زعفران وغیرہ اس پر قبضہ کر لیا پھر بعض مبیع میں عیب پایا تو چاہے کل لیلے اور چاہے کل واپس کر دے کیونکہ جب کیلی یا وزنی چیز جنس واحد سے ہو تو وہ شئی واحد کے مانند ہوتی ہے اور اگر بعض مبیع کا دوسرا شخص مستحق نکلا آیا تو باقی مبیع واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ کیلی اور وزنی چیز تقسیم ہو سکتی ہے اور اس میں مشتری کا کوئی نقصان بھی نہیں لیکن اگر مبیع کپڑا ہو اور اس میں کسی کا استحقاق ثابت ہو جائے تو باقی کپڑا واپس کر سکتا ہے لان التشقيص فيه عيب۔ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

باب البیع الفاسد

باب بیع فاسد کے بیان میں

قولہ باب الخ بیع کی دونوں قسموں یعنی لازم وغیر لازم کے بیان سے فراغت کے بعد بیع فاسد کو بیان کر رہا ہے کیونکہ عقد فاسد دین کے خلاف ہے (فتح) علامہ والوالجی نے تصریح کی ہے کہ بیع فاسد معصیت ہے جس کو ختم کرنا واجب ہے فاسد سے بطریق مجاز عرفی عقد ممنوع مراد ہے جو باطل اور مکروہ کو بھی شامل ہے اور بیع فاسد چونکہ تعدد اسباب کیوجہ سے کثیر الوقوع ہے اس لئے مصنف نے اس باب کو "البیع الفاسد" کے ساتھ ملقب کر دیا۔

قولہ البیع الفاسد الخ بیع کی دو قسمیں ہیں منہی عنہ جائز منہی عنہ کی تین قسمیں ہیں فاسد باطل مکروہ تحریمی فاسد لغۃً فسد (ن ض ک) فساداً سے مشتق ہے ضد صلاح کو کہتے ہیں یعنی وصف کا متغیر ہونا بگڑ جانا خراب ہونا اصطلاح میں بیع فاسد وہ ہے جو باعتبار وصف مشروع نہ ہو عام ازیں کہ وہ باعتبار اصل مشروع ہو یا نہ ہو اس کا حکم یہ ہے یہ بجرد عقد مفید حکم یعنی مفید ملک نہیں ہوتی بلکہ قبضہ کے سبب سے مفید ملک ہوتی ہے پھر بیع فاسد میں اسباب فساد مختلف ہوتے ہیں مثلاً مبیع یا ثمن میں ایسی جہالت کا ہونا جو مفضی الی المنازعہ ہو تسلیم سے عاجز ہونا دھوکے کا ہونا خلاف مقتضی عقد شرط کا ہونا مالیت کا نہ ہونا تقوم کا نہ ہونا وغیرہ بیع باطل وہ ہے جو نہ باعتبار اصل مشروع ہو اور نہ باعتبار وصف بیع کی یہ قسم کسی طرح مفید ملک نہیں ہوتی خواہ قبضہ ہو یا نہ ہو مکروہ وہ ہے جو ہر دو لحاظ سے مشروع ہو مگر کسی دوسری شئی کی مجاورت کے سبب سے ممنوع عنہ ہو جیسے بیع بوقت اذان جمعہ بیع جائز کی بھی تین قسمیں ہیں نافذ لازم نافذ غیر لازم موقوف نافذ لازم وہ ہے جو ہر اعتبار سے مشروع ہو اور کسی دوسرے کا حق اس سے متعلق نہ ہو اور نہ اس میں کوئی خیار ہو نافذ غیر لازم وہ ہے جس سے دوسرے کا حق تو متعلق نہ ہو لیکن اس میں کوئی خیار ہو موقوف وہ ہے جس میں خیار مجلس ہو قبضہ کے بعد بائع کا مبیع کو مشتری کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا مالک کا مغصوب شئی کو فروخت کرنا اس ثمن کے عوض میں فروخت کرنا جس کے عوض میں فلاں نے فروخت کیا ہے (جب کہ مشتری اس کو نہ جانتا ہو) اس زمین کی بیع جو کسی دوسرے پاس بٹائی پر ہو وہ بیع جس میں تین دن سے زائد کا خیار ہو وکیل بالشراء کا نصف غلام کو خریدنا (جب کہ وہ پورا غلام خریدنے کا وکیل ہو) مخلوط مال سے ایک شریک کا اپنے حصہ کو فروخت کرنا اس چیز کو فروخت کرنا جس کی تسلیم میں ضرر ہو مریض آدمی کا اپنے مال سے کسی معین شئی کو بعض ورثہ کے ہاتھ فروخت کرنا آقا کا اپنے ماذون ومقروض غلام کو فروخت کرنا وارث کا ایسے ترکہ کو فروخت کرنا جو مستغرق بالدین ہو معتوہ یعنی کم عقل ومدہوش کی بیع۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

قولہ ولو قطع الخ ایک شخص نے کوئی غلام خریدا جس نے بائع کے پاس رہتے ہوئے کسی کے یہاں چوری کی تھی اور مشتری کو اسکا علم نہ ہوا نہ خریدتے وقت اور نہ قبضہ کرتے وقت پس مشتری کے یہاں آنے کے بعد غلام کا ہاتھ کاٹا گیا تو امام صاحب کے نزدیک مشتری اس کو واپس کر کے کل ثمن لے سکتا ہے صاحبین کے نزدیک کل ثمن نہیں لے سکتا بلکہ سارق اور غیر سارق ہونے کے درمیان جو قیمت ہو اتنی قیمت لے سکتا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ بائع کے یہاں رہتے ہوئے صرف قطع ید کا سبب موجود تھا جو مالیت کے منافی نہیں لہٰذا عقد نافذ ہوا مگر چونکہ وہ معیوب ہو گیا ہے اس لئے رجوع بالنقصان کر سکتا ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وجوب قطع ید کا سبب یعنی سرقہ بائع کے یہاں رہتے ہوئے پایا گیا اور وجوب کیوجہ سے قطع ید کا وجود ہوا ہے تو وجود قطع ید اسی سبب کی طرف منسوب ہوگا جو بائع کے یہاں تھا۔

فصار بمنزلۃ الاستحقاق فیرجع بکل الثمن۔

عہ.....فالمعنی انہ لوخل عن الوصف لکان مشروعاً ۱۲ عہ..... لان المراد بالفاسد ھھنا مایعم الباطل کما مر ۱۲ للعہ ..... جو تصرف سے بخوبی واقف نہ ہو ۱۲ للعہ..... وہ بیع جس میں شئی پر اس کے ثمن کی علامت لکھی ہو ۱۲۔

لَمْ يَجُزْ بَيْعُ الْمَيْتَةِ وَالدَّمِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْخَمَرِ وَالْحُرِّ وَاُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرِ وَالْمُكَاتَبِ فَلَوْ هَلَكُوْا

جائز نہیں ہے بیع مردار خون اور خنزیر شراب آزاد ام ولد مدبر اور مکاتب کی سو اگر یہ ہلاک ہوجائیں مشتری کے پاس

عِنْدَالْمُشْتَرِىْ لَمْ يَضْمَنْ وَالسَّمَکِ قَبْلَ الصَّيْدِ وَالطَّيْرِ فِى الْهَوَاءِ وَالْحَمَلِ وَالنِّتَاجِ وَاللَّبَنِ فِى الضَّرْعِ

تو وہ ضامن نہ ہوگا اور مچھلی کی شکار کرنے سے پہلے اور پرند کی ہوا میں اور حمل کی اور حمل کے بچے کی اور دودھ کی تھن میں اور موتی کی سیپ میں

وَاللُّؤْلُؤِ فِى الصَّدَفِ وَالصُّوْفِ عَلٰى ظَهْرِ الْغَنَمِ وَالْجِذْعِ فِى السَّقْفِ وَذِرَاعٍ مِنْ ثَوْبٍ وَضَرْبَةِ الْقَانِصِ وَالْمُزَابَنَةِ

اور اون کی بکری کی پیٹھ پر اور کڑی کی چھت میں اور ایک گز کی تھان میں سے اور ایک بار جال پھینکنے کی اور جائز نہیں ہے بیع مزابنہ

بیع فاسد کے احکام

توضیح اللغۃ: میتۃ مردار، دم خون، خمر شراب، سمک مچھلی، صید شکار، طیر پرندہ، ہواء فضاء، نتاج حمل کا بچہ، لبن دودھ، ضرع تھن، لؤلؤ موتی، صوف اون، ظہر پشت، غنم بکری، جذع کڑی، سقف چھت، ذراع گز، القانص جال پھینکنے والا۔

تشریح الفقہ: **قولہ لم یجز الخ** ان مسائل کو سمجھنے کے لئے پہلے چند اصول ذہن نشین کرلو۔ (۱) اگر رکن بیع یعنی ایجاب وقبول اور محل بیع یعنی مبیع خلل سے پاک ہو تو بیع صحیح ہوگی۔ (۲) اگر ایجاب وقبول میں خلل ہو جیسے عاقد میں اہلیت عقد کا مفقود ہونا یا محل مبیع میں خلل ہو جیسے کسی حرام شئی کو مبیع بنانا یا مبیع کا معدوم ہونا یا مبیع کا مال نہ ہونا تو ان صورتوں میں بیع باطل ہوگی۔ (۳) اگر مبیع میں حلال چیز کے ساتھ حرام چیز شامل کردی گئی تو دونوں میں بیع باطل ہوگی (۴) اگر ثمن میں کوئی خلل ہو مثلاً یہ کہ ثمن کوئی حرام چیز ہو یا مبیع میں کوئی خلل ہو مثلاً وہ مقدور التسلیم نہ ہو یا عقد میں کوئی ایسی شرط ہو جو نہ مقتضی عقد ہو اور نہ اس کے مناسب ہو اور اس شرط میں بائع یا مشتری یا اس مبیع کا فائدہ ہو جس میں استحقاق منفعت کی اہلیت ہے اور اس شرط کا رواج نہ ہو اور نہ شریعت میں اس کا جواز وارد ہو تو ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہوگی۔ (۵) جو چیز تنہا معقود علیہ نہ ہو سکتی ہو اگر اس کا استثناء کرلیا جائے تو بیع فاسد ہوگی جب یہ اصول ذہن نشین ہوگئے تو اب سمجھو کہ مردار اور خون کی بیع باطل ہے کیونکہ یہ مال نہ ہونے کی وجہ سے محل بیع نہیں ہیں نیز شراب اور خنزیر کی بیع باطل ہے کیونکہ ان میں مالیت اور تقوم مفقود ہے اور آزاد کی بیع ابتداء وبقاء ہر دو اعتبار سے باطل ہے کیونکہ وہ کسی طرح محل بیع نہیں اور ام ولد مدبر مطلق اور مکاتب کی بیع بقاءً باطل ہے کیونکہ ام ولد کیلئے استحقاق عتق حدیث سے ثابت ہے کہ "اس کو اس کے بچہ نے آزاد کردیا" اور مدبر میں سبب حریت فی الحال متحقق ہے اور مکاتب اپنے ذاتی تصرفات کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اگر بیع کے ذریعہ مشتری کے لئے ان میں ملک ثابت ہو تو یہ تمام حقوق باطل ہوجائیں گے۔

تنبیہ: خمر وخنزیر کی بیع باطل تو ہے لیکن اس میں قدرے تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر ان کی بیع دراہم ودنانیر کے عوض میں ہو تو ثمن اور مبیع دونوں میں بیع باطل ہوگی یعنی قبضہ کرنے سے بھی ثابت نہ ہوگی اور اگر ان کی بیع اسباب کے عوض میں ہو تو خمر وخنزیر میں بیع باطل ہوگی۔ اور اسباب میں بیع فاسد ہوگی۔ یعنی سامان کی قیمت دیکر قبضہ کرنے سے سامان کا مالک ہوجائے گا۔

قولہ فلو ھلکوا الخ نے مذکورہ بالا اشیاء مردار، خون، خنزیر وغیرہ میں سے کوئی شئی فروخت کی اور وہ مشتری کے پاس آکر ہلاک ہوگئی تو مشتری ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ بیع باطل میں مشتری قبضہ کرلینے سے بھی مبیع کا مالک نہیں ہوا اس کے پاس مبیع امانت ہوئی۔ اور امانت کے ضائع ہونے سے ضمان نہیں ہوتا مگر ام ولد اور مدبر کے مرجانے سے صاحبین کے نزدیک قیمت کا تاوان آئے گا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ ام ولد اور مدبر پر مشتری کا قبضہ از جہت بیع ہے کیونکہ وہ دونوں تحت البیع داخل ہیں تو دیگر اموال کی طرح یہ بھی مضمون بالقیمۃ ہوں گے۔

المراد بہ المدبر المطلق دون المقید لان بیع المقید جائز اتفاقاً وعند الثلاثۃ بیع المدبر جائز مطلقاً وقد مر فی العتاق ۱۲۔ ابن ماجہ عن ابن عباس ۱۲۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ جہت بیع کو حقیقت بیع کے ساتھ اسی محل میں لاحق کیا جاتا ہے۔ جو حقیقت بیع کو قبول کرتا ہو اور ام ولد اور مدبر حقیقت بیع کو قبول نہیں کرتے۔ پس یہ مکاتب کی طرح غیر مضمون رہیں گے۔

قولہ والسمک الخ شکار کرنے سے پہلے مچھلی کی بیع جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اس کا مالک ہی نہیں۔ نیز امام احمد نے مرفوعاً روایت کیا ہے "**لاتشتروا السمک فی الماء فانہ غرور**" صدر الشریعہ نے شرح وقایہ میں کہا ہے کہ جو مچھلی شکار نہیں ہوئی اگر اس کو دراہم یا دنانیر کے عوض فروخت کیا جائے تو بیع باطل ہونی چاہیے۔ اور اسباب کے عوض فروخت کیا جائے تو فاسد ہونی چاہیے۔ کیونکہ وہ شکار ہونے سے پہلے غیر متقوم مال ہے۔ اس واسطے کہ تقوم احراز سے ہوتا ہے۔ اور یہاں احراز حاصل نہیں۔ فضا میں رہتے ہوئے پرند کی بیع باطل ہے کیونکہ وہ غیر مملوک ہے۔ اور اگر ہاتھ سے چھوڑ دینے کے بعد فروخت کیا تو بیع فاسد ہے۔ کیونکہ وہ غیر مقدور التسلیم ہے۔

قولہ والحمل الخ حمل کی بیع باطل ہے (بحر، برہان، حموی) کیونکہ وضع حمل سے قبل اس جانور کی خرید سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ جو پیٹ میں ہو۔ [1]

اور حمل کے بچہ کی بیع بھی باطل ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس کی بھی ممانعت ہے۔ تھن کے اندر دودھ کی بیع بھی ناجائز ہے۔ (برجندی نے اس کے بطلان پر یقین ظاہر کیا ہے) وجہ فساد چند امور ہیں۔ (۱) معلوم نہیں کہ تھن میں دودھ ہے یا ہوا۔ (۲) دودھ دوہنے کی کیفیت میں نزاع واقع ہونے کا امکان ہے (۳) بہت ممکن ہے کہ دودھ دوہنے سے پہلے اور دودھ دوہنے کی کیفیت میں بائع کا مال مشتری کے مال کے ساتھ مخلوط ہوگا۔ (۴) تھن کے اندر دودھ کی اور بھیڑ کی پشت پر اون کی بیع سے روایت میں ممانعت ہے۔ [2] امام ابو یوسف اور امام مالک نے اون کی بیع کو جائز کہا ہے۔ والحجۃ علیہما ماروینا۔ امام محمد کے نزدیک سیپی میں موتی کی بیع بھی باطل ہے۔ کیونکہ اس کا وجود معلوم نہیں۔ (تجنیس)

قولہ والجذع الخ اس شہتیر اور معین کڑی کی بیع فاسد ہے جو چھت میں لگی ہوئی ہو۔ اور کپڑے سے ایک گز کی بیع بھی فاسد ہے کیونکہ بدون لزوم ضرر بائع تسلیم متعذر ہے۔ پھر اگر بائع نے کپڑے سے ایک گز پھاڑ دیا یا چھت سے کڑی نکالدی تو بیع درست ہو جائے گی۔ کیونکہ مفسد زائل ہوگیا۔ ضربۃ القانص یعنی ایک بار جال لگانے میں جو شکار آئے اس کی بیع باطل ہے (بحر، نہر، فتح، ایضاح) کیونکہ مبیع مجہول ہے علاوہ ازیں یہ بھی احتمال ہے کہ جال میں شکار ہی نہ آئے۔

قولہ والمزابنۃ الخ بیع مزابنہ یہ ہے کہ کھجور کے درخت پر جو کچی کھجوریں لگی ہوئی ہوں ان کو خشک کٹی ہوئی کھجوروں کے عوض اندازہ کے ساتھ کیل کے لحاظ سے فروخت کیا جائے یہ بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ حضور صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور امام شافعی پانچ وسق سے کم میں اس صورت کو جائز کہتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔ اور عرایا کہ اجازت دی ہے عرایا عریہ کی جمع ہے جس کی تفسیر امام شافعی کے یہاں وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ بشرطیکہ پانچ وسق سے کم میں ہو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ عریہ دراصل عطیہ کو کہتے ہیں **یقال اعری فلاناً النخلۃ** اس نے فلاں کو ایک سال کے لئے پھل ہبہ کر دیا۔ اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے باغ میں سے ایک آدھ درخت کے پھل کسی مسکین کو ہبہ کر دیتے تھے۔ پھر جب پھل کے موسم میں باغ کا مالک اپنے اہل وعیال کے ساتھ باغ میں آتا تو اجنبی مسکین کی وجہ سے تنگی محسوس کرتا۔ پس اس ضرورت کے پیش نظر مالک کو اس کی اجازت دی گئی کہ وہ مسکین کو ان پھلوں کے بجائے دوسرے کٹے ہوئے پھل دیدے ظاہر کے لحاظ سے گو یہ بیع کی صورت ہے لیکن درحقیقت بیع نہیں بلکہ ہبہ ہے۔

---

(۱) اعلم ان ام الولد تخالف المدبر فی ثلاثۃ عشر حکما لا تضمن بالغصب، ولا بالاعتاق، ولا بالبیع، ولا تسعی لغریم، وتعتق من جمیع المال، واذا استولد ام ولد مشترکۃ لم تملک نصیب شریکہ، وقیمتہا الثلث، ولا ینفذ القضاء بجواز بیعہا، وعلیہا العدۃ بموت السید او اعتاقہ وثبت نسب ولدہا بلا دعوۃ، ولا یصح تدبیرہا، ولا یملک الحربی بیع ام ولدہ وصح استیلاد جاریۃ ولدہ کذا فی التنقیح ۱۲۔ بحر۔ ع ابن ماجہ، ترمذی، احمد عن ابی سعید ۱۲۔

صحیحین، عبد الرزاق عن ابن عمر (الفاظ طبرانی، بزار عن ابن عباس بزار ابن راہویہ عن ابی ہریرۃ، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی سعید ۱۲۔ طبرانی، دارقطنی، بیہقی عن عباس (مرفوعاً مسنداً) ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، دارقطنی (مرسلاً) ابوداؤد شافعی، بیہقی عن ابن عباس (موقوفاً) ۱۲۔ صحیحین عن جابر وابی سعید بخاری عن ابن عباس وانس، مسلم عن ابی ہریرۃ ۱۲۔ صحیحین عن ابی ہریرۃ وزید بن ثابت، مسلم عن سہیل ابن ابی حثمہ ۱۲۔

وَالْمُلَامَسَةِ وَالْقَاءِ الْحَجَرِ وَثَوْبٍ مِنْ ثَوْبَيْنِ وَالْمَرَاعِي وَاِجَارَتُهَا وَالنَّحْلِ وَيُبَاعُ دُوْدُ الْقَزِّ

اور بیع ملامسۃ اور بیع کنکر مارنے کی اور دو میں سے ایک کپڑے کی اور چراگاہ کی اور اس کا اجارہ اور شہد کی مکھی کی اور بیچا جاسکتا ہے ریشم کے کیڑے

وَبَيْضُهٗ وَالْاٰبِقُ اِلَّا اَنْ يَبِيْعَهٗ مِمَّنْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ عِنْدَهٗ وَلَبَنُ اِمْرَاَةٍ وَشَعْرُ الْخِنْزِيْرِ

اور اس کے انڈے کو اور بھگوڑے کی الا یہ کہ بیچے اس کے ہاتھ جو یہ کہتا ہو کہ غلام میرے پاس ہے اور عورت کے دودھ کی اور خنزیر کے بال کی

وَيُنْتَفَعُ بِهٖ لِلْخَرْزِ وَشَعْرِ الْاِنْسَانِ وَالْاِنْتِفَاعُ بِهٖ وَجِلْدِ الْمَيْتَةِ قَبْلَ الدَّبْغِ وَبَعْدَهٗ

اور نفع لیا جاسکتا ہے ان سے موزہ دوزی کا اور انسان کے بال کی اور اس سے نفع اور مردار کی کھال کی دباغت سے پہلے اور دباغت کے بعد بیچی

يُبَاعُ وَيُنْتَفَعُ بِهٖ كَعَظْمِ الْمَيْتَةِ وَعَصَبِهَا وَصُوْفِهَا وَقَرْنِهَا وَوَبَرِهَا وَعِلْوٍ سَقَطَ وَالْمَسِيْلِ

جاسکتی ہے اور اس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہے جیسے مردار کی ہڈی، پٹھے، اون سینگ اور بالوں سے اور جائز نہیں بیع بالاخانہ کی جو گر گیا ہو اور پانی بہنے کی جگہ کی

وَهِبَتُهٗ وَاَمَةٍ تَبَيَّنَ اَنَّهٗ عَبْدٌ وَكَذَا عَكْسُهٗ وَشِرَاءُ مَا بَاعَ بِالْاَقَلِّ قَبْلَ النَّقْدِ وَصَحَّ فِيْمَا ضُمَّ اِلَيْهِ.

اور اس کو ہبہ کرنا اور بیع باندی کی جو غلام ظاہر ہوا اسی طرح اس کا عکس اور خریدنا مبیع کو کمتر قیمت کیساتھ وصول کرنے سے پہلے اور صحیح ہے اس میں جو ملائی گئی اس کی طرف

توضیح اللغۃ: ملامسہ ایک دوسرے کو چھونا' القاء پھینکنا' ڈالنا' مراعی چراگاہ' نحل شہد کی مکھی دود۔ کیڑا' قز ابریشم' بیض جمع بیضۃ انڈا' آبق بھگوڑا غلام' لبن دودھ' شعر بال۔ خرز موزہ دوزی' جلد کھال' دبغ کھال کو مصالحہ وغیرہ سے صاف کرنا' عظم ہڈی' عصب پٹھا' صوف اون' قرن سینگ' وبر اونٹ وغیرہ کی اون' علو بالاخانہ' مسیل پانی بہنے کی جگہ۔

تشریح الفقہ: قولہ والملامسۃ الخ بیع ملامسہ یہ ہے کہ ایک دوسرے سے کہے کہ جب تو نے میرا یا میں نے تیرا کپڑا چھوا تو بیع واجب (مغرب) یا میں یہ سامان تیرے ہاتھ اتنے میں فروخت کرتا ہوں۔ سو جب میں تجھ کو چھوؤں یا ہاتھ لگاؤں تو بیع واجب ہے (طحطاوی) یا ایک دوسرے کا کپڑا چھوئے اور چھونے والے کو بلا خیار رویت بیع لازم ہو جائے (فتح) بیع القاء حجر یہ ہے کہ چند کپڑوں پر سنگریزے سے پھینکے اور جس کپڑے پر سنگریزہ پڑے اس میں بیع لازم ہو جائے۔ بیع کی یہ صورتیں زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں۔ آنحضرت صلعم نے ان سے منع فرمایا۔ دو کپڑوں میں سے ایک غیر معین کپڑے کی بیع بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ مبیع مجہول ہے۔

قولہ والمراعی الخ گھاس چارے کی بیع اور اس کا اجارہ باطل ہے۔ بطلان بیع کی وجہ سے تو عدم ملکیت ہے۔ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں یعنی پانی' گھاس اور آگ میں بطلان اجارہ کی وجہ یہ ہے کہ اجارہ شئی مباح کے استہلاک پر ہے۔ اور جب مملوک شئی کی استہلاک پر اجارہ جائز نہیں تو یہ بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔ مگر یہ یاد رہے کہ گھاس کی بیع کا ناجائز ہونا اسی وقت ہے جب وہ خود رو ہو۔ اور اگر اس کو پانی دیکر پرورش کر کے جمایا ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔ (ذخیرہ' محیط' نوازل)۔

قولہ والنحل الخ شیخین کے نزدیک شہد کی مکھی کی بیع جائز نہیں۔ کیونکہ یہ حشرات الارض میں سے ہے۔ جیسے بھڑ، سانپ، بچھو وغیرہ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔ جبکہ وہ محرز ہو۔ بایں طور کہ شہد اور چھتے کے ساتھ بیع ہو کیونکہ شہد کی مکھی حقیقۃً اور شرعاً ہر اعتبار سے قابل انتفاع ہے۔ گو وہ ماکول نہیں جیسے خچر اور گدھے کی بیع جائز ہے۔ ذخیرہ' عینی' خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔

قولہ ویباع الخ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ریشم کے کیڑے کی بیع اور اس کے انڈے کی بیع جس کو اہل عرب بذر الفلیق کہتے ہیں علی الاطلاق جائز ہے۔ کیونکہ یہ بھی قابل انتفاع ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر اس پر ریشم ظاہر ہو چکی ہو تو ریشم کی تبعیت میں

ع۔۔۔۔ صحیحین عن ابی سعید و ابی ہریرۃ' بخاری عن انس ۱۲۔ ع۔۔۔۔ ابو داؤد ۱۲

جائز ہے۔امام صاحب کے یہاں اس کی بیع جائز نہیں۔کیونکہ یہ حشرات الارض میں سے ہے۔لیکن فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔

قولہ والآبق الخ گریختہ غلام کی بیع بھی جائز نہیں۔کیونکہ آنحضرت صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے۔البتہ جو شخص یہ اقرار کرتا ہو کہ غلام میرے پاس ہے۔اس کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے۔کیونکہ حدیث میں منہی عنہ بیع اس غلام کی ہے جو متعاقدین کے حق میں گریختہ ہو اور یہاں وہ مشتری کے حق میں گریختہ نہیں ہے۔کیونکہ اس کے قول کے مطابق وہ اس کے پاس ہے۔

قولہ ولبن امراۃ الخ ہمارے یہاں عورت کے دودھ کی بیع جائز نہیں۔امام شافعی کے یہاں جائز ہے۔کیونکہ وہ ایک طاہر مشروب شئی ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ آدمی کا جزء ہے۔اور آدمی اپنے جمیع اجزاء کے ساتھ ابتذال بالبیع سے محفوظ ہے۔پھر ظاہر الروایہ کے لحاظ سے آزاد اور باندی کے دودھ میں کوئی فرق نہیں۔لیکن امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ باندی کے دودھ کی بیع جائز ہے۔کیونکہ مملوک ہونے کی وجہ سے باندی کی ذات فروخت ہو سکتی ہے تو اس کے جزء کی بیع بھی جائز ہوگی۔جواب یہ ہے کہ مملوک ہونا جاندار کیساتھ خاص ہے۔اور دودھ میں حیات نہیں، خنزیر کے بال کی بیع باطل ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔اگر اس کی یا اس کے کسی جزء کی بیع جائز ہو تو اس کا اعزاز لازم آتا ہے۔لیکن ضرورت کی وجہ سے موزہ دوزی کے کام میں لایا جا سکتا ہے۔

تنبیہ: سور کا بال سر کی جانب سے بقدر انگشت سخت ہوتا ہے اور اس کے بعد کا حصہ تاگے میں گرہ دینے کے لائق نرم ہوتا ہے اس لئے قدیم زمانہ میں موچی اس سے جوتیاں اور موزے سیتے تھے۔آج کل سوئی وغیرہ کی وجہ سے اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔لہٰذا اس سے انتفاع جائز نہیں۔امام ابو یوسف سے ایک روایت بھی ہے کہ سور کے بال سے موزہ سینا مکروہ ہے۔اسی لئے علماء سلف ابن سیرین وغیرہ ایسا موزہ نہیں پہنتے تھے۔

قولہ وعلو سقط الخ اگر بالا خانہ منہدم ہو جائے تو اس کی بیع جائز نہیں کیونکہ سقوط کے بعد صرف حق تعالیٰ باقی ہے اور وہ مال نہیں نیز وہ جگہ جس میں پانی بہتا ہے اس کی بیع اور اس کا ہبہ جائز نہیں کیونکہ جو پانی مکان سیل میں پھیلتا ہے اس کی مقدار معلوم نہیں۔

قولہ وامۃ الخ کسی نے ایک شخص کو اس شرط پر فروخت کیا یا خریدا کہ وہ باندی ہے بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ غلام ہے یا اس شرط پر کہ وہ غلام ہے پھر وہ باندی ظاہر ہوئی تو یہ خرید و فروخت استحسان کی رو سے جائز نہیں قیاس کے لحاظ سے جائز ہے۔امام زفر اسی کے قائل ہیں کیونکہ مذکر و مؤنث ہونے کا دراصل اوصاف کا اختلاف ہے۔اور اختلاف اوصاف سے عقد فاسد نہیں ہوتا۔ بلکہ اختیار ملتا ہے۔وجہ استحسان یہ ہے نوع بنی آدم میں ذکورۃ و انوثت کا اختلاف دو مختلف جنسوں کا حکم رکھتا ہے۔کیونکہ ہر ایک کے مقاصد جداگانہ ہوتے ہیں۔

قولہ وشراء ما باع الخ ایک شخص نے کوئی چیز دس درہم میں فروخت کی اور مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا لیکن بائع نے ابھی مشتری سے دس درہم وصول نہیں کئے تھے کہ وہی چیز مشتری سے پانچ درہم میں خرید لی تو یہ جائز نہیں۔امام شافعی کے یہاں جائز ہے کیونکہ مبیع پر قبضہ ہو جانے کی وجہ سے مشتری کی ملک تام ہوگئی۔اب وہ اپنے بائع کے ہاتھ فروخت کرے یا غیر کے ہاتھ۔ثمن اول کے ساتھ فروخت کرے یا اس سے زائد کے ساتھ۔ہماری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ "ام محبہ نے آپ سے کہا۔ام المومنین! میرے پاس ایک باندی تھی میں نے اس کو حضرت زید بن ارقم کے ہاتھ مدت عطا تک آٹھ سو درہم کے عوض فروخت کر دیا۔اس کے بعد ان سے چھ سو درہم نقد عوض میں خرید لیا۔حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تیری یہ خرید و فروخت بدترین ہے۔زید سے کہدے کہ تو اپنا جہاد کھو بیٹا الا یہ کہ توبہ کر لے۔"[ع]

سوال اس حدیث کی روایہ مسماۃ عالیہ کو دار قطنی اور ابن الجوزی نے مجہول بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس کی روایت مقبول نہیں جواب بالکل غلط ہے یہ تو مشہور و معروف اور بڑے مرتبہ کی عورت ہے۔ابن سعد نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا ہے" **العالیۃ بنت الیفع بن**

ع...... عبد الرزاق، دار قطنی، بیہقی، احمد ۱۲

شراحیل امراۃ ابی اسحاق السبیعی سمعت من عائشہؓ صاحب جوہرنقی فرماتے ہیں کہ عالیہ مشہور معروف عورت ہے اس کے صاحبزادے یونس اور اس کے شوہر اسحٰق سبیعی نے اس سے روایت کی ہے۔ اور یہ دونوں بزرگ حدیث کے امام ہیں' ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور امام ثوری' اوزاعی' ابوحنیفہ' مالک' ابن حنبل اور حسن بن صالح وغیرہم نے ان کی احادیث قبول کی ہیں۔

قولہ وصح فیما ضم الخ یہ مسئلہ مسئلہ سابقہ کی فروع میں سے ہے یعنی اگر مبیع اول کیساتھ کوئی اور چیز ملائی گئی تو اس کی بیع جائز ہے مثلاً ایک تخت دس روپیہ میں فروخت کیا اور دس روپیہ پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ اس کو دوسری چیز مثلاً کپڑے کیساتھ دس روپے میں خرید لیا تو مبیع اول یعنی تخت میں بیع فاسد ہوگی اور مبیع ثانی کپڑے میں بیع جائز ہوگی۔ اور ثمن اس کی قیمت پر منقسم ہوگا اور مبیع اول کا فساد مبیع ثانی میں شائع نہ ہوگا کیونکہ یہ فساد بعد میں طاری ہوا ہے۔

وَزَیْتٍ عَلٰی اَنْ یَزِنَہٗ بِظَرْفِہٖ وَیَطْرَحُ عَنْہُ مَکَانَ کُلِّ ظَرْفٍ خَمْسِیْنَ رِطْلاً وَصَحَّ لَوْشَرَطَ اَنْ یَّطْرَحَ عَنْہُ

اور جائز نہیں زیتون کے تیل کی بیع اس شرط پر کہ اس کو مع برتن تولے گا اور ہر برتن کے عوض پچاس کم کرے گا اور صحیح ہے اگر یہ شرط ہو کہ کم کرے گا

بِوَزْنِ الظَّرْفِ وَاِنْ اِخْتَلَفَا فِی الزِّقِّ فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِیْ وَلَوْ اَمَرَ ذِمِّیًّا بِشِرَاءِ خَمْرٍ اَوْ بَیْعِھَا صَحَّ

اس سے برتن کے ہم وزن مقدار اگر اختلاف کریں مشک کے وزن میں تو مشتری کا قول معتبر ہوگا اگر حکم کیا ذمی کو شراب خریدنے یا بیچنے کا تو صحیح ہے

وَاَمَۃٍ عَلٰی اَنْ یُّعْتِقَ الْمُشْتَرِیْ اَوْ یُدَبِّرَ اَوْ یُکَاتِبَ اَوْ یَسْتَوْلِدَ اِلَّا حَمْلَھَا اَوْ یَسْتَخْدِمَ الْبَائِعُ شَھْرًا

اور جائز نہیں باندی کی بیع اس شرط پر کہ مشتری اس کو آزاد یا مدبر یا مکاتب یا ام ولد بنائیگا اور اس کے حمل کا استثناء کرنا یا یہ کہ بائع خدمت لے گا ایک

اَوْ دَارًا عَلٰی اَنْ یَّسْکُنَ اَوْ یُقْرِضَ الْمُشْتَرِیْ دِرْھَمًا اَوْ یَھْدِیَ لَہٗ اَوْ لَایُسَلِّمَہٗ اِلٰی کَذَا

ماہ تک اور جائز نہیں مکان کی بیع اس شرط پر کہ ہمیں بائع رہے گا یا مشتری کچھ درہم قرض دے گا یا ہدیہ دے گا یا اتنی مدت تک مشتری کے حوالے نہ

اَوْ ثَوْبٍ عَلٰی اَنْ یَّقْطَعَہُ الْبَائِعُ وَیُخِیْطُہٗ قَمِیْصًا وَصَحَّ بَیْعُ نَعْلٍ عَلٰی اَنْ یَّحْذُوَہٗ اَوْ یُشَرِّکَہٗ

کریگا اور کپڑے کی بیع اس شرط پر کہ بائع اس کو کاٹ کر قمیص سی دے اور صحیح ہے جوتے کی بیع اس شرط پر کہ بائع ان کو کاٹ کر برابر کردے یا تسمہ

لَا الْبَیْعُ اِلَی النَّیْرُوْزِ وَالْمِھْرَجَانِ وَصَوْمِ النَّصَارٰی وَفِطْرِ الْیَھُوْدِ اِنْ لَّمْ یَدْرِ الْعَاقِدَ انِ ذٰلِکَ وَاِلٰی قُدُوْمِ

لگادے اور صحیح نہیں بیع نوروز اور مہرگان اور نصاریٰ کے روزہ اور یہود کی عید تک اگر نہ جانتے ہوں متعاقدین اس کو اور صحیح نہیں بیع حاجیوں کی آمد

الْحَاجِّ وَالْحَصَّادِ وَالدِّیَاسَۃِ وَالْقِطَافِ وَلَوْ کَفَلَ اِلٰی ھٰذِہِ الْاَوْقَاتِ صَحَّ وَاِنْ اَسْقَطَ الْاَجَلَ قَبْلَ حُلُوْلِہٖ صَحَّ

اور کھیتی کٹنے یا گاہنے اور میوہ ٹوٹنے تک اور اگر ضامن ہوگیا ان اوقات تک تو درست ہے اور اگر ساقط کردی مدت اس کے آنے سے پہلے تو صحیح

وَمَنْ جَمَعَ بَیْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ اَوْ بَیْنَ شَاۃٍ ذَکِیَّۃٍ وَمَیْتَۃٍ بَطَلَ الْبَیْعُ فِیْھِمَا وَاِنْ جَمَعَ بَیْنَ عَبْدٍ وَمُدَبَّرٍ

ہوجائیگی اور جس نے جمع کیا آزاد اور غلام یا مذبوحہ اور مردہ بکری کو تو باطل ہوگی بیع دونوں میں اور اگر جمع کیا غلام اور مدبر کو

اَوْ بَیْنَ عَبْدِہٖ وَعَبْدِ غَیْرِہٖ اَوْ بَیْنَ مِلْکٍ وَوَقْفٍ صَحَّ فِی الْقِنِّ وَعَبْدِہٖ وَالْمِلْکِ.

یا اپنے اور دوسرے کے غلام کو یا مملوک اور موقوفہ کو تو صحیح ہوگی بیع خالص غلام اور اپنے غلام اور شئ مملوک میں

(۱)...... والامام الشافعی یقول بیع الرقیق بشرط العتق جائز وھو روایۃ عن ابی حنیفہ کما ذکرہ الاقطع عملاً بحدیث بریرہؓ ۱۲۔ (۲)...... یعنی لا یجوز البیع الی ھذہ الآجال لانھا مجھولۃ فتفضی الی المنازعۃ الا اذا کانا یعرفانہ ۱۲ زیلعی۔ (۳) لان ھذہ الآجال تتقدم وتتاخر ۱۲۔ بحر۔ (۴) لان الجھالۃ الیسیرۃ محتملۃ فی الدین لا الجھالۃ الفاحشۃ ۱۲ مجمع۔ (۵) لان المفسد قد ارتفع قبل تقررہ' فی القدوری' تراضیا علی اسقاطہ' وخالفہ المولف فوحد الضمیر لقولہ فی الھدایۃ' وقولہ فی الکتاب تراضیا خرج وفاقاً لان من لہ الاجل یستبد باسقاطہ ۱۲ بحر۔

توضیح اللغۃ: زیت زیتون کا تیل، ظرف برتن، یطرح طرح گرانا، زق مشک جس میں تیل وغیرہ کھا جائے، نعل جوتا، یحذو کاٹ کر برابر کردے، یشرکہ تسمہ لگادے، حصاد کھیت کاٹنا، دیاستہ کھیت گاہنا، قطاف میوہ توڑنا، ذکیہ مذبوحہ، قن خالص غلام۔

تشریح الفقہ: قولہ وزیت الخ ایک شخص نے زیتون کا تیل خریدا اور یہ شرط لگائی کہ بائع تیل کو مع برتن تولیگا اور ہر مرتبہ برتن کے عوض میں ایک معین مقدار مثلاً پچاس رطل کم کرے گا۔ تو یہ بیع فاسد ہے۔ کیونکہ مقتضی عقد کے موافق اس خالی برتن کا جو وزن ہو اتنا ہی کم ہونا چاہیے۔ پس معین ارطال کی شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے جس میں احد المتعاقدین کا نفع ہے۔ مثلاً اگر برتن کا وزن مشروط سے کم ہو تو مشتری کا نفع ہے اور زائد ہو تو بائع کا نفع ہے۔ اور یہ پہلے معلوم ہو چکا جو شرط مقتضی عقد کے خلاف ہو وہ مفسد بیع ہوتی ہے ہاں اگر برتن کے ہموزن مقدار کم کرنے کی شرط ہو تو بلاشبہ بیع صحیح ہوگی۔ کیونکہ یہ شرط مقتضی عقد کے بالکل موافق ہے۔

قولہ وان اختلفا الخ ایک شخص نے برتن میں بھرا ہوا تیل خریدا اور برتن واپس کر دیا۔ اب بائع مشتری کا باہم اختلاف ہوا۔ بائع کہتا ہے کہ وہ برتن نہیں ہے کوئی اور ہے اور وہ برتن تو پندرہ رطل کا تھا۔ مشتری کہتا ہے کہ یہ وہی برتن ہے اور دس رطل کا ہے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ یہ اختلاف یا تو مقبوضہ برتن کی تعیین میں ہے یا ثمن کی مقدار میں ہے اگر مقبوضہ برتن کی تعیین میں ہے تو قابض مشتری ہے اور قول قابض ہی کا معتبر ہوتا ہے اور اگر ثمن کی مقدار میں ہے تب بھی مشتری ہی کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ زیادتی ثمن کا منکر ہے اور قول منکر ہی کا معتبر ہوتا ہے قسم کے ساتھ۔

قولہ ولو امر ذمیا الخ ایک مسلمان نے کسی ذمی کو شراب فروخت کرنے یا خریدنے کا حکم کیا اور ذمی نے اس کے مطابق عقد کرلیا تو امام صاحب کے نزدیک عقد صحیح ہے، صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ جو چیز وکیل کیلئے ثابت ہوتی ہے۔ وہ مؤکل کی طرف منتقل ہوتی ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسا اس نے خود کیا گو اور مسلمان کے لئے شراب اور خنزیر کا عقد کرنا جائز نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حقیقی عاقد تو وکیل ہی ہے۔ کیونکہ اس میں مباشرت عقد کی اہلیت ہے، رہا موکل کی طرف منتقل ہونا سو وہ امر حکمی ہے فلا یمتنع بسبب الاسلام۔

قولہ وامۃ الخ امۃ سے "قمیصاً" تک گیارہ مسئلے ہیں (۱) باندی کی بیع اس شرط پر کی کہ مشتری اس کو آزاد کریگا (۲) یا مدبرہ بنائے گا (۳) یا مکاتبہ کریگا (۴) یا ام ولد بنائے گا (۵) باندی کی بیع کی اور اس کے حمل کا استثناء کرلیا (۶) باندی کی بیع کی اور یہ شرط لگائی کہ بائع ایک ماہ اس سے خدمت لے گا (۷) کوئی مکان فروخت کیا اور یہ شرط لگائی کہ میں اس میں ایک ماہ تک رہوں گا (۸) یا مشتری اس کو کچھ روپیہ قرض دے گا (۹) یا کوئی چیز ہدیہ کرے گا (۱۰) یا یہ شرط لگائی کہ اتنی مدت تک مبیع مشتری کے حوالہ نہ کرونگا (۱۱) کپڑا فروخت کیا اور مشتری نے یہ شرط لگائی کہ بائع کپڑے کو بینوت کرسی کے دیگا۔ ان تمام مسائل میں فساد بیع کا سبب مقتضی عقد کے خلاف شرط کا ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ جب عقد میں کوئی ایسی شرط ہو جو نہ مقتضی عقد ہو نہ اس کے مناسب ہو۔ نہ شریعت میں اس کا جواز وارد ہو نہ اس میں تعامل ناس جاری ہو اور اس شرط میں اہل استحقاق کا فائدہ ہو ہر ایسی شرط مفسد عقد ہوتی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

قولہ وصح بیع نعل الخ ایک شخص نے اس شرط پر جوتی خریدی کہ بائع ان کو کاٹ کر برابر کردے یا ان میں تسمہ لگادے تو یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے مگر استحساناً بیع صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا عام رواج ہے۔

قولہ ومن جمع الخ ایک شخص نے عقد بیع میں آزاد اور غلام جمع کردیا۔ یا مذبوحہ اور مردہ بکری کو جمع کردیا تو امام صاحب کے نزدیک ہر دو میں بیع باطل ہے خواہ ہر ایک کا ثمن جدا جدا مذکور ہو یا نہ ہو۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر ہر ایک کا ثمن جدا جدا بیان کردیا جائے تو غلام اور مذبوحہ بکری میں بیع درست ہے۔ اور اگر بیع میں غلام کو اور مدبر کو جمع کردیا یا اپنے غلام کو اور کسی دوسرے کے غلام کو جمع کردیا یا اپنی مملوکہ شئی میں ان کے ثمن کے مطابق بیع جائز ہے۔ صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فساد بقدر مفسد ہوتا ہے اور مفسد کا تحقق آزاد اور مردار

ص...... طبرانی (فی الاوسط) حاکم (فی علوم الحدیث) عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲

وغیرہ میں ہے کہ یہ مال نہ ہونے کی بنا پر محل بیع نہیں تو فساد انہیں کیساتھ خاص ہوگا اور غلام وغیرہ تک سرایت نہ کریگا جیسے کوئی شخص کسی اجنبیہ سے اور اپنی بہن سے یوں کہے کہ میں نے تم دونوں سے ایک ہزار کے عوض میں نکاح کرلیا کہ صرف بہن کا نکاح فاسد ہوگا نہ کہ اجنبیہ کا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ آزاد اور مردار دونوں تحت العقد نہیں آسکتے۔ کیونکہ ان دونوں میں مالیت مفقود ہے اور صفقہ واحد ہے تو بائع نے غلام کی بیع میں قبولیت بیع حر کی شرط لگادی جو بالکل فاسد اور مقتضی عقد کے سراسر خلاف ہے۔ بخلاف مدبر وعبد غیر کے اور شئی موقوفہ کے کہ یہ فی الجملہ مال ہونے کی وجہ سے تحت العقد داخل ہیں۔ رہا عقد بیع کو عقد نکاح پر قیاس کرنا سو یہ صحیح نہیں کیونکہ عقد نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔ بخلاف عقد بیع کے کہ وہ فاسد ہوجاتا ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَصلٌ قَبَضَ الْمُشْتَرِیُ الْمَبِیْعَ فِی الْبَیْعِ الْفَاسِدِ بِاَمْرِ الْبَائِعِ وَکُلٌّ مِنْ عِوَضَیْهِ مَالٌ مَلَکَ الْمَبِیْعَ بِقِیْمَتِهٖ

(فصل) قبضہ کرلیا مشتری نے مبیع پر بیع فاسد میں بائع کی اجازت سے اور عوضین میں سے ہر ایک مال ہے تو مالک ہوجائیگا مبیع کا اس کی قیمت کیساتھ

وَلِکُلٍّ مِنْهُمَا فَسْخُهٗ اِلَّا اَنْ یَبِیْعَ الْمُشْتَرِیْ اَوْ یَهَبَ اَوْ یُحَرِّرَ اَوْ یَبْنِیْ وَلَهٗ اَنْ یَمْنَعَ الْمَبِیْعَ عَنِ الْبَائِعِ

اور ان میں سے ہر ایک کیلئے ہے اس کو فسخ کرنا مگر یہ کہ مشتری فروخت کردے یا ہبہ کردے یا آزاد کردے یا عمارت بنالے اور مشتری روک سکتا ہے

حَتّٰی یَاخُذَ الثَّمَنَ مِنْهُ وَطَابَ لِلْبَائِعِ مَارَبِحَ لَا لِلْمُشْتَرِیْ

مبیع کو بائع سے یہاں تک کہ لے لے اس سے ثمن اور حلال ہے بائع کیلئے وہ جو اس نے نفع حاصل کیا نہ کہ مشتری کے لئے اگر دعویٰ کیا دوسرے پر

وَلَوْ ادَّعٰی اٰخَرَ دَرَاهِمَ فَقَضَاهَا اِیَّاهُ ثُمَّ تَصَادَقَا اَنَّهٗ لَاشَیْئَ لَهٗ عَلَیْهِ طَابَ لَهٗ رِبْحُهٗ.

کچھ درہموں کا اور دوسرے نے اس کو درہم دیدئے پھر دونوں سچ پر آگئے کہ اس کا مدعا علیہ پر کچھ نہیں تھا تو حلال ہے مدعی کے لئے اس کا نفع

ثمن ومبیع میں بائع اور مشتری کے تصرفات کے احکام

تشریح الفقہ: **قولہ قبض الخ** جب بیع فاسد میں مشتری بائع کے حکم سے مبیع پر قبضہ کرلے اور عقد کے دونوں عوض میں ثمن اور مبیع مال ہوں تو احناف کے یہاں مشتری مبیع کا مالک ہوجاتا ہے اب اگر مبیع مثلیات میں سے ہو تو مثل اور ذوات القیم میں سے ہو تو قیمت دینی پڑیگی اور قیمت میں قبضہ کے دن کا اعتبار ہوگا(۱) ائمہ ثلاثہ کے یہاں مشتری مبیع کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ ملک ایک نعمت ہے اور بیع فاسد محظور ہے اور محظور کے ذریعہ نعمت کا حصول نہیں ہوتا ہم یہ کہتے ہیں کہ متعاقدین جن سے ایجاب وقبول کا صدور ہوا ہے وہ عاقل بالغ ہیں اور مبیع محل عقد ہے تو لامحالہ بیع کو منعقد ماننا جائے گا رہا اس کا محظور ہونا سو وہ امر خارج کی وجہ سے ہے نہ کہ اصل عقد کیوجہ سے۔

قولہ ولکل منہما الخ بیع فاسد چونکہ معصیت ہے اسلئے جب تک مبیع بلا تصرف بحال خود موجود ہو اس وقت تک متعاقدین کے لئے مبیع کو فسخ کرنا ضروری ہے لیکن اگر مشتری نے مبیع میں کوئی تصرف کرلیا مثلاً فروخت کردیا یا ہبہ کردیا یا غلام تھا اس کو آزاد کردیا یا زمین تھی اس میں مکان بنالیا تو ان صورتوں میں بیع فسخ نہ ہوگی کیونکہ مشتری قبضہ کی وجہ سے مبیع کا مالک ہوچکا اور اس کے تصرفات نافذ ہوچکے اور بائع کا حق واپسی بھی منقطع ہوچکا۔

قولہ وطاب للبائع الخ میں بائع کو جو نفع حاصل ہو وہ اس کے لئے حلال ہے لیکن جو نفع مشتری کو حاصل ہو وہ اس کیلئے حلال نہیں مثلاً ایک شخص نے بیع فاسد سے ایک باندی ہزار درہم میں خریدی اور بائع نے ثمن پر اور مشتری نے باندی پر قبضہ کرلیا پھر مشتری نے باندی کو نفع کے ساتھ فروخت کردیا ادھر بائع نے ثمن سے کچھ فائدہ حاصل کیا تو بائع کیلئے نفع حلال ہے مشتری کے لئے حلال نہیں وجہ یہ ہے کہ

(۱) ......مگر یہ اس وقت ہے جب مبیع ہلاک ہوجائے یا کسی وجہ سے واپسی متعذر ہوجائے ورنہ رد عین واجب ہے۔

باندی ان چیزوں میں سے ہے جو متعین ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص معین باندی فروخت کرے تو وہ اسکی جگہ دوسری باندی نہیں دے سکتا پس عقد کا تعلق تعین مال کے ساتھ ہوا اور اس کے نفع میں برائی راسخ ہوگئی اس لئے مشتری کے حق میں وہ نفع حلال نہیں بخلاف دراہم و دنانیر کے کہ وہ عقود میں متعین نہیں ہوتے لہذا عقد متعین مال سے متعلق نہ ہوا پس اس کے نفع میں برائی متمکن نہ ہوئی لہذا بائع کے حق میں نفع حلال ہے۔

قولہ ولو ادعیٰ الخ ایک شخص نے دوسرے پر کچھ مال کا دعویٰ کیا مدعیٰ علیہ نے اقرار کرلیا اور مال دے بھی دیا مدعی نے اس مال سے کچھ نفع حاصل کرلیا اس کے بعد تصادق طرفین سے ظاہر ہوا کہ مدعیٰ علیہ پر مدعی کا کوئی مال نہیں تھا چنانچہ مدعی نے مال واپس کردیا تو مدعی کیلئے وہ نفع حلال ہے جو اس نے حاصل کیا ہے وجہ یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ نے جو مال ادا کیا ہے وہ اس دین کا بدل جو اس کے اقرار کیوجہ سے مدعی کا حق بن چکا ہے **اذا المرء یو خذ باقرارہ** پس مدعی اس مال کے عوض اپنے دین کو فروخت کرنے والا ہو گیا اس کے بعد عدم دین پر باہمی تصادق کی وجہ سے مدعی گویا دین کا مستحق ہو گیا اور دین مستحق مملوک بملک فاسد ہوتا ہے اور جو خبث فساد ملک کے سبب سے ہو وہ صرف متعین مال میں عمل کرتا ہے نہ کہ غیر متعین میں۔

فَصْلٌ: وَكُرِهَ النَّجَشُ وَالسَّوْمُ عَلٰى سَوْمِ غَيْرِهٖ وَتَلَقِّي الْجَلَبِ وَبَيْعُ الْحَاضِرِ لِلْبَادِيْ

(فصل) مکروہ ہے بلا ارادۂ خریداری قیمت بڑھانا اور دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ لگانا اور آگے جاکر اناج والے قافلہ سے ملنا اور شہری کا باہر والے کے لئے

وَالْبَيْعُ عِنْدَ اَذَانِ الْجُمُعَةِ لَا بَيْعُ مَنْ يَزِيْدُ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ صَغِيْرٍ وَذِيْ رَحِمٍ مُحْرَمٍ مِنْهُ بِخِلَافِ الْكَبِيْرَيْنِ وَالزَّوْجَيْنِ.

بیچنا اور جمعہ کی اذان کے وقت بیچنا اور مکروہ نہیں نیلام اور نہ تفریق کی جائے کم سن اور اس کے قریبی رشتہ دار کے درمیان بخلاف کبیرین اور زوجین کے۔

بیوعات مکروہہ کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ وکرہ الخ نجش یعنی بلا ارادہ خریداری دوسروں کو ابھارنے اور پھنسانے کیلئے قیمت بڑھانا مکروہ ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے اس سے منع فرمایا ہے مگر یہ اس وقت ہے کہ جب اس شئی کو پوری قیمت لگ چکی ہو ورنہ بقدر قیمت ثمن زیادہ کرنا مکروہ نہیں کیونکہ اس میں بائع کا فائدہ ہے اور مشتری کا کوئی نقصان نہیں (جوہرہ دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ لگانا جبکہ بائع اور مشتری مقدار ثمن پر متفق ہو چکے ہوں مکروہ ہے کیونکہ آپ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے تلقی جلب یعنی اہل شہر کا آگے بڑھ کر اناج والے قافلہ سے ملکر سستا غلہ خریدنا مکروہ ہے جبکہ اہل قافلہ کو شہر کا نرخ معلوم نہ ہو کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے قحط سالی میں باہر کا آدمی اناج فروخت کرنے کے لئے لایا شہری نے اس سے کہا کہ جلدی نہ کر میں گراں بیچدوں گا تو ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہل شہر کا نقصان ہے اور حدیث میں ممانعت ہے جمعہ کے دن اذان اول کے وقت خرید وفروخت کرنا مکروہ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر (یعنی نماز) کی طرف سعی کرو اور خرید وفروخت چھوڑ دو" **قیل وقد خص منہ من لا جمعۃ علیہ**۔

قولہ لابیع من یزید الخ بیع من یزید جس کو نیلام کہتے ہیں مکروہ نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ "ایک انصاری شخص نے حضور اکرم صلعم کی خدمت میں سوال کیلئے حاضر ہوا۔ آپ صلعم نے فرمایا تیرے گھر میں کوئی چیز ہے؟ اس نے عرض کیا:۔ یارسول اللہ! ایک کمبل اور ایک پیالہ ہے" آپ صلعم نے فرمایا:۔ میرے پاس لاوہ لے آیا۔ آپ صلعم نے لوگوں سے کہا ان کو کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے کہا:۔ میں ایک درہم میں خریدتا ہوں آپ صلعم نے دو یا تین بار فرمایا:۔ **من یزید علی درھم؟** تو ایک شخص نے کہا: میں دو درہم میں خریدتا ہوں **الیٰ آخر الحدیث**۔

عہ..... صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲۔ عہ..... صحیحین عن ابن ابی ہریرۃ ۱۲۔ عہ..... صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲۔ للعہ..... صحیحین عن ابی ہریرۃ وانس وابن عباس، بخاری عن ابن عمر، مسلم عن جابر ۱۲۔

قولہ ولا یفرق الخ نابالغ غلام اور اس کے نسبی قرابتدار کے درمیان تفریق کیجائے جیسے باپ اور بیٹے کے درمیان دو بھائیوں کے درمیان کیونکہ حدیث میں اس کی سخت ممانعت ہے نیز آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو دو نابالغ غلام ہبہ کئے جو آپس میں بھائی بھائی تھے اس کے بعد ان کا حال دریافت فرمایا حضرت علیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ان میں سے ایک کو فروخت کر دیا' آپ نے فرمایا: ادرک ادرک' ایک روایت میں ہے اردد اردد ہاں اگر وہ بالغ ہوں تو تفریق میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ آنحضرت صلعم سے ماریہ و سیرین کے درمیان تفریق ثابت ہے جو آپس میں بہنیں تھیں' **ولا یدخل الزوجان لان النص ورد علیٰ خلاف القیاس فیقتصر علیٰ مورده۔**

فائدہ: نابالغ غلام اور اس کے نسبی قرابتدار کے درمیان بطریق بیع یا بطریق ہبہ تفریق جائز نہیں مگر گیارہ صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں (۱) اعتاق (۲) توابع اعتاق (۳) اس شخص کے ہاتھ فروخت کرنا جس نے غلام آزاد کرنے کے قسم کھائی ہو (۴) جبکہ غلام کا مالک کافر ہو (۵) جب مالک متعدد ہوں (۶) جب نابالغ کے کئی قرابت دار ہوں (۷) جب نابالغ کا قرابت دار کسی غیر کا مستحق نکلے (۸) غلام کو غلام کی جنایت میں دینا (۹) غلام کو مدیون غلام کے دین میں فروخت کرنا (۱۰) مال غیر کے اتلاف میں غلام کو فروخت کرنا (۱۱) عیب کے سبب سے واپس کرنا' صاحب بحر نے بارہویں صورت یہ زائد کی ہے کہ نابالغ قریب البلوغ ہو اور اس کی ماں اس کی بیع سے راضی ہو۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب الاقالة

باب اقالہ کے بیان میں

هِيَ فَسْخٌ فِي حَقِّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَيْعٌ فِي حَقِّ ثَالِثٍ وَتَصِحُّ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الاَوَّلِ

وہ فسخ ہے متعاقدین میں اور بیع ہے تیسرے کے حق میں اور صحیح ہے ثمن اول کے مثل کیساتھ

وَشَرْطُ الاَكْثَرِ اَوِ الاَقَلِّ بِلاَ تَعَيُّبٍ وَجِنْسٍ اٰخَرَ لَغْوٌ وَلَزِمَهُ الثَّمَنُ الاَوَّلُ وَهَلاَكُ الثَّمَنِ لاَيَمْنَعُ الاِقَالَةَ

اور شرط کرنا کمی بیشی کی معیوب ہوئے بغیر یا جنس آخر کی لغو ہے اور لازم ہوگا اس کو پہلا ثمن اور ہلاک ہوجانا ثمن کا مانع اقالہ نہیں

وَهَلاَكُ الْمَبِيعِ يَمْنَعُ وَهَلاَكُ بَعْضِهٖ بِقَدْرِهٖ.

ہاں مبیع کا ہلاک ہوجانا مانع ہے اور ہلاک ہوجانا بعض مبیع کا مانع ہے اسی قدر کے اقالہ سے

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** بیع فاسد کے ساتھ اقالہ کی مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں فسخ عقد کے ذریعہ مبیع بائع کے پاس واپس ہوتی ہے' اقالہ اجوف یائی ہے یقال'' **قلته البیع واقتله** '' میں بیع کو توڑ دیا (قاموس) **واقال الله عزته اذار فعه من سقوطه** یعنی گرنے سے اٹھانا' درگذر کرنا (مصباح) بعض حضرات نے اس کو قول سے مشتق مان کر اجوف واوی کہا ہے اور ہمزہ کو سلب کیلئے لیا ہے مگر یہ کئی وجہ سے صحیح نہیں (۱) عرب **قلت البیع** بولتے ہیں' اگر قول سے مشتق ہوتا تو **قلت** بولتے (۲) اس کا ثلاثی مصدر یائی آتا ہے نہ کہ واوی' فی مجموع اللغۃ' **قال البیع قیلاً فسخه** (۳) اہل لغت صاحب قاموس وصحاح وغیرہ نے اس کو (ق ی ل) کے مادے میں ذکر

عہ.....ائمہ اربعہ' ابن راھو یہ' ابو یعلی الموصلی عن انس ۱۲.. للعہ...... ترمذی' حاکم' احمد' بیھقی' دارمی عن ابی ایوب انصاری دار قطنی عن سلیم العذری' حاکم عن عمران بن حصین' دارقطنی عن ابی موسی الاشعری ۱۲۔ عہ......ترمذی ابن ماجہ' دارقطنی' حاکم' احمد بزار' ابن راھو یہ عن علی ۱۲ ۔للعہ......بزار' عن بریدۃ' عن عبدالرحمن بن عبدالقاری وحاطب بن ابی بلتعہ ۱۲۔

کیا ہے نہ کہ (ق، و، ل) کے مادے میں، اصطلاح شرح میں اقالہ بیع کو اس کے ثبوت کے بعد زائل اور فسخ کرنے کو کہتے ہیں، صاحب جوہرہ نے تعریف میں عقد ذکر کیا ہے جو اقالہ بیع اور اقالہ اجارہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔

قولہ ھی فسخ الخ اگر اقالہ بعد القبض ہو اور صریح الفاظ اقالہ کے ساتھ ہو تو متعاقدین کے علاوہ تیسرے کے حق میں بالاجماع بیع جدید کے حکم میں ہوتا ہے لیکن خود متعاقدین کے حق میں بیع ہے یا فسخ؟ اس میں اختلاف ہے، امام صاحب کے یہاں اقالہ موجبات عقد یعنی ان امور میں جو نفس عقد کے ذریعہ ثابت ہو جاتے ہیں فسخ کے حکم میں ہوتا ہے اور اگر کسی وجہ سے یہ نہ ہو سکے (مثلاً مبیع بکری تھی قبضہ کے بعد اس کے بچہ پیدا ہو گیا یا غیر مقایضہ میں مبیع ہلاک ہو گئی کہ ان صورتوں میں فسخ متعذر ہے) تو اقالہ باطل ہو جائے گا، یہ تو اس وقت ہے جب اقالہ بعد القبض ہو اور اگر قبل القبض ہو تو متعاقدین وغیرہ متعاقدین کے حق سے فسخ کے حکم میں ہوگا (بشرطیکہ مبیع زمین نہ ہو) امام ابو یوسف، امام مالک اور امام شافعی کے قول قدیم میں اقالہ متعاقدین کے حق میں بیع ہوتا ہے۔ اور اگر بیع ہونا متعذر ہو بایں طور کہ اقالہ اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے ہو یا بیع مقایضہ میں احد العوضین کی ہلاکت کے بعد ہو تو اقالہ فسخ کے حکم میں ہوگا اور اگر یہ بھی متعذر ہو جائے بایں طور کہ اشیا منقولہ میں قبضہ سے پہلے اقالہ ثمن اول سے زائد یا کم کے عوض میں ہو یا جنس آخر کے عوض میں ہو یا غیر مقایضہ میں اسباب ہلاک ہو جانے کے بعد ہو تو اقالہ باطل ہو جائے گا امام محمد امام زفر اور امام شافعی کے قول جدید میں اقالہ فسخ بیع ہوتا ہے اگر ثمن اول یا اس سے کم کے عوض میں ہو اور اگر فسخ ہونا متعذر ہو تو بیع ہوتا ہے اور یہ بھی نہ ہو سکے تو اقالہ باطل ہو جاتا ہے، **ھذا والا دلۃ فی المطولات۔**

قولہ وتصح الخ اگر اقالہ میں ثمن اول سے زائد کی شرط لگائی گئی مثلاً ثمن اول پانچ سو روپے تھا اور اقالہ میں ایک ہزار کی شرط لگائی یا ثمن اول سے کم کی شرط لگائی اور مبیع علی حالہ موجود ہے اس میں کوئی عیب پیدا نہیں ہوا یا اقالہ میں جنس آخر کی شرط لگائی گئی مثلاً خرید دراہم کی عوض میں ہوئی تھی اور اقالہ میں دنانیر کی شرط کر لی تو ان تمام صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک اقالہ ثمن اول کے ساتھ ہوگا اور شرطیں سب لغو ہوں گی صاحبین کے نزدیک پہلی اور تیسری صورت میں شرط کے مطابق ہوگا بشرطیکہ اقالہ بعد القبض ہوا ہو اور اقالہ بیع جدید کے حکم میں ہوگا اور دوسری صورت میں طرفین کے نزدیک ثمن اول کے ساتھ ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک شرط کے مطابق ہوگا۔

باب التولیۃ والمرابحۃ

باب تولیہ اور مرابحہ کے بیان میں

هِيَ بَيْعٌ بِثَمَنٍ سَابِقٍ وَالْمُرَابَحَةُ بِهِ وَبِزِيَادَةٍ وَشَرْطُهُمَا كَوْنُ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ مِثْلِيًّا.

وہ بیچنا ہے ثمن سابق کے ساتھ اور مرابحہ بیچنا ہے ثمن سابق پر زیادتی کے ساتھ اور شرط ان دونوں کی ہونا ہے ثمن اول کا مثلی

تشریح الفقہ: قولہ باب التوالیۃ الخ جن بیوع کا تعلق اصل یعنی مبیع کے ساتھ ہوتا ہے ان کے بیان سے فراغت کے بعد ان بیوع کو ذکر کر رہا ہے جن کا تعلق ثمن کیساتھ ہوتا ہے یعنی اب تک ان بیوع کا بیان تھا جن میں مبیع ملحوظ ہوتی ہے اور اب ان بیوع کا بیان شروع ہو رہا ہے جن میں جانب ثمن ملحوظ ہوتی ہے اور وہ چار ہیں تولیہ، مرابحہ (جن کی تعریف آگے آ رہی ہے) مساومہ جس میں ثمن اول کی طرف التفات نہیں ہوتی بلکہ جس مقدار پر بھی متعاقدین کا اتفاق ہو جائے بیع کی یہی قسم اکثر رائج ہے وضیعہ جس میں بیع ثمن اول سے کم کے ساتھ ہوتی ہے سوداگروں میں اس کا رواج بہت کم ہے **ولم یذکر ھما المصنف لظھور ھما قولہ ھی بیع الخ** تولیہ لغۃً ولی غیرہ کا

(۱) قید بہ لانہ اذا تعیب المبیع عند المشتری تجوز الاقالۃ بالاقل بشرط ان یکون النقصان بقدر حصۃ العیب ۱۲۔
عہ...... لان رفع البیع یستدعی قیامہ وھو قائم بالمبیع دون الثمن ۱۲۔ ہدایہ

مصدر ہے بمعنی کارساز بنانا شرعاً وہ بیع ہے جس میں شئی مملوک کو ثمن اول کیساتھ فروخت کیا جائے مرابحہ میں بھی بیع ثمن اول ہی کیساتھ ہوتی ہے لیکن اس زیادتی کیساتھ جو اس پر خرچ میں آئی ہو ان دونوں کی صحت کیلئے ثمن کا مثلی دراہم ودنانیر یا کیلی یا وزنی یا عددی متقارب ہونا شرط ہے کیونکہ مثلی نہ ہونے کی صورت میں تولیہ اور مرابحہ قیمت پر ہوگا اور قیمت مجہول ہے فلایصح۔

وَلَهُ اَنْ يَضُمَّ اِلىٰ رَأْسِ الْمَالِ اَجْرَالْقَصَّارِ وَالصِّبْغِ وَالطَّرَّازِ وَالْفَتْلِ وَحَمْلِ الطَّعَامِ وَسُوْقِ الْغَنَمِ

ملاسکتا ہے راس المال کیساتھ اجرت دھوبی کی رنگائی کی نقش کی پھندے بٹنے کی غلہ اٹھانے کی بکریاں ہنکائی کی

وَيَقُوْلُ قَامَ عَلَيَّ بِكَذَا وَلَا يَضُمُّ اُجْرَةَ الرَّاعِي وَالتَّعْلِيْمِ وَكِرَاءِ بَيْتِ الْحِفْظِ فَاِنْ خَانَ فِي مُرَابَحَةٍ اَخَذَ بِكُلِّ

اور کہے کہ مجھے اتنے میں پڑی ہے نہ ملائے اجرت چرواہے کی تعلیم مکان حفاظت کے کرایہ کی پس اگر دغا کرے مرابحہ میں تو لے کل ثمن کے ساتھ

ثَمَنِهٖ اَوْ رَدَّهٗ وَحَطَّ فِي التَّوْلِيَةِ وَمَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا فَبَاعَهٗ بِرِبْحٍ ثُمَّ اشْتَرَاهُ فَاِنْ بَاعَهٗ بِرِبْحٍ

یا واپس کردے اور کم کردے تولیہ میں جس نے خریدا کپڑا پھر بیچا اس کو نفع سے پھر خرید لیا اس کو تو اگر پھر بیچنا چاہے اس کو نفع سے

طَرَحَ عَنْهُ كُلَّ رِبْحٍ قَبْلَهٗ وَاِنْ اَحَاطَ بِثَمَنِهٖ لَمْ يُرَابِحْ.

تو اس سے پہلی دفعہ کا کل نفع وضع کردے اور اگر محیط ہوجائے نفع ثمن کو تو نفع سے نہ بیچے۔

تشریح الفقہ: قولہ فان خان الخ اگر مرابحہ میں بائع کی خیانت ظاہر ہو مثلاً اس نے چیز نو روپے میں خریدی تھی اور بتایا کہ میں نے دس روپے میں خریدی ہے یا ثمن کے ساتھ صرفہ ملا لیا جن کا ملانا جائز نہیں تو امام صاحب کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے چاہے کل ثمن کے ساتھ لے چاہے واپس کردے اور اگر تولیہ میں خیانت ظاہر ہوئی تو بقدر خیانت ثمن کم کردے امام محمد کے نزدیک دونوں میں اختیار ہے کہ چاہے کل ثمن کے ساتھ لے چاہے واپس کردے کیونکہ عقد میں اعتبار تسمیہ وتعین کا ہے مرابحہ وتولیہ کا ذکر برائے ترغیب ہے پس انکا ذکر وصف مرغوب ہوا جس کے فوت ہونے کی صورت میں اختیار ہوتا ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ان کے ذکر کرنے کا مقصد اس عقد کا مرابحہ اور تولیہ کرنا ہے نہ کہ محض تسمیہ اسلئے عقد ثانی اول پر مبنی ہوگا اور خیانت کی جو مقدار ظاہر ہوئی وہ عقد اول میں ثابت نہ تھی اسلئے اسکو عقد ثانی میں ثابت نہیں کیا جاسکتا پس لامحالہ اس مقدار کو کم کیا جائے گا امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تولیہ میں بقدر خیانت ثمن کم نہ ہو تو تولیہ نہ رہے گا کیونکہ تولیہ ثمن اول سے زائد نہیں ہوتا بخلاف مرابحہ کے اگر اسمیں ثمن کم نہ ہو تو وہ مرابحہ ہی رہتا ہے۔

قولہ ومن اشتری الخ ایک شخص نے کپڑا خرید کر نفع فروخت کردینے کے بعد پھر اسی کو خرید لیا اب اگر اسکو دوبارہ نفع کے ساتھ ساتھ فروخت کرنا چاہے تو امام صاحب کے نزدیک وہ نفع کم کردے جو اس سے قبل لے چکا ہے مثلاً اس نے کپڑا دس میں خرید کر پندرہ میں فروخت کیا اور پھر دس میں خرید لیا تو اگر مرابحۃً فروخت کرنا چاہے تو پانچ روپے کم کرکے یوں کہے کہ مجھے پانچ میں پڑا ہے پھر اس پر جتنا چاہے نفع لے لے اور اگر نفع ثمن کو محیط ہوجائے مثلاً دس کا خرید بیس کا فروخت کیا اور پھر دس میں خرید لیا تو اب دوبارہ مرابحۃً نہ بیچے صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں ثمن اخیر یعنی دس پر نفع لے سکتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عقد ثانی ایک نیا عقد ہے جو عقد اول کے احکام سے بالکل جداگانہ ہے تو اس پر مرابحہ قائم ہوسکتا ہے۔

جیسے کوئی تیسرا شخص درمیان میں آجائے مثلاً زید نے خالد کے ہاتھ فروخت کیا اور خالد نے محمود کے ہاتھ پھر محمود سے زید نے خرید لیا تو بالاتفاق خرید ثانی پر نفع لینا جائز ہے امام صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ عقد ثانی کے ذریعہ حصول نفع کا شبہ قائم ہے اور بیع مرابحہ میں شبہ بھی

(۱) ان العرف جار بالحاق ہذہ الاشیاء براس المال فی عادۃ التجار ۱۲۔ (۲) لعدم العرف بالحاق ہذہ الاشیاء ۱۲۔

حقیقت کے درجہ میں ہوتا ہے پس پہلی صورت میں گویا اس نے پانچ درہم اور ایک کپڑا دس درہم کے عوض میں خریدا تو پانچ درہم پانچ درہموں کے مقابلے میں ہوگئے اور پانچ درہم کے مقابلہ میں کپڑا رہ گیا' اور دوسری صورت میں اور ایک کپڑا دس درہم کے عوض میں خریدا تو دس درہم دس درھم کے مقابلہ میں ہوگئے اور کپڑے کے مقابلہ میں کچھ باقی نہیں رہا فلا یبیعه مرابحةً۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَوِاشْتَرٰی مَاذُوْنٌ مَدْيُوْنٌ ثَوْبًا بِعَشْرَةٍ وَبَاعَهُ مِنْ سَيِّدِهٖ بِخَمْسَةَ عَشَرَ يَبِيْعُهُ مُرَابَحَةً عَلٰى عَشَرَةَ

اگر خریدا ماذون ومقروض غلام نے کوئی کپڑا دس میں اور بیچا اس کو اپنے آقا کے ہاتھ پندرہ میں تو مالک اس کو بطور مرابحہ دس پر فروخت کرے

وَكَذَا الْعَكْسُ وَلَوْ كَانَ مُضَارِبًا بِالنِّصْفِ يَبِيْعُ مُرَابَحَةً رَبُّ الْمَالِ بِاثْنَیْ عَشَرَ وَنِصْفٍ وَيُرَابِحُ

اسی طرح اس کا عکس ہے اور اگر خریدار مضارب بالنصف ہو تو رب المال بطور مرابحہ ساڑھے بارہ پر نفع سے فروخت کرے اور مرابحت کر سکتا ہے

بِلَابَيَانٍ بِالتَّعَيُّبِ وَوَطْئِ الثَّيِّبِ وَبِبَيَانٍ بِالتَّعْيِيْبِ وَوَطْئِ الْبِكْرِ

بیان کئے بغیر اگر مبیع خود معیوب ہوگئی ہو یا ثیبہ کے ساتھ وطی کرلی ہو اور بیان کرنے کے ساتھ اگر معیوب کردیا ہو یا باکرہ سے وطی کرلی ہو

وَلَوْ اِشْتَرٰی بِاَلْفٍ نَسِيْئَةً وَبَاعَ بِرِبْحِ مِائَةٍ وَلَمْ يُبَيِّنْ خُيِّرَ الْمُشْتَرِیْ فَاِنْ اَتْلَفَ فَعَلِمَ

اگر خریدی کوئی چیز ایک ہزار میں ادھار اور بیچا اس کو ایک سو کے نفع سے اور بیان نہیں کیا تو مشتری کو اختیار دیا جائے گا پس اگر تلف کرنے کے بعد

لَزِمَ بِالْاَلْفِ وَمِائَةٍ وَكَذَا التَّوْلِيَةُ وَمَنْ وَلّٰى رَجُلًا شَيْئًا بِمَا قَامَ عَلَيْهِ

معلوم ہوا تو لازم ہوگی گیارہ سو میں یہی حال تولیہ کا ہے اور جس نے کسی کو کوئی چیز اتنے میں فروخت کی جتنے میں اس کو پڑی ہے

وَلَمْ يَعْلَمِ الْمُشْتَرِیْ بِكَمْ قَامَ عَلَيْهِ فَسَدَ وَلَوْ عَلِمَ فِی الْمَجْلِسِ خُيِّرَ.

اور مشتری کو معلوم نہیں کہ کتنے میں پڑی ہے تو بیع فاسد ہوگی اور اگر اس کو مجلس میں معلوم ہوجائے تو اختیار ہوگا۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو اشتری الخ ماذون ومقروض غلام نے ایک کپڑا دس میں خرید کر اپنے آقا کے ہاتھ پندرہ میں فروخت کردیا یا آقا نے دس میں خرید کر اپنے ماذون کے ہاتھ پندرہ میں فروخت کردیا تو ان میں سے ہر ایک دس درہم نفع لیکر فروخت کرسکتا ہے اس واسطے کے یہ عقد ملک غیر میں مفید تصرف ہونے کی وجہ سے گو جائز ہے مگر اس میں عدم عقد کا شبہ موجود ہے کیونکہ غلام کا مال آقا کے حق سے خالی نہیں ہوتا تو گویا آقا نے اپنی ذاتی ملک کی خرید وفروخت اپنی ذات کے ساتھ کی ہے اسلئے مرابحہ میں اس کو معدوم فرض کیا جائے گا۔

قولہ ولو کان مضار باًالخ ایک شخص کے پاس مضاربت بالنصف کے طور پر دس روپے تھے اس نے ان سے کپڑا خرید کر صاحب مال کے ہاتھ پندرہ روپے میں فروخت کرڈالا تو اب صاحب مال اس کو بطور مرابحہ ساڑھے بارہ میں فروخت کرے گا وجہ یہ ہے کہ قیاس کی رو سے مضارب کا رب المال کے ہاتھ فروخت کرنا عدیم النفع ہونے کی وجہ سے جائز نہیں کیونکہ نفع تو اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنے سے ہوتا ہے لیکن یہاں ایک اور فائدہ کے پیش نظر بیع کو جائز رکھا گیا ہے وہ فائدہ یہ ہے کہ جب یہ رب المال نے مال مضارب کے حوالے کردیا تو مال سے اس کا حق تصرف ساقط ہوگیا اور مضارب سے خرید لینے کی صورت میں اس کو یہ حق دوبارہ حاصل ہوسکتا ہے اس لئے بیع کو منعقد مان لیا گیا مگر اس میں عدم جواز کا شبہ موجود ہے کیونکہ بیع مبادلہ مال بالمال کا نام ہے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب تبادلہ غیر کے مال سے ہو اور جب یہ شبہ موجود ہے تو نصف ربح کے حق میں بیع ثانی معدوم ہوئی کیونکہ نصف ربح یعنی اڑھائی درہم رب المال

ای ہی مثل المرابحة فیما ذکرناہ من الخیار عند قیام المبیع وعدم الرجوع حال ہلاکہ لا بتنائہما علی الثمن الاول وینبغی ان یعود قولہ "وکذا التولیة" الی جمیع ما ذکرہ للمرابحة فلا بد من البیان فی التولیة ایضا فی التعییب ووطی البکر وبدونہ فی التعیب ووطی الثیب ۱۲۔

کا حق ہے تو شبہ خیانت سے بچنے کے لئے ثمن سے اڑھائی درہم گرادے اور ساڑھے بارہ پر نفع لے۔

قولہ ویرابح الخ ایک شخص نے کوئی چیز خریدی اور وہ اس کے پاس کسی آفت سماویہ کی وجہ سے معیوب ہوگئی یا ثیبہ باندی تھی اس سے وطی کر لی تو وہ بلا بیان نفع لیکر فروخت کر سکتا ہے یعنی یہ بیان کرنا ضروری نہیں کہ میں نے صحیح سالم لی تھی یہ مطلب نہیں کہ نفس عیب بھی بیان نہ کرے اور اگر خود اس کے فعل سے معیوب ہوئی یا باندی باکرہ تھی اس سے وطی کر لی تو بوقت مرابحہ اس کو بیان کرنا ضروری ہے کیونکہ اوصاف کے مقابلہ میں گو قیمت نہیں آتی لیکن اتلاف کی صورت میں اوصاف بھی مقصود ہو جاتے ہیں اس لئے ان کے مقابلہ میں قیمت آئے گی امام زفرؒ ائمہ ثلاثہ اور ایک روایت کے لحاظ سے امام ابو یوسف کے نزدیک ہر حال میں عیب بیان کرنا ضروری ہے فقیہ ابواللیث نے اسی کو لیا ہے اور اسی کو کمال الدین نے ترجیح دی ہے اسی کو منح اور برہان میں ثابت رکھا ہے۔

قولہ ولو اشتری الخ ایک شخص نے کوئی کپڑا ہزار درہم میں ادھار خریدا اور بطور مرابحہ گیارہ سو میں فروخت کیا اور یہ بیان نہیں کیا کہ میں نے ادھار خریدا ہے تو مشتری کو اختیار ہے چاہے کل ثمن کے ساتھ لے اور چاہے واپس کر دے اس واسطے کہ بیع نسیئہ میں جو مدت ہوتی ہے وہ بھی مبیع کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس لئے ادھار کی صورت میں ثمن زائد ہوتا ہے۔ اور باب مرابحہ میں شبہ بھی حقیقت کے درجہ میں ہوتا ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے دو چیزیں خریدی ہوں اور دونوں کو کل ثمن کے ساتھ بطور مرابحہ فروخت کیا ہو پس جب اس کے خلاف ظاہر ہوا تو مشتری کو اختیار ہوگا اور اگر مشتری نے کپڑے کو معیوب کر دیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ بائع نے ادھار خریدا تھا تو اب کل ثمن کے ساتھ لینا ہوگا ان تمام مسائل میں تولیہ کا بھی یہی حکم ہے۔

قولہ ومن ولی الخ ایک شخص نے کوئی چیز بطور تولیہ فروخت کی اور کہا کہ جتنے میں مجھے پڑی ہے اتنے ہی میں ہے اور مشتری کو معلوم نہیں کہ اس کو کتنے میں پڑی ہے تو ثمن معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے اور اگر مجلس عقد میں مشتری کو معلوم ہو جائے تو اس کو اختیار ہوگا چاہے لے چاہے نہ لے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَصْلٌ: صَحَّ بَيْعُ الْعَقَارِ قَبْلَ قَبْضِهِ لَابَيْعُ الْمَنْقُوْلِ وَلَوْ اشْتَرٰى مَكِيْلاً كَيْلاً حَرُمَ بَيْعُهٗ وَاَكْلُهٗ حَتّٰى يُكِيْلَهٗ

(فصل) صحیح ہے زمین کی بیع قبضہ سے پہلے نہ کہ منقول کی بیع اگر خریدا کیلی چیز کو کیل کی رو سے تو حرام ہے اس کو بیچنا اور کھانا یہاں تک کہ اس کو ناپ لے

وَمِثْلُهُ الْمَوْزُوْنُ وَالْمَعْدُوْدُ لَاالْمَذْرُوْعُ وَصَحَّ التَّصَرُّفُ فِي الثَّمَنِ قَبْلَ قَبْضِهِ وَالزِّيَادَةُ فِيْهِ وَالْحَطُّ مِنْهُ

اسی طرح ہیں وزنی اور عددی چیزیں نہ کہ گزوں سے ناپنے والی چیزیں اور صحیح ہے تصرف کرنا ثمن میں قبضہ کرنے سے پہلے اور اس میں کمی بیشی کرنا

وَالزِّيَادَةُ فِي الْمَبِيْعِ وَيَتَعَلَّقُ الاِسْتِحْقَاقُ بِكُلِّهِ وَتَاجِيْلُ كُلِّ دَيْنٍ غَيْرِ الْقَرْضِ

اور صحیح ہے اضافہ کرنا مبیع میں اور متعلق ہو جاتا ہے استحقاق ان تمام کیساتھ اور صحیح ہے مؤخر کرنا ہر قسم کے دین کو سوائے قرض کے۔

تشریح الفقہ: قولہ صح الخ قبضہ سے پیشتر اشیا منقولہ کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔ کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت موجود ہے۔ لیکن اشیا منقولہ یعنی زمین کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام محمدؒ امام زفرؒ امام مالک کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ حدیث نہی مطلق ہے۔ جس میں منقول وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں۔ شیخین کے نزدیک جائز ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں نہی کہ علت یہ ہے کہ ہلاکت مبیع کی صورت میں انفساخ بیع کا احتمال ہے اور زمین کی ہلاکت نادر الوجود ہے۔ اور نادر کا اعتبار نہیں ہوتا۔ پس جب بیع عقار میں علت مذکورہ نہ پائی جائے تو بیع جائز ہوگی۔ اور علت مذکورہ پائی جائے مثلاً زمین دریا کے کنارہ پر واقع ہو۔ اور اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو شیخین بھی اس کی اجازت نہیں دیتے۔

قولہ ولو اشتری الخ اگر مکیلی چیز کو کیل کے طور پر خرید ا تو جب تک اس کو کیل سے نہ ناپ لے اس وقت تک اس کو فروخت کرنا اور کھانا حرام ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بیع طعام سے منع فرمایا ہے جب تک کہ اس میں دو صاع جاری نہ ہوں۔ ایک صاع بائع کا اور دوسرا مشتری کا۔ اس حدیث میں گو قدرے ضعف ہے لیکن کثرت طرق اور اجماع ائمہ اربعہ کی وجہ سے قابل حجت اور واجب العمل ہے یہی حکم وزنی اور عددی چیزوں کا ہے۔ کہ تولنے اور شمار کرنے سے پہلے کھانا اور فروخت کرنا جائز نہیں۔ البتہ مبیع مذروع میں قبضہ کے بعد پیمائش سے پہلے تصرف جائز ہے گو بشرط پیمائش ہی خرید ا ہو اس واسطے کہ مبیع مذروع میں ذراع (گز) وصف ہے نہ کہ مدار پس کل مذروع مشتری کا ہو چکا خواہ اس کو زائد پائے یا کم۔

تنبیہ: کیلی چیزوں میں کیل کئے بغیر تصرف کا جائز نہ ہونا اس وقت ہے جب بائع نے انعقاد بیع سے قبل مشتری کی عدم موجودگی میں کیل کیا ہو۔ اور اگر بائع نے بعد انعقاد بیع مشتری کی موجودگی میں کیل کیا ہو تو بقول صحیح بائع کا کیل کر لینا ہی کافی ہے۔ کیونکہ کیل واحد سے مبیع کی مقدار معلوم ہوگئی' نیز مبیع مذروع میں پیمائش سے قبل تصرف کا جائز ہونا اس وقت ہے جب ہر گز کا نرخ جدا جدا بیان نہ کیا ہو ورنہ پیمائش سے قبل مبیع مذروع میں بھی تصرف جائز نہیں۔

قولہ وصح التصرف الخ قبضہ کرنے سے پہلے ثمن میں تصرف کرنا جائز ہے۔ بطریق بیع ہو یا بطریق ہبہ۔ ثمن معین ہو جاتا ہو جیسے مکیل یا معین نہ ہوتا ہو جیسے نقود' نیز ثمن میں زیادتی کرنا بھی جائز ہے۔ (بشرطیکہ مبیع ہلاک نہ ہوئی ہو) مشتری کی جانب سے ہو یا اس کے وارث کی جانب سے یا بحکم مشتری کسی اجنبی کی جانب سے اور بائع کی جانب سے مبیع میں زیادتی کر دینا بھی جائز ہے۔ (بشرطیکہ زیادتی مسلم فیہ میں نہ ہو) اسی طرح ثمن اور مبیع میں کمی دینا بھی جائز ہے۔ (بشرط یہ کہ مبیع دین ہو عین نہ ہو) امام زفر اور امام شافعی کے یہاں مبیع اور ثمن میں کمی بیشی کو صلہ اور ہبہ کے لحاظ سے صحیح ہے۔ لیکن ان کے یہاں کمی بیشی اصل عقد کیساتھ لاحق نہیں ہوتی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ متعاقدین مبیع و ثمن میں کمی کر کے عقد بیع کو ایک وصف مشروع سے دوسرے وصف مشروع کی طرف تبدیل کر رہے ہیں۔ اور جب وہ بطریق اقالہ نفس عقد ہی کو اٹھا سکتے ہیں تو کمی بیشی کے حقدار بطریق اولیٰ ہوں گے' پھر کمی بیشی کے بعد جس مقدار پر عقد قرار پائے گا۔ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کو اس کا استحقاق ہوگا۔ مثلاً بائع نے مبیع میں اضافہ کیا تو اضافہ کے ساتھ دینا لازم ہوگا۔ اور اگر عیب وغیرہ کی وجہ سے مبیع واپس کی گئی تو مشتری ثمن مع زیادتی واپس کریگا۔

قولہ وتاجیل کل دین الخ ہر قسم کے دین کی تاجیل صحیح ہے۔ خواہ دین بذریعہ عقد ہو یا بسبب استہلاک' البتہ قرض کی تاجیل صحیح نہیں۔ پس اگر مہینہ بھر کے وعدے پر قرض دیا ہو تو قرض خواہ مقروض سے فی الحال مطالبہ کر سکتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں قرض کی طرح غیر قرض کی بھی تاجیل صحیح نہیں۔ جواب یہ ہے کہ جب صاحب دین کو معاف کر دینا جائز ہے تو تاخیر مطالبہ بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔ امام مالک کے یہاں دیگر دیون کی طرح قرض کی بھی تاجیل صحیح ہے۔ جواب یہ ہے کہ قرض ابتدا کے اعتبار سے اعارہ اور صلہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ اعارہ سے صحیح ہو جاتا ہے۔ اور جب اعارہ ٹھہرا تو تاجیل لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ معیر عاریت کو مدت سے پہلے لے سکتا ہے۔ اور انتہاء کے لحاظ سے قرض معاوضہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں ردّ مثل واجب ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے تاجیل صحیح نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ درہم بیع درہم کی سے ادھار ہو اور یہ بالکل ربوا ہے جو مقتضی فساد ہے۔ **والحال ان الشارع تدب الیہ واجمع الامۃ علی جوازہ۔**

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

عہ..... ابوداؤد' ابن حبان' حاکم عن عمر نسائی (فی سننہ الکبریٰ) احمد' ابن حبان' طبرانی' دار قطنی' بیہقی عن حکیم بن حزام' ائمہ ستہ عن ابن عباس ۱۲۔

عہ..... ابن ماجہ' ابن ابی شیبہ' بزار' دار قطنی' بیہقی عن جابر' بزار عن ابی ہریرہ' ابن عدی عن انس و ابن عباس' عبد الرزاق (فی معناہ) عن عثمان وحکیم بن حزام ۱۲۔

باب الربوا

باب سود کے بیان میں

وَهُوَ	فَضْلُ	مَالٍ	بِلَاعِوَضٍ	فِي	مُعَاوَضَةِ	مَالٍ	بِمَالٍ
اور وہ	زیادتی ہے	مال کی	بلا عوض		معاوضہ	مالی	میں

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ مرابحہ کیساتھ ربوا کی مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں زیادتی ہوتی ہے مگر مرابحہ میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ حلال ہے۔ اور ربوا میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ قطعاً حرام ہے اور اشیائمیں اصل حلت ہے۔ اس لئے مصنف نے مرابحہ کو مقدم کیا اور ربوا کو مؤخر۔ ربوا کی حرمت کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور اجماع ہر ایک سے ثابت ہے۔ قال تعالیٰ" احل اللہ البیع وحرم الربوا" وقال تعالیٰ " لاتاکلو الربوا" صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے کہ "سود کا ایک درہم جس کو انسان جان بوجھ کر کھاتا ہے وہ چھتیس زنا سے زیادہ سخت ہے"۔

تنبیہ: آج کل لوگوں نے سود کو مال غنیمت سمجھ رکھا ہے۔ کہ بے تکلف لیتے دیتے ہیں اور کچھ پروانہیں کرتے کہ شریعت میں اس کی کیسی سخت ممانعت ہے۔ بلکہ بعض نئی روشنی کے دلدادہ تو یہاں تک کہہ بیٹھتے ہیں کہ سودی کاروبار سے روکنا مسئلہ تجارت اور ترقی ملک کے حق میں سدراہ ہے۔ حالانکہ یہ بالکل بے وقوفی اور ابلہ فریبی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سودخوری اور رشورت کی گرم بازاری ہی نے قوم کو مفلوج اور ملک کو برباد کیا ہے۔ سودخوری سے دل پر جو سختی اور بزدلی طاری ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ آپ تاریخ کے اوراق الٹ جایئے کسی سود خور قوم کو نہ دیکھیں گے کہ اس نے اولوالعزمی کی ہو یا وہ فاتح ملک ہوئی ہو جب مال دار کو ایک کے بدلے دوملیں گے تو اس کا تمول بڑھے گا۔ اور نادار کی ناداری بھی پھر قوم کی ترقی کہاں؟ سیم وزر کا پجاری جب اپنے کسی حاجت مند بھائی کو دیکھتا ہے تو جذبہ اخوت کی بجائے اس کی احتیاج و بے بسی سے اپنا کام نکالتا ہے۔ اور اس کی غربت کو اپنی دولت مندی کا ذریعہ بناتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ہمارے دیار کے تباہ حال مسلمانوں کی تمام زمیں جائداد اور گھربار اسی چکر میں مہاجنوں کی نذر رہوا ہے۔

قولہ وھو فضل الخ ربوا لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں۔ یقال. ربی . الشئی یربو" شئی بڑھ گئی اور زیادہ ہوگئی۔ ومنہ تعالیٰ" اھتزت وربت" شریعت میں ربوا مال کی زیادتی کو کہتے ہیں جو معاوضہ مالی میں بلا عوض ہو یعنی متجانسین میں سے ایک کا دوسرے پر بمعیار شرعی زائد ہونا ربوا کہلاتا ہے، معیار شرعی سے مراد کیل اور وزن ہے پس جو کے دوقفیز گیہوں کے ایک قفیز کے عوض اور دس گز ہروی کپڑے کو پانچ گز ہروی کپڑے کے عوض اور ایک انڈے کو دوانڈوں کے عوض دست بدست فروخت کرنا ربوا نہ کہلائے گا۔ کیونکہ گیہوں کو جو کے اور جو کو گیہوں کے مقابلہ میں کیا جاسکتا ہے پس زیادتی بلاعوض نہیں بھی بالعوض ہے۔ مصنف نے ربوا کی تعریف میں ایک قید چھوڑ دی جس کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ یہ کہ زیادتی احد المتعاقدین یعنی بائع یا مشتری کے لئے مشروط ہو اگر ان کے علاوہ کسی اجنبی کے لئے زیادتی مشروط ہو تو اس کو اصطلاح میں ربوا نہ کہیں گے۔

وَعِلَّتُهٗ اَلْقَدْرُ وَالْجِنْسُ فَحَرُمَ الْفَضْلُ وَالنَّسَاءُ بِهِمَا وَالنَّسَاءُ فَقَطْ بِاَحَدِهِمَا

اور علت اس کی قدر اور جنس ہے پس حرام ہے زیادتی اور ادھار ان دونوں کے ہونے سے اور صرف ادھار حرام ہے کسی ایک کے ہونے سے اور

وَحَلَّا بِعَدَمِهِمَا وَصَحَّ بَيْعُ الْمَكِيْلِ كَالْبُرِّ وَالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ وَالْمَوْزُوْنِ كَالنَّقْدَيْنِ.

دونوں حلال ہیں ان دونوں کے نہ ہونے سے اور صحیح ہے بیع کیلی چیزوں کی جیسے گیہوں جو کھجور نمک اور وزنی چیزوں کی جیسے سونا چاندی

معنی ربوا اور علت ربوا کی تحقیق

توضیح اللغۃ: نساء: ادھار، بر: گیہوں، شعیر: جو، تمر: کھجور، ملح: نمک

تشریح الفقہ: **قولہ وعلتہ الخ** نفس ربوا کی حرمت تو آیت "وحرم الربوا" "لاتاکلوا الربوا" سے ثابت ہے۔ جس میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن آیت ربوا میں انتہائی اجمال ہے۔ اسی وجہ سے جب حضرت عمر فاروقؓ کو تشفی نہ ہوئی اور انہوں نے "**اللھم بین لنا بیاناً شافیاً**" سے مستجاب درخواست پیش کی تو زبان نبوت پر یہ کلمات جاری ہوئے **الحنطۃ بالحنطۃ و الشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح والذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ مثلاً بمثل یداًبید والفضل ربوا**" یعنی گیہوں کو گیہوں، جو کو جو، چھواروں کو چھواروں، نمک کو نمک، سونے کو سونے، چاندی کو چاندی کے برابر دست بدست فروخت کرو۔ اور ان میں زیادتی ربوا ہے۔ یہ روایت کثرت رواۃ کی وجہ سے حدیث متواتر کے قریب ہے۔ اور سولہ صحابہ کرام ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، عبادہ ابن الصامت، ابو سعید خدری، ساریہ بن ابی سفیان، بلال، ابوہریرہ، معمر بن عبداللہ، ہشام بن عامر، براء بن عازب، زید بن ارقم، خالد بن ابی عبید، ابوبکرہ، ابن عمر، ابوالدرداء رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے۔ اس میں چھ چیزوں کو برابر سرابر اور دست بدست فروخت کرنے کا حکم ہے۔ اب اہل ظاہر حضرات تو ربوا کا دائرہ صرف انہی چھ چیزوں تک محدود رکھتے ہیں۔ لیکن علما مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ دیگر اشیا میں بھی ربوا ہوسکتا ہے۔ جن کا حکم انہی پر قیاس کر کے نکالا جائے گا۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ ماخذ علت یہی حدیث ہے۔ لیکن معیار حرمت اور علت ممانعت میں رائیں مختلف ہیں۔ جب کسی چیز کو دوسری چیز پر قیاس کرتے ہیں۔ تو ان دونوں میں ایک وصف مشترک ضرور دیکھا جاتا ہے جس کو علم اصول فقہ میں علت کہتے ہیں اب اشیا مذکورہ میں وصف مشترک یعنی علت حرمت کیا ہے۔؟ امام شافعی نے قول قدیم میں کیل یا وزن کے ساتھ طعم یعنی کھانے میں آنا اور قول جدید میں پہلی چار چیزوں سے طعم اور سونے چاندی سے ثمنیت اور دوسرا وصف جنس کا متحد ہونا علت قرار دیا ہے۔ اور چونہ اور نورہ میں چونکہ یہ دونوں علتیں نہیں پائی جاتیں اس لئے شوافع کے یہاں ان میں کمی بیشی جائز رہے گی۔ اسی طرح جو چیزیں مبادلہ میں سونے چاندی کے علاوہ دیجاتی ہیں جیسے لوہا، تانبا، پیتل، کپڑا وغیرہ ان کی بڑھوتری ربوا نہ کہلائے گی۔

امام مالک نے پہلی چار چیزوں سے اقتیات یعنی غذائیت اور اخیر کی دو چیزوں سے اذخار یعنی ذخیرہ اندوزی علت مانی ہے۔ تو ان کے نزدیک خراب مچھلی اور خراب گوشت کی بیع قوت اور ذخیرہ نہ ہونے کی وجہ سے حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح سونے چاندی کے علاوہ اور جو چیزیں کھانے میں نہیں آتیں اور نہ ذخیرہ ہوسکتی ہیں۔ جیسے سبز ترکاری، لوہا، تانبہ وغیرہ ان میں بھی ربوا نہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے ان اشیاء کے مقابلہ سے اتحاد جنس اور مماثلت سے قدر معہود یعنی کیلی یا وزنی ہونا حرمت ربوا علت نکالی ہے۔ کیونکہ حدیث مذکور میں اشیاء ستہ کو بطور مثال ذکر کر کے ایک قاعدہ کلیہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس واسطے کہ سونا چاندی موزون ہیں۔ اور گیہوں، جو، چھوارہ اور نمک مکیل ہیں۔ تو گویا یوں ارشاد ہوا کہ ہر کیلی اور وزنی چیز میں مماثلت ضروری ہے۔ اور دو چیزوں میں پوری مماثلت دو اعتبار سے ہوتی ہے۔ ایک باعتبار صورت

عہ .... الجماعۃ الا البخاری عن عبادۃ، مسلم عن ابی سعید وابی ہریرۃ، بزار عن بلال (تبقدیم وتاخیر وتغییر الفاظ) ۱۲

دوسرے باعتبار معنی تو کیل اوروزن سے مماثلت صوری حاصل ہوئی۔ اور متحد الجنس ہونے سے مماثلت معنوی۔ اس لئے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ تحریم ربوا کی علت اتحاد جنس کے ساتھ کیل یاوزن کا ہونا ہے۔ تو امام صاحب کے نزدیک پھلوں میں اوران چیزوں میں جووزن اور پیمانہ سے فروخت نہیں ہوتیں ربوانہ ہوگا وبہ قال احمد فی روایة۔

قولہ فحرم الخ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ علت حرمت ربواقدر و جنس ہے تو جہاں یہ دونوں چیزیں پائی جائیں وہاں زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں۔ پس ایک قفیز گیہوں کو ایک قفیز گیہوں کے عوض فروخت کرنا جائز ہوگا۔ اور زیادتی کے ساتھ کرنا گیہوں اور جو دونوں کیلی ہیں۔ یا صرف جنس پائی جائے جیسے غلام کو غلام کے عوض یا ہروی کپڑے کو ہروی کپڑے کے عوض فروخت کرنا کہ غلام اور کپڑا نہ کیلی ہے نہ وزنی تو ان دونوں صورتوں میں کمی بیشی جائز ہوگی اور ادھا فروخت کرنا حرام ہوگا۔ اور اگر دونوں نہ پائی جائیں تو دونوں صورتوں میں جائز ہوگا۔ سوال ابوداؤد کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو ایک اونٹ دواونٹوں کے عوض مدت کیساتھ خریدنے کا حکم فرمایا۔ نیز موطا میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک اونٹ بیس اونٹوں کے عوض میں ادھا فروخت کیا۔ معلوم ہوا کہ اتحاد جنس سے ادھا کی حرمت ثابت نہیں ہوتی' امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے۔ جواب اصحاب سنن ترمذی وغیرہ نے حضرت سمرہ بن جندب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حیوان کو حیوان کے عوض ادھا فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علت ربوا کا ایک جز یعنی اتحاد جنس تحریم نسا کی پوری علت ہے۔ رہی پہلی دو حدیثیں سو وہ دونوں مبیح ہیں اور حدیث سمرہ بن جندب محرم ہے اور مبیح پر محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

قولہ وصح بیع المکیل الخ جن اشیاء کو شارع نے کیلی قرار دیا ہے جیسے گیہوں' جو' کھجور' نمک وغیرہ ہمیشہ کیلی ہی رہیں گی۔ گولوگوں نے ان میں کیل کو ترک کر دیا ہو اور جن اشیاء کو شارع نے وزنی رکھا ہے جیسے سونا چاندی وہ ہمیشہ وزنی رہیں گی' تو جب ان اشیا کو انہیں کی جنس کی عوض میں فروخت کیا جائے تو مساوات ضروری ہوگی۔ کمی بیشی جائز ہوگی اور مساوات کا اعتبار کیلی میں کیل کیساتھ ہوگا اور وزنی میں وزن کے لحاظ سے ہوگا۔ سو اگر کسی نے گیہوں کو گیہوں کے عوض وزن کے لحاظ سے مساوا کیساتھ فروخت کیا تو بیع جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ گیہوں شرعاً کیلی ہے نہ کہ وزنی وقس علی ھذا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَمَا يُنْسَبُ اِلَى الرَّطْلِ بِجِنْسِهٖ مُتَسَاوِيًا لَامُتَفَاضِلاً وَجَيِّدُهٗ كَرَدِّيْهٖ وَيُعْتَبَرُ التَّعْيِيْنُ

اوران چیزوں کی جو منسوب ہوں رطل کی طرف انہی کی جنس سے برابر سرابر نہ کہ کمی بیشی کے ساتھ اور اس کا کھرا کھوٹا برابر ہے اور معتبر ہے تعیین

لَا التَّقَابُضُ فِي غَيْرِ الصَّرْفِ وَصَحَّ بَيْعُ الْحَفْنَةِ بِالْحَفْنَتَيْنِ وَالتُّفَّاحَةِ بِالتُّفَّاحَتَيْنِ وَالْبَيْضَةِ بِالْبَيْضَتَيْنِ

نہ کہ تقابض غیر صرف میں اور صحیح ہے بیع ایک مٹھی غلہ کی دو مٹھی سے اور ایک سیب کی دو سیبوں سے اور ایک انڈے کی دو انڈوں سے

وَالْجَوْزَةِ بِالْجَوْزَتَيْنِ وَالتَّمْرَةِ بِالتَّمْرَتَيْنِ وَالْفَلْسِ بِالْفَلْسَيْنِ بِاَعْيَانِهِمَا.

اور ایک اخروٹ کی دو اخروٹ سے اور ایک کھجور کی دو کھجوروں سے اور ایک معین پیسہ کی دو معین پیسوں سے۔

احکام ربوا کی تفصیل

توضیح اللغۃ: جید عمدہ' ردی گھٹیا' حفنہ لپ بھر' تفاحۃ سیب' بیضہ انڈا' جوزہ اخروٹ' فلس پیسہ

تشریح الفقہ: **قولہ وجیدہ الخ** اموال ربویہ میں عمدہ اور گھٹیا کا کوئی امتیاز نہیں۔ بلکہ دونوں برابر ہیں۔ پس جید کو ردی کے عوض میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ حدیث ربوا جو شروع باب میں مرقوم ہو چکی وہ مطلق ہے۔

قولہ ویعتبر الخ غیر صرف میں مال ربوا کا متعین ہونا معتبر ہے۔ تقابض شرط نہیں پس اگر گیہوں کو گیہوں کے عوض معین کر کے فروخت کیا اور بائع اور مشتری قبضہ سے پہلے جدا ہو گئے تو بیع جائز ہے۔ **خلافا للشافعی فی بیع الطعام بالطعام.**

قولہ وصح بیع الخ ایک لپ بھر غلہ کی دو لپ بھر غلہ کیساتھ اسی طرح ایک سیب کی دو سیبوں کے ساتھ بیع جائز ہے الخ کیونکہ یہ اشیا نہ کیلی ہیں نہ وزنی پس تحت المعیار داخل نہ ہونے کی وجہ سے علت حرمت معدوم ہوگئی۔ وجہ یہ ہے کہ مساوات کا اعتبار معیار شرعی سے ہوتا ہے اور یہاں معیار شرعی موجود نہیں جس سے مساوات معلوم ہو۔ اس واسطے کہ شارع نے واجبات مالیہ کفارات صدقہ فطر میں صاع سے کمتر تقدیر نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ نصف صاع سے کمتر میں تفاضل معتبر نہیں۔ مگر یہ اس وقت ہے جب احد البدلین نصف صاع کو نہ پہونچے ورنہ بیع جائز ہوگی، فتح القدیر میں ہے کہ بقول صحیح لپ دولپ میں بھی ربوا ثابت ہے۔

قولہ والفلس الخ ایک معین پیسہ کو دو معین پیسوں کے عوض میں بیچنا شیخین کے نزدیک جائز ہے۔ امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں اور امام شافعی کا صحیح قول بھی یہی ہے۔ امام محمد اور امام احمد کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ فلوس کا ثمن ہونا خلقی نہیں بلکہ اصطلاح ناس کی وجہ سے ہے تو جو چیز انسانوں کی اصطلاح سے ثابت ہوئی ہے وہ صرف عاقدین کی اصطلاح سے کیسے باطل ہو سکتی ہے۔ بہر کیف فلوس میں ثمنیت ہے اور اثمان میں تعیین نہیں ہوتی۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں غیر معین ہوں کہ بالاتفاق بیع ناجائز ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ متعاقدین کے حق میں فلوس کی ثمنیت خود انہی کی اصطلاح سے ثابت ہوئی ہے۔ تو جو چیز ان کی اصطلاح سے ثابت ہوئی ہے وہ ان کی اصطلاح سے باطل بھی ہو سکتی ہے اور جب ثمنیت باطل ہوگئی تو پیسے متعین کرنے سے متعین ہو جائیں گے۔ کیونکہ اب وہ از قبیل عروض ہو گئے بخلاف اس صورت کے کہ جب دونوں غیر معین ہوں کہ اس پر بیع الکالی بالکالی صادق آتی ہے جو منھی عنہ ہے اور بخلاف اس صورت کے کہ احد العوضین غیر معین ہو۔ **لان الجنس بانفراده یحرم النساء۔**

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاللَّحْمِ بِالْحَيْوَانِ وَالْكِرْبَاسِ بِالْقُطْنِ وَكَذَا بِالْغَزْلِ كَيْفَ مَاكَانَ وَالرُّطَبِ بِالرُّطَبِ اَوْ بِالتَّمْرِ مُتَمَاثِلاً

اور گوشت کی جانور سے اور گزی کی روئی سے اسی طرح سوت سے جیسے بھی ہو اور پختہ خرما کی پختہ یا خشک خرما سے برابر سرابر اور انگور کی انگور

وَالْعِنَبِ بِالْعِنَبِ وَبِالزَّبِيْبِ وَاللُّحُوْمِ الْمُخْتَلِفَةِ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلاً وَلَبَنَ الْبَقَرِ بِلَبَنِ الْغَنَمِ.

یا کشمش سے اور مختلف گوشتوں کی ایک دوسرے سے کمی بیشی کیساتھ اور گائے کے دودھ کی بکری کے دودھ سے۔

توضیح اللغۃ: لحم گوشت، کرباس روئی کا کپڑا، قطن روئی، غزل کتا ہوا سوت، رطب پختہ خرما، تمر چھوارہ، عنب انگور، زبیب کشمش، لحوم جمع لحم گوشت، لبن دودھ، غنم بکری۔

تشریح الفقہ: قولہ اللحم الخ کٹے ہوئے گوشت کو جانور کے عوض فروخت کرنا شیخین کے نزدیک جائز ہے۔ اگرچہ گوشت جانور کی جنس سے ہو مثلاً گائے کا گوشت گائے کے عوض میں فروخت کیا جائے تو جائز ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر گوشت جانور کی جنس سے ہو تو گوشت کا قدرے زائد ہونا ضروری ہے تاکہ گوشت گوشت کے مقابلہ میں ہو جائے اور زائد گوشت جانور کے جگر، تلی وغیرہ کے مقابلہ میں ہو جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ربوا لازم آئے گا۔ شیخین فرماتے ہیں کہ یہاں وزنی چیز کی بیع غیر وزنی چیز کے ساتھ ہے۔ کیونکہ جانور عادةً تولا نہیں جاتا۔ اور وزنی کی بیع غیر وزنی کیساتھ جائز ہے۔ برابر سرابر ہو یا کم وبیش (بشرطیکہ متعین ہو اور ادھار نہ ہو) نیز روئی کے کپڑے کی بیع

---

(۱)...... بکسر الراء وفتحہا قال الجوہری انہ نصف من وہو ما یوزن بہ وقیل اثنا عشر اوقیۃ وقیل مائۃ درہم وثمانیۃ وعشرون درہما ۱۲

ـہ...... ولان الجودۃ لا یجوز الاعتیاض عنہا ومالا یجوز الاعتیاض عنہ بالبیع لا یکون مالاً متقوماً کالخمر ۱۲ ـعہ...... وہو بیع النسیئۃ بالنسیئۃ ۱۲

لدعہ...... ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ، ابن عدی، عبدالرزاق، حاکم، دارقطنی عن ابن عمر، طبرانی عن رافع بن خدیج ۱۲

روئی کے عوض میں اور سوت کے عوض میں جائز ہے۔ برابر سرابر ہو یا کم وبیش، کیونکہ یہ دونوں جنس کے اعتبار سے مختلف ہیں بایں معنی کہ کپڑا ادھڑنے کے بعد سوت اور روئی نہیں ہو جاتا۔

قولہ والرطب الخ پختہ کھجور کے عوض متماثلاً فروخت کرنا تو بالاتفاق صحیح ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک کھجور کو چھوارے کے عوض کیل کے اعتبار سے برابر سرابر فروخت کرنا بھی جائز ہے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ ان کے یہاں فی الحال مساوات کا ہونا کافی نہیں بلکہ باعتبار انجام بھی مساوات ضروری ہے۔ دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پختہ کھجور کی بیع کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا: کیا وہ خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے۔؟ لوگوں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ! کم ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: تو پھر بیع جائز نہیں۔ امام صاحب کے یہاں بوقت عقد مساوات ہونی چاہیے۔ انجام کے لحاظ سے مساوات کا نہ ہونا اس کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ اس کا موجب امر خلقی ہو) امام صاحب فرماتے ہیں کہ رطب دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ تمر ہے یا تمر نہیں ہے اگر تمر ہے تو آغاز حدیث ''التمر بالتمر ۃ اھ'' کی رو سے بیع جائز ہوئی اور اگر تمر نہیں ہے تو آخر حدیث ''اذا اختلف النوعان فبیعو اکیف شئتم'' کی رو سے بیع صحیح ہوئی۔ رہا استدلال مذکور سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا مدار زید بن عیاش پر ہے جس کے متعلق ناقدین حدیث کو کلام ہے۔ دوم یہ کہ اس میں بیع بطریق نسیئۃ سے منع کرنا مقصود ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ سے اسی کے متعلق دریافت کیا گیا تھا چنانچہ سنن ابی داؤد، مستدرک حاکم، دار قطنی اور طحاوی کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے و لفظہم ''نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الرطب بالتمر نسیئۃ'' سوال دار قطنی میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے پختہ کھجور کو خشک کھجور کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جواب دار قطنی میں یہ مضمون دو طریق سے مروی ہے ایک میں یحی بن انیسہ راوی ہے اور ایک میں موسی بن عبیدہ ربذی اور یہ دونوں بقول ابن جوزی متروک فی الحدیث ہیں۔ واما بیع العنب بالزبیب فیصح عندہ خلافاً لمن تقدم والوجہ مابیناہ فی الرطب والتمر من الجانبین وقیل لایجوز اتفاقاً۔

وَخَلَّ الدَّقَلِ بِخَلِّ الْعِنَبِ وَشَحْمِ الْبَطْنِ بِالْاَلْيَةِ اَوْ بِاللَّحْمِ وَالْخُبْزِ بِالْبُرِّ اَوِ الدَّقِيْقِ مُتَفَاضِلاً

اور گھٹیا کھجور کے سرکے کی انگوری سرکے سے اور پیٹ کی چربی کی چکتی کی چربی یا گوشت سے اور روٹی کی گیہوں یا آٹے کی کمی بیشی کیساتھ

لَابَيْعُ الْبُرِّ بِالدَّقِيْقِ اَوْ بِالسَّوِيْقِ وَالزَّيْتُوْنِ بِالزَّيْتِ وَالسِّمْسِمِ بِالشَّيْرَجِ

نہ کہ گیہوں کی آٹے یا ستو کے ساتھ اور زیتون کی اس کے تیل سے اور تل کی روغن تل سے

حَتّٰى يَكُوْنَ الزَّيْتُ وَالشَّيْرَجُ اَكْثَرُ مِمَّا فِي الزَّيْتُوْنِ وَالسِّمْسِمِ وَيُسْتَقْرَضُ الْخُبْزُ وَزْنًا لَاعَدَدًا

یہاں تک کہ ہو روغن زیتون اور روغن تل زیادہ اس سے جو زیتون اور تل میں ہے اور قرض لی جائے روٹی وزن سے نہ کہ شمار سے

وَلَا رِبٰوا بَيْنَ الْمَوْلٰى وَعَبْدِهٖ وَلَابَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ ثَمَّهٗ.

اور نہیں ہے سود آقا اور اس کے غلام کے درمیان اور نہ مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں۔

توضیح اللغۃ: خل سرکہ، دقل ردی کھجور، عنب انگور، شحم چربی، بطن پیٹ، الیۃ، چکتی، دقیق آٹا، سویق، ستو، زیتون مشہور پھل، زیت زیتون کا تیل، سمسم تل، شیرج تل کا تیل۔

تشریح الفقہ: قولہ لا بیع البر الخ امام صاحب کے نزدیک گیہوں کے آٹے یا ستو کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں نہ بطریق تساوی

ــــ ...... مالک، ائمہ اربعہ، احمد، ابن حبان، حاکم، سعید بن ابی وقاص ۱۲

نہ بطریق تفاضل۔ تفاضل تو اس لئے جائز نہیں کہ دونوں جنس واحد نہیں کیونکہ آٹا اور ستو گیہوں کے اجزاء ہیں اور تساوی اس لئے جائز نہیں کہ دونوں کا معیار کیل ہے اور کیل سے تسویہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ گیہوں کے دانوں کا تخلخل پسنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ زیتون کی بیع روغن زیتوں کے عوض اور تل کی بیع روغن تل کے عوض جائز نہیں۔ یہاں تک کہ روغن زیتون اور روغن تل اس روغن سے زائد ہو جو زیتون اور تل سے نکلنے والا ہے تاکہ تاکہ تیل تیل کے مقابلہ میں ہو جائے اور زائد تیل ان کی کھلی کے مقابلہ میں۔

قولہ و یستقرض الخ اگر روٹی قرض لینا چاہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک عدد کے لحاظ سے نہ لے بلکہ وزن کر کے لے۔ امام صاحب کے نزدیک کسی طرح بھی اجازت نہیں۔ امام محمد کے نزدیک دونوں طرح لے سکتا ہے۔ شرح مجمع میں ہے کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے اسی کو کمال الدین نے مستحسن کہا ہے اور اسی پر صاحب تنویر نے اعتماد ظاہر کیا ہے۔ لیکن علامہ زیلعی نے امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ذکر کیا ہے۔

قولہ و لاربوا الخ آقا اور اس کے غلام کے درمیان ربوا متحقق نہیں ہوتا۔ کیونکہ غلام کے پاس جو مال ہے وہ تو اس کے آقا ہی کا ہے جس طرح چاہے لے مگر یہ اس وقت ہے جب غلام ماذون لہ ہو اور اس پر دین مستغرق نہ ہو ورنہ ان کے درمیان بالاتفاق ربوا ہوگا۔ البتہ بحر الرائق میں معراج سے منقول ہے کہ تحقیق یہی ہے کہ دین مستغرق ہو یا غیر مستغرق کسی طرح ربوا نہیں۔

قولہ ولا بین المسلم الخ جس مسلمان کو اہل حرب کی طرف سے امان حاصل ہو اسکے درمیان اور کافر حربی کے درمیان دار الحرب میں رہتے ہوئے طرفین کے نزدیک ربوا نہیں ہے۔ امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ اس کے خلاف ہیں کیونکہ نصوص حرمت ربوا مطلق ہیں دار الحرب میں ہو یا دار الاسلام میں بہر دو صورت ربوا حرام ہے۔ اور ثقہ راوی کی مرسل حدیث مقبول ہوتی ہے۔ نیز دار الحرب میں حربی کا مال مباح ہوتا ہے پس وہ رضامندی کے ساتھ جیسے چاہے لے سکتا ہے۔

فائدہ: حرمت ربوا سے پانچ صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ کہ ان میں ربوا حرام نہیں۔ (۱) آقا اور اس کے غلام کے درمیان (۲) شرکت معاوضہ کے دو شریکوں کے درمیان (۳) شرکت عنان کے دو شریکوں کے درمیان (۴) دار الحرب میں مسلم اور حربی کے درمیان۔ (۵) مسلم اور اس شخص کے درمیان جو دار الحرب میں مسلمان ہوا ہو۔

عہ ......ای وصحت ہذہ البیوع لانہا اجناس مختلفۃ لاختلاف الصور والمعانی والمنافع ۱۲

باب الحقوق

باب حقوق کے بیان میں

اَلْعِلْوُلَایَدْخُلُ بِشِرَاءِ بَیْتٍ بِکُلِّ حَقٍّ وَبِشِرَاءِ مَنْزِلٍ اِلَّا بِکُلِّ حَقٍّ هُوَلَهٗ اَوْ بِمَرَافِقِهٖ

بالا خانہ داخل نہیں ہوتا حجرہ کو مع تمام حقوق خرید نے سے اور منزل خریدنے سے بھی مگر یہ کہ خرید مکان کے کل حقوق کیساتھ ہو یا اس کے تمام منافع

اَوْ بِکُلِّ قَلِیْلٍ اَوْ کَثِیْرٍ هُوَ فِیْهِ اَوْ مِنْهُ وَدَخَلَ بِشِرَاءِ دَارٍ کَالْکَنِیْفِ لَا الظُّلَّةُ اِلَّا بِکُلِّ حَقٍّ هُوَلَهٗ

سمیت ہو یا اس کی ہر تھوڑی بہت چیز کے ساتھ ہو اور داخل ہو جائیگا گھر خریدنے میں جیسے پاخانہ نہ کہ سائبان مگر یہ کہ خرید کل حقوق کیساتھ ہو

وَلَایَدْخُلُ الطَّرِیْقُ وَالْمَسِیْلُ وَالشِّرْبُ اِلَّا بِنَحْوِ کُلِّ حَقٍّ هُوَلَهٗ بِخِلَافِ الْاِجَارَةِ فِیْهَا.

اور نہیں داخل ہوتا ہے راستہ اور پانی بہنے کی جگہ اور گھاٹ مگر جب کہ خرید کل حقوق کیساتھ ہو بخلاف ان کے اجارہ کے

توضیح اللغۃ: علو بالا خانہ۔ مرافق منافق، کنیف پاخانہ، ظلہ سائبان، مسیل پانی بہنے کی جگہ، شرب پانی لینے کی باری۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** ترتیب کے لحاظ سے اس باب کو اوائل کے کتاب البیوع میں خیارات سے پہلے لانا تھا۔ مگر یہ چونکہ مصنف نے جامع صغیر کی ترتیب کا التزام کیا ہے۔ اس لئے باب الحقوق کو مسائل بیوع کے بعد لا رہا ہے۔ حقوق حق کی جمع ہے لغۃً ضد باطل کو کہتے ہیں یقال حق الشئی (ض ن) بمعنی ثبت (مصباح) شرح منار میں ہے کہ حق اس موجود شئی کو کہتے ہیں جس کے وجود میں کوئی شک نہ ہو' اصطلاح فقہ میں اس کو کہتے ہیں جو مبیع کا تابع ہو اور اس کے لئے ضروری ہو مگر مقصود بالذات نہ ہو۔

قولہ العلو الخ مسئلہ سمجھنے سے پہلے بیت' منزل' دار کا فرق معلوم کر لینا چاہیے بیت اس کو کہتے ہیں جس میں دروازہ اور چھت ہو اور شب باشی کے لئے بنا ہو (بعض کے نزدیک ڈیوڑھی کا ہونا بھی شرط ہے) منزل اس کو کہتے ہیں جو بیت سے کچھ بڑا ہو یعنی جس میں دو تین کوٹھریاں' دالان' پاخانہ' باورچی خانہ وغیرہ ہو مگر اس میں صحن غیر مسقف اور اصطبل وغیرہ نہ ہو۔ دار گھر کو کہتے ہیں جس کے گرد حدود ہوں اور وہ بیوت' آنگن' بالا خانہ اصطبل اور جملہ ضروریات کی چیزوں پر مشتمل ہو۔ جب یہ فرق سمجھ میں آ گیا تو اب دیکھو ایک شخص نے بیت (حجرا) خریدا تو بیت کی خرید میں بالتصریح بالا خانہ داخل نہ ہوگا۔ اگر چہ بائع نے بکل حق ہو لہ' یا بکل قلیل و کثیر بھی کہدیا ہو کیونکہ بالا خانہ مسقف ہونے میں اور شب باشی کے لئے ہونے میں بیت کے مانند ہے اور شئی اپنے سے اعلیٰ کی تابع ہوتی ہے۔ نہ کہ برابر کی۔ اسی طرح منزل کی خرید میں بھی داخل نہ ہوگا۔ الا یہ کہ بیع بکل حق ہو لہ' بکل قلیل و کثیر یا بذکر مرافق ہوئی ہو کہ اس صورت میں بالا خانہ داخل ہوگا۔ کیونکہ منزل کو دار اور بیت دونوں کیساتھ مشابہت ہے تو دار کیساتھ مشابہت کی وجہ سے بذکر مرافق داخل ہوگا اور بیت کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے عدم ذکر کی صورت میں داخل نہ ہوگا۔ اور اگر دار خریدا تو بالا خانہ' پاخانہ' کنواں' صحن کے درخت سب داخل بیع ہوں گے۔ حقوق و مرافق مذکور ہوں یا نہ ہوں البتہ سائبان داخل نہ ہوگا۔ جب تک کہ کل حقوق کے ساتھ نہ خریدا جائے۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہ کل تفصیل رواج کوفہ کے لحاظ سے ہے۔ ہمارے عرف میں مذکورہ بالا تمام صورتوں میں بالا خانہ داخل بیع ہوتا ہے۔

قولہ ولا یدخل الخ راستہ اور میل یعنی وہ جگہ جس پر بارش وغیرہ کا پانی بہنے اور پانی لینے کی باری کل حقوق ذکر کئے بغیر بیع نہیں ہوتی کیونکہ وہ چیزیں حدود مبیع سے خارج ہیں مگر چونکہ توابع مبیع میں سے ہیں اس لئے بذکر حقوق داخل ہو جائیں گے۔ بخلاف اجارہ کے کہ اجارہ میں یہ چیزیں بلا ذکر حقوق بھی داخل ہوتی ہیں۔ کیونکہ عقد اجارہ انتفاع کے لئے ہوتا ہے اور انتفاع ان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

ع..... علی ان الحقوق توابع فیلیق ذکرہا بعد مسائل المبیوع ۱۲ ع..... ومنہ قولہ علیہ السلام "السحر حق والعین حق ۱۲"

باب الاستحقاق
باب استحقاق کے بیان میں

اَلْبَيِّنَةُ حُجَّةٌ مُتَعَدِّيَةٌ لَا الْاِقْرَارُ وَالتَّنَاقُضُ يَمْنَعُ دَعْوَى الْمِلْكِ لَا الْحُرِّيَّةَ وَالطَّلَاقَ وَالنَّسَبَ مَبِيعَةٌ وَلَدَتْ

بینہ حجت متعدیہ ہے نہ کہ اقرار اور مخالفت کلامی مانع ہے دعوی ملک سے نہ کہ دعوی حریت و دعوی طلاق اور دعوی نسب سے بکی ہوئی باندی نے بچہ جنا

فَاسْتُحِقَّتْ بِبَيِّنَةٍ يَتْبَعُهَا وَلَدُهَا وَاِنْ اَقَرَّ بِهَا لِرَجُلٍ لَا وَاِنْ قَالَ عَبْدٌ لِمُشْتَرٍ

پھر وہ دوسرے کی نکلی بینہ سے تو اس کا بچہ اس کا تابع ہوگا اور اگر اقرار کر لیا مشتری نے باندی کا کسی کیلئے تو تابع نہ ہوگا اگر کہا غلام نے خریدار سے

اِشْتَرِنِيْ فَاَنَا عَبْدٌ فَاشْتَرَاهُ فَاِذَا هُوَ حُرٌّ فَاِنْ كَانَ الْبَائِعُ حَاضِرًا اَوْ غَائِبًا غَيْبَةً مَعْرُوْفَةً فَلَا شَيْءَ عَلَى الْعَبْدِ

کہ مجھے خرید لے میں غلام ہوں اس نے خرید لیا اور وہ آزاد نکلا تو اگر بائع حاضر ہو یا غائب ہو لیکن اس کا پتہ معلوم ہو تب تو مشتری کے لئے کچھ نہیں

وَاِلَّا رَجَعَ الْمُشْتَرِيْ عَلَى الْعَبْدِ وَالْعَبْدُ عَلَى الْبَائِعِ بِخِلَافِ الرَّهْنِ وَمَنْ ادَّعٰى حَقًّا فِيْ دَارٍ فَصُوْلِحَ عَلٰى مِائَةٍ

غلام پر ورنہ رجوع کر لے مشتری غلام پر اور غلام بائع پر بخلاف رہن کے جس نے دعویٰ کیا کچھ حق کا کسی مکان میں اور صلح کر لی گئی سو پر

فَاسْتُحِقَّ بَعْضُهَا لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ وَلَوْ ادَّعٰى كُلَّهَا رَجَعَ بِقِسْطِهٖ.

پھر کچھ مکان دوسرے کا نکلا تو مدعی کچھ نہیں لے سکتا اور اگر وہ مدعی کل کا ہو تو اس کے حصہ کے مطابق لے سکتا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ مقتضائے قیاس یہ تھا کہ یہ باب تمام ابواب بیوع کے بعد ہوتا مگر چونکہ اس کو حقوق کیساتھ لفظاً و معنیً ہر دو اعتبار سے مناسبت ہے اس لئے مصنف نے اس کو حقوق کے بعد ذکر کر دیا۔ استحقاق لغۃً طلب حق کو کہتے ہیں اصطلاح میں استحقاق اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی شئ کا مستحق ہو جائے اس کی دو قسمیں ہیں۔ اول استحقاق مبطل ملک جیسے عتق، حریت، تدبیر، کتابت یہ قسم بالاتفاق موجب فسخ عقد ہوتی ہے۔ جس میں قضاء قاضی کی بھی ضرورت نہیں تو اگر کسی نے کوئی غلام خریدا اور وہ آزاد یا مدبر یا مکاتب ظاہر ہوا ہو تو بائع اور مشتری دونوں کی ملک باطل ہوگی۔ دوم استحقاق ناقل ملک جیسے زید نے بکر پر دعوی کیا کہ جو غلام اس کے قبضہ میں ہے وہ میرا مملوک ہے اور اسپر گواہ قائم کر دیئے یہ قسم ظاہر الروایہ کے اعتبار سے موجب فسخ نہیں بلکہ عقد سابق مستحق کی اجازت پر موقوف رہے گا اور تا عدم رجوع مشتری عقد فسخ نہ ہوگا۔

قولہ البینۃ الخ مسائل باب ذکر کرنے سے پہلے چند اصول ذکر کر رہا ہے جو مسائل کے لئے ضروری ہیں اول یہ کہ بینہ حجت مطلقہ ہے جس کا ظہور بقضائے قاضی عتق۔ کتابت، تدبیر، استیلاد، نکاح، نسب اور ولاء عتاقہ وغیرہ امور میں ہر شخص کے حق میں ہوتا ہے کیونکہ بینہ کا حجت ہونا قضائے قاضی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے تو اس کا حکم تمام کے حق میں نافذ ہوگا۔ لیکن اقرار حجت مطلقہ نہیں بلکہ حجت قاصرہ ہے کیونکہ اس کا حجت ہونا مقر کے اقرار کے ذریعہ ہوتا ہے اور مقر کو صرف اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے نہ کہ غیر پر لہٰذا اس کا اقرار خود اسی پر حجت ہوگا نہ کہ غیر پر۔ دوم یہ کہ تناقض یعنی مخالفت کلامی ہر ایسی چیز کے دعوی سے مانع ہے جس کا ظاہر جیسے دعوی ملک اور دعوی منفعت مثلاً باندی کے متعلق دعوی ملک کے بعد اس کے نکاح کی درخواست کرنا یا کسی عورت پر دعوی نکاح کے بعد اس کے نکاح کا پیغام دینا کہ دونوں کلام صریحاً متناقض ہیں تو یہ تناقض مانع دعویٰ ہے کیونکہ قاضی متناقض کلام پر حکم نہیں کر سکتا اور جن چیزوں کے اسباب مخفی ہوں جیسے حریت، طلاق اور نسب تو ان چیزوں میں تناقض کلام مانع دعوی نہیں لان مبناها على الخفاء فيعذر في التناقض۔

ع...... فی المصباح استحق فلان الامر استوجبہ قالہ الفارابی و جماعۃ ۱۲

قولہ مبیعة الخ یہ مسئلہ پہلے قاعدہ پر متفرع ہے مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ ایک شخص نے بائع سے ایک باندی خریدی مشتری کے یہاں بلا استیلاد باندی کے بچہ پیدا ہوا اور پھر باندی بینہ کے ذریعہ کسی کی مستحق قرار پائی تو صاحب بینہ باندی کو مع اس کے بچہ کے لے لیگا اور اگر مشتری نے کسی شخص کیلئے باندی کا اقرار کرلیا تو مقرلہ صرف باندی لے گا وجہ فرق وہی قاعدہ ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ بینہ حجت مطلقہ متعدیہ ہے لہٰذا صاحب بینہ اصل یعنی باندی کا مالک ہوگا اور بچہ اس کا تابع ہوگا۔ بخلاف اقرار کے کہ وہ حجت قاصرہ ہے لہٰذا مقرلہ بچہ کا مالک نہ ہوگا۔

قولہ وان قال الخ یہ مسئلہ دوسرے قاعدہ پر متفرع ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ ایک شخص غلام خریدنا چاہتا تھا غلام نے کہا کہ تو مجھے خرید لے میں فلاں کا غلام ہوں اس نے اس کو خرید لیا اور وہ آزاد نکلا تو اگر اس کا بائع حاضر ہو یا غائب ہو لیکن اس کی کوئی جگہ معلوم ہو تو غلام پر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ بائع سے وصولیابی ممکن ہے اور اگر بائع حاضر نہ ہو اور نہ اس کی جگہ معلوم ہو تو مشتری غلام سے ثمن وصول کریگا اور غلام جب کبھی بائع کو پائے گا تو وہ اس سے لے لیگا۔

قولہ بخلاف الرھن الخ ایک شخص نے مرتہن سے کہا کہ مجھے رہن رکھ لے میں فلاں کا غلام ہوں اور اس نے رہن رکھ لیا اور وہ آزاد نکلا تو مشتری اس پر رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ یہاں مرتہن کو دھوکا ہوا ہے اور عقد رہن میں دھوکا موجب ضمان نہیں ہوتا کیونکہ رہن عقد وثیقہ ہوتا ہے۔ نہ کہ عقد معاوضہ بخلاف بیع کے کہ وہ عقد معاوضہ ہے اور عقد معاوضہ میں دھوکا موجب ضمان ہوتا ہے۔

قولہ ومن ادعی الخ ایک شخص نے کسی مکان میں حق مجہول کا دعوی کیا اور ایک سو روپیہ پر صلح ہوگئی۔ پھر اس مکان کے کچھ حصے میں دوسرے کا حق نکل آیا تو مدعی علیہ مدعی پر رجوع نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ممکن ہے مدعی کا دعوی باقی میں ہو نہ کہ مستحق میں۔ اور اگر مدعی نے کل مکان کا دعوی کیا پھر اس کا کچھ حصہ مستحق قرار پایا تو مدعیٰ علیہ مدعی پر بقدر استحقاق رجوع کرسکتا ہے۔ کیونکہ ایک سو روپیہ پر صلح کل مکان کی طرف سے ہوئی تھی فاذا استحق شئی منھا رجع بحسابہ۔

فصل

تشریح الفقہ: **قولہ فصل الخ** اس فصل میں تصرفات فضولی کا بیان ہے جس کو مصنف باب الاستحقاق کے بعد لارہا ہے۔ کیونکہ مستحق دعوی کے وقت یہ کہتا ہے کہ یہ مبیع میری ملک ہے۔ اور جس نے تیرے ہاتھ فروخت کی ہے اس نے میری اجازت کے بغیر فروخت کی ہے اور یہی بعینہ بیع فضولی کی حقیقت ہے۔ اس لحاظ سے باب الاستحقاق کے بعد لانا بالکل بجا ہے۔ فضولی فضول جمع فضل بمعنی زیادت کی طرف نسبت ہے۔ **فی المغرب وقد غلبت جمعه علی مالا خیر فیه حتی قیل. فضول بلافضل وسن بلاسن. وطول بلاطول و عرض بلاعرض۔** لغت میں فضولی اس شخص کو کہتے ہیں جو بے فائدہ کام میں مشغول ہو۔ اور اصطلاح فقہ میں فضولی وہ ہے جو بلا اذن شرعی دوسرے کے حق میں تصرف کرے۔

فائدہ: تصرف فضولی کے نافذ موقوف ہونے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر بوقت عقد اس کے تصرف کو جائز کرنے والا کوئی مجیز ہو تو اس کا تصرف منعقد ہوگا۔ اور مجیز کی اجازت پر موقوف ہوگا خواہ وہ تصرف تملیک ہو جیسے بیع وتزویج یا بصورت اسقاط ملک ہو جیسے طلاق وعتاق اور اگر مجیز نہ ہو تو اس کا عقد منعقد نہ ہوگا۔ مثلاً ایک بچہ نے اپنا مال فروخت کیا اور ولی کے اجازت دینے سے پہلے پہلے بالغ ہوگیا اور بالغ ہونے کے بعد اس نے بیع سابق کو جائز کردیا۔ تو بیع جائز ہوجائے گی۔ کیونکہ بوقت عقد اس کا ولی موجود تھا۔ اور اگر بچہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر بالغ ہوکر اس کو جائز رکھا تو طلاق نہ ہوگی۔ کیونکہ بوقت عقد کوئی مجیز موجود نہیں اور اس واسطے کہ بچہ عدم بلوغ کی وجہ سے طلاق کا اہل نہیں اور اس کے ولی کو طلاق دینے کا اختیار نہیں۔

وَمَنْ بَاعَ مِلْکَ غَیْرِہٖ فَلِلْمَالِکِ اَنْ یَفْسَخَہٗ اَوْ یُجِیْزَہٗ اِنْ بَقِیَ الْعَاقِدَانِ وَالْمَعْقُوْدُ عَلَیْہِ وَلَہٗ وَبِہٖ

جو فروخت کرے دوسرے کی ملک تو مالک کو اختیار ہے فسخ کرنے اور جائز رکھنے کا اگر باقی ہوں متعاقدین اور معقود علیہ و معقود لہ و معقود بہ

لَوْ عَرَضًا وَصَحَّ عِتْقُ مُشْتَرٍ مِنْ غَاصِبٍ بِاِجَازَۃِ بَیْعِہٖ لَابَیْعُہٗ وَلَوْ قُطِعَتْ یَدُہٗ عِنْدَ الْمُشْتَرِیْ

اگر ثمن سامان ہو صحیح ہے آزاد کرنا اس کا جو خریدے غاصب سے اجازت بیع کے ساتھ نہ کہ اس کی بیع اور اگر کاٹ دیا گیا اس کا ہاتھ مشتری کے یہاں

فَاَخَذَ اَرْشَہٗ فَاُجِیْزَ فَاَرْشُہٗ لِمُشْتَرِیْہِ وَتَصَدَّقَ بِمَا زَادَ عَلٰی نِصْفِ الثَّمَنِ وَلَوْ بَاعَ عَبْدَ غَیْرِہٖ

اور اس نے دیت لے لی پھر بیع جائز رکھی گئی تو دیت مشتری کی ہوگی اب وہ صدقہ کردے اس کا جو زائد ہو نصف ثمن سے اگر بیچدیا دوسرے کا غلام

بِغَیْرِ اَمْرِہٖ فَبَرْھَنَ الْمُشْتَرِیْ عَلٰی اِقْرَارِ الْبَائِعِ اَوْ رَبِّ الْعَبْدِ اَنَّہٗ لَمْ یَاْمُرْہُ بِالْبَیْعِ وَاَرَادَ رَدَّ الْبَیْعِ

اس کی اجازت کے بغیر اور گواہ لایا مشتری بائع یا غلام کے مالک کے اقرار پر کہ مالک نے اس کو بیع کی اجازت نہیں دی تھی اور اس نے بیع کو رد کرنا

لَمْ تُقْبَلْ وَاِنْ اَقَرَّ الْبَائِعُ بِذٰلِکَ عِنْدَ الْقَاضِیْ بَطَلَ الْبَیْعُ اِنْ طَلَبَ الْمُشْتَرِیْ ذٰلِکَ

چاہا تو گواہی مقبول نہ ہوگی اور اگر اقرار کیا بائع نے اس کا قاضی کے پاس تو باطل ہوجائیگی بیع اگر طلب کرے مشتری یہ

وَمَنْ بَاعَ دَارَ غَیْرِہٖ فَاَدْخَلَھَا الْمُشْتَرِیْ فِیْ بِنَائِہٖ لَمْ یَضْمَنِ الْبَائِعُ.

جس نے بیچا دوسرے کا گھر اور داخل کرلیا اس کو مشتری نے اپنی عمارت میں تو ضامن نہ ہوگا بائع۔

بیع فضولی کے احکام

تشریح الفقہ: قولہ ومن الخ اگر کسی نے دوسرے کی مملوک شئی فروخت کردی تو اس کی بیع منعقد تو ہوجائیگی۔لیکن مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔اور مالک کو بیع کے نافذ یا فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔بشرطیکہ متعاقدین (یعنی فضولی اور مشتری) اور معقود علیہ (یعنی مبیع) اور معقود لہ (یعنی مالک) اور معقود بہ (یعنی ثمن) باقی ہو۔اس واسطے کہ بیع کو جائز رکھنا عقد میں تصرف کرنا ہے جو اسی وقت ہوسکتا ہے جب عقد باقی ہو اور بقاء عقد ان چیزوں کی بقا پر موقوف ہے۔امام شافعی کے یہاں فضولی کی بیع منعقد ہی نہیں ہوتی کیونکہ بیع کا انعقاد ولایت شرعیہ سے ہوتا ہے اور ولایت شرعیہ ملک سے ہوتی ہے یا مالک کی اجازت سے اور یہاں دونوں مفقود ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ " آنحضرت ﷺ نے حضرت عروہ بارقی کو ایک دینار اضحیہ خریدنے کے لئے عطا کیا۔عروہ نے اس دینار سے دو بکریاں خرید کر ایک بکری کو ایک دینار میں فروخت کردیا اور ایک بکری اور ایک دینار لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا" بارک اللہ لک فی صفقتک " (۱) نیز عقد بیع تصرف تملیک ہے جو اہل عقد سے برمحل صادر ہوا ہے۔اس لئے انعقاد کا قول کرنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ اس میں مالک کا کوئی نقصان نہیں جب کہ اس کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا اختیار مل رہا ہے۔

قولہ وصح عتق مشتر الخ ایک شخص نے کسی کا غلام غصب کرکے فروخت کردیا اور مشتری نے خرید کر اس کو آزاد کردیا یا کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیا اس کے بعد مالک نے غاصب کی بیع کو جائز کیا تو عتق نافذ ہوجائے گا۔لیکن اگر مشتری نے غلام پھر غاصب کے ہاتھ بیچ ڈالا تو اس کی بیع نافذ نہ ہوگی۔اس واسطے کہ اعتاق میں جو ملک کی احتیاج ہوتی ہے وہ اس کے نافذ ہونے کے وقت ہوتی ہے نہ کہ ثابت ہونے کے وقت بخلاف بیع کے کہ اس میں ملک کی احتیاج بوقت ثبوت ہوتی ہے۔اور امام محمد و زفر کے نزدیک عتق بھی

(۱)..........ترمذی عن عروہ و حکیم بن حزام ۱۲

نافذ نہ ہو۔ یہ ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی ہے۔ اور مقتضائے قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے" لاعتق لابن آدم) فیما لایملک" جواب یہ ہے کہ یہاں وہ عتق مراد ہے جو فی الحال نافذ ہو۔

قولہ ولو قطعت الخ ایک فضولی نے کوئی غلام فروخت کیا اور مشتری کے یہاں آ کر غلام کا ہاتھ کاٹا گیا۔ مشتری نے اس کی دیت لے لی اس کے بعد غلام کے مالک نے بیع کو جائز کیا تو قطع ید کی دیت مشتری کی ہوگی۔ کیونکہ مالک کی اجازت کے سبب سے مشتری کی ملک ثابت ہوگئی اور ثبوت وقت شراء کی طرف منسوب ہوا یعنی وہ خرید کے وقت ہی سے مالک قرار پایا۔ پس قطع ید اسی کی ملک میں ہوا تو دیت بھی وہی لے گا مگر جو دیت نصف ثمن سے زائد ہو اس کو خیرات کر دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے ضمان میں اتنی ہی داخل ہے۔

قولہ ولو باع عبدغیرہ الخ ایک فضولی نے دوسرے کا غلام اسکی اجازت کے بغیر فروخت کر دیا۔ اس کے بعد مشتری نے بائع فضولی یا اصل مالک کے اقرار پر بینہ قائم کیا کہ مالک نے اس کو فروختگی کا حکم نہیں کیا تھا اور مبیع کو واپس کرنا چاہا تو مشتری کا بینہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ اس کا غلام کی خرید پر اقدام کرنا۔ صحت بیع کا اعتراف ہے۔ اس کے بعد یہ دعویٰ صحیح نہیں ہوا اور بینہ کا مقبول ہونا صحت دعویٰ پر مبنی ہے لہٰذا مقبول نہ ہوگا۔ اور اگر بائع فضولی نے یہ اقرار کیا کہ مالک نے مجھ کو فروختگی کا حکم نہیں کیا تو بیع باطل ہو جائے گی۔ بشرطیکہ مشتری بطلان بیع کا خواہاں ہو۔ کیونکہ تناقض دعویٰ صحت اقرار کیلئے مانع ہے۔

قولہ ومن باع دار غیرہ الخ ایک شخص نے دوسرے کا مکان اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دیا اس کے بعد اس نے اقرار کیا کہ میں نے مکان زبردستی لے کر فروخت کیا ہے۔ اور مشتری نے اس کو جھوٹا بتایا تو بائع مکان کی قیمت کا ضامن نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ مشتری کے خلاف بائع کے اقرار کی تصدیق نہیں ہوتی۔ بلکہ صاحب دار کا بینہ قائم کرنا ضروری ہے۔ اور جب اس نے بینہ قائم نہیں کیا تو اتلاف دار اس کے بینہ قائم کرنے سے عاجز ہونے کی طرف مضاف ہوگا نہ کہ بائع کے عقد کی طرف اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ مصنف کا قول" فاد خلھا المشتری فی بناء" اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔ اذلاتا یثر للاد خال فی البناء فی ذلک۔

باب السلم[1]

باب بیع سلم کے بیان میں

مَا اَمْکَنَ ضَبْطُ صِفَتِہٖ وَمَعْرِفَۃُ قَدَرِہٖ صَحَّ السَّلَمُ فِیْہِ وَمَالاَ فَلاَ فَیَصِحُّ فِی الْکَیْلِ

جن چیزوں کی صفت ضبط کرنا اور ان کی مقدار کا معلوم ہو جانا ممکن ہو ان میں سلم صحیح ہے اور جن میں یہ نہ ہو ان میں صحیح نہیں پس صحیح ہے کیلی

والموزون المثمن وَالْعَدَدِیِّ الْمُتَقَارَبِ کَالْجَوْزِ وَالْبِیْضِ وَالْفَلْسِ وَاللَّبِنِ وَالْآجُرِّ اِنْ سُمِّیَ مِلْبَنٌ مَعْلُوْمٌ

اور مثمن [illegible] اور عددی متقارب چیزوں میں جیسے اخروٹ انڈے پیسے کچی پکی اینٹیں اگر ان کا سانچا بیان کر دیا گیا ہو

وَالذَّرْعِیِّ کَالثَّوْبِ اِنْ بُیِّنَ الذِّرَاعُ وَالصِّفَۃُ وَالصَّنْعَۃُ.

اور [illegible] ناپنے والی چیزوں میں جیسے کپڑا اگر بیان کر دیا جائے گز اور صفت اور بناوٹ کو۔

توضیح اللغۃ: سلم وہ بیع جس میں مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے ثمن دیا جائے۔ مثمن ثمن والی۔ جوز اخروٹ۔ بیض جمع بیضہ انڈا۔ فلس پیسہ۔ لبن کچی اینٹ۔ آجر پکی اینٹ۔ ملبن اینٹ ڈھالنے کا سانچہ۔

ع...... ترمذی (وقد تقدم فی العتق) ع...... اسلم الرجل فی الطعام اسلف فیہ (صحاح) اسلم فی المبیع مثل السلف وزناً و معنیً (مصباح) ۱۲عہ

...... حاکم، شافعی، بیہقی (فی المعرفۃ) عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، طبرانی عن ابن عباس ۱۲ للعہ ...... ائمہ ستہ، احمد عن ابن عباس ۱۲

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ جن بیوع میں عوضین یا احد العوضین پر قبضہ ضروری نہیں۔ ان کے بعد ان بیع کو ذکر کر رہا ہے جن میں یہ ضروری ہے یعنی صرف و سلم۔ اور سلم کو صرف پر اس لئے مقدم کر رہا ہے کہ سلم میں احد العوضین پر قبضہ ضروری ہوتا ہے۔ اور صرف میں عوضین پر۔ لغت میں سلم اور سلف دونوں ایک ہی معنی ہیں۔ جب ثمن پہلے دیا جائے تو عرب بولتے ہیں سلف فی کذا واسلم واسلف (مغرب) اصطلاح شرع میں سلم بیع الاجل بالعاجل کو کہتے ہیں۔ آجل سے مراد مسلم فیہ ہے اور عاجل سے راس المال، صاحب مال کو رب السلم و مسلم، عاقد آخر کو مسلم الیہ، مبیع کو مسلم فیہ اور ثمن کو راس المال کہتے ہیں۔

فائدہ: از روئے قیاس سلم جائز نہیں کیونکہ بوقت عقد مسلم فیہ (مبیع) موجود نہیں ہوتی۔ مگر یہ کتاب و سنت اور اجماع سب سے ثابت ہے اس لئے قیاس کو ترک کرنا پڑا، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں "بخدا حق تعالیٰ نے سلف یعنی سلم کو حلال فرمایا ہے۔ اور اس کے بارے میں اطول آیات یعنی" یایھا الذین آمنوا اذا تداینتم اہ نازل فرمائی ہے۔ نیز احادیث صحیحہ سے بھی رخصت سلم ثابت ہے۔

قولہ ما امکن الخ جن چیزوں کی صفت ضبط کرنا ممکن ہو مثلاً ان کا عمدہ یا ناقص ہونا اور ان کی مقدار معلوم کرنا ممکن ہو جیسے کیلی 'وزنی 'عددی متقارب المقدار اخروٹ 'انڈے' پیسے' معین سانچے کی کچی یا پکی اینٹیں وغیرہ ہر ایسی چیز میں بیع سلم صحیح ہے اور جنمیں یہ ممکن نہ ہو ان میں صحیح نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی چیز میں سلم لے اسے چاہئے کہ کیل معلوم اور وزن معلوم میں مدت معلومہ تک سلم کرے۔

قولہ الثمن الخ اس قید سے دراہم و دنانیر نکل گئے کہ یہ گو موزون ہیں لیکن مثمن نہیں بلکہ خود ثمن ہیں تو یہ مسلم فیہ نہیں ہو سکتے خلافاً لمالک۔

لَا فِي الْحَيْوَانِ وَاَطْرَافِهٖ وَالْجُلُوْدِ عَدَدًا وَالْحَطَبِ حُزَمًا وَالرَّطْبَةِ جُرَزًا

سلم صحیح نہیں جاندار اور اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ میں اور کھالوں میں عدد کے لحاظ سے اور لکڑی میں گٹھے کے اعتبار سے اور ترکاریوں میں گڈیوں سے

وَالْجَوْهَرِ وَالْخَرَزِ وَالْمُنْقَطِعِ وَالسَّمَكِ الطَّرِيِّ وَصَحَّ وَزْنًا لَوْمَالِحًا وَاللَّحْمِ

اور جواہر اور پوتھوں میں اور نہ ملنے والی چیز میں اور تازہ مچھلی میں اور صحیح ہے تول کر اگر نمک آلود ہو اور گوشت میں

وَبِمِكْيَالٍ اَوْ ذِرَاعٍ لَمْ يُدْرَ قَدْرُهٗ وَبُرِّ قَرْيَةٍ اَوْ تَمْرِ نَخْلَةٍ مُعَيَّنَةٍ.

اور ایسے پیمانہ یا گز سے جس کی مقدار معلوم نہ ہو اور خاص بستی کے گیہوں میں اور معین درخت خرما کی کھجوروں میں۔

وہ چیزیں جن میں سلم جائز نہیں

توضیح اللغۃ: اطراف جمع طرف مراد ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ جلود جمع جلد کھال، حطب لکڑی، حزم جمع حزمۃ گٹھا، رطبۃ ترکاری۔ جرز جمع جرزہ گڈی، خرز پوتھ، سمک مچھلی، طری تازہ، مالح نمک آلود، قریۃ بستی، نخلۃ کھجور کا درخت۔

تشریح الفقہ: قولہ لافی الحیوان الخ جن چیزوں کے افراد اور ان کی مالیت میں تفاوت ہو اور ضبط ممکن نہ ہو ان میں سلم صحیح نہیں۔ پس جاندار میں سلم صحیح نہیں خواہ کوئی جاندار ہو امام شافعی کے ہاں صحیح ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو ایک لشکر روانہ کرنے کا حکم فرمایا۔ سواریاں ختم ہو گئیں تو آپ نے فرمایا کہ صدقہ کی اونٹنیاں لے لو فکان یا خذ البعیر بالبعیرین الی ابل الصدقۃ' ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جاندار میں سلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ رہی حدیث مذکورہ سو اول تو وہ ضعیف مضطرب الاسناد ہے دوسرے یہ کہ مسلم بن جبیر اور عمرو بن حریش دونوں راوی مجہول الحال ہیں، ابو سفیان کے متعلق بھی کلام ہے۔ تیسرے یہ کہ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ حیوان کی بیع حیوان کے عوض میں بطور نسیئہ جائز ہے حالانکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے منع فرمایا ہے۔

قوله واطرافه الخ اطراف حیوان (سری' کلہ' پاؤں وغیرہ) اور اس کی کھال میں بھی سلم جائز نہیں کیونکہ یہ سب عددی اشیاء ہیں جن میں غیر معمولی تفاوت ہوتا ہے۔ امام مالک کے یہاں سری اور کھال میں عدد کے لحاظ سے سلم جائز ہے۔

قوله والمقطع الخ جو چیز عقد سلم کے وقت سے استحقاق کے وقت بازاروں میں دستیاب نہ ہوتی ہو اس میں بھی سلم جائز نہیں امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر وہ چیز بوقت عقد موجود نہ ہو اور حلول مدت کے وقت موجود ہو سکتی ہو تو سلم جائز ہے ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "پھلوں میں سلم نہ کرو یہاں تک کہ وہ لائق انتفاع ہو جائیں۔

قوله والسمک الخ تازہ مچھلی میں سلم جائز نہیں۔ کیونکہ تازہ مچھلی ہر موسم میں دستیاب نہیں ہوتی گرمی کے موسم میں پانی خشک ہو جانے کی وجہ سے اس کا ملنا دشوار ہوتا ہے۔ شرح طحاوی میں ہے کہ اس کی چند صورتیں ہیں۔ مچھلی تازہ ہو گی یا خشک نمک آلود' پھر بیع سلم دعد کے اعتبار سے ہو گی یا وزن کے اعتبار سے۔ سو اگر عدد کے اعتبار سے ہو تو مچھلی میں سلم مطلقاً جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے آحاد و افراد میں تفاوت ہوتا ہے۔ اور اگر وزن کے لحاظ سے ہو اور مچھلی مملوح (نمک آلود) ہو تو سلم جائز ہے اور اگر مچھلی تازہ ہو اور عقد سلم سے حلول مدت تک دستیاب ہو سکتی ہو تو سلم صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں۔

قوله واللحم الخ امام صاحب کے نزدیک گوشت میں سلم جائز نہیں اگر چہ بے ہڈی کا گوشت ہو' صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔ جبکہ اس کی جنس' نوع' صفت موضع اور مقدار بیان کر دی جائے کہ گوشت بکری کا ہو گا یا گائے کا۔ جانور یکسالہ ہو گا یا کم وبیش' نر کا ہو گا یا مادہ کا' موٹا ہو گا یا دبلا۔ پہلو کا ہو گا یا ران کا۔ دس سیر ہو گا یا کم وبیش؟ بحر و شرح مجمع ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

قوله بمکیال الخ جس معین پیمانہ اور گز کی مقدار معلوم نہ ہو اس سے بھی بیع سلم درست نہیں کیونکہ اس کو کاٹ دیں ممکن ہے وہ ضائع ہو جائے اور بعد میں نزاع واقع ہو' نیز کسی معین گاؤں کے گیہوں وغیرہ میں یا خاص درخت کے میوے میں بھی بیع سلم درست نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کوئی آفت آپڑے۔ اور اس گاؤں میں کچھ پیدا نہ ہو اور اس کو کاٹ دیں **والیه اشار علیه السلام بقوله " اذا منع الله الثمرة فبم یستحل احد کم مال اخیه"** ہاں اگر گاؤں کی طرف نسبت برائے بیان نوع ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

وَشَرْطُهُ بَيَانُ الْجِنْسِ وَالنَّوْعِ وَالصِّفَةِ وَالْقَدْرِ وَالاَجَلِ وَاَقَلُّهُ شَهْرٌ وَقَدْرُ رَأْسِ الْمَالِ فِي الْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ

اور شرط سلم کی بیان ہونا ہے جنس نوع صفت مقدار اور مدت کا اور کمتر مدت ایک ماہ ہے اور بیان ہونا راس المال کا کیلی اور وزنی

وَالْمَعْدُوْدِ وَمَكَانِ الاِيْفَاءِ فِيْمَا لَهُ حَمْلٌ مِنَ الاَشْيَاءِ

اور عددی چیزوں میں اور ادائیگی کی جگہ کا بیان ہونا ان چیزوں میں جن میں باربرداری کی ضرورت ہو

وَمَالاَ حَمْلَ لَهُ يُوْفِيْهِ حَيْثُ شَاءَ وَقَبْضُ رَأْسِ الْمَالِ قَبْلَ الاِفْتِرَاقِ

اور جن میں بار برداری کی حاجت نہ ہو تو حوالہ کرے جہاں چاہے اور قبضہ کرنا راس المال پر جدائی سے پہلے

فَاِنْ اَسْلَمَ مِائَتَىْ دِرْهَمٍ فِيْ كُرِّ بُرٍّ مِائَةٌ دَيْنًا عَلَيْهِ وَمِائَةٌ نَقْدًا فَالسَّلَمُ فِي الدَّيْنِ بَاطِلٌ.

پس اگر عقد سلم کیا دو سو درہم کے عوض ایک کر گیہوں میں درانحالیکہ سو اس پر قرض تھے اور ایک سو نقد تو عقد سلم قرض میں باطل ہے۔

ع...... ابوداؤد' احمد' حاکم عن ابن عمر ۱۲ھ...... حاکم دار قطنی عن ابن عباس ۱۲ھ...... ابن حبان' عبدالرزاق' دار قطنی' بزار' بیہقی (فی المعرفة) طبرانی عن ابن عباس' ائمہ اربعہ عن سمرہ' ترمذی عن جابر بن عبداللہ طبرانی عن جابر بن سمرۃ طبرانی' احمد عن ابن عمر ۱۲ ..للعہ...... ابوداؤد' ابن ماجہ عن ابن عمر طبرانی عن ابی ہریرہ (فی معناہ) ۱۲۔

شروط بیع سلم کا بیان

توضیح اللغۃ: اجل مدت، ایفاء پورا کرنا، مراد ادائیگی مسلم فیہ۔ کرب ضم کاف وتشدید رائے ساٹھ قفیز کا ہوتا ہے۔ اور قفیز آٹھ مکوک کا اور مکوک ڈیڑھ صاع اور صاع آٹھ رطل کا اور رطل ایک سوتیس درہم کا۔

تشریح الفقہ: قولہ وشرط الخ یہاں سے صحت سلم کی شرطوں کا بیان ہے، مصنف نے صحت سلم کی آٹھ شرطیں ذکر کی ہیں (۱) مسلم فیہ کی جنس بیان ہو کہ گیہوں ہے یا کھجور (۲) نوع بیان ہو کہ آدمیوں کے سینچے ہوئے ہوں گے یا بارش کے (۳) صفت بیان ہو کہ عمدہ قسم کے ہوں گے یا گھٹیا (۴) مقدار بیان ہو کہ دس من ہوں گے یا بیس من۔ کیونکہ ان چیزوں کے اختلاف سے مسلم فیہ مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ بعد میں جھگڑا نہ ہو۔ (۵) مدت بیان ہو کہ پندرہ روز بعد لے گا یا بیس روز بعد۔ امام شافعی کے یہاں بلا مدت یعنی فی الحال بھی بیع سلم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حدیث کے الفاظ "ورخص فی السلم" مطلق ہیں۔ جواب یہ ہے کہ دوسری حدیث میں "الی اجل معلوم" کی تصریح موجود ہے۔ لہٰذا بلا مدت صحیح نہ ہوگی۔ پھر ہمارے یہاں اقل مدت سلم میں مختلف قول ہیں۔ ایک قول ابو بکر رازی کا ہے۔ کہ نصف یوم سے اکثر، اقل مدت ہے، دوسرا قول احمد بن ابی عمران بغدادی استاذ طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ اقل مدت تین دن ہیں۔ تیسرا قول امام کرخی نے روایت کیا ہے کہ اقل مدت وہ ہے جس میں مسلم فیہ کی تحصیل ممکن ہو۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اقل مدت دس دن ہیں۔ پانچواں قول امام محمد سے مروی ہے کہ اقل مدت ایک ماہ ہے، فتح القدیر وغیرہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ (۶) راس المال کی مقدار بیان ہو۔ اگر عقد راس المال کی مقدار سے متعلق ہو جیسے کیلی، وزنی اور عددی چیزوں میں صاحبین فرماتے ہیں کہ راس المال کی طرف اشارہ ہو جائے تو مقدار بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مسلم الیہ مسلم فیہ کی تحصیل پر قادر نہیں ہوتا۔ تو راس المال واپس کرنے کی احتیاج ہوگی۔ اور راس المال مجہول ہونے کی صورت میں واپسی متعذر ہے۔ (۷) جن اشیا میں بار برداری کی کلفت ہو ان میں مکان ایفا بیان ہو صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جہاں عقد ہوا ہے ایفا کے لئے وہ جگہ متعین ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ تسلیم مسلم فیہ فی الحال واجب نہیں۔ پس تسلیم کے لئے مکان عقد متعین نہ ہوا۔ (۸) قبل از افتراق راس المال مقبوض ہو "**لان السلم ینبئی عن اخذ عاجل بآجل وذلک بالقبض قبل الافتراق لیکون حکمہ علی وفق مایقتضیہ اسمہ کمافی الحوالۃ والکفالۃ والصرف۔**"

قولہ فان اسلم الخ صرف شرط ثامن یعنی قبض راس المال پر تفریع ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے ایک سو درہم دوسرے پر قرض تھے اس نے مقروض کو ایک سو درہم نقد دیکر کہا کہ میں نے دو سو درہم کے عوض ایک کر گیہوں میں عقد سلم کیا پس راس المال ایک سو درہم نقد ہوا اور ایک سو درہم دین تو راس المال کا جو حصہ دین ہے اس میں سلم باطل ہے کیونکہ یہ مبادلہ دین بالدین ہے جو جائز نہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

عہ۔۔۔۔ والتاسع الذی لم یذکرہ المصنف ہو القدرۃ علی تحصیل المسلم فیہ ۱۲۔ عہ۔۔۔۔ تقدم فی اول الباب ۲

للعہ۔۔۔۔ ہذا الاخیر شرط بقاء السلم علی الصحۃ لانہ ینعقد صحیحا ثم یبطل بالافتراق لا عن قبض ۱۲

وَلَايَصِحُّ التَّصَرُّفُ فِي رَأْسِ الْمَالِ وَالْمُسْلَمِ فِيهِ قَبْلَ الْقَبْضِ بِشَرِكَةٍ اَوْ تَوْلِيَةٍ فَاِنْ تَقَايَلَا السَّلَم

اور صحیح نہیں تصرف کرنا راس المال اور مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے شرکت یا تولیہ کے ذریعہ پس اگر اقالہ کیا سلم کا

لَمْ يَشْتَرِ مِنَ الْمُسْلَمِ اِلَيْهِ بِرَأْسِ الْمَالِ شَيْئًا وَلَوِ اشْتَرَى الْمُسْلَمُ اِلَيْهِ كُرًّا وَ اَمَرَ رَبَّ السَّلَمِ بِقَبْضِهِ قَضَاءً

تو نہ خریدے مسلم الیہ سے راس المال کے عوض میں کوئی چیز اگر خریدا مسلم الیہ نے ایک کر اور حکم کیا رب السلم کو کہ اس پر قبضہ کرلے اپنے حق میں

لَمْ يَصِحَّ وَصَحَّ لَوْقَرْضًا اَوْ اَمَرَهُ بِقَبْضِهِ لَهُ ثُمَّ لِنَفْسِهِ فَفَعَلَ وَلَوْ اَمَرَهُ رَبُّ السَّلَمِ اَنْ يُكِيلَهُ فِي ظَرْفِهِ

تو صحیح نہیں اور صحیح ہے اگر قرض ہو یا حکم کیا ہو اس کے لئے قبضہ کرنے کا اور اس نے ایسا ہی کیا ہو رب السلم نے مسلم الیہ سے کہا کہ اس کو میرے

فَفَعَلَ وَهُوَ غَائِبٌ لَمْ يَكُنْ قَبْضًا بِخِلَافِ الْمَبِيعِ وَلَوْ اَسْلَمَ اَمَةً فِي كُرٍّ

برتن میں ناپ دے اس نے ناپ دیا حالانکہ رب السلم موجود ہے تو یہ قبضہ نہ ہوگا بخلاف مبیع کے، عقد سلم کیا باندی دے کر ایک کر گیہوں میں

وَقُبِضَتِ الْاَمَةُ فَتَقَايَلَا فَمَاتَتْ اَوْ مَاتَتْ قَبْلَ الْاِقَالَةِ بَقِيَ وَصَحَّ وَعَلَيْهِ قِيمَتُهَا

اور قبضہ کرلیا گیا باندی پر پھر اقالہ کرلیا اور باندی مرگئی یا قبضہ سے پہلے مرگئی تو اقالہ باقی اور صحیح رہے گا اور اس پر باندی کی قیمت ہوگی

وَعَكْسُهَا شِرَاؤُهَا بِالْاَلْفِ وَالْقَوْلُ لِمُدَّعِي الرَّدَاءَةِ وَالتَّاجِيلِ لَا لَنَا فِي الْوَصْفِ وَالْاَجَلِ

اور اس کا عکس ہے باندی کو ایک ہزار میں خریدنا اور قول مدعی ردائت ومدعی مدت کا معتبر ہے نہ کہ وصف اور مدت کے منکر کا

وَصَحَّ السَّلَمُ وَالْاِسْتِصْنَاعُ فِي نَحْوِ خُفٍّ وَطَسْتٍ وَقُمْقُمٍ وَلَهُ الْخِيَارُ اِذَا رَآهُ

اور صحیح ہے سلم اور سائی پر بنوانا موزہ اور طشت اور آفتابہ وغیرہ میں اور بنوانے والے کو اختیار ہوگا جب وہ اس کو دیکھے

لِلصَّانِعِ بَيْعُهُ قَبْلَ اَنْ يَرَاهُ وَمُؤَجَّلُهُ سَلَمٌ.

اور کاریگر کو اختیار ہے بیچنے کا بنوانے والے کے دیکھنے سے پہلے اور سائی پر بنوانے میں مدت معین ہو تو اس کا حکم سلم کا سا ہے

عقد سلم کے باقی احکام

توضیح اللغۃ: کُر دیکھو ۶۴ یکیل کیل کرے ظرف برتن، پیمانہ استصناع کاریگر سے کوئی چیز سائی پر بنوانا خف موزہ طست طشت۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا یصح التصرف الخ قبضہ سے پہلے راس المال میں تصرف کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں قبضہ کا فوت کرنا لازم آتا ہے جو نفس عقد کی وجہ سے ضروری ہے، نیز قبضہ سے پہلے مسلم فیہ میں بھی تصرف جائز نہیں کیونکہ مسلم فیہ مبیع ہے۔ اور مبیع منقول میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔ پھر تصرف مذکور بطریق شرکت ہو یا بطریق تولیہ بہر صورت ممنوع ہے شرکت کی صورت یہ ہے کہ رب السلم دوسرے سے یہ کہے کہ تو مجھے نصف راس المال کے بقدر دیدے تا کہ نصف مسلم فیہ تیرے لئے ہوجائے۔ اور تولیہ کی صورت یہ ہے کہ دوسرے یہ کہے کہ جتنا روپیہ میں نے مسلم الیہ کو دیا ہے اتنا تو مجھے دیدے تا کہ مسلم فیہ تیرے لئے ہوجائے، مصنف نے تولیہ کی تصریح ان لوگوں پر رد کرنے کے لئے کی ہے جو بطور مرابحہ وتولیہ مسلم فیہ کی بیع کو جائز کہتے ہیں (کما جزم بہ فی الحاوی) وجہ رد یہ ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔

(۱)......خمسۃ اشیاء تجوز فی السلم الوکالۃ والحوالۃ والکفالۃ والاقالۃ والرهن. وخمسة اشياء لاتجوز الشركة والتولية وبيعه قبل القبض، والاعتیاض عن المسلم فيه، والاعتياض عن راس المال بعد الاقالة كذافى خزانة ابى الليث ۱۲ منحة الخالق۔

قوله فان تقايلا الخ اگر رب السلم اور مسلم الیہ نے عقد سلم کے بعد اقالہ کرلیا تو اقالہ کی بعد رب السلم کے لئے مسلم الیہ سے بعوض راس المال کوئی چیز خرید نا جائز نہیں جب تک کہ وہ راس المال پر قبضہ نہ کرلے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "نہ لے تو مگر اپنا سلم (یعنی مسلم فیہ درصورت قیام عقد سلم) یا اپنا راس المال (درصورت انفساخ عقد)۔

قوله ولو اشترى الخ ایک شخص نے گیہوں کے ایک کر میں بیع سلم کی اور جب اس کی مدت آ گئی تو مسلم الیہ نے ایک دوسرے شخص سے ایک کر گیہوں خرید کر رب السلم سے کہا کہ میرے ذمہ جو تیرا ایک کر گیہوں ہے وہ اس سے وصول کرلے اس نے وصول کرلیا تو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یہاں دو عقد جمع ہو گئے ایک مسلم الیہ اور اس کے بائع کے درمیان اور ایک مسلم الیہ اور رب السلم کے درمیان' اور حضور اکرم ﷺ نے اناج کی بیع سے منع فرمایا ہے جب تک کہ اس میں دو صاع جاری نہ ہوں۔ ایک صاع بائع کا اور دوسرا مشتری کا۔ اس حدیث کا محمل وہی ہے جس میں دو عقد جمع ہوں۔ لہٰذا یہاں دوبارہ کیل ہونا چاہیے اور وہ پایا نہیں گیا۔ لہٰذا بیع صحیح نہیں ہاں اگر وہ ایک کر قرض ہو اور وہ مقروض کو قبضہ کرنے کا حکم کرے۔ یا مسلم الیہ رب السلم کو حکم کرے کہ پہلے میرے لئے قبضہ کر۔ پھر اپنے لئے۔ اور وہ ایسا ہی کرے تو صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں مانع یعنی عدم کیل مرتین زائل ہو گیا۔

قوله ولو امره الخ رب السلم نے مسلم الیہ سے کہا کہ تو مسلم فیہ کو ناپ کر میرے برتن میں رکھدے' مسلم الیہ نے رب السلم کی عدم موجودگی میں ناپ کر برتن میں رکھدیا۔ تو رب السلم قابض حق نہ ہوگا۔ اور اگر بیع مطلق کی صورت ہو اور مشتری بائع سے کہے کہ مبیع کو ناپ کر میرے برتن میں رکھدے اور بائع مشتری کی عدم موجودگی میں ناپ کر اس کے برتن میں رکھ دے تو مشتری قابض حق ہو جائے گا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ مشتری کا حق عین شئی میں ہوتا ہے تو نفس عقد سے اس کا مالک ہو گیا بخلاف سلم کے کہ اس میں رب السلم کا حق ثابت فی الذمہ ہوتا ہے تو وہ قبضہ کئے بغیر مالک نہیں ہو سکتا۔

قوله ولو اسلم الخ ایک شخص نے باندی دیکر گیہوں کے ایک کر میں عقد سلم کیا اور مسلم الیہ نے باندی پر قبضہ کرلیا اس کے بعد رب السلم اور مسلم الیہ نے سلم کا اقالہ کرلیا یعنی اس کو توڑ دیا اور ابھی رب السلم بحکم اقالہ باندی پر قبضہ نہ کر پایا تھا کہ باندی مرگئی تو اقالہ باقی رہے گا۔ اور اگر باندی اقالہ سے پہلے ہی مرجائے اس کے بعد اقالہ ہو تب بھی اقالہ صحیح ہوگا اور دونوں صورتوں میں مسلم الیہ پر باندی کی قیمت لازم ہوگی وجہ یہ ہے کہ صحت اقالہ بقاء عقد پر موقوف ہے۔ اور بقاء عقد کا تعلق بقاء مبیع سے ہے۔ اور یہاں مبیع یعنی مسلم فیہ مسلم الیہ کے ذمہ میں باقی ہے تو اقالہ صحیح ہوگا۔ اور جب ابتداءً اقالہ صحیح ہوا تو بقاءً بطریق اولیٰ صحیح ہوگا۔ **لان البقاء اسهل من الابتداء**۔ پس فسخ عقد کی وجہ سے باندی کا لوٹانا ضروری ہوا۔ اور مسلم الیہ باندی لوٹا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ باندی مر چکی اس لئے اس کی قیمت لوٹائے گا۔

قوله وعكسها الخ مسئلہ سلم کے برعکس ہے یعنی دونوں صورتوں میں اقالہ باطل ہو جائے گا۔ مثلاً ایک شخص نے ایک ہزار کے عوض میں ایک باندی خریدی پھر بیع کا اقالہ کرلیا۔ اور باندی مرگئی۔ یا باندی اقالہ کرنے سے پہلے ہی مرگئی بعد میں اقالہ ہوا تو ان دونوں صورتوں میں اقالہ صحیح نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ بیع سلم میں اقالہ بہرصورت صحیح ہے خواہ باندی اقالہ کرنے سے پہلے مرے یا اقالہ کے بعد۔ اور بیع کی صورت میں اقالہ صحیح نہیں۔ وجہ فرق یہ ہے کہ عقد بیع میں باندی معقود علیہ ہے اور معقود علیہ کے ہلاک ہونے سے عقد ختم ہو جاتا ہے اس لئے اقالہ صحیح نہ ہوگا نہ ابتداءً اور نہ انتہاءً۔ بخلاف بیع سلم کے کہ اس میں باندی راس المال ہے نہ کہ مسلم فیہ۔

قوله والقول الخ متعاقدین سلم کے درمیان شرط جودۃ ورداءۃ وعدم شرط جودۃ رداءۃ یا تاجیل وعدم تاجیل میں اختلاف ہوا ایک نے کہا کہ میں نے ناقص کی شرط لگائی تھی دوسرے نے کہا کہ کوئی شرط نہیں تھی یا ایک نے کہا کہ اتنی مدت مشروط تھی۔ دوسرے نے کہا کہ کوئی مدت مشروط نہیں تھی۔ تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک مدعی وصف ومدعی اجل کا قول معتبر ہوگا نہ کہ منکر کا۔ کیونکہ وہ صحت سلم کا مدعی ہے۔ اس واسطے کہ سلم میں بیان مدت اور بیان وصف ضروری ہے۔ پس ظاہر حال مدعی کے حق میں شاہد ہے۔ لہٰذا اسی کا قول

معتبر ہوگا۔ صاحبین کے یہاں کچھ تفصیل ہے جو مطولات میں مذکور ہے۔

قوله وصح السلم الخ جن چیزوں میں تعامل جاری ہو جیسے موزہ طشت آفتابہ وغیرہ ان میں بیع سلم درست ہے۔ اور ان کو کاریگر سے سائی پر بنوانا بھی جائز ہے۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں۔ مقتضائے قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جو جائز نہیں۔ لیکن وجہ جواز تعامل ناس ہے۔ پھر بنوانے والے کو دیکھنے کے بعد اختیار ہے چاہے لے یا نہ لے۔ اور اس کے دیکھنے سے پہلے کاریگر کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا بھی جائز ہے۔ اور اگر چیزوں کو بنا کر دینے کا کوئی وقت معین کر لیا جائے تو اس کا حال بیع سلم کا سا ہوگا۔ **فیشترط فیها شرائطه۔**

باب المتفرّقات

باب مسائل متفرقہ کے بیان میں

صَحَّ بَيْعُ الْكَلْبِ وَالْفَهْدِ وَالسِّبَاعِ وَالطُّيُوْرِ وَالذِّمِّيُّ كَالْمُسْلِمِ

صحیح ہے بیع کتے چیتے اور درندوں پرندوں کی اور ذمی مثل مسلمان کے ہے شراب اور خنزیر کی بیع کے علاوہ میں

فِیْ بَيْعٍ غَيْرِ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيْرِ وَلَوْ قَالَ بِعْ عَبْدَكَ مِنْ زَيْدٍ بِالْفٍ عَلٰی اَنِّیْ ضَامِنٌ لَكَ مِائَةً

اگر کہا بیچدے اپنا غلام زید کے ہاتھ ایک ہزار میں اس شرط پر کہ میں تیرے لئے ضامن ہوں سو کا ہزار کے سوا

سِوَی الْاَلْفِ فَبَاعَ صَحَّ بِالْفٍ وَبَطَلَ الضَّمَانُ وَاِنْ زَادَ مِنَ الثَّمَنِ فَالْاَلْفُ عَلٰی زَيْدٍ وَالْمِائَةُ عَلَی الضَّامِنِ

اس نے بیچدیا تو بیع صحیح ہوگی ہزار میں اور ضامن ہونا باطل ہوگا اور اگر بڑھا دیا لفظ من الثمن تو ہزار زید پر ہوں گے اور سو ضامن پر

وَوَطْئُ زَوْجِ الْمُشْتَرَاةِ قَبْضٌ لَا عَقْدُهٗ وَمَنِ اشْتَرٰی عَبْدًا فَغَابَ فَبَرْهَنَ الْبَائِعُ عَلٰی بَيْعِهٖ

اور خرید کردہ باندی کے شوہر کا وطی کرنا قبضہ ہے نہ کہ صرف عقد نکاح، جس نے خریدا ایک غلام اور غائب ہوگیا پس بینہ قائم کیا بائع نے اس کی فروختگی پر

وَغَيْبَتُهٗ مَعْرُوْفَةٌ لَمْ يُبَعْ بِدَيْنِ الْبَائِعِ وَاِلَّا بِيْعَ بِدَيْنِهٖ وَلَوْ غَابَ اَحَدُ الْمُشْتَرِيَيْنِ

اور خریدار کا ٹھکانا معلوم ہے تو بیچا نہ جائیگا بائع کے قرضہ میں ورنہ بیچدیا جائیگا اگر غائب ہوگیا دو خریداروں میں سے ایک

فَلِلْحَاضِرِ دَفْعُ كُلِّ الثَّمَنِ وَقَبْضُهٗ وَحَبْسُهٗ حَتّٰی ينقد شَرِيْكُهٗ وَمَنْ بَاعَ اَمَةً بِالْفِ مِثْقَالِ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ

تو موجود کل دام دیکر قبضہ کر کے روک سکتا ہے یہاں تک کہ ادا کرے اس کا شریک، جس نے بیچی باندی سونے چاندی کے ہزار مثقال کے عوض

فَهُمَا نِصْفَانِ وَاِنْ قَضٰی زَيْفًا عَنْ جَيِّدٍ وَهُوَ لَايَعْلَمُ وَتَلَفَ فَهُوَ قَضَاءٌ

تو وہ نصفا نصف ہوں گے اگر ادا کئے کھوٹے کھروں کے عوض اور صاحب حق کو معلوم نہیں اور وہ جاتے رہے تو حق ادا ہوگیا

وَاِنْ اَفْرَخَ طَيْرٌ اَوْ بَاضَ اَوْتَكَنَّسَ ظَبْیٌ فِیْ اَرْضِ رَجُلٍ فَهُوَ لِمَنْ اَخَذَهٗ.

اگر بچے نکالیں پرند یا انڈے دیں یا رہنے لگے ہرن کسی کی زمین میں تو وہ اسی کے ہیں جو ان کو پکڑلے۔

عہ…… دار قطنی عن انس، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی سعید (فی معناہ) عبدالرزاق عن ابن عمر ابن ابی شیبہ عن عبداللہ بن عمرو (فی معناہ) ۱۲۔ عہ…… تقدم فی المرابحۃ والتولیۃ ۱۲

عہ…… والاصل ان من خرج کلامہ تعنتاً فالقول لصاحبہ بالاتفاق وان خرج خصومۃ بان ینکر ما یضرہ مع اتفاقہما علی عقد واحد فالقول لمدعی الصحۃ عندہ وعندہما القول للمنکر سواء انکر الصحۃ اوغیرہا ۱۲ مجمع۔ عہ…… ہکذا فی نسخۃ الزیلعی وفی نسخۃ العینی "مسائل متفرقۃ" وعبر عنہا فی الہدایۃ بمسائل منثورۃ والمعنی واحد ۲۱ بحر

توضیح اللغۃ: کلب کتا' فہد چیتا' سباع درندے' طیور جمع طیر' حبس روکنا' زیف کھوٹا' جس کو بیت المال نہ لیتا ہو تجار لے لیتے ہوں جید کھرا۔افرخ الطیر من بیضہ۔ پرندنے انڈے سے بچہ نکال لیا۔باض (ض) انڈا دیا' تکنس۔ الظبی۔ ہرنی اپنے گھر میں داخل ہوگئی۔

تشریح الفقہ: قولہ صح الخ ہمارے یہاں کتے کی بیع صحیح ہے۔ معلم ہو یا غیر معلم' عقور یا غیر عقور ہو۔ البتہ ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ کلب عقور (کاٹ کھانے والا کتا) جو تعلیم کو قبول نہیں کرتا اس کی بیع جائز نہیں۔ قال فی المبسوط ھذا ھو الصحیح من المذھب امام شافعی اور امام احمد کے یہاں کتے کی بیع مطلقاً جائز نہیں''بعض موالک بھی اسی کے قائل ہیں لیکن امام مالک سے مشہور یہ ہے کہ بیع جائز ہے۔ عدم جواز کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ''زانیہ کی اجرت' کتے کی قیمت اور پچھنا لگانیوالے کی کمائی حرام ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ''آنحضرت ﷺ نے کتے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔اور شکاری کتے کا استثناء کیا ہے نیز امام صاحب نے مسند میں بسند جید حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے شکاری کتے کے ثمن کی اجازت دی ہے' سوال حدیث مذکور سے استدال صحیح نہیں۔اس واسطے کہ دعویٰ عام ہے اور دلیل خاص۔ کیونکہ حدیث سے صرف شکاری کتے کی بیع ثابت ہوئی۔ جواب شکاری کتے کے علاوہ دیگر کتے دلالۃً اسی کے ساتھ ملحق ہیں و الجامع کو نہ منتفعاًبہ حراسۃً و اصطیاداً و غیر ذلک (تدبر) رہی حدیث نہی سو وہ ابتدا پر محمول ہے۔ کیونکہ ابتداء اسلام میں کتوں کے معاملہ میں جو سختی تھی وہ بعد میں اٹھادی گئی تھی۔

قولہ والذمی الخ ذمی لوگ جملہ معاملات صرف' سلم' ربوا وغیرہ میں مسلمانوں کی طرح ہیں۔ کیونکہ وہ بھی معاملات کے مکلّف اور مباشرت اسباب کے محتاج ہیں تو جو معاملات مسلمانوں کے لئے جائز ہیں وہ ان کے لئے بھی جائز ہیں۔اور جو مسلمانوں کے لئے جائز نہیں وہ ان کے لئے بھی جائز نہیں البتہ خنزیر اور شراب اس سے مستثنیٰ ہے کہ ان کی خرید و فروخت ان کے لئے جائز ہے ہمارے لئے جائز نہیں۔ کیونکہ وہ شراب اور خنزیر کی مالیت کے معتقد ہیں و نحن امرنا بان نترکھم و مایعتقدون۔

قولہ ولو قال الخ بکر نے خالد سے کہا کہ تو اپنا غلام زید کے ہاتھ ایک ہزار کے عوض اس شرط پر فروخت کردے کہ تیرے لئے ایک ہزار کے علاوہ ایک سو کا ضامن ہوں۔ خالد نے اس شرط کے ساتھ اپنا غلام فروخت کر دیا تو ایک ہزار کے عوض بیع صحیح ہوگی۔اور ضمان باطل ہوجائے گا۔ کیونکہ یہ تو کھلی رشوت ہے۔اور اگر بکر نے مائۃ کے بعد لفظ''من الثمن''اور بڑھادیا تو اس صورت میں ایک سو روپیہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوجائے گا۔اب ایک ہزار زید پر لازم ہوں گے۔اور ایک سو بکر پر امام زفر اور امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔وقد مر نظیر ھذہ فتذکر۔

قولہ وطئی الخ ایک شخص نے باندی خریدی اور قبضہ کرنے سے پہلے کسی کے ساتھ اس کی شادی کر دی اس سے اس کے شوہر نے وطی کر لی تو نکاح صحیح ہے۔ کیونکہ سبب ولایت یعنی ملک رقبہ بطریق کمال موجود ہے۔اور شوہر کا وطی کر لینا مشتری کا قبضہ کر لینا ہے کیونکہ وطی کا حصول مشتری کے مسلط کرنے سے ہوا ہے۔ پس شوہر کا فعل مشتری کے فعل کے مانند ہوگیا لیکن صرف عقد نکاح سے مشتری قابض نہ ہوگا۔ کیونکہ مشتری کی جانب سے کوئی ایسا فعل صادر نہیں ہوا جو باندی کی ذات میں موجب نقص ہو فان التزویج تعیب حکمی۔

قولہ ومن اشتری الخ ایک شخص نے کوئی منقول شئی غلام خریدا اور غلام پر قبضہ کرنے اور ثمن ادا کرنے سے پہلے غائب ہوگیا بائع نے اس امر پر بینہ قائم کیا کہ میں نے فلاں کے ہاتھ غلام فروخت کیا تھا اس نے ثمن ادا نہیں کیا اور غائب ہوگیا۔ گویا وہ اپنے دین کے سلسلہ میں غلام فروخت کرانا چاہتا ہے۔ تو اگر مشتری غائب کی جگہ معلوم ہو کہ وہ فلاں جگہ ہے تو قاضی اس غلام کو بائع کے دین میں فروخت نہ کرے کیونکہ بائع مشتری کے پاس جا کر وصول کر سکتا ہے۔اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے تو بائع کے دین میں غلام کو فروخت کر کے بائع کا مطالبہ پورا کر دیا جائے گا۔

عہ......لانہ اضاف المثقال الیہا علی السواء فیجب من کل واحد منہما خمس مائۃ مثقال لعدم الاولویۃ ۱۲۔للعہ......لانہ مباح سبقت یدہ الیہ فکان اولی بہ ۱۲۔ بحر للعہ......ابن حبان' دار قطنی عن ابی ہریرۃ' ابو یعلی الموصلی' ابن حاتم عن السائب بن یزید' طبرانی' ابن عدی' عن عمر (فی معناہ) صحیحین عن ابن مسعود الانصاری (فی معناہ) ۱۲۔

قولہ وان قضی الخ ایک شخص کے دوسرے پر کھرے درہم واجب تھے اس نے کھوٹے ادا کئے۔صاحب حق کو معلوم نہیں تھا اس نے خرچ کر ڈالے یا وہ ہلاک ہو گئے تو طرفین کے نزدیک اس کا حق ادا ہو گیا۔اب وہ کھروں کا مطالبہ نہیں کر سکتا' امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اسی جیسے کھوٹے درہم دیکر کھرے لے سکتا ہے' بحر ونہر وغیرہ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

مَا يَبْطُلُ بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ وَلاَ يَصِحُّ تَعْلِيْقُهُ بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ اَلْبَيْعُ وَالْقِسْمَةُ وَالاِجَارَةُ وَالاِجَازَةُ وَالرَّجْعَةُ

جو باطل ہو جاتی ہیں شرط فاسد سے اور صحیح نہیں ان کی تعلیق شرط فاسد کے ساتھ وہ یہ ہیں بیع، قسمت، اجارہ، بیع فضولی کی اجازت، رجعت،

وَالصُّلْحُ عَنْ مَالٍ وَالاِبْرَاءُ عَنِ الدَّيْنِ وَعَزْلُ الْوَكِيْلِ وَالاِعْتِكَافُ وَالْمُزَارَعَةُ وَالْمُعَامَلَةُ والاِقْرَارُ وَالْوَقْفُ

صلح عن المال، قرض سے بری کرنا، وکیل کو معزول کرنا، اعتکاف، مزارعت، معاملہ، اقرار، وقف،

وَالتَّحْكِيْمُ وَمَالاَيَبْطُلُ بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ اَلْقَرْضُ وَالْهِبَةُ وَالصَّدَقَةُ وَالنِّكَاحُ والطَّلاَقُ وَالْخُلْعُ وَالْعِتْقُ والرَّهْنُ

اور پنچ مقرر کرنا اور جو شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتیں وہ یہ ہیں قرض، ہبہ، صدقہ، نکاح، طلاق، خلع، عتق، رہن،

وَالاِيْصَاءُ وَالْوَصِيَّةُ وَالشِّرْكَةُ وَالْمُضَارَبَةُ وَالْقَضَاءُ وَالاِمَارَةُ وَالْكَفَالَةُ وَالْحَوَالَةُ وَالْوَكَالَةُ

وصی بنانا، وصیت کرنا، شرکت، مضاربت، قاضی کرنا، امیر بنانا، کفیل ہونا، حوالہ کرنا، وکالت کرنا،

وَالاِقَالَةُ وَالْكِتَابَةُ وَاِذْنُ الْعَبْدِ فِي التِّجَارَةِ وَدِعْوَةُ الْوَلَدِ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ الْعَمَدِ وَالْجَرَاحَةِ

اقالہ کرنا، غلام کو مکاتب کرنا، غلام کو تجارت کی اجازت دینا، بچہ کا دعوی کرنا، دم عمد یا زخم سے صلح کرنا،

وَعَقْدُ الذِّمَّةِ وَتَعْلِيْقُ الرَّدِّ بِالْعَيْبِ اَوْ بِخِيَارِ الشَّرْطِ وَعَزْلُ الْقَاضِيْ.

جزیہ دینے کا معاملہ کرنا اور معلق کرنا مبیع کی واپسی کو عیب یا خیار شرط کے ساتھ اور قاضی کو معزول کرنا۔

وہ عقود جو شرط فاسد سے باطل ہو جاتے ہیں اور جو باطل نہیں ہوتے

تشریح الفقہ: قولہ ما یبطل الخ ما یبطل سے آخر باب تک جو تصرفات مذکور ہیں ان کے انضباط کے لئے دو قاعدے ہیں۔ایک یہ کہ جو عقد مبادلہ مال بالمال ہو وہ شرط فاسد لگانے سے فاسد ہو جاتا ہے جیسے بیع وغیرہ اور جو مبادلہ مال بالمال نہ ہو وہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا جیسے قرض وغیرہ۔دوم یہ کہ جو تصرف تملیکات یا تعبیدات میں سے ہو اس کو شرط کیساتھ معلق کرنا باطل ہے۔اور جو تصرف تملیکات یا تقییدات میں سے نہ ہو۔بلکہ اسقاطات یا اطلاقات یا ولایات یا تحریضات میں سے ہو اس کو شرط کیساتھ معلق کرنا صحیح ہے۔پھر جو اسقاطات والتزامات ایسے ہیں جن سے قسم کھائی جاتی ہے۔جیسے طلاق اور حج تو ان کی تعلیق بالشرط علی الاطلاق صحیح ہے۔خواہ شرط مناسب ہو یا غیر مناسب۔لیکن اطلاقات' ولایات' تحریضات' ترغیبات کی تعلیق صرف مناسب شرطوں کیساتھ صحیح ہے غیر مناسب شرطوں کے ساتھ صحیح نہیں' اطلاقات جیسے تجارت کیلئے اجازت دینا ولایات جیسے قضاء وامارات' ترغیبات جیسے امام کا یوں کہنا کہ جو شخص فلاں کافر مار یگا اس کو انعام دیا جائے گا سو جو تصرفات شرط فاسد سے باطل ہو جاتے ہیں وہ چودہ ہیں جو "البیع" سے "التحکیم" تک مذکور ہیں اور جو تصرفات شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے وہ ستائیس ہیں جو "القرض" سے آخر باب تک مذکور ہیں۔

قولہ البیع الخ فاذا باع عبدًا وشرط استخدامہ' شهرًا اودارًا علیٰ ان یسکنها البائع شهرًا مثلا فالبیع فاسد' والقسمة بان کان للمیت دین علی الناس فاقتسموا الترکة من الدین والعین علی ان یکون الدین

لاحدو العين للباقيين فهى فاسدة والاجارة.بان آجر داره بشرط ان يهدى اليه والاجازة بان باع فضولى عبده فقال اجزته بشرط ان تهدى الى ' والرجعة بان قال لمطلقة الرجعية راجعتک على ان تقرضينى كذاوالصلح عن مال بان قال صالحتک على ان تسكننى فى الدار سنةً والا براء عن الدين بان قال ابراتک عن دينى على ان تخدمنى شهرًا وعزل الوكيل بان قال عزلتک على ا ن تهدى الى شيئاً ' والاعتكاف بان قال اعتكفت ان شفى الله مريضى والمزارعةبان قال زارعتک ارضى على ان تقرضنى كذا والمعاملة وهى المساقاة بان قال ساقيتک شجرى اوكرمى على ان تقرضنى كذا والاقرار بان قال لفلان على كذا ان اقرضنى كذا والوقف بان قال وقفت دارى ان اخبرتنى بقدوم زيد ' والتحكيم بان يقول المحكمان اذا اهل شهرًا وقالا لعبداو كافر اذا اعتقت اواسلمت فاحكم بيننا۔

قوله القرض الخ بان قال اقرضتک هذه المائة بشرط ان تخدمنى شهرًا والهبة بان قال وهبتک هذه الجارية بشرط ان يكون حملهالى والصدقة بان قال تصدقت عليک على ان تخدمنى جمعة والنكاح بان قال تزوجتک على ان لايكون لک مهروالطلاق بان قال طلقتک على ان لاتتزوجى غيرى والخلع بان قال خالعتک على ان يكون لى الخيار مدة كذاوالعتق بان قال اعتقتک على انى بالخيار والرهن بان قال رهنت عندک عبدى بشرط ان استخدمه والايصاء بان قال اوصيتک اليک على ان تتزوج ابنتى والوصية بان قال اوصيت لک بثلث مالى ان اجاز فلان والشركة بان قال شاركتک على ان تهدينى كذاوالمقاربة بان قال ضاربتک فى الف على النصف فى الربح ان شاء فلان والقضاء بان قال الخليفة وليتک قضاء مكة على ان لاتعزل ابدًا والا مارة بان قال الخليفة وليتک امارة الشام على ان لاتركب والكفالة بان قال كفلت غريمک ان اقرضتنى كذا.والحوالة بان قال احلتک على فلانٍ بشرط ان لا ترجع على عندالتوى والو كالة بان قال وكلتک ان ابراتنى عمالک والاقالة بان قال اقلتک عن هذا البيع ان اقرضتنى كذاوالكتابة بان قال المولى لعبده كاتبتک على الف بشرط ان لاتخرج من البلد واذن العبدفى التجارة.بان قال المولى لعبده اذنت لک فى التجارة على ان‌تتجرالى شهراوسنة ودعوة الولد بان ادعى المولى نسب ولد بشرط ان لايرث منه اوان رضيت امرأته بذلک والصلح عن دم العمد بان صالح ولى المقتول عمدًا القاتل على شئى بشرط ان يقرضه او يهدى له شيئاً والجراحة بان صالح عنها بشرط اقراض شئى اواهدائه وعقدالذمه بان قال الامام لحربى يطلب عقدالذمة ضربت عليک الجزية ان شاء فلان وتعليق الرد بالعيب بان قال ان وجدت بالمبيع عيباً ارده عليک ان شاء فلان اوبخيار الشرط بان قال من له خيار الشرط فى البيع اسقطت خيارى ان شاء فلان وعزل القاضى بان قال الخليفة للقاضى عزلتک عن القضاء ان شاء فلا ن۔۱۲

کتاب الصرف

هُوَ بَيْعُ بَعْضِ الاَثْمَانِ بِبَعْضٍ فَلَوْ تَجَانَسَا شُرِطَ التَّمَاثُلُ وَالتَّقَابُضُ وَاِنْ اِخْتَلَفَا جَوْدَةً وَصِيَاغَةً

وہ بیچنا ہے ثمن کو دوسرے ثمن کے عوض سو اگر دونوں ایک جنس کے ہوں تو برابر ہونا اور قبضہ کا ہونا شرط ہے گو خوبی اور گڑھت میں جدا ہوں

وَاِلَّا شُرِطَ التَّقَابُضُ فَلَوْ بَاعَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ مُجَازَفَةً صَحَّ اِنْ تَقَابَضَا فِي الْمَجْلِسِ.

ورنہ صرف قبضہ شرط ہے سو اگر بیچا سونا چاندی کے عوض اٹکل سے تو صحیح ہے اگر قبضہ کرلیا دونوں نے مجلس میں

تشریح الفقہ: **قوله كتاب الخ** کتاب الصرف کے بجائے ''باب الصرف'' عنوان بہتر تھا۔ کیونکہ صرف بیع کی اقسام میں سے ہے صرف لغت میں نقل ورد یعنی پھیرنا اور واپس کرنے کو کہتے ہیں قال تعالیٰ ''ثم انصرفوا صرف الله قلوبهم'' اس عقد میں چونکہ بدلین کو ہاتھ در ہاتھ منتقل کرنا ضروری ہے۔ اس لئے اس کو صرف کہتے ہیں نیز لغت میں یہ لفظ فضل و زیادتی کے معنی میں بھی آیا ہے۔ چنانچہ صرف الحدیث کلام کی زیادتی اور تزیین وتحسین کو کہتے ہیں۔ **ويقال له على صرف**'' اس کو مجھ پر فضیلت ہے۔ حدیث میں ہے'' **من انتمى الى غير ابيه لايقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً**'' جو شخص خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کریگا حق تعالیٰ اس کا صرف اور عدل قبول نہ کریگا۔ اس میں صرف سے مراد نفل ہے۔ کیونکہ وہ فرض سے زائد ہے اور عدل سے مراد فرض ہے تو بیع صرف میں چونکہ شرط تقابض بدلین ایک زائد چیز ہے کہ غیر صرف میں یہ شرط نہیں پائی جاتی۔ اس لئے اس کو صرف کہتے ہیں۔ یا اس لئے کہ بیع صرف میں مقصود زیادتی ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ بعینہ نقود سے انتفاع نہیں ہوتا۔ اصطلاح شرع میں اثمان یعنی چاندی اور سونے میں سے بعض کو بعض کے عوض فروخت کرنے کو بیع صرف کہتے ہیں۔ اثمان ثمن کی جمع ہے۔ ثمن سے مراد وہ ہے جس میں خلقۃً ثمنیت ہو جیسے چاندی اور سونا۔

فائدہ: مال کی چند قسمیں ہیں (۱) جو ہر حالت میں ثمن ہو خواہ اپنی جنس کے مقابلہ میں ہو یا غیر جنس کے مقابلہ میں ہو جیسے سونا چاندی (۲) جو ہر حال میں مبیع ہو جیسے غیر ذوات الامثال کپڑے، چوپائے غلمان وغیرہ (۳) جو من وجہ ثمن ہو اور من وجہ مبیع جیسے مکیل وموزون۔ کہ اگر یہ چیزیں عقد میں معین ہوں تو مبیع ہوتی ہیں۔ اور معین نہ ہوں اور کلمہ باء کیساتھ ہوں اور ان کے مقابلہ میں کوئی مبیع ہو تو ثمن ہوتی ہیں (۴) جو باعتبار اصل سامان ہوں اور اصطلاح ناس کے ذریعہ سے ثمن ہوں جیسے اسباب **فان كان رائجاً كان ثمناً وان كان كاسدًا كان سلعةً۔**

قوله فلو تجالسا الخ اگر عقد صرف میں بدلین متجانس ہوں مثلاً سونے کی بیع سونے کے عوض اور چاندی کی چاندی کے عوض میں ہو تو مساوات بھی ضروری ہے اور قبل از افتراق مجلس قبضہ کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ سونے کے عوض میں برابر سرابر ہاتھ در ہاتھ بیچو اگر عمدگی اور صنعت زرگری میں دونوں مختلف ہوں تب بھی کمی بیشی جائز نہیں کیونکہ آپ کا ارشاد ہے ''**جيد ها ورديها سواء**'' پس یہ جو عام معمول ہے کہ عمدہ چاندی بناری وغیرہ روپے دیکر خرید تے ہیں یا چھلا آری سادہ صنعت کاری کی وجہ سے بڑھا کر لیتے ہیں۔ یہ عین ربوا اور مطلقاً حرام ہے۔ اگر خریدنا ہی ہو تو جنس بدل کر یعنی چاندی کو اشرفیوں یا پیسوں سے خریدنا چاہئے۔ ہاں اگر جنس مختلف ہو مثلاً سونے کی بیع چاندی کے عوض ہو یا برعکس ہو تو کمی بیشی جائز ہے۔ بشرطیکہ افتراق مجلس سے بیشتر بدلین پر قبضہ ہو جائے۔ لقوله عليه السلام'' **فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يداً بيدٍ۔**

عہ...... ائمہ ستہ الا البخاری ۱۲ عہ...... مسلم احمد وغیرہما ۱۲

وَلاَ يَصِحُّ التَّصَرُّفُ فِي ثَمَنِ الصَّرْفِ قَبْلَ قَبْضِهٖ فَلَوْ بَاعَ دِيْنَارًا بِدَرَاهِمَ وَاشْتَرٰى بِهَا ثَوْبًا فَسَدَ بَيْعُ الثَّوْبِ

اور صحیح نہیں تصرف کرنا عقد صرف کے ثمن میں قبضہ سے پیشتر پس اگر بیچی اشرفی دراہم کے عوض میں اور خرید لیا دراہم کے عوض میں کپڑا تو فاسد ہوگی

وَلَوْ بَاعَ اَمَةً مَعَ طَوْقٍ قِيْمَةُ كُلٍّ اَلْفٌ بِاَلْفَيْنِ وَنَقَدَ مِنَ الثَّمَنِ اَلْفًا فَهُوَ ثَمَنُ الطَّوْقِ

کپڑے کی بیع اور اگر بیچی باندی ہنسلی کے ساتھ دو ہزار میں اور ہر ایک کی قیمت ہزار ہے اور دیدیئے مشتری نے ثمن سے ایک ہزار تو وہ ہنسلی کے دام

وَاِنْ اشْتَرَاهَا بِاَلْفَيْنِ اَلْفٌ نَقْدٌ وَاَلْفٌ نَسِيْئَةٌ فَالنَّقْدُ ثَمَنُ الطَّوْقِ وَاِنْ بَاعَ سَيْفًا حِلْيَتُهٗ خَمْسُوْنَ

ہوں گے اور اگر خرید اندکورہ باندی کو دو ہزار میں ایک ہزار نقد اور ایک ہزار ادھار تو نقد ہنسلی کا ثمن ہوگا اور اگر بیچی ایسی تلوار جس میں پچاس کا زیور ہے

بِمِائَةٍ وَنَقَدَ خَمْسِيْنَ فَهُوَ حِصَّتُهَا وَاِنْ لَّمْ يُبَيِّنْ اَوْ قَالَ مِنْ ثَمَنِهِمَا وَلَوْ اِفْتَرَقَا بِلاَ قَبْضٍ

سو میں اور دیدیئے پچاس نقد تو وہ زیور کا حصہ ہوگا گو مشتری بیان نہ کرے یا یہ کہدے کہ دونوں کے ثمن سے ہے اور اگر جدا ہو جائیں قبضہ کے بغیر

صَحَّ فِي السَّيْفِ دُوْنَهَا اِنْ تَخَلَّصَ بِلاَ ضَرَرٍ وَاِلاَّ بَطَلاَ وَلَوْ بَاعَ اِنَاءَ فِضَّةٍ وَقَبَضَ بَعْضَ ثَمَنِهٖ وَافْتَرَقَا

تو صحیح ہوگی بیع تلوار میں نہ کہ زیور میں اگر علیحدہ ہوسکتا ہو بلا نقص ورنہ دونوں کی بیع باطل ہوگی، اگر بیچا چاندی کا برتن اور قبضہ کیا کچھ ثمن پر اور جدا ہو گئے

صَحَّ فِيْمَا قَبَضَ وَالْاِنَاءُ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا وَاِنْ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الْاِنَاءِ اَخَذَ الْمُشْتَرِيْ مَابَقِيَ

تو صحیح ہوگی اتنے حصہ میں جتنے کے دام لئے ہیں اور برتن دونوں میں مشترک ہوگا اور اگر کچھ برتن کسی اور کا نکل آئے تو لے لے مشتری باقی کو

بِقِسْطِهٖ اَوْ رَدَّهٗ وَلَوْ بَاعَ قِطْعَةَ نُقْرَةٍ فَاسْتُحِقَّ بَعْضُهَا اَخَذَ مَابَقِيَ بِقِسْطِهٖ

اس کے حصہ کے مطابق ورنہ واپس کردے اور اگر بیچا چاندی کا ٹکڑا اور اس کا کچھ حصہ دوسرے کا نکلا تو لے باقی کو اس کے حصہ کے مطابق

بِلاَ خِيَارٍ وَصَحَّ بَيْعُ دِرْهَمَيْنِ وَدِيْنَارٍ بِدِرْهَمٍ وَدِيْنَارَيْنِ وَكُرِّ بُرٍّ وَشَعِيْرٍ بِضِعْفِهِمَا.

بلا خیار اور صحیح ہے بیچنا دو درہم اور ایک دینار کو ایک درہم اور دو دیناروں کے عوض اور ایک ایک پلہ گیہوں اور جو کو ان کے دوچند کے عوض

احکام بیع صرف

توضیح اللغۃ: طوق ہنسلی، سیف تلوار، حلیۃ زیور، تخلص جدا ہو سکے، اناء برتن، نقرہ کچی چاندی، کر ایک خاص پیمانہ (دیکھیں ص ۶۴) شعیر جو۔

تشریح الفقہ: قولہ ولایصح التصرف الخ عقد صرف میں قبضہ کرنے سے پہلے ثمن میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وجوب قبض بجہت حق اللہ ہے تو اگر کسی نے دینار کو دراہم کے عوض فروخت کیا اور ابھی ان پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ ان سے کپڑا خرید لیا تو کپڑے کی بیع فاسد ہوگی، وجہ یہ ہے کہ بیع میں مبیع کا ہونا ضروری ہے اور باب صرف میں بدلین میں سے کسی ایک کو عدم اولویت کی وجہ سے مبیع متعین نہیں کر سکتے۔ تو لامحالہ ہر ایک کو من وجہ ثمن اور من وجہ مبیع قرار دیں گے۔ اور مبیع کو قبضے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں لہذا دراہم پر قبضہ کرنے سے پہلے کپڑے کی خرید جائز نہ ہوگی۔

قولہ ولو باع امۃ الخ زید نے ایک باندی جسکی قیمت ایک ہزار درہم ہے اور اس کے گلے میں ایک ہزار کا ہار ہے دو ہزار درہم کے عوض فروخت کی اور ایک ہزار نقد وصول کیے۔ یا باندی کو دو ہزار کے عوض اسطرح فروخت کیا کہ ایک ہزار نقد ہونگے اور ایک ہزار ادھار یا ایک تلوار جو پچاس درہم کے زیور سے آراستہ تھی اس کو ایک سو درہم کے عوض فروخت کیا اور پچاس درہم نقد وصول کیے تو ان تمام صورتوں میں موجود نقد وصول کیے ہیں وہ [illegible] کا بدل ہوگا کیونکہ ہار اور زیور میں عقد صرف [illegible] عقد صرف میں مجلس کے اندر قبضہ کرنا ضروری

ہے تو حتی الامکان عقد کو درست کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اور اسکی صورت یہی ہے کہ نقد کو ہار اور زیور کا بدل قرار دیا جائے۔ پھر تلوار کی بیع کی صورت میں اگر متعاقدین قبل از تقابض جدا ہو گئے تو تلوار کی بیع صحیح رہے گی باشرطیکہ اسکا زیور بلا نقصان چھڑایا جا سکے اور زیور کی بیع باطل ہو جائے گی کیونکہ زیور کا حصہ قبل از افتراق واجب القبض ہے اور قبضہ پایا نہیں گیا تو زیور کی بیع باطل ہوگی اور اگر زیور بلا ضرر چھڑانا ممکن نہ ہو تو تلوار اور زیور دونوں کی بیع باطل ہوگی کیونکہ اب تسلیم متعذر ہے۔

قوله ولو باع الخ ایک شخص نے چاندی یا سونے کا برتن فروخت کیا اور ثمن کا کچھ حصہ نقد وصول کر لیا کچھ باقی رہ گیا اور دونوں جدا ہو گئے تو ثمن کی جو مقدار نقد وصول کی ہے اتنی مقدار کے لحاظ بیع صحیح ہوگی اور اب وہ دونوں برتن میں شریک ہونگے وجہ یہ کہ پورا عقد صرف ہے تو جتنے حصے میں شرط پائی گئی اتنے میں ہی صحیح ہوگی اور چونکہ یہ فساد اصلی نہیں طاری ہے اسلئے پورے میں شائع نہ ہوگا' پھر اگر اس برتن میں کسی کا حق نکل آئے تو مشتری کو اختیار ہوگا چاہے باقی ماندہ کو اسکے عوض لے اور چاہے واپس کرے کیونکہ برتن میں شرکت عیب ہے۔

قوله وصح بیع در همین الخ دو درہم اور ایک دینار کی بیع ایک درہم اور دو دیناروں کے عوض اسی طرح ایک کر گیہوں اور ایک کر جو کی بیع دو کر گیہوں اور دو کر جو کے عوض صحیح ہے کیونکہ ہمارے یہاں قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر مختلف الجنس اموال ربویہ میں ایک جنس کو اسی کی جنس کا بدل ٹھہرانے میں عقد فاسد ہوتا ہو تو خلاف جنس کو بدل ٹھہرا لیا جائے گا۔ تاکہ عقد فاسد ہونے سے بچ جائے۔ پس یہاں درہم بمقابلہ دینار اور دینار بمقابلہ درہم۔ اس طرح گیہوں بمقابلہ جو اور جو بمقابلہ گیہوں قرار پائے گا۔ اور بیع صحیح ہو جائیگی۔ کیونکہ اختلاف جنس کی صورت میں تساوی بدلین ضروری نہیں۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ عقد اصلاً جائز ہی نہیں کیونکہ خلاف جنس کی صورت میں عاقد کے تصرف کی تغییر لازم آتی ہے کیونکہ اس نے کل کو کل کے مقابلہ میں ڈالا ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ انقسام بطریق شیوع ہو نہ کہ بطریق تعیین۔ اور عاقد کے تصرف کو متغیر کرنا جائز نہیں۔ ورنہ اس کے تصرف کے خلاف ایک دوسرا تصرف ہو جائیگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مقتضی عقد مطلق مقابلہ ہے جس میں مقابلہ جنس بالجنس مقابلہ جنس بخلاف الجنس' مقابلہ کل بالکل' مقابلہ فرد بالفرد سب کا احتمال ہے۔ اور مقابلہ فرد بالفرد میں اس کے عقد کی تصحیح ہے۔ تو اس پر محمول کیا جائے گا۔ رہا یہ سمجھنا کہ یہ تصرف آخر ہو گیا۔ سو یہ غلط فہمی ہے کیونکہ اس صورت میں اصل عقد کی تغییر نہیں صرف تغییر وصف ہے۔ جس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

وَاَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَدِيْنَارٍ وَدِرْهَمٍ صَحِيْحٍ وَدِرْهَمَيْنِ غَلَّتَيْنِ بِدِرْهَمَيْنِ صَحِيْحَيْنِ

اور گیارہ درہموں کو دس درہم اور ایک دینار کے عوض اور ایک کھرے اور دو کھوٹے درہموں کو دو کھرے اور ایک کھوٹے درہم کے عوض

وَدِرْهَمٍ غَلَّةٍ وَدِيْنَارٍ بِعَشْرَةٍ عَلَيْهِ اَوْ بِعَشْرَةٍ مُطْلَقَةٍ وَدَفَعَ الدِّيْنَارَ وَتَقَاصَّا الْعَشْرَةَ بِالْعَشْرَةِ

اور ایک دینار کو ان دس کے عوض جو بائع کے ذمہ قرض ہیں یا مطلق دس کے عوض اور دے بائع دینار مشتری کو اور مجرا کر لیں دس دس کے عوض

وَغَالِبُ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ فِضَّةٌ وَذَهَبٌ حَتّٰى لَايَصِحُّ بَيْعُ الْخَالِصَةِ بِهِمَا وَلَا بَيْعُ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ

اور جن میں چاندی سونا غالب ہو وہ چاندی سونا ہیں یہاں تک کہ بے میل کو میلدار کے عوض اسی طرح ان میں سے بعض کو بعض کے عوض بیچنا صحیح نہیں.

اِلَّا مُتَسَاوِيًا وَزْنًا وَلَايَصِحُّ الْاِسْتِقْرَاضُ بِهِمَا اِلَّا وَزْنًا وَغَالِبُ الْغِشِّ لَيْسَ فِيْ حُكْمِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ

مگر برابر وزن کر کے اور صحیح نہیں قرض لینا ان کے عوض مگر وزن سے اور جس میں کھوٹ غالب ہو وہ دراہم و دنانیر کے حکم میں نہیں

نقل عن زفر صحۃ بیع الثوب (بحر) قال فی الفتح وزاد اہذا علی احدی الروایتین عنہ ا ہ۔ النقود لا یتعین فی البیاعات فاما علی الروایۃ الاخریٰ عنہ فیجب ان ... ا ہ صحیح بیع الثوب کقولنا ا ہ ۱۲۔

فَصَحَّ بَيْعُهَا بِجِنْسِهَا مُتَفَاضِلاً وَالتَّبَايُعُ وَالاِسْتِقْرَاضُ بِمَا يَرُوجُ وَزْنًا اَوْ عَدَدًا اَوْ بِهِمَا وَلاَ يَتَعَيَّنُ

پس صحیح ہے اس کو اس کی جنس کے عوض میں بیچنا کمی بیشی کے ساتھ اور قرض لینا رواج کے موافق وزن یا عدد یا دونوں طرح اور معین نہ ہوں گے

بِالتَّعْيِينِ لِكَوْنِهِمَا اَثْمَانًا وَتَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ اِنْ كَانَتْ لاَتَرُوجُ

معین کرنے سے کیونکہ وہ از قبیل اثمان ہیں اور معین ہوجائیں گے اگر ان کا رواج نہ ہو

وَالْمُتَسَاوِىْ كَغَالِبِ الْفِضَّةِ فِى التَّبَايُعِ وَالاِسْتِقْرَاضِ وَفِى الصَّرْفِ كَغَالِبِ الْغِشِّ.

اور جن میں ملونی برابر ہو وہ ان کی طرح ہیں جن میں چاندی غالب ہو بیع کرنے اور قرض لینے میں اور عقد صرف میں ان کی طرح ہیں

وَلَوِ اشْتَرٰى بِهٖ وَبِفُلُوْسٍ نَافِقَةٍ شَيْئًا وَكَسَدَ قَبْلَ دَفْعِهٖ بَطَلَ الْبَيْعُ

جن میں کھوٹ غالب ہو اگر خریدی ان کے عوض یا رائج پیسوں کے عوض کوئی چیز اور ان کا چلن نہ رہا دینے سے پہلے تو باطل ہوجائے گی

وَصَحَّ الْبَيْعُ بِالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ وَاِنْ لَمْ يُعَيَّنْ. وَبِالْكَاسِدَةِ لاَحَتّٰى يُعَيِّنَهَا

اور صحیح ہے بیع رائج پیسوں کے عوض گو معین نہ کئے ہوں اور بے چلن پیسوں کے عوض صحیح نہیں جب تک کہ ان کو معین نہ کردے

وَلَوْ كَسَدَتْ اَفْلُسُ الْقَرْضِ يَجِبُ رَدُّ مِثْلِهَا وَلَوِ اشْتَرٰى شَيْئًا بِنِصْفِ دِرْهَمٍ فُلُوْسٍ صَحَّ

اگر رواج نہ رہے قرض کے پیسوں کا تو ویسے ہی واپس کرنے پڑیں گے اگر خریدی کوئی چیز نصف درہم کے پیسوں کے عوض تو صحیح ہے

وَلَوْ اَعْطٰى صَيْرَفِيًّا دِرْهَمًا وَقَالَ اَعْطِنِى بِهٖ نِصْفَ دِرْهَمٍ فُلُوْسًا وَنِصْفًا اِلاَّ حَبَّةً صَحَّ.

اگر دیا صراف کو ایک درہم اور کہا کہ دے مجھے اس کے بدلہ میں نصف درہم رتی بھر کم تو صحیح ہے۔

بیع صرف کے باقی احکام

توضیح اللغۃ: غلہ کھوٹا' استقراض' قرض لینا' غش کھوٹ' یروج رواج ہونا' فلوس وافلس جمع فلس پیسہ' صیر فی صراف' زرگر۔

تشریح الفقہ: قولہ و دینار بعشرۃ الخ خالد پر زید کے دس درہم قرض ہیں۔اور خالد کے پاس ایک دینار ہے پس خالد نے زید کے مذکورہ دس دراہم کے عوض میں اپنا ایک دینار فروخت کر دیا تو یہ بیع صحیح ہے۔اور نفس عقید کے ذریعہ مقاصہ ہوجائے گا۔یعنی دین مذکور ثمن میں مجرا ہو کر عاقدین کا حساب برابر سرابر ہوجائے گا۔اور اگر مدیون نے مطلق درہموں کے عوض بیع کی یعنی ان میں دین کی کوئی قید نہیں لگائی تو یہ بھی صحیح ہے۔بشرطیکہ بائع نے مشتری کو دینار دیدیا ہو اور دونوں نے مقاصہ بھی کر لیا ہو۔وجہ صحت یہ ہے کہ مقاصہ کر لینے کے بعد عقد اول فسخ ہو کر ایک دوسرا عقد دین کی طرف مضاف ہو کر منعقد ہو گیا تو اضافت الی الدین بطریق اقتضا ثابت ہو گئی۔پس یہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے یوں کہا ہو بعت ھذا الدینار منک بالعشرۃ اللتی لک علی۔

(۱) قد علم حکم ہذہ المسئلۃ مما قبلہا وانما ذکرہا لبیان ان الصرف الی خلاف الجنس لایتفاوت فی الجمیع او جزء واحد ۱۲ بحر۔

(۲) یعنی یجوز بیعہما لانہما جنس واحد فیعتبر التساوی فی القدر دون الوصف ۱۲ زیلعی۔

(۳) انما شرط المقاصۃ لان الواجب لہذا العقد ثمن یجب تعیینہ بالقبض والدین لیس بہذہ الصفۃ فلا یقع المقاصۃ بنفس البیع لعدم المجانسۃ فاذا تقاصا تضمن ذلک فسخ الاول واضافتہ الی الدین اذ لولا ذلک یکون استبدالاً ببدل الصرف ۱۲ کشف۔ (۴) اذ الحکم فی الشرع للغالب مع ان النقود لاتخلو عن قلیل غش عادۃ لانہا لاتنطبع الا مع الغش ۱۲۔

(۵) ای بلد العقد عندہما وفی جمیع البلدان عند محمد ۱۲ کشف۔ (۶) لانہا اثمان بالاصطلاح فلا حاجۃ الی التعیین ۱۲

قولہ وغالب الغش الخ اگر سونے چاندی میں، کھوٹ غالب ہو وہ دراہم ودنانیر کے حکم میں نہیں رہتے بلکہ سامان کے حکم میں ہوجاتے ہیں تو غالب الغش کو اس کو ہم جنس کے عوض، کمی بیشی کے ساتھ فروخت کیا۔ اور جو غالب الغش عام طور سے رائج ہو اس کے ذریعہ فروخت کرنا۔ قرض لینا سب جائز ہے۔ بطریق وزن ہو یا باعتبار شمار ہو یا دونوں کے لحاظ سے ہو۔ نیز اگر غالب الغش رائج ہو تو وہ متعین کرنے[1] سے متعین نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی ثمنیت باصطلاح ناس ہے۔ تو جب تک اصطلاح قائم رہے گی اس وقت تک اس کی ثمنیت باطل نہ ہوگی۔ اور متعین کرنے سے متعین نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس کا رواج نہ رہے تو متعین کرنے سے متعین ہوجائے گا۔ کیونکہ اصطلاح زائل ہوچکی۔

قولہ والمتساوی الخ اگر چاندی یا سونا اور کھوٹ برابر ہو تو وہ خرید وفروخت میں اور قرض لینے میں تو غالب الذہب اور غالب الفضہ کے حکم میں ہے کہ خرید وفروخت اور استقراض وزن کے ساتھ ہوگا اور بیع صرف میں وہ غالب الغش کے حکم میں ہے۔ کہ اگر اس کو اس کی جنس کے عوض کم وبیش فروخت کیا تو بشرط تقابض جائز ہے اور اگر خالص چاندی یا سونے کے عوض فروخت کیا جائے تب بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ چاندی اور خالص سونا اس مقدار سے زائد ہو جو مغشوش میں ہے تاکہ خالص چاندی سونا مغشوش کی چاندی اور اس کے سونے کے مقابلہ میں ہوجائے اور زائد چاندی یا سونا کھوٹ کے مقابلہ میں ہوجائے۔

قولہ ولو اشتری الخ ایک شخص نے دراہم مغشوشہ یا کچھ پیسوں کے عوض کوئی چیز خریدی اور خرید کے وقت وہ دونوں رائج تھے مگر بائع کو دینے سے پہلے ان کا رواج جاتا رہا تو امام صاحب کے نزدیک بیع باطل ہوجائے گی۔ اور مشتری پر مبیع واپس کرنا لازم ہوگا اگر وہ موجود ہو ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی۔ صاحبین کے نزدیک بیع صحیح رہے گی۔ اور دراہم مغشوشہ یا ان پیسوں کی قیمت واجب ہوگی اور وجوب قیمت میں امام ابو یوسف کے نزدیک بیع کے دن کا اعتبار ہوگا۔ (وبہ یفتی کذا فی الذخیرۃ) اور امام محمد صاحب کے نزدیک اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن کا رواج ختم ہوا ہے، صاحبین یہ کہتے ہیں کہ یہاں رواج ختم ہوجانے کی وجہ سے تسلیم ثمن متعذر رہے اور تعذر تسلیم موجب فساد بیع نہیں ہے۔ لہٰذا بیع صحیح رہے گی۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ رواج ختم ہوجانے سے ان کی ثمنیت ختم ہوگئی۔ کیونکہ ان کی ثمنیت اصطلاح ناس کی وجہ سے تھی پس بیع بلا ثمن رہی اور بیع بلا ثمن باطل ہے۔

قولہ ولو اشتری شیئاً الخ ایک شخص نے نصف درہم کے پیسوں سے کوئی چیز خریدی اور یہ بیان نہیں کیا کہ وہ پیسے کتنے ہیں تو خرید صحیح ہے اور خریدار پر اتنے پیسے واجب ہوں گے جتنے نصف درہم میں بیچے جاتے ہیں۔ امام زفر کے نزدیک خرید مذکور صحیح نہیں۔ کیونکہ فلوس عددی چیزوں میں سے ہیں تو بلا بیان عدد ثمن مجہول ہے۔ جواب یہ ہے کہ ثمن مجہول نہیں ہے اس واسطے کہ نصف درہم ذکر کرنے کے بعد پھر نصف کو موصوف بفلوس کرنے سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس نے قول مذکور سے اتنے ہی پیسوں کا ارادہ کیا ہے۔ جتنے نصف درہم سے فروخت ہوتے ہیں اس لئے عدد فلوس ذکر کرنے کی ضرورت نہ رہی۔

قولہ ولو اعطی الخ ایک شخص نے صراف کو ایک درہم دیکر کہا کہ مجھکو اس کے عوض نصف درہم فلوس اور حبہ بھر کم نصف درہم دیدے تو عقد صحیح ہے۔ کیونکہ حبہ بھر کم درہم اس کے مثل کے مقابلہ میں ہوجائے گا۔ لیکن اگر اس نے لفظ نصف کو مکرر ذکر کرکے یوں کہا "اعطنی بنصفہ فلو ساً وبنصفہ نصفاً الاحبۃ" تو امام صاحب کے نزدیک کل عقد فاسد ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں ربوا لازم آتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک عقد فلوس جائز اور باقی فاسد ہوگا۔ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ثمن کی تفسیر وتفصیل سے عقد واحد میں تکرر نہیں آتا اور صاحبین کے نزدیک عقد میں تکرر آجاتا ہے۔

محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی

---

[1] آج کل کے لحاظ سے اس کی مثال یوں سمجھو کہ اس نے ایک روپیہ دیکر کہا کہ آٹھ آنے پیسے دے اور ایک رتی بھر کم اٹھنی دے۔۱۲

کتاب الکفالۃ

هِيَ	ضَمُّ	ذِمَّةٍ	اِلٰى	ذِمَّةٍ	فِي	الْمُطَالَبَةِ	وَتَصِحُّ	بِالنَّفْسِ	وَاِنْ	تَعَدَّدَتْ
وہ	ملانا	ہے	ذمہ	کو	ذمہ کیساتھ	مطالبہ	میں	اور صحیح ہے	کفالت جان کی	گو متعدد ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ وقوع ضمانت اکثر اوقات بیع ہی میں ہوتا ہے کیونکہ ضمانت یا ثمن کی ہوتی ہے یا مبیع کی۔ اس مناسبت سے بیوع کے آخر میں کفالہ کو لا رہا ہے۔ اور چونکہ ضمانت آخر کار بوقت رجوع معاوضہ ہوتی ہے اس لحاظ سے بیع صرف کے ساتھ بھی مناسب ہوئی۔ مگر عقد صرف ہر لحاظ سے بیع ہے بخلاف کفالہ کے کہ وہ بیع نہیں ہے اس لئے مصنف نے بیع صرف کو مقدم کیا ہے۔

قولہ ھی الخ کفالہ اسم ہے یقال ''**کفلت بالمال و بالنفس کفلاً و کفولاً**'' میں نے اس کی یا اس کے مال کی ذمہ داری لی۔ ابن القطاع نے نقل کیا ہے کہ یہ متعدی بنفسہ اور متعدی بحرف جار دونوں طرح مستعمل ہے۔ **فیقال کفلتہ و کفلت بہ عنہ** اور عین کلمہ پر تینوں حرکتیں جائز ہیں۔ کفالت لغۃً بمعنی ضم ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا **قال تعالیٰ و کفلھا زکریا**'' اور شرعاً حق مطالبہ میں کفیل کے ذمہ کو اصیل کے ذمہ کی ساتھ ملانا۔ کفالت کہلاتا ہے خواہ مطالبہ ذات کا ہو یا دین کا ہو یا عین شئی کا ہو، پس کفالت کی وجہ سے کفیل پر دین ثابت نہ ہوگا بلکہ صرف دین کا مطالبہ ثابت ہوگا۔ بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ ذمہ اصیل سے دین ساقط ہوئے بغیر ضامن پر ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں **لا نہ یصیر الدین الواحد دینین۔**

فائدہ: آنے والے مسائل سے بیشتر چند اصطلاحی الفاظ ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔ تاکہ مسائل کفالت سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ مدعی یعنی دائن (قرضخواہ) کو مکفول لہ کہتے ہیں اور مدعی علیہ یعنی مدیون (مقروض) کو مکفول عنہ اور اصیل۔ اور جس چیز کی ضمانت ہو (مال یا جان) اس کو مکفول بہ کہتے ہیں۔ اور جس پر کفالت سے مطالبہ لازم ہو اس کو کافل، کفیل، ضمین، صبیر، زعیم، حمیل اور قبیل کہتے ہیں۔

قولہ وتصح الخ کفالت کی دو قسمیں ہیں کفالت بالنفس اور کفالت بالمال۔ ہماری یہاں یہ دونوں قسمیں جائز ہیں۔ امام شافعی کفالت بالنفس کے قائل نہیں۔ کیونکہ کفالت کی وجہ سے تسلیم مکفول بہ لازم ہے۔ اور کفالت بالنفس میں کفیل اس پر قادر نہیں۔ کیونکہ اس کو مکفول بہ کی جان پر حق ولایت نہیں ہے۔ ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ کفیل ضامن ہے۔ یہ حدیث مطلق ہونے کی وجہ سے کفالت کی دونوں قسموں کی مشروعیت پر دال ہے۔ رہا یہ کہنا کہ کفیل بالنفس تسلیم مکفول بہ پر قادر نہیں سو یہ بے معنی ہے کیونکہ تسلیم کے بہت سے طریقے ہیں جن سے وہ اس کو حاضر کر سکتا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

---

(۱) ای الکفالۃ بان اخذ منہ کفیلا ثم کفیلا وکذا تجوز اذا تعددت النفوس المکفول بہا ایضا کما تجوز بالدیون الکثیرۃ ۱۲ زیلعی

ع..... قال الماوردی غیر ان العرف جار بان الضمین مستعمل فی الاموال والحمیل فی الدیات والزعیم فی الاموال العظام والکفیل فی النفوس والصبیر فی الجمیع' قال ابو حیان فی صحیحہ والزعیم لغۃ اہل المدینۃ والحمیل لغۃ اہل مصر والکفیل لغۃ اہل العراق (کذا فی الروض شیخ الاسلام زکریا) ۱۲ منحۃ الخالق۔ ابو داؤد' ترمذی' احمد' طیالسی' الموصلی' دار قطنی' ابن ابی شیبہ عبد الرزاق عن ابی امامۃ' طبرانی عن انس ۱۲ ۲۱ ۶۰۲۱

بكَفَلْتُ بِنَفْسِهِ وَبِمَا عُبِّرَ بِهِ عَنِ الْبَدَنِ وَبِجُزْءٍ شَائِعٍ

یہ کہنے سے کہ میں کفیل ہو گیا اس کی ذات کا یا کوئی ایسا عضو ذکر کرے جس سے کل بدن کی تعبیر ہوتی ہے یا جزء شائع ذکر کرے

وَبِضَمِنْتُهُ وَبِعَلَيَّ وَإِلَيَّ وَاَنَا زَعِيمٌ بِهِ وَقَبِيلٌ بِهِ لَا بِاَنَا ضَامِنٌ لِمَعْرِفَتِهِ

یا کہے کہ میں اس کا ضامن ہو لیا وہ میرے ذمہ پر ہے یا میری طرف ہے یا میں اس کا ذمہ دار ہوں یا اس کا طرف دار ہوں نہ یہ کہنے سے کہ میں اس

فَاِنْ شَرَطَ تَسْلِيمَهُ فِي وَقْتٍ بِعَيْنِهِ اَحْضَرَهُ فِيهِ اِنْ طَلَبَهُ فَاِنْ اَحْضَرَهُ

کے پہچاننے کا ضامن ہوں اگر شرط کی ضامن نے مکفول عنہ کو ایک معین وقت میں حاضر کرنے کی تو اس میں حاضر کرے اگر اس کو حاضر کر دے تو بہتر ہے

وَاِلَّا حَبَسَهُ الْحَاكِمُ فَاِنْ غَابَ اَمْهَلَهُ مُدَّةَ ذِهَابِهِ وَاِيَابِهِ فَاِنْ مَضَتْ وَلَمْ يُحْضِرْهُ حَبَسَهُ

ورنہ حاکم ضامن کو قید کر لے اور مکفول عنہ غائب ہو تو ضامن کو جانے آنے تک مہلت دے اگر مدت گذر جائے اور حاضر نہ کر پائے تو قید کر لے

وَاِنْ غَابَ وَلَمْ يُعْلَمْ مَكَانُهُ لَايُطَالَبُ بِهِ فَاِنْ سَلَّمَهُ بِحَيْثُ يَقْدِرُ الْمَكْفُوْلُ لَهُ اَنْ يُّخَاصِمَهُ كَمِصْرٍ

اور اگر ایسا غائب ہو کہ اس کا ٹھکانا معلوم نہ ہو تو ضامن سے مؤاخذہ نہ ہوگا اگر حاضر کیا ایسی جگہ کہ مکفول لہ اس سے جھگڑ سکتا ہے جیسے شہر

بَرِئَ وَلَوْ شَرَطَ تَسْلِيمَهُ فِي مَجْلِسِ الْقَاضِي يُسَلِّمُهُ ثَمَّهُ وَتَبْطُلُ بِمَوْتِ الْمَطْلُوْبِ وَالْكَفِيلِ لَا

تو ضامن بری ہو جائیگا اور اگر شرط کر لی قاضی کی مجلس میں حاضر کرنے کی تو وہیں حاضر کرے اور باطل ہو جاتی ہے کفالت مطلوب اور کفیل کے مرنے سے

الطَّالِبِ وَبَرِئَ بِدَفْعِهِ اِلَيْهِ وَاِنْ لَمْ يَقُلْ اِذَا دَفَعْتُهُ اِلَيْكَ فَاَنَا بَرِئٌ

نہ کہ طالب کی موت سے اور بری ہو جائیگا اس کے حوالہ کرنے سے گو یہ نہ کہا ہو کہ جب میں تیرے سپرد کر دونگا تو بری ہو جاؤنگا

وَبِتَسْلِيمِ الْمَطْلُوْبِ نَفْسَهُ مِنْ كَفَالَتِهِ وَبِتَسْلِيمِ وَكِيلِ الْكَفِيلِ وَرَسُوْلِهِ.

اور مکفول عنہ کے خود حاضر ہونے سے اور کفیل کے وکیل اور اس کے قاصد کے سپرد کرنے سے

کفالت بالنفس اور اسکے احکام

توضیح اللغۃ: علی صیغۂ التزام ہے، الی بمعنی علی ہے، زعیم بمعنی کفیل ہے، امہلہ مہلت دے، ایاب لوٹنا۔

تشریح الفقہ: قولہ بکفلت الخ کفالت بالنفس یہ کہہ دینے سے کہ "میں فلاں کے نفس (یعنی اس کی ذات) کا ضامن ہوا" صحیح ہو جاتی ہے اور اگر لفظ نفس کے بجائے کوئی ایسا لفظ ذکر کر دیا جائے جس سے کل بدن کی تعبیر ہوتی ہے جیسے عنق، رقبہ، جسد، بدن، راس وجہ یا کوئی جز شائع ذکر کر دیا جائے جیسے اس کا نصف، ثلث، ربع تو ان الفاظ سے بھی کفالت درست ہے۔ نیز ضمنتہ کہہ دینے سے بھی کفالت ہو جائے گی کیونکہ اس میں مقتضی کفالت کی تصریح ہے۔ اسی طرح لفظ علی کہ یہ صیغۂ التزام ہے اور لفظ الیٰ کہ یہاں علی کے معنی میں ہے۔ قال علیہ السلام "ومن ترک کلا اوعیا لاً فالی" اور لفظ زعیم کہ یہ بمعنی کفیل ہے قال تعالی "وانا بہ زعیم" ای کفیل لیکن اگر وہ یہ کہے کہ میں فلاں کی معرفت کا ضامن ہوں، تو اس سے کفالت صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس میں صرف معرفت کا التزام ہے نہ کہ مطالبہ کا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس سے بھی ضمانت ہو جائے گی۔ **لان اهل العرف يريدون به الكفالة۔**

(۱) لانہ لم یظہر بعد والحبس للمماطلۃ ۱۲ (۲) لانہ ظہر مطلہ والحبس جزاءہ ۱۲ زیلعی (۳) لانہ اتی بما التزامہ ۱۲

ع...... صحیحین عن ابی ہریرہ ابوداؤد نسائی ابن ماجہ ابن حبان عن معدیکرب ابوداؤد ابن ماجہ ابن حبان عن جابر ۱۲

قولہ ولو شرط تسلیمہ الخ اگر مکفول عنہ کو قاضی کی مجلس میں حاضر کرنے کی شرط کرلی گئی تو کفیل اس کو وہیں حاضر کرے اگر بازار وغیرہ میں حاضر کیا تو بری الذمہ نہ ہوگا۔ یہ قول امام زفر کا ہے اور آج کل اسی پر فتوی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں بازار تک حاضر کردینے سے بھی کفیل بری ہوجائے گا۔

فَاِنْ قَالَ اِنْ لَمْ یُوَافِ بِهٖ غَدًا فَهُوَضَامِنٌ بِمَاعَلَیْهِ فَلَمْ یُوَافِ بِهٖ اَوْ مَاتَ الْمَطْلُوْبُ ضَمِنَ الْمَالَ

اگر کہے کہ جو میں حاضر نہ کروں تو میں اس کا ضامن ہوں جو اس پر ہے پھر حاضر نہ کرے یا مکفول عنہ مرجائے تو مال کا ضامن ہوگا

وَمَنْ اِدَّعٰی عَلٰی اٰخَرَ مِائَةَ دِیْنَارٍ فَقَالَ رَجُلٌ اِنْ لَمْ یُوَافِ بِهٖ غَدًا فَعَلَیْهِ الْمِائَةُ فَلَمْ یُوَافِ بِهٖ غَدًا فَعَلَیْهِ الْمِائَةُ

جس نے دعوی کیا دوسرے پر سو دینار کا اور کسی نے کہا کہ اگر میں اس کو کل نہ لادوں تو مجھ پر سو ہیں پھر اس کو نہ پہنچائے تو اس پر سو ہوں گے

وَلَا یُجْبَرُ عَلَی الْکَفَالَةِ بِالنَّفْسِ فِیْ حَدٍّ وَقَوَدٍ وَلَا یُحْبَسُ فِیْهِمَا حَتّٰی یَشْهَدَ شَاهِدَانِ اَوْ عَدْلٌ

اور جبر نہیں کیا جائیگا کفالت بالنفس پر حد اور قصاص میں اور قید نہیں کیا جائیگا ان میں یہاں تک کہ گواہی دیں دو گواہ یا ایک عادل

وَبِالْمَالِ وَلَوْمَجْهُوْلًا اِذَا کَانَ دَیْنًا صَحِیْحًا بِکَفَلْتُ عَنْهُ بِاَلْفٍ وَبِمَالَکَ عَلَیْهِ وَبِمَا یُدْرِکُکَ فِیْ هٰذَا الْبَیْعِ

اور صحیح ہے کفالت مال کی گو مجہول ہو بشرطیکہ دین صحیح ہو یہ کہنے سے کہ کفیل ہوا میں اس کی طرف سے ہزار کا جو تیرا اس پر ہے یا جو تیرا نقصان ہو اس بیع میں

وَمَا بَایَعْتَ فُلَانًا فَعَلَیَّ وَمَا ذَابَ لَکَ عَلَیْهِ فَعَلَیَّ وَمَا غَصَبَکَ فُلَانٌ فَعَلَیَّ فَطَالَبَ الْکَفِیْلَ اَوِ الْمَدْیُوْنَ

یا جو تو نے فلاں سے بیع کی یا جو تیرا اسکے ذمہ ثابت ہو یا جو تجھ سے فلاں چھین لے وہ مجھ پر ہے پس طلب کرے مدعی کفیل سے یا قرض دار سے

اِلَّا اِذَا شَرَطَ الْبَرَاءَ ةَ فَحِ تَکُوْنُ حَوَالَةً کَمَا اَنَّ الْحَوَالَةَ بِشَرْطِ اَنْ لَا یَبْرَأَ بِهَا الْمُحِیْلُ کَفَالَةٌ

مگر یہ کہ شرط کرلے برائت کی کہ اس وقت یہ کفالت حوالہ ہوجاتی ہے جیسے حوالہ اس شرط سے کہ اس سے محیل بری نہ ہوگا کفالت ہوجاتی ہے

وَلَوْ طَالَبَ اَحَدَهُمَا لَهٗ اَنْ یُطَالِبَ الْاٰخَرَ وَیَصِحُّ تَعْلِیْقُ الْکَفَالَةِ بِشَرْطٍ مُلَائِمٍ کَشَرْطِ وُجُوْبِ الْحَقِّ

اور اگر کسی ایک سے مطالبہ کیا تو دوسرے سے بھی کرسکتا ہے اور صحیح ہے معلق کرنا کفالہ کو مناسب شرط کیساتھ مثلاً وجوب حق کی شرط سے

کَاَنْ اُسْتُحِقَّ الْمَبِیْعُ اَوْ لِاِمْکَانِ الْاِسْتِیْفَاءِ کَاَنْ قَدِمَ زَیْدٌ وَهُوَ مَکْفُوْلٌ عَنْهُ اَوْ لِتَعَذُّرِهٖ کَاَنْ غَابَ عَنِ الْمِصْرِ.

اگر مبیع کسی اور کی نکلے یا امکان استیفاء کی شرط جیسے اگر زید آگیا اور زید ہی مکفول عنہ ہو یا تعذر حق کی شرط جیسے اگر وہ غائب ہوجائے شہر سے

کفالت بالمال اور اس کے احکام

توضیح اللغۃ: یواف، موافاۃ پورا کرنا، قود قصاص، ذاب ای ظہر و وجب، ملائم مناسب، استیفاء وصول کرنا۔

تشریح الفقہ: قولہ فان قال الخ ایک شخص نے کسی کی ذات کی ضمانت لی اور یہ کہا کہ اگر میں اس کو کل حاضر نہ کروں تو جو مال اس کے ذمہ ہے اس کا میں ضامن ہوں۔ پھر کفیل نے اس کو پورا نہیں کیا یعنی قدرت کے باوجود مکفول بالنفس کو حاضر نہیں کیا یا کل آنے سے پہلے مکفول بالنفس کا انتقال ہوگیا تو دونوں صورتوں میں کفیل مال کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہاں کفالت مال اور کفالت ذات دونوں ہیں اور ان

---

(۱) الدرک لغۃ بفتحتین وسکون الراء اسم من ادرکت الشئی واصطلاحا الرجوع بالثمن عند استحقاق المبیع ۱۲ عینی۔

دونوں میں کوئی منافاۃ نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک یہاں کفالت بالمال صحیح نہیں۔ کیونکہ اس نے وجوب مال کے سبب (یعنی کفالت بالمال) کو ایک امر مشکوک کیساتھ معلق کیا ہے (وھو عدم الموافاۃ الی وقت کذا) پس یہ کفالت بیع کے مشابہ ہوگئی۔ اور بیع میں سبب وجوب مال کی تعلیق صحیح نہیں تو کفالت میں بھی صحیح نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کفالت انتہاء کے اعتبار سے تو بیع کے مشابہ ہے اور ابتدائ کے لحاظ سے نذر کے مشابہ ہے، بایں معنی کہ اس میں ایک غیر لازم چیز کا التزام ہے تو دونوں مشابہتوں کی رعایت ضروری ہے۔ مشابہت بیع کی رعایت تو یہ ہے کہ اس کی تعلیق شروط مطلقہ کے ساتھ صحیح نہیں اور مشابہت نذر کی رعایت یہ ہے کہ شرط متعارف کیساتھ تعلیق صحیح ہے اور عدم موافاۃ کیساتھ متعلق کرنا متعارف ہے۔ پس مکفول بالنفس کی موت سے تسلیم کے حق میں ضمانت باطل ہوگی نہ کہ مال کے حق میں۔ اس لئے دونوں صورتوں میں ضامن پر مال لازم ہوگا۔

قولہ ولا یجبر الخ اگر مدعی قصاص، مدعی حد قذف (وغیرہ) مدعا علیہ سے کفیل لینا چاہے تو مدعی علیہ کو کفیل دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، صاحبین کے نزدیک حد قذف، حد سرقہ اور قصاص کے دعوی میں مدعی علیہ پر جبر کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ قصاص خالص حقوق العباد میں سے ہے اور حد قذف گو حق اللہ ہے مگر اس میں حق عبد بھی ہے تو بذریعہ اخذ کفیل توثیق کی ضرورت ہے امام صاحب کی دلیل یہ حدیث ہے "**لا کفالۃ فی حد**" جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی کوئی تفصیل نہیں۔ نیز حدود ادنی درجہ کے شبہ سے بھی اٹھ جاتی ہیں۔ اس لئے ان کی توثیق کی ضرورت نہیں۔

قولہ وبالمال الخ اس کا عطف "**وتصح بالنفس**" پر ہے۔ جو اول کتاب میں مذکور ہے۔ اور یہاں سے کفالت کی دوسری قسم یعنی کفالت بالمال کا بیان ہے۔ کہ کفالت بالمال بھی صحیح ہے۔ اگر چہ غیر معین اور مجہول مال کی کفالت ہو کیونکہ کفالت مبنی بر توسعات ہے۔ اس لئے اس میں جہالت کو بھی برداشت کر لیا جاتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ مال دین صحیح ہو ورنہ کفالت صحیح نہ ہوگی، دین صحیح ہر وہ دین ہے جو ادا یا ابراء کے بغیر کسی طرح ساقط نہ ہو تو بدل کتابت کی کفالت صحیح نہیں کیونکہ یہ مکاتب کے عاجز ہو جانے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ پس دین صحیح ہوا۔ امام صاحب کے یہاں بدل سعایت، بدل کتابت کے ساتھ ملحق ہے۔ کہ اس کی کفالت بھی صحیح نہیں۔

قولہ فطالب الخ جب کفالت بالمال اپنی پوری شرطوں کیساتھ منعقد ہو جائے تو اب مکفول لہ کو اختیار ہے کفیل سے مال کا مطالبہ کرے اور چاہے اصیل (مقروض) سے اور چاہے تو دونوں سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے اس واسطے کہ **کفالہ ضم الذمۃ الی الذمہ فی المطالبہ** کا نام ہے اور اس ضم کا مقتضی یہ ہے کہ دین اصیل کے ذمہ باقی رہے نہ یہ کہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے پس مکفول لہ جس سے چاہے مطالبہ کر سکتا ہے۔ ہاں اگر اصیل نے اپنی براءت کی شرط کر لی ہو تو اس سے مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ اب عقد کفالہ نہیں رہا حوالہ ہو گیا جیسے عدم براءت محیل کی شرط سے حوالہ کفالہ ہو جاتا ہے۔

قولہ ویصح تعلیق الخ کفالت بالمال کو ایسی شرطوں پر معلق کرنا کہ جو جو کفالت کے مناسب ہوں جائز ہے۔ جس کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ وہ شرط وجوب حق کا سبب ہو مثلاً کفیل یوں کہے کہ اگر مبیع غیر کی مستحق نکلے۔ یا امانت دار تیری امانت کا انکار کرے یا تیری کوئی چیز غصب کرے یا تجھ کو یا تیرے فرزند کو یا تیرے شکار کو قتل کرے تو مجھ پر اس کی قیمت یا دیت ہے اور مکفول لہ اس سے راضی ہو جائے تو تعلیق صحیح ہے۔ دوم یہ کہ امکان استیفاء کی شرط ہو یعنی ضامن کو اصیل سے حاصل کرنا ممکن ہو مثلاً اگر زید آئے تو جو دین اس پر ہے وہ مجھ پر ہے جبکہ زید مکفول عنہ ہو یا کفیل کا مضارب یا امانت دار یا اس کا غاصب ہو تو جو ضمانت اس کے آنے سے متعلق ہے، وہ جائز ہے۔ سوم یہ کہ استیفاء دین کے تعذر کی شرط ہو مثلاً اگر زید شہر سے باہر ہو تو اس کا دین مجھ پر ہے یا تیرا جو دین فلاں پر ہے اگر وہ تلف ہو جائے یا وہ مر جائے یا تیرے دین کا وعدہ آئے اور وہ نہ دے یا چھ ماہ تک تیرا دین نہ دے تو میں ضامن ہوں ان سب صورتوں میں تعلیق مذکور صحیح ہے کیونکہ یہ سب شرطیں کفالت کے مناسب ہیں اور در اصل صحت کی دلیل یہ آیت ہے "**ولمن جاء بہ حمل بعیر وانا بہ زعیم**" کہ اس میں کفالت کو شرط کیساتھ معلق کیا گیا ہے۔ اور وہ شرط وجوب حمل بعیر کا سبب ہے۔

عہ: بیہقی، ابن عدی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۲ ا

وَلاَ تَصِحُّ بِنَحْوِ اِنْ هَبَّتِ الرِّيْحُ فَاِنْ جَعَلَ اَجَلاً تَصِحُّ الْكَفَالَةُ وَيَجِبُ الْمَالُ حَالاًّ

اور صحیح نہیں کفالت اس طرح کہ اگر ہوا چلے اور اگر ضمانت کی مدت قرار دیدی تو کفالت صحیح ہوگی اور مال واجب ہوگا فورا

فَاِنْ كَفَلَ بِمَالَهٗ عَلَيْهِ فَبَرْهَنَ عَلٰى اَلْفٍ لَزِمَهٗ وَاِلاَّ صُدِّقَ الْكَفِيْلُ فِيْمَا اَقَرَّ

اگر کفیل ہوا اس کا جو مدعی کا ہے مدعیٰ علیہ پر پس مدعی گواہ لایا ہزار پر تو ہزار لازم ہوں گے ورنہ کفیل کی تصدیق کیجائیگی اس میں جس کا وہ اقرار کرے

بِحَلْفِهٖ وَلاَ يَنْفُذُ قَوْلُ الْمَطْلُوْبِ عَلٰى الْكَفِيْلِ

اس کی قسم کے ساتھ اور نافذ نہ ہوگا مطلوب کا کہنا کفیل پر۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا تصح الخ اگر کفالت کی تعلیق کسی غیر مناسب شرط پر مثلاً یوں کہے کہ اگر ہوا چلی یا بارش برسی تو میں ضامن ہوں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ مبنی بر خطر ہے یعنی اس کا وجود بالیقین معلوم نہیں تو ایسی شرط باطل ہوگی اور ضامن پر مال لازم نہ ہوگا۔اور اگر ضامن مناسب شرط کو ضمانت کی مدت قرار دے مثلاً یوں کہے کہ میں ہوا چلنے یا بارش آنے تک ضامن ہوں تو ضمانت صحیح ہے۔اس صورت میں مال فی الحال لازم ہوگا۔

قولہ فان کفل الخ زید پر کچھ قرض تھا خالد اس کا ضامن ہو گیا جو کچھ عمرو کے ذمہ ہے اس کا ضامن ہوں اب زید نے بینہ سے ایک ہزار درہم ثابت کئے تو خالد کو ایک ہزار دینے پڑیں گے کیونکہ جو چیز بینہ سے ثابت ہو وہ ایسی ہوتی ہے جیسے بذریعہ مشاہدہ ثابت ہو تو ایک ہزار کی ضمانت صحیح ہوئی لہٰذا ایک ہزار لازم ہوں گے۔اور اگر زید کے پاس بینہ نہ ہو تو پھر کفیل کی تصدیق ہوگی۔اس کی قسم کیساتھ کم کا اقرار کرے یا زائد کا۔اور اگر مکفول عنہ کفیل کے اعتراف سے زائد کا اقرار کرلے تو زائد مقدار کفیل پر نافذ نہ ہوگی۔کیونکہ جب اقرار دوسرے کے خلاف ہو تو بلا ولایت مقبول نہیں ہوتا اور مکفول عنہ کو کفیل پر کوئی ولایت نہیں لہٰذا اس کے حق میں مکفول عنہ کا اقرار مقبول نہ ہوگا۔

وَتَصِحُّ الْكَفَالَةُ بِاَمْرِ الْمَكْفُوْلِ عَنْهُ وَبِغَيْرِ اَمْرِهٖ فَاِنْ كَفَلَ بِاَمْرِهٖ رَجَعَ بِمَا اَدّٰى عَلَيْهِ وَاِنْ كَفَلَ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ

صحیح ہے کفالت مکفول عنہ کے حکم سے بھی اور بلا حکم بھی پس اگر کفیل ہوا اس کے حکم سے تو لے لے اس سے جو ادا کرے اور اگر کفیل ہوا اس کے حکم

لَمْ يَرْجِعْ وَلاَ يُطَالِبُ الاَصِيْلَ بِالْمَالِ قَبْلَ اَنْ يُّؤَدّٰى عَنْهُ فَاِنْ لُوْزِمَ لاَزَمَهٗ

کے بغیر تو نہ لے اس سے، نہ تقاضا کرے اصیل سے مال کا اس کی طرف سے ادا کرنے سے پہلے پس اگر اس کا پیچھا کیا جائے تو وہ بھی اس کا پیچھا کرے،

وَبَرِئَ بِاَدَاءِ الاَصِيْلِ وَلَوْ اَبْرَأَ الاَصِيْلَ اَوْ اَخَّرَ عَنْهُ بَرِئَ الْكَفِيْلُ وَتَاَخَّرَ عَنْهُ

اور بری ہوجائیگا اصیل کے ادا کرنے سے اور اگر بری کردیا اصیل کو یا اس سے مؤخر کردیا تو بری ہوجائیگا کفیل اور مؤخر ہوجائیگا اس سے

وَلاَ يَنْعَكِسُ وَلَوْ . صَالَحَ اَحَدُهُمَا رَبَّ الْمَالِ . عَنْ اَلْفٍ عَلٰى نِصْفِهٖ بَرِئَا.

اور اس کا عکس نہ ہوگا اگر صلح کرلی ان میں سے ایک نے رب المال کیساتھ ہزار کی طرف سے اس کے نصف پر تو دونوں بری ہوجائیں گے۔

(۱) یعنی لا یصح تعلیق الکفالۃ بهبوب الریح ونحوه کنزول المطر فان علق به تصح الکفالۃ ویجب المال حالاً" قال الشراح المذکور فی المختصر مذکور فی الهدایۃ والکافی وهو سهو فان الحکم فیه ان التعلیق لا یصح ولا یلزم المال لان الشرط غیر ملائم فصار کما لو علقه بدخول الدار ونحوه مما لیس بملائم ذکره قاضیخان وغیره ولو جعل الاجل فی الکفالۃ الی هبوب الریح لا یصح التاجیل ویجب المال حالاً اھ قال ابن عابدین فی منحۃ الخالق "النسخۃ التی شرح علیها الزیلعی هکذا" ولا یصح بنحو ان هبت الریح وان جعلا اجلاً فتصح الکفالۃ ویجب المال حالاً" وبهذا فی النهر فتحصلان النسخ ثلاثۃ هذه والتی شرح علیها المولف باسقاط "وان جعلا اجلاً" والذی عزاه الی النسخ المعتمدۃ من الاقتصار علی قوله "ولا تصح بنحو" ان هبت الریح" اذا علمت ذلک فاعلم ان الاخیرۃ لا اشکال فیها وکذا الاولی لان قوله فتصح الکفالۃ اھ جواب قوله وان جعلا اجلاً ویعلم منه ان الکفالۃ لا تصح فی الاول ان کانت النسخۃ بالیاء المثناۃ التحتیۃ فی قوله ولا یصح وان کانت بالفوقیۃ فهی نص فی ذلک واما الثانیۃ فاعتراض الزیلعی وارد علیها اھ ۱۲۔ عنہ..... الزیلعی ۱۲ عنہ..... صاحب البحر ۱۲۔

تشریح الفقہ: قولہ وتصح الخ مکفول عنہ کی اجازت اور بے اجازت دونوں طرح سے کفیل ہونا صحیح ہے پس اگر وہ اس کی اجازت سے کفیل ہوا ہے۔ تو جو کچھ کفالت کی وجہ سے دے وہ مکفول عنہ سے لے لے کیونکہ اس نے قرض اسی کے حکم سے ادا کیا ہے اور اگر بلا حکم کفیل ہوا تو اب اپنا دیا ہوا مکفول عنہ سے نہیں لے سکتا کیونکہ اس صورت میں اس کا دینا بطور احسان ہے اور احسان کرنے والا واپس نہیں لیا کرتا۔ (کفایہ)

قولہ ولو صالح الخ اصیل وکفیل میں سے کسی نے صاحب مال کے ساتھ ایک ہزار کی طرف سے پانچسو پر صلح کر لی تو وہ دونوں بری ہو جائیں گے۔ اگر اصیل نے صلح کی تو اس لئے کہ وہ صلح کی وجہ سے بری الذمہ ہو گیا اور اس کی براءت براءت کفیل کو مستلزم ہے۔ اور کفیل نے صلح کی تو اس لئے کہ اس نے صلح کو ایک ہزار دین کی طرف مضاف کیا ہے جو اصیل کے ذمہ ہیں تو وہ پانچسو سے بری ہو گیا۔ اور اس کی براءت موجب براءت کفیل ہے۔ پھر کفیل کے پانچسو اداء کرنے سے دونوں بری ہو جائیں گے۔ اور کفیل وہ پانچسو اصیل سے لے لیگا۔ (اگر اس کے حکم سے کفیل ہوا ہو ورنہ کچھ نہ لیگا۔

فائدہ: مسئلہ صلح میں چار صورتوں کا احتمال ہے۔ (۱) صلح میں اصیل وکفیل دونوں کی براءت مشروط ہو۔ (۲) فقط کفیل (۳) یا صرف اصیل کی براءت مشروط ہو (۴) براءت سے سکوت ہو، علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ مسئلہ میں آٹھ صورتوں کا احتمال ہے۔ چار باعتبار صلح اصیل اور چار باعتبار صلح کفیل۔ سو اگر دونوں کی یا صرف اصیل کی براءت مشروط ہو یا براءت سے سکوت ہو تو دونوں بری ہو جائیں گے۔ اور اگر صرف کفیل کی براءت مشروط ہو تو اس سے اصل دین ساقط نہ ہوگا۔ بلکہ ضمانت فسخ ہو جائے گی۔ اور پانچسو سے صرف کفیل ہی بری ہوگا۔

وَاِنْ قَالَ الطَّالِبُ لِلْكَفِيْلِ بَرِئْتَ اِلَيَّ مِنَ الْمَالِ رَجَعَ عَلَى الْمَطْلُوْبِ وَفِي بَرِئْتَ اَوْ اَبْرَأْتُكَ لاَ

اگر کہا طالب نے کفیل سے کہ تو بری ہے مجھ تک مال سے تو وہ رجوع کرلے مطلوب پر اگر برئت یا ابرأتک کہا تو نہیں

وَبَطَلَ تَعْلِيْقُ الْبَرَاءَ ةِ مِنَ الْكَفَالَةِ بِالشَّرْطِ وَالْكَفَالَةُ بِحَدٍّ وَقَوَدٍ وَمَبِيْعٍ وَمَرْهُوْنٍ وَاَمَانَةٍ

باطل ہے کفالت سے بری ہونے کو شرط کیساتھ معلق کرنا اور کفالت حد قصاص مبیع گروی اور امانت کی

وَصَحَّ لَوْثَمَنًا وَمَغْصُوْبًا وَمَقْبُوْضاً عَلٰى سَوْمِ الشِّرَاءِ وَمَبِيْعًا فَاسِداً.

اور صحیح ہے اگر مکفول بہ ثمن یا مغصوب یا مقبوض علی سوم الشراء یا بیع فاسد کی مبیع ہو۔

تشریح الفقہ: قولہ وان قال الخ طالب (مکفول لہ) کفیل سے کہا "برئت الی" اور کفیل مکفول عنہ کے حکم سے ضامن ہوا تھا تو جتنے مال کی ضمانت ہوئی تھی اتنا مال وہ مکفول عنہ سے لے لیگا۔ کیونکہ کلمہ الیٰ انتہاء غایت کیلئے ہے۔ اور اس ترکیب میں منتہی صاحب دین ہے۔ اور منتہی کے لئے مبتدا کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہاں مبتدا بجز کفیل کے اور نہیں تو گویا مکفول لہ "برئت الی" سے اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ تو نے مجھ کو مال دیدیا اور میں نے اس پر قبضہ کر لیا لہٰذا کفیل مکفول عنہ پر رجوع کر لیگا اور اگر مکفول لہ نے برئت یا ابراتک کہا تو اس صورت میں کفیل مکفول عنہ پر رجوع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کلام سے صرف کفیل کی براءت کا اظہار ہے نہ کہ قبض مال کا اقرار۔

قولہ وبطل الخ کفالت سے بری کرنے کو کسی شرط مثلاً دخول دار یا مجیٔ غد پر معلق کرنا جائز نہیں کیونکہ براءت میں تملیک کے معنی ہوتے ہیں اور تملیکات تعلیق بالشرط کو قبول نہیں کرتیں پس کفالت صحیح ہوگی اور شرط باطل، پھر فتح ومعراج وغیرہ میں گو بطلان کو شرط غیر ملائم کیساتھ مقید کیا ہے لیکن نہر وغیرہ میں ہے کہ زیلعی وغیرہ کے ظاہر کلام سے ترجیح اطلاق نکلتی ہے۔

---

(۱) ای التکفیل من جہۃ الطالب لازم ہو الاصیل حتی یخلصہ لانہ ہو الذی ادخلہ فی ہذہ العہدۃ ولحقہ ما لحقہ من جہتہ ۱۲

قولہ بحد الخ حد اور قصاص کی ضمانت باطل ہے کیونکہ یہ عقوبات ہیں اور عقوبات میں نیابت جاری نہیں ہوتی اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حق کا استیفاء کفیل سے ممکن نہ ہو ہر ایسے حق کی ضمانت صحیح نہیں جیسے حدود وقصاص۔

قولہ ومبیع الخ قبل القبض بائع کی طرف سے مبیع کا اسی طرح امانت اور شئی مرہون کا ضامن ہونا بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ ضمانت اعیان ہے۔ اور ضمانت اعیان (شوافع کے نزدیک تو جائز ہی نہیں کیونکہ ان کے یہاں اصل یہ ہے کہ کفالت میں اصل دین کا التزام ہوتا ہے پس محل کفالت دین ہی ہوگا نہ کہ عین اور ہمارے نزدیک) گو جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ اعیان مضمون بنفسہا ہوں یعنی ہلاک ہونے کی صورت میں ان کی قیمت واجب ہوتی ہو پس قبضہ سے پہلے مبیع کی ضمانت صحیح نہیں کیونکہ وہ مضمون بالثمن ہے نہ کہ مضمون بالقیمۃ، اسی طرح رہن کہ وہ مضمون بالدین ہے اور امانت مضمون ہی نہیں، ہاں اگر مکفول بہ ثمن ہو یا مغصوب ہو یا مقبوض علی سوم الشراء ہو یا بیع فاسد کی مبیع ہو تو ان کی ضمانت صحیح ہے لکون الثمن دیناً صحیحاً مضموناً علی المشتری وما عداہ فمضمون بنفسہ علی الاصیل۔

وَحَمْلِ دَابَّةٍ مُعَيَّنَةٍ مُسْتَاجَرَةٍ وَخِدْمَةِ عَبْدٍ اُسْتُوْجِرَ لِلْخِدْمَةِ وَبِلاَ قَبُوْلِ الطَّالِبِ

اور باطل ہے کفالت لادنے کی کرائے کے کسی خاص چوپائے پر اور غلام کی خدمت کی جو اجرت پر لیا گیا ہو خدمت کیلئے اور طالب کے قبول کئے بغیر

فِي مَجْلِسِ الْعَقْدِ اِلَّا اَنْ تَكَفَّلَ وَارِثُ الْمَرِيْضِ عَنْهُ وَعَنْ مَيِّتٍ مُفْلِسٍ وَبِالثَّمَنِ لِلْمُوَكِّلِ وَلِرَبِّ الْمَالِ

مجلس عقد میں مگر یہ کہ کفیل ہو مریض کا وارث مریض کی طرف سے یا مردہ مفلس کی طرف سے اور باطل ہے کفالت ثمن کی مؤکل اور رب المال کے

وَلِلشَّرِيْكِ اِذَا بِيْعَ عَبْدٌ صَفْقَةً وَبِالْعُهْدَةِ وَالْخَلاَصِ وَمَالِ الْكِتَابَةِ.

لئے اور شریک کیلئے جبکہ بیچا گیا ہو غلام ایک ہی عقد میں اور کفالت عہدہ کی اور چھڑانے کی اور مال کتابت کی۔

تشریح الفقہ: قولہ وحمل دابۃ الخ اگر کوئی معین سواری بار برداری کے لئے یا کوئی غلام خدمت کے لئے اجرت پر لیا ہو تو سواری کی بار برداری اور غلام کی خدمت گزاری کی ضمانت صحیح نہیں کیونکہ کفیل کو غیر کی سواری اور غلام پر قدرت نہیں تو وہ ان کی تسلیم سے عاجز ہے اور اگر کفیل اپنے پاس سے کوئی سواری یا غلام دے تو اس میں معقود علیہ کا تغیر لازم آتا ہے۔ کیونکہ معقود علیہ معین سواری اور معین غلام ہے۔

قولہ وبلا قبول الخ کفالت بالنفس ہو یا بالمال بہر صورت طالب یعنی مکفول لہ کا مجلس عقد میں قبول کرنا ضروری ہے۔ اگر اس نے مجلس عقد میں کفالت قبول نہ کی تو طرفین کے نزدیک صحیح نہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ وہ مجلس عقد کے بعد اطلاع ہونے پر جائز رکھے تو صحیح ہے۔ ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ عقد کفالت ایک التزامی تصرف ہے تو اس میں ملتزم ہی مستقل ہوگا، طرفین یہ فرماتے ہیں کہ عقد کفالت میں تملیک کے معنی ہوتے ہیں اس لئے اس کا قیام کفیل وطالب ہر دو کیساتھ ہوگا، ہاں اگر کوئی مریض اپنے وارث سے کہے کہ تو میری طرف سے اس مال کا ضامن ہوجا جو مجھ پر دین ہے۔ اور وارث ارباب دیون کی عدم موجودگی میں ضامن ہوجائے تو یہ بالاتفاق صحیح ہے کیونکہ ضمانت درحقیقت وصیت ہے اور مریض طالب کا قائم مقام ہے جس میں طالب کا فائدہ ہے تو گویا وہ بذات خود موجود ہے۔

قولہ وعن میت الخ اگر کوئی شخص مفلسی کی حالت میں انتقال کر جائے اور اس پر کچھ قرض ہو اور اس کی طرف سے کوئی کفیل ہوجائے تو امام صاحب کے نزدیک کفالت صحیح نہیں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک انصاری شخص کا جنازہ لایا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا: اس کے ذمہ کسی کا قرض ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں یارسول ﷺ دو درہم دینا ہیں آپ نے فرمایا اس کے جنازہ کی نماز تمہیں پڑھ لو۔ تو حضرت ابو قتادہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ مجھ پر ہیں، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ یہ دین بلا محل محال ہے۔ اور یہاں محل دین فوت ہو چکا تو یہ دین ساقط کی کفالت ہوئی اور دین ساقط کی کفالت جائز نہیں۔

قولہ وبالثمن الخ ایک شخص نے دوسرے کو کوئی شئی فروخت کرنے کے لئے وکیل بنایا۔ وکیل نے اس کو فروخت کردیا اور مشتری کیجانب سے موکل کیلئے ثمن کا ضامن ہوگیا یا مضارب نے کوئی سامان کسی کے ہاتھ فروخت کیا اور رب المال کے لئے ثمن کا ضامن ہوگیا تو ضمانت صحیح نہیں کیونکہ ثمن پر قبضہ کا حق وکیل اور مضارب کو ہے پس کفیل ہوجانے کی صورت میں دونوں اپنی ذات کے واسطے ضامن ٹھہرے اور یہ جائز نہیں۔ اسی طرح دین مشترک میں احد الشریکین کو دوسرے کے لئے ضامن ہونا صحیح نہیں مثلاً ایک غلام دو آدمیوں میں مشترک تھا دونوں نے اس کو بصفقہ واحدہ فروخت کرڈالا اور شریکین میں سے ایک دوسرے کے حصہ کا ضامن ہوگیا تو یہ صحیح نہیں اس واسطے کہ اگر یہ ضمانت شرکت کیساتھ جائز رکھی جائے تو شریک اپنی ذات کے لئے ضامن ہوگا کیونکہ جو کم وبیش ثمن مشتری یا ضامن ادا کریگا اس میں ضرور شریک کا حصہ ہوگا۔ اور اگر شریک کے حصہ میں ضمانت کو جائز رکھا جائے تو قبل القبض دین کی تقسیم لازم آتی ہے اور یہ دونوں چیزیں جائز نہیں۔

قولہ وبالعھدۃ الخ عہدہ کی ضمانت بھی صحیح نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی سے کوئی غلام خریدے اور مشتری کے لئے کوئی عہدہ کا ضامن ہوجائے۔ عدم صحت کی وجہ یہ ہے کہ لفظ عہدہ کی مراد میں اشتباہ ہے کیونکہ یہ لفظ اس وثیقہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو ملک بائع کا شاہد ہو اور عقد، حقوق عقد، درک اور خیار شرط کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے پس بسبب جہالت اس کی ضمانت صحیح نہیں۔

قولہ والخلاص الخ امام صاحب کے نزدیک ضمان خلاص بھی صحیح نہیں کیونکہ ضمانت خلاص کا مطلب یہ ہے کہ ضامن ہر حال میں مبیع کو اس کے مستحق سے چھڑا کر مشتری کو دیدے خواہ کسی طریق سے ہو اور یہ اس کے بس کی بات نہیں لہذا ضمانت باطل ہوگی۔ صاحبین کے نزدیک ضمانت خلاص کا مطلب یہ ہے کہ اگر ضامن تسلیم مبیع پر قادر ہو تو تسلیم مبیع لازم ہے ورنہ اس کی قیمت لازم ہے۔ تو یہ ضمان ضمان درک کے ہم معنی ہونے کی وجہ سے ان کے یہاں صحیح ہے **فالحاصل ان الخلاف راجع الی التفسیر۔**

فَصْلٌ: وَلَوْ اَعْطَی الْمَطْلُوْبُ الْکَفِیْلَ قَبْلَ اَنْ یُعْطِیَ الْکَفِیْلُ الطَّالِبَ لَا یَسْتَرِدُّ مِنْهُ وَمَارَبِحَ الْکَفِیْلُ فَھُوَ لَهٗ

(فصل) اگر دیدے مطلوب کفیل کو قبل اس کے کہ دے کفیل طالب کو تو واپس نہ لے اس سے اور جو نفع حاصل کرے کفیل تو وہ اسی کا ہے

وَنُدِبَ رَدُّہٗ عَلَی الْمَطْلُوْبِ لَوْشَیْئًا یَتَعَیَّنُ۔

اور مستحب ہے نفع کو واپس کرنا مطلوب پر اگر مال کوئی معین شئ ہو۔

کفالت کے متفرق مسائل

تشریح الفقہ: قولہ ولو اعطی الخ ایک شخص زید کی طرف سے اس کے حکم کے بموجب ایک ہزار کا کفیل ہوا اور ابھی اس نے طالب یعنی مکفول لہ کو بحکم کفالت ایک ہزار روپیہ نہیں دیا تھا کہ مطلوب یعنی مکفول عنہ (زید) نے روپیہ ادا کردیا تو اب زید کفیل سے وہ روپیہ نہیں لے سکتا اس واسطے کہ جب کفالت مکفول عنہ کے حکم سے ہو تو اس کی وجہ سے دو دین ثابت ہوتے ہیں ایک طالب (مکفول لہ) کا دوسرا کفیل کا مگر طالب کا دین فوری ہوتا ہے اور کفیل کا دین اس کی ادائیگی تک مؤخر ہوتا ہے جب وجود سبب کے بعد مطلوب نے ادائیگی دین میں عجلت کی تو ادائیگی ہوگئی۔ اور کفیل اس کا مالک ہوگیا پس مطلوب اس سے واپس نہیں لے سکتا۔ اب اگر کفیل کو اس مال سے کچھ نفع حاصل ہو تو وہ اسی کا ہوگا کیونکہ اسی کے مملوک مال سے حاصل ہوا ہے۔ لیکن کفیل کے لئے مستحب یہ ہے کہ اس کو واپس کردے۔ اگر وہ کوئی ایسی شئی ہو جو متعین ہوجاتی ہو جیسے گیہوں وغیرہ۔

---

(۱) لانہ دین غیر صحیح ۱۲۔ عہ...... کفیل کوئی اجنبی ہو یا اس کا وارث ہو ۱۲۔ عہ...... والجواب عن الحدیث انہ یحتمل الاقرار عن کفالۃ سابقۃ والانشاء والوعد وحکایۃ الفعل لاعموم لھا ۱۲

وَلَوْ اَمر كَفِيْلَهٗ اَنْ يَتعَيَّنَ عَلَيْهِ حَرِيْرًا فَفعَلَ فَالشِّرَاءُ لِلْكَفِيْلِ وَالرِّبْحُ عَلَيْهِ وَمَنْ كَفَلَ عَنْ رَجُلٍ بِمَا ذَابَ لَهٗ

اگر حکم کیا اپنے کفیل کو اس کا کہ مجھ پر بیع عینہ کرلے اس نے ایسا ہی کیا تو خرید کفیل کے لئے ہوگی اور نفع اسی کے ذمہ ہوگا جو کفیل ہوا کسی کی طرف سے

عَلَيْهِ اَوْ بِمَا قُضِیَ لَهٗ عَلَيْهِ فغَابَ الْمَطْلُوْبُ فَبَرْهَنَ الْمُدَّعِی عَلَى الْكَفِيْلِ اَنَّ لَهٗ عَلَى الْمَطْلُوْبِ اَلْفاً

اس کا جو اس کے ذمہ نکلے یا جس کا اس پر حکم کیا جائے اور مطلوب غائب ہوگیا پس بینہ قائم کیا مدعی نے کفیل پر اس کا کہ اس کے مطلوب پر ہزار ہیں

لَمْ تُقْبَلْ وَلَوْ بَرْهَنَ اَنَّ لَهٗ عَلٰى زَيْدٍ كَذَا وَاَنَّ هٰذَا كَفِيْلٌ عَنْهُ بِاَمْرِهٖ قُضِیَ بِهٖ عَلَيْهِمَا

تو قبول نہیں کیا جائیگا اور اس پر بینہ قائم کیا کہ میرے زید پر اتنے ہیں اور یہ اس کے حکم سے اس کا کفیل ہے تو حکم کیا جائیگا اس مال کا دونوں پر

وَلَوْ بِلاَ اَمْرٍ قُضِیَ عَلَى الْكَفِيْلِ فَقَطْ وَكَفَالَتُهٗ بِالدَّرْكِ تَسْلِيْمٌ وَشَهَادَتُهٗ وَخَتْمُهٗ لاَ وَمَنْ ضَمِنَ عَنْ اٰخَرَ

اور اگر بلا حکم ہو تو حکم کیا جائیگا صرف کفیل پر اور کفالت بالدرک اقبال ہے نہ کہ شہادت اور مہر زد کرنا جو ضامن ہوگیا دوسرے کی طرف سے

خَرَاجَهٗ اَوْ رَهَنَ بِهٖ اَوْ ضَمِنَ نَوَائِبَهٗ اَوْ قِسْمَتَهٗ صَحَّ وَمَنْ قَالَ لاٰخَرَ

اس کے خراج کا یا کوئی چیز رہن رکھی خراج کے عوض میں یا ضامن ہوگیا اس کے حوادث کا یا تقسیم کرنے کا تو یہ صحیح ہے جس نے دوسرے سے کہا

ضَمِنْتُ لَكَ عَنْ فُلاَنٍ مِائَةً اِلٰى شَهْرٍ فَقَالَ هِیَ حَالَّةٌ فَالْقَوْلُ لِلضَّامِنِ وَمَنْ اِشْتَرٰى اَمَةً وَكَفَلَ لَهٗ رَجُلٌ

کہ میں تیرے لئے ضامن ہوں فلاں کی طرف سے سو کا ایک ماہ تک اس نے کہا وہ تو فوری ہیں تو قول ضامن کا معتبر ہوگا جس نے باندی خریدی اور کوئی

بِالدَّرْكِ فَاسْتُحِقَّتْ لَمْ يَاْخُذِ الْمُشْتَرِیْ الْكَفِيْلَ حَتّٰى يَقْضِیَ لَهٗ بِالثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ.

اس کے لئے درک کا کفیل ہوگیا اور باندی کسی اور کی نکلی تو مؤاخذہ نہ کرے مشتری کفیل سے یہاں تک کہ فیصلہ کیا جائے اس کے لئے ثمن کا بائع پر۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو امر الخ اصیل (مدعی علیہ) نے اپنے کفیل سے کہا کہ تو بطریق بیع عینہ ایک کپڑا (مثلاً اطلس) قرض دیدے اور پھر اس کو فروخت کر کے میری طرف سے مکفول لہ کو دیدے۔ کفیل نے اس کے حکم کے بموجب ایسا ہی کیا تو یہ خرید کفیل ہی کیلئے ہوگی اور جو نفع اطلس کے بائع نے لیا ہے وہ کفیل کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ عاقد بیع وہی ہے۔ اصیل یعنی مدعی علیہ (مکفول عنہ) پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ یا ضمانتِ نقصان ہے۔ یا توکیل مجہول اور یہ دونوں باطل ہیں۔

فائدہ: بیع العینہ کی صورت یہ ہے کہ دس روپے کی قیمت کا کپڑا منفعت حاصل کرنے کی غرض سے پندرہ روپے میں ادھار فروخت کرے اور مشتری اس کو دس روپے میں فروخت کر کے اپنی ضرورت رفع کرنے کے بعد اصل مالک کے پاس پندرہ روپے پہونچادے اس صورت سے وہ پانچ روپے کا نقصان اٹھائے گا۔ بعض حضرات نے اس کی یہ صورت ذکر کی ہے کہ ایک چیز گراں قیمت خرید کر اپنے بائع کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ ارزاں فروخت کرے۔ پھر بائع اول اس آدمی سے اس ثمن کے عوض لے لے جس کے عوض اس نے خریدی ہے۔ پس بائع اول اس شخص کو کمتر ثمن دے۔ اور وہ شخص مشتری مدیون کو دے۔ مثلاً زید نے دس روپے کی قیمت کا کپڑا خالد کے ہاتھ بیس روپے میں ادھار فروخت کیا اور خالد نے محمود کے ہاتھ دس روپے میں فروخت کر دیا پھر محمود نے زید سے دس روپے میں خرید لیا اور اس کو دس روپے دیدیئے محمود نے وہی دس خالد کو دیئے۔ بعض حضرات نے اس کی اور بھی چند صورتیں ذکر کی ہیں بہر کیف بیع کا

---

(۱) لانہ لم یقر بالدین لانہ لا دین علیہ وانما اقر بمجرد المطالبۃ فیکون القول قولہ ۱۲۔ (۲) لان بمجرد الاستحقاق لا ینتقض البیع علی ظاہر الروایۃ مالم یقض لہ بالثمن علی البائع فلم یجب لہ علی الاصیل رد الثمن فلا یجب علی الکفیل (ہدایہ) وعن ابی یوسف وہو قول الائمۃ الثلاثۃ انہ یرجع بمجرد القضاء بالاستحقاق ۱۲ مجمع الانہر

یہ طریقہ سودخوروں کے ایجاد اور شریعت کی نظر میں نہایت مذموم ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "اذاتبایعتم بالعینة واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظهر علیکم عدوکم" جب تم بطریق بیع عینہ خرید وفروخت کروگے اور بیلوں کے پیچھے پڑ جاؤ گے (یعنی کھیتی باڑی میں مشغول ہو کر جہاد سے غافل ہو جاؤ گے) تو تم ذلیل وخوار ہو جاؤ گے۔ اور تمہارا دشمن تم پر غالب ہو جائے گا۔ امام محمد صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بیع پہاڑوں سے بھی زیادہ گراں ہے امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بیع مکروہ نہیں۔ کیونکہ اکثر صحابہ نے ایسا کیا ہے محقق کمال الدین نے جو تحقیق پیش کی ہے۔ اس سے دونوں قولوں میں توفیق ممکن ہے۔ من شاء فلیر اجع۔

قوله ومن کفل الخ ایک شخص کسی کی طرف سے اس مال کا ضامن ہو گیا جو اس پر مکفول لہ کے لئے ثابت اور واجب ہو۔ یا اس مال کا ضامن ہوا جس کا قاضی اس پر حکم کرے پھر ضمانت کے بعد مطلوب (مکفول عنہ) غائب ہو گیا۔ اور مدعی نے کفیل پر گواہی سے ثابت کیا کہ مطلوب پر میرے ایک ہزار روپے ہیں۔ تو اس کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ جب تک کہ مطلوب غائب حاضر نہ ہو جائے۔ جب وہ آجائے گا تب اس پر مال مذکور کا حکم کیا جائے گا۔ اور تبعیت مطلوب ضامن پر مال کی ادائیگی لازم ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ کفیل نے اس مال کا التزام کیا ہے جس کا قاضی مستقبل میں حکم کرے یا جو آئندہ زمانہ میں مطلوب پر ثابت اور واجب ہو تو یہ اس مال کی ضمانت ہوئی۔ جو مطلوب پر عقد کفالت کے بعد ثابت ہو اور مدعی کا دعویٰ مطلق ہے۔ کیونکہ اس میں وجوب مال بعد از کفالت سے کوئی تعرض نہیں۔ تو دعوی فاسد ہوا لہٰذا گواہی مسموع نہ ہوگی۔

قوله ولو برهن الخ اگر کسی نے قاضی کے یہاں بینہ سے یہ ثابت کیا کہ زید پر (جو غائب ہے) میرا اتنا مال ہے اور یہ شخص (جس کو اس نے قاضی کے یہاں حاضر کیا ہے) اس کے حکم سے اس کا کفیل ہے تو کفیل پر اور زید پر (جو غائب ہے) دونوں پر مال کا حکم کر دیا جائے گا اور اگر کفالت بلا امر ہو تو مال کا حکم صرف کفیل پر کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں مدعی کا بینہ مقبول ہوگا اس واسطے کہ یہاں مکفول بہ مطلق مال ہے اور دعوی بھی مطلق مال کا ہے تو دعوی صحیح ہونے کی وجہ سے بینہ مقبول ہوگا کیونکہ وہ صحت دعوی پر مبنی ہے بخلاف مسئلہ سابقہ کے کہ وہاں مکفول بہ مقید مال تھا۔ یعنی وہ مال جو کفیل پر کفالت کے بعد ثابت ہو اور دعوی مطلق تھا اس لئے بینہ مقبول تھا۔

قوله وکفالة الخ کفالت بالدرک یعنی استحقاق مبیع کی صورت میں ثمن کا ضامن ہو جانا اس بات کا اقرار ہے کہ مبیع بائع کی ملک ہے تو اگر اس کے بعد کفیل دعویٰ کرے کہ مبیع مذکور میری ملک ہے تو دعویٰ مسموع نہ ہوگا لیکن بیع نامہ میں گواہی لکھنا اور مہر زد کرنا ملک بائع کا اقرار نہیں کیونکہ اس میں وہ بات نہیں جو ملک بائع پر دلالت کرے۔ اس واسطے کہ بیع کبھی غیر مالک سے بھی صادر ہوتی ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس نے گواہی اس لئے لکھی ہو تاکہ واقعہ یاد رہے اور اثبات بینہ میں کوشش کرے یا غور وفکر کرکے اگر مصلحت معلوم ہو تو بیع جائز رکھے۔

قوله ومن ضمن الخ دوسرے کی طرف سے خراج کا ضامن ہو جانا اور بواسطہ خراج رہن لینا صحیح ہے خواہ خراج موظف ہو۔ یا خراج مقاسمہ، بعض حضرات نے خراج موظف کی تخصیص کی ہے۔ کیونکہ خراج موظف وہ دین ہے۔ جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہوتا ہے تو خراج موظف دیگر دیون کی طرح ایک مضمون دین ہوا۔ بخلاف خراج مقاسمہ کے کہ وہ مضمون نہیں ہے اور اعیان غیر مضمونہ کی کفالت جائز نہیں۔ خراج موظف وہ ہے جو کاشتکار کے ذمہ ہر سال ایک بار واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح نوائب کی ضمانت صحیح ہے۔ نوائب نائبہ کی جمع ہے بمعنی مصیبت وحادثہ۔ یہاں وہ مال مراد ہے جو حاکم لوگوں پر مقرر کردے۔ نہر الفائق میں ہے کہ نوائب کی دو قسمیں ہیں۔ واجبی اور غیر واجبی۔ نوائب واجبی جیسے مشترک نہر کا صاف کرانا۔ محلّہ کے چوکیدار کی اجرت۔ وہ مال جو بادشاہ لشکر اسلام کے سامان کیلئے یا مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کیلئے معین کردے۔ (جب کہ بیت المال خالی ہو) تو ایسے نوائب کی کفالت بالاتفاق جائز ہے۔ کیونکہ امور مذکورہ ہر مسلم مالدار پر واجب ہیں۔ نوائب غیر واجبی جیسے جبایات یعنی مظالم سلطانی جو لوگوں پر ناحق مقرر ہو گئے ہوں ان کی صحت کفالت میں مشائخ کا اختلاف

ہے۔ شیخ فخر الاسلام بزدوی مائل بصحت ہیں چنانچہ ایضاح الاصلاح میں صحت ہی پر فتوی ہے۔ نیز ضمانت قسمت یعنی نائبہ کے حصہ کی کفالت بھی صحیح ہے۔ قسمت مصدر ہے بمعنی مقسوم اور نائبہ سے مراد نائبہ مؤظفہ مرتبہ مراد ہے جو ہر ماہ یا سہ ماہی میں مقرر ہو بعض نے قسمت کی تفسیر یوں کی ہے کہ پہلے دونوں شریک قسمت کرلیں پھر ایک شریک دوسرے کو دخل نہ دے تو اس کی ضمانت صحیح ہے۔ بعض نے یوں تفسیر کی ہے کہ ایک شریک قسمت کی درخواست دے اور دوسرا شرکت نہ مانے تو اس کی ضمانت صحیح ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

بَابُ كَفَالَةِ الرَّجُلَيْنِ وَالْعَبْدِ وَعَنْهُ

باب دو شخصوں کے اور غلام کے اور غلام کی طرف سے ضامن ہونے کے بیان میں

دَيْنٌ عَلَيْهِمَا وَكُلٌّ كَفَلَ عَنْ صَاحِبِهٖ فَمَا اَدَّاهُ اَحَدُهُمَا لَمْ يَرْجِعْ بِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ

قرض ہے دو آدمیوں پر اور ہر ایک کفیل ہوگیا دوسرے کی طرف سے تو جو کچھ ادا کرے ان میں سے ایک وہ اپنے شریک سے نہ لے

فَاِنْ زَادَ عَلَى النِّصْفِ رَجَعَ بِالزِّيَادَةِ وَاِنْ كَفَلَا عَنْ رَجُلٍ وَكَفَلَ كُلٌّ عَنْ صَاحِبِهٖ

پس جب آدھے سے زیادہ ہو جائے تو زائد لے لے اگر دو شخص ایک کی طرف سے کفیل ہوئے اور ہر ایک دوسرے کی طرف سے کفیل ہوگیا

فَمَا اَدّٰى رَجَعَ بِنِصْفِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ اَوْ بِالْكُلِّ عَلَى الْاَصِيْلِ وَاِنْ اَبْرَأَ الطَّالِبُ اَحَدَهُمَا اَخَذَ الْاٰخَرَ

تو جو کچھ ادا کرے اس کا آدھا اپنے شریک سے یا کل اصیل سے لے لے اور اگر بری کر دیا طالب نے کسی ایک کو تو مواخذہ کر سکتا ہے دوسرے سے

بِكُلِّهٖ وَلَوِ افْتَرَقَ الْمُفَاوِضَانِ وَعَلَيْهِمَا دَيْنٌ اَخَذَ الْغَرِيْمُ اَيًّا شَاءَ بِكُلِّ الدَّيْنِ وَلَا يَرْجِعُ حَتّٰى يُؤَدِّيَ

کل کا اگر جدا ہو گئے دو شریک مفاوضہ اور دونوں پر قرض ہے تو مواخذہ کرے قرض خواہ جس سے چاہے پورے قرض کا اور رجوع نہ کرے یہاں تک کہ

اَكْثَرَ مِنَ النِّصْفِ وَاِنْ كَاتَبَ عَبْدَيْهِ وَاحِدَةً وَكَفَلَ كُلٌّ عَنْ صَاحِبِهٖ فَمَا اَدّٰى اَحَدُهُمَا

ادا کرے نصف سے زائد اگر مکاتب کیا اپنے دو غلاموں کو ایک ہی بار اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے کفیل ہوگیا تو جو کچھ ان میں سے ایک

رَجَعَ بِنِصْفِهٖ وَلَوْ حَرَّرَ اَحَدَهُمَا اَخَذَ اَيًّا شَاءَ بِحِصَّةِ مَنْ لَمْ يُعْتِقْهُ

ادا کرے اس کا نصف لے لے اور اگر ان میں سے کسی ایک کو آزاد کر دیا تو وہ مواخذہ کرے جس سے چاہے اس کے حصہ کا جس کو آزاد نہیں کیا

فَاِنْ اَخَذَ الْمُعْتَقَ رَجَعَ بِنِصْفِهٖ وَ اِنْ اَخَذَ الْاٰخَرَ لَا وَ مَنْ ضَمِنَ عَنْ عَبْدٍ مَالًا

اب اگر وہ آزاد کردہ سے لے تو وہ اپنے ساتھی سے لے لے اور اگر دوسرے سے لے تو نہیں جو شخص ضامن ہوگیا غلام کی طرف سے ایسے مال کا

يُوَاخَذُ بِهٖ بَعْدَ عِتْقِهٖ فَهُوَ حَالٌّ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّهٖ وَلَوِ ادَّعٰى رَقَبَةَ الْعَبْدِ فَكَفَلَ بِهٖ

جس کا مواخذہ اس کی آزادی کے بعد ہونے والا ہے تو وہ فوری ہوگا گو غلام نے اسے معین نہ کیا ہو اگر غلام کی ذات کا دعوی کیا اور کوئی اس کا کفیل

رَجُلٌ فَمَاتَ الْعَبْدُ فَبَرْهَنَ الْمُدَّعِيْ اَنَّهٗ لَهٗ ضَمِنَ قِيْمَتَهٗ وَلَوِ ادَّعٰى عَلٰى عَبْدٍ مَالًا وَكَفَلَ بِنَفْسِهٖ رَجُلٌ

ہوگیا پھر غلام مر گیا مدعی نے ثابت کیا کہ وہ میرا تھا تو ضامن کو اس کی قیمت دینی پڑیگی اگر دعوی کیا غلام پر مال کا اور کفیل ہوگیا کوئی اس کی ذات کا

فَمَاتَ الْعَبْدُ بَرِئَ الْكَفِيْلُ وَلَوْ كَفَلَ عَبْدٌ عَنْ سَيِّدِهٖ بِاَمْرِهٖ فَعَتَقَ فَاَدَّاهُ

پھر غلام مر گیا تو کفیل بری ہو جائیگا اگر کفیل ہوگیا غلام اپنے آقا کی طرف سے اس کے حکم سے پھر وہ آزاد ہوگیا اور اس نے

اَوْ كَفَلَ سَيِّدُهُ عَنْهُ وَاَدَّاهُ بَعْدَ عِتْقِهٖ لَمْ يَرْجِعْ وَاحِدٌ عَلَى الْاٰخَرِ.

مال ادا کیا یا کفیل ہو گیا غلام کا آقا اس کی طرف سے اور مالک نے اس کی آزادی کے بعد مال ادا کیا تو کوئی دوسرے پر رجوع نہیں کریگا۔

تشریح الفقہ: قولہ دین علیھا الخ ایک شخص کا دو آدمیوں پر دین ہے۔ جو صفت اور سبب کے لحاظ سے متحد ہے۔ مثلاً انہوں نے ایک غلام ایک ہزار میں خریدا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہو گیا تو ضمانت صحیح ہے۔ اب ان میں سے کوئی دین ادا کرے گا وہ دوسرے سے وصول نہ کرے گا تاوقتیکہ وہ نصف سے زائد ادا نہ کرلے پس نصف سے جتنا زائد ادا کریگا اتنا دوسرے شریک سے لے لیگا وجہ یہ ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک نصف دین میں اصل ہے اور نصف آخر میں کفیل اور ان دونوں میں کوئی معارضہ نہیں کیونکہ جو بطریق اصالت ہے وہ دین ہے اور جو بطریق کفالت ہے وہ مطالبہ ہے پھر مطالبہ دین کا تابع ہے اس لئے نصف دین کی طرف سے اور زائد نصف کفالت کی طرف سے ادا ہوگا۔

قولہ وان کفلا الخ ایک شخص پر کسی کا دین تھا اس کی طرف سے دو آدمی علیحدہ علیحدہ کل دین کے ضامن ہو گئے پھر ان کفیلوں میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہو گیا تو ان میں سے جو کفیل جتنا مال ادا کرے اس کا نصف اپنے ساتھی سے لے لے کیونکہ یہ ضمانت بلا شائبہ اصالت ہر اعتبار سے کفالت ہے کوئی ایک جہت راجح نہیں بخلاف مسئلہ سابقہ کے کہ اس میں اصالت جہت کفالت پر راجح ہے۔ اور چاہے کل ادا کردہ مال اصیل سے لے لے کیونکہ وہ اس کے حکم سے کل دین کا ضامن ہے۔ اور اگر طالب ان میں سے ایک کو بری کردے تو دوسرے سے کل دین کا مواخذہ کرے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کل دین کا ضامن ہے تو ایک کی براءت سے دوسرے کی براءت نہ ہوئی۔

قولہ وان کاتب الخ آقا نے اپنے دو غلاموں کو ایک ساتھ ایک ہزار کے عوض میں مکاتب کیا اور ہر غلام ایک دوسرے کا کفیل ہو گیا تو قیاس کی رو سے یہ کفالت صحیح نہیں کیونکہ مکاتب اور بدل کتابت کی علیحدہ علیحدہ کفالت صحیح نہیں تو بصورت اجماع بطریق اولیٰ صحیح نہ ہوگی۔ مکاتب کی کفالت تو اس لئے صحیح نہیں کہ کفالت تبرع و احسان ہے اور مکاتب تبرع کا مالک نہیں اور بدل کتابت کی کفالت اس لئے صحیح نہیں کہ کفالت دین کی صحیح ہوتی ہے اور بدل کتابت دین صحیح نہیں بہر کیف قیاس کے اعتبار سے کتابت مذکورہ صحیح نہیں ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں وجہ استحسان یہ ہے کہ عاقل بالغ کا تصرف بقدر امکان واجب التصحیح ہے اور یہاں تصحیح ممکن ہے بایں طور کہ وجوب کے حق میں ہر ایک کو اصیل قرار دیا جائے تو ان دونوں کی آزادی ہزار کی ادائیگی پر معلق ہو جائے گی اور ہر ایک کو دوسرے کے حق میں ایک ہزار کا کفیل مانا جائے پس جو کچھ ایک مکاتب ادا کرے گا اس کا نصف دوسرے سے لے لے گا۔ کیونکہ اب وہ دونوں اصالت اور کفالت میں برابر ہیں، اور اگر بدل کتابت کی ادائیگی سے پیشتر آقا ان میں سے کسی کو آزاد کردے تو آزادی واقع ہو جائے گی۔ اور آزاد کردہ غلام نصف بدل سے بری ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے جو مال کا التزام کیا تھا وہ اس لئے کیا تھا کہ اس کی آزادی کا ذریعہ بنے اور یہاں وہ ذریعہ نہیں بنا بلکہ اس کے بغیر آزادی حاصل ہو گئی۔ لہٰذا نصف بدل ساقط ہو جائے گا۔ اب آقا کے لئے نصف بدل باقی رہا یعنی اس غلام کا حصہ جس کو اس نے آزاد نہیں کیا تو اب وہ دونوں غلاموں میں سے جس سے چاہے مطالبہ کرے۔ آزاد غلام سے تو مطالبہ کا حق کفالت کی وجہ سے ہے اور غیر آزاد سے مطالبہ کا حق اصالت کی وجہ سے ہے۔ اب اگر وہ آزاد غلام سے مطالبہ کرتا ہے تو آزاد غلام دوسرے غلام پر رجوع کرلے گا کیونکہ اس نے اس کی طرف سے اسی کے حکم سے ادا کیا اور غیر آزاد سے مطالبہ کرتا ہے تو وہ رجوع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ خود اپنی طرف سے ادا کر رہا ہے۔

قولہ ومن ضمن الخ ایک شخص غلام کی طرف سے ایسے مال کا ضامن ہوا جس کا مطالبہ غلام سے آزادی کے بعد ہونے والا ہے۔ مثلاً غلام نے کسی کے لئے کچھ مال کا اقرار کرلیا یا کسی سے کچھ مال قرض لے لیا۔ یا کسی نے اس کے پاس کوئی چیز بطور ودیعت رکھدی تھی اس نے اس کو ہلاک کر دیا کہ ان سب صورتوں میں غلام سے مال کا مطالبہ اس کی آزادی کے بعد ہوتا ہے۔ اور ایسے مال کا کوئی ضامن

ہوگیا تو ضامن پر وہ مال فی الحال واجب ہوگا گواس نے فی الحال ہونے کے تصریح نہ کی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ مال تو غلام پر بھی فی الحال ہی واجب ہے۔ مگراس کی تنگدستی کی وجہ سے فی الحال مطالبہ نہیں ہوتا۔ اور کفیل تنگدست نہیں ہے لہٰذا اس پر مال فی الحال لازم ہوگا۔

قولہ ولو کفل عبد الخ غیر مدیون غلام کواس کے آقا نے کفالت کا حکم کیا اور وہ آقا کی طرف سے کفیل ہو گیا۔ نیز آزاد ہو جانے کے بعد اس نے مال ادا کردیا تو غلام میں گو کفالت کی لیاقت نہیں مگر غیر مدیون ہونے کی وجہ سے اس کی مالیت میں آقا کا حق ہے لہذا کفالت کے لئے صرف آقا کا حکم کافی ہے کفالت صحیح ہوجائے گی۔ اور اگر غلام کی طرف سے اس کا آقا کفیل ہو گیا اور غلام کی آزادی کے بعد آقا نے اس کی طرف سے مال ادا کردیا تو یہ کفالت بھی صحیح ہے۔ مگران میں سے کوئی ایک دوسرے پر رجوع نہیں کرسکتا۔ کیونکہ موجب رجوع یعنی کفالت بالامر متحقق ہے اور مانع رجوع یعنی رقیت زائل ہوچکی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ نہ آقا غلام پر دین کا مستحق ہے اور نہ غلام آقا پر۔ پس عقد کفالت ابتداءً غیر موجب رجوع ہوا۔ تو بعد میں موجب رجوع نہیں ہوسکتا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

کتاب الحوالة

قولہ کتاب الخ کفالہ کے بعد حوالہ کو بیان کررہا ہے۔ مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں وثوق واعتماد کی خاطر اس دین کا التزام ہوتا ہے جو اصیل کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حوالہ اصیل کی براءت مقیدہ پر مشتمل ہوتا ہے اور کفالہ میں یہ چیز نہیں ہوتی پس کفالہ بمنزلہ مفرد ہوا اور حوالہ بمنزلہ مرکب۔ اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہی ہے۔

قولہ الحوالة الخ حوالہ لغۃً بمعنی نقل وزوال ہے۔ فی المصباح" حوله تحويلاً وحول هو تحويلاً۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردیا یا وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا (یعنی لازم ومتعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے) بعض حضرات نے احالہ کا اسم مصدر کہا ہے۔ فی الصحاح " يقال احال عليه بدينه والا سم الحوالة۔ یعنی اس نے اپنا قرض دوسرے کے حوالہ کردیا' اصطلاحی تعریف آگے آرہی ہے۔

هِیَ نَقْلُ الدَّیْنِ مِنْ ذِمَّةٍ اِلٰی ذِمَّةٍ وَتَصِحُّ فِی الدَّیْنِ لاَ فِی الْعَیْنِ بِرِضَا الْمُحْتَالِ وَالْمُحْتَالِ عَلَیْهِ

وہ منتقل کرنا ہے دین کو ایک ذمہ سے دوسرے کی طرف اور صحیح ہے دین میں نہ کہ عین میں محتال ومحتال علیہ کی رضا سے

وَبَرِئَ الْمُحِیْلُ بِالْقَبُوْلِ مِنَ الدَّیْنِ وَلَمْ یَرْجِعِ الْمُحْتَالُ عَلَی الْمُحِیْلِ اِلاَّ بِالتَّوِیْ وَهُوَ اَنْ یَجْحَدَ الْحَوَالَةَ

بری ہوجاتا ہے محیل قبول کرنے کے بعد قرض سے رجوع نہ کرے محتال محیل پر مگر ہلاکت حق کی صورت میں اور وہ یہ ہے کہ انکار کردے حوالہ کا

وَیَحْلِفَ وَلاَ بَیِّنَةَ لَهٗ عَلَیْهِ اَوْ یَمُوْتُ مُفْلِسًا فَاِنْ طَالَبَ الْمُحْتَالُ عَلَیْهِ الْمُحِیْلَ بِمَا اَحَالَ

اور قسم کھالے اور اس کے پاس بینہ بھی نہ ہو یا محتال علیہ مرجائے مفلس ہوکر پس اگر مطالبہ کیا محتال علیہ نے محیل سے اس مال کا جس کا حوالہ کیا تھا

فَقَالَ الْمُحِیْلُ اَحَلْتُ بِدَیْنٍ لِیْ عَلَیْکَ ضَمِنَ الْمُحِیْلُ مِثْلَ الدَّیْنِ وَاِنْ قَالَ الْمُحِیْلُ لِلْمُحْتَالِ

پس محیل نے کہا کہ میں نے اس دین کا حوالہ کیا تھا جو میرا تجھ پر تھا تو ضامن ہوگا محیل مثل دین کا اگر کہا محیل نے محتال سے

اَحَلْتُکَ لِتَقْبِضَهٗ لِیْ فَقَالَ الْمُحْتَالُ اَحَلْتَنِیْ بِدَیْنٍ لِیْ عَلَیْکَ فَالْقَوْلُ لِلْمُحِیْلِ

کہ میں نے اس لئے حوالہ کیا تھا تا کہ تو میرے لئے وصول کرے محتال نے کہا کہ تونے اس دین کا حوالہ کیا تھا جو میرا تجھ پر تھا تو قول محیل کا معتبر ہوگا

وَلَوْ اَحَالَ بِمَا لَهٗ عِنْدَ زَيْدٍ وَدِيْعَةً صَحَّتْ فَاِنْ هَلَكَتْ بَرِئَ وَكُرِهَ السَّفَاتِجُ.

اگر حوالہ کیا اس مال کا جو زید کے پاس امانت ہے تو صحیح ہے اب اگر وہ امانت ہلاک ہوگئی تو محتال علیہ بری ہو جائیگا اور مکروہ ہے سفاتج۔

توضیح اللغۃ: توی (س) ہلاکت مال (بالقصر وزان حصی ویمد) تجدکرے، مفلس کنگال، سفاتج جمع سفتجہ۔

تشریح الفقہ: قولہ ھی نقل الخ اصطلاح شرع میں محیل کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف دین منتقل کر دینے کو حوالہ کہتے ہیں جو شخص حوالہ کرے (یعنی مدیون) اس کو محیل جس کا دین ہو اس کو محتال محتال لہ محال محال لہ حویل۔ جو حوالہ قبول کرے اس کو محتال علیہ محال علیہ جس سال کا حوالہ کیا جائے اس کو محال بہ کہتے ہیں مثلاً خالد پر زید کے ہزار درہم قرض ہیں پس خالد نے اپنا قرض محمود پر حوالہ کر دیا اور محمود نے قبول کر لیا تو خالد کو محیل، زید کو محتال، محمود کو محتال علیہ اور ہزار درہم کو محال بہ کہیں گے۔

قولہ وتصح الخ حوالہ صرف دین کا صحیح ہے عین کا صحیح نہیں۔ صحت حوالہ دین کی دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کو حوالہ کیا جائے مالدار پر تو چاہئے کہ حوالہ قبول کرے" اور عین کا حوالہ اس لئے صحیح نہیں کہ حوالہ نقل حکمی کا نام ہے۔ اور دین وصف حکمی ہے جو ثابت فی الذمہ ہوتا ہے تو نقل حکمی کا تحقق دین ہی میں ہوگا۔ نہ کہ عین میں کیونکہ عین نقل حسی کی محتاج ہے۔ پھر صحت حوالہ کے لئے بالاتفاق محتال اور محتال علیہ دونوں کی رضا شرط ہے۔ رضا محتال تو اس لئے کہ دین اس کا حق ہے اور حسن ادائیگی اور ٹال مٹول میں لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں۔ تو اس کی رضامندی ضروری ہے تاکہ اس کا نقصان لازم نہ آئے اور محتال علیہ کی رضامندی اس لئے شرط ہے کہ اس پر دین کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور لزوم بلا التزام نہیں ہوتا نیز تقاضے کے لحاظ سے لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے کوئی نرمی سے مانگتا ہے کوئی سختی سے۔ اس لئے محتال علیہ کی رضا بھی ضروری ہے" رہا محیل سو بقول مختار اس کی رضا شرط نہیں کیونکہ التزام دین محتال علیہ کا اپنی ذات میں تصرف کرنا ہے جس میں محیل کا کوئی نقصان نہیں بلکہ اس کا فائدہ ہے۔ لہٰذا اس کی رضامندی ضروری نہیں۔

قولہ برئ المحیل الخ جب حوالہ اپنی تمام شرطوں کیساتھ تام ہو جائے تو محیل دین اور مطالبہ دین دونوں سے بری الذمہ ہو جاتا ہے بعض کے نزدیک مطالبہ سے بری ہو جاتا ہے دین سے بری نہیں ہوتا۔ امام زفر کے یہاں مطالبہ سے بھی بری نہیں ہوتا۔ وہ حوالہ کو کفالہ پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ دونوں عقد توثق ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ معانی لغویہ کے موافق ہوا کرتے ہیں۔ اور حوالہ لغۃً بمعنی نقل ہے تو جب دین محیل کے ذمہ سے منتقل ہو گیا تو اب اس کے ذمہ میں باقی رہنے کے کوئی معنی نہیں۔ بخلاف کفالہ کے اس میں دین ذمہ سے منتقل نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کی طرف ملانا ہوتا ہے۔ بہر حال مختار یہی ہے کہ محیل بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ پس محتال محیل پر رجوع نہیں کر سکتا۔ الا یہ کہ اس کا مال ہلاک ہو جائے کہ اس صورت میں رجوع کر سکتا ہے۔ کیونکہ محیل کا بری الذمہ ہونا سلامتی حق محتال کیساتھ مقید ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ براءت استیفاء ہے نہ کہ براءت اسقاط۔ اور جب استیفاء حق متعذر ہو گیا۔ تو اصل مدیون پر رجوع ثابت ہو جائیگا۔ پھر ہلاکت مال احد الامرین سے ہوتی ہے۔ یا تو محتال علیہ عقد حوالہ کا انکار کر دے اور قسم کھالے اور محیل و محتال کے پاس بینہ نہ ہو یا محتال علیہ افلاس کی حالت میں مر جائے ان میں سے جو بھی صورت ہو بہر حال مال کو ہلاک تصور کیا جائے گا اور محتال کو محیل پر رجوع کا حق حاصل ہوگا۔

قولہ فان طالب الخ محتال علیہ نے محیل سے اس دین کے مماثل کا مطالبہ کیا جس کا محیل نے حوالہ کیا تھا اب محیل کہتا ہے کہ میں نے تو اس دین کا حوالہ کیا تھا جو میرا تجھ پر تھا۔ تو محیل کا قول مسموع نہ ہوگا بلکہ وہ محتال علیہ کو مثل دین کا ضمان دیگا۔ کیونکہ محیل دین کا مدعی ہے و محتال علیہ اس کا منکر ہے۔ اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ محتال علیہ کا حوالہ کو قبول کرنا یہ بتا رہا ہے کہ وہ محیل کا مدیون تھا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حوالہ قبول کرنے سے دین کا اقرار لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حوالہ دین کے بغیر بھی صحیح ہے۔

قولہ وان قال الخ محیل سے کہا: میں نے فلاں پر [illegible] حوالہ کیا تھا یعنی میں نے تجھ کو دین وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا تھا محتال

کہتا ہے نہیں بلکہ میرا جو دین تجھ پر تھا تو نے اس کا حوالہ کیا تھا تو یہاں محیل کا قول معتبر ہوگا کیونکہ محتال مدعی دین ہے اور محیل منکر صرف اتنی بات ہے کہ اس نے لفظ حوالہ کو وکالت کے لئے استعمال کیا ہے۔ جس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ لفظ حوالہ مجاز او کالت میں استعمال ہوتا ہے۔

قوله ولو احال الخ محیل نے اپنے اس مال کا حوالہ کیا جو مثلاً زید کے پاس ودیعت تھا یعنی محیل نے محتال علیہ سے کہا کہ زید کے پاس میری امانت ہے اس کو لیکر محتال کا قرض جو مجھ پر ہے ادا کردے تو حوالہ صحیح ہے اب اگر ودیعت ہلاک ہوجائے تو مودع (محتال علیہ) حوالہ سے بری ہوجائے گا۔ اور اپنے پاس سے مال نہیں دینا پڑے گا۔ بلکہ دین محیل پر عائد ہوجائے گا۔ کیونکہ حوالہ ودیعت کیساتھ مقید تھا۔ اور وہ ضائع ہوچکی۔

قوله وکره الخ سفاتج سفتجہ معرب سفتہ (بمعنی شئی محکم) کی جمع ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی شہر میں گیا اور وہاں اس نے کسی تاجر یا مہاجن کو کچھ مال بطور قرض دیدیا اور یہ شرط کرلی کہ تو مجھے اپنے فلاں آدمی کے نام ایک تحریر دیدے جو کسی دوسرے شہر میں ہے۔ تاکہ وہ اس سے روپیہ وصول کرلے اور اس طرح خطرہ راہ سے محفوظ ہوجائے۔ چونکہ اس صورت میں مقرض کو قرض سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی وہ خطرہ راہ سے مطمئن ہوجاتا ہے اور جس قرض سے فائدہ حاصل کیا جائے حدیث میں اس کی ممانعت ہے اس لئے یہ صورت مکروہ ہے۔

کتاب القضاء

اَهْلُهُ اَهْلُ الشَّهَادَةِ وَالْفَاسِقُ اَهْلٌ لِلْقَضَاءِ كَمَا هُوَ اَهْلٌ لِلشَّهَادَةِ اِلَّا اَنَّهُ لاَ يَنْبَغِىْ اَنْ يُقَلَّدَ

قابل قضا وہی ہے جو قابل شہادت ہے فاسق بھی قابل قضاء ہے جیسا کہ وہ قابل شہادت ہے مگر مناسب نہیں یہ کہ فاسق کو قاضی بنایا جائے

وَلَوْكَانَ الْقَاضِىْ عَدْلاً فَفَسَقَ بِاَخْذِ الرِّشْوَةِ لاَيَنْعَزِلُ وَيَسْتَحِقُّ الْعَزْلَ وَاِذَا اَخَذَ الْقَضَاءَ بِالرِّشْوَةِ

اگر قاضی عادل ہو پھر فاسق ہوجائے رشوت لینے کے سبب سے تو معزول نہ ہوگا ہاں مستحق عزل ہوجائیگا اگر حاصل کیا عہدۂ قضاء شوت دے کر

لاَيَصِيْرُ قَاضِياً وَالْفَاسِقُ يُصْلِحُ مُفْتِياً وَقِيْلَ لاَ وَلاَ يَنْبَغِىْ اَنْ يَكُوْنَ الْقَاضِىْ فَظًّا غَلِيْظاً جَبَّاراً عَنِيْداً

تو قاضی نہ ہوگا فاسق مفتی ہوسکتا ہے اور کہا گیا ہے کہ نہیں اور مناسب نہیں یہ کہ ہو قاضی بدمزاج سنگدل سرکش دشمنی کرنے والا

وَيَنْبَغِىْ اَنْ يَكُوْنَ مَوْثُوْقاً بِهِ فِىْ عَفَافِهِ وَعَقْلِهِ وَصَلاَحِهِ وَفَهْمِهِ بِالسُّنَّةِ وَالْاٰثَارِ وَوُجُوْهِ الْفِقْهِ.

بلکہ ہونا چاہئے قابل اعتماد پرہیز گاری، عقل، سمجھ، صلاح، حدیث دانی، صحابہ کے اقوال اور وجوہ فقہ کے عالم ہونے میں۔

توضیح اللغۃ: قضا فیصلہ کرنا، عدل، عادل، نیک صالح، عزل جدا ہونا۔

تشریح الفقہ: قوله کتاب الخ چونکہ قرض و دیون اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں اکثر جھگڑے واقع ہوا کرتے ہیں جن کو شرعی قواعد کے مطابق دور کرنا ضروری ہے۔ اس لئے مصنف دیون اور بیوع کے احکام سے فراغت کے بعد قضا کے احکام بیان کررہا ہے۔ قضاء علی زنۃ کساء مصدر ہے اور لغۃً مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) حکم کرنا، فیصلہ کرنا، یقال قضیت (ض) قضاء بین الخصمین۔ میں نے ان کے درمیان فیصلہ کردیا۔ (مصباح، صحاح، قال تعالیٰ وقضی ربک الاتعبدوا الاایاہ اھ (۲) فارغ ہونا تقول قضیت حاجتی۔ میں نے اپنی ضرورت پوری کرلی۔ اور فارغ ہوگیا۔ (۳) مرنا یقال قضی نحبہ فلاں مرگیا (۴) ادا کرنا تقول قضیت دینی۔ میں نے اپنا قرض ادا کردیا۔ (۵) پہنچانا قال تعالیٰ وقضینا الیہ ذلک الامر" ای انہیناہ الیہ وابلغناہ (۶) گزرنا

عہ...... اضاف الکتاب الی القضاء دون الادب نظرا الی انہ مقصود وبیان الادب متبوع ۱۲ مجمع عہ...... ابن راہویہ عن ابن عباس ۱۲

قال القراء فی قوله تعالیٰ" ثم اقضوا الی ای امضوا الی (۷) مستحکم ومضبوط بنانا۔ قال تعالیٰ " فقضا هن سبع سموت" قال ابو ذویب وعلیها مسرودتان قضا هما داؤد اوضع السوابغ تبع 'اصطلاح شرع میں خصومات کے فیصلہ کو اور قطع منازعات کو قضا کہتے ہیں" وقیل الحکم بن الناس بالحق 'قضا کے ارکان چھ ہیں (۱) حکم (۲) محکوم بہ (یعنی جس امر کا قاضی نے حکم دیا ہو) (۳) محکوم لہ (یعنی مدعی) (۴) محکوم علیہ (یعنی مدعا علیہ) (۵) حاکم (۶) طریق وقد نظمہا ابن الغرس۔

احکام کل قضیة حکمیة ست یلوح بعد ها التحقیق

حکم ومحکوم به وله محکوم علیه وحاکم وطریق

فائدہ: ایمان باللہ کے بعد قضا بالحق عظیم ترین عبادات میں سے ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے یوم من امام عادل افضل من عبادة ستہ ستہ' امام عادل کا ایک دن۔۔ ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے' علماء کرام نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص عہدہ قضا کے لئے متعین ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اس پر قبول قضا فرض عین ہے اور اگر اس کے علاوہ اور لوگ بھی اہلیت قضا رکھتے ہوں تو فرض کفایہ ہے اور اگر اس کو ظلم کا اندیشہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ اگر ظلم کا ظن غالب ہو تو حرام ہے اور اگر ظلم کا اندیشہ نہ ہو اور انصاف کی نیت ہو تو مباح ہے۔

قولہ و اهله الخ لائق قضا وہی ہے جو لائق شہادت ہے اور شہادت سے مراد اداء شہادت ہے نہ کہ تحمل شہادت کیونکہ رقیت وکفر کی حالت میں تحمل شہادت صحیح ہے حالانکہ غلام اور کافر قاضی نہیں ہو سکتا پھر "لہلہ اہل الشہادۃ" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قضا شہادت پر مبنی ہے یہاں تک کہ بناء قوی برضعیف لازم آئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ قضا اور شہادت دونوں کا مرجع ایک ہی ہے۔ یعنی عاقل' بالغ' آزاد' مسلمان' عادل ہونا اور نابینا' محدود فی القذف' بہرا' گونگا نہ ہونا چونکہ اوصاف شہادت اوصاف قضا سے مشہور تر ہیں اس لئے اوصاف قضا کو اوصاف شہادت سے بیان کردیا وقد نظها الحموی فقال۔

شروط القضاء تسع علیک بحفظها لتحرز سبقاً فی طلابک للعلا

بلوغ واسلام وعقل ومنطق فصیح به فصل الخصومة قد جلا

تو لیه حکماً دون سمع لدعوة وحریة سمع والا .بصار قدتلا

وفقدان حد القذف قد شرطواله کما قال زین العابدین فی البحر مجملاً

قولہ والفاسق الخ جب یہ بات طے ہوگئی کہ جو لائق شہادت ہے۔ وہ لائق قضا بھی ہے تو فاسق شخص قضا کا اہل ہوگا کیونکہ وہ شہادت کا اہل ہے مگر فاسق کو قاضی بنانا زیبا نہیں۔ کیونکہ قضاء از قبیل امانت ہے اور فاسق امور دینیہ میں قلت مبالاۃ کیوجہ سے امانت داری کے لائق نہیں اسلئے اس کو قاضی نہیں بنانا چاہیے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قضا فاسق جائز ہی نہیں نوادرات میں ہمارے ائمہ ثلاثہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ فتوی اسی قول پر دینا چاہئے خصوصاً اس زمانہ میں لیکن نہر الفائق میں ہے کہ اگر اس کا اعتبار کیا جائے تو قضا کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا خاص کر ہمارے زمانہ میں پس جو مصنف نے ذکر کیا ہے وہی اصح ہے جیسا کہ عمادیہ اور خلاصہ وغیرہ میں ہے۔

قولہ ولو کان الخ اگر شروع میں قاضی عادل ہو اور پھر رشوت لینے یا دیگر گناہ کبیرہ کرنے کی وجہ سے فاسق ہو جائے تو وہ لائق معزولی ہو جاتا ہے یعنی بادشاہ پر اس کو برطرف کردینا واجب ہے یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (قہستانی عن الواقعات) بعض حضرات کے نزدیک معزول ہو جاتا ہے۔ کرمانی' ابن ملک اور ابن کمال نے اسی پر فتوی ذکر کیا ہے۔ اور اگر کسی نے رشوت دیکر عہدہ قضا حاصل کیا

ہوتو وہ قاضی نہ ہوگا لانہ صح انه علیه السلام لعن الراشی و المرتشی و الرائش۔

(فائدہ اولی): اگر کوئی قاضی رشوت لیکر فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں جن کو صاحب بحر نے فصول عمادی سے نقل کیا ہے۔(۱) جس مقدمہ میں رشوت لی ہے اس میں حکم نافذ ہوگا۔ دیگر مقدمات میں نافذ ہوگا یہ قول شمس الائمہ کا مختار ہے۔(۲) دونوں میں غیر نافذ ہے۔(۳) دونوں میں نافذ ہے۔ یہ بزدوی کا قول ہے۔ اور فتح القدیر میں اسی کو ترجیح دی ہے کیونکہ رشوت ستانی فسق ہے اور پہلے گزر چکا کہ فسق موجب عزل نہیں تو اس کی ولایت قائم رہی لہٰذا حکم نافذ ہوگا۔

(فائدہ ثانیہ): رشوت کی چار قسمیں ہیں۔(۱) جو لینے والے اور دینے والے دونوں پر حرام ہے جیسے تقلید قضاء اور امارت پر رشوت دینا۔(۲) جو قاضی کو حکم کے واسطے دے یہ بھی دونوں حرام ہے خواہ حکم حق ہو یا ناحق۔(۳) جو اس لئے دے کہ رشوت لینے والا سلطان اور حاکم کے پاس اس کا کام بنادے خواہ وہ دفع ضرر ہو یا جلب منفعت یہ لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں۔(۴) جو مدفوع الیہ ظالم کے خوف سے دے خواہ جان کا خوف ہو یا مال کا یہ دینے والے پر حلال ہے اور لینے والے پر حرام۔　　(غایۃ الاوطار)

قولہ و الفاسق یصلح الخ فاسق میں صلاحیت افتاء ہے یا نہیں؟

بعض کہتے ہیں کہ وہ مفتی ہوسکتا ہے کیونکہ فاسق اس خوف سے کہ کوئی اسکو خاطی نہ کہے صحیح مسئلہ بتانے کی کوشش کرتا ہے۔ مصنف نے اس قول کو مقدم کر کے اس کی قوت کی طرف اشارہ کیا ہے مگر صاحب درمختار نے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ظاہر تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق سے فتویٰ لینا اور مسئلہ پوچھنا بالاتفاق حلال نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے۔ اسی پر صاحب مجمع نے یقین ظاہر کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بہت سے متاخرین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

وَالاجْتِهَادُ شَرْطُ الاَوْلَوِیَّةِ وَالْمُفْتِیْ یَنْبَغِیْ اَنْ یَکُوْنَ هٰکَذَا وَ کُرِهَ التَّقَلُّدُ لِمَنْ خَافَ الْحِیَفَ

اور مجتہد ہونا شرط ہے بہتر ہونے کی اور مفتی بھی ایسا ہی ہونا چاہئے اور مکروہ ہے عہدۂ قضاء قبول کرنا اس کے لئے جس کو ظلم کرنے کا اندیشہ ہو

وَاِنْ اَمِنَهٗ لاَ وَلاَ یَسْأَلُهٗ وَیَجُوْزُ تَقَلُّدُ الْقَضَاءِ مِنَ السُّلْطَانِ الْعَادِلِ وَالْجَائِرِ وَمِنْ اَهْلِ الْبَغْیِ فَاِنْ تَقَلَّدَ

اگر اس سے مامون ہو تو نہیں اور اس کا سوال نہ کرے اور جائز ہے عہدۂ قضاء لینا عادل اور ظالم بادشاہ سے اور باغیوں سے جب قاضی ہو جائے

یَسْأَلُ دِیْوَانَ قَاضٍ قَبْلَهٗ وَهُوَ الْخَرَائِطُ الَّتِیْ فِیْهَا السِّجِلاَّتُ وَالْمَحَاضِرُ وَغَیْرُهُمَا وَیَنْظُرُ فِیْ حَالِ

تو طلب کرے پہلے قاضی کا دفتر اور وہ وہ بستے ہیں جن میں احکام کے رجسٹر اور دستاویزیں وغیرہ ہوتی ہیں اور دیکھے قیدیوں کی حالت پس جو حق

الْمَحْبُوْسِیْنَ فَمَنْ اَقَرَّ بِحَقٍّ اَوْ قَامَتْ عَلَیْهِ بَیِّنَةٌ اَلْزَمَهٗ وَاِلاَّ نَادٰی عَلَیْهِ وَعَمِلَ فِی الْوَدَائِعِ وَغَلاَّتِ الْوَقْفِ

کا اقرار کرے یا اس پر بینہ قائم ہو جائے تو اس پر حق لازم کردے ورنہ منادی پھروائے اور عمل کرے امانتوں میں اور وقف کی پیداواری میں

بِبَیِّنَةٍ اَوْ اِقْرَارٍ وَلَمْ یَعْمَلْ بِقَوْلِ الْمَعْزُوْلِ اِلاَّ اَنْ یُّقِرَّ ذُوالْیَدِ اَنَّهٗ سَلَّمَهَا اِلَیْهِ فَیَقْبَلَ قَوْلَهٗ فِیْهَا.

بینہ یا اقرار پر اور نہ عمل کرے معزول قاضی کی بات پر مگر یہ کہ اقرار کرے قابض کہ یہ اس کو قاضی معزول نے دیا ہے تو اس میں اس کا قول قبول کرے

احکام قضاء کا بیان

توضیح اللغۃ: حیف ظلم، جابر ظالم، خرائط جمع خریطہ بستہ، سجلات جمع سجل رجسٹر جس میں دعوے اور احکام وغیرہ لکھے جاتے ہیں، محاضر جمع محضر: دستاویز۔

تشریح الفقہ: قوله والاجتهاد الخ قاضی میں اہلیت اجتہاد کا ہونا بہتر ہے۔ ضروری نہیں۔ ظاہر الروایہ یہی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا حالانکہ آپ اس وقت حدیث السن تھے مرتبہ اجتہاد پر فائز نہ تھے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اہلیت اجتہاد شرط جواز ہے۔ ظاہر کلام قدوری سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے نیز امام محمد نے اصل میں ذکر کیا ہے کہ مقلد کا قاضی ہونا صحیح نہیں لکن الصحیح ماقد مناہ۔

قوله ولا يساله الخ اپنی زبان سے عہدہ قضا کا سوال بلکہ اپنے دل سے اس کی خواہش بھی نہ کرے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص قضا کا سوال کرے گا اس کو اس کی ذات کے سپرد کیا جائے گا۔ (یعنی اس کو من جانب اللہ توفیق خیر نہ ہوگی) اور جس پر جبر کیا جائے گا (یعنی اس کو زبردستی قاضی کیا جائے گا) اس پر فرشتہ نازل ہوگا جو اس کو صراط مستقیم پر قائم رکھے گا" ولبعضهم نظماً۔

احذر من الواوات ار بعة فهن من الحتوف

واوالولاية والوكا لة والوصاية والوقوف

قوله ويجوز الخ شاہ وقت کی جانب سے عہدہ قضاء قبول کرنا جائز ہے خواہ بادشاہ عادل ہو یا ظالم کیونکہ صحابہ کرام نے امیر معاویہ کی طرف سے عہدہ قضاء قبول کیا حالانکہ وہ باطل پر تھا اور حضرت علی حق پر تھے۔ نیز علماء نے حجاج کے زمانہ میں عہدہ قضاء قبول کیا اور حجاج کے ظالم و جابر ہونے میں کوئی شک ہی نہیں فانه افسق اهل زمانه۔

قوله وعمل فی الودائع الخ قاضی منصوب اموال ودیعت اور محاصل وقف میں گواہی یا قابض کے اقرار پر عمل کرے اور قاضی معزول کے قول پر عمل نہ کرے۔ کیونکہ اب وہ رعایا کا ایک فرد ہو گیا ہے۔ ہاں اگر قابض یہ اقرار کرے کہ قاضی معزول نے مجھ کو ودائع اور محاصل اوقات سپرد کئے ہیں تو اب ودائع اور محاصل وقف کے متعلق معزول قاضی کا قول مقبول ہوگا۔ کیونکہ قابض کے اقرار سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قاضی معزول کا قبضہ تھا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَيَقْضِي فِي الْمَسْجِدِ اَوْ دَارِهٖ وَيَرُدُّ هَدِيَّةً اِلَّا مِنْ قَرِيْبِهٖ اَوْ مِمَّنْ جَرَتْ عَادَتُهٗ بِذٰلِكَ وَدَعْوَةً خَاصَّةً

اور فیصلہ کرے مسجد میں یا اپنے گھر میں اور لوٹا دے ہدیہ مگر اپنے رشتہ دار کا یا اس کا جس کی عادت ہے ہدیہ دینے کی اور رد کر دے خصوصی دعوت کو

وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيُسَوِّيْ بَيْنَهُمَا . جُلُوْسًا وَاِقْبَالاً

اور آئے جنازہ کے لئے اور بیمار پرسی کرے اور برابری کرے مدعی اور مدعیٰ علیہ کے درمیان بیٹھک اور متوجہ ہونے میں

وَلْيَتَّقِ عَنْ مُسَارَّةِ اَحَدِهِمَا وَاِشَارَتِهٖ وَتَلْقِيْنِ حُجَّتِهٖ وَضِيَافَتِهٖ وَالْمِزَاحِ وَتَلْقِيْنِ الشَّاهِدِ.

اور احتراز کرے کسی ایک سے سرگوشی اشارہ تلقین حجت قبول دعوت ہنسی اور تلقین شاہد سے

بقیہ احکام قضا

تشریح الفقہ: قوله ويقضی الخ قاضی مسجد میں یا اپنے گھر میں فیصلہ کرے اور لوگوں کو آنے کی عام اجازت دے امام شافعی کے نزدیک فیصلہ کیلئے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ فیصلہ چاہنے کے لئے کسی کی تخصیص نہیں ہر شخص آئے گا مشرک بھی آئے گا جو بشہادت قرآن نجس ہے اور

....

لہ ...... ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، ابن راہویہ، بزار، حاکم عن انس ۱۲

حائضہ عورت بھی آئے گی جس کے لئے دخول مسجد جائز نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے معتکف میں خصومات کا فیصلہ فرماتے تھے چنانچہ روایت میں ہے کہ ابن ابی حدرد پر حضرت کعب بن مالک کا کچھ قرض تھا آپ نے مسجد میں تقاضا کیا اور دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں آنحضرت ﷺ آواز سن کر تشریف لائے اور حضرت کعب کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کچھ قرض معاف کردے حضرت کعب نے منظور کرلیا تو آپ نے فرمایا قم فاقضہ'' ابن تیمیہ نے منتقی میں کہا ہے کہ اس حدیث سے جواز حکم فی المسجد نکلتا ہے' اسی طرح خلفاء راشدین' تابعین' تبع تابعین وغیرہم فصل خصومات کے لئے مسجد میں بیٹھتے تھے۔ چنانچہ ممبر نبوی کے پاس حضرت عمر کا لعان کرنا اور مروان کا فیصلہ کرنا ثابت ہے۔ اور حضرت شریح' شعبی' یحیٰ بن یعمر' ابن اشوع' ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم' سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہم فیصلوں کیلئے مسجد میں بیٹھتے تھے۔ بہر کیف قضا چونکہ ایک اہم ترین عبادت ہے اس لئے نماز کی طرح یہ بھی مسجد میں بلاشبہ جائز ہے۔ رہا امام شافعی کا استدلال سو جواب یہ ہے کہ مشرک کی نجاست سے مراد ظاہری نجاست نہیں بلکہ نجاست باطنی (اعتقادی) مراد ہے۔ اور حائضہ عورت اپنے حیض سے باخبر کردیگی تو قاضی اس کے لئے مسجد کے دروازہ تک آجائے گا۔

تنبیہ: علامہ حموی نے کہا ہے کہ زمان سابق کے لحاظ سے فیصلہ کے لئے مسجد میں بیٹھنا صحیح تھا ہمارے زمانہ میں مناسب نہیں۔ کیونکہ اب لوگ کماحقہ مسجد کا احترام نہیں کرتے۔ اور مساجد میں وہ کام کرتے ہیں جو ہرگز زیبا نہیں حتی کہ جنابت کی حالت میں داخل ہونے سے بھی احتراز نہیں کرتے۔

قوله ویرد هدیة الخ قاضی ہدیے اور سوغات نہ لے واپس کردے ہاں اگر کوئی قرابتدار یا وہ شخص ہدیہ پیش کرے جس کی قبل از قضا ہدیہ دینے کی عادت بھی تو ان کے ہدایا قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ہدیہ بقدر عادت قدیمہ ہو اور ان میں خصومت نہ ہو ورنہ قبول نہ کرے۔ عدم قبول ہدیہ کی اصل دلیل وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ایک عامل کے متعلق ارشاد فرمایا تھا'' **هلا جلس فی بیت ابیه اوبیت امه فینظر ایهدی له ام لا**'' دعوت خاصہ کا بھی یہی حکم ہے۔ کہ قاضی اس میں شرکت نہ کرے' دعوت خاصہ وہ ہے جس میں خاص طور سے قاضی کی خاطر داری ملحوظ ہو یعنی اگر صاحب دعوت کو یہ معلوم ہوجائے کہ قاضی نہیں آئے گا تو وہ دعوت نہ کرے۔ بعض کے نزدیک دعوت نکاح اور دعوت ختنہ کے علاوہ ہر دعوت خاصہ ہے۔ بعض کے نزدیک دس آدمیوں تک دعوت خاصہ ہے اور اس سے زیادہ دعوت عامہ۔

قوله ویسوی الخ قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خصمین مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان بیٹھے۔ اور متوجہ ہونے میں مساوات برتے۔ اور سرگوشی' اشارہ' بلند آوازی' تلقین حجت اور ضیافت وغیرہ سے پرہیز کرے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو اور قاضی پر تہمت نہ لگے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص مبتلا بالقضا ہو تو اسے چاہئے کہ مسلمانوں کے درمیان نشست' اشارہ اور نظر میں برابری رکھے اور احد الخصمین پر آواز بلند نہ کرے'' نیز طرفین کے نزدیک قاضی شاہد کو شہادت کی تلقین نہ کرے کیونکہ اس میں احد الخصمین کی اعانت ہے۔ امام ابو یوسف اور (ایک قول کے لحاظ سے) امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر شاہد پر ہیبت غالب ہو جس کی وجہ سے وہ شرائط شہادت اچھی طرح ادا نہ کرپائے۔ تو اس کی اعانت میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ محل تہمت نہ ہو کیونکہ اگر اس کو تلقین نہ کی جائے تو حق ضائع ہوجائے گا۔ بزازیہ اور قنیہ وغیرہ میں ہے کہ متعلقات قضا میں فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ جو بقول علامہ طحطاوی اکثری ہے نہ کہ کلی۔

ع...... لانهما من حقوق المسلمین ۱۲۔ ع...... قال الله تعالیٰ'' انما المشرکون نجس ۱۲۔ للعہ...... الجماعة الا البخاری عن کعب (وفی معناه روایات اخر) ۱۲۔
للعہ...... والدلیل علیه قوله علیه السلام لعمار'' تقتلک الفئة الباغیة'' ولا خلاف انه کان مع علی وقتله اصحاب معاویة' قال امام الحرمین فی کتاب الارشاد وعلی کان اماما حقا فی ولایة ومقاتلوه بغاة' وحسن الظن بهم یقتضی ان یظن بهم قصد الخیر ۱۲۔ تخریج زیلعی۔
ع...... جس نے یہ کہا تھا هذا لکم وهذا لی'' ۱۲　ع...... بخاری عن ابی حمید ۱۲۔ للعہ...... ابن راہویہ' طبرانی' دار قطنی عن ام سلمہ ۱۲

فَصْلٌ: وَاِذَا ثَبَتَ الْحَقُّ لِلْمُدَّعِي اَمَرَهُ بِدَفْعِ مَا عَلَيْهِ فَاِنْ اَبیٰ حَبَسَهُ فِي الثَّمَنِ وَالْقَرْضِ وَالْمَهْرِ الْمُعَجَّلِ

(فصل) جب ثابت ہو جائے حق مدعی کا تو حکم کرے مدعا علیہ کو اس کے دیدینے کا اگر وہ انکار کرے تو اس کو قید کرے ثمن قرض مہر معجّل اور اس کے

وَمَا الْتَزَمَهُ بِالْكَفَالَةِ لاَ فِي غَيْرِهٖ اِنْ ادَّعَی الْفَقْرَ اِلَّا اَنْ يُثْبِتَ غَرِيمُهٗ غِنَاهُ

بارے میں جس کا اس نے التزام کیا ہو کفالت سے نہ کہ اس کے علاوہ میں اگر دعوی کرے فقر کا مگر یہ کہ ثابت کردے قرضخواہ اس کی مالداری

فَيَحْبِسُهٗ بِمَا رَاٰی ثُمَّ يَسْأَلُ عَنْهُ فَاِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَهٗ مَالٌ خَلاَّهُ وَلَمْ يَحُلْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ غُرَمَائِهٖ

پس قید کرے جس قدر مصلحت ہو پھر پوچھے اس کے متعلق اگر اس کا کوئی مال ظاہر ہو تو چھوڑ دے اور حائل نہ ہو اس کے اور اس کے قرضخواہوں کے

وَرَدَّ الْبَيِّنَةَ عَلیٰ اِفْلاَسِهٖ قَبْلَ حَبْسِهٖ وَبَيِّنَةُ الْيَسَارِ اَحَقُّ وَاَبَّدَ حَبْسَ الْمُوْسِرِ

درمیان اور رد کردے بینہ جو اس کے افلاس پر ہو قید سے پہلے اور تونگری کا بینہ زیادہ قابل سماع ہے اور ہمیشہ قید رکھے مالدار کو

وَيَحْبِسُ الرَّجُلَ لِنَفَقَةِ زَوْجَتِهٖ لاَ فِي دَيْنِ وَلَدِهٖ اِلَّا اِذَا اَبیٰ مِنَ الْاِنْفَاقِ عَلَيْهِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

اور قید کرے مرد کو اس کی بیوی کے نفقہ کی بابت نہ کہ بیٹے کے دین کی بابت مگر اس وقت جبکہ وہ اس پر خرچ کرنے سے انکار کرے۔

جیل خانہ کے احکام

توضیح اللغۃ: غنا مالداری، خلاہ رہا کردے، لم یحل حائل نہ ہو، غرماء جمع غریم، قرض خواہ، افلاس غربت، یسار: مالداری، ابد تابید سے ہے. ہمیشہ کرنا، موسر مال دار، انفاق خرچ کرنا۔

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ اس فصل میں جیل خانہ کے احکام ہیں اور یہ احکام گو احکام قضا ہی سے متعلق ہیں مگر ان میں سے بہت سے احکام مخصوص بالحبس ہیں اس لئے مصنف ان کو علیحدہ فصل میں ذکر کر رہا ہے۔ حبس لغۃً منع کرنے اور روکنے کو کہتے ہیں جو حبسہ (ض) حبساً کا مصدر ہے۔ پھر اس کا اطلاق موضع حبس یعنی جیل خانہ پر ہونے لگا۔ وتجمع علی حبوس کفلس وفلوس۔ (مصباح) مشروعیت جس قرآن کریم سے ثابت ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے" اوینفو امن الارض "یا ان کو (یعنی ڈاکوؤں کو) زمین سے نکال دیا جائے۔ اس میں نفی ارض سے مراد حبس ہے۔ کیونکہ تمام روئے زمین سے نکالنا ممکن نہیں۔

فائدہ: آنحضرت ﷺ صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں کوئی مستقل جیل خانہ نہیں تھا بلکہ مسجد میں یا دہلیز میں محبوس کردیا جاتا تھا (ایک قول یہ بھی ہے کہ عمر فاروق نے مکہ معظمہ میں ایک گھر چار ہزار درہم میں خرید کر جیل خانہ بنایا تھا) جب حضرت علی کا دور آیا تو آپ نے قید خانہ ایجاد کیا جو بانس سے بنایا گیا تھا اور نافع کے نام سے موسوم تھا مگر اس میں چور ایسا کرتے تھے کہ کونھل (نقب) لگایا اور قیدیوں کو نکال لے گئے تو حضرت علی نے مٹی کے ڈھیلوں سے ایک قید خانہ بنایا جس کا نام مخیس تھا یعنی موضع تذلیل یا ذلیل کرنے والا امکان وفیہ یقول

الاترانی کیسا عکیسا بنیت بعد نافع مخیسا

(۱) فی الفوائد الفقهیه لایحبس الاصل فی دین فرعه والمولی فی دین عبده الماذون غیر المدیون والعبدبدین مولاه والمولی بدین مکاتبه ان کان من جنس بدل الکتابة والمکاتب بدین الکتابة، والصبی علی دین الاستهلاک والعاقلة فی دیته وارش اذاکان لهم عطاو فی البحر لایحبس المدیون اذا علم القاضی ان له مالا غائباً او محبوسا موسرا فصارت تسعاً ۱۲ بحر۔

قولہ واذا ثبت الخ جب مدعی کا حق ثابت ہو جائے تو قاضی مدعا علیہ کو قید کرنے میں شتابی نہ کرے بلکہ اس کو ادائیگی حق کا حکم کرے خواہ مدعی کا حق اس کے اقرار سے ثابت ہوا ہو یا بینہ سے۔ اب اگر مدعی علیہ ادائیگی حق سے انکار کرے اور مدعی کا حق وہ دین ہو جو مال کا عوض ہے یا کسی عقد کے ذریعہ لازم کر لیا ہے جیسے ثمن (گو بعوض منفعت ہو جیسے اجرت) قرض (گو کسی ذمی کا ہو) مہر معجّل اور وہ دین جو اس کو عقد کفالت کی وجہ سے لازم ہوا ہو (گو کفالت بالدرک ہو یا ضامن کا ضامن ہو اگر چہ ضامن بکثرت ہوں) تو ان صورتوں میں قاضی مدعی علیہ کو قید کرے اور اگر وہ یہ کہے کہ میں محتاج ہوں تو اس کی بات نہ مانے کیونکہ دعوی فقیر و افلاس امور مذکورہ کے منافی ہے اس واسطے کہ جب اس کے پاس مال یعنی مبیع اور قرض آیا ہے ادائیگی دین پر قدرت ثابت ہو چکی نیز قبول مہر اور قبول کفالت پر اقدام اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایفائے حق پر قادر ہے لہٰذا اس کا یہ کہنا کہ میں محتاج ہوں مسموع نہ ہوگا۔ اور اگر مدعی کا حق اشیاء اربعہ مذکورہ کے علاوہ ہو جس کی نو صورتیں ہیں (۱) مدعی کا حق بدل خلع (۲) بدل مغصوب ہو (۳) اس چیز کا بدل ہو جو اس نے تلف کر ڈالی (۴) بدل دم عمد (۵) بدل عتق نصیب شریک ہو (۶) ارش جنایت ہو (۷) قرابتدار کا نفقہ ہو (۸) بیوی کا نفقہ ہو (۹) مہر مؤجل ہو۔ اور ان امور میں مدعی علیہ اپنے افلاس کا دعوی کرے تو قاضی اس کو قید نہ کرے اس واسطے کہ ہر شخص کے حق میں اصل عسرت و ناداری ہے کیونکہ ہر شخص عدیم المال پیدا ہوا ہے۔ اور مدعی امر عارض یعنی مالداری کا دعویٰ کر رہا ہے۔ تو اس کا دعوی بلا شہادت مقبول نہ ہوگا۔ ہاں اگر مدعی اس کی تو انگری ثابت کر دے تو قاضی اپنی صوابدید کے مطابق اس کو قید کرے اور لوگوں سے اس کے متعلق پوچھ گچھ کرے کہ آیا اس کے پاس کچھ مال ہے یا نہیں اگر مال ظاہر نہ ہو تو اس کو رہا کر دے کیونکہ اب وہ مالدار ہونے تک مہلت دیے جانے کا مستحق ہو چکا ہے۔ تو اب اس کو قید رکھنا ظلم ہے۔ پھر اگر رہائی کے بعد ارباب دیون اس کے ساتھ لگے رہنا چاہیں تو امام صاحب کے نزدیک قاضی ان کو منع کرے۔ کیونکہ محبوس مفلس کو ایفائے حق پر قدرت کے حصول تک مہلت ہے اور حصول قدرت ہر وقت ممکن ہے اس لئے وہ اس کے پیچھے لگے رہیں تا کہ وہ کہیں مال چھپا نہ دے صاحبین اس کے خلاف ہیں۔

قولہ ورد البینۃ الخ اگر مدیون قید ہونے سے پہلے اپنے افلاس پر بینہ قائم کرے تو بینہ مقبول نہ ہوگا۔ ابو بکر اسکاف اور ماوراء النہر کے عام مشائخ نے اس کی تصحیح کی ہے (کمافی فی الھدایۃ والنھایۃ) کیونکہ یہ بینہ نفی غنا پر ہے تو بلا تائید مؤید مقبول نہ ہوگا بخلاف اس کے کہ وہ قید ہونے کے بعد بینہ قائم کرے۔ کہ اس صورت میں اس کا بینہ مؤید ہے کیونکہ کچھ مدت تک قید رہنے کے بعد یہ ظاہر ہو گیا کہ اگر اس کے پاس مال ہوتا تو وہ جیل خانہ کی سختیاں نہ اٹھاتا۔ امام محمد سے ایک روایت ہے کہ قبل از حبس بھی بینہ مقبول ہے۔ ابو بکر محمد بن فضل اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ اور نصر بن یحیٰی وغیرہ کا فتوی اسی روایت پر ہے اور یہی امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے۔

قولہ ویحبس الخ اگر شوہر بیوی کے نفقہ سے باز رہے اور نہ دے تو اس سلسلہ میں شوہر کو قید کیا جائے گا کیونکہ وہ امتناع کی وجہ سے ظالم ہے اور حبس ظلم کا بدلہ ہے لیکن اگر شوہر کے ذمہ بیوی کا گزشتہ نفقہ جمع ہو گیا تو اس کی وجہ سے قید نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ وہ وقت گزر جانے کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

قولہ لافی دین الخ باپ کو اس کی اولاد کے دین کے سلسلہ میں قید نہیں کیا جائے گا اس واسطے کہ حبس ایک قسم کی عقوبت ہے۔ اور جب والدین کو بموجب نص قرآنی اف کہنا بھی حرام ہے تو عقوبت حبس کے کب مستحق ہو سکتے ہیں۔ ہاں اگر باپ اولاد پر خرچ کرنے سے باز رہے تو قید کر دیا جائیگا کیونکہ عدم انفاق کی صورت میں بچوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

محمد حنیف غفرلہ

باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ

باب ایک قاضی کی جانب سے دوسرے قاضی وغیرہ کی جانب خط لکھنے کے بیان میں

وَيَكْتُبُ الْقَاضِي اِلَى الْقَاضِي فِي غَيْرِ حَدٍّ وَقَوَدٍ فَاِنْ شَهِدُوْا عَلٰى خَصْمٍ حَكَمَ بِالشَّهَادَةِ وَكَتَبَ بِحُكْمِهٖ

اور لکھ سکتا ہے قاضی دوسرے قاضی کے پاس حد اور قصاص کے علاوہ میں پس اگر گواہ گواہی دیں مقابل پر تو حکم کرے گواہی سے اور لکھ بھیجے اپنا حکم

وَهُوَ الْمَدْعُوّ سِجِلًّا وَاِلَّا لَمْ يَحْكُمْ وَكَتَبَ الشَّهَادَةَ لِيَحْكُمَ الْمَكْتُوْبُ اِلَيْهِ بِهَا وَهُوَ الْكِتَابُ الْحُكْمِيُّ

اسی کو سجل کہتے ہیں ورنہ حکم نہ کرے بلکہ گواہی لکھ بھیجے تاکہ حکم کرے مکتوب الیہ اس گواہی کے مطابق اسی کو کتاب حکمی کہتے ہیں

وَهُوَ نَقْلُ الشَّهَادَةِ فِي الْحَقِيْقَةِ وَقَرَأَ عَلَيْهِمْ وَخَتَمَ عِنْدَهُمْ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَاِنْ وَصَلَ اِلَى الْمَكْتُوْبِ اِلَيْهِ

اور وہ درحقیقت نقل کرنا ہے گواہی کو اور پڑھے یہ خط گواہوں کے روبرو اور مہر لگا دے ان کے سامنے اور ان کو دیدے پس جب یہ خط پہنچے مکتوب الیہ

وَنَظَرَ اِلٰى خَتْمِهٖ وَلَمْ يَقْبَلْهُ بِلَاخَصْمٍ وَشُهُوْدٍ فَاِنْ شَهِدُوْا اَنَّهٗ كِتَابُ فُلَانٍ الْقَاضِي سَلَّمَهٗ

کے پاس تو دیکھے اس کی مہر کو اور نہ قبول کرے مقابل اور گواہوں کے حاضر ہوئے بغیر پس اگر وہ گواہی دیں کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے جو اس نے ہم

اِلَيْنَا فِي مَجْلِسِ حُكْمِهٖ وَقَرَأَهٗ عَلَيْنَا وَخَتَمَهٗ فَتَحَ الْقَاضِي وَقَرَأَهٗ عَلَى الْخَصْمِ وَاَلْزَمَهٗ مَافِيْهِ

کو اپنی کچہری میں دیا ہے اور ہمارے روبرو پڑھا ہے اور مہر زد کیا ہے تو قاضی اس کو کھول کر مقابل پر پڑھے اور جو اس میں ہو اس کو لازم کردے

وَيَبْطُلُ الْكِتَابُ بِمَوْتِ الْكَاتِبِ وَعَزْلِهٖ وَبِمَوْتِ الْمَكْتُوْبِ اِلَيْهِ اِلَّا اِذَا كَتَبَ بَعْدَ اِسْمِهٖ

اور باطل ہوجاتا ہے خط کاتب کی موت اور اس کی معزولی سے اور مکتوب الیہ کی موت سے مگر یہ کہ لکھدیا ہو اس کے نام کے بعد

وَاِلٰى كُلِّ مَنْ يَّصِلُ اِلَيْهِ مِنْ قُضَاةِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا بِمَوْتِ الْخَصْمِ وَتَقْضِي الْمَرْاَةُ فِي غَيْرِ حَدٍّ وَقَوَدٍ.

کہ مسلمانوں کے قاضیوں میں سے جس کے پاس یہ خط پہونچے نہ کہ مقابل کی موت سے اور فیصلہ کرسکتی ہے عورت حد اور قصاص کے علاوہ میں

تشریح الفقہ: قولہ یکتب الخ اعیان منقولہ اور ہر اس حق میں ایک قاضی دوسری قاضی کے پاس خط لکھ سکتا ہے جس کسی شبہ کی وجہ سے ساقط نہ ہو جیسے دین، نکاح، طلاق، شفعہ، وکالت، وصیت، ایصاء، وراثت، موت، قتل، موجب مال، نسب، غصب، امانت، مضاربت، عاریت، زمین، کپڑا اور غلام باندی وغیرہ امام محمد سے یہی مروی ہے۔ اسی پر متاخرین فقہاء ہیں اور یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے' سقوط بالشبہہ کی قید سے حد اور قصاص خارج ہوگئے کہ ان میں خط پر عمل کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ حقوق ہیں جو شبہ کی وجہ سے ساقط ہوجاتے ہیں۔

قولہ فان شھد واالخ اگر شاہد لوگ خصم حاضر پر گواہی دیں تو قاضی بواسطہ شہادت حکم کرکے اپنے حکم کو قلمبند کرلے تاکہ طول مدت سے واقعہ بھول نہ جائے۔ محفوظ رہے۔ اس کتاب کو جس میں قاضی کا حکم مندرج ہوتا ہے اسلاف کی اصطلاح میں سجل حکمی کہتے ہیں اور اگر خصم حاضر نہ ہو تو قاضی اس پر حکم نہ کرے کیونکہ یہ قضا علی الغائب ہے جو جائز نہیں بلکہ وہ گواہی اس قاضی کے پاس لکھ بھیجے جس کی ولایت میں خصم موجود ہے۔ تاکہ مکتوب الیہ قاضی اس گواہی کے مطابق فیصلہ کرے، قاضی کاتب اس مکتوب کو ان گواہوں کے سامنے پڑھے جو اس کا خط دوسرے قاضی کے پاس لے جائے گا۔ (یا ان کو صرف مضمون سے مطلع کرے) اور مہر لگا کر ان کے حوالے کردے۔ یہ

عہ......اخرہ عن الحبس لانہ لما کان لا یتحقق فی الوجود الا بقاضیین کان مرکبا بالنسبۃ الی ما قبلہ والبسیط قبل المرکب واعلم ان ہذا الباب لیس من کتاب القضا لانہ انما نقل شہادۃ او نقل حکم وانما اوردہ فیہ لانہ من عمل القضاۃ ۱۲۔ عہ......لانہ وارثہ یقوم مقامہ ۱۲۔

سب چیزیں طرفین کے نزدیک ضروری ہیں امام ابو یوسف بھی پہلے اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ صرف انکو اس بات پر گواہ کر لینا کافی ہے کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے لوگوں کی سہولت کی خاطر اسی کو اختیار کیا ہے۔ پھر جب یہ خط مکتوب الیہ قاضی کے پاس پہونچے تو قاضی اس خط کو خصم اور گواہوں کی عدم موجودگی میں نہ پڑھے۔ کیونکہ یہ اداء شہادت کے درجہ میں ہے اس لئے ان کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ اور جب شاہد اس بات کی گواہی دے چکیں کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے اس نے ہم کو اپنی مجلس قضا میں دیا ہے اور ہم کو پڑھ کر سنایا ہے اور مہر بھی لگائی ہے تو اب مکتوب الیہ قاضی اس خط کو کھولکر خصم کے سامنے پڑھے اور جو کچھ اس میں ہو اس کو خصم پر لازم کردے۔

قولہ ویبطل الخ اگر مکتوب الیہ قاضی کے پاس خط پہنچے یا اس کے پڑھنے سے پہلے قاضی کاتب کا انتقال ہو جائے تو اس کا خط باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ شہادت بر شہادت کے درجہ میں ہے۔ اور فروع کی ادائیگی شہادت سے قبل اگر اصل کا انتقال ہو جائے تو فروع کی شہادت باطل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں اس کا خط باطل ہو جائے گا امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں قاضی کا خط کسی طرح باطل نہ ہوگا۔

قولہ وتقضی الخ حدود وقصاص کے علاوہ دیگر حقوق میں عورت قاضی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ عورت گو ناقص العقل ہے لیکن حدود وقصاص کے علاوہ دیگر حقوق میں شہادت کی اہل ہے اور یہ پہلے ثابت ہو چکا کہ جو اہل شہادت ہے وہ اہل قضا بھی ہے۔ البتہ عورت کو قاضی بنانیوالا گنہگار ہوگا کیونکہ بخاری کی حدیث ہے کہ اس قوم کا بھلا نہ ہو جس نے اپنا کاروبار عورت کے سپرد کردیا۔

وَلاَ یَسْتَخْلِفُ قَاضٍ اِلَّا اَنْ یُفَوَّضَ اِلَیْهِ ذٰلِکَ بِخِلاَفِ الْمَامُوْرِ بِالْجُمُعَةِ وَاِذَا رُفِعَ اِلَیْهِ حُکْمُ قَاضٍ

اور قاضی کسی کو اپنا نائب نہ بنائے مگر یہ کہ اس کو اس کا اختیار دیا ہو بخلاف اس کے جو مامور ہو جمعہ کی امامت کا جب آئے اس کے پاس حکم

قَبْلَهٗ اَمْضَاهُ اِنْ لَّمْ یُخَالِفِ الْکِتَابَ وَالسُّنَّةَ الْمَشْهُوْرَةَ وَالاِجْمَاعَ وَیَنْفُذُ الْقَضَاءُ بِشَهَادَةِ الزُّوْرِ فِی الْعُقُوْدِ

پہلے قاضی کا تو اس کو نافذ کردے اگر قرآن، حدیث مشہور اور اجماع کے خلاف نہ ہو اور نافذ ہوگا قاضی کا فیصلہ جھوٹی گواہی سے عقود وفسوخ میں

وَالْفُسُوْخِ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا لاَ فِی الاَمْلاَکِ الْمُرْسَلَةِ وَلاَ یُقْضِیْ عَلیٰ غَائِبٍ اِلَّا اَنْ یَحْضُرَ مَنْ یَقُوْمُ مَقَامَهٗ

ظاہرا بھی اور باطنا بھی نہ کہ املاک مرسلہ میں اور نہ فیصلہ کیا جائے غائب پر مگر یہ کہ حاضر ہو اس کا قائم مقام

کَالْوَکِیْلِ وَالْوَصِیِّ اَوْ یَکُوْنُ مَا یَدَّعِیْ عَلَی الْغَائِبِ سَبَباً لِمَا یَدَّعِیْهِ عَلَی الْحَاضِرِ کَمَنْ اِدَّعیٰ عَیْناً فِیْ یَدِ

جیسے وکیل اور وصی یا ہو وہ چیز جس کا دعویٰ کرتا ہے غائب پر سبب اس کا جس کا دعویٰ کرتا ہے حاضر پر جیسے دعویٰ کرے معین چیز کا جو غیر کے قبضہ میں

غَیْرِهٖ اَنَّهٗ اِشْتَرَاهُ مِنْ فُلاَنٍ الْغَائِبِ وَیُقْرِضُ الْقَاضِیْ مَالَ الْیَتِیْمِ وَیَکْتُبُ الصَّکَّ لاَ الْوَصِیُّ وَالاَبُ.

ہے کہ یہ چیز میں نے خریدی ہے فلاں غائب سے اور قرض دے سکتا ہے قاضی یتیم کا مال اور لکھ لے چک نہ کہ وصی اور باپ

توضیح اللغۃ: زور جھوٹ۔ املاک مرسلہ جن میں ملک کا کوئی معین سبب مذکور نہ ہو۔ صک معرب چک۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا یستخلف الخ قاضی امور قضاء میں کسی دوسرے کو اپنا نائب نہ بنائے کیونکہ حاکم وقت نے اس کو قاضی بنایا ہے۔ اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی طرف سے دوسروں کو قاضی بنائے۔ ہاں اگر حاکم کی طرف سے اجازت ہو مثلاً وہ یہ کہدے کہ تو جس کو چاہے نائب بنالے یا میں نے تجھے قاضی القضاۃ کردیا کہ اول صراحۃ اور دوم دلالۃً اجازت ہے تو اس صورت میں وہ نائب بنا سکتا ہے۔ بخلاف اس کے جو بادشاہ کی جانب سے اقامت جمعہ پر مامور ہو کہ وہ بہر صورت نائب بنا سکتا ہے کیونکہ جمعہ کا وقت معین ہے اور انسان کو عوارض پیش آتے رہتے ہیں تو اقامت جمعہ کی اجازت دینا نائب بنانے کی بھی اجازت ہے۔ ورنہ جمعہ ہی فوت ہو جائے گا۔

ع .... وما فی شرح الدرر من ان الخطیب لیس لہ الاستخلاف ابتداء الا باذن لا اصل لہ ۱۲

قوله واذا رفع الخ جب قاضی کے پاس کسی دوسرے قاضی کے حکم کا مرافعہ ہو اور قاضی اول کا حکم کتاب وسنت اور اجماع کے موافق ہو تو قاضی ثانی اس کو نافذ کردے بشرطیکہ وہ حکم مجتہد فیہ ہو یعنی اس میں مجتہدین کا اختلاف ہو۔ اور ہر قول مستند بالدلیل ہو اور قاضی جانتا ہو کہ اس میں مجتہدین کا اختلاف ہے اگر وہ اختلاف مجتہدین سے ناواقف ہو تو قضا جائز نہیں۔ پس قاضی ثانی اس کو نافذ نہ کرے۔

فائدہ: جب قاضی نے مجتہد فیہ امر کو مختلف جان کر حکم کردیا تو وہ مجمع علیہ ہوگیا اور دوسرے قاضی پر اس کی تنفیذ واجب ہوگئی جب کہ قاضی نے اپنے مذہب کے موافق حکم کیا ہو اگر حکم مذہب کے خلاف ہو اور نسیاناً ہوا ہو تو امام صاحب کے نزدیک قاضی ثانی اس کو بھی نافذ کرسکتا ہے۔ اور اگر عمداً ایسا کیا ہو تو اس میں تنفیذ وعدم تنفیذ دونوں روایتیں ہیں' ظاہر تر روایت تنفیذ کی ہے صاحبین کے نزدیک عمد اور نسیان دونوں صورتوں میں نافذ نہیں کرسکتا۔ محیط' ہدایہ' شرح وقایہ' فتح القدیر وغیرہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

قوله وینفذ الخ اگر کوئی مدعی بواسطہ سبب معین کسی چیز کا دعوی کر کے جھوٹے گواہوں سے اس کو ثابت کردے اور قاضی اس کے متعلق حلت یا حرمت کا فیصلہ کردے تو امام صاحب کے نزدیک عقود (بیع وشراء نکاح واجارہ) اور فسوخ (فرقت وطلاق رد بالعیب واقالہ) میں قاضی کا فیصلہ ظاہراً اور باطناً ہر دو اعتبار سے نافذ ہوگا۔ صاحبین امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف ظاہراً نافذ ہوگا۔ نہ کہ باطناً فتوی اسی پر ہے۔ بخلاف املاک مرسلہ کے کہ ان میں قاضی کا فیصلہ بالاجماع صرف ظاہر میں نافذ ہوتا ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جھوٹی گواہی صرف ظاہر میں حجت ہوتی ہے۔ نہ کہ باطن میں تو فیصلہ بھی صرف ظاہر میں نافذ ہوگا۔ کیونکہ قضا کا نفاذ بقدر حجت ہوتا ہے' امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی کے سامنے ایک عورت پر نکاح کا دعوی کیا اور اس کو جھوٹے گواہوں سے ثابت کردیا۔ حضرت علی نے ان دونوں کے درمیان ثبوت نکاح کا فیصلہ فرمادیا اس پر عورت نے کہا: امیر المومنین اگر اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں تو اس سے میرا نکاح کردیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے دونوں شاہدوں نے تیرا نکاح کردیا۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ یہاں شہود بلاشبہ کاذب تھے اور عورت طالب نکاح تھی اور مرد بھی راغب تھا اس کے باوجود آپ نے نکاح کی تجدید نہیں فرمائی معلوم ہوا کہ شہود زور سے فیصلہ نافذ ہوجاتا ہے۔ ورنہ آپ تجدید نکاح سے پہلو تہی نہ فرماتے۔ نیز قاضی کا فیصلہ قطع منازعت واطلاق تصرف کیلئے ہوتا ہے۔ جس کا نفاذ ظاہراً اور باطناً ہر دو اعتبار سے شریعت میں معہود ہے۔ چنانچہ زوجین کے درمیان تفریق باللعان باطناً نافذ ہوتی ہے۔ حالانکہ عدم طلاق اور کذب زوج کا احتمال موجود ہے۔ اسی طرح اگر متعاقدین باہم اختلاف کریں اور قسم کھالیں تو قاضی عقد کو فسخ کرسکتا ہے اور یہ فسخ باطناً بھی نافذ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بائع کے لئے امۃ مبیعہ کیساتھ وطی جائز ہوتی ہے۔ تو باقی عقود وفسوخ میں بھی قاضی کا فیصلہ نافذ ہوگا۔

تنبیہ: جھوٹے گواہوں کے ذریعہ قاضی کا فیصلہ گو مختلف فیہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ظاہراً اور باطناً ہر دو اعتبار سے نافذ ہے۔ اور دیگر ائمہ کے نزدیک صرف ظاہراً نافذ ہوتا ہے۔ لیکن مدعی کے مرتکب کبیرہ اور لائق بازپرس ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ سب کے نزدیک وہ گنہگار ہوگا۔ نیز امام صاحب گو نفاذ کے قائل ہیں لیکن نفاذ چند شرطوں کیساتھ مشروط ہے جن کو یاد رکھنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ محل قابل قضا ہو تو اگر کسی نے کسی عورت پر اپنی منکوحہ ہونے کا دعوی کیا حالانکہ عورت کا شوہر موجود ہے یا وہ معتدہ یا مرتدہ ہے۔ یا مصاہرت یا رضاعت کے سبب سے مدعی کی محرم ہے تو قاضی کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا نہ ظاہراً اور نہ باطناً۔ کیونکہ قضاء قاضی گویا عقد جدید کا انشاء ہے اور یہاں محل قابل انشاء نکاح نہیں ہے۔ دوم یہ کہ قاضی شہود کے کذب سے ناواقف ہو اگر وہ جانتا ہو کہ گواہ جھوٹے ہیں تو فیصلہ نافذ ہوگا۔ سوم یہ کہ فیصلہ املاک مرسلہ میں نہ ہو (املاک مرسلہ کی تشریح آگے آرہی ہے) چہارم یہ کہ مسئلہ تزوج میں بوقت قضا شاہد موجود ہوں (اکثر فقہاً اسی کے قائل ہیں) اگر ان کی عدم موجودگی میں فیصلہ ہوا ہو تو نافذ نہ ہوگا۔

قوله فی العقود الخ مثلاً مشتری نے ایک شخص پر دعوی کیا کہ اس نے اپنی باندی اتنی قیمت میں میرے ہاتھ فروخت کی ہے اور بائع نے اس کا انکار کیا اس پر مدعی نے جھوٹے گواہ قائم کر کے بیع ثابت کی۔ اور قاضی نے مشتری کے حق میں باندی کا فیصلہ کردیا۔ تو امام

صاحب کے نزدیک فیصلہ ظاہراً اور باطناً نافذ ہے۔اور مشتری کے لئے باندی کیساتھ وطی حلال ہے۔اسی طرح ایک عورت نے اپنے شوہر پر تین طلاقوں کا دعوی کیا۔اور جھوٹے گواہوں سے دعوی ثابت کردیا قاضی نے ان کے درمیان تفریق کا فیصلہ کردیا۔اور عورت نے عدت کے بعد کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا تو امام صاحب کے نزدیک پہلے شوہر کیلئے اس عورت سے وطی حلال نہیں۔نہ ظاہراً اور نہ باطناً۔ اور شوہر ثانی کے لئے ہر طرح حلال ہے خواہ وہ حقیقت حال سے واقف ہو یا نہ ہو اسی پر باقی عقود وفسوخ کو قیاس کرلو۔

قوله لافی الاملاک الخ املاک مرسلہ جن میں ملک کا کوئی معین سبب مذکور نہ ہوں ان میں قاضی کا فیصلہ بالاجماع صرف ظاہر میں نافذ ہوتا ہے۔اس واسطے کہ ملک کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں کبھی ملک شرا سے ثابت ہوتی ہے کبھی وراثت سے۔الی غیر ذلک تو یہاں بطریق اقتضاء اثبات سبب سابق علی القضاء ممکن نہیں۔بخلاف نکاح وغیرہ عقود کے کہ بطریق اقتضا قاضی پر مقدم ہوجاتے ہیں اس لئے ان میں قضا قاضی کی تصحیح ممکن ہے۔

قوله ولو یقضی الخ احناف کے یہاں قضا بر غائب صحیح نہیں خواہ وہ اس کے حق میں مفید ہو یا مضر ہو ہاں یہ کہ اس کا کوئی نائب موجود ہو اس کی موجودگی میں قضا علی الغائب جائز ہے خواہ نائب حقیقی ہو جیسے اس کا وکیل، وصی اور متولی وقف یا نائب حکمی ہو اس کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے انتیس صورتیں مجتبی میں مذکور ہیں ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ مدعی جو دعوی غائب پر کررہا ہے وہ اس دعوی کا سبب ہو جو دعوی شخص حاضر پر ہے۔مثلاً زید کے قبضہ میں ایک مکان ہے کسی نے اس مکان کا دعوی کیا اور قابض پر گواہ قائم کئے کہ اس نے یعنی مدعی نے یہ مکان فلاں غائب سے خریدا ہے۔حاکم نے قابض حاضر کے خلاف فیصلہ کردیا تو یہی فیصلہ شخص غائب پر بھی ہوجائے گا۔اب اگر وہ حکم کے بعد وہ غائب شخص آکر بیع کا انکار کرے تو معتبر نہ ہوگا۔ائمہ ثلاثہ کے یہاں قضاء علی الغائب جائز ہے۔اور دلیل یہ حدیث ہے ''البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر'' اس حدیث میں حضور وعدم حضور کی کوئی قید نہیں۔پس حضور خصم کی شرط لگانا زیادتی بلا دلیل ہے۔ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا تھا کہ احد الخصمین کیلئے حکم نہ کرنا جب تک کہ تو دوسرے کا کلام نہ سن لے' معلوم ہوا کہ دوسرے کے کلام کا معلوم نہ ہونا مانع حکم ہے۔اور ظاہر ہے کہ جب خصم یا اس کا نائب غائب ہو تو اس کے کلام کا علم نہیں ہوسکتا اس لئے عدم موجودگی میں فیصلہ نہیں کیا جاسکتا' نیز شہادت پر عمل کرنا قطع منازعت کیلئے ہوتا ہے اور منازعت اس وقت ہوگی جب دوسرے کی طرف سے انکار ہو اور یہاں انکار نہیں پایا گیا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب التحکیم

باب پنچ بنانیکے بیان میں

حَکَّمَا رَجُلاً لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمَا فَحَكَمَ بِبَيِّنَةٍ اَوْ اِقْرَارٍ اَوْ نُكُولٍ فِي غَيْرِ حَدٍّ وَقَوَدٍ وَدِيَةٍ عَلَى الْعَاقِلَةِ صَحَّ

دو آدمیوں نے پنچ بنایا ایک کو فیصلہ کے لئے پس اس نے فیصلہ کیا بینہ یا اقرار یا انکار سے حد اور قصاص اور عاقلہ پر دیت کے علاوہ میں تو یہ صحیح ہے

لَوْصَلُحَ الْمُحَكَّمُ قَاضِياً وَلِكُلٍّ مِنَ الْمُحَكِّمَيْنِ اَنْ يَرْجِعَ قَبْلَ حُكْمِهٖ فَاِنْ حَكَمَ لَزِمَهُمَا

اگر پنچ قاضی ہونے کے قابل ہو اور پنچ بنانے والوں میں سے ہر ایک رجوع کر سکتا ہے اس کے فیصلہ سے پیشتر اگر وہ فیصلہ کر چکا تو دونوں کو لازم

وَاَمْضَى الْقَاضِيْ حُكْمَهٗ اِنْ وَافَقَ مَذْهَبَهٗ وَاِلَّا اَبْطَلَهٗ

ہوجائیگا اور نافذ کردے قاضی پنچ کا فیصلہ اگر اس کے مذہب کے موافق ہو ورنہ باطل کردے

وَبَطَلَ حُكْمُهٗ لِاَبَوَيْهِ وَوَلَدِهٖ وَزَوْجَتِهٖ كَحُكْمِ الْقَاضِيْ بِخِلَافِ حُكْمِهٖ عَلَيْهِمْ.

اور باطل ہوگا پنچ کا فیصلہ اپنے والدین اور زن وفرزند کے نفع کے لئے جیسے قاضی کا حکم بخلاف پنچ کے اس حکم کے جو ان کے لئے مضر ہو۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** تحکیم فروعات قضا میں سے ہے اور حکم یعنی پنچ کا مرتبہ قاضی کے مرتبہ سے کم ہے کیونکہ قاضی کا حکم عام ہوتا ہے اور حکم کا حکم صرف اسی کیلئے ہوتا ہے جس نے اس کو پنچ تسلیم کیا ہے اس لئے مصنف تحکیم کو قضا کے بعد لا رہا ہے۔ تحکیم کی مشروعیت کتاب وسنت اور اجماع سب سے ثابت ہے قال تعالیٰ **فابعثوا حکماً من اھلہ وحکماً من اھلھا** حدیث میں ہے کہ حضرت ابو شریح نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ جب کسی چیز میں میری قوم کا اختلاف ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں میں فیصلہ کر دیتا ہوں اور فریقین مجھ سے راضی ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خوب بات ہے یہ (نسائی) نیز جواز تحکیم پر صحابہ کا اجماع ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ یہود حضرت سعد بن معاذ پر متفق ہوئے اور آپ نے بنو قریضہ کے درمیان فیصلہ کیا۔ اور اسی طرح حضرت عمر اور حضرت ابی بن کعب کے درمیان کچھ منازعت تھی ان حضرات نے حضرت زید بن ثابت کو حکم تسلیم کیا اور آپ نے فیصلہ کیا۔

قولہ لتحکیم الخ لغت میں تحکیم لوٹانے اور منع کرنے کو کہتے ہیں ویقال ایضاً **حکمتہ فی مالی اذا جعلت الیہ الحکیم فیہ**" میں نے فلاں شخص کو اپنے مال میں پنچ تسلیم کر لیا اور عرف میں تحکیم اس کو کہتے ہیں کہ متخاصمین کسی تیسرے شخص کو حاکم مقرر کر لیں جو ان دونوں کے درمیان حکم کرے۔ اس کا رکن لفظ تحکیم یا (مخاصم کا ہر وہ لفظ جو تحکیم پر دلالت کرے) اور محکم کا قبول کرنا ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ محکم عاقل ہو آزاد اور مسلمان ہونا شرط نہیں پس ذمیوں میں ذمی کا پنچ ہونا صحیح ہے اور یہ کہ محکم میں قضا کی لیاقت ہو یعنی وہ عاقل بالغ عادل مسلمان ہو نابینا، بہرا، محدود فی القذف نہ ہو۔

قولہ حکما رجلا الخ متخاصمین نے ایک شخص کو اپنے درمیان فیصلہ کیلئے پنچ مقرر کیا اور اس نے گواہی یا اقرار یا انکار کے ذریعہ ان میں فیصلہ کر دیا تو یہ صحیح ہے بشرطیکہ حد، قصاص اور دیت علی العاقلہ کے سلسلہ میں نہ ہو اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ تحکیم ہر اس امر میں صحیح ہے جس کے کرنے کا متخاصمین کو اختیار ہو اور وہ بذریعہ صلح درست ہو جاتا ہو اور جو صلح سے جائز نہ ہوتا ہو اس میں تحکیم صحیح نہیں پس بتوع نکاح، طلاق، عتاق، کتابت، کفالت، شفعہ، نفقہ، اموال اور دیون میں تحکیم صحیح ہے اور حد زنا، حد سرقہ، حد قذف، قصاص اور دیت علی العاقلہ میں تحکیم صحیح نہیں۔

عہ..... پس بھیجو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت والوں میں سے ۱۲

مَسَائِلُ شَتّٰی: لاَ یَتِدُ ذُوْ سِفْلٍ فِیْهِ وَلاَ یَنْقُبُ کُوَّةً بِلاَ رِضَی ذِی الْعِلْوِ زَائِغَةٌ مُسْتَطِیْلَةٌ یَتَشَعَّبُ عَنْهَا

(متفرق مسائل) میخ نہ گاڑے نیچے والا گھر میں اور نہ سوراخ کرے بالا خانہ والے کی رضا کے بغیر ایک لمبی گلی ہے جس سے ایک اور نکل رہی ہے

مِثْلُهَا غَیْرُ نَافِذَةٍ لاَیَفْتَحُ اَهْلُ الاُوْلیٰ فِیْهِ بَابًا بِخِلاَفِ الْمُسْتَدِیْرَةِ اِدَّعیٰ دَارًا فِی یَدِ رَجُلٍ

اسی جیسی مگر وہ آر پار نہیں ہے تو نہیں نکال سکتا پہلی گلی والا اس میں دروازہ بخلاف گول گلی کے دعوی کیا ایک گھر کا جو دوسرے کے پاس ہے کہ وہ

اَنَّهٗ وَهَبَهَا لَهٗ فِی وَقْتِ کَذَا فَسُئِلَ الْبَیِّنَةَ فَقَالَ جَحَدَنِیْهَا فَاشْتَرَیْتُهَا وَبَرْهَنَ عَلَی الشِّرَاءِ

گھر اس نے اس کو ہبہ کر دیا تھا فلاں وقت اس سے بینہ طلب کیا گیا تو کہا اس نے ہبہ سے انکار کر دیا تھا پس میں نے اس کو خرید لیا اور بینہ لایا خرید پر

قَبْلَ الْوَقْتِ الَّذِیْ یَدَّعِی فِیْهِ الْهِبَةَ لاَ تُقْبَلُ وَبَعْدَهٗ تُقْبَلُ.

اس وقت سے پہلے جس میں ہبہ کا مدعی ہے تو قبول نہ ہوگا اور اگر اس کے بعد ہو تو قبول ہوگا۔

توضیح اللغۃ: شتی جمع شتیت متفرق 'لایتد' کیل نہ گاڑے' کوہ طاق 'زائغہ کوچہ' مستطیلۃ 'لمبا' یتشعب' بمعنی تفرع 'مستدیرۃ گول' جحدنیہا' اس نے مجھ سے اس کا انکار کر دیا تھا۔

تشریح الفقہ: قولہ لایتد الخ ایک مکان دو منزلہ ہے نیچے والا ایک شخص کا ہے اور اوپر والا دوسرے کا ہے تو امام صاحب کے نزدیک نیچے والا اوپر والے کی اجازت کے بغیر دیوار میں کھونٹی گاڑنے یا طاق کھودنے کا مجاز نہیں کیونکہ اس میں دوسرے کا کچھ نہ کچھ نقصان لازم آتا ہے صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو ایسے فعل کی اجازت ہے جو دوسرے کیلئے مضر نہ ہو۔ قیل فقولهما تفسیر لقوله۔

قولہ زائغہ الخ ایک لمبا کوچہ ہے جس سے ایک اور لمبا کوچہ پھوٹ رہا ہے مگر وہ نافذ نہیں بلکہ دوسری جانب سے بند ہے تو پہلے کوچہ والے اس غیر نافذ کوچہ میں دروازہ نہیں کھول سکتے۔ کیونکہ دروازہ برائے مرور ہوتا ہے اور ان کا حق مرور کوچہ نافذہ میں ہے۔ نہ کہ غیر نافذہ میں ہاں اگر لمبے کوچہ سے کوئی گول کوچہ نکلتا ہو تو اس میں دروازہ کھول سکتے ہیں کیونکہ گول کوچہ صحن مشترک کے مانند ہے کہ اس میں سب کیلئے حق مرور ہے یہی وجہ ہے کہ اگر گول کوچہ میں کوئی مکان فروخت ہو تو حق شفعہ میں سب مشترک ہونگے' کوچہ مستطیلہ اور کوچہ مستدیرہ نافذہ و غیر نافذہ کو اس نقشہ سے سمجھ لو۔
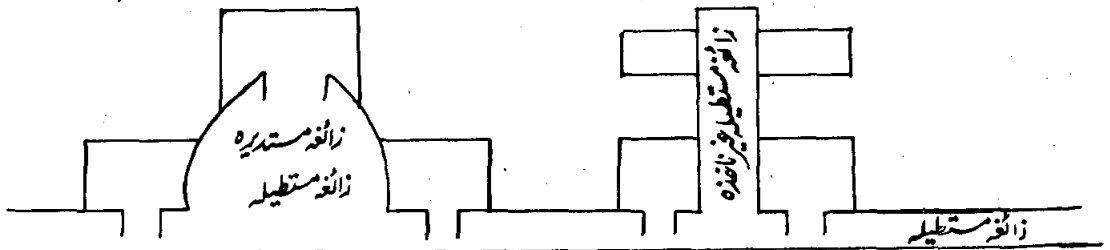
قولہ ادعی الخ زید نے عمرو پر ایک مکان کے متعلق دعوی کیا کہ عمرو نے مجھ کو یہ مکان ماہ رمضان میں ہبہ کر دیا تھا۔ زید سے اثبات ہبہ پر گواہی طلب کی گئی اس نے کہا کہ عمرو ہبہ کر کے منکر ہو گیا تھا اس لئے میں نے وہ مکان اس سے خرید لیا اور خریداری بینہ سے ثابت کر دی لیکن خریداری کا جو وقت اس نے ثابت کیا ہے وہ اس سے پہلے ہے جس میں ہبہ کا مدعی ہے مثلاً گواہوں نے کہا کہ شعبان میں خریدا ہے تو گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ گواہی اور دعوی میں تناقض ہے ہاں اگر وہ خریداری وقت ہبہ کے بعد ثابت کرے تو مقبول ہوگی کیونکہ اب قول مدعی اور شہادت شہود میں تناقض نہیں تطبیق ممکن ہے۔

وَمَنْ قَالَ لِاٰخَرَ اِشْتَرَیْتَ مِنِّی هٰذِهِ الاَمَةَ فَاَنْكَرَ لِلْبَائِعِ اَنْ یَّطَأَهَا اِنْ تَرَکَ الْخُصُوْمَةَ وَمَنْ اَقَرَّ

جس نے کہا دوسرے سے کہ خریدی ہے تو نے مجھ سے یہ باندی اس نے انکار کیا تو بائع اس سے وطی کر سکتا ہے اگر وہ چھوڑ دے جھگڑا جس نے اقرار

بِقَبْضِ عَشَرَةٍ ثُمَّ ادَّعٰی اَنَّهَا زُیُوْفٌ صُدِّقَ مَعَ یَمِیْنِهٖ وَمَنْ قَالَ لِاٰخَرَ لَکَ عَلَیَّ اَلْفٌ فَرَدَّهٗ

کیا دس روپیہ لینے کا پھر دعویٰ کیا کہ وہ کھوٹے تھے تو تصدیق کیجائیگی اس کی قسم کیساتھ جس نے کہا دوسرے سے کہ تیرے مجھ پر ہزار ہیں اس نے رد

ثُمَّ صَدَّقَهٗ فَلَا شَیْءَ عَلَیْهِ وَمَنِ ادَّعٰی عَلٰی اٰخَرَ مَالًا فَقَالَ مَا کَانَ لَکَ عَلَیَّ شَیْءٌ قَطُّ فَبَرْهَنَ الْمُدَّعِی عَلٰی اَلْفٍ

کر دیا پھر اسکی تصدیق کی تو اس پر کچھ نہ ہوگا جس نے دعویٰ کیا دوسرے پر مال کا اس نے کہا کہ مجھ پر تیرا کبھی کچھ نہیں تھا پس مدعی گواہ لایا ہزار پر

وَهُوَ بَرْهَنَ عَلَی الْقَضَاءِ اَوِ الْاِبْرَاءِ قُبِلَ وَلَوْ زَادَ وَلَا اَعْرِفُکَ لَا

اور مدعا علیہ گواہ لایا ادائیگی پر یا بری کر دینے پر تو اس کے گواہ قبول کئے جائیں گے اور اگر یہ بھی کہدیا کہ میں تجھے پہچانتا ہی نہیں تو نہیں،

وَمَنِ ادَّعٰی عَلٰی اٰخَرَ اَنَّهٗ بَاعَهٗ اَمَتَهٗ فَقَالَ لَمْ اَبِعْهَا مِنْکَ قَطُّ فَبَرْهَنَ عَلَی الشِّرَاءِ فَوَجَدَ بِهَا

جس نے دعویٰ کیا دوسرے پر کہ اس نے بیچی ہے میرے ہاتھ اپنی باندی اس نے کہا میں نے تیرے ہاتھ نہیں بیچی پس وہ بینہ لایا خرید پر پھر پایا اس میں

عَیْبًا فَبَرْهَنَ الْبَائِعُ اَنَّهٗ بَرِئَ اِلَیْهِ مِنْ کُلِّ عَیْبٍ لَمْ تُقْبَلْ وَیَبْطُلُ الصَّکُّ بِاِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَاِنْ مَاتَ ذِمِّیٌّ

کوئی عیب اور بینہ لایا بائع ہر عیب سے بری ہونے پر تو قبول نہ کیا جائیگا اور باطل ہو جاتی ہے چک ان شاء اللہ سے اگر مر گیا کوئی ذمی

فَقَالَتْ زَوْجَتُهٗ اَسْلَمْتُ بَعْدَ مَوْتِهٖ وَقَالَتِ الْوَرَثَةُ اَسْلَمْتِ قَبْلَ مَوْتِهٖ فَالْقَوْلُ لَهُمْ

پس کہا اس کی بیوی نے کہ میں مسلمان ہوگئی ہوں اس کی موت کے بعد اور ورثہ نے کہا کہ تو مسلمان ہوگئی تھی اس کی موت سے پہلے تو قول ورثہ کا

وَاِنْ قَالَ الْمُوْدَعُ هٰذَا ابْنُ مُوْدِعِی لَا وَارِثَ لَهٗ غَیْرُهٗ دَفَعَ الْمَالَ اِلَیْهِ وَاِنْ قَالَ لِاٰخَرَ هٰذَا ابْنُهٗ اَیْضًا

معتبر ہوگا اگر کہا مودع نے کہ یہ میرے مودع کا بیٹا ہے اس کا کوئی اور وارث نہیں تو دیدے مال اس کو اور اگر کہا کسی اور کے لئے کہ یہ بھی اس کا بیٹا

وَکَذَّبَهُ الْاَوَّلُ قُضِیَ لِلْاَوَّلِ مِیْرَاثٌ قُسِّمَ بَیْنَ الْغُرَمَاءِ لَا یُکَفَّلُ مِنْهُمْ وَلَا مِنْ وَارِثٍ.

ہے اور پہلے نے اس کی تکذیب کی تو فیصلہ اول ہی کے لئے ہوگا اگر کسی کی میراث تقسیم کیجائے اس کے قرضخواہوں کے درمیان تو ان سے کفیل نہ

لیا جائے اور نہ وارث سے

تشریح الفقہ: قولہ ومن قال الخ زید نے عمرو سے کہا کہ تو نے مجھ سے یہ باندی خریدی ہے۔ عمرو نے خریدنے کا انکار کیا تو بائع (زید) کیلئے اس باندی کیساتھ صحبت کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ بائع نے خصومت کو ترک کر دیا ہو اور ترک خصومت اس فعل سے مقارن ہو جو فسخ بیع سے راضی ہونے پر دال ہو جیسے باندی کو رکھ لینا اسکو اپنے گھر لے آنا وغیرہ۔ صحبت اس لئے جائز ہوئی کہ نکاح کے علاوہ باقی عقود کا انکار کرنا فسخ ہوتا ہے پس مشتری (عمرو) کے انکار سے بیع فسخ ہوگئی اور باندی بائع کی ملک میں داخل ہوگئی لہٰذا صحبت جائز ہے۔

قولہ ومن قال لاخر لک علی الخ زید نے عمرو کے لئے اقرار کیا اور کہا کہ تیرے مجھ پر ہزار درہم ہیں مقرلہ (عمرو) نے اس کا اقرار رد کر دیا یعنی یہ کہدیا کہ میرا تجھ پر کچھ نہیں اس کے بعد اس کی تصدیق کرتا ہے تو مقرلہ کے لئے کچھ نہ ہوگا کیونکہ اس کے رد کرنے سے مقر کا اقرار رد ہوگیا اور رد کر دینے کے بعد تصدیق کرنا مستقل دعوی ہے تو اس کے ثبوت کے لئے گواہی یا تصدیق خصم ضروری ہے مصنف نے الف یعنی مال کے اقرار کی قید اس لئے لگائی کہ رقیت، طلاق، اعتاق، نسب اور ولاء کا اقرار کر دینے سے رد نہیں ہوتا اور تصدیق بعد الرد کی

قیداس لئے لگائی کہ اگر پہلے مقر کا اقرار قبول کر کے پھر رد کرے تو مردود نہ ہوگا۔

قولہ ومن ادعیٰ علی آخر زید نے عمرو پر مال کا دعوی کیا عمرو نے کہا کہ تیرا مجھ پر کچھ بھی نہیں۔ مدعی (زید) نے بینہ سے ثابت کیا کہ میرا عمرو پر اتنا مال ہے ادھر مدعیٰ علیہ (عمرو) نے بینہ سے ثابت کر دیا کہ میں ادا کر چکا یا مدعی نے معاف کر دیا تھا تو مدعی علیہ (عمرو) کا بینہ مقبول ہوگا۔ امام زفر کے نزدیک مقبول نہ ہوگا کیونکہ ادائیگی وجوب کے بعد ہوتی ہے اور وہ وجوب کا انکار کر چکا۔ تو یہاں تناقض پیدا ہو گیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں گو ظاہراً تناقض ہے لیکن دفع تناقض ممکن ہے بایں احتمال کہ ہوسکتا ہے واقع میں مدعی کا مدعی علیہ پر کچھ نہ ہو اور مدعی علیہ نے جھگڑا مٹانے کیلئے ادا کر دیا ہو یا واقعۃً مدعی کا حق ہو اور مدعی نے دفع خصومت کے پیش نظر معاف کر دیا ہو ہاں اگر مدعی علیہ نے انکار کے بعد یہ بھی کہہ دیا ہو کہ میں تجھے جانتا بھی نہیں تو اب اس کا بینہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ دو آدمیوں میں اخذ واعطاء قضاء واقتضاء معانقہ مصافحہ وغیرہ امور بلا معرفت نہیں ہوتے فتعذر التوفیق۔

قولہ انہ باعہ الخ زید نے عمرو پر دعوی کیا کہ اس نے (یعنی عمرو نے) اپنی باندی میرے ہاتھ فروخت کی ہے۔ مدعی علیہ (عمرو) نے کہا کہ میں نے نہیں بیچی اس پر مدعی (زید) نے خرید کو بینہ سے ثابت کر دیا اور باندی کو کسی عیب کی وجہ سے واپس کرنا چاہا اور مدعی علیہ (عمرو) نے بینہ سے ثابت کیا کہ مشتری بائع سے اس کے ہر عیب کی براءت کر چکا ہے تو بائع (عمرو) کا بینہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ اولاً اس نے بیع کا انکار کیا اور پھر اس کا مدعی ہو گیا کیونکہ وہ براءت عیب مبیع کا قائل ہو گیا اور براءت عیب مبیع بیع کے بغیر متصور نہیں فکان التناقض ظاہرًا۔

قولہ ویبطل الخ جس چک (مرقوم کاغذ) کے آخر میں انشاء اللہ لکھدیا جائے تو امام صاحب کے نزدیک اس کا کل مضمون باطل ہو جاتا ہے خواہ اس میں ایک شئی مرقوم ہو یا چند اشیا مرقوم ہوں کیونکہ وہ تمام شئی واحد کے مانند ہیں، صاحبین کے نزدیک صرف پچھلا مضمون باطل ہوگا جو انشاء اللہ سے متصل ہے۔ کیونکہ جملوں میں اصل استقلال ہے اور وثیقہ اعتماد کے لئے لکھا جاتا ہے تو اگر استثنا کل کی طرف راجع ہو تو کل کا بطلان لازم آتا ہے جو مقصود تحریر کے خلاف ہے اس لئے استثنا اسی کیطرف راجع ہوگا جو اس سے متصل ہے۔ صاحبین کا قول مبنی بر استحسان ہے جو امام صاحب کے قول پر راجح ہے۔ (کذا فی الفتح)۔

قولہ میراث الخ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کا متروکہ مال ورثہ یا اس کے قرض خواہوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تو ورثہ اور اس کے قرض خواہوں سے اس بات پر کفیل نہیں لیا جائے گا کہ موجودہ ورثہ یا قرض خواہوں کے علاوہ میت کا کوئی اور وارث یا قرض خواہ نہیں ہے۔ صاحبین کے نزدیک کفیل لیا جائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ترکہ میں کوئی اور وارث یا قرض خواہ نکل آئے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ موجودہ ورثہ یا قرض خواہوں کا حق بالیقین ثابت ہو چکا ہے تو حق مرحوم کی وجہ سے تاخیر کی جائے گی علاوہ ازیں یہاں مکفول لہ مجہول ہے لہٰذا کفالت صحیح نہیں ہوسکتی۔ (فائدہ) اخذ وکیل میں اختلاف مذکور اس وقت ہے جب دین اور وراثت کا ثبوت بذریعہ شہادت ہو اور شاہدوں نے یہ نہ کہا ہو کہ ہم موجودہ ورثہ یا قرض خواہوں کے علاوہ میت کا کوئی اور وارث یا قرض خواہ نہیں جانتے اور اگر ارث ودین کا ثبوت اقرار سے ہو تو بالاتفاق کفیل لیا جائے گا اور اگر شہود یہ کہیں کہ ہم ان کے علاوہ میت کا کوئی اور وارث یا قرض خواہ نہیں جانتے تو بالاتفاق کفیل نہ لیا جائے گا۔

وَلَوْ اِدَّعیٰ دَارًا اِرْثًا لِنَفْسِهٖ وَلِاَخٍ غَائِبٍ وَبَرْهَنَ عَلَيْهِ اَخَذَ نِصْفَ الْمُدَّعیٰ فَقَطْ وَمَنْ قَالَ

اگر دعویٰ کیا گھر کا کہ یہ میراث ہے میرے لئے اور میرے بھائی کے لئے جو غائب ہے اور اس پر بینہ لے آیا تو لے لے مدعیٰ کا نصف، جس نے کہا

مَالِی اَوْ مَا اَمْلِکُ فَهُوَ لِلْمَسَاكِيْنِ صَدَقَةٌ فَهُوَ عَلیٰ مَالِ الزَّکٰوةِ وَلَوْ اَوْصیٰ بِثُلُثِ مَالِهٖ فَهُوَ عَلیٰ كُلِّ شَيْءٍ

کہ میرا مال یا جس کا میں مالک ہوں وہ مسکینوں پر صدقہ ہے تو یہ مال زکوۃ پر محمول ہوگا اور اگر وصیت کی اپنے تہائی مال کی تو یہ ہر چیز پر محمول ہوگا

وَمَنْ اَوصیٰ اِلَیْہِ وَلَمْ یَعْلَمْ بِالْوَصِیَّۃِ فَھُوَ وَصِیٌّ بِخِلَافِ الْوَکِیْلِ وَمَنْ اَعْلَمَہٗ بِالْوَکَالَۃِ صَحَّ تَصَرُّفُہٗ

جس کو وصی بنایا کسی نے اور وہ نہیں جانتا وصیت کو تو وہ وصی ہے بخلاف وکیل کے اگر کوئی خبر دے وکیل کو وکالت کی تو اس کا تصرف صحیح ہے

وَلَا یَثْبُتُ عَزْلُہٗ اِلَّا بِعَدْلٍ اَوْ مَسْتُوْرَیْنِ کَالْاِخْبَارِ لِلسَّیِّدِ بِجِنَایَۃِ عَبْدِہٖ وَلِلشَّفِیْعِ وَالْبِکْرِ

اور ثابت نہ ہوگا اس کا معزول ہونا مگر ایک عادل یا دو مستور الحال لوگوں کی خبر سے جیسے خبر دینا آقا کو غلام کی تقصیر کی اور شفیع کو اور کنواری لڑکی کو

وَالْمُسْلِمِ الَّذِیْ لَمْ یُھَاجِرْ وَلَوْ بَاعَ الْقَاضِیْ اَوْ اَمِیْنُہٗ عَبْدًا لِلْغُرَمَاءِ وَاَخَذَ الْمَالَ فَضَاعَ

اور اس مسلمان کو خبر دینا جس نے ہجرت نہیں کی اگر بیچدیا قاضی یا اس کے امین نے غلام قرض خواہوں کے لئے اور لے لیا مال پس وہ ضائع ہوگیا

وَاسْتُحِقَّ الْعَبْدُ لَمْ یَضْمَنْ وَرَجَعَ الْمُشْتَرِیْ عَلَی الْغُرَمَاءِ وَاِنْ اَمَرَ الْقَاضِی الْوَصِیَّ بِبَیْعِہٖ لَھُمْ

اور غلام کسی اور کا نکل آیا تو ضامن نہ ہوگا اور رجوع کرے گا مشتری قرضخواہوں پر اور اگر حکم کیا قاضی نے وصی کو غلام بیچنے کا قرضخواہوں کے لئے

فَاسْتُحِقَّ اَوْ مَاتَ قَبْلَ الْقَبْضِ وَضَاعَ الْمَالُ رَجَعَ الْمُشْتَرِیْ عَلَی الْوَصِیِّ وَھُوَ عَلَی الْغُرَمَاءِ.

پھر وہ کسی اور کا نکلا یا مرگیا قبضہ سے پہلے اور ضائع ہوگیا مال تو رجوع کرے مشتری وصی پر اور وصی قرض خواہوں پر۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولو ادعی الخ** ایک شخص نے اپنے اور اپنے بھائی کیلئے بطریق ارث ایک مکان کا دعوی کیا اور دعوی کو بینہ سے ثابت کردیا تو امام صاحب کے نزدیک موجودہ مدعی اپنا نصف حصہ لے لے اور باقی کو قابض کے پاس ضامن لئے بغیر چھوڑ دے خواہ قابض نے مدعی کے دعوی کا انکار کیا ہو یا نہ کیا ہو اس واسطے کہ موجودہ مدعی ارث میں غائب کیجانب سے خصم نہیں اور بلا خصم قاضی کو تعرض کرنا جائز نہیں لہٰذا مدعی اپنا حصہ لے ضمانت کی کوئی ضرورت نہیں، صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر قابض نے مدعی کے دعوی کا انکار کردیا ہو تو باقی کو اس کے پاس نہ رکھے کیونکہ انکار کرنے سے اس کی خیانت ظاہر ہوگئی تو اب اس کے پاس رکھنا نقصان سے خالی نہیں۔

قولہ ومن قال الخ ایک شخص نے کہا کہ میرا مال یا جس چیز کا میں مالک ہوں وہ مساکین پر صدقہ ہے تو جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کی جنس پر محمول ہوگا۔ یعنی سائمہ جانور، سونا چاندی اور اسباب تجارت پس انہیں کا صدقہ واجب ہوگا نہ کہ ہر مال کا اور اگر اس نے ثلث مال کی وصیت کی تو وصیت ہر چیز پر واقع ہوگی۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں بھی ہر مملوک چیز کا صدقہ واجب ہوگا۔ اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ لفظ مال تو عام ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ جس چیز میں حق تعالیٰ نے صدقہ واجب کیا ہے۔ بندہ کا ایجاب بھی اسی میں معتبر ہوگا اور مال زکوٰۃ وہی چیزیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں بخلاف وصیت کے کہ وہ ہم جنس میراث ہے تو جیسے میراث ہر چیز میں جاری ہوتی ہے اسی طرح وصیت بھی ہر چیز میں جاری ہوگی۔

قولہ ومن اعلمہ الخ ایک شخص نے کسی کو اپنا وکیل بنایا اور وکیل کو اس کا علم نہیں پھر کسی نے وکیل کو بتادیا کہ فلاں شخص نے تجھ کو اپنا وکیل بنایا ہے تو وہ وکیل ہوجائے گا اور اس کے تصرفات صحیح ہوں گے خواہ مخبر عادل ہو یا غیر عادل، صغیر ہو یا کبیر بہر کیف مخبر کا صرف ممیز ہونا شرط ہے۔ اور کوئی چیز شرط نہیں۔ لیکن اگر مؤکل نے وکیل کو معزول کردیا ہو اور وکیل کو اس کا علم نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک ثبوت عزل

---

(۱) وجہ الفرق ان الوصیۃ خلافۃ فلا تتوقف علی العلم بخلاف الوکالۃ فانہا نیابۃ فلابد من العلم ۱۲۔ (۲) یعنی لو اخبر فاسق السید بان عبدہ جنی خطاء فباع او اعتق لا یصیر مختاراً للفداء عندہ وعندہما یصیر ۱۲۔ مجمع الانہر۔ (۳) فاذا سکت بعد ما اخبر فاسق بالبیع لا یکون تارکاً للشفعۃ عندہ وعندہما یکون ۱۲۔ مجمع الانہر۔ (۴) یعنی اذا اخبر فاسق البکر البالغ بالنکاح فسکتت لا تصیر راضیۃ بالنکاح عندہ خلافاً لہما ۱۲۔ مجمع الانہر۔ (۵) ای من اسلم فی دار الحرب فاخبر بالشرائع لا یؤاخذ عندہ خلافاً لہما (مجمع الانہر) قال شمس الائمۃ السرخسی والاصح عندی انہ یلزمہ القضاء ھہنا لان من یخبرہ فہو رسول ﷺ ۱۲۔

کیلئے ایک عادل یا دو مستور العدالۃ آدمیوں کا خبر دینا شرط ہے اس کے بغیر اس کی معزولی ثابت نہ ہوگی۔ اسی طرح آقا کو اس کے غلام کی جنایت کی اور شفیع کو مشفوعہ مکان کی بیع کی اور باکرہ عورت کو عقد نکاح کی اور اس مسلمان کو احکام اسلام کی خبر دینا ہے جو بھی دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام نہیں آیا کہ تمام صورتوں میں ایک عادل کا یا دو مستور العدالۃ آدمیوں کا خبر دینا شرط ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عزل ونصب دونوں میں دو عادتوں کا خبر دینا ضروری ہے۔ صاحبین کے نزدیک ان تمام مسائل میں مخبر کا صرف ممیز ہونا شرط ہے اور کوئی چیز شرط نہیں نہ عدد نہ عدالت کیونکہ یہ سب امور از قبیل معاملات ہیں اور معاملات میں شخص واحد کی خبر کافی ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ امور مذکورہ میں من وجہ الزام بھی ہے اس لئے شہادت کے دو جزؤں میں سے ایک یعنی عدد بلا شرط عدالت یا عدالت بلا شرط عدد شرط ہے۔ الزام کی توضیح یہ ہے کہ بتقدیر تصرف وکیل پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور بتقدیر عدم تصرف کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ اسی طرح شفیع کے سکوت سے حق شفعہ کا سقوط لازم آتا ہے اور بتقدیر طلب اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی۔ اور باکرہ کے سکوت سے نکاح لازم ہو جاتا ہے اور رد کرنے کی صورت میں نکاح لازم نہیں ہوتا۔ اسی طرح عتق وغیرہ تصرفات کے ذریعہ آقا پر فدیہ جنایت لازم آتا ہے۔ اور عدم تصرف کی صورت میں کچھ لازم نہیں آتا۔ پس جس صورت میں ہر اعتبار سے لزوم عائد ہوتا ہے اس میں عدد اور عدالت دونوں شرط ہیں۔ اور جہاں کچھ نہ لازم آتا ہو وہاں نہ عدد شرط ہوگا نہ عدالت۔ اور جہاں من وجہ الزام ہو اور من وجہ الزام نہ ہو وہاں شہادت کا ایک جزو شرط ہوگا یعنی عدالت شرط ہوگی یا عدد۔

قولہ ولو باع الخ ایک شخص کا انتقال ہو گیا جس پر ایک ہزار روپیہ قرض تھا اور اس کے ترکہ میں صرف ایک غلام ہے۔ اب قاضی یا اس کے امین نے ادائیگی دین کے سلسلہ میں غلام فروخت کر کے قیمت وصول کی اور وہ ان میں سے کسی کے پاس آکر ہلاک ہو گئی اور غلام پر مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے وہ کسی اور کا ثابت ہو گیا تو قاضی اور اس کے امین پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ قاضی کا امین قاضی کے قائم مقام ہے۔ اور قاضی بادشاہ کا قائم مقام ہے۔ اور ان دونوں پر تاوان نہیں ہوتا بلکہ ان سے قسم بھی نہیں لی جاتی تو قاضی کے امین پر بھی تاوان نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ان لوگوں پر تاوان لازم ہو تو یہ لوگ امانت وقضا قبول کرنے سے باز رہیں گے اور رعایا کی مصلحتیں معطل ہو جائیں گی۔ اور جب قاضی اور اس کے امین پر ضمان نہ ہوا تو مشتری قرضخواہوں سے ثمن وصول کرے گا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب عاقد کے ساتھ حقوق کا تعلق متعذر ہو جائے تو حقوق کا تعلق اس کے ساتھ ہوتا ہے جو عقد سے قریب تر ہو۔ اور اقرب الی العقد وہ ہوتا ہے جس کو عقد سے فائدہ حاصل ہو اور وہ یہاں قرضخواہ ہیں جن کے فائدے کے لئے غلام کو فروخت کیا گیا ہے۔

قولہ وان امر الخ اور اگر مسئلہ مذکورہ میں قاضی وصی کو غلام فروخت کرنے کا حکم کرے اور وہ فروخت کر دے پھر قبل از قبض غلام مر جائے یا کسی دوسرے کا نکل آئے اور وصی کے پاس سے ثمن ضائع ہو جائے تو مشتری وصی سے وصول کرے گا۔ کیونکہ میت کیجانب سے نائب ہو کر عاقد وہی ہے۔ اور وصی قرض خواہوں سے وصول کریگا۔ کیونکہ جب کوئی شخص کسی کے فائدہ کیلئے کام کرے اور اس پر کوئی تاوان لازم آجائے تو وہ اسی سے وصول کرتا ہے جس کے فائدہ کے لئے اس نے کام کیا ہے۔

وَلَوْ قَالَ قَاضٍ عَدْلٌ عَالِمٌ قَضَيْتُ عَلىٰ هٰذَا بِالرَّجْمِ اَوْ بِالْقَطْعِ اَوْ بِالضَّرْبِ فَافْعَلْهُ وَسِعَکَ فِعْلُهٗ

اگر کہا عادل قاضی نے کہ حکم کر دیا میں نے اس پر سنگسار ہونے کا یا ہاتھ کاٹنے یا حد مارنے کا پس تو یہ کام کر تو گنجائش ہے تیرے لئے اس کے کرنے کی

وَاِنْ قَالَ قَاضٍ عُزِلَ لِرَجُلٍ اَخَذْتُ مِنْکَ اَلْفًا وَدَفَعْتُهٗ اِلٰی زَیْدٍ قَضَیْتُ بِهٖ عَلَیْکَ فَقَالَ الرَّجُلُ اَخَذْتَهٗ ظُلْمًا

اور اگر کہا معزول قاضی نے کسی سے کہ میں نے تجھ جو ہزار لئے تھے وہ زید کو دیدیئے جو میں نے تجھ پر ثابت کئے تھے اس نے کہا کہ تو نے ظلماً لئے تھے

فَالْقَوْلُ لِلْقَاضِیْ وَکَذَا لَوْقَالَ قَضَیْتُ بِقَطْعِ یَدِکَ فِی حَقٍّ

تو قاضی کا قول معتبر ہوگا اسی طرح اگر کہا کہ حکم کیاتھا میں نے تیرے ہاتھ کاٹنے کا حق کے طور پر

اِذَا کَانَ الْمَقْطُوْعُ یَدُہٗ وَالْمَاخُوْذُ مِنْهُ اَلْمَالُ مُقِرًّا اَنَّہٗ فَعَلَہٗ وَھُوَ قَاضٍ.

جبکہ مقطوع الیہ اور وہ شخص جس سے مال لیاگیا ہے اقرار کرے کہ اس نے یہ فعل قاضی ہونے کی حالت میں کیا ہے۔

تشریح الفقہ: **قوله ولو قال قاضی الخ** قاضی نے زید سے کہا کہ میں نے فلاں زانی پر رجم کا یا فلاں چور پر قطع ید کا یا فلاں قاذف پر حد قذف کا حکم کردیا سو تو اس کو سنگسار کردے یا اس کا ہاتھ کاٹ دے یا اس کو کوڑے لگادے تو شیخین کے نزدیک زید کیلئے امور مذکورہ کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اطاعت اولی الامر آیت سے ثابت ہے۔ امام محمد صاحب اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا۔ اور فرمایا کہ جب تک زید حجت ثبوت امور مذکورہ کا معائنہ نہ کرلے اس وقت تک اس کے لئے امور مذکورہ پر اقدام جائز نہیں امام ملک بھی یہی فرماتے ہیں اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے لیکن امام محمد نے اس کے بعد پھر شیخین کے قول کی طرف رجوع کرلیا۔ **قال صاحب البحر لکن رایت بعد ذلک فی شرح ادب القضاء للصدر الشهيد انه صح رجوع محمد الی قول ابی حنيفه و ابی یوسف رواه هشام عنه** شیخ ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ اگر قاضی مذکور عادل و عالم شخص ہو تو امتثال امر اور تعمیل حکم کی گنجائش ہے۔ علامہ اسبیجابی نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب کے یہاں حکم قاضی کے بموجب عمل کرنا اسی صورت میں ہے جب قاضی عادل اور عالم ہو کیونکہ جاہل و ظالم قاضی نہ لائق قضاء ہے اور نہ اس کا حکم لائق امتثال ہے تو گویا شیخ ابو منصور ماتریدی کا قول مذہب امام کی توضیح ہے۔ مصنف نے عدل عالم کی قید لگا کر اسی کو اختیار کیا ہے۔

قوله و ان قال قاضی الخ معزول قاضی نے عمرو سے کہا کہ میں نے تجھ سے ایک ہزار روپیہ لئے ہیں اور فلاں مقدمہ میں جو زید کے ہزار روپیہ میں نے تجھ پر ثابت کئے تھے وہ اس کو دیدیئے عمرو نے کہا: نہیں بلکہ تو نے مجھ سے ہزار روپے ظلماً لئے ہیں یا قاضی نے کہا کہ میں نے تیرا ہاتھ حق کے مطابق کاٹا ہے زید نے کہا نہیں ظلماً کاٹا ہے تو دونوں صورتوں میں قاضی کا قول معتبر ہوگا خواہ عمرو یہ کہے کہ قطع ید اور اخذ مال بحالت قضا ہوا ہے یا یہ کہے کہ قبل از تقلید یا معزول ہونے کی بعد ہوا ہے و **وجهه ان الظاهر شاهد للقاضی اذ هو لایقضی بالجور ظاهرًا۔**

ع...... ای فعل ہذا الفعل (وہو الحکم بالمال فی المسئلۃ الاولی وبقطع الید فی الثانیہ) وہو قاضی فی ذلک الوقت وانما قیدہ بہ لان المقطوع یدہ والماخوذ مالہ لوزعم انہ فعل قبل التقلید اوبعد العزل ففیہ اختلاف والاصح ان القول للقاضی لانہ اسند فعلہ الی حالۃ معہودۃ منافیۃ للضمان فصار کما **اذا قال طلقت او اعتقت و انا مجنون وجنونه معهود ۱۲.** بحر الرائق بحذف.

کتاب الشهادة

هِیَ	اِخْبَارٌ	عَن	مُشَاهَدَةٍ	وَعَيَانٍ	لاعَنْ	تَخْمِيْنٍ	وَحِسْبَانٍ.
وہ	خبر دینا ہے	آنکھوں سے	دیکھ کر		نہ کہ	اٹکل	اور گمان سے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ قضا مقصود ہے اور شہادت اس کا وسیلہ ہے اور وسیلہ پر مقصود مقدم ہوتا ہے۔ اس لئے مصنف احکام قضا سے فراغت کے بعد احکام شہادت بیان کر رہا ہے۔ شہادۃ اصل مصدر ہے **یقال شهد** (س، ک) **شهادة عندالحاكم** اس نے حاکم کے روبرو گواہی دی یعنی قطعی اور یقینی خبر دی جس میں کسی قسم کا شک اور تردد نہیں۔ شریعت میں شہادت کسی حال کی خبر کو کہتے ہیں جو اٹکل اور گمان سے نہ ہو بلکہ چشم دید ہو، شہادت کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔ **هي اخبار صادق بلفظ الشهادة في مجلس القاضي لاثبات الحق**۔ یعنی اثبات حق کیلئے قاضی کی مجلس میں لفظ شہادت کیساتھ سچی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں۔ تعریف میں اخبار بمنزل جنس ہے اور۔ صادق کی قید سے اخبار کاذبہ نکل گئیں اور لفظ شہادت کی قید سے معلوم ہوا کہ تعبیر بہ لفظ علم ویقین کافی نہیں، مجلس قاضی کی قید سے شاہد کی وہ خبر نکل گئی جو غیر مجلس قضا میں ہوا کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اثبات حق کو قید سے بعض عرفیات کو مجلس قضا میں لفظ شہادۃ کے ساتھ تعبیر کرنا خارج ہو گیا۔

فائدہ: شہادۃ کی شرطیں دو طرح کی ہیں شرائط تحمل۔ شرائط اداء۔ شرائط تحمل تین ہیں (۱) شاہد ہونے کے وقت عقل کامل ہو۔ (۲) بصارت (۳) مشہود بہ کا اپنی آنکھوں سے معائنہ کیا ہو پس دیوانے غیر عاقل بچے اور اندھے کو گواہ ہونا صحیح نہیں۔ تحمل شہادت کیلئے بلوغ، آزادی اسلام اور عدالت شرط نہیں تو اگر گواہ ہونے کے وقت صغیر عاقل ہو یا کافر ہو یا فاسق ہو پھر بچہ بالغ آزاد یا کفر مسلمان یا فاسق صالح ہو جائے۔ اور پھر یہ لوگ قاضی کے سامنے گواہی دیں تو گواہی مقبول ہوگی، شرائط ادا چار طرح کی ہیں۔ اول وہ جو نفس شہادت سے متعلق ہیں۔ دوم وہ جو شاہد سے متعلق ہیں۔ سوم وہ جو مکان شہادت سے متعلق ہیں۔ چہارم وہ جو مشہود بہ سے متعلق ہیں جو چیزیں نفس شہادت سے متعلق ہیں وہ تین ہیں۔ (۱) لفظ شہادت (۲) عدد فی الشہادۃ (۳) اتفاق شاہدین۔ اور جو شرطیں شاہد سے متعلق ہے وہ گیارہ ہیں (۱) بلوغ (۲) آزادی (۳) بصر (۴) نطق (۵) سمع (۶) عدالت (۷) محدود فی القذف نہ ہونا (۸) اپنے لئے جلب منفعت کا نہ ہونا (۹) اپنی ذات سے دفع مضرت کا نہ ہونا (۱۰) شاہد کا خصم نہ ہونا (تو وصی کی یتیم کے لئے اور وکیل کی مؤکل کیلئے شہادت مقبول نہ ہوگی)۔ (۱۱) مشہود بہ کا بلا شک وتردد خوب یاد ہونا تو شاہد کو مقدمہ یاد ہوئے بغیر اپنے خط پر اعتماد کرنا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں۔ یہ کل شرطیں جمیع انواع شہادت کیلئے عام ہیں اور کچھ شرطیں بعض انواع شہادت کیساتھ خاص ہیں اور وہ یہ ہیں۔ (۱) اسلام۔ اگر مشہود علیہ مسلمان ہو (۲) ذکورۃ یعنی مرد ہونا۔ اگر گواہی حد اور قصاص میں ہو (۳) تقدیم دعوی۔ اگر گواہی حقوق العباد میں ہو۔ (۴) موافقت شہادت۔ جس میں توافق شرط ہے۔ (۵) قیام رائحہ۔ شرب خمر کی شہادت میں (۶) اصالت۔ حد اور قصاص کی شہادت میں (۷) تعذر حضور اصل۔ شہادت علی الشہادۃ میں۔ اور جو مکان شہادت سے متعلق ہے وہ صرف ایک شرط ہے یعنی مجلس قضا'' ان تمام شرطوں کو اس نقشہ سے معلوم کرو۔ (نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

عہ...... والیہ الاشارۃ المصطفومتیہ حیث قال اذا رایت مثل الشمس فاشہد والا فدع ۱۲

للعہ ...... الافیما یثبت بالتسامع ۱۲۔ للعہ...... فلاتقبل شهادة الفرع لاصله والا صل لفرعه واحد الزوجين للآخر ۱۲ ملعہ ...... خلافالها ۱۲۔ صہ...... و امامایرجع الی المشهود به فقد علم من الشرائط الخاصة فالحاصل ان شرائطها خمسته وعشرون ۱۲

وَتَلْزَمُ بِطَلَبِ الْمُدَّعِي وَسَتْرُهَا فِي الْحُدُوْدِ اَحَبُّ وَيَقُوْلُ فِي السَّرِقَةِ اَخَذَ لَا سَرَقَ.

اور لازم ہوتی ہے مدعی کی طلب سے اور اس کو چھپانا حدود میں مستحب ہے اور کہے چوری کی گواہی میں کہ اس نے لیا ہے نہ یہ کہ چرایا ہے

تشریح الفقہ: **قولہ وتلزم الخ** افتراض ادائے شہادت مجمع علیہ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے" **ولایابی الشہداء اذامادعوا**" **وقال تعالیٰ ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمہافانہ آثم قلبہ**۔ سواگر دو شاہدوں کے علاوہ تحمل اور ادائے شہادت کیلئے کوئی اور نہ ہو تو گواہی دینا فرض عین ہے اور اگر ان کے علاوہ کوئی اور ہو تو فرض کفایہ ہے۔ پھر اگر صاحب حق شاہد کی شہادت کو نہ جانتا ہو اور عدم شہادت کی صورت میں حق کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو شاہد پر بلا طلب صاحب حق اداء شہادت واجب ہے۔ اور اگر فوات حق کا اندیشہ نہ ہو اور صاحب حق شہادت کیلئے طلب کرے تب بھی اداء شہادت لازم ہے لیکن ابواب حدود میں شہادت کو چھپا رکھنا افضل ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، علی مرتضیٰ، حسن، ابو ہریرہ، ابو مسعود، ابو الدرداء، عمرو بن العاص، ابو واقد لیثی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے دفع حدود کی تلقین کا مروی ہونا افضلیت ستر کی کھلی دلیل ہے سوال قرآن پاک میں تو کتمان شہادت سے نہی بطریق عموم ہے، جواب ابواب حدود میں کتمان شہادت کے متعلق جو احادیث وارد ہیں وہ تعدد متون کیوجہ سے حد شہرت کو پہونچی ہوئی ہیں جن سے عموم آیت کی تخصیص جائز ہے۔

عہ ...... احیاءً لحق المسروق منہ ومحافظۃ علی الستر ۱۲۔ عہ ...... مدانہ اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جائیں ۱۲ للعہ ...... اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اسکو چھپائے تو بیشک گنہگار ہے دل اس کا ۱۲ للعہ ...... صحیحین عن ابی ہریرۃ ۱۲

وَشُرِطَ	لِلزِّنَا	اَرْبَعَةُ	رِجَالٍ	وَلِبَقِيَةِ	الْحُدُوْدِ	وَالْقِصَاصِ	رَجُلَانِ	وَلِلْوِلَادَةِ	وَالْبَكَارَةِ

اور شرط ہے زنا کیلئے چار مرد اور باقی حدود و قصاص کے لئے دومرد اور ولادت کے لئے اور کنواری ہونے کے لئے

وَعُيُوْبِ	النِّسَاءِ	فِيْمَا	لَا	يَطَّلِعُ	عَلَيْهِ	رَجُلٌ	اِمْرَأَةٌ.

اور عورتوں کے ان عیوب کے لئے جس پر مرد مطلع نہیں ہوتے ایک عورت۔

عددِ شہادت کا بیان

تشریح الفقہ :قولہ و شرط الخ شہادت کے چار مرتبے ہیں اول شہادت برائے اثبات زنا اس کیلئے مردوں کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ آیت ''والاتی یا تین الفاحشہ من نسائکم فاستشھدو اعلیھن اربعہ منکم ''میں چار کے عدد کی تصریح موجود ہے۔ اور انکا مرد ہونا یہاں سے معلوم ہوا کہ لفظ اربعۃ تاء کیساتھ ہے اور عدد پر تاء اسی وقت داخل ہوتی ہے جب اسکا معدود مذکر ہو۔ سوال آیت سے تو صرف ہے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس عدد پر عمل کرنا جائز ہے لیکن اس سے کم پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آیت میں اسکی نفی نہیں اور احناف مفہوم کے قائل نہیں پھر چار سے کم کا عدم جواز کہاں سے ثابت ہوا۔ جواب شرعی مقادیر یا تو زیادتی سے منع کرنے کیلئے ہوتی ہے یا کمی سے یا ان دونوں سے اور یہاں تقدیر زیادتی سے منع کرنے کیلئے ہے۔ تو اگر کمی سے بھی منع کرنے کیلئے نہ ہو تو اس تقدیر کا کوئی فائدہ نہیں رہتا' سوال آیت مذکورہ اور آیت فاستشھدو اشھیدین'' میں تعرض ہو گیا۔ جواب یہ آیت مبیح ہے اور آیت مذکورہ مانعہ اور مبیح پر مانع مقدم ہوتا ہے سوال حضرت عطاء وحماد سے مروی ہے کہ اگر زنا کے متعلق تین مرد اور دو عورتیں گواہی دیں تو مقبول ہے۔ جواب حضرت زہری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم اور آپکے دونوں خلفاء سے یہ سنت جاری ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں'' شعبی نخعی' حسن' ضحاک سے بھی یہی مروی ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں'' نیز حضرت علی کا ارشاد ہے کہ حدود اور دماء (یعنی قصاص) میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

قولہ و لبقیۃ الخ دوسرا مرتبہ شہادت برائے اثبات بقیہ حدود ہے یعنی حد قذف' حد سرقہ' اور برائے اثبات قصاص' واثبات اسلام کافر وردت مسلم ان کیلئے دو مردوں کی گواہی ضروری ہے لقولہ تعالیٰ واستشھدو اشھیدین من رجالکم' عورتوں کی گواہی اسمیں بھی جائز نہیں۔ لما ذکر من حدیث الزھری۔ سوال یہ آیت تو مداینات کے بارے میں ہے تو حدود قصاص میں یہ کیسے حجت ہو سکتی ہے۔ جواب عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خصوصیت سبب کا۔ وقال الحسن البصری لا یقبل فی القتل کالزنا و الحجۃ علیہ ماذکرنا۔

قولہ و للولادۃ الخ تیسرا مرتبہ یہ ہیکہ شہادت برائے ولادت و بکارت و استہلال صبی اور عیوب نساء' ہے جن پر مردوں کو آگاہی نہیں ہوتی جیسے عورت کی شرمگاہ میں ہڈی یا گوشت کا ابھر آنا وغیرہ ان کیلئے دو عورتیں ہوں تو بہتر ہے ورنہ ایک آزاد مسلمان عورت کی گواہی بھی کافی ہے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ ان چیزوں میں عورتوں کی شہادت جائز ہے۔ جن کی طرف مرد نظر نہیں کر سکتے۔ یہ روایت مرسل واجب العمل ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں لفظ النساء ''محلی بالف ولام ہے جس سے مراد جنس ہے جو قلیل و کثیر سب کو شامل ہے''۔ اس سلسلہ میں امام احمد تو ہمارے ساتھ ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہوتی ہیں۔ اور حجت دو مردوں کی گواہی ہے نہ کہ ایک لہذا چار عورتیں ہونی چاہئیں۔ یہی حضرت عطاؒ کا قول ہے امام مالک و امام ثوری فرماتے ہیں کہ جب مرد ہونے کا اعتبار ساقط ہو گیا تو عدد معتبر رہا۔ لہذا دو عورتیں ہونی چاہئیں مگر روایت مذکورہ ان سب پر حجت ہے۔

تنبیہ: بچہ آواز کیلئے صرف ایک عورت کا شرط ہونا نماز کے حق میں تو مجمع علیہ ہیکہ اسکے جنازہ کی نماز پڑھی جائیگی۔ لیکن میراث کے حق میں امام صاحب کے نزدیک ایک عورت کی گواہی کافی نہیں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔ فتح القدیر میں ہیکہ یہی راجح ہے۔

اور جو کوئی بدکاری کرے تو تم ا، ۲، ۱۶، ۱۵ ، میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے ۱۲ واجاب الزیلعی بان عدم جواز الاقل بالاجماع ۱۲ ابن ابی شیبہ ۱۲ ابن ابی شیبہ ۱۲ عبد الرزاق ۱۲ ارواہ محمد فی المبسوط عن مجاہد وابن المسیب وعطاء وطاؤس ۱۲ وروی عبد الرزاق عن ابن شہاب ان عمر بن الخطاب اجاز شہادۃ امرأۃ فی الاستہلال ۱۲

وَلِغَيْرِهَا رَجُلَانِ اَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ وَلِلْكُلِّ لَفْظُ الشَّهَادَةِ وَالْعَدَالَةُ وَيَسْأَلُ عَنِ الْمَشْهُوْدِ

اور اس کے علاوہ کیلئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اور شرط ہے سب کے لئے لفظ شہادت اور عادل ہونا اور پوچھ پچھ کیجائے گواہوں کے متعلق

سِرًّا وَعِلْنًا فِي سَائِرِ الْحُقُوْقِ وَتَعْدِيْلُ الْخَصْمِ لَايَصِحُّ وَالْوَاحِدُ يَكْفِيْ لِلتَّزْكِيَةِ وَالرِّسَالَةِ وَالتَّرْجَمَةِ

پوشیدہ اور ظاہرہ جملہ حقوق میں اور صاحب خصومت کا عادل کہنا معتبر نہیں اور ایک شخص کافی ہے تزکیہ اور پیغام رسانی اور ترجمہ کے لئے

وَلَهُ اَنْ يَشْهَدَ بِمَا سَمِعَ اَوْ رَأَى كَالْبَيْعِ وَالْاِقْرَارِ وَحُكْمِ الْحَاكِمِ وَالْغَصْبِ وَالْقَتْلِ

اور گواہ گواہی دے سکتا ہے سنی ہوئی یا دیکھی ہوئی چیز کی جیسے بیع اقرار حکم حاکم غصب اور قتل

وَاِنْ لَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ وَلَا يَشْهَدْ عَلٰى شَهَادَةِ غَيْرِهٖ مَالَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ.

گو گواہ نہ کیا گیا ہو اور گواہی نہ دے دوسرے کی شہادت پر جب تک کہ اس پر اس کو گواہ نہ بنایا جائے۔

تشریح الفقہ: **قولہ و لغیرھا الخ** چوتھا مرتبہ شہادت امور مذکورہ کے علاوہ دیگر حقوق کے اثبات کے لئے ہے۔ خواہ حقوق مالیہ ہوں یا غیر مالیہ جیسے نکاح، رضاع، طلاق، عتاق، وصیت، رجعت، استہلال صبی (برائے ارث) وکالت، نسب اسمیں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے **لقولہ تعالیٰ " فان لم یکونا رجلین فرجل و امرأتان "** امام مالک اور امام شافعی کے یہاں مردوں کی گواہی اموال اور توابع اموال یعنی حقوق غیر مالیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ توابع اموال جیسے اعارہ، اجارہ، کفالہ، اجل، شرط، خیار، شفعہ، قتل خطا، زخم موجب مال، فسخ عقود، امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ ایک امام شافعی کے مذہب کے موافق ہے۔ دوسری ہمارے مذہب کے موافق ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ و علیؓ نے نکاح اور فرقت میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی کو جائز رکھا ہے۔

قولہ وللکل الخ شہادت کے مراتب اربعہ مذکورہ میں بالاتفاق کلمۂ اشہد بلفظ مضارع شرط ہے لفظ اعلم یا اتیقن کہنا کافی نہ ہوگا کیونکہ نصوص اشتراط لفظ شہادت پر ناطق ہیں **قال تعالیٰ واشھد واذوی عدل منکم، واشھد وا اذا تبا یعتم، فاستشھدوا شھیدین من رجالکم، فاستشھدو اعلیھن اربعۃ منکم ،واقیموا الشھادۃ للہ ،وقال علیہ السلام ۔اذا رایت مثل الشمس فاشھد**، اسی طرح وجوب قبول شہادت کے لئے عدالت شاہد بھی شرط ہے **لقولہ تعالیٰ واشھد واذوی عدل منکم**۔

قولہ ویسال الخ صاحبین کے نزدیک قاضی پر شاہد کی عدالت اور فسق کے بارے میں پوشیدہ و علانیہ طور پر لوگوں سے پوچھ پچھ اور اس کے حالات دریافت کرنا واجب ہے اگر وہ اس کے حالات سے ناواقف ہو خواہ مدعی علیہ شاہد پر کوئی طعن کرے یا نہ کرے۔ امام شافعی اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں اسی پر فتویٰ ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر قاضی کو کسی قسم کا شک ہو تو حالات دریافت کرنا واجب ہے گو خصم خاموشی اختیار کرے اور طعن نہ کرے، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ غیر حدود و قصاص میں قاضی بدون طعن مدعا علیہ شاہد کے متعلق پوچھ پچھ کے پیچھے نہ پڑے بلکہ ظاہری عدالت پر اکتفا کرے کیونکہ حضور صلعم کا ارشاد ہے۔ **المسلمون عدول بعضھم علی بعض الا محدودا فی قذف** ۔علماء نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب اور صاحبین کا یہ اختلاف زمانہ کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ زیلعی نے کہا ہے کہ قرن رابع لوگوں کے حالات میں تغیر اور خیانت و کذب ظاہر ہو گیا تھا اسلئے صاحبین نے تزکیہ شہود کو مقدم جانا بخلاف امام صاحب کے کہ وہ قرن ثالث میں تھے جس کے متعلق خیر و صلاح کی گواہی حدیث مرفوع میں موجود ہے وہو **قولہ صلعم خیر القرون قرنی الخ**۔

(ع) ابن ابی شیبہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ و مثلہ عن عمر رواہ الدار قطنی ۱۲

قولہ سرا وعلنا الخ مخفی سوال کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی ایک رقعہ جسکو مستورہ کہتے ہیں مزکی کے پاس بھیجے جسمیں شہود کے نام، نسب، حلیہ اور جس مسجد میں نماز پڑھتے ہوں وہ مرقوم ہو اسمیں مزکی شاہد کی عدالت اس طرح لکھے کہ وہ عادل اور جائز الشہادۃ ہے اور اگر عدالت یا فسق معلوم نہ ہو تو اخیر میں لکھدے کہ وہ مستور الحال ہے اور اگر اس کا فسق معلوم ہو تو اسکی تصریح نہ کرے خاموش رہے تاکہ مسلمان کا پردہ فاش نہ ہو اور اخیر میں لکھدے واللہ اعلم۔ علانیہ سوال کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی شاہد اور مزکی دونوں کو یکجا جمع کر کے پوچھے کہ تو نے عادل اسی کو کہا ہے؟ ملتقط میں امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ تزکیہ علانیہ تزکیہ مخفیہ کے بعد ہی مقبول ہے۔

فائدہ: امام خصاف کی شرح ادب القاضی میں ہے کہ تزکیہ کے لئے آٹھ شرطیں ہیں (۱) گواہی عادل عالم قاضی کے پاس ہو (۲) شرکت یا سفر وغیرہ کے ذریعہ مزکی شاہد کو آزما چکا ہو (۳) مزکی کو شاہد کا پابند نماز یا باجماعت ہونا معلوم ہو (۴) شاہد لین دین کی خوش معاملگی میں مشہور و معروف ہو (۵) اداء امانت سے قاصر نہ ہو (۶) راست گو ہو (۷) کبائر سے مجتنب ہو (۸) صغائر پر مصر نہ ہو۔

قولہ وتعدیل الخ خصم مدعا علیہ کا شاہد کے متعلق یہ کہنا کہ وہ عادل ہے صحیح نہیں صاحبین سے ایک روایت ہے کہ صحیح ہے۔ یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک اس کے ساتھ ایک اور شخص کی تعدیل ضروری ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک مزکی کیلئے عدد شرط ہے) ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ مدعی اور اس کے شہود کے گمان میں مدعی علیہ انکار دعوی میں کاذب اور اپنے اصرار میں مبطل ہے۔ لہٰذا وہ معدّل ہونے کی لیاقت نہیں رکھتا۔

قولہ والو احد الخ شیخین کے نزدیک تزکیہ مخفیہ کے لئے اور قاضی کی طرف سے مزکی کے پاس پیام رسانی کے لئے اور شہود کیطرف سے ترجمہ کیلئے ایک عادل شخص کافی ہے۔ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے کیونکہ تزکیہ میں شہادت کے معنی ہیں لہٰذا عدالت کی طرح عدد کا ہونا بھی ضروری ہے۔ شیخین فرماتے ہیں کہ تزکیہ شہادت کے معنی میں نہیں ہے بلکہ امور دینیہ میں سے ہے پس صرف عدالت شرط ہوگی۔ نہ کہ عدد یہی وجہ ہے کہ اس میں لفظ شہادت اور مجلس قضا کی شرط نہیں ہے۔ **وقد نظم ابن وهبان انه یکفی الواحد فی احد عشر موضعاً فقال۔**

ویقبل عدل واحد فی تقوم وجرح تعدیل وارش یقدر
وترجمه والمسلم هل هو جید وافلاس الارسال والعیب یظهر
وصوم علی مامر او عند علة وموت اذا للشاهدین یخبر

قولہ ولہ ان یشهد الخ شاہد جس چیز کی شہادت کا تحمل کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں اول وہ جس کا حکم بنفسہ ثابت ہوتا ہے یعنی بلا اشہاد صاحب حق جیسے بیع' اقرار' حکم حاکم' غصب' قتل۔ دوم وہ جس کا حکم بنفسہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس میں اشہاد کی ضرورت ہوتی جیسے شہادۃ علی الشہادۃ'' سو قسم اول میں شاہد صرف سنکر بھی گواہی دے سکتا ہے۔ اگر سننے سے ان چیزوں کا علم ہو جاتا ہو جیسے بیع' اقرار' حکم حاکم اور دیکھ کر بھی گواہی دے سکتا ہے اگر دیکھنے سے علم ہو جاتا ہو جیسے غصب اور قتل' لیکن قسم ثانی میں اس وقت تک گواہی دے سکتا جب تک اس کو گواہ نہ بنایا جائے۔

عہ ...... فانها لایثبت بها الحکم مالم یقل له الشاهد اشهد علیٰ شهادتی ۱۲۔ عہ ...... لانها لاتصیر حجة الابالنقل الی مجلس القاضی فلایملک غیره ان یجعل کلامه حجة بلاامره فلا بدمن التحمیل ۱۲

وَلَا يَعْمَلُ شَاهِدٌ وَقَاضٍ وَرَاوٍ بِالْخَطِّ اِنْ لَمْ يَتَذَكَّرُوْا وَلَا يَشْهَدُ بِمَا لَمْ يُعَايِنْهُ اِلَّا النَّسَبُ وَالْمَوْتُ وَالنِّكَاحُ

اور عمل نہ کرے گواہ قاضی اور راوی نوشتہ پر اگر ان کو مقدمہ یاد نہ ہو اور نہ گواہی دے اس کی جس کو نہ دیکھا ہو سوائے نسب موت نکاح

وَالدُّخُوْلُ وَوِلَايَةُ الْقَاضِي وَاَصْلُ الْوَقْفِ فَلَهُ اَنْ يَشْهَدَ بِهَا اِذَا اَخْبَرَهُ بِهَا مَنْ يَثِقُ بِهِ وَمَنْ فِي يَدِهِ شَيْءٌ سِوَى

دخول ولایت قاضی اور اصل وقف کے کہ ان میں گواہی دے سکتا ہے جبکہ اس کو خبر دی ہو کسی معتبر شخص نے اور جس کے ہاتھ میں کوئی چیز ہو غلام کے

الرَّقِيْقِ لَكَ اَنْ تَشْهَدَ اَنَّهُ لَهُ وَاِنْ فَسَّرَ لِلْقَاضِي اَنَّهُ يَشْهَدُ بِالتَّسَامُعِ اَوْ بِمُعَايَنَةِ الْيَدِ لَا تُقْبَلُ

علاوہ تو تو گواہی دے سکتا ہے کہ وہ اسی کی ہے اور اگر کہہ دیا قاضی سے صاف صاف کہ گواہی سن کر یا قبضہ دیکھ کر دے رہا ہوں تو مقبول نہ ہوگی

وَمَنْ شَهِدَ اَنَّهُ حَضَرَ دَفْنَ فُلَانٍ اَوْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَتِهِ فَهُوَ مُعَايَنَةٌ حَتّٰى لَوْ فَسَّرَ لِلْقَاضِي قُبِلَ.

جس نے گواہی دی کہ میں فلاں کے دفن میں حاضر تھا یا اس کے جنازہ کی نماز پڑھی ہے تو یہ معائنہ کے برابر ہے یہاں تک کہ اگر قاضی کے روبرو اس کی تشریح کر دی تب بھی مقبول ہوگی۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا تعمل الخ شاہد' قاضی اور راوی حدیث کو اپنے نوشتہ پر عمل کرنا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں جب تک کہ واقعہ خوب اچھی طرح محفوظ نہ ہو۔ یعنی نہ شاہد اپنے نوشتہ کو دیکھ کر گواہی دے نہ قاضی حکم کرے اور نہ راوی روایت کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب نے جمیع امور میں تنگ روی اختیار کی ہے۔ اسی لئے آپ سے احادیث بہت کم مروی ہیں حالانکہ آپ کو بارہ سو محدثین سے سماع حدیث حاصل ہے۔ پس جب تک شاہد کو مال کی مقدار اور اس کی صفت یاد نہ ہو اس وقت تک گواہی دینا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں **(فالخلاف فیما اذا کان محفوظاً فی یدہ)** بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ صاحبین کے یہاں علی الاطلاق جائز ہے۔ اور امام صاحب کے یہاں ناجائز۔ لیکن بحر وغیرہ میں ہے کہ امام محمد کے یہاں تینوں کے لئے عمل جائز ہے۔ اور امام ابو یوسف کے یہاں راوی اور قاضی کے لئے جائز ہے۔ اور شاہد کے لئے ناجائز۔ شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر مناسب ہے۔ اجناس میں بھی ایسا ہے۔ اور بزازیہ میں بھی اسی پر جزم ویقین ظاہر کیا ہے۔ **وفی السراج وماقالہ ابو یوسف ھو المعول علیہ. وفی المنح وقولھما ھو الصحیح. وفی الحقائق وعلیہ الفتوی.**

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

قولہ ولایشھد الخ جس شخص نے کسی چیز کا معائنہ نہ کیا ہو یعنی جس چیز کا علم بذریعہ سماع حاصل نہ ہو اس کی گواہی دینا بالاجماع جائز نہیں مگر دو مسئلوں میں بلا معائنہ گواہی درست ہے۔ (۱) نسب تو جس شخص نے ایک جماعت سے (امام صاحب کے نزدیک) یا دو عادلوں سے (صاحبین کے نزدیک) سنا کہ زید (مثلاً) فلاں کا بیٹا یا فلاں کا بھائی ہے تو وہ اس کی گواہی دے سکتا ہے۔ تاتارخانیہ میں محیط سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص باہر سے آکر کسی شہر میں بس جائے اور وہاں ایک عرصہ تک رہے سہے تو وہاں والے اس کے نسب کی گواہی نہیں دے سکتے جب تک کہ اس کے شہر کے دو عادل آدمی خبر نہ دیں' امام خصاف نے اس کے لئے دو شرطیں ذکر کی ہیں ایک شہرت خبر دوسرے اس کا وہاں کم از کم ایک سال تک رہنا۔ **وروی عن ابی یوسف انہ قدرہ بستۃ اشھر۔** (۲) موت سو جس شخص نے قابل اعتماد لوگوں سے سنا کہ فلاں شخص مرگیا تو وہ اس کی موت کی گواہی دے سکتا ہے۔ (۳) نکاح جو شخص ایک جماعت سے (امام صاحب کے نزدیک) یا دو عادلوں سے (صاحبین کے نزدیک) سن چکا ہو کہ فلاں عورت فلاں شخص کی بیوی ہے تو وہ اس کی زوجیت کی گواہی دے سکتا ہے گو وہ عقد نکاح میں حاضر نہ ہو (۴) دخول تو اگر کوئی یہ سنے کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کیساتھ نکاح کر کے صحبت کی ہے تو وہ اس کی گواہی دے سکتا ہے۔ (۵) ولایت قاضی۔ مثلاً زید نے کچھ لوگوں کی زبانی سنا کہ فلاں شخص فلاں شہر کا قاضی ہوگیا تو وہ اس کی شہادت دے سکتا ہے (بحر الرائق میں معراج سے منقول ہے کہ امیر قاضی کے مانند ہے تو شہادت امارت بھی جائز ہونی چاہیے (۶) اصل وقف۔

اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے وقف کی صحت متعلق ہو اور جس پر وقف موقوف ہو سو اگر کسی نے یوں گواہی دی کہ یہ زمین فلاں شخص نے وقف کی ہے تو گواہی درست ہے۔ رہی یہ بات کہ بیان مصرف بھی شرط ہے یا نہیں؟ تو کافی میں مرغینانی سے اشتراط۔ مروی ہے۔ لیکن خزانہ میں ہے کہ بقول مختار بیان مصرف شرط نہیں۔ اگر وقف قائم ہو تو وہ فقرا کی طرف منصرف ہوگا۔ یہ چھ مسئلے کتاب میں مذکور ہیں باقی چار یہ ہیں۔ (۷) عتق شمس الائمہ سرخسی نے کہا ہے کہ عتق میں بذریعہ سماع شہادت بالا جماع مقبول ہے لیکن ان کے استاد حلوانی نے کہا ہے کہ اس میں اختلاف ثابت ہے اور امام ابو یوسف سے جواز منقول ہے گویا عتق میں معتمد قول عدم قبول ہے اور علامہ ابن عبد البر کی شرح وہبانیہ میں ہے کہ ہمارے یہاں باب عتق میں بذریعہ سماع شہادت دینا حلال نہیں امام شافعی کے یہاں حلال ہے (۸) ولاء اس میں امام ابو یوسف کے نزدیک شہادت جائز ہے اور امام محمد کا قول مضطرب ہے۔ اور ظاہراً امام صاحب کا قول معتمد ہے کیونکہ امام ابو یوسف کے قول کی تصحیح ثابت نہیں۔ (۹) مہر اس میں امام محمد سے دو روایتیں ہیں۔ اصح یہ ہے کہ قبول شہادت بالسماع میں مہر تابع نکاح ہے۔ بحر الرائق میں ظہیریہ بزازیہ اور خزانہ ہے اور۔ شرنبلالیہ میں خلاصہ سے یہی مذکور ہے۔ (۱۰) شرائط وقف۔ بحر الرائق میں فصول عمادیہ سے قول مختار یہ منقول ہے کہ شہرت کے ذریعہ شرائط وقف گواہی دینا مقبول نہیں لیکن مجتبیٰ میں قول مختار یہ ہے کہ مقبول ہے۔ اسی پر صاحب معراج اور صاحب فتح القدیر نے اعتماد ظاہر کیا ہے بہر کیف امور مذکورہ میں جب شاہد کو کوئی ایسا شخص خبر دے جس پر اس کو اعتماد ہو تو بطریق استحسان اس کی گواہی جائز ہے۔ کیونکہ ان امور میں سوائے خواص کے اور کوئی موجود نہیں ہوتا پس گواہی مقبول نہ ہونے کی صورت میں تعطل احکام اور بڑا حرج لازم آئے گا۔

قولہ ومن فی یدہ الخ ایک شخص کے قبضہ میں غلام اور باندی کے علاوہ کوئی اور چیز دیکھی پھر وہی چیز کسی دوسرے کے ہاتھ میں دیکھی اور پہلے شخص نے اس چیز کی ملکیت کا دعویٰ کیا تو زید کیلئے یہ گواہی دینا جائز ہے کہ یہ چیز مدعی کی مملوک ہے کیونکہ ثبوت ملک کی انتہائی دلیل قبضہ ہے بایں معنی کہ جمیع اسباب میں مرجع دلالت قبضہ ہے۔ لہذا اسی پر اکتفا ہوگا۔ امام ابو یوسف کے یہاں یہ شرط ہے کہ دیکھنے والے کا دل اس کی گواہی بھی دے کہ وہ چیز قابض کی مملوک ہے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ امام محمد سے جو مطلق روایت ہے ممکن ہے کہ یہ اس اطلاق کی تفسیر ہو فیکون شرطاً علی الاتفاق۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قبضہ کے ساتھ ساتھ قابض کا تصرف بھی ہونا چاہیے۔ ہمارے مشائخ میں امام خصاف بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ قبضہ دو طرح کا ہوتا ہے قبضہ ملک قبضہ امانت تو تصرف سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ قابض کا قبضہ ملک ہے نہ کہ قبضہ امانت۔ جواب یہ ہے کہ اگر یہی بات ہے تو پھر تصرف کی بھی دو قسمیں ہیں تصرف بطریق اصالت' اور تصرف بطریق نیابت جیسے وکالت اور مضاربت میں ہوتا ہے پس تصرف کی قید سے مقصد حاصل نہ ہوا اور بات پھر وہی اصل قبضہ پر آ گئی لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا' رہا غلام اور باندی کا حکم سو اس کی تشریح یہ ہے کہ اگر ان کی رقیت مشہور و معروف ہو تو دیکھنے والے کیلئے گواہی دینا جائز ہے اور اگر ان کی رقیت معروف نہ ہو اور وہ اتنے چھوٹے ہوں کہ اپنی رقیت یا حریت بیان نہ کر سکتے ہوں تب بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر وہ اپنی حالت بیان کر سکتے ہوں خواہ وہ صغیر ہوں یا کبیر تو صرف قبضہ کی وجہ سے گواہی جائز نہیں اور ایک روایت جواز کی بھی ہے۔

قولہ وان فسر الخ گواہوں نے قاضی کے پاس گواہی دی اور ساتھ ساتھ یہ بھی تشریح کر دی کہ ہم لوگوں سے سن کر یا مدعی کے قبضہ میں دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے خود ہی اقرار کر لیا کہ ہم نے علم حاصل ہوئے بغیر گواہی دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گواہی مطلق ہونی چاہیے۔ تفسیر کی ضرورت نہیں۔

عہ۔۔۔۔ وذکر ان الفتوی علی قولہما (کذا فی العمادیہ) ۱۲۔ عہ۔۔۔۔ ظاہر ما فی السراج انہ لابد من خبر عدلین فی الکل الا فی الموت وصحح عن الظہیریہ ان الموت کغیرہ ویدل علیہ ما فی الخلاصۃ وفی فتح القدیر المختار الاکتفاء بالواحد فی الموت ۱۲

تنبیہ:

تصریح بالسماع کی صورت میں شہادت کا مقبول نہ ہونا عام ہے۔ وقف وموت کا سلسلہ میں ہو یا کسی اور معاملہ میں کیونکہ کنز، زیلعی، عینی، وقایہ، نقایہ، مختار، اختیار جملہ متون میں اطلاق ہے نہ کہ تقیید۔ ملا علی ترکمانی نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ فتاویٰ خیریہ، فتاویٰ شیخ الاسلام علی آفندی، فتاویٰ قاضیخاں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ خانیہ کی عبارت ملاحظہ ہو 'اذا شهد الشهود بما تجوز بها لشهادة بالسماع وقالوا اشهدنا بذلك لانا سمعنا من الناس لاتقبل شهادتهم'' پس ملا مسکین نے اپنی شرح میں موت اور وقف کا اور عمادی نے فصول میں وقف کا اور صاحب خلاصہ نے موت کا جو استثناء کیا ہے۔ نیز صاحب درر نے جو عمادی کی پیروی کی ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ عامة المتون جو اکثر ظاہر الروایہ کو لیتے ہیں اس کے خلاف ہیں نیز قاضیخاں بتصریح صاحب بحر فقیہ النفس ہے اس لئے عمادیہ وخلاصہ کے مقابلہ میں انکار قول زیادہ قابل اعتماد ہوگا علی ان ما فی المتون والشروح مقدم علی ما فی الفتاوی وانما اکثرت النقل فی المسئله للاختلاف فیها فتنبه۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب من تقبل شهادته ومن لا تقبل

باب گواہان مقبول وغیر مقبول کی شہادت کے بیان میں

وَلاَ تُقْبَلُ شَهَادَةُ الاَعْمیٰ وَالْمَمْلُوْکِ وَالصَّبِیِّ اِلاَّ اَنْ یَّتَحَمَّلاَ فِی الرِّقِّ وَالصِّغَرِ وَاَدَّیَا بَعْدَ الْحُرِّیَّةِ وَالْبُلُوْغِ

اور نہیں قبول کیجائے گی گواہی اندھے اور غلام اور بچہ کی مگر یہ کہ تحمل کریں غلامی اور بچپنے میں اور ادا کریں آزادی اور بلوغ کے بعد

وَالْمَحْدُوْدِ فِی قَذْفٍ وَاِنْ تَابَ اِلاَّ اَنْ یُحَدَّ الْکَافِرُ فِی قَذْفٍ ثُمَّ اَسْلَمَ وَالْوَلَدِ لاَبَوَیْهِ وَجَدَّیْهِ

اور جس کو حد قذف ماری گئی ہو مگر وہ توبہ کرلے مگر یہ کہ حد ماری جائے کافر کو قذف کی پھر وہ اسلام لے آئے اور بچہ کی والدین اور دادا دادی کے لئے

وَعَکْسِهٖ وَاَحَدِ الزَّوْجَیْنِ لِلاٰخَرِ وَالسَّیِّدِ لِعَبْدِهٖ وَمُکَاتَبِهٖ وَالشَّرِیْکِ لِشَرِیْکِهٖ

اور اس کے برعکس اور میاں بیوی میں سے کسی کی دوسرے کے لئے اور آقا کی اپنے غلام اور مکاتب کے لئے اور ایک شریک کی دوسرے شریک کیلئے

فِیْمَا هُوَ مِنْ شِرْکَتِهِمَا وَالْمُخَنَّثِ وَالنَّائِحَةِ وَالْمُغَنِّیَةِ وَالْعَدُوِّ اِنْ کَانَتْ عَدَاوَةً دُنْیَوِیَّةً.

اس چیز میں جو ان کی شرکت سے ہو اور ہیجڑے نوحہ گر گانے والی اور دشمن کی اگر ہو دشمنی دنیاوی

توضیح اللغۃ: رق غلامی، صغر بچپن، قذف تہمت، مخنث ہیجڑا، نائحہ مردے پر رونے والی، مغنیہ ڈومنی، عدو دشمن۔

تشریح الفقہ: قولہ شہادۃ الاعمی الخ طرفین کے نزدیک اندھے کی شہادت مطلقاً غیر مقبول ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک علی الاطلاق مقبول ہے۔ کیونکہ شہادت کا جواز ولایت اور عدالت کے اعتبار سے ہے۔ اور اندھا ہونا قادح ولایت وعدالت نہیں لہٰذا شہادت مقبول ہوگی یہی وجہ ہے کہ اندھے کی روایت مقبول ہے۔ امام زفر کے نزدیک ان چیزوں میں مقبول ہے جن میں تسامع جاری ہو یہ ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے، امام ابو یوسف اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وہ تحمل شہادت کے وقت بینا ہو تو شہادت مقبول ہے ع۔ وجہ قول طرفین یہ ہے کہ ادائیگی شہادت کے لئے مشہود لہ اور مشہود علیہ کے درمیان اشارہ کیساتھ تمیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نابینا آدمی اشارہ سے امتیاز نہیں کرسکتا وہ تو صرف آواز سے امتیاز کرسکتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ خصم اپنے فائدے کے موافق اس کو کچھ تلقین کردے کیونکہ ایک کی آواز دوسرے کی آواز سے مشابہ ہوجاتی ہے۔ اس لئے اس کی شہادت مقبول نہیں۔

قولہ والمحدود الخ احناف کے یہاں محدود فی القذف کی شہادت بھی مقبول نہیں اگرچہ وہ اپنی دروغ گوئی ظاہر کرکے تائب ہوگیا ہو، ائمہ ثلاثہ کے یہاں توبہ کے بعد اس کی گواہی مقبول ہے۔ اور اصل اس سلسلہ میں یہ آیت ہے "**والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفسقون الا الذین تابوا** اھ

ع.....وفی المنقول والحدود لا تقبل عندہما ایضاً ۱۲ مجمع ع.....رواہ ابوبکر الرازی الخصاف بسندہ عن عائشہ ۱۳

(۱) لما فرغ من بیان ما تسمع فیہ الشہادۃ وما لا تسمع شرع فی بیان من تسمع منہ الشہادۃ ومن لا تسمع وقدم ذلک علیٰ ہذا لانہ محال الشہادۃ والمحال شروط والشروط مقدمۃ علی المشروط کما فی العنایہ لکن المشروط ہو الشہادۃ لا من تسمع منہ الشہادۃ تامل ۱۲ مجمع الانہر

(۲) ظاہرہ انہ اسلم بعد ما ضرب تمام الحد فلو اسلم بعد ما ضرب بعضہ فضرب الباقی بعد اسلامہ ففیہ ثلاث روایات فی ظاہر الروایۃ لا تبطل شہادۃ علی التابید فاذا تاب قبلت وفی روایۃ تبطل ان ضرب الاکثر بعد اسلامہ وفی روایۃ ولو سوطاً کذا فی السراج الوہاج ۱۲ بحر الرائق۔

(۳) لقولہ علیہ السلام لا تجوز شہادۃ الوالد لولدہ ولا المراۃ لزوجہا ولا الزوج لامرأتہ ولا العبد لسیدہ ولا السید لعبدہ ولا الشریک لشریکہ ولا الاجیر لمن استاجرہ ۱۲

(۴) وعند الشافعی تقبل لان الاملاک بینہما متمیزۃ والایدی متحیزۃ ولنا ما روینا ۱۲

اس آیت میں الاالذین تابوا کا استثناء کس سے ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ ابن عباسؓ مجاہد عطاء اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ استثناء "لاتقبلوا" اور "اولئک هم الفسقون" دونوں جملوں کیطرف راجع ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جب استثناء ایسے جملوں کے بعد واقع ہو جن میں سے بعض بعض پر معطوف ہو تو استثناء کل کی طرف راجع ہوتا ہے۔ جیسے کوئی شخص یوں کہے "امرأتی طالق وعبدی حرو علی الحجة الاان ادخل الدار" تو استثناء کل کی طرف راجع ہوگا۔ قاضی شریح ابراہیم نخعی سعید بن جبیر مکحول عبدالرحمن بن زید بن جابر حسن بصری ابن سیرین سعید بن المسیب اور احناف کے نزدیک استثناء صرف "اولئک هم الفسقون" کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ توبہ اور اصلاح حال کے بعد وہ اللہ کے نافرمان بندوں میں شمار نہ ہوگا۔ گو پچھلے قذف کی سزا میں مردود الشہادۃ پھر بھی رہے۔ جس طرح چوری اور دیگر جرائم میں توبہ کرنے سے عنداللہ فسق تو دفع ہو جاتا ہے لیکن دنیاوی سزا مرفوع نہیں ہوتی۔ اور گواہی کا مقبول نہ ہونا بھی ایک قسم کی سزا ہے۔ وقد قال ابن عباسؓ التوبة فیما بینه وبین الله فامانحن فلا نقبل شهادته، یہ تو اس صورت میں ہے کہ جب استثناء کو متصل مانا جائے اور معنی یہ ہوں "اولئک الذین یرمون المحصنات محکوم علیهم بالفسق الاالتائبین" لیکن ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ استثناء منقطع بمعنی لکن ہے کیونکہ تائبین جنس فاسقین سے نہیں ہیں فکان معناه لکن الذین تابوا فان الله یغفرذنوبهم ویرحمهم اس صورت میں یہ مستقل کلام ہوا جس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہیں۔ رہا قاعدہ مذکورہ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ تسلیم نہیں بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب استثناء جمل متعاطفہ کے بعد واقع ہو تو صرف اخیر کی طرف راجع ہوتا ہے۔ ہاں اگر رجوع الی الکل پر کوئی دلیل قائم ہو تو کل کی طرف راجع ہوتا ہے جیسے آیت محاربین میں "لهم عذاب عظیم" کی طرف راجع ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں رہتا لان التوبة تسقطه مطلقاً دوم یہ کہ جمل متقدمہ میں "فاجلدوا" بھی ہے اگر کل کی طرف راجع ہو تو لازم آئے گا کہ توبہ سے کوڑے بھی معاف ہو جائیں۔ حالانکہ بالاتفاق معاف نہیں ہوتے اور اگر یہ کہا جائے کہ فاجلدوا کے علاوہ باقی جملوں کی طرف راجع ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جو وجہ اس کی طرف راجع نہ ہونے کی ہے وہی باقی کی طرف راجع نہ ہونے کی ہے فما هو جوابکم فهو جوابنا پھر نظیر مذکور بھی بیجا ہے کیونکہ اس میں کل جمل متعاطفہ انشائیہ ہیں جس کی وجہ سے عطف مستحسن ہے۔ بخلاف آیت کے کہ اس میں "اولئک هم الفسقون" اسمیہ مستانفہ ہے اور اس سے پہلے امر و نہی ہے۔ فلم یحسن عطفها علیه۔

قوله الاان یحد الخ ہاں اگر کسی کافر پر حد قذف جاری ہوئی پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی گواہی مقبول ہوگی مثلاً ایک ذمی پر حد قذف جاری کیگئی تو اہل ذمہ پر اس کی شہادت جائز نہ رہی پھر جب وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی شہادت اہل ذمہ اور اہل اسلام سب کے حق میں مقبول ہے۔ مصنف نے کافر کی قید لگائی اس واسطے کہ اگر غلام پر حد قذف جاری ہو پھر وہ آزاد ہو جائے تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ کافر فی الجملہ اہل شہادت ہے تو رد شہادت منجملہ تمامی حد سے ہوا اور اسلام سے دوسری قسم کی اہلیت شہادت پیدا ہوئی لہذا اس کی شہادت مقبول ہوگی بخلاف غلام کے کہ اس میں بحالت رقیت شہادت کی بالکل اہلیت نہیں تو رد شہادت حدوث شہادت پر موقوف ہوا اور جب اس میں عتق کے بعد شہادت کی اہلیت پیدا ہوئی تو اب رد شہادت منجملہ تمامی حد سے ہوا۔

قوله والمخنث الخ جو مخنث افعال قبیحہ کا مرتکب ہو یعنی عورتوں کے بعد شہادت کی اہلیت پیدا ہوئی تو اب رد شہادت منجملہ تمامی حد سے ہوا فعلی مشابہت تو یہ کہ محل لواطت ہو اور قولی مشابہت یہ کہ عورتوں کی طرح بناوٹ کیساتھ نرم کلامی اختیار کرے تو اس کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ وہ فاسق ملعون ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "لعنت کرے مردوں میں سے مخنث پر اور عورتوں میں اسے اس پر جو مردوں کیساتھ مشابہت اختیار کرے۔ ہاں اگر پیدائشی طور پر اس کی زبان میں لوچ اور اعضاء میں تلقین ہو اور مرتکب فواحش نہ ہو تو اس کی شہادت مقبول ہے کیونکہ یہ امر اختیاری نہیں ہے۔

نہ...... جو لوگ عیب لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں کو پھر نہ لائے چار مرد شاہد تو مارو ان کو اسی کوڑے اور نہ مانو ان کی گواہی کبھی اور وہی لوگ ہیں نافرمان مگر جنہوں نے توبہ کر لی اھ ۱۲

قوله والنائحه الخ نوحہ گر عورت جو دوسروں کی مصیبت میں اجرت لیکر روئے اس کی شہادت مقبول نہیں نیز گانیوالی عورت کی شہادت بھی مقبول نہیں اگرچہ وہ اپنی وحشت دور کرنے کے لئے گائی ہو اور لہو ولعب اور جمع مال کے لئے گانا تو بالاتفاق حرام ہے **وقد نهی علیه السلام عن الصوتین الا حمقین النائحة والمغنیه۔**

قوله والعدو الخ دنیاوی عداوت رکھنے والے دشمن کی گواہی بھی مقبول نہیں جیسے ولی مقتول کی گواہی قاتل پر اور مجروح کی جارح پر اور مقذوف کی قاذف پر۔ کیونکہ دنیاوی عداوت حرام اور موجب فسق ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَمُدْمِنِ الشُّرْبِ عَلَى اللَّهْوِ وَمَنْ يَلْعَبُ بِالطُّيُوْرِ اَوْ يُغَنِّيْ لِلنَّاسِ اَوْ يَرْتَكِبُ مَايُوْجِبُ الْحَدَّ

اور ہمیشہ کھیل کے لئے شراب پینے والے کی اور اس کی جو کھیلتا ہو پرندوں سے یا گاتا ہو لوگوں کو سنانے کے لئے یا ارتکاب کرتا ہو موجب حد امور کا

اَوْ يَدْخُلُ الْحَمَّامَ بِلَا اِزَارٍ اَوْ يَاكُلُ الرِّبٰوا اَوْ يُقَامِرُ بِالنَّرْدِ وَالشَّطْرَنْجِ اَوْ تَفُوْتُهُ الصَّلٰوةُ بِسَبَبِهِمَا اَوْ يَبُوْلُ

یا داخل ہوتا ہو حمام میں بلا تہبند یا کھاتا ہو سود یا جوا کھیلتا ہو یا چوسر اور شطرنج سے یا فوت ہوتی ہو اس کی نماز ان کے سبب سے یا پیشاب کرتا ہو

اَوْ يَاكُلُ عَلَى الطَّرِيْقِ اَوْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ وَتُقْبَلُ لِاَخِيْهِ وَعَمِّهٖ وَاَبَوَيْهِ رِضَاعًا وَاُمِّ اِمْرَاَتِهٖ وَبِنْتِهَا وَزَوْجِ بِنْتِهٖ

یا کھاتا ہو راہ میں یا علانیہ برا کہتا ہو اسلاف کو اور قبول کی جائے گی اپنے بھائی چچا رضاعی ماں باپ ساس بی بی کی لڑکی داماد

وَاِمْرَاَةِ اِبْنِهٖ وَاَبِيْهِ وَاَهْلِ الْهَوٰى اِلَّا الْخَطَّابِيَّةَ وَالذِّمِّيِّ عَلٰى مِثْلِهٖ

بہو اور باپ کی بی بی کے لئے اور اہل ہوا کی مگر خطابیہ کی اور ذمی کی اسی جیسے پر

وَالْحَرْبِيِّ عَلٰى مِثْلِهٖ لَا عَلَى الذِّمِّيِّ وَمَنْ اَلَمَّ بِصَغِيْرَةٍ اِنْ اِجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ۔

اور کافر حربی کی اسی جیسے پر نہ کہ ذمی پر اور اس کی جو صغیرہ گناہ کرتا ہو اگر کبائر سے بچتا ہو۔

توضیح اللغۃ: مدمن ہمیشگی کنندہ، حمام گرمابہ، ازار تہبند، یقامر قمار سے ہے۔ جوا کا کھیلنا، سب گالی، سلف پہلے بزرگ، خطابیہ روافض میں سے ایک گروہ ہے۔

تشریح الفقہ: قوله ومدمن الشرب الخ ہمیشہ نشہ پینے والے کی شہادت بھی قبول نہیں خواہ نشہ شراب سے ہو یا غیر شراب سے۔ صاحب بحر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ غیر خمر میں ادمان شرط ہے۔ کافی میں ہے کہ ادمان اس لئے شرط ہے کہ اس کا یہ فعل ظاہر ہو اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ مرتکب حرام ہے کیونکہ جو شخص پوشیدہ طور پر شراب پیتا ہو۔ وہ عدالت سے خارج نہیں ہوتا اگرچہ بکثرت پیتا ہو عدالت اسی وقت ساقط ہوگی جب شرب ظاہر ہو۔ رہا شرب خمر کا حرام ہونا تو وہ اپنی جگہ پر ہے شرب کا ایک قطرہ پینے سے بھی مرتکب کبیرہ ہو جاتا ہے۔

قوله ومن یلعب الخ جو شخص پرندوں سے کھیلتا ہو اس کی بھی شہادت مقبول نہیں جیسے کبوتر بازی، تیتر بازی وغیرہ کیونکہ یہ مورث غفلت ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ جب کبوتر اڑانے کیواسطے کوٹھے پر چڑھتا ہو اور عورات نساء پر مطلع ہوتا ہو ورنہ صرف تفریح خاطر اور دفع وحشت کیلئے کبوتر وغیرہ پالنا اور گھروں میں رکھنا مباح ہے۔ نیز جو شخص گانا گاتا اور لوگوں کو راگ سناتا ہو اس کی گواہی بھی مقبول نہیں

عہ ... ابوداؤد عن ابن عباس ۱۲ عہ ...... ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ، ابن حمید، طیالسی، بیہقی عن جابر، بزار، ابویعلی الموصلی، حاکم عن عبدالرحمن بن عوف ۱۲

(۱) لان کشف العورة حرام ورائی ابوحنیفه رجلا فی الحمام بغیر ازار فقال ـ الا یا عباد الله خافوا الهکم: ولا تدخلوا الحمام من غیر مئزر ۱۲۔ (۲) لان کل ذلک من الکبائر واللعب بالنرد مبطل للعدالة مطلقا للاجماع علی حرمته بخلاف الشطرنج لان للاجتهاد فیه مساغا القول مالک والشافعی باباحته وهو مروی عن ابی یوسف واختارها ابن الشحنة اذا کان لاحضار الذهن واختار ابو زید حله ۱۲۔

(۳) لانه تارک للمروة فیالم یسغ عن مثل ذلک لایمتنع عن الکذب ۱۲۔ (۴) لو قال کغیره او یظهر سب مسلم لکان اولیٰ لان العدالة تسقط بسب مسلم وان لم یکن من السلف لقوله علیه السلام سباب المسلم فسق وقتاله کفر ۱۲۔

گو وہ اجرت نہ لیتا ہو (کذا فی الطحطاوی) اسی طرح جو شخص موجب حد امور (یعنی گناہ کبیرہ) کا مرتکب ہوتا ہو اس کی شہادت بھی مقبول نہیں، گناہ کبیرہ وہ ہے جس کے مرتکب پر قرآن وحدیث میں دوزخ یا عذاب شدید کی وعید وارد ہو یا اس کے مرتکب کو کافر کہا ہو جیسے تارک صلوۃ متعمداً یا شرع میں اس پر حد مشروع ہو جیسے زانی، سارق، قاطع

طریق، شارب خمر یا وہ فعل برائی میں امور مذکورہ کے برابر یا ان سے بڑھ کر ہو (القول الجمیل للمحدث الدھلوی) ابو طالب مکی نے "قوت القلوب" میں ذکر کیا ہے کہ میں نے ان احادیث کو جمع کیا جن میں کبائر کی تصریح ہے تو میں نے کبیرہ گناہ سترہ پائے۔ چار دل میں یعنی شرک، نیت اصرار معصیت، رحمت الہی سے ناامیدی، مکر الہی سے بےخوفی اور چار زبان میں یعنی شہادت زور، قذف محصن، یمین غموس، سحر اور تین پیٹ میں یعنی شرب خمر، اکل مال یتیم، اکل ربوا اور دو شرمگاہ میں یعنی زنا اور لواطت اور دو ہاتھ میں یعنی قتل ناحق اور چوری اور ایک پاؤں میں یعنی صف کفار سے فرار اور ایک سارے بدن میں یعنی عقوق والدین حق تعالیٰ ہم سب کو ان سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ (غایۃ الاوطار)۔

قولہ واھل الھوی الخ ہمارے یہاں اہل ہوی کی شہادت علی الاطلاق مقبول ہے خواہ اہلسنت پر ہو یا انہیں میں سے بعض کی بعض پر ہو یا کفار پر ہو بشرطیکہ ان کا اعتقاد مفضی الی الکفر ہو۔ امام شافعی کے یہاں ان کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ ان کا فسق نہایت شدید ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کا فسق اعتقادی ہے نہ کہ فعلی اور فاسق اعتقادی متہم بالکذب نہیں بخلاف فاسق فعلی کے کہ وہ متہم بالکذب ہے اس لئے اس کی گواہی مقبول نہیں۔ پھر اہل ہوی سے کوئی خاص فرقہ مراد نہیں بلکہ جبریہ، مرجیہ، قدریہ، روافض، خوارج، اہل تشبیہ، اہل تعطیل وغیرہ سب فرق اہل ہوی ہیں کیونکہ جو بتاویل فاسد مخالف سنت ہو وہ اہل ہوی ہے۔ مغرب میں یہ ہے کہ جو لوگ اہل قبلہ ہوں یعنی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں اور اہل سنت والجماعت کے طریق سے کجرو ہوں وہ اہل ہوی ہیں۔

قولہ الا الخطابیہ الخ خطابیہ ابو الخطاب محمد بن ذہب اجدح (یا محمد بن ابی زبیب اسدی اجدح) کی طرف نسبت ہے۔ یہ روافض ہی میں سے ایک جماعت ہے جو اپنے شیعوں اور ہر اس شخص کے حق میں شہادت کو جائز سمجھتے ہیں جو ان کے پاس قسم کھائے کہ میں حق پر ہوں ان کی شہادت متہم بالکذب ہونے کی وجہ سے مقبول نہیں۔

قولہ والذمی الخ ہمارے یہاں ذمیوں میں سے بعض کی شہادت بعض پر مقبول ہے گو شاہد و مشہود علیہ کا دین مختلف ہو جیسے یہود ونصاری کیونکہ کل کفر ملت واحدہ ہے، امام مالک اور امام شافعی کے یہاں مقبول نہیں کیونکہ ذمی فاسق ہے قال تعالیٰ **والکافرون هم الفسقون** پس اس کی خبر میں توقف واجب ہے۔ لقولہ تعالیٰ **ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا**، ہم یہ کہتے ہیں کہ ذمی میں اپنی ذات پر اور اپنی اولاد پر ولایت کی اہلیت ہے تو وہ اپنی جنس پر شہادت کا اہل ہوگا۔ رہا فسق سو وہ اعتقادی ہے۔ جو مانع شہادت نہیں۔ **وقد استدل صاحب الهدایه بانه علیه السلام اجاز شهادة اهل الکتاب بعضهم علی بعض (رواه ابن ماجه عن جابر) وفیه تامل۔**

اس نے کوفہ میں خروج کیا۔ عیسی بن موسی بن علی بن عبداللہ بن عباس سے لڑائی لڑی اور یہ دعوی کیا کہ علی مرتضیٰؓ خدائے اکبر ہیں اور جعفر صادق رب اصغر (نعوذ باللہ منہ) سو عیسی نے کوفہ کے محلہ کناسہ میں اس کو سولی دی اور قتل کر دیا ۱۲۔ فی الحاشیۃ الاعزازیہ ابی زینب وفی الملتقی ابی وہب فلینظر ۱۲

وَالاَقْلَفِ وَالْخَصِیِّ وَوَلَدِ الزِّنَا وَالْخُنْثٰی وَالْعُمَّالِ وَالْمُعْتَقِ لِلْمُعْتِقِ وَلَوْ شَهِدَا اَنَّ اَبَاهُمَا اَوْصٰی اِلَیْهِ

اور غیر مختون اور آختہ اور حرامی اور خنثی اور عاملوں کی اور آزاد کردہ کی آزاد کنندہ کیلئے اگر گواہی دیں دو شخص کہ ہمارے باپ نے وصی کیا تھا فلاں کو

وَالْوَصِیُّ یَدَّعِیْ. جَازَ وَاِنْ اَنْکَرَ لاَ کَمَا لَوْشَهِدَا اَنَّ اَبَاهُمَا وَکَّلَهٗ بِقَبْضِ دُیُوْنِهٖ وَادَّعٰی الْوَکِیْلُ

اور وصی بھی دعویٰ کرے تو جائز ہے اور انکار کرے تو نہیں جیسے اگر گواہی دیں کہ ہمارے باپ نے وکیل کیا تھا فلاں کو اپنا قرضہ لینے کا اور دعویٰ کرے

اَوْ اَنْکَرَ وَلاَیَسْمَعُ الْقَاضِیْ اَلشَّهَادَةَعَلٰی جَرْحٍ وَمَنْ شَهِدَ وَلَمْ یَبْرَحْ

وکیل یا انکار کرے اور نہ سنے قاضی شہادت طعن پر جس نے گواہی دی اور کچہری ہی میں رہا

حَتّٰی قَالَ اَوْهَمْتُ بَعْضَ شَهَادَتِیْ تُقْبَلُ لَوْعَدْلاً.

یہاں تک کہ کہا کہ میں نے بعض گواہی میں وہم کیا ہے تو یہ کہنا مقبول ہوگا اگر وہ عادل ہو۔

توضیح اللغۃ: اقلف غیر مختون، خصی آختہ۔ عمال جمع عامل خراج و جزیہ وغیرہ وصول کرنے والے، دیون جمع دین قرض، جرح اظہار فسق۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولو شهد الخ** ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس نے دو لڑکے چھوڑے ان دونوں نے گواہی دی کہ ہمارے باپ نے فلاں شخص کو وصی بنایا ہے سو اگر وہ شخص مدعی وصایت ہو تو ان کی گواہی بطریق استحسان صحیح ہے۔ اور اگر وہ شخص قبول وصایت سے انکار کرے تو گواہی صحیح نہیں اور اگر وہ دونوں بجائے وصایت کے وکالت کی گواہی دیں تو بہر دو صورت گواہی صحیح نہیں خواہ وہ شخص مدعی ہو یا منکر، قیاس تو پہلی صورت میں بھی یہی ہے کہ گواہی صحیح نہ ہو کیونکہ یہ گواہی شاہدوں کے فائدے کیلئے ہے بایں معنی کہ نفع انہیں کی طرف لوٹنے والا ہے وجہ استحسان یہ ہے کہ قاضی کو غائب کیطرف سے وصی مقرر کرنے کی ولایت ہے۔ اب وہ اس کا محتاج ہے کہ وصی کے متعلق غور کرے کہ وہ اپنی امانت و دیانت داری کی وجہ سے صالح وصیت ہے یا نہیں اور میت کے دونوں لڑکوں نے گواہی دے کر اس کی تعدیل کر دی تو قاضی اس شہادت کے ذریعہ بار تعیین سے بچ گیا بخلاف وکالت کے کہ قاضی کو غائب کی طرف سے وکیل مقرر کرنے کا اختیار نہیں۔

قولہ ولا یسمع الخ جرح سے مراد جرح مجرد ہے یعنی اس فسق کا اظہار جو حق اللہ یا حق عبد کے اثبات سے خالی ہو۔ اور اس پر مشہود علیہ سے دفع خصومت مرتب نہ ہو تو جو گواہی جرح مجرد پر ہو وہ مقبول نہیں کیونکہ گواہی حکم کی وجہ سے مقبول ہوتی ہے تو مشہود بہ کا تحت الحکم داخل ہونا ضروری ہے اور فسق تحت الحکم داخل نہیں۔ کیونکہ حکم الزام ہوتا ہے اور قاضی کسی پر فسق لازم نہیں کر سکتا کیونکہ فاسق توبہ کر کے فسق کو دور کر سکتا ہے اس لئے قاضی جرح مجرد پر گواہی نہ سنے اور نہ اس کا حکم کرے **وعندالشافعی تسمع ویحکم به کذا نقل عن الخصاف وهو روایة عن ابی یوسف۔**

قولہ ومن شهد الخ ایک عادل شخص نے گواہی دی اور ہنوز مجلس قضاء سے جدا نہ ہو پایا تھا اور مجلس دراز بھی نہ ہونے پائی تھی نیز مدعی نے اس کی تکذیب بھی نہیں کی تھی کہ اس نے کہا کہ مجھ سے بعض شہادت میں خطا ہو گئی مثلاً اس نے ہزار کی گواہی دی پھر کہا کہ میں چوک گیا حقیقت میں پانچسو ہیں یا اسکے برعکس کہا تو گواہی بشرط عدالت مقبول ہے کیونکہ مجلس قضاء کے رعب سے کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔

....

عی...... لان العدالة لاتخل بترک الختان لانه سنة عندنا، اطلقه وقیده قاضیخان بان لایکون استخفافاً واعراضاً ۱۲.. عه...... لان فسق الابوین لا یوجب فسق الولد خلافاً لمالک فی الزنا ۱۲.. عه...... لانه رجل او امراة وشهادة الجنسین مقبولة بالنص ۱۲.. للعه...... المراد به السلطان لان نفس العمل لیس بفسق الا اذا کانو اعواناً علی الظلم ۱۲

باب الاختلاف فی الشهادة

باب شہادت کے اندر اختلاف کے بیان میں

اَلشَّهَادَةُ اِنْ وَافَقَتِ الدَّعْوٰى قُبِلَتْ وَاِلَّا لَا اِدَّعٰى دَارًا اِرْثًا اَوْ شِرَاءً فَشَهِدَا بِمِلْكٍ مُطْلَقٍ لَغَتْ

شہادت اگر موافق ہو دعویٰ کے تو مقبول ہوگی ورنہ نہیں دعوی کیا گھر کا وراثت یا خرید کے سبب سے اور گواہوں نے گواہی دی ملک مطلق کی تو لغو ہوگی

وَبِعَكْسِهٖ لَا وَيُعْتَبَرُ اِتِّفَاقُ الشَّاهِدَيْنِ لَفْظًا وَمَعْنًى فَاِنْ شَهِدَ اَحَدُهُمَا بِاَلْفٍ وَالْاٰخَرُ بِاَلْفَيْنِ

اور اس کے برعکس ہو تو نہیں اور معتبر ہے گواہوں کا متفق ہونا لفظا بھی اور معنی بھی پس اگر گواہی دی ایک نے ہزار کی اور دوسرے نے دو ہزار کی

لَمْ تُقْبَلْ وَاِنْ شَهِدَ الْاٰخَرُ بِاَلْفٍ وَخَمْسِمِائَةٍ وَالْمُدَّعِي يَدَّعِي ذٰلِكَ قُبِلَتْ عَلَى الْاَلْفِ وَلَوْ شَهِدَا بِاَلْفٍ

تو مقبول نہ ہوگی اور اگر گواہی دی دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کی اور مدعی اس کا دعوی کرے تو مقبول ہوگی ہزار پر اگر دونوں نے ہزار کی گواہی دی

وَقَالَ اَحَدُهُمَا قَضَاهُ مِنْهَا خَمْسَمِائَةٍ تُقْبَلُ بِاَلْفٍ وَلَمْ يُسْمَعْ اَنَّهٗ قَضَاهُ اِلَّا اَنْ يَّشْهَدَ مَعَهٗ اٰخَرُ

اور ایک نے کہا کہ ان میں سے پانچ سو ادا کر دئے تو قبول ہوگی ہزار کی اور نہ سنا جائیگا یہ کہ ادا کر دیئے تھے مگر یہ کہ گواہی دے اس کے ساتھ دوسرا بھی

وَيَنْبَغِي اَنْ لَا يَشْهَدَ حَتّٰى يُقِرَّ الْمُدَّعِي بِمَا قَبَضَ وَلَوْ شَهِدَا بِقَرْضِ اَلْفٍ وَشَهِدَ اَحَدُهُمَا اَنَّهٗ قَضَاهُ

اور چاہئے کہ نہ گواہی دے یہاں تک کہ اقرار کرے مدعی مقبوض کا دو نے گواہی دی ہزار کے قرض کی اور ایک نے ان میں سے گواہی دی کہ ادا کر چکا

جَازَتِ الشَّهَادَةُ عَلَى الْقَرْضِ وَلَوْ شَهِدَا بِاَنَّهٗ قَتَلَ زَيْدًا يَوْمَ النَّحْرِ بِمَكَّةَ وَاٰخَرَانِ اَنَّهٗ قَتَلَهٗ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِصْرَ

تو جائز ہوگی شہادت قرض پر دو نے گواہی دی کہ فلاں نے قتل کیا ہے زید کو قربانی کے دن مکہ میں اور دو نے اس کی کہ قتل کیا ہے اسی دن مصر میں

رُدَّتَا فَاِنْ قُضِيَ بِاَحَدِهِمَا اَوَّلًا بَطَلَتِ الْاُخْرٰى.

تو دونوں مردود ہوں گی اور اگر ایک پر حکم ہوگیا ہو پہلے تو دوسری باطل ہوگی۔

تشریح الفقہ: قوله باب الخ اختلاف شہادت کو اتفاق شہادت کے بعد لانا عین مقتضی طبع ہے کیونکہ اتفاق شہادت ہی اصل ہے اختلاف تو کسی امر عارض جہل و کذب وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے اس باب کے مسائل چند اصول پر مبنی ہیں (۱) حقوق العباد میں شہادت بلا دعوی مقبول نہیں بخلاف حقوق اللہ کے کہ وہ دعوی پر موقوف نہیں۔(۲) اگر شہادت مدعا سے زائد پر ہو تو باطل ہے اور مدعا سے کم پر ہو تو مقبول ہے۔(۳) ملک مطلق جس میں سبب ملک یعنی خرید وارث وغیرہ مذکور نہ ہو وہ ملک مقید سے زیادہ سمجھی جائے گی۔(۵) ایک شاہد کی گواہی دوسرے شاہد کی گواہی کیساتھ لفظاً اور معنیً ہر دو اعتبار سے موافق ہونی چاہئے۔ نیز معنی کے لحاظ سے شہادت دعوی کے بھی موافق ہونی چاہیے ورنہ شہادت مقبول نہ ہوگی مگر تیئیس صورتیں اس قاعدے سے مستثنی ہیں جو صاحب بحر نے ذکر کی ہیں۔ من شاء فليرا جع اليه۔

قله ادعیٰ الخ ایک شخص نے ملک مقید کا دعوی کیا مثلاً یوں کہا کہ جو مکان زید کے پاس ہے وہ میرا اور مجھے وراثت میں ملا ہے یا میں نے خریدا ہے اور گواہوں نے ملک مطلق کی گواہی دی یعنی ملک کا سبب بیان نہیں کیا تو گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ شہادت دعوی سے زیادہ ہے اور اگر عکس ہو یعنی مدعی ملک مطلق کا دعوی کرے اور شاہد ملک مقید کی گواہی دیں تو مقبول ہوگی۔ کیونکہ اس صورت شہادت دعوی سے کمتر ہے۔

قوله ويعتبر الخ امام صاحب کے نزدیک تطابق شہادتین لفظاً اور معنیً ہر دو اعتبار سے ضروری ہے۔ اور تطابق بطریق وضع ہونا چاہئے نہ بطریق تضمن مگر صاحب بحر نے ذکر کیا ہے کہ بیالیس مسئلے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور شیخ صالح نے حاشیہ اشباہ میں تیرہ مسئلے اور بڑھائے ہیں تو کل پچپن مسئلے مستثنیٰ ہیں تفصیل طلب ہو تو انکی طرف رجوع کیجئے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف لفظی موافقت

کافی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کہ دونوں شاہدوں کے الفاظ افادہ معنی میں برابر ہوں خواہ بعینہ وہی لفظ ہو یا اس کا مرادف ہو تو اگر ایک ہبہ کی گواہی دے اور دوسرا عطیہ کی تو گواہی مقبول ہوگی۔

قولہ فان شہدا لخ تطابق شہادتین پر متفرع ہے کہ دو شاہدوں میں سے ایک نے ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو امام صاحب کے نزدیک مقبول نہ ہوگی کیونکہ دونوں کے الفاظ مختلف ہیں اور اختلاف لفظی اختلاف معنوی پر دلالت کرتا ہے چنانچہ ایک ہزار نہیں بولتے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مقبول ہے کیونکہ دونوں شاہد ایک ہزار پر متفق ہیں اس لئے کہ دو ہزار ایک ہزار کو متضمن ہے اور ایک شاہد زیادتی میں منفرد ہے تو جس پر اتفاق ہے وہ ثابت ہوگا یعنی ایک ہزار۔ اور اگر ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے پندرہ سو کی اور مدعی نے پندرہ سو کا دعوی کیا تو بالاتفاق گواہی ایک ہزار پر مقبول ہوگی۔ کیونکہ دونوں شاہد ایک ہزار پر متفق ہیں لفظاً بھی اور معنی بھی اس لئے کہ الف اور خمسمائۃ دو جملے ہیں جن میں سے ایک کا دوسرے پر عطف ہے و العطف یقرر الاول۔

قولہ قضاہ منہا الخ دو گواہوں نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے یہ بھی کہہ دیا کہ پانچسو یہ وصول کر چکا ہے تو ہزار میں ان دونوں کی گواہی مقبول ہوگی کیونکہ اس پر ان دونوں کا اتفاق ہے اور ایک گواہ کا یہ کہنا مسموع نہ ہوگا کہ اس نے پانچسو وصول کر لیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک مستقل گواہی ہے اور گواہ صرف ایک ہے اور ایک کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ ہاں اگر دوسرا بھی اس کے موافق گواہی دی تو مقبول ہوگی۔

قولہ بانہ قتل زیدًا الخ چار گواہوں نے قتل کی گواہی دی اور مکان قتل میں اختلاف کیا مثلاً دو نے کہا کہ بقرعید کے دن مکہ میں قتل ہوا ہے اور دوسرے دو نے کہا کہ اسی دن کوفہ میں قتل ہوا ہے اور یہ سب گواہ حاکم کے روبرو حاضر ہوں تو حاکم ان دونوں گواہیوں کو مسترد کر دے کیونکہ ان میں سے ایک گواہی یقیناً کاذب ہے اس واسطے کہ شخص واحد دو مرتبہ (اور دو جگہ) قتل نہیں ہو سکتا اور ان میں سے کسی ایک کو ترجیح ہے نہیں لہذا دونوں ساقط ہوں گی۔ اور اگر ان میں سے ایک گواہی پہلے ہو گئی تھی جس کی بابت حاکم فیصلہ کر چکا تھا پھر دوسری گواہی دی گئی تو یہ دوسری گواہی مردود ہوگی۔ کیونکہ پہلی گواہی اتصال قضا کی وجہ سے راجح ہو گئی تو اب دوسری گواہی سے نہیں ٹوٹے گی۔

وَلَوْ شَهِدَا عَلٰى سَرِقَةِ بَقَرَةٍ وَاخْتَلَفَا فِي لَوْنِهَا قُطِعَ بِخِلَافِ الذُّكُوْرَةِ وَالْاُنُوْثَةِ وَالْغَصَبِ

اور اگر دو نے گواہی دی گائے کی چوری پر اور اختلاف کیا اس کے رنگ میں تو ہاتھ کاٹا جائیگا بخلاف نر اور مادہ ہونے کے اختلاف کے اور غصب کے

وَمَنْ شَهِدَ لِرَجُلٍ اَنَّهٗ اِشْتَرٰى عَبْدَ فُلَانٍ بِاَلْفٍ وَشَهِدَ الْاٰخَرُ بِاَلْفٍ وَخَمْسِ مِائَةٍ بَطَلَتِ الشَّهَادَةُ

ایک نے گواہی دی کسی کے لئے کہ اس نے خریدا ہے فلاں کا غلام ہزار میں اور گواہی دی دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کی تو گواہی باطل ہوگی

وَكَذَا الْكِتَابَةُ وَالْخُلْعُ فَاَمَّا النِّكَاحُ فَيَصِحُّ بِاَلْفٍ مِلْكُ الْمُوَرِّثِ لَمْ يُقْضَ لِوَارِثِهٖ بِلَا جَرٍّ اِلَّا اَنْ يَشْهَدَا

اسی طرح کتابت اور خلع ہے لیکن نکاح صحیح ہو جائیگا ہزار پر مورث کی ملک کا فیصلہ نہیں کیا جائیگا اس کے وارث کے لئے جب تک یہ ثابت نہ ہو

بِمِلْكِهٖ اَوْ يَدِهٖ اَوْ يَدِ مُوْدِعِهٖ اَوْ مُسْتَعِيْرِهٖ وَقْتَ الْمَوْتِ

کہ وارث کی ملک میں آ گیا مگر یہ کہ گواہی دیں میت کی ملک یا اس کے قبضہ کی یا اس کے مودع یا مستعیر کے قبضہ کی موت کے وقت

وَلَوْ شَهِدَا بِيَدِ حَيٍّ مُذْ شَهْرٍ رُدَّتْ وَلَوْ اَقَرَّ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ بِذٰلِكَ اَوْ شَهِدَ شَاهِدَانِ اَنَّهٗ اَقَرَّ

اگر گواہی دیں زندہ کے قبضہ کی ایک مہینہ سے تو مردود ہوگی اور اگر اقرار کرے مدعا علیہ اس کا یا گواہی دیں دو گواہ اس کی کہ اس نے اقرار کیا ہے

اَنَّهٗ كَانَ فِي يَدِ الْمُدَّعِي دُفِعَ اِلَى الْمُدَّعِي.

کہ یہ مدعی کے قبضہ میں ہے تو دیدیا جائیگی وہ مدعی کو۔

تشریح الفقہ: قوله علی سرقة الخ دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شخص نے گائے چرائی ہے اور اس کے رنگ میں دونوں نے اختلاف کیا مثلاً ایک نے سرخ رنگ بتایا اور دوسرے نے کالا تو سارق کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اگر اختلاف اس کے نر اور مادہ ہونے میں ہو مثلاً ایک کہے کہ گائے تھی اور دوسرا کہے کہ بیل تھا یا گواہی غصب پر ہو۔ اور ایک کہے کہ سفید گائے غصب کی ہے اور دوسرا کہے کہ کالی گائے غصب کی ہے تو سارق کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا یعنی اختلاف رنگ میں ہو یا نر اور مادہ ہونے میں۔ اس واسطے کہ کالی گائے کا سرقہ علیحدہ ہے اور سرخ گائے کا علیحدہ پس ہر ایک فعل پر شہادت کا نصاب پورا نہیں ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ رنگ کے اختلاف میں تطابق ممکن ہے کیونکہ چوری اکثر رات میں ہوتی ہے تو رنگت میں دھوکا ہوسکتا ہے بخلاف نر اور مادہ ہونے کے کہ یہ محل واحد میں جمع نہیں ہوسکتے۔

قوله ومن شهد الرجل الخ ایک شخص نے گواہی دی کہ زید نے فلاں شخص سے غلام ایک ہزار میں خریدا ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ پندرہ سو میں خریدا ہے تو شہادت باطل ہے یہی حکم کتابت اور خلع کا ہے۔ مثلاً ایک نے گواہی دی کہ بدل کتابت ایک ہزار ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ پندرہ سو ہے تو یہ گواہی باطل ہوگی کیونکہ یہاں مقصود اثبات عقد کتابت یا اثبات عقد خلع ہے۔ اور عقد اختلاف بدل کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے تو ہر ایک پر شہادت کا نصاب پورا نہیں ہوا لہٰذا گواہی باطل ہے بخلاف نکاح کے کہ وہ ایک ہزار پر صحیح ہوجائے گا۔ کیونکہ نکاح میں مال تابع ہوتا ہے اور مقصود حلت و ملک ہوتی ہے اور اس میں گواہوں کا اختلاف نہیں بلکہ اختلاف تابع میں ہے تو اقل مال کا حکم کیا جائے گا۔ کیونکہ اقل پر دونوں گواہوں کا اتفاق ہے۔ صاحبین کے نزدیک نکاح بھی باطل ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں بھی عقد میں اختلاف ہے لان المقصود من الجانبين السبب پس عقد نکاح عقد بیع کے مشابہ ہے۔

قوله ملكا لمورث الخ وارث کیلئے اس وقت تک ملک مورث کا فیصلہ نہ ہوگا جب تک کہ جر میراث نہ ہو مثلاً زید کے پاس ایک چیز ہے وارث نے دعویٰ کیا کہ یہ میرے باپ کی میراث ہے اور دو گواہ قائم کر دیئے جنہوں نے گواہی دی کہ واقعی یہ چیز اس کے باپ کی تھی تو طرفین کے نزدیک صرف اتنی گواہی سے وارث کیلئے اس چیز کا حکم نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ گواہوں کو یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ مورث کا انتقال ہوگیا اور مدعی کیلئے یہ چیز بطور میراث چھوڑی ہے الا یہ کہ گواہ یوں گواہی دیں کہ تادم مرگ مورث اس کا مالک رہا ہے۔ یا وہ چیز اس کے قبضہ میں یا اس کے تصرف میں رہی ہے۔ یا کسی ایسے شخص کا قبضہ یا تصرف ثابت کریں جو مورث کا قائم مقام ہو جیسے مستاجر یا مودع یا غاصب یا امانتدار کہ اس صورت میں جر میراث بیان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ شہادت ملک یا شہادت قبض ہی کافی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بیان جر میراث لازم ہی نہیں۔ کیونکہ وارث اپنے مورث کا خلیفہ ہو کر مالک ہوتا ہے تو ملک مورث کی گواہی بعینہ ملک وارث کی گواہی ہے۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ مال متروکہ میں وارث کیلئے ملک جدید پیدا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص باندی کا وارث ہو تو استبراء رحم ضروری ہے اسی طرح اگر موروثہ شئی مورث فقیر پر صدقہ ہو تو وارث غنی کے لئے حلال ہوجاتی ہے اس لئے نقل مذکور (یعنی جر میراث) ضروری ہے تاکہ استصحاب حال مثبت نہ ٹھہرے۔

قوله ولو شهد الخ اگر شاہدین نے زندہ شخص کے قبضہ یا اس کے تصرف کی گواہی دی تو مشہود بہ مجہول ہونے کی وجہ سے گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ اس گواہی سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا قبضہ بطریق ملک تھا یا بطریق ودیعت یا بطریق اجارہ یا بطریق غصب تو اس شک کیوجہ سے قاضی اس چیز کا حکم نہیں کرسکتا۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اس صورت میں گواہی مقبول ہے کیونکہ ملک کی طرح قبضہ بھی مقصود ہوتا ہے تو اگر گواہ یہ گواہی دیں کہ وہ چیز مورث کی مملوک تھی تو گواہی مقبول ہوتی ہے تو شہادت قبض میں بھی مقبول ہوگی۔ اور اگر مدعا علیہ اس کا اقرار کرے کہ وہ چیز مدعی کے قبضہ میں تھی یا گواہ گواہی دیں کہ مدعا علیہ نے قبض مدعی کا اقرار کیا تھا تو اب وہ چیز مدعی کو دلا دی جائے گی کیونکہ اقرار کی صورت میں مقربہ مجہول ہے اور مقربہ کی جہالت مبطل اقرار نہیں ہوتی اور گواہی کی صورت میں مشہود بہ اقرار ہے جو معلوم ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب الشهادة على الشهادة

باب گواہی پر گواہی دینے کے بیان میں

تُقْبَلُ فِيمَا لَايَسْقُطُ بِالشُّبْهَةِ اِنْ شَهِدَ رَجُلَانِ عَلٰى شَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَلٰى شَهَادَةِ وَاحِدٍ

مقبول ہوگی ان میں جو ساقط نہیں ہوتے شبہ سے اگر گواہی دیں دو آدمی دو گواہوں کی گواہی پر اور مقبول نہ ہوگی ایک کی شہادت ایک کی شہادت پر

وَالْاِشْهَادُ اَنْ يَقُوْلَ اِشْهَدْ عَلٰى شَهَادَتِي اَنِّي اَشْهَدُ اَنَّ فُلَانًا اَقَرَّ عِنْدِيْ بِكَذَا

اور گواہی پر گواہی یہ ہے کہ کہے اصل گواہ کہ گواہی دے میری گواہی پر کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے اقرار کیا ہے میرے سامنے اس بات کا

وَاَدَاءُ الْفَرْعِ اَنْ يَقُوْلَ اَشْهَدُ اَنَّ فُلَانًا اَقَرَّ عِنْدَهٗ بِكَذَا

اور فرعی گواہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے مجھے گواہ بنایا ہے اپنی اس گواہی پر کہ فلاں نے اقرار کیا ہے میرے سامنے اس بات کا

وَقَالَ لِي اِشْهَدْ عَلٰى شَهَادَتِي بِذٰلِكَ وَلَا شَهَادَةَ لِلْفَرْعِ بِلَامَوْتِ اَصْلِهٖ اَوْ مَرَضِهٖ اَوْ سَفَرِهٖ فَاِنْ عَدَّلَهُمْ

اور مجھ سے کہا ہے کہ گواہ رہ میری اس گواہی پر اور نہیں ہے گواہی فرع کی اصل گواہ کی موت یا اس کے مرض یا سفر کے بغیر پس اگر عادل بتائیں

الْفُرُوْعُ صَحَّ وَاِلَّا عُدِّلُوْا اَوْ تَبْطُلُ شَهَادَةُ الْفَرْعِ بِاِنْكَارِ الْاَصْلِ الشَّهَادَةَ وَلَوْ شَهِدَا

ان کو فرعی گواہ تو صحیح ہے ورنہ ان کی تعدیل کرائی جائیگی اور باطل ہو جاتی ہے فرع کی گواہی اصل گواہ کے انکار کرنے سے گواہی کا دو نے گواہی دی

عَلٰى شَهَادَةِ رَجُلَيْنِ عَلٰى فُلَانَةَ بِنْتِ فُلَانٍ الْفُلَانِيَّةِ بِاَلْفٍ وَقَالَا اَخْبَرَانَا اَنَّهُمَا يَعْرِفَانِهَا فَجَاءَ بِامْرَأَةٍ

دو کی گواہی پر فلاں بنت فلاں جو فلاں گھرانے کی ہے ایک ہزار کی اور دونے کہا کہ انہوں نے ہم سے کہا ہے کہ ہم اس کو جانتے ہیں پس لایا مدعی

وَقَالَا لَمْ نَدْرِ اَهِيَ هٰذِهٖ اَمْ لَا قِيْلَ لِلْمُدَّعِي هَاتِ شَاهِدَيْنِ اَنَّهَا فُلَانَةُ

ایک عورت اور گواہوں نے کہا ہم نہیں جانتے کہ وہ یہ ہے یا نہیں تو کہا جائیگا مدعی سے کہ لا تو دو گواہ اس کے کہ وہ عورت وہی ہے

وَكَذَا كِتَابُ الْقَاضِي اِلَى الْقَاضِي وَلَوْ قَالَا فِيْهِمَا التَّمِيْمِيَّةُ لَمْ يَجُزْ

اسی طرح ایک قاضی کا خط ہے دوسرے قاضی کی طرف اور اگر ان صورتوں میں گواہوں نے تمیمیہ کہا تو کافی نہ ہوگا

حَتّٰى يَنْسِبَاهَا اِلٰى فَخِذِهَا وَلَوْ اَقَرَّ اَنَّهٗ شَهِدَ زُوْرًا يُشَهَّرُ وَلَا يُعَزَّرُ.

جبتک کہ ذکر نہ کریں خاص چھوٹے قبیلہ کو اگر گواہ نے اقرار کیا کہ میں نے جھوٹی گواہی دی ہے تو اس کی تشہیر کیجائے تعزیر نہ کیجائے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ شہادت اصول کے بعد شہادت فروع بیان کر رہا ہے۔ وجہ مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ پھر شہادت بر شہادت از روئے قیاس جائز نہیں کیونکہ شہادت بدنی عبادت ہے اور عبادات بدنیہ میں نیابت جاری نہیں ہوتی مگر فقہائے اس کو بدلیل استحسان جائز رکھا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات اصل شاہد موت یا سفر وغیرہ کی بنا پر ادائے شہادت سے عاجز ہوتا ہے۔ اگر شہادت فروع جائز نہ ہو تو اکثر حقوق ضائع ہو جائیں گے اس لئے شہادت بر شہادت جائز ہے۔ گو بکثرت ہو یعنی فروع کی شہادت پر شہادت پھر ان کی فروع کی شہادت پر شہادت و ہکذا۔ البتہ حدود وقصاص میں جائز نہیں کیونکہ اس میں بحیثیت بدلیت یا بحیثیت زیادۃ احتمال شبہ موجود ہے اور حدود

عہ...... لان جوازہا عند الحاجۃ وانما تمس عند عجز الاصل ۱۲۔ عہ...... ای الشرعی فی ظاہر الروایۃ وعلیہ الفتویٰ فلو کان الفرع بحیث لو حضر الاصل مجلس الحکم امکنہ البیتوتۃ فی منزلہ ۱۰، عند اکثر المشائخ وہو قول الثلاثۃ تقبل وعلیہ الفتویٰ کما فی السراجیۃ والمضمرات قالوا الاول احسن والثانی ارفق وعند محمد انہ یجوز کیف ما کان ولو کان الاصل فی المصر ۱۲ مجمع الانہر

وقصاص ادنیٰ شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ وعند الثلاثة تقبل فيهما ايضاً۔

قوله ان شهد رجلان الخ ہمارے یہاں دو شاہدوں کی شہادت پر دوسرے دو شاہدوں کی گواہی مقبول ہے۔امام شافعی کے یہاں چار کا ہونا ضروری ہے کیونکہ فرع کے ہر دو شاہد اصل کے ایک شاہد کے قائم مقام ہیں۔ ہماری دلیل حضرت علی کا ارشاد ہے ''لايجوز على شهادة الميت الا رجلان'' [عہ] نیز حضرت شعبی سے مروی ہے لاتجوز شهادة الشاهد على الشاهد حتى يكونا اثنين [عہ]''۔

قوله فان عدلهم الخ اگر شہود فرع نے شہود اصل کی تعدیل کی تو ان کی تعدیل قبول کی جائے گی کیونکہ وہ اہل تعدیل ہیں۔اور اگر ان کی تعدیل نہ کریں تب بھی ان کی شہادت مقبول ہے لیکن اس صورت میں قاضی شہود اصل کے متعلق پوچھ گچھ کرے گا امام محمد کے نزدیک شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ شہادت بلا عدالت مقبول نہیں ہوتی۔اور جب انہوں نے تعدیل نہیں کی تو ان کی طرف سے شہادت نقل نہیں کی۔امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ شہود فرع پر صرف نقل شہادت واجب ہے نہ کہ تعدیل تعدل تو عدل کیصورت میں قاضی ان کے حالات دریافت کرے گا۔

قوله وتبطل الخ اگر اصل شہود نے شہادت سے انکار کر دیا مثلاً یوں کہدیا کہ ہم اس حادثہ کے گواہ نہیں یا ہم نے ان کو گواہ نہیں بنایا اور یہ کہ کر مر گئے یا غائب ہو گئے پھر شہود فرع نے ان کی شہادت پر گواہی دی تو ان کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ قبول شہادت کیلئے تحمیل شرط ہے اور وہ یہاں پائی نہیں گئی کیونکہ اصول اور فروع کی خبروں میں تعارض ہے۔لیکن اگر شہود اصول سے شہود فروع کی شہادت کا سوال ہوا اور وہ خاموش رہیں یعنی نہ اقرار کریں نہ انکار تو فروع کی شہادت مقبول ہوگی (خلاصہ) گویا اس مسئلہ میں سکوت نطق کے مانند ہے۔

قوله ولو شهدا الخ زید اور عمرو نے دوسرے آدمیوں کی گواہی پر گواہی دی کہ فلاں عورت (مثلاً فاطمہ) جو فلاں شخص (مثلاً حامد) کی لڑکی ہے اور فلاں قوم والی ہے مثلاً مصریہ ہے اس پر ایک ہزار درہم لازم آتے ہیں اور فروع نے یہ بھی کہا کہ ہم کو شہود اصول نے بتایا کہ ہم اس عورت کو پہچانتے ہیں اس کے بعد مدعی (مقرلہ) نے ایک عورت کو حاضر کیا جس کے متعلق شہود فروع نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ عورت وہی ہے جو مدعا علیہا ہے یا کوئی اور ہے تو مدعی سے دو گواہ طلب کئے جائیں گے جن سے یہ ثابت ہو کہ یہ عورت وہی مدعا علیہا ہے۔کیونکہ شہادت شاہدین سے تعریف بالنسبۃ تو ثابت ہو چکی مگر وہ یہ دعوی کر رہا ہے کہ وہ نسبت اسی موجودہ عورت میں ثابت ہے۔ اب ہوسکتا ہے کہ وہ عورت وہی ہو یا کوئی اور ہو اس لئے گواہی سے اس کو ثابت کرنا پڑے گا۔ایک قاضی کا خط جو دوسرے قاضی کے پاس جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔کیونکہ وہ بھی شہادت پر شہادت کے معنی میں ہوتا ہے۔اور اگر ان دونوں صورتوں میں شہود فروع عورت کا اوپر والا خاندان ذکر کریں مثلاً یہ کہیں کہ وہ تمیمیہ ہے تو یہ کافی نہ ہوگا بلکہ نیچے والے کسی خاص قبیلہ کو ذکر کرنا پڑے گا کیونکہ اوپر والا خاندان ذکر کرنے سے اچھی طرح پہچان نہیں ہوتی۔

قوله الى فخذها الخ صاحب ہدایہ نے فخذ (بکسر خاء) کی تفسیر قبیلہ خاصہ کیساتھ کی ہے اور زیلعی نے جد اعلیٰ کے ساتھ۔زمخشری نے ذکر کیا ہے کہ عرب کے چھ طبقات ہیں شعب۔ بالفتح) قبیلہ عمارہ بطن فخذ فصیلہ' سو مضر ربیعہ حمیر اور مدحج شعب ہیں بایں معنی کہ ان سے قبائل منشعب ہوتے ہیں۔اور کنانہ قبیلہ ہے اور قریش عمارہ اور قصی بطن اور ہاشم فخذ اور عباس فصیلہ۔

قوله ولو اقر الله الخ اگر کوئی شخص گواہی کے بعد اقرار کرلے کہ میں نے جھوٹی گواہی دی ہے تو امام صاحب کے نزدیک اس کو سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اس کی تشہیر کی جائے گی وعليه الفتوى كمافي السراجيه جس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ شخص بازاری ہو تو بازار میں اور غیر بازاری ہو تو اس کی قوم میں اعلان کرایا جائے گا کہ یہ شخص شاہد زور ہے۔لہٰذا تم اس سے خود بھی بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ۔ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک اس کو مار بھی لگائی جائے گی۔اور قید بھی کیا جائے گا۔کیونکہ حضرت عمر نے شاہد زور کے چالیس

عہ......عبد الرزاق ۱۲ عہ......ابن ابی شیبہ ۱۲ عہ......عبد الرزاق ۱۲

کوڑے لگائے تھے۔ اور اس کا منہ کالا کیا تھا۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ قاضی شریح شاہد زور کی تشہیر ہی کیا کرتے تھے اور حضرت شریح صحابہ کے زمانہ میں قاضی تھے۔ آپ پر صحابہ میں سے کسی نے نکیر نہیں کی معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک تشہیر شاہد زور مجمع علیہ تھی۔ رہی حدیث عمر سو وہ سیاست پر محمول ہے۔ سراجیہ میں ہے کہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔ لیکن صاحب فتح القدیر نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ یہی حق ہے بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ اگر شاہد زور نے جھوٹی گواہی پر مصر ہو کر رجوع کیا ہو تو بالاجماع مار لگائی جائے گی اور اگر توبہ کر کے رجوع کیا ہو تو بالاتفاق تعزیر نہ ہوگی۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب الرجوع عن الشهادة

باب گواہی سے رجوع کرنے کے بیان میں

لَایَصِحُّ الرُّجُوْعُ عَنْهَا اِلَّا عِنْدَ قَاضٍ فَاِنْ رَجَعَا قَبْلَ حُکْمِهٖ لَمْ یَقْضِ وَبَعْدَهٗ لَمْ یَنْقُضْ وَضَمِنَا مَا اَتْلَفَاهُ

صحیح نہیں پھیرنا گواہی سے مگر قاضی کے روبرو سو اگر پھر گئے قاضی کے حکم سے پہلے تو قاضی حکم نہ کرے اور اس کے بعد حکم نہ ٹوٹیگا اور ضامن ہوں گے

الْمَشْهُوْدُ عَلَیْهِ اِذَا قَبَضَ الْمُدَّعِی الْمَالَ دَیْنًا اَوْ عَیْنًا فَاِنْ رَجَعَ اَحَدُهُمَا ضَمِنَ النِّصْفَ وَالْعِبْرَةُ لِمَنْ بَقِیَ

اس کے جو انہوں نے تلف کرایا ہو مشہود علیہ کا جبکہ قبضہ کر لیا ہو مدعی نے مال پر دین ہو یا عین اگر پھر گیا ایک تو ضامن ہوگا نصف کا اور اعتبار ان کا ہے

لَا لِمَنْ رَجَعَ فَاِنْ شَهِدَ ثَلٰثَةٌ وَرَجَعَ وَاحِدٌ لَمْ یَضْمَنْ وَاِنْ رَجَعَ اٰخَرُ ضَمِنَا النِّصْفَ

جو باقی رہیں نہ کہ ان کا جو پھر جائیں پس اگر گواہی دی تین نے اور پھر گیا ایک تو ضامن نہ ہوگا اور اگر پھر گیا دوسرا بھی تو ضامن ہوں گے دونوں

وَاِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ فَرَجَعَتْ اِمْرَأَةٌ ضَمِنَتِ الرُّبُعَ وَاِنْ رَجَعَتَا ضَمِنَتَا النِّصْفَ

نصف کے اور اگر گواہی دی ایک مرد اور دو عورتوں نے اور پھر گئی ایک عورت تو ضامن ہوگی ربع کی اور اگر دونوں پھر گئیں تو ضامن ہونگی نصف کی

وَاِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَعَشَرَةُ نِسْوَةٍ فَرَجَعَتْ ثَمَانٍ لَمْ یَضْمَنْ وَاِنْ رَجَعَتْ اُخْرٰی ضَمِنَ رُبُعَهٗ فَاِنْ رَجَعُوْا

اور اگر گواہی دی ایک مرد اور دس عورتوں نے اور پھر گئیں آٹھ تو ضامن نہ ہونگی اور اگر پھر گئی ایک اور تو ضامن ہونگی ربع کی اور اگر سب پھر گئے

فَالْغُرْمُ بِالْاَسْدَاسِ وَاِنْ شَهِدَ رَجُلَانِ عَلَیْهِ اَوْ عَلَیْهَا بِنِکَاحٍ بِقَدْرِ مَهْرِ مِثْلِهَا

تو تاوان اسداسا ہوگا اگر گواہی دی دو نے ایک مرد پر یا عورت پر نکاح کی بقدر اس کے مہر مثل کے

وَرَجَعَا لَمْ یَضْمَنَا وَاِنْ زَادَا عَلَیْهِ ضَمِنَاهَا.

اور دونوں پھر گئے تو ضامن نہ ہونگے اور اگر مہر مثل پر زائد کی گواہی دی تو ضامن ہونگے زیادتی کے

تشریح الفقہ: قولہ یصح الرجوع الخ شرط صحت رجوع مجلس قضا ہے کیونکہ رجوع عن الشہادۃ فسخ شہادت ہے تو جس طرح شہادت کیلئے مجلس قضا ضروری ہے اسی طرح فسخ شہادت کے لئے بھی ضروری ہے اگر شاہدین قضاء قاضی سے پیشتر شہادت سے رجوع کر لیں تو گواہی ساقط الاعتبار ہوگی اور قاضی اس پر کوئی حکم نہ کرے گا۔

(۱) وجہ مناسبۃ لما سبق انہ یقتضی سبق وجودہا وہو امر مشروع مرغوب فیہ دیانۃ ۱۲۔ (۲) لبقاء ثلثۃ ارباع الحق ببقاء رجل وامراۃ ۱۲۔ (۳) لبقاء نصف الحق ببقاء الرجل ۱۲۔
(۴) لبقاء النصاب ببقاء رجل [illegible] (۵) لانہ فی النصف بشہادۃ الرجل والربع بشہادۃ الباقیۃ فبقی ثلاثۃ الارباع ۱۲۔

اور جب قاضی کی طرف سے کوئی حکم نہ ہوا تو شاہدین پر کوئی تاوان نہ آئے گا۔ کیونکہ انہوں نے مدعی یا مدعا علیہ کی کوئی چیز تلف نہیں کی۔ اور اگر قضاء قاضی کے بعد رجوع کیا تو قاضی کا حکم فسخ ہوجائیگا۔ کیونکہ صدق پر دلالت کے لحاظ سے خبر ثانی خبر اول کے مانند ہے۔ اور خبر اول متصل بالقضا ہوچکی لہٰذا قاضی کا حکم فسخ نہ ہوگا بلکہ شاہدوں نے مشہود علیہ کا مال تلف کرایا ہے وہ اس کا ضمان دیں گے امام شافعی کے یہاں شہود ضمان نہیں۔ کیونکہ وہ تلف مال کے سبب ہیں اور قاضی مباشر ہے۔ اور مباشر کے ہوتے ہوئے سبب کا اعتبار نہیں ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ یہاں قاضی مباشر پر ایجاب ضمان متعذر ہے۔ کیونکہ وہ تو حکم کرنے کی طرف مضطر ہے۔ اور شہود شہادت باطلہ سے اپنی ذات پر سبب ضمان کا اقرار کر چکے۔ لہٰذا تاوان انہیں پر آئے گا۔

قولہ اذا قبض الخ کنز کی طرف وقایہ، درر، غرر، ملتقی الابحر، اصلاح، مواہب الرحمٰن اور جوہرہ میں بھی قبض سرخسی اور صاحب مجمع کے نزدیک یہی مختار ہے۔ کیونکہ اتلاف کا تحقق قبضہ ہی ہوتا ہے۔ لیکن تنویر، بحر، بزازیہ خلاصہ اور خزانۃ المفتیین میں ہے کہ شہود کو تاوان دینا پڑیگا۔ خواہ مدعی نے مال پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ بعض مشائخ کے نزدیک فتوی اسی پر ہے۔ صاحب خلاصہ نے کہا ہے کہ یہ امام صاحب کا مرجوع الیہ قول ہے اور صاحبین بھی اسی کے قائل ہیں بعض حضرات نے یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ اگر مال عین ہو تو دونوں صورتوں میں تاوان دینا ہوگا۔ اور اگر مال دین ہو تو قبض کی صورت میں تاوان ہوگا۔ عدم قبض کی صورت میں نہ ہوگا قہستانی نے اسی تفصیل کو برقرار رکھا ہے۔ علامہ ابن العابدین نے منحۃ الخالق میں بنقول معتبرہ جو تحقیق پیش کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ وجوب ضمان میں قبض مدعی کی قید معتبر ہے۔

قولہ والعبرۃ الخ باب ضمان میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں ضمان میں باقی ماندگان کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ رجوع کنندگان کا۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں اس کا عکس ہے پس اگر شاہدین میں سے ایک نے رجوع کیا تو رجوع کرنے والے پر نصف مال کا تاوان ہوگا کیونکہ مردوں کی شہادت میں ہر شاہد کی شہادت سے نصف حجت قائم ہوتی ہے۔ اور جب ایک رجوع کرلیا تو نصف مال میں حجت باقی رہی پس رجوع کنندہ پر اس کا تاوان ہوگا جس میں حجت باقی نہیں رہی اور وہ نصف ہے اور اگر تین شاہدوں میں سے ایک نے رجوع کیا کہ اس پر تاوان نہ ہوگا کیونکہ دو شاہد باقی ہیں جن کی شہادت سے کل حق باقی ہے اور اگر دوسرے نے بھی رجوع کرلیا تو اب دونوں رجوع کنندگان نصف مال کے ضامن ہوں گے۔ کیونکہ ایک شاہد کے باقی رہنے سے نصف مال باقی ہے لہٰذا رجوع کرنے والے نصف کے ضامن ہوں گے۔

قولہ فان رجعوا الخ ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی اور سب نے رجوع کرلیا تو امام صاحب کے نزدیک مرد پر مال کے چھٹے حصہ کا تاوان آئے گا اور باقی پانچ سدس عورتوں پر۔ صاحبین کے نزدیک نصف مال کا ضمان مرد پر ہوگا اور نصف عورتوں پر۔ کیونکہ عورتیں شہادت میں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں گو بکثرت ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کے بغیر ان کی شہادت مقبول نہیں۔ وہ ایک مرد کی شہادت سے نصف مال ثابت ہوا تو نصف باقی ان کی شہادت سے ثابت ہوگا۔ لہٰذا ضمان بھی نصفا نصف ہوگا، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں تو دس عورتیں پانچ مردوں کے قائم مقام ہوئیں۔ قال علیہ السلام "**عدلت شھادۃ اثنین منھن بشھادۃ رجل واحد**"[ع] پس یہ ایسا ہوگیا جیسے چھ مرد گواہی دیکر پھر جائیں کہ ان میں سے ہر ایک پر مال کے چھٹے حصے کا تاوان ہوتا ہے۔

قولہ وان شھد جلان الخ پہلے ایک قاعدہ سمجھ لو قاعدہ یہ ہے کہا اگر مشہود بہ مال نہ ہو جیسے قصاص اور نکاح وغیرہ تو ہمارے نزدیک شہود ضامن نہیں ہوتے (خلافاً للشافعی) اور اگر مشہود بہ مال ہو اور رجوع شہود کی وجہ سے وہ تلف ہوجائے تو اگر اتلاف بعوض مماثل ہو تب بھی شہود ضمان نہیں ہوتا۔ کیونکہ اتلاف بمقابلہ عوض بمنزلہ عدم اتلاف ہوتا ہے اور اگر اتلاف بعوض غیر مماثل ہو تو بقدر عوض ضمان نہ ہوگا اس کے علاوہ میں ضمان ہوگا۔ اور اگر اتلاف بلا عوض ہو تو پورا تاوان دینا ہوگا۔ اب مسئلہ سمجھو ایک شخص نے عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس پر گواہ بھی قائم کردیئے حالانکہ وہ منکر ہے اور قاضی نے شہادت کی وجہ سے نکاح کا فیصلہ کردیا پھر گواہوں نے گواہی سے رجوع کرلیا تو

ع۔۔۔۔ بخاری عن ابی سعید، مسلم عن ابن عمر و ابی ہریرۃ و ابی سعید، حاکم عن ابن مسعود ۱۲

گواہوں پر ضمان نہ ہوگا خواہ مہر مسمی بقدر مہر مثل ہو یا کم وبیش کیونکہ گواہوں نے شہادت نکاح کے ذریعہ منافع بضع کو تلف کیا ہے اور منافع بضع عندالاتلاف متقوم نہیں ہوتے۔ کیونکہ تضمین مقتضی مماثلت ہے اور بضع اور مال میں کوئی مماثلت نہیں۔ اور اگر عورت نے مرد پر نکاح کا دعوی کیا پھر صورت مذکورہ پیش آئی تو اگر مہر مسمی مہر مثل کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تب بھی شہود ضامن نہ ہوں گے۔ کیونکہ یہ اتلاف بمقابلہ عوض ہے بایں معنی کہ دخول فی الملک کی حالت میں بضع شئی متقوم ہے۔ اور اگر مہر مسمی مہر مثل سے زائد ہو تو شہود بقدر زیادت ضمان ہوگا جو وہ شوہر کو دیں گے۔ کیونکہ شہود نے زوج پر قدر زیادت کو بلا عوض تلف کیا ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَمْ يَضْمَنَا فِي الْبَيْعِ اِلَّا مَانَقَصَ مِنْ قِيمَةِ الْمَبِيعِ وَفِي الطَّلَاقِ قَبْلَ الْوَطِئِ ضَمِنَا نِصْفَ الْمَهْرِ وَلَمْ يَضْمَنَا

اور ضامن نہ ہوں گے بیع میں مگر اس کے جو کم ہو مبیع کی قیمت سے اور طلاق قبل از وطی میں ضامن ہوں گے نصف مہر کے اور ضامن نہ ہوں گے

لَوْ بَعْدَ الْوَطِئِ وَفِي الْعِتْقِ ضَمِنَا الْقِيمَةَ وَفِي الْقِصَاصِ ضَمِنَا الدِّيَّةَ وَلَمْ يُقْتَصَّا وَاِنْ رَجَعَ شُهُوْدُ الْفَرْعِ

اگر وطی کے بعد ہو اور باب عتق میں ضامن ہوں گے قیمت کے اور قصاص میں دیت کے اور ان سے قصاص نہ لیا جائیگا اگر پھر گئے شہود فرع

ضَمِنُوْا لَا شُهُوْدُ الْاَصْلِ بِلَمْ نُشْهِدِ الْفُرُوْعَ عَلٰى شَهَادَتِنَا اَوْ اَشْهَدْنَاهُمْ وَغَلِطْنَا وَلَوْ رَجَعَ الْاُصُوْلُ

اور وہی ضامن ہوں گے نہ کہ شہود اصل یہ کہنے سے کہ ہم نے فروع کو گواہ نہیں بنایا اپنی شہادت پر یا گواہ تو بنایا مگر ہم نے غلطی کی اور اگر پھر گئے اصول

وَالْفُرُوْعُ ضَمِنَ الْفُرُوْعُ فَقَطْ وَلَا يُلْتَفَتُ اِلٰى قَوْلِ الْفُرُوْعِ كَذَبَ الْاُصُوْلُ اَوْ غَلِطُوْا

اور فروع دونوں تو صرف فروع ضامن ہوں گے اور التفات نہ کیا جائیگا فروع کے اس کہنے پر کہ اصول نے جھوٹ کہا یا انہوں نے غلطی کی

وَضَمِنَ الْمُزَكِّىْ بِالرُّجُوْعِ وَشُهُوْدُ الْيَمِيْنِ وَالزِّنٰى لَاشُهُوْدُ الْاِحْصَانِ وَالشَّرْطِ.

اور ضامن ہوگا مزکی پھر جانے سے اور ضامن ہوں گے شہود یمین اور شہود زنا نہ کہ شہود احصان اور شہود وقوع شرط۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولم یضمنا الخ** اگر شہود بائع پر گواہی دیکر شہادت سے رجوع کر لیں تو جس قدر مبیع کی قیمت سے کم ہو گیا ہو اس کا ضمان دینا ہوگا مثلاً مشتری نے کہا کہ میں نے یہ غلام فلاں شخص سے ہزار درہم کے عوض میں لیا ہے اور یہ دو ہزار کا ہے اور گواہوں نے اس کی گواہی دیکر رجوع کر لیا تو گواہ بائع کو ہزار درہم دیں گے کیونکہ انہوں نے اس کے ہزار درہم تلف کئے ہیں اور اگر مشہود علیہ مشتری ہو تو جس قدر قیمت سے زائد ہو اس کا تاوان دینا ہوگا۔ مثلاً بائع نے دعوی کیا کہ مشتری نے یہ غلام ہزار درہم کے عوض میں لیا ہے اور اس پر ثمن ہے اور مشتری اس کا منکر ہے اور گواہوں نے گواہی دی کہ مشتری نے غلام دو ہزار میں لیا ہے حالانکہ وہ ایک ہزار کا ہے۔ اس کی بعد گواہوں نے شہادت سے رجوع کر لیا تو گواہ لوگ مشتری کو ایک ہزار درہم دیں گے کیونکہ انہوں نے مشتری کے ہزار درہم تلف کئے ہیں۔ **فعلیٰ هذالو قال المصنف' ولم يضمنا البيع والشراء الامانقص اوزادلكان اولىٰ۔**

قولہ وفی القصاص الخ قصاص کی صورت میں شہود پر دیت کا ضمان ہوگا۔ مثلاً شہود نے گواہی دی کہ خالد نے محمود کو عمداً قتل کیا ہے قاضی نے ان کی شہادت کیوجہ سے خالد کے قتل کا حکم دیدیا اور وہ مقتول ہو گیا پھر شہود گواہی سے پھر گئے تو ان پر دیت لازم ہوگی جو ان کے مال سے تین سال کے اندر وصول کی جائے گی اور ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا امام شافعی کے یہاں قصاص لیا جائے گا کیونکہ وہ قتل کے سبب بنے ہیں تو باعتبار تسبب ان سے قتل پایا گیا۔ جواب یہ ہے کہ ان سے قتل نہیں پایا گیا نہ مباشرۃً نہ تسبباً۔ کیونکہ سبب تو وہ ہوتا ہے جو باعتبار غالب مفضی الی القتل ہو اور یہاں ایسا نہیں **لان العفو مندوب قال تعالىٰ وان تعفوا اقرب للتقوى۔**

قولہ وان رجع الخ اگر شہود فروع نے شہادت سے رجوع کر لیا تو وہ ضامن ہوں گے کیونکہ قاضی کی مجلس میں شہادت فرع ہی

سے صادر ہوئی ہے نہ کہ اصول سے اور انہیں کی شہادت پر قاضی کا حکم مبنی ہے لہٰذا تلف انہیں کی طرف مضاف ہوگا۔

قوله لا شهود الاصل الخ اگر شہود اصل یہ کہیں کہ ہم نے شہود فرع کو اپنی شہادت پر شاہد نہیں بنایا تو نہ شہود اصل ضامن ہوں گے اور نہ شہود فرع، شہود اصل تو اسلئے ضامن نہ ہوں گے کہ ان کی طرف سے اتلاف نہیں ہے۔ اور شہود فرع اسلئے ضامن نہ ہوں گے کہ انہوں نے شہادت سے رجوع نہیں کیا، اور اگر شہود اصل یہ کہیں کہ ہم نے شہود فرع کو گواہ تو بنایا ہے لیکن ہم سے غلطی ہوئی ہے تو شیخین کے نزدیک اب بھی ضمان نہ ہوگا۔ امام محمد اور امام احمد کے نزدیک مشہود علیہ کو اختیار ہوگا چاہے اصول سے ضمان لے چاہے فروع سے۔ فروع سے تو اس لئے کہ قاضی کا حکم انہیں کی شہادت سے واقع ہوا ہے۔ کیونکہ قاضی نے انہیں کی شہادت کا معائنہ کیا ہے اور اصول سے اسلئے کہ شہود فروع نقل شہادت میں اصول کے نائب ہیں۔

قوله وضمن المزكى الخ مزکی یعنی شہود کی عدالت ظاہر کرنے والا اگر تعدیل سے رجوع کرلے (جبکہ وہ جانتا تھا کہ شہود مثلاً غلام ہیں) تو امام صاحب کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس نے شہود کی خوبی بیان کی ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حکم شاہد کی طرف مضاف ہے اور شہادت بلا عدالت حجت نہیں ہوتی اور عدالت بلا تزکیہ ثابت نہیں ہوتی تو مزکی کا تزکیہ حکم کے لئے علۃ العلۃ ہوا لہٰذا مزکی ضامن ہوگا، مگر یاد رہے کہ اختلاف مذکور اس وقت ہے جب مزکی جانتا ہو کہ شہود مثلاً غلام ہیں اور پھر ان کی تعدیل کرے۔ اور اگر مزکی یہ کہے کہ میں نے تزکیہ شہود میں غلطی کی ہے تو اس پر بالاتفاق ضمان نہیں ہے۔

قوله وشهود اليمين الخ گواہوں نے گواہی دی کہ آقا نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہو تو آزاد ہے۔ یا انہوں نے گواہی دی کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہو تو تو مطلقہ ہے (حالانکہ بیوی سے قربت نہیں کی) پھر دوسرے دو شاہدوں نے وجود شرط یعنی دخول دار کی گواہی دی اور قاضی نے فیصلہ کردیا۔ اس کے بعد فریقین نے شہادت سے رجوع کرلیا تو ضمان شہود یمین پر ہوگا نہ کہ شہود شرط پر۔ کیونکہ شہود یمین علت حکم کے شہود ہیں۔ اور تعلیق بالشرط مانع حکم تھی تو شرط پائے جانے کے وقت تلف اپنی علت کی طرف مضاف ہوگا۔ اسی طرح چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی اور دوسرے گواہوں نے کہا کہ زانی محصن ہے۔ اس کے بعد تمام گواہوں نے شہادت سے رجوع کرلیا تو ضمان شہود زنا پر ہوگا نہ کہ شہود احصان پر۔ کیونکہ زنا علت ہے۔ اور احصان صرف علامت ہے نہ کہ شرط حقیقی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

كتاب الوكالة

صَحَّ التَّوْكِيْلُ وَهُوَ اِقَامَةُ الْغَيْرِ مَقَامَ نَفْسِهٖ فِي التَّصَرُّفِ مِمَّنْ يَمْلِكُهٗ

صحیح ہے توکیل اور وہ قائم کرنا ہے دوسرے کو مقام میں اپنی ذات کے تصرف میں اس سے جو مالک ہو تصرف کا

اِذَا كَانَ الْوَكِيْلُ مِمَّنْ يَعْقِلُ الْعَقْدَ وَلَوْ صَبِيًّا اَوْ عَبْدًا مَحْجُوْراً.

جبکہ وکیل سمجھتا ہو عقد کو گو بچہ ہو یا عبد مجور ہو۔

تشریح الفقہ : قوله كتاب الخ احکام وانواع اور توابع شہادت سے فراغت کے بعد احکام وکالت یہاں بیان کررہا ہے۔ وجہ مناسبت یہ ہے کہ شاہد اور وکیل میں سے ہر ایک دوسرے کی تحصیل مراد میں سعی نہیں کرتا اور کوشاں رہتا ہے۔ شاہد مراد مدعی کی تحصیل میں اور وکیل مؤکل کی مراد میں۔ وقيل لان كل واحد منهما صفة من صفات الله قال تعالیٰ ثم الله شهيد على مايفعلون. وقال تعالیٰ حسبنا الله ونعم الوكيل۔

فائدہ : کتاب اللہ وسنت رسول اور اجماع سب سے جواز توکیل ثابت ہے۔ اصحاب کہف کی حکایت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "فابعثوا احدکم بورقكم" اس میں بطریق توکیل بھیجنا مراد ہے۔ اور شرائع سابقہ ہمارے لئے حجت ہیں جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اس کا انکار یا اس کا نسخ ظاہر نہ ہو حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام کو ایک دینا دیکر قربانی کا جانور خریدنے کے لئے بھیجا انہوں نے ایک دینار میں قربانی کا جانور خرید کر دو دینار میں فروخت کردیا۔ اور پھر ایک دینار میں اور جانور خرید لیا اور ایک دینار اور ایک جانور لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دینار صدقہ کردیا۔ اور حضرت حکیم کے حق میں برکت کی دعا فرمائی۔ "وقد صح ان النبی ﷺ وكل بالتزويج عمر بن ابی سلمه"۔

قوله صح التوكيل الخ وکول سے باب تفعیل ہے بمعنی وکیل بنانا يقال وكلت(ص) وكلاً وكولاً اليه۔ الامر میں نے فلاں پر اعتماد کرکے اپنا کام اس پر چھوڑ دیا۔ وكيل بروزن فعيل بمعنی مفعول ہے وہ شخص جس کو کام سپرد کیا جائے اور یہ بمعنی فاعل بھی آتا ہے۔ قال تعالیٰ حسبنا الله ونعم الوكيل اصطلاح شرع میں توکیل کی تعریف یہ ہے۔ "هوا قامة الغير مقام نفسه ترفهاً اوعجزاً فی تصرف جائز معلوم ممن يملكه." یعنی عجز یا آسائش کی خاطر کسی دوسرے ایسے شخص کو جائز اور معلوم تصرف میں اپنا قائم مقام کردینا جو تصرف کا مالک ہو جائز کی قید سے بچہ کا اپنی بیوی کی طلاق یا اپنے غلام کی آزادی یا اپنے مال کے ہبہ کرنے میں دوسرے کو وکیل بنانا نکل گیا اور معلوم کی قید سے تصرف مجہول کو توکیل خارج ہوگئی جیسے مؤکل کا وکیل سے یہ کہنا کہ میں نے تجھ کو اپنے مال کا وکیل بنایا۔ بخلاف توکیل عام کے کہ اس میں تصرف فی الجملہ معلوم ہوتا ہے۔ ممن يملكه کی قید سے توکیل مجنون اور توکیل صغیر عاقل نکل گئی کہ ان کا وکیل بنانا کسی طرح صحیح نہیں تصرف نافع ہو یا مضر۔

عہ...... سو بھیجو اپنے ایک آدمی کو درہم لیکر ۱۲ اعہ...... بوداؤد، ترمذی، عن حکیم بن حزام ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ احمد عن عروہ البارقی (فی مفاہ) ۱۲ اعہ...... ابن راہویہ، ابویعلی، ابن حبان، حاکم، نسائی، احمد، عن ام سلمہ ۱۲۔

بِكُلِّ مَايَعْقِدُهُ بِنَفْسِهِ وَبِالْخُصُوْمَةِ فِي الْحُقُوْقِ بِرِضَاءِ الْخَصْمِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْمُوَكِّلُ مَرِيْضًا اَوْ غَائِبًا

ہر اس معاملہ میں جس کو مؤکل خود کرسکتا ہو اور جوابدہی کے لئے حقوق میں طرف ثانی کی رضامندی سے مگر یہ کہ ہومؤکل بیمار یا غائب

مُدَّةَ السَّفَرِ اَوْ مُرِيْدًا لِلسَّفَرِ اَوْ مُخَدَّرَةً بِاِيْفَائِهَا وَاسْتِيْفَائِهَا اِلَّا فِي حَدٍّ وَقَوَدٍ اِنْ غَابَ الْمُوَكِّلُ

بقدر سفر یا ارادہ رکھتا ہو سفر کا یا ہو عورت پردہ نشین اور حقوق کی ادائیگی یا وصولیابی کیلئے مگر حد اور قصاص میں اگر غائب ہو مؤکل

وَالْحُقُوْقُ فِيْمَا يُضِيْفُهُ الْوَكِيْلُ اِلٰى نَفْسِهِ كَالْبَيْعِ وَالْاِجَارَةِ وَالصُّلْحِ عَنْ اِقْرَارٍ تَتَعَلَّقُ بِالْوَكِيْلِ اِنْ لَمْ يَكُنْ

اور حقوق ان عقود کے جن کی نسبت کرتا ہے وکیل اپنی طرف جیسے بیع اجارہ اقرار سے صلح متعلق ہوتے ہیں وکیل سے اگر وہ مجور نہ ہو

مَحْجُوْرًا كَتَسْلِيْمِ الْمَبِيْعِ وَقَبْضِهِ وَقَبْضِ الثَّمَنِ وَالرُّجُوْعِ عِنْدَ الْاِسْتِحْقَاقِ وَالْخُصُوْمَةِ فِي الْعَيْبِ

جیسے مبیع کو دینا اس پر قبضہ کرنا ثمن پر قبضہ کرنا بوقت استحقاق رجوع کرنا مبیع کے عیب میں جھگڑنا

وَالْمِلْكُ يَثْبُتُ لِلْمُوَكِّلِ اِبْتِدَاءً حَتّٰى لَايَعْتِقُ قَرِيْبُ الْوَكِيْلِ بِشِرَائِهِ وَفِيْمَا يُضِيْفُهُ اِلَى الْمُوَكِّلِ

اور ملک ثابت ہوتی ہے مؤکل کے لئے ابتداء ہی یہاں تک کہ آزاد نہ ہوگا وکیل کا رشتہ دار اس کے خریدنے سے اور جن کی نسبت کرتا ہے مؤکل کی طرف

كَالنِّكَاحِ وَالْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ عَمَدٍ وَعَنْ اِنْكَارٍ يَتَعَلَّقُ بِالْمُوَكِّلِ فَلَا يُطَالَبُ وَكِيْلُهُ بِالْمَهْرِ وَوَكِيْلُهَا

جیسے نکاح خلع دم عمد یا انکار سے صلح متعلق ہوتے ہیں مؤکل سے پس مطالبہ نہ ہوگا شوہر کے وکیل سے عورت کے حوالہ کرنے کا

بِتَسْلِيْمِهَا وَلِلْمُشْتَرِيْ مَنْعُ الْمُوَكِّلِ عَنِ الثَّمَنِ وَاِنْ دَفَعَ اِلَيْهِ صَحَّ وَلَايُطَالِبُهُ الْوَكِيْلُ ثَانِيًا.

اور خریدار روک سکتا ہے مؤکل سے ثمن اور اگر دیدے اس کو تو یہ بھی صحیح ہے اب مطالبہ نہ کرے اس سے وکیل دوبارہ۔

احکام وکالت کی تفصیل

توضیح اللغۃ: خصومۃ مراد جوابدہی، خصم مدمقابل، مخدرہ پردہ نشین، قود قصاص۔

تشریح الفقہ: قولہ بکل مایعقدہ الخ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر اس چیز کی توکیل صحیح ہے جس کو مؤکل بذات خود کرسکتا ہو تو توکیل بالخصومۃ بھی جائز ہوئی یعنی حقوق العباد میں خصومت کیلئے وکیل بنانا صحیح ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خصومات میں حضرت عقیل بن ابی طالب کو وکیل بنایا۔ اور جب حضرت عقیلؓ عمر رسیدہ ہوگئے تو آپ نے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کو وکیل بنایا (بیہقی) مگر توکیل بالخصومۃ میں امام صاحب کے یہاں خصم کی رضامندی شرط ہے الا یہ کہ مؤکل ایسا بیمار ہو کہ اس کو حاکم کی مجلس میں چلکر آنا ممکن نہ ہو۔ یا وہ بقدر مدت سفر غائب ہو یا سفر کا ارادہ رکھتا ہو یا مؤکل کوئی پردہ نشین عورت ہو کہ اگر وہ کچہری میں حاضر ہو بھی جائے تب بھی حیاء وشرم کیوجہ سے اپنے حق کے متعلق گفتگو نہ کرسکے تو ان سب صورتوں میں خصم کی رضامندی شرط نہیں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کسی حالت میں بھی خصم کی رضامندی شرط نہیں۔ مگر یہ اختلاف لزوم توکیل میں ہے نہ کہ جواز توکیل میں جیسا کہ صاحب عنایہ نے کہا ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک گو بدون رضا خصم توکیل جائز ہے۔ مگر لازم نہیں (کذافی الھدایہ والظھیریہ) صاحبین یہ کہتے ہیں کہ وکیل بنانا اپنے خالص حق میں تصرف کرنا ہے تو غیر کی رضامندی پر موقوف ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جواب مخاصم پر واجب ہے۔ اور خصومت میں لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں تو اگر ہم لزوم توکیل کے قائل ہوجائیں تو خصم کا نقصان لازم آئے گا۔

(۱) لانہ اجنبی عن العقد و حقوقہ لما ان الحقوق الی العاقد ۱۲ ۔ (۲) لان نفس الثمن المقبوض حق المؤکل وقد وصل الیہ ۱۲ ھدایہ۔

قولہ وبایفائہا الخ جو حقوق مؤکل پر واجب الادا ہوں ان کے ایفا میں اور جو حقوق مؤکل حاصل کرنے والا ہو ان کے استیفا میں وکیل بنانا صحیح ہے اور مؤکل کی غیبوبت میں استیفاء حدود وقصاص کی بھی توکیل صحیح نہیں۔ کیونکہ حدود شبہات سے اٹھ جاتی ہیں۔ اور یہاں یہ شبہ موجود ہے کہ شاید اگر مؤکل حاضر ہوتا تو وہ معاف کر دیتا۔

قولہ والحقوق الخ وکیل جن حقوق کا مباشر ہوتا ہے وہ دو طرح کے ہیں ایک وہ جن میں وکیل ان کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے جیسے بیع، اجارہ اور صلح عن الاقرار۔ دوسرے وہ جن میں وکیل ان کی نسبت مؤکل کی طرف کرتا ہے جیسے نکاح، خلع، صلح عن دم العمد اور صلح عن دم الانکار تو جن عقود کی نسبت وکیل اپنی طرف کرتا ہے ان میں حقوق عقد وکیل ہی کی طرف راجع ہوتے ہیں بشرطیکہ وکیل ممنوع التصرف نہ ہو جیسے صبی محجور اور عبد محجور پس تسلیم مبیع، قبض ثمن اور خصومت فی العیب وغیرہ جملہ حقوق کا مطالبہ وکیل ہی سے ہوگا اور جن عقود کی نسبت وکیل مؤکل کی طرف کرتا ہے ان میں حقوق عقد مؤکل کی طرف راجع ہوتے ہیں وکیل تو ان میں سفیر محض ہوتا ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر عقد میں حقوق مؤکل ہی سے متعلق ہوتے ہیں کیونکہ حقوق حکم تصرف کے تابع ہیں اور حکم یعنی ملک کا تعلق مؤکل کیساتھ ہوتا ہے تو توابع حکم کا تعلق بھی اسی سے ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وکیل عاقد ہے حقیقۃً بھی اور حکماً بھی حقیقۃً تو اس لئے کہ عقد کا قیام اسی کے کلام سے ہوا ہے اور حکماً اس لئے کہ وہ مؤکل کی طرف عقد کی نسبت کرنے سے مستغنی ہے۔ پس حقوق کے سلسلہ میں وکیل اصل ٹھہرا لہٰذا حقوق اسی کی طرف راجع ہوں گے بخلاف عقد نکاح اور خلع وغیرہ کے کہ اس میں وکیل سفیر محض ہوتا ہے۔

قولہ والملک الخ یہ ایک وہم کا ازالہ ہے۔ وہم یہ ہوتا ہے کہ جب پہلی صورت میں حقوق وکیل کیلئے اصالۃً ثابت ہوئے تو اگر وکیل مؤکل کے لئے اپنے کسی قرابتدار کو خرید لے تو وہ آزاد ہونا چاہیے۔ اسی طرح اگر وکیل کی بیوی کسی کی باندی ہو اور وہ اس کو خرید لے تو نکاح فاسد ہو جانا چاہیے۔ ازالہ کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس وقت لازم آتا جب وکیل کیلئے ابتداءً ثابت ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ملک ابتداءً ہی مؤکل کے لئے ثابت ہوتی ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب الوکالۃ بالبیع والشراء

باب خرید وفروخت کے لئے وکیل کرنے کے بیان میں

اَمَرَهُ بِشِرَاءِ ثَوْبٍ هَرَوِيٍّ اَوْ فَرَسٍ اَوْ بَغْلٍ صَحَّ سَمّٰى ثَمَنًا اَوْلاَ وَبِشِرَاءِ عَبْدٍ اَوْ دَارٍ صَحَّ اِنْ سَمّٰى ثَمَنًا

حکم کیا وکیل کو ہروی کپڑا یا گھوڑا یا خچر خریدنے کا تو صحیح ہے معین کیا ہو ثمن یا نہ اور اگر حکم کیا غلام یا مکان خریدنے کا تو صحیح ہے اگر معین کر دیا ہو ثمن

وَاِلَّا لاَ وَبِشِرَاءِ ثَوْبٍ اَوْ دَابَّةٍ لاَ وَاِنْ سَمّٰى ثَمَنًا وَبِشِرَاءِ طَعَامٍ يَقَعُ عَلَى الْبُرِّ وَدَقِيْقِهٖ

ورنہ نہیں اور اگر حکم کیا کپڑا یا سواری خریدنے کا تو صحیح نہیں گو ثمن معین کر دے اگر حکم کیا مطلق طعام خریدنے کا تو محمول ہوگا گیہوں اور اس کے آٹے پر

وَلِلْوَكِيْلِ الرَّدُّ بِالْعَيْبِ مَادَامَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ فَلَوْ سَلَّمَهُ اِلَى الْاٰمِرِ لاَيَرُدُّهُ اِلاَّ بِاَمْرِهٖ وَحَبْسُ الْمَبِيْعِ لِثَمَنٍ

اور وکیل واپس کر سکتا ہے عیب کی وجہ سے جبتک مبیع اس کے پاس ہو اگر مؤکل کو دیدی تو واپس نہیں کر سکتا مگر اس کے حکم سے اور روک سکتا ہے مبیع ثمن

دَفَعَهُ مِنْ مَالِهٖ فَلَوْ هَلَكَ فِيْ يَدِهٖ قَبْلَ حَبْسِهٖ هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُوَكِّلِ وَلَمْ يَسْقُطِ الثَّمَنُ

کی وجہ سے جو دیا ہو اس نے اپنے مال سے پس اگر ہلاک ہو جائے اس کے پاس روکنے سے پہلے تو ہلاک ہوگی مؤکل کے مال سے اور ساقط نہ ہوگا

وَاِنْ بَعْدَ حَبْسِهٖ فَهُوَ كَالْمَبِيْعِ وَيُعْتَبَرُ مُفَارَقَةُ الْوَكِيْلِ فِي الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ دُوْنَ الْمُوَكِّلِ.

ثمن اور اگر روکنے کے بعد ہو تو اس کا حکم مبیع کا سا ہے اور اعتبار کیا جائیگا وکیل کی جدائی کا صرف وسلم میں نہ کہ مؤکل کی جدائی کا۔

وفی شرح الطحاوی صح التوکیل باستیفاء التعزیر وعند الائمۃ الثلاثۃ یصح فی القود وان غاب المؤکل الا فی روایۃ عن احمد وقول من الشافعی ۱۲۔

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ نفس وکالت اور اس کے کچھ احکام بیان کرنے کے بعد وکالت بیع وشرا بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ خرید وفروخت میں وکالت کا وقوع بیشتر ہوتا ہے۔ وکالت بیع وشرا کی صحت وعدم صحت کے سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر وکالت عام ہو مثلاً مؤکل سے کہے کہ جو تجھ کو بہتر معلوم ہو اس کی خرید وفروخت کر یا وکالت معلوم ومتعین ہو جیسے حبشی، ترکی، ہندی یا سندھی غلام کی خرید کے لئے وکیل بنانا یا وکالت مجہول ہو لیکن جہالت یسیرہ ہو تو ان صورتوں میں وکالت صحیح ہوگی اور اگر جہالت فاحشہ ہو تو وکالت صحیح نہ ہوگی تو اگر مؤکل نے ہروی کپڑا یا گھوڑا یا خچر خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو وکالت صحیح ہے خواہ وہ ثمن بیان کرے یا نہ کرے اس واسطے کہ یہاں صرف جہالت صفت ہے۔ اور وکالت میں جہالت یسیرہ کو برداشت کر لیا جاتا ہے۔ اور غلام یا مکان خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو وکالت اس وقت صحیح ہوگی جب مؤکل نے ثمن معین کر دیا ہو کیونکہ یہ جہالت متوسطہ ہے۔ جو تعیین ثمن سے ختم ہو سکتی ہے۔ صاحب ہدایہ نے دار کو جہالت فاحشہ میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ گھر اختلاف اغراض، پڑوس، مرافق، محلات اور بلاد کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے پس امتثال متعذر ہے۔ صاحب بحر نے کہا ہے کہ یہ اس ملک پر محمول ہے جہاں گھروں میں اختلاف فاحش ہوتا ہو۔ اور مصنف کا کلام عدم اختلاف فاحش پر محمول ہے۔ اور اگر کپڑا یا چوپایہ خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو جہالت فاحشہ کی وجہ سے وکالت صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ لفظ دابہ عرف میں گھوڑے گدھے اور خچر پر بولا جاتا ہے۔ تو یہ بہت سی اجناس کو شامل ہے۔ اسی طرح ثوب اطلس اور کساء وغیرہ ملبوسات کو شامل ہے۔ فتعذر الامتثال۔

قولہ وبشراء طعام الخ اگر مؤکل نے طعام کی خرید کے لئے وکیل بنایا تو قیاس کی رو سے وکالت باطل ہے۔ کیونکہ طعام کا اطلاق ہر مطعوم پر ہوتا ہے۔ تو اس میں جہالت فاحشہ ہے لیکن استحساناً صحیح ہے۔ اور گیہوں اور اس کے آٹے پر محمول ہے۔ کیونکہ عرف میں یہی مراد ہوتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں ہر اس مہیا کھانے پر محمول ہوگا جو بلا سالن کھایا جا سکے۔ جیسے پختہ یا بھنا ہوا گوشت وغیرہ۔ قال فی الذخیرۃ وعلیہ الفتویٰ کذا فی النہایۃ۔

قولہ وحبس المبیع الخ اگر وکیل نے ثمن کی ادائیگی اپنے مال سے کی ہو تو ثمن وصول کرنے کیلئے مؤکل سے مبیع کو سکتا ہے امام زفر کے نزدیک وکیل کو ان کا حق نہیں کیونکہ وکیل کے قبضہ کر لینے سے مؤکل قابض ہو گیا تو گویا وکیل نے مؤکل کو مبیع سپرد کر دی لہٰذا روکنے کا حق ساقط ہو گیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وکیل مطالبہ ثمن میں بائع کی مانند ہے اور بائع کیلئے حبس مبیع کا حق ہے۔ تو وکیل کے لئے بھی ہوگا۔ کیونکہ وکیل کا قبضہ قبضہ مؤکل کے مانند ہے۔ اور وکیل نے مبیع کو نہیں روکا تو گویا مؤکل کے پاس ہلاک ہوئی لہٰذا مؤکل کے ذمہ سے ثمن ساقط نہ ہوگا۔ اور اگر روکنے کے بعد ہلاک ہوئی تو طرفین کے نزدیک اس کا حکم بیع کا سا ہے۔ یعنی مؤکل کے ذمہ ثمن ساقط ہو جائے گا کیونکہ وکیل بائع کے مانند ہے۔ تو اس کا روکنا استیفاء ثمن کے لئے ہوا۔ اور مبیع ہلاک ہو چکی تو جیسے بائع کے روکنے سے ثمن ساقط ہو جاتا ہے ایسے ہی وکیل کے روکنے سے ساقط ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا حکم رہن کا سا ہے۔ کہ اگر ثمن قیمت سے زائد ہو تو وکیل بقدر زائد مؤکل سے وصول کرے گا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ روکنے سے پہلے مبیع مضمون نہیں تھی۔ بلکہ استیفاء ثمن کی خاطر روکنے کے بعد مضمون ہوتی ہے یہ بعینہ رہن کے مانند ہوگئی۔

قولہ ویعتبر الخ عقد صرف اور بیع سلم میں مفارقت مؤکل کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ مفارقت وکیل کا اعتبار ہے خواہ مؤکل حاضر ہو یا غائب ہو کیونکہ عاقد تو وکیل ہی ہے نہ کہ مؤکل۔ تو اگر قبضہ کرنے سے پہلے وکیل صاحب عقد سے جدا ہو گیا تو عقد باطل ہو جائے گا۔ نہایہ، عینی، ابن ملک، درر البحار اور مستصفی وغیرہ میں ہے اگر مؤکل موجود ہو تو مفارقت وکیل کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ مؤکل اصیل ہے۔ اور وکیل نائب۔ تو اصیل کی موجودگی میں نائب کا اعتبار نہ ہونا ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ مگر یہ قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ وکیل اصل عقد میں گو نائب ہے لیکن حقوق عقد میں وہ اصیل ہے۔ اس لئے مؤکل کے حاضر ہونے نہ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۱) یعنی من غیر امر المؤکل لان الرد بالعیب من حقوق العقد وہی کلہا تتعلق بالوکیل دون المؤکل فیستفد بہ ۱۲۔ زیلعی۔ (۲) لان حکم الوکالۃ قد انتہی بالتسلیم الیہ ۱۲

وَلَوْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَشَرَةِ اَرْطَالِ لَحْمٍ بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرٰى عِشْرِيْنَ رِطْلاً بِدِرْهَمٍ مِمَّا يُبَاعُ مِثْلُهُ عَشَرَةٌ بِدِرْهَمٍ

اگر وکیل کیا دس رطل گوشت خریدنے کیلئے ایک درہم میں اس نے خریدا بیس رطل گوشت ایک درہم میں ایسا کہ اس کے دس رطل فروخت ہوتے ہیں

لَزِمَ الْمُوَكِّلَ مِنْهُ عَشَرَةٌ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ وَلَوْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ شَيْءٍ بِعَيْنِهٖ لَايَشْتَرِيْهِ لِنَفْسِهٖ

ایک درہم میں تو لازم ہوں گے مؤکل کو اسکے دس رطل نصف درہم میں اگر وکیل کیا کوئی خاص چیز خریدنے کے لئے تو نہ خریدے اس کو اپنے لئے

فَلَوْ اشْتَرَاهُ بِغَيْرِ النُّقُوْدِ اَوْ بِخِلَافِ مَاسَمّٰى لَهٗ مِنَ الثَّمَنِ وَقَعَ لِلْوَكِيْلِ وَاِنْ كَانَ بِغَيْرِ عَيْنِهٖ

پس اگر خریدا اس کو غیر نقود کے عوض یا بخلاف ثمن کے خلاف جو معین کیا تھا مؤکل نے تو خرید وکیل کیلئے ہوگی۔ اور اگر غیر معین چیز خریدنے کا وکیل ہو

فَالشِّرَاءُ لِلْوَكِيْلِ اِلَّا اَنْ يَنْوِيَ لِلْمُوَكِّلِ اَوْيَشْتَرِيْهِ بِمَالِهٖ وَاِنْ قَالَ اشْتَرَيْتُ لِلْاٰمِرِ

تب بھی خرید وکیل کے لئے ہوگی مگر یہ کہ نیت کرے مؤکل کی یا خریدے مؤکل کے مال سے اگر کہے وکیل کہ میں نے مؤکل کیلئے خریدا ہے

وَقَالَ الْاٰمِرُ لِنَفْسِكَ فَالْقَوْلُ لِلْاٰمِرِ وَاِنْ كَانَ دَفَعَ اِلَيْهِ الثَّمَنَ فَلِلْمَامُوْرِ وَاِنْ قَالَ بِعْنِيْ هٰذَا لِفُلَانٍ

اور مؤکل کہے کہ تو نے اپنے لئے خریدا ہے تو قول مؤکل کا معتبر ہوگا اگر مؤکل اس کو ثمن دے چکا ہو تو وکیل کا قول معتبر ہوگا اگر کہا کہ بیچدے میرے

فَبَاعَهٗ ثُمَّ اَنْكَرَ الْاٰمِرُ اَخَذَهٗ فُلَانٌ اِلَّا اَنْ يَقُوْلَ لَمْ اٰمُرْهُ بِهٖ

ہاتھ یہ فلاں کیلئے اس نے بیچدی پھر انکار کیا وکالت کا تو لے لے اس کو فلاں مگر یہ کہ کہے فلاں کہ میں نے اس کو حکم نہیں کیا تھا

اِلَّا اَنْ يُسَلِّمَهُ الْمُشْتَرِيْ اِلَيْهِ وَاِنْ اَمَرَهٗ بِشِرَاءِ عَبْدَيْنِ عَيْنَيْنِ وَلَمْ يُسَمِّ ثَمَنًا فَاشْتَرٰى لَهٗ اَحَدَهُمَا صَحَّ

الا یہ کہ دے چکا ہو مشتری وہ اس کو اگر حکم کیا وکیل کو دو معین غلام خریدنے کا اور ثمن معین نہیں کیا پس وکیل نے اس کے لئے ایک خرید لیا تو صحیح ہے

وَبِشِرَائِهِمَا بِاَلْفٍ وَقِيْمَتُهُمَا سَوَاءٌ فَاشْتَرٰى اَحَدَهُمَا بِنِصْفِهٖ اَوْ اَقَلَّ صَحَّ

اور اگر ان دونوں کو ایک ہزار میں خریدنے کیلئے کہا اور دونوں کی قیمت برابر ہے پھر ایک خریدا پانچ سو میں یا اس سے کم میں تب بھی صحیح ہے

وَبِالْاَكْثَرِ لَا اِلَّا اَنْ يَشْتَرِيَ الْبَاقِيَ بِمَا بَقِيَ قَبْلَ الْخُصُوْمَةِ.

لیکن اس سے زیادہ میں صحیح نہیں الا یہ کہ خریدے باقی باقی کے عوض جھگڑے سے پیشتر۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو وکلہ بشراء عشرۃ الخ ایک شخص نے کسی کو ایک درہم میں دس رطل گوشت خریدنے کیلئے وکیل بنایا۔ وکیل نے ایک درہم میں بیس رطل گوشت ایسا ہی خرید لیا جس کے دس رطل ایک درہم میں آتے ہیں تو امام صاحب کے نزدیک مؤکل کو نصف درہم میں دس رطل گوشت لازم ہوگا' صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک درہم میں بیسوں رطل لازم ہوں گے۔ کیونکہ وکیل نے تو اس کا فائدہ ہی کیا ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وکیل ارطال معینہ یعنی دس رطل خریدنے کا مامور ہے تو اس سے زائد کی خرید وکیل پر نافذ ہوگی۔

قولہ وان قال الخ شخص نے کسی کو غلام خریدنے کے لئے وکیل بنایا۔ وکیل نے غلام خرید لیا۔ اور غلام مر گیا تو اس کے بعد مؤکل اور وکیل کا باہم اختلاف ہوا۔ وکیل نے کہا میں نے غلام تیرے لئے خریدا تھا مؤکل نے کہا نہیں تو نے اپنے لئے خریدا تھا۔ تو اگر ثمن غیر منقود ہو یعنی مؤکل نے وکیل کو نہ دیا ہو تو مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وکیل اس کی خبر دے رہا ہے۔ جس کے استیناف کا وہ مالک نہیں (کیونکہ غلام مر چکا اور وہ محل عقد نہیں رہا۔ لہٰذا وہ بطریق استیناف یہ نہیں کر سکتا کہ اولاً اس نے اپنے لئے خریدا ہو۔ پھر عقد شراء کو مؤکل کے لئے کر دیا ہو) اور مؤکل اس کا منکر ہے۔ اور قول منکر ہی کا معتبر ہوتا ہے۔ اور اگر ثمن منقود ہو تو وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ امین ہے۔ جو ذمہ امانت سے نکلنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس کا قول مقبول ہوگا۔

فائدہ: اس مسئلہ کی آٹھ صورتیں ہیں اور مصنف کی عبارت ان سے قاصر ہے۔ اس لئے ہم ذرا اس کی تفصیل کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔ مؤکل نے جس غلام کو خریدنے کے لئے وکیل بنایا ہے اسکی دو صورتیں ہیں۔ غلام معین ہوگا یا غیر معین۔ ان کی پھر دو صورتیں ہیں۔ بوقت اختلاف غلام مردہ ہوگا یا زندہ۔ ان میں سے ہر ایک کی پھر دو صورتیں ہیں ثمن منقود ہوگا یا غیر منقود۔ سو اگر غلام معین ہو اور مردہ ہو اور ثمن منقود ہو تو بالا جماع وکیل کا قول معتبر ہوگا اور ثمن غیر منقود ہو تو مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ اور غلام زندہ ہو تو بالا جماع وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ ثمن منقود ہو یا غیر منقود اور اگر غلام زندہ ہو اور ثمن منقود ہو تو وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ اور ثمن غیر منقود ہو تو امام صاحب کے نزدیک مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں تہمت کا امکان ہے یعنی ہوسکتا ہے کہ وکیل نے اپنے لئے خریدا ہو۔ اور جب اس میں نقصان دیکھا تو مؤکل پر ڈال دیا۔ اور صاحبین کے نزدیک وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ ان سب صورتوں کو اس نقشہ سے محفوظ کرلو۔ نقشہ مندرجہ ذیل ہے ملاحظہ فرمائیں۔
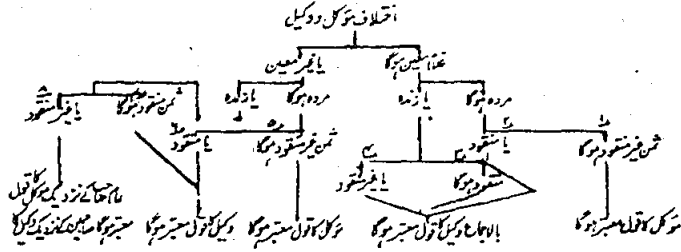
قولہ بعنی ھذا الخ زید نے عمرو سے کہا کہ یہ غلام میرے ہاتھ بکر کیلئے فروخت کردے۔ عمرو نے فروخت کردیا۔ اب زید کہتا ہے کہ بکر نے مجھکو خریدنے کا حکم نہیں کیا تو بکر اس سے وہ غلام لے لیگا۔ کیونکہ زید کا عمرو سے یہ کہنا کہ غلام کو میرے ہاتھ بکر کیلئے فروخت کر اقرار توکیل ہے۔ پس اسکا انکار کرنا لغو ہوگا کیونکہ یہ انکار اقرار توکیل کیخلاف ہے ہاں اگر بکر یہ کہدے کہ میں نے خریدنے کا حکم نہیں کیا تو اب وہ نہیں لے سکتا۔ کیونکہ اس کے رد کرنے سے زید کا اقرار رد ہوگیا۔ لیکن اگر زید نے غلام کو بکر کے حوالے کردیا اور بکر نے لے لیا تو غلام بکر کا مملوک ہو جائے گا۔ گو ثمن کی ادائیگی نہ پائی جائے۔ کیونکہ بکر کے رد کرنے سے زید کا اقرار رد ہوگیا لیکن جب آپس میں لین دین ہوگیا تو انکے درمیان بطریق معاطاۃ عقد جدید منعقد ہوگیا۔ اور بیع بالتعاطی میں فی الفور ثمن کی ادائیگی ضروری نہیں کیونکہ عرف میں تراخی ثمن مروج ہے۔

قولہ وان امرہ الخ ایک شخص نے کسی کو دو معین غلام خریدنے کا حکم کیا اور ثمن کی تعیین نہیں کی۔ مامور نے ان میں سے ایک غلام اسکی قیمت کے مطابق یا قدرے زیادتی کے ساتھ خرید لیا تو بالاتفاق صحیح ہے۔ کیونکہ آمر کی جانب سے توکیل مطلق تھی اور اگر غبن فاحش کے ساتھ خریدا تو بالاتفاق صحیح نہیں کیونکہ توکیل بالشرا میں غبن فاحش کے ساتھ خریدنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

قولہ وبشرائهما الخ اور اگر دو معین غلاموں کو ایک ہزار میں خریدنے کا حکم کیا اور دونوں غلاموں کی قیمت برابر ہے مثلاً پانچ سو اور مامور نے ان میں سے ایک کو پانچ سو یا پانچ سو میں سے کم خرید لیا۔ تو امام صاحب کے نزدیک خرید صحیح ہے۔ اور اگر پانچ سو سے زائد میں خریدا تو صحیح نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ آمر نے ایک ہزار کو ان دونوں کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ پس ان دونوں کے درمیان نصفاً نصف تقسیم ہونگے۔ تو اس نے گویا ہر ایک کو پانچسو میں خریدنے کا حکم کیا ہے۔ اب اگر وہ پانچ سو میں خریدتا ہے تو یہ اسکے حکم کے موافق ہے۔ اور اگر کم میں خریدتا ہے تو گو اسکے حکم کے خلاف ہے۔ لیکن آمر کے حق میں مفید ہے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں خرید صحیح ہوگی۔ اور اگر پانچ سو سے زائد میں خریدتا ہے تو یہ اسکے لئے مضر ہے۔ اسلئے خرید جائز نہ ہوگی۔ الا یہ کہ وہ دوسرا غلام بھی قبل از خصومت باقی ماندہ رقم خرید لے کہ اس صورت میں بھی بالاتفاق خرید صحیح ہوگی مگر استحساناً۔ امام مالک اور شافعی کے نزدیک صحیح نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آمر کا مقصد یہ تھا کہ دونوں غلام ایک ہزار میں مل جائیں سو یہ مقصد حاصل ہوگیا۔ فلا اعتبار المخالفۃ۔

وَبِشِرَاءِ هٰذَا بِدَيْنٍ عَلَيْهِ فَاشْتَرٰى صَحَّ وَلَوْ غَيْرُ عَيْنٍ نَفَذَ عَلَى الْمَامُوْرِ

اگر خاص چیز خرید نے کا حکم کیا اس دین کے عوض جو وکیل پر ہے اور اس نے خرید لی تو صحیح ہے اور اگر غیر معین ہو تو خرید وکیل پر نافذ ہوگی

وَبِشِرَاءِ اَمَةٍ بِاَلْفٍ دَفَعَ اِلَيْهِ فَاشْتَرٰى فَقَالَ اشْتَرَيْتَهَا بِخَمْسِ مِائَةٍ وَقَالَ الْمَامُوْرُ بِاَلْفٍ

ہزار دیکر باندی خریدنے کیلئے کہا وکیل نے خرید لی اب مؤکل کہتا ہے کہ تو نے پانچ سو میں خریدی ہے وکیل کہتا ہے کہ ہزار میں خریدی ہے

فَالْقَوْلُ لِلْمَامُوْرِ وَاِنْ لَمْ يَدْفَعْ فَلِلْاٰمِرِ وَبِشِرَاءِ هٰذَا وَلَمْ يُسَمِّ ثَمَنًا فَقَالَ الْمَامُوْرُ اشْتَرَيْتُهٗ بِاَلْفٍ

تو قول وکیل کا معتبر ہوگا اور اگر ہزار نہ دیئے ہوں تو مؤکل کا خاص چیز خریدنے کے لئے کہا اور ثمن معین نہیں کیا اب وکیل کہتا ہے کہ میں نے ہزار میں

وَصَدَّقَهٗ بَائِعُهٗ وَقَالَ الْاٰمِرُ بِنِصْفِهٖ تَحَالَفَا وَبِشِرَاءِ نَفْسِ الْاٰمِرِ مِنْ سَيِّدِهٖ بِاَلْفٍ

خریدی ہے اور بائع نے اس کی تصدیق بھی کردی مؤکل کہتا ہے کہ پانچ سو میں خریدی ہے تو دونوں قسم کھائیں غلام نے کسی کو ہزار دیکر کہا کہ مجھ کو

وَدَفَعَ فَقَالَ لِسَيِّدِهٖ اشْتَرَيْتُهٗ لِنَفْسِهٖ فَبَاعَهٗ عَلٰى هٰذَا عُتِقَ وَوَلَاؤُهٗ لِسَيِّدِهٖ

میرے آقا سے خرید دے وکیل نے آقا سے کہا کہ میں اس کو اسی کیلئے خریدتا ہوں مالک نے اسی شرط پر بیچدیا تو غلام آزاد ہوجائیگا اور اس کی ولاء

وَاِنْ قَالَ الْوَكِيْلُ اشْتَرَيْتُهٗ فَالْعَبْدُ لِلْمُشْتَرِيْ وَالْاَلْفُ لِسَيِّدِهٖ وَعَلَى الْمُشْتَرِيْ اَلْفٌ مِثْلُهٗ

اس کے آقا کو ملیگی اور اگر وکیل کہے کہ میں اس کو خریدتا ہوں تو غلام مشتری کا ہوگا اور ہزار اس کے آقا کے ہوں گے اور مشتری پر ہزار واجب

وَاِنْ قَالَ لِعَبْدٍ اشْتَرِلِيْ نَفْسَكَ مِنْ مَوْلَاكَ فَقَالَ لِلْمَوْلٰى بِعْنِيْ نَفْسِيْ لِفُلَانٍ

ہوں گے اگر کہا غلام ہے کہ خرید لے تو خود کو میرے لئے اپنے آقا سے غلام نے آقا سے کہا کہ بیچدے مجھ کو فلاں کے لئے

فَفَعَلَ فَهُوَ لِلْاٰمِرِ وَاِنْ لَمْ يَقُلْ لِفُلَانٍ عَتَقَ.

اس نے بیچدیا تو غلام آمر کا ہوگا اور اگر وہ لفلان نہ کہے تو آزاد ہوجائے گا۔

تشریح الفقہ: قولہ وبشراء هذا الخ زید کا عمرو پر کچھ قرض تھا اس نے عمرو سے کہا کہ تو میرے قرض کے عوض اس غلام کو میرے لئے خریدلے عمرو نے خریدلیا تو خرید صحیح ہوگی۔ اور مؤکل (زید) پر نافذ ہوگی۔ اور اگر زید نے غلام کو معین نہیں کیا اور عمرو نے خریدلیا تو یہ خرید زید پر نافذ نہ ہوگی۔ بلکہ مامور (عمرو) پر نافذ ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر غلام ہلاک ہوجائے تو ہلاکت کا نقصان مامور پر ہی پڑیگا یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں خرید آمر کیلئے لازم ہوگی۔ اس اختلاف کا اصل منشا یہ ہے کہ جب توکیل بالشراکو دین کی طرف مضاف کیا جائے اور بائع یا مبیع متعین ہو تو یہ امام صاحب کے نزدیک صحیح ہے۔ اور اگر بائع یا مبیع متعین نہ ہو تو صحیح نہیں، صاحبین کے نزدیک بہر دو صورت صحیح ہے۔

قولہ وبشراء الخ ایک شخص نے دوسرے کو باندی خریدنے کے لئے ایک ہزار درہم دیے اس نے باندی خریدلی۔ اب آمر کہتا ہے کہ تو نے پانچسو میں خریدی ہے مامور کہتا ہے کہ ایک ہزار میں خریدی ہے تو مامور کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ امین ہے جو ذمہ امانت سے نکلنے کا مدعی ہے۔ اور آمر اس پر پانچسو کے ضمان کا دعویٰ کررہا ہے۔ اور مامور منکر ہے۔ تو منکر کا قول معتبر ہوگا۔ مگر یہ اس وقت ہے جب کہ ہزار کی قیمت کی ہو اور اگر پانچسو کی قیمت کی ہو تو آمر کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر آمر نے مامور کو ایک ہزار درہم دیے ہوں اور پھر اختلاف ہو تو اگر باندی پانچسو کی قیمت کی ہو تو امر کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ مامور نے آمر کی مخالفت کی ہے۔ اور اگر ایک ہزار کی قیمت کی ہو تو دونوں قسم کھائیں گے۔ اور قسم کھانے کے بعد عقد فسخ ہوجائیگا اور باندی مامور کو لازم ہوگی۔ ہذا التفصیل هو الاصح وان اطلقه المصنف۔

قولہ وبشراء ھذا الخ اگر کسی معین چیز کے خریدنے کا حکم کیا اور آمر نے ثمن کی تعیین نہیں کی پھر اختلاف ہوا۔ مامور نے کہا کہ میں نے ایک ہزار میں خریدی ہے آمر نے کہا کہ پانچسو میں خریدی ہے۔ اور بائع نے مامور کی تصدیق کر دی تو بقول ابو منصور دونوں قسم کھائیں گے کیونکہ یہاں ثمن میں اختلاف ہے جو موجب تحالف ہے۔ فقیہ ابو جعفر نے اس کی تصحیح کی ہے کہ بائع کی تصدیق کے بعد تحالف نہ ہوگا۔ ابو منصور کا قول اظہر ہے۔

قولہ نفس الامر الخ نے ایک شخص سے کہا کہ تو مجھ کو میرے لئے میرے آقا سے اتنے روپے میں خرید لے اور غلام نے اتنا روپیہ اس شخص کو دیدیا۔ اس نے آقا سے کہا میں نے اس غلام کو اسی کے لئے خرید لیا۔ آقا نے اس کو اسی طرح فروخت کر دیا تو غلام مال مذکور کے عوض میں آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ غلام کو اسی کے ہاتھ فروخت کرنا درحقیقت اعتاق ہے۔ اور غلام کا اپنی ذات کو خریدنا قبول بالبدل ہے۔ لہٰذا غلام آزاد ہو جائیگا۔ اور ولا آقا کو ملے گی۔ اب مامور سفیر محض ہوا۔ لہٰذا حقوق عقد اس کی طرف راجع نہ ہوں گے اور ایک ہزار کا مطالبہ غلام پر رہے گا نہ کہ وکیل پر۔ اور اگر وکیل نے صرف ''اشتریتہ'' کہا۔ لنفس العبد نہ کہا تو غلام مشتری کا مملوک ہوگا اور ایک ہزار جو مشتری نے غلام سے لیکر آقا کو دیے ہیں وہ اسی کے ہوں گے۔ کیونکہ وہ اس غلام کی کمائی ہے اور مشتری پر ثمن ایک ہزار درہم لازم ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ لفظ ''اشتریت'' معاوضہ کے لئے حقیقت ہے نہ کہ اعتاق کیلئے۔ اور یہاں حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہے۔ بخلاف اس اس صورت کے جواو پر مذکور ہوئی کہ وہاں مجاز متعین ہے۔

قولہ وان قال لعبد الخ ایک شخص نے غلام سے کہا کہ مجھ سے (جو کسی دوسرے کا مملوک تھا) کہا کہ تو اپنی ذات کو اپنے آقا سے میرے لئے خرید لے۔ سو غلام نے اپنے آقا سے کہا کہ مجھ کو فلاں کے واسطے فروخت کر دے' آقا نے فروخت کر دیا تو غلام اس آمر کا مملوک ہو جائے گا۔ کیونکہ غلام اپنی ذات کی خرید میں دوسرے کی طرف سے وکیل ہو سکتا ہے۔ اور اگر غلام نے ''بعنی نفسی'' کے بعد لفلان نہ کہا تو یہ تصرف غلام پر نافذ ہوگا۔ اور وہ آزاد ہو جائے گا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَصلٌ: اَلْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ لَايَعْقِدُ مَعَ مَنْ تُرَدُّ شَهَادَتُهٗ لَهٗ وَصَحَّ بَيْعُهٗ بِمَا قَلَّ اَوْ كَثُرَ بِالْعَرَضِ

(فصل) وکیل خرید و فروخت کا معاملہ نہ کرے اس سے جس کے لئے اس کی گواہی مردود ہو اور صحیح ہے اس کا بیچنا کم و بیش اور سامان کے عوض

وَالنَّسِيْئَةِ وَيُقَيَّدُ شِرَاؤُهٗ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ وَزِيَادَةٍ يَتَغَابَنُ فِيْهَا وَهُوَ مَايَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِيْمِ الْمُقَوِّمِيْنَ

اور ادھار اور مقید ہے اس کی خرید برابر قیمت کے ساتھ اور اتنی زیادتی کے ساتھ جتنی ہوتی ہو اور وہ وہ ہے جو داخل ہو قیمت لگانے والوں کی تقویم

وَلَوْ وَكَّلَهٗ بِبَيْعِ عَبْدٍ فَبَاعَ نِصْفَهٗ صَحَّ وَفِي الشِّرَاءِ يَتَوَقَّفُ مَالَمْ يَشْتَرِ الْبَاقِيْ.

میں اگر وکیل کیا غلام بیچنے کے لئے اور اس نے نصف بیچا تو صحیح ہے اور خرید کی صورت میں خرید موقوف ہوگی جب تک کہ نہ خریدے باقی کو۔

تشریح الفقہ: قولہ الوکیل الخ بیع و شرا صرف و سلم اور اجارہ وغیرہ میں وکیل ان لوگوں کے ساتھ معاملہ نہ کرے جن کی گواہی وکیل کے حق میں مردود ہے جیسے اس کے اصول و فروع' بیوی' آقا' غلام' مکاتب وغیرہ کیونکہ ان کے درمیان منافع متصل ہوتے ہیں تو تہمت کا امکان ہے۔ صاحبین کے نزدیک اپنے غلام اور مکاتب کے علاوہ اوروں کیساتھ معاملہ کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ عقد مثل قیمت کیساتھ ہو۔

قولہ وصح بیعہ الخ امام صاحب کے نزدیک وکیل بالبیع کم و بیش قیمت کیساتھ (اگر چہ غبن فاحش ہو) اور ادھار (اگر چہ مدت غیر معلوم ہو) اور سامان کے عوض غرض ہر طرح فروخت کر سکتا ہے۔ کیونکہ توکیل مطلق ہے تو اپنے اطلاق پر جاری رہے گی۔ صاحبین کی نزدیک صحت بیع وکیل مثل قیمت اور نقود اور اجل متعارف کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ یہی متعارف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں ادھار بیچنا جائز نہیں۔ بزازیہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ لیکن شیخ قاسم نے تصحیح قدوری میں امام صاحب کے قول کو ترجیح دی ہے۔ امام

نفسی کے نزدیک یہی قابل اعتماد ہے۔اور یہی امام محبوبی کے نزدیک پسندیدہ ہے۔صدر الشریعہ اور موصلی نے بھی اسی کی موافقت کی ہے۔

قولہ ویقید الخ وکیل بالشراء کی خرید مثل قیمت اور غبن یسیر کے ساتھ مقید ہے۔یعنی اگر اس نے اتنی قیمت میں خریدی جتنی قیمت میں وہ عام طور پر فروخت ہوتی ہے یا قدرے زیادتی کے ساتھ خریدی جو زیادتی قیمت لگانے والے واقف کار لوگوں کی تقویم میں داخل ہو تو خرید صحیح ہوگی ورنہ نہیں۔کیونکہ یہاں تہمت کا امکان ہے۔یعنی ممکن ہے کہ اس نے اپنے لئے خریدی ہو مگر جب اس نے دیکھا کہ اس میں خسارہ ہے تو مؤکل کے ذمہ ڈال دی۔

قولہ ول وکلہ الخ ایک شخص نے غلام فروخت کرنے کیلئے کسی کو وکیل بنایا اور اس نے نصف غلام فروخت کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک بیع صحیح ہے۔کیونکہ توکیل مطلق ہے۔اجتماع وافتراق کی کوئی قید نہیں، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے خصومت سے پہلے نصف آخر کو بھی فروخت کر دیا تو بیع صحیح ہوگی ورنہ نہیں کیونکہ نصف غلام فروخت کرنے سے غلام مشترک ہو گیا۔اور شرکت ایسا عیب ہے جس سے قیمت کم ہو جاتی ہے لہٰذا اطلاق مراد نہ ہوگا۔اور اگر وکیل بالشراء ہو اور وہ نصف غلام خرید لے تو بالاتفاق خرید موقوف ہوگی۔اگر نصف آخر کو بھی خرید لیا تو خرید صحیح ہوگی ورنہ نہیں کیونکہ شرا کی صورت میں تہمت کا امکان ہے جس کی تشریح گزر چکی۔

وَلَوْ رَدَّ الْمُشْتَرِی الْمَبِیْعَ عَلَی الْوَکِیْلِ بِالْبَیْعِ بِبَیِّنَۃٍ اَوْ نُکُوْلٍ رَدَّہٗ عَلَی الْاٰمِرِ وَکَذَا بِاِقْرَارٍ فِیْمَا لَایَحْدُثُ

اگر لوٹا دے مشتری مبیع بیع کے وکیل پر عیب کی وجہ سے بینہ یا انکار کیساتھ تو لوٹا دے وکیل مؤکل پر اسی طرح ایسے عیب کے اقرار سے جو نو پید نہ ہو

وَاِنْ بَاعَ بِنَسِیْئَۃٍ فَقَالَ اَمَرْتُکَ بِنَقْدٍ وَقَالَ الْمَامُوْرُ اَطْلَقْتَ فَالْقَوْلُ لِلْاٰمِرِ وَفِی الْمُضَارَبَۃِ لِلْمُضَارِبِ

اگر وکیل ادھار بیچدے اور مؤکل کہے کہ میں نے نقد کے لئے کہا تھا اور وکیل کہے کہ تو نے مطلق حکم کیا تھا تو مؤکل کا قول معتبر ہوگا اور مضاربت میں

وَلَوْ اَخَذَ الْوَکِیْلُ بِالثَّمَنِ رَھْنًا فَضَاعَ اَوْ کَفِیْلاً فَتَوٰی عَلَیْہِ لَمْ یَضْمَنْ

مضارب کا اگر وکیل ثمن کے عوض میں کوئی چیز گروی رکھ لے اور وہ ضائع ہو جائے یا کفیل لے لے اور وہ ہلاک ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا

وَلَا یَتَصَرَّفُ اَحَدُ الْوَکِیْلَیْنِ وَحْدَہٗ اِلَّا فِی خُصُوْمَۃٍ وَطَلَاقٍ وَعِتَاقٍ بِلَا بَدَلٍ وَرَدِّ وَدِیْعَۃٍ وَقَضَاءِ دَیْنٍ

تصرف نہ کرے دو میں سے ایک وکیل تنہا مگر جوابدہی بلا بدل طلاق وعتاق امانت کی واپسی اور قرض کی ادائیگی میں

وَلَا یُوَکِّلُ وَکِیْلٌ اِلَّا بِاِذْنٍ اَوْ بِاِعْمَلْ بِرَأْیِکَ فَاِنْ وَکَّلَ بِلَا اِذْنِ الْمُوَکِّلِ

اور وکیل نہ کرے وکیل مگر اجازت سے یا یہ کہنے سے کہ اپنی رائے کے مطابق کر پس اگر مؤکل کی اجازت کے بغیر وکیل کیا

فَعَقَدَ بِحَضْرَتِہٖ اَوْ بَاعَ اَجْنَبِیٌّ فَاَجَازَ صَحَّ وَاِنْ زَوَّجَ عَبْدٌ اَوْ مُکَاتَبٌ اَوْ کَافِرٌ

اور اس نے اس کی موجودگی میں معاملہ کیا یا کسی اجنبی نے بیچا اور اس نے جائز رکھا تو صحیح ہے اگر نکاح کر دے غلام یا مکاتب یا کافر

صَغِیْرَتَہُ الْحُرَّۃَ الْمُسْلِمَۃَ اَوْ بَاعَ لَھَا اَوْ اشْتَرٰی لَمْ یَجُزْ.

اپنی چھوٹی آزاد مسلمان لڑکی کا یا اس کے لئے خرید وفروخت کرے تو جائز نہیں۔

توضیح اللغۃ: نکول انکار کرنا، نسیئۃ ادھار، توی ہلاک ہو جانا، ودیعت امانت، دین قرض۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو رد الخ وکیل بالبیع نے کوئی چیز مثلاً غلام فروخت کیا اور مشتری نے عیب کی وجہ سے غلام وکیل کو واپس کر دیا۔اور واپسی مشتری کے بینہ قائم کرنے سے ہوئی۔یا وکیل پر قسم عائد ہوئی اور اس کے انکار سے واپسی ہوئی یا وکیل نے عیب کا اقرار

کرلیا اور اس کے اقرار سے واپسی ہوئی (بشرطیکہ عیب ایسا ہو جو اتنی مدت میں پیدا نہ ہوتا ہو) تو ان سب صورتوں میں وکیل اس غلام کو مؤکل پر واپس کریگا۔ کیونکہ بینہ حجت مطلقہ ہے۔ اور وکیل انکار کرنے پر مجبور ہے لہٰذا غلام آمر کو لازم ہوگا۔

قولہ وان باع الخ وکیل بالبیع نے کوئی چیز ادھار فروخت کی پھر آپس میں اختلاف ہوا۔ مؤکل نے کہا کہ میں نے نقد بیچنے کا حکم کیا تھا وکیل نے کہا نہیں بلکہ مطلق حکم کیا تھا تو اس صورت میں مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر مضاربت کی صورت ہو اور اس میں اختلاف واقع ہو تو مضارب کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ وکالت میں تخصیص ہوتی ہے۔ اور مضاربت میں تعمیم ہے اس لئے وکالت میں مؤکل کی تصدیق ہوگی۔ اور مضاربت میں مضارب کی۔

قولہ ولا یتصرف الخ ایک شخص نے ایسے معاملہ میں جس میں رائے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً بیع، خلع، مضاربت، قضا، تحکیم، تولیت اور وقف وغیرہ میں دو آدمیوں کو ایک ساتھ وکیل کیا تو ان کے لئے تنہا تنہا تصرف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ دو آدمیوں کی رائے سے معاملہ میں جو خوبی اور قوت آتی ہے وہ ایک کی رائے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور مؤکل دو کی رائے سے راضی ہے نہ کہ ایک کی رائے سے۔ اسی لئے اس نے دو وکیل کئے ہیں۔ لہٰذا وہ دونوں ملکر تصرف کریں۔ تنہا کسی ایک کا تصرف مؤکل پر نافذ نہ ہوگا۔ مگر چند تصرفات اس سے مستثنیٰ ہیں (۱) خصومت اس میں تنہا ایک وکیل کا تصرف نافذ ہوگا۔ کیونکہ دونوں کا اجتماع متعذر رہے۔ اگر دونوں جوابدہی کریں گے تو مجلس قضا میں شور وشغب ہوگا۔ (۲) طلاق بلاعوض (۳) عتاق بلابدل (۴) رد ودیعت (۵) قضاء دین (۶) تدبیر عبد ین (۸) رد عاریت (۸) رد مغصوب (۹) رد مبیع بیع فاسد (۱۰) تسلیم ہبہ۔ ان تصرفات میں بھی ایک وکیل کا تصرف نافذ ہوگا۔ کیونکہ ان میں رائے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی بلکہ صرف مؤکل کے کلام کی تعبیر ہوتی ہے۔ جس میں ایک کی اور دو کی عبارت برابر ہے۔

قولہ ولا یؤ کل الخ جس شخص کو کسی کام کیلئے وکیل بنایا گیا ہے وہ اس میں کسی دوسرے کو وکیل نہ بنائے کیونکہ مؤکل کی طرف سے اس کو تصرف کی اجازت ہے۔ نہ کہ توکیل کی۔ پھر لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ اور مؤکل اپنے وکیل کی رائے سے راضی ہے۔ نہ کہ غیر کی رائے سے۔ لہٰذا وکیل کسی دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا۔ ہاں اگر مؤکل نے اسکی اجازت دیدی ہو یا معاملہ اس کی رائے پر چھوڑ دیا ہو۔ مثلاً یہ کہدیا ہو کہ تو اپنی صوابدید کے مطابق عمل کر تو اس صورت میں وہ دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے۔ اب اگر وکیل نے مؤکل کی اجازت کے بغیر دوسرے کو وکیل بنایا اور وکیل ثانی نے وکیل اول کی موجودگی میں معاملہ کیا یا کسی اجنبی نے بیع کی اور اور وکیل اول نے اس کی بیع کو جائز رکھا تو صحیح ہے کیونکہ مقصود تو وکیل اول کی رائے ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔

قولہ وان زوج عبد الخ اگر غلام یا مکاتب یا کسی کافر نے اپنی چھوٹی آزاد مسلمان بچی کا نکاح کر دیا ان میں سے کسی نے اس کے لئے اس کے مال سے خرید وفروخت کی تو انکے یہ تصرفات جائز نہیں ہیں۔ اس واسطے کہ ان لوگوں کو اس کی ولایت نہیں ہے چنانچہ غلام بذات خود اپنا نکاح نہیں کراسکتا۔ تو غیر کا کب کرا سکے گا۔ نیز مسلمان پر کافر کی کوئی ولایت ہی نہیں۔ اسی لئے مسلمان کی بابت اس کی شہادت مقبول نہیں ہوتی۔ رہا مکاتب سو وہ جب تک پورا بدل کتابت ادا نہ کرلے غلام ہی رہتا ہے۔

ای الوکیل لانہ اصیل فی الحقوق وقبض الثمن منہا والکفالۃ توثق بہ والاتہان وثیقۃ لجانب الاستیفاء فیملکہما ۱۲ ہدایہ

عہ..... خلافاً لزفر والائمۃ الثلاثۃ ۱۲

باب الوكالة بالخصومة والقبض

باب جوابدہی یا وصولیابی کے لئے وکیل کرنے کے بیان میں

اَلْوَكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ وَالتَّقَاضِي لَايَمْلِكُ الْقَبْضَ وَبِقَبْضِ الدَّيْنِ يَمْلِكُ الْخُصُوْمَةَ وَبِقَبْضِ الْعَيْنِ لاَ

جوابدہی اور تقاضہ کا وکیل مالک نہیں ہوتا قبضہ کا اور قرض وصول کرنے کا وکیل مالک ہے خصومۃ کا نہ کہ خاص چیز وصول کرنے کا وکیل

فَلَوْ بَرْهَنَ ذُوْ الْيَدِ عَلَى الْوَكِيْلِ بِالْقَبْضِ اَنَّ الْمُوَكِّلَ بَاعَهٗ وَقَفَ الاَمْرُ حَتّٰى يَحْضُرَ الْغَائِبُ

سو اگر بینہ قائم کیا قابض نے قبضہ کے وکیل پر کہ مؤکل نے میرے ہاتھ بیچ ڈالا تو حکم موقوف رہے گا غائب کے آنے تک

وَكَذٰلِكَ الْعِتَاقُ وَالطَّلَاقُ وَلَوْ اَقَرَّ الْوَكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ عِنْدَ الْقَاضِي.

اسی طرح عتاق اور طلاق ہے اگر اقرار کرے وکیل بالخصومۃ قاضی کے روبرو تو صحیح ہے ورنہ نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ الوکیل الخ اگر کسی نے خصومت کیلئے یا دین کا تقاضہ (مطالبہ) کرنے کے لئے کسی کو وکیل بنایا تو امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وکیل قبضہ کرنے کا مالک نہ ہوگا۔ کیونکہ مؤکل صرف خصومت یا مطالبہ سے راضی ہے نہ کہ اس کے قبضہ سے۔ کیونکہ خصومت اور قبضہ دونوں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں تو ایک سے راضی ہونا دوسری شئی سے راضی ہونے کو مستلزم نہیں۔ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک خصومت اور تقاضہ کا وکیل قبضہ کا بھی وکیل ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ اسکے اتمام کا بھی مالک ہوتا ہے اور تمامیت خصومت قبضہ سے ہوتی ہے تو وہ اس کا مالک ہوگا۔ مگر فتوی امام زفر کے قول پر ہے۔ افتی به الصدر الشهيد وكثير من مشائخ بلخ وسمر قندوبه اخذ الفقيهه ابو الليث۔

قولہ ولو اقر الوکیل الخ اگر وکیل بالخصومۃ قاضی کے پاس اپنے مؤکل کے خلاف حدود و قصاص کے علاوہ کسی اور چیز کا اقرار کرلے تو طرفین کے نزدیک اس کا اقرار صحیح ہے۔ اور اگر قاضی کے علاوہ کسی اور کے پاس اقرار کرلے تو صحیح نہیں، امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح نہیں کیونکہ وکیل مامور بالخصومت ہے اور اقرار اس کی ضد ہے۔ کیونکہ خصومت منازعت ہے۔ اور اقرار مسالمت و مصالحت اور امر بالشئی شئی کی ضد کو شامل نہیں ہوتا۔ پس توکیل بالخصومت اقرار کو شامل نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ وکیل مؤکل کا نائب ہے۔ اور مؤکل کا اقرار کرنا مجلس قضا کے ساتھ مخصوص نہیں تو اس کے نائب کا اقرار بھی مجلس قضا کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ توکیل بالخصومۃ ہر اس جوابدہی کو شامل ہے۔ جس کو خصومت کہا جاسکے۔ حقیقۃً ہو یا مجازاً اور مجلس قضا میں اقرار کرنا مجازاً خصومت ہے بخلاف غیر مجلس قضا کے کہ اس کو خصومت نہیں کہتے۔

وَبَطَلَ تَوْكِيْلُ الْكَفِيْلِ بِمَالٍ وَمَنْ اِدَّعٰى اَنَّهٗ وَكِيْلُ الْغَائِبِ فِيْ قَبْضِ دَيْنِهٖ فَصَدَّقَهُ الْغَرِيْمُ

اور باطل ہے کفیل بالمال کو وکیل کرنا جس نے دعویٰ کیا کہ میں وکیل ہوں غائب کا اس کا قرض وصول کرنے میں اور تصدیق کردی اس کی مقروض نے

اُمِرَ بِدَفْعِهٖ اِلَيْهِ فَاِنْ حَضَرَ الْغَائِبُ فَصَدَّقَهٗ وَاِلَّا دَفَعَ اِلَيْهِ الْغَرِيْمُ الدَّيْنَ ثَانِيًا وَرَجَعَ بِهٖ عَلَى الْوَكِيْلِ لَوْبَاقِيًا

تو حکم کیا جائیگا اس کو قرض ادا کرنے کا اب اگر غائب آکر تصدیق کردے تو بہتر ہے ورنہ مقروض دوبارہ ادا کرے اور لے لے وہ وکیل سے اگر باقی ہو

ع...... ای لایملک الخصومۃ لانہ امین محض والقبض لیس ...... بمبادلۃ فاشبہ الرسول ۱۲ ہدایہ

عہ...... عند الامام فلا فالہما وللائمۃ الثلاثۃ (وہو روایۃ عن الامام لان القبض غیر الخصومۃ فلم یکن الرضا بہ رضا بہا ۱۲ امنہ۔

وَاِنْ ضَاعَ لاَ اِلَّا اذا ضَمِنَهٗ عِنْدَالدَّفْعِ اَوْ لَمْ يُصَدِّقْهُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَدَفَعَهٗ اِلَيْهِ عَلٰى اِدِّعَائِهٖ

اور اگر ضائع ہوگیا ہو تو نہیں مگر جبکہ ضامن بنالیا ہو اس کو دیتے وقت یا تصدیق نہ کی ہو اس کی وکالت پر اور دیدیا ہو مال اس کو صرف اس کے دعوی پر

وَلَوْ قَالَ اِنِّیْ وَكِيْلٌ بِقَبْضِ الْوَدِيْعَةِ فَصَدَّقَهُ الْمُوْدَعُ لَمْ يُؤْمَرْ بِالدَّفْعِ اِلَيْهِ وَكَذَا لَوِادَّعٰى الشِّرَاءَ

اگر کہا کہ میں امانت وصول کرنے کا وکیل ہوں اور مودع نے اس کی تصدیق کردی تو حکم نہ کیا جائیگا امانت دینے کا اسی طرح اگر دعوی کیا خریدنے کا

وَصَدَّقَهٗ وَلَوْ اِدَّعٰى اَنَّ الْمُوْدِّعَ مَاتَ وَتَرَكَهَا مِيْرَاثًا لَهٗ وَصَدَّقَهٗ دَفَعَ اِلَيْهِ

اور تصدیق کردی مودع نے اگر دعوی کیا کہ یہ امانت مودع میرے لئے میراث چھوڑ مرا ہے اور مودع نے اس کی تصدیق کردی تو دیدے اس کو

فَاِنْ وَكَّلَهٗ بِقَبْضِ مَالِهٖ فَادَّعَى الْغَرِيْمُ اَنَّ رَبَّ الْمَالِ اَخَذَهٗ دَفَعَ الْمَالَ وَاتَّبَعَ رَبَّ الْمَالِ

اگر وکیل کیا اپنا مال وصول کرنے کے لئے اور دعویٰ کیا مقروض نے کہ صاحب مال لے چکا تو وکیل کو مال دے اور صاحب مال کا پیچھا کرے

وَاسْتَحْلَفَهٗ وَاِنْ وَكَّلَهٗ بِعَيْبٍ فِيْ اَمَةٍ فَادَّعَى الْبَائِعُ رِضَا الْمُشْتَرِيْ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ

اور اس سے قسم لے اگر وکیل کیا عیب کا جو باندی میں نکلا ہے پس دعوی کیا بائع نے مشتری کی رضامندی کا تو نہ لوٹائے اس پر

حَتّٰى يُحَلَّفَ الْمُشْتَرِيْ وَمَنْ دَفَعَ اِلٰى رَجُلٍ عَشَرَةً لِيُنْفِقَهَا عَلٰى اَهْلِهٖ

یہاں تک کہ قسم کھائے مشتری ایک شخص نے اپنے گھروالوں پر خرچ کرنے کے لئے کسی کو دس روپے دئے

فَاَنْفَقَ عَلَيْهِمْ عَشَرَةً مِنْ عِنْدِهٖ فَالْعَشَرَةُ بِالْعَشَرَةِ.

اس نے ان پر اپنے پاس سے خرچ کردیئے تو یہ دس دس کے مقابلہ میں ہوگئے۔

توضیح اللغۃ: غریم مقروض، ودیعۃ امانت، مودَع جس کے پاس امانت رکھی جائے۔ اتبع پیچھا کرے۔

قولہ وبطل الخ توکیل مصدر اپنے مفعول (کفیل) کی طرف مضاف ہے اور فاعل (طالب) مقدر ہے اور بمال میں باء کفیل کا صلہ ہے اور توکیل کا صلہ (بقبض الدین) مقدر ہے۔ **ای توکیل الطالب الکفیل بقبض الدین الذی تکفل بہ باطل** یعنی کفیل بالمال کو دین پر قبضہ کرنے کیلئے وکیل کرنا باطل ہے۔ صورت اس کی یہ ہے مثلاً زید کا عمرو پر دین ہے خالد اس کا کفیل ہوگیا۔ اب زید نے عمرو سے دین پر قبضہ کرنے کے لئے خالد ہی کو وکیل بنادیا تو یہ توکیل باطل ہے۔ کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو غیر کے لئے عمل کرے۔ اور یہاں اگر توکیل کو صحیح مانا جائے تو وکیل خود اپنے لئے عامل ٹھیرے گا یعنی وہ اپنے بری الذمہ ہونے کی سعی کرے گا تو رکن وکالت نہ پایا گیا لہٰذا توکیل صحیح نہ ہوگی۔

قولہ ومن ادعی الخ ایک شخص نے دعوی کیا کہ میں فلاں غائب کی طرف سے اس کا دین وصول کرنے کا وکیل ہوں اور جس شخص پر اس کا دین ہے اس کی اس تصدیق کردی تو مدیون کو حکم کیا جائے گا کہ وہ مدعی وکالت کو دین ادا کرے کیونکہ اس نے مدعی وکالت کی تصدیق کرکے خود ہی اقرار کرلیا۔ اب اگر وہ غائب شخص آکر مدعی کی تصدیق کرے اور کہے کہ میں نے اس کو وکیل بنایا تھا تب تو کوئی بات ہی نہیں اور اگر وہ تصدیق نہ کرے تو مدیون سے کہا جائے گا کہ اس کا دین دوبارہ ادا کر۔ کیونکہ جب غائب شخص نے قسم کھا کر یہ کہدیا کہ وہ

(۱) بان یقول الغریم لمدعی الوکالۃ نعم انت وکیلہ لکن لا آمن ان یجحد الوکالۃ ویاخذمنی ثانیاً فہل انت کفیل عنہ بما یاخذہ منی ثانیاً فیضمن المدعی ذلک الماخوذ (۲) ای اجماعاً لانہ اقرار بمال الغیر بخلاف ما اذا صدق الوکیل بقبض الدین اذ الدیون تقضی بامثالہا۔ (۳) یعنی لوادعی رجل شراء الودیعۃ وصدقہ المودع لم یومر بالدفع الیہ لان اقرارہ علی الغیر غیر مقبول۔ (۴) لان ملکہ قد زال بموتہ واتفقا انہ مال الوارث فیدفعہ الیہ ۱۲۔

میرا وکیل نہیں ہے۔ تو اس کو دین دینا غلط ہوا لہٰذا دوبارہ دین ادا کرنا پڑے گا۔ اب جو دین مدیون نے مدعی وکالت کو دیا تھا اگر وہ اس کی پاس باقی ہو تو مدیون اس سے لے لے گا۔ کیونکہ ادائیگی دین کا مقصد تو یہ تھا کہ مدیون بری الذمہ ہو جائے اور یہ مقصد حاصل نہیں ہوا لہٰذا وہ اس سے واپس لے لے گا اور اگر وہ ضائع ہو چکا ہو تو مدیون مدعی پر رجوع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب اس نے مدعی کی تصدیق کر کے دیا ہے تو یہ اس کا قصور ہے۔ ہاں اگر مدیون نے مدعی کو اتنے مال کا ضامن بنا دیا ہو جتنا مال اس مدیون سے دائن دوبارہ لے لے یا مدیون نے مدعی وکالت کی تصدیق کئے بغیر مال دیا ہو تو مدیون مدعی پر رجوع کر سکتا ہے۔

قولہ فان وکلہ الخ ایک شخص نے کسی کو مدیون سے اپنا مال وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا۔ وکیل نے مدیون سے مال طلب کیا مدیون نے جواب دیا کہ صاحب مال مجھ سے مال لے چکا تو مدیون کو مال دینا پڑیگا۔ کیونکہ مدیون کے قول مذکور سے وکالت تو ثابت ہو چکی۔ رہا اس کا ادائیگی دین کا دعوی سو وہ محض اس کے کہنے سے ثابت نہیں ہو سکتا لہٰذا صاحب مال کے حق میں تاخیر میں نہیں کی جا سکتی ہاں مدیون صاحب مال کا پیچھا کرے اگر وہ انکار کرے تو اس سے قسم لے کہ تو مجھ سے لے چکا ہے۔

قولہ وان وکلہ الخ ایک شخص نے خرید کردہ باندی میں کوئی عیب پایا اور عیب کی وجہ سے لوٹانے کے لئے کسی کو وکیل بنایا وکیل باندی لوٹانے کے لئے بائع کے پاس آیا۔ بائع نے دعوی کیا کہ مشتری اس عیب سے راضی ہو چکا تھا تو جب تک مشتری قسم کھا کر یہ نہ کہے کہ میں عیب سے راضی نہیں تھا اس وقت تک وکیل باندی کو واپس نہ کرے اس واسطے کہ اگر یہاں باندی کی واپسی کا فیصلہ کیا جائے تو عقد فسخ ہوگا کیونکہ واپسی عیب کی وجہ سے ہے اور رد بالعیب فسخ عقد ہوتا ہے۔ اور قضا عقود و فسوخ صحت پر جاری ہے۔ کیونکہ امام صاحب کے یہاں قضا ظاہراً اور باطناً ہر دو اعتبار سے نافذ ہے۔ پس یہاں تدارک ناممکن ہے بخلاف مسئلہ دین کے (جو اوپر مذکور ہوا) کہ وہاں مقبوضہ وکیل واپس لینے کے ذریعہ تدارک ممکن ہے کیونکہ وہاں قضاء صرف ظاہراً نافذ ہے نہ کہ باطناً۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب عزل الوکیل

باب وکیل کو برطرف کرنے کے بیان میں

وَتَبْطُلُ	الْوَكَالَةُ	بِعَزْلِهٖ	اِنْ	عَلِمَ	بِهٖ	وَمَوْتِ	اَحَدِهِمَا	وَجُنُوْنِهٖ	مُطْبَقًا

اور باطل ہو جاتی ہے وکالت مؤکل کے معزول کرنے سے اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے اور کسی ایک کے مرنے سے اور دائمی جنون سے

وَلُحُوْقِهٖ	مُرْتَدًّا	وَافْتِرَاقِ	الشَّرِيْكَيْنِ	وَعِجْزِ	مُوَكِّلِهٖ	لَوْ مُكَاتَبًا

اور مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے اور دو شریکوں کے جدا ہونے سے اور مؤکل کے عجز سے اگر وہ مکاتب ہو

وَحِجْرِهٖ	لَوْ مَاذُوْنًا	وَتَصَرُّفِهٖ	بِنَفْسِهٖ.

اور اس کے مجور ہونے سے اگر ماذون ہو اور مؤکل کے خود تصرف کرنے سے۔

تشریح الفقہ: قولہ وتبطل الخ مذکورہ ذیل امور سے وکیل وکالت سے معزول ہو جاتا ہے۔ (۱) مؤکل کے معزول کر دینے سے کیونکہ وکالت مؤکل کا حق ہے۔ تو جب چاہے اپنا حق باطل کر سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ وکیل کو اسکا علم ہو جائے تا کہ اس کا نقصان نہ ہو۔ (۲) موت مؤکل سے (۳) موت وکیل سے (۴) مؤکل کے مجنون ہو جانے سے بشرطیکہ جنون مطبق یعنی دائمی ہو جنون مطبق کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ درر میں سال بھر کے جنون کو مطبق کہا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے جمیع عبادات ساقط ہو جاتی ہیں۔ یہ امام محمد کا

عہ۔۔۔۔۔ اخر العزل عن الوکالۃ لمانہ یقتضی سبق ثبوتہا وہو رفعہا فناسب ذکرہ آخر ا ۱۲ الطحاوی عہ۔۔۔۔۔ وعند الائمۃ الثلاثۃ ینعزل بلا علم منہ الا فی قول عنہم ۱۲ منہ۔

قول ہے۔صاحب بحر نے اسی کو صحیح مانا ہے۔مضمرات، قہستانی اور باقانی میں مہینے بھر کے جنون کو مطبق مانا ہے۔ہدایہ میں ہے کہ یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔جس کی وجہ یہ ہے کہ اتنے جنون سے رمضان کے روزے ساقط ہوجاتے ہیں۔امام صاحب سے ابوبکر رازی کی روایت میں بھی یہی ہے۔بلکہ قاضی خاں نے تو اسی کو امام صاحب کا قول قرار دیا ہے۔اور یہ بھی کہا ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔امام ابو یوسف سے جنون مطبق میں ایک دن اور ایک رات کی بھی روایت ہے کیونکہ اس سے پنجگانہ نمازیں ساقط ہوجاتی ہیں (۶) وکیل کے دارالحرب چلے جانے سے (۷) مؤکل کے دارالحرب چلے جانے سے (امام صاحب کے نزدیک) (۸) احدالشریکین کے افتراق سے (۹) مؤکل کے عاجز ہوجانے سے (اگر وہ مکاتب ہو) اور اداء بدل کتابت سے عاجز ہوجائے (۱۰) مؤکل کے ممنوع التصرف ہوجانے سے (اگر وہ عبد ماذون فی التجارۃ ہو) وجہ یہ ہے کہ توکیل ایک غیر لازم تصرف ہے تو اس کے دوام کا بھی وہی حکم ہوگا جو اس ابتداء کا ہے لہذا مؤکل کی جانب سے امر بالتوکیل کا قائم رہنا ضروری ہے اور امر بالتوکیل عوارض مذکورہ کی وجہ سے باطل ہوجاتا ہے لہذا وکالت بھی باطل ہوجائیگی (۱۱) مؤکل کے بذات خود تصرف کرنے سے یعنی جس کام کے لئے اس کو وکیل بنایا تھا اگر وہ کام خود مؤکل کرلے اور وکیل کا تصرف ممکن نہ ہو تو وکیل وکالت سے معزول ہوجائیگا جیسے اعتاق، کتابت، تزویج شراء شئی معین، طلاق زوجہ، خلع وغیرہ تصرفات۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

کتاب الدعویٰ

هِيَ اِضَافَةُ الشَّيْءِ اِلٰى نَفْسِهٖ حَالَةَ الْمُنَازَعَةِ وَالْمُدَّعِي مَنْ اِذَا تَرَكَ تُرِكَ وَالْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ بِخِلَافِهٖ

وہ منسوب کرنا ہے شئ کو اپنی طرف نازعت کے وقت اور مدعی وہ ہے کہ جب وہ جھگڑا چھوڑ دے تو چھوڑ دیا جائے اور مدعی علیہ اس کے خلاف ہے

وَلَا يَصِحُّ الدَّعْوٰى حَتّٰى يَذْكُرَ شَيْئًا عُلِمَ جِنْسُهٗ وَقَدْرُهٗ فَاِنْ كَانَ عَيْنًا فِي يَدِ الْمُدَّعىٰ عَلَيْهِ كُلِّفَ اِحْضَارُهَا

اور صحیح نہیں دعویٰ یہاں تک کہ ذکر کرے ایسی چیز جس کی جنس اور مقدار معلوم ہو پس اگر وہ معین شئ ہو مدعیٰ علیہ کے پاس تو مجبور کیا جائیگا حاضر کرنے پر

لِيُشِيْرَ اِلَيْهَا بِالدَّعْوٰى وَكَذَا فِي الشَّهَادَةِ وَالْاِسْتِحْلَافِ فَاِنْ تَعَذَّرَ ذَكَرَ قِيْمَتَهَا

تاکہ اشارہ کرے اس کی طرف دعوی کرتے وقت اسی طرح شہادت میں اور قسم لینے میں اگر حاضر کرنا دشوار ہو تو ذکر کرے اس کی قیمت

فَاِنْ ادَّعٰى عِقَارًا ذَكَرَ حُدُوْدَهٗ وَكَفَتْ ثَلٰثَةٌ وَاَسْمَاءَ اَصْحَابِهَا

اگر دعوی کیا زمین کا تو ذکر کرے اس کی حدود اور کافی ہیں تین اور ان کے مالکوں کے نام

وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْجَدِّ اِنْ لَمْ يَكُنْ مَشْهُوْرًا وَاَنَّهٗ فِي يَدِهٖ.

اور ضروری ہے دادا کا ذکر اگر مشہور نہ ہو اور یہ کہ وہ شئ مدعا علیہ کے قبضہ میں ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ وکالت بالخصومۃ (جو وکالتوں کی مشہور ترین نوع ہے) دعوی کا سبب اور اسکی طرف داعی ہے اس لئے مصنف وکالت بالخصومۃ کے بعد دعوی کے احکام بیان کررہا ہے۔لان المسبب یتلو السبب، دعوی بروزن فعلی ادعاء مصدر کا اسم ہے۔جس کی جمع دعاوی ہے جیسے فتوی کی جمع فتاوی۔بعض نے واؤ کے فتح کو بہتر کہا ہے۔اور بعض نے کسرہ کو اور بعض نے دونوں کو برابر کہا ہے۔دعوی لغت میں وہ قول ہے جس سے آدمی دوسرے پر ایجاب حق کا ارادہ کرے۔اصطلاح شرع میں بوقت خصومت کسی شئی کو اپنی طرف منسوب کرنا دعوی کہلاتا ہے۔دعوی کرنے والے کو مدعی اور جس پر دعوی کیا جائے اس کو مدعی علیہ اور جس چیز کا دعوی کیا جائے اس کو مدعی کہتے ہیں۔

---

(۱)......لان الاعلام باقصی مایمکن شرط وذلک بالاشارۃ فی المنقول ۱۲ ہدایہ۔(۲) لیصیر ا؁ ی معلوما لان الشئ یعلم بقیمتہ انہا مثلہ معنی وعند ابی اللیث یشترط ذکر الذکورۃ والانوثۃ ایضا ۱۲ والمدعی بہ خطاء ۱۲ کافی

قوله والمدعی الخ مدّعی اور مدعی علیہ کے درمیان فرق معلوم کر لینا نہایت ضروری ہے کیونکہ فہم مسائل دعوی اسی فرق کے سمجھنے پر مبنی ہے اس لئے مصنف ان دونوں کا فرق ظاہر کر رہا ہے کہ مدعی اس شخص کو کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنا دعوی ترک کر دے اس لئے مصنف ان دونوں کا فرق ظاہر کرد ہا ہے کہ مدعی اس شخص کو کہتے ہیں کہ اگر وہ اپنا دعوی ترک کر دے تو اس کو چھوڑ دیا جائے یعنی حاکم اس کو دعوی کرنے پر مجبور نہ کر سکے۔ اور مدعی علیہ وہ ہے جس کو ترک خصومت سے چھوڑا نہ جائے بلکہ خصومت پر مجبور کیا جائے، بقول ابوالمکارم وصاحب ہدایہ یہ ایک جامع مانع تعریف ہے جو بجائے خود صحیح ہے۔ بعض مشائخ نے فرق یوں ظاہر کیا ہے کہ مدعی وہ ہے جو بلا حجت مستحق نہ ہو۔
جیسے کوئی خارجی شخص کسی کے پاس کوئی چیز دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ میری ہے **فانه لا یستحق الابحجة** اور مدعی علیہ وہ ہے جو بلا حجت صرف اپنے قول ہی سے مستحق ہو جیسے قابض کہ اگر وہ اپنی مقبوضہ شئی کے متعلق یہ کہے کہ یہ میری ہے تو وہ اسی کی ہوگی جبتک کوئی دوسرا شخص اپنا استحقاق ثابت نہ کرے۔ بعض نے کہا ہے کہ مدعی علیہ وہ ہے جو ظاہر کیساتھ تمسک کرے اور مدعی وہ ہے جو غیر ظاہر کیساتھ تمسک کرے۔ پھر صحت دعوی کے لئے مدعا کی جنس اور اس کی مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ میرے فلاں شخص پر اتنے کیل گیہوں ہیں۔ کیونکہ دعوی کا مقصد یہ ہے کہ بواسطہ حجت خصم پر حکم کیا جائے اور مجہول مال کا حکم نہیں کیا جا سکتا۔
فائدہ: صحت دعوی کیلئے آٹھ شرطیں ہیں (۱) مدعا معلوم ہو (۲) مستحیل الوجود نہ ہو (۳) مدعی کی زبانی ہو (۴) مدعی اور مدعی علیہ عاقل ہوں (۵) مجلس قضا ہو (٦) مقابل حاضر ہو (۷) دعوی میں تناقض نہ ہو (۸) مدعی خصم پر ملزم ہو **وقد نظمها الحموی بقوله۔**

ایا طا لبامنی شرائط دعوة	فتلک ثمان من نظامی لها حلا
فحضرة خصم وانتفاء تناقض	ومجلس حکم با لعدالة سرملا
کذلک معلومیة المدعا به	وامکان العقل دام لک العلا
کذلک لسان المدعی من شروطها	و الزامه خصمابه النظم کملا

قوله ادعی الخ اگر کوئی زمین کا دعوی کرے تو صحت دعوی کے لئے حدود بیان کرنا شرط ہے گو زمین مشہور ہو۔ (صاحبین کے نزدیک مشہور و معروف ہونے کی صورت میں تحدید شرط نہیں) کیونکہ مدعا میں اصل تو یہی ہے کہ وہ معلوم بالاشارہ ہو لیکن زمین کی طرف اشارہ کرنا متعذر ہے۔ کیونکہ زمین کو قاضی کی مجلس میں اٹھا کر لانا ناممکن ہے اس لئے تحدید کی طرف رجوع کیا جائیگا کیونکہ زمین تحدید سے معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر طرفین کے نزدیک تین حدوں کو ذکر کر دینا کافی ہے۔ **لان للاکثر حکم الکل**' امام ابو یوسف کے نزدیک صرف دو حدود کا ذکر کافی ہے۔ (**کذافی البحر معزیا الی الخانیة**) مگر امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدود اربعہ ذکر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر پوری تعریف نہیں ہوتی۔ نیز اصحاب حدود کے نام بھی ذکر کرنا ضروری ہے۔ اور اگر وہ غیر مشہور ہوں تو ان کے آباء واجداد کو ذکر کرے تا کہ پورا تعارف ہو سکے۔ اور یہ بھی ذکر کرے کہ زمین مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے تا کہ وہ مخاصم قرار پا سکے اور یہ بھی ذکر کرے کہ میں اس کا مطالبہ کرتا ہوں۔ کیونکہ مطالبہ مدعی کا حق ہے جو اس کی طلب پر موقوف ہے۔

وقیل المدعی من لاحجة له والمدعی علیه خلاف هذا ولذا یقال لمسیلمة الکذاب مدعی النبوة ولایقال لرسولنا علیه السلام ۱۲

وَلَایَثْبُتُ الْیَدُ فِی الْعِقَارِ بِتَصَادُقِھِمَا بَلْ بِبَیِّنَۃٍ اَوْ عِلْمِ قَاضٍ بِخِلَافِ الْمَنْقُوْلِ وَاِنَّہٗ یُطَالِبُہٗ بِہٖ

اور ثابت نہ ہوگا قبضہ زمین میں باہمی تصادق سے بلکہ بینہ سے یا قاضی کے علم سے بخلاف منقول کے اور یہ کہ وہ اس کا طلب گار ہے

وَاِنْ کَانَ دَیْنًا ذَکَرَ وَصْفَہٗ وَاِنَّہٗ یُطَالِبُہٗ بِہٖ فَاِنْ صَحَّتِ الدَّعْویٰ سَاَلَ الْمُدَّعیٰ عَلَیْہِ عَنْھَا

اور اگر وہ شئ دین ہو تو ذکر کرے اس کا وصف اور یہ کہ وہ اس کو چاہتا ہے جب دعویٰ صحیح ہوجائے تو جواب طلب کرے مدعی علیہ سے

فَاِنْ اَقَرَّ اَوْاَنْکَرَ فَبَرْھَنَ الْمُدَّعِی قَضٰی عَلَیْہِ وَاِلَّا حَلَّفَ بِطَلَبِہٖ

اگر وہ اقرار کرلے یاانکار کرے اور مدعی بینہ قائم کردے تو حکم کردے اس پر ورنہ قسم لے اگر مدعی طلب کرے

وَلَایَرِدُ یَمِیْنٌ عَلٰی مُدَّعٍ وَلاَ بَیِّنَۃَ لِذِی الْیَدِ فِی الْمِلْکِ الْمُطْلَقِ وَبَیِّنَۃُ الْخَارِجِ اَحَقُّ۔

اور نہیں آئیگی قسم مدعی پر اور بینہ معتبر نہیں قابض کا ملک مطلق میں اور غیر متصرف کا بینہ زیادہ قابل سماعت ہے۔

احکام دعوی کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ ولا یثبت الخ زمین میں قبضہ کا ثبوت مدعی اور مدعی علیہ کے باہمی تصادق سے نہیں ہوتا بلکہ بینہ یا علم قاضی کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ متخاصمین نے پرایا مال لینے کے واسطے اپنے آپ کو مدعی اور مدعی علیہ بنایا ہو۔ بخلاف اشیا منقولہ کے کہ ان میں تصادق متخاصمین مثبت قبض ہے لان الیدفیھا معاینۃ فلاحاجۃ الی اشتراط الزیادۃ۔

قولہ ولا یرد الخ قاعدہ ہے کہ اثبات مدعی پر مدعی کے لئے بینہ قائم کرنا ضروری ہے اگر بینہ نہ ہو تو مدعی علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کردیا جائے گا اور اگر مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرے تو مدعی پر قسم وارد نہ ہوگی۔ یعنی اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ بلکہ قاضی مدعی علیہ پر مدعی کا دعوی لازم کردے گا۔ اسی طرح اگر مدعی نے ایک گواہ پیش کیا۔ اور دوسرا گواہ پیش نہ کرسکا تو ہمارے یہاں مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی' امام ثوری' اوزاعی' زہری' نخعی' شعبی' عطاء' حکم' ابن عیینہ' عمر بن عبدالعزیز' ابن شرمہ' یحی بن یحی' لیث بن سعد رحمہم اللہ سب اسی کے قائل ہیں' ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر مدعی علیہ قسم سے انکار کردے تو مدعی پر قسم وارد ہوگی اگر وہ قسم کھالے تو فیصلہ کردیا جائے گا۔ نیز اگر مدعی دوسرا گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو تو اس سے قسم لے لی جائے گی اور ایک شاہد اور قسم سے فیصلہ کردیا جائے گا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک شاہد اور (مدعی کی) قسم پر فیصلہ فرمایا ہے۔

ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر لوگوں کو محض ان کے دعووں کی وجہ سے دیدیا جائے تو لوگ قوم کی جانوں اور مالوں پر دعوے کر بیٹھیں گے لیکن بینہ مدعی پر ہے اور قسم اس پر جو انکار کرے" وہ استدلال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے متخاصمین میں تقسیم فرمائی ہے کہ بینہ مدعی پر ہے اور قسم منکر (مدعی علیہ) پر اگر مدعی سے قسم لی جائے تو شرکت لازم آئے گی یعنی مدعی اور مدعی علیہ دونوں قسم میں شریک ہوں گے اور شرکت منافی قسمت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ " الیمین علیٰ من انکر" میں الف لام استغراقی ہے کیونکہ لام تعریف استغراق پر محمول ہوتا ہے۔ اور تعریف حقیقت پر مقدم ہوتی ہے (جب کوئی معہود نہ ہو تو مطلب یہ ہوا کہ جمیع ایمان منکرین پر ہیں۔ اب اگر مدعی پر بھی یمین ہو تو اس نص کی مخالفت لازم آئے گی۔ رہا ائمہ ثلاثہ کا مستدل سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو حدیث ابن عباس معلوم بالانقطاع ہے۔ امام ترمذی نے علل کبیر میں ذکر کیا ہے کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری سے دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ عمرو بن دینار نے

[illegible] ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' دار قطنی' بیہقی عن ابن عباس' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ احمد' ترمذی' ابن ماجہ' بیہقی' طحاوی عن جابر' ترمذی' طبرانی عن عبادہ' ابن ماجہ عن سرق'

یہ حدیث حضرت ابن عباس سے نہیں سنی۔ ابن القطان نے کہا ہے کہ گو امام مسلم نے اس حدیث کی تخریج کی ہے مگر اس میں دو جگہ انقطاع ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کے متعلق طحطاوی نے عینی سے نقل کیا ہے کہ یہ ربیعہ نے سہیل بن ابی صالح سے روایت کی ہے اور سہیل خود اس روایت کا منکر ہے تو حدیث قابل حجت نہ رہی۔ اور اس کے باقی طرق بھی ضعیف ہیں حضرت علی کی حدیث کے متعلق دار قطنی نے علل میں کہا ہے کہ جعفر صادق نے اس حدیث کو کبھی موصولاً ذکر کیا ہے اور کبھی مرسلاً اور امام ترمذی نے گو مرسل کی تصحیح ہے لیکن امام شافعی کے یہاں حدیث مرسل قابل احتجاج نہیں۔ یہی حال حضرت جابر کی روایت کا ہے۔ حضرت سرق کی روایت میں بھی انقطاع ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں زہری سے مروی ہے کہ قضا بالشاہد والیمین بدعت ہے۔ اور اس پر سب سے پہلے امیر معاویہ نے عمل کیا ہے۔ ابراہیم نخعی اور شعبی سے بھی اس قسم کی روایت ہے۔ دوم یہ کہ اگر حدیث مذکور کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو تب بھی یہ حدیث مفید عموم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس میں ایک خاص واقعہ ذکر ہے نص قولی نہیں۔ تو ہو سکتا ہے کہ یہ حکم اسی واقعہ یا اسی مدعی کے ساتھ خاص ہو جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے قائم مقام کیا ہے جو آپ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ **قال الامام فخر الدین قول الصحابی نهی النبی صلعم عن کذا و قضی بکذا لایفید العموم لان الحجة فی المحکی لافی الحکایة والمحکی قدیکون خاصاً**

قولہ ولا بینة الخ ملک مطلق سے مراد وہ ہے جس کا سبب مذکور نہ ہو جیسے خرید یا میراث اگر قابض نے ملک مطلق پر بینہ قائم کیا تو اس کا بینہ مقبول نہ ہوگا اور اگر قابض نے ملک مطلق کا دعویٰ کیا اور ایک دوسرے شخص نے بھی ملک مطلق کا دعویٰ کیا اور دونوں نے ملک مطلق پر بینہ قائم کیا تو اس دوسرے شخص کا بینہ قابل قبول ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قابض کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا کیونکہ اس کے بینہ کو قبضہ کی وجہ سے تقویت حاصل ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس دوسرے شخص کا بینہ زیادہ مثبت ہے اس واسطے کہ اس کے قبضہ نے جو مقدار ثابت کی ہے اس کو قابض کا بینہ ثابت نہیں کرتا ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی۔ وجہ یہ ہے کہ قبضہ ملک مطلق کی دلیل ہے نہ کہ قدر زائد کے اثبات کی۔

وَقَضٰی لَهٗ اِنْ نَکَلَ مَرَّةً بِلَا اَحْلِفُ اَوْ سَکَتَ وَعَرْضَ الْیَمِیْنَ ثَلٰثًا نُدُبًا وَلَا یُسْتَحْلَفُ فِیْ نِکَاحٍ

حکم کر دے اس کے لئے اگر انکار کرے ایک بار کہکر کہ میں قسم نہیں کھاتا یا خاموش رہے اور کہے قسم کیلئے تین بار بطریق استحباب اور قسم نہ لی جائے

وَرَجْعَةٍ وَفَیْءٍ وَاسْتِیْلَادٍ وَرِقٍّ وَنَسَبٍ وَوَلَاءٍ وَحَدٍّ وَلِعَانٍ قَالَ الْقَاضِیْ الْاِمَامُ فَخْرُ الدِّیْنِ

نکاح میں، رجعت میں، ایلاء کے بعد رجعت میں، ام ولد کرنے میں، غلام ہونے میں، نسب میں، ولاء میں، حد میں اور لعان میں، کہا ہے امام فخر الدین

اَلْفَتْوٰی عَلٰی اَنَّهٗ یُسْتَحْلَفُ الْمُنْکِرُ فِی الْاَشْیَاءِ السِّتَّةِ وَیُسْتَحْلَفُ السَّارِقُ فَاِنْ نَکَلَ ضَمِنَ وَلَمْ یُقْطَعْ

نے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ قسم لی جائیگی منکر سے چھ چیزوں میں اور قسم لی جائے چور سے اگر انکار کرے تو ضامن ہوگا اور ہاتھ نہیں کٹیگا

وَالزَّوْجُ اِذَا ادَّعَتِ الْمَرْاَةُ طَلَاقًا قَبْلَ الْوَطْیِ فَاِنْ نَکَلَ ضَمِنَ نِصْفَ الْمَهْرِ وَجَاحِدُ الْقَوَدِ فَاِنْ نَکَلَ

اور شوہر سے جبکہ دعویٰ کرے بیوی طلاق قبل از وطی کا اگر انکار کرے تو ضامن ہوگا نصف مہر کا اور منکر قصاص سے اگر انکار کرے جان کے قصاص میں

فِی النَّفْسِ حُبِسَ حَتّٰی یُقِرَّ اَوْ یَحْلِفَ وَفِیْمَا دُوْنَهٗ یُقْتَصُّ وَلَوْ قَالَ الْمُدَّعِیْ لِیْ بَیِّنَةٌ حَاضِرَةٌ وَطَلَبَ الْیَمِیْنَ

تو قید کیا جائے یہاں تک کہ اقرار کرے یا قسم کھائے اور اسکے علاوہ میں قصاص لیا جائے اگر کہے مدعی کہ میرے گواہ حاضر ہیں اور طلب کرے قسم

لَمْ یُسْتَحْلَفْ وَقِیْلَ لِخَصْمِهٖ اَعْطِهٖ کَفِیْلًا بِنَفْسِکَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فَاِنْ اَبٰی لَازَمَهٗ اَیْ دَارَ مَعَهٗ

تو قسم نہیں دی جائیگی بلکہ مدعیٰ علیہ سے کہا جائیگا کہ اس کو کفیل دیدے اپنی جان کا تین دن تک اگر وہ انکار کرے تو مدعی اسکے ہمراہ رہے

صحیحین، بیہقی، عن ابن عباس، دار قطنی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وابی ہریرة، واقدی (فی المغازی) عن بردہ بنت ابی تجزئة ۱۲

حَيْثُ سَارَ وَلَوْ غَرِيْبًا لَازَمَهٗ قَدْرَ مَجْلِسِ الْقَاضِي.

جہاں وہ جائے اور اگر وہ مسافر ہو تو اس کے ساتھ رہے صرف قاضی کی مجلس تک

توضیح اللغۃ: فَیْ بفتح فاء رجوع کرنا' رِق غلامی' سارق چور' نکل انکار کرے' جاحد انکار کنندہ' قَوَد قصاص' غریب مسافر۔

تشریح الفقہ: **قولہ وقضی لہ الخ** اگر مدعیٰ علیہ قسم کھانے سے انکار کردے ایک ہی بار قسم نہ کھانے سے قاضی اس پر فیصلہ کردے خواہ انکار حقیقتاً ہو مثلاً وہ صاف طور سے کہدے کہ میں قسم نہیں کھاتا یا حکماً ہو بایں طور کہ وہ قسم کھانے سے خاموشی اختیار کرے۔ لیکن بہتر یعنی مستحب یہ ہیکہ قاضی اس کو قسم کھانے کیلئے تین بار کہے۔ اگر پھر بھی قسم نہ کھائے تو قاضی فیصلہ کردے۔ **ذکرہ الخصاف وصححہ فی الھدایۃ۔**

قولہ ویستحلف الخ مذکورہ ذیل امور میں امام صاحب کے نزدیک مدعیٰ علیہ پر قسم نہیں (۱) نکاح مثلاً زید مدعی نکاح ہو اور عورت منکر ہو یا بر عکس ہو (۲) رجعت مثلاً عدت گذرنے کے بعد زید دعوی کرے کہ میں نے عدت کے اندر رجوع کرلیا تھا اور عورت اسکا انکار کرے یا بر عکس ہو (۳) فیٔ مثلاً مدت ایلا گزرنے کے بعد زید نے دعوی کیا کہ میں نے مدت ایلا میں ایلا سے رجوع کرلیا تھا اور عورت اس کی منکر ہو یا اس کے بر عکس ہو (۴) استیلاد مثلاً باندی نے آقا پر دعوی کیا کہ میں اسکی ام ولد ہو اور یہ بچہ اسی سے ہے اور آقا اس کا منکر ہے (۵) رق مثلاً زید نے ایک مجہول النسب پر دعوی کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور وہ شخص منکر ہو (۶) نسب۔ مثلاً زید نے ایک شخص پر دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور وہ شخص منکر ہے (۷) ولا۔ مثلاً زید نے کسی پر دعوی کیا کہ اس پر میرے ہے ولاء اعتاق ہے یا ولاء موالاۃ ہے اور وہ شخص منکر ہے (۸) حد۔ مثلاً زید نے دوسرے پر کسی موجب حد امر کا دعوی کیا اور مدعیٰ علیہ نے اس سے انکار کیا (۹) لعان مثلاً عورت نے شوہر پر دعوی کیا کہ اس نے مجھکو موجب لعان تہمت لگائی ہے اور شوہر اسکا منکر ہو ان تمام صورتوں میں امام صاحب کے نزدیک منکر یعنی مدعیٰ علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ فائدہ استحلاف قضاءً بالنکول ہے اور نکول بھی اقرار ہے۔ کیونکہ نکول اس کے کاذب ہونے پر دال ہے اور امور مذکورہ میں اقرار جاری ہے تو استحلاف بھی جاری ہوگا۔ نیز امور مذکورہ ایسے حقوق ہیں جو شبہ کے باوجود ثابت ہوجاتے ہیں لہذا ان میں استحلاف جاری ہوگا۔ جیسے اموال میں جاری ہوتا ہے بخلاف حدود کے وہ ادنی شبہ سے بھی اٹھ جاتی ہیں اسلئے ان میں استحلاف جاری نہ ہوگا۔ اور لعان حد ہی کے معنی میں ہے لہذا اس میں استحلاف جاری نہ ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہاں نکول جائز نہیں (ورنہ مجلس قضا شرط نہ ہوتی) بلکہ ایک قسم کی اباحت ہے گویا مدعیٰ علیہ نے دفع خصومت کی خاطر اسکو مباح کردیا اور امور مذکورہ میں اباحت جاری نہیں ہوتی لہذا ان میں نکول کے ساتھ فیصلہ نہ ہوگا لیکن فتاوی قاضی خاں اور اختیار وغیرہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے یعنی ساتویں امور میں قسم لی جائے گی۔ نہایہ میں ہے کہ متاخرین اسپر ہیں کہ اگر مدعی متعنت ہو تو قاضی صاحبین کا قول اختیار کرے اور مظلوم ہو تو امام صاحب کا قول اختیار کرے۔ **واقرہ القھستانی والبر جندی۔**

قولہ فی الاشیاء الستۃ الخ سوال ماقبل میں ۹ چیزیں مذکور ہیں پھر چھ کا کیا مطلب؟ جواب حد اور لعان تو مجمع علیہ ہے۔ یعنی ان میں بالاتفاق قسم نہیں تو اب سات باقی رہیں۔ ان سات میں سے استیلاء نسب کے ساتھ یا رق کے ساتھ ملحق ہے۔ کیونکہ اس میں یا نسب کا دعوی ہوتا ہے یا رقیت کا۔ پس مختلف چھ چیزیں رہیں۔

قولہ ویستحلف السارق الخ اگر چور چوری سے انکار کرے تو مال کے لئے اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم سے انکار کرے تو مال کا تاوان دیگا اور ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اس واسطے کہ اس کے فعل سرقہ سے دو چیزیں متعلق ہیں۔ ایک مال کا تاوان دوسرے قطع ید۔ اور نکول ایک ایسی دلیل ہے جس میں شبہ موجود ہے تو اس سے مال ہی واجب ہوگا نہ کہ حد۔ اسی طرح عورت شوہر پر قبل از وطی طلاق دینے کا دعوی کرے تو شوہر سے قسم لی جائے گی اگر وہ انکار کرے تو اس پر نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ طلاق میں بالاجماع قسم لی جاتی ہے۔

ا نص المصنف علی عدم الاستحلاف عندہ فی ہذہ الاشیاء وفی الخانیۃ انہ لا استحلاف فی احد وثلاثین خصلۃ بعضہا مختلف فیہ وبعضہا متفق علیہ وان شئت التفصیل فارجع الی البحر ۱۲ منہ

قولہ وجاحد القود الخ جو شخص منکر قصاص ہو اس سے بھی بالاتفاق قسم لے جائیگی اگر وہ انکار کرے تو دیکھا جائے گا کہ دعوی قتل نفس کا ہے یا قطع اطراف وجراحات کا۔ اگر دعوی قتل نفس کا ہو تو مدعی علیہ کو قید کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ اقرار کرے یا قسم کھائے اور اگر دعوی قطع اطراف کا ہو تو صرف نکول ہی کی وجہ سے قصاص لیا جائے گا یہ حکم امام صاحب کے یہاں ہے صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ارش یعنی دیت واجب ہوگی کیونکہ نکول ایک ایسی دلیل ہے جس میں شبہ موجود ہے تو اس سے قصاص ثابت نہ ہوگا بلکہ مال واجب ہوگا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اطراف (یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ) میں اموال کا سا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کیونکہ جس طرح مال آدمی کی حفاظت کے لئے ہے اسی طرح ہاتھ پاؤں بھی حفاظت نفس کے لئے ہیں۔ اور مال میں بذل واباحت جاری ہے تو اس میں بھی جاری ہوگی۔ اور نکول کیوجہ سے قصاص لیا جائے گا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مدعی سے قسم لی جائے گی کہ وہ اپنے دعوی میں سچا ہے اور قسم لینے کے بعد مدعی علیہ سے دونوں صورتوں میں قصاص لیا جائے گا۔

قولہ ولو قال المدعی الخ نے کسی چیز کا دعوی کیا اور یہ کہا کہ میرے گواہ شہر میں موجود ہیں۔ اور اس میں مدعی علیہ سے قسم طلب کی تو امام صاحب کے نزدیک مدعی علیہ سے قسم نہیں لے جائے گی صاحبین کے نزدیک قسم لے جائے گی۔ کیونکہ یمین مدعی کا حق ہے تو جب وہ طلب کرے قسم لی جائیگی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یمین مدعی کا حق اس وقت ہے جب وہ بینہ قائم کرنے سے عاجز ہو۔ اور یہاں اقامت بینہ کا امکان ہے۔ لہٰذا قسم نہیں لی جائے گی۔ (مگر یہ اختلاف اس وقت ہے جب گواہ شہر میں ہوں) اگر مجلس قضا میں ہوں تو بالاتفاق قسم نہیں لی جائے گی۔ اور اگر شہر سے تین منزل دور ہوں تو بالاتفاق قسم لی جائیگی۔ بلکہ اس سے تین روز کیلئے حاضر ضامن لیا جائیگا۔ تا کہ وہ کہیں بھاگ نہ جائے۔

پھر اگر وہ حاضر ضامن دینے سے انکار کرے تو اگر مدعی علیہ اس شہر کا باشندہ ہو مدت ضمانت یعنی تین روز تک خود مدعی یا اس کا امین مدعی علیہ کا پیچھا کرے تا کہ وہ کہیں غائب نہ ہو جائے اور اگر وہ مسافر ہو تو صرف کچہری برخاست ہونے تک ضمانت لی جائے گی۔ اور اگر وہ ضمانت سے سرتابی کرے تو مدعی علیہ ہی مدت تک اس کا پیچھا کرے گا۔ کیونکہ اس میں مدعی کے حق کی رعایت بھی ہے اور مدعی علیہ کا کوئی نقصان بھی نہیں۔ پھر اگر مدعی مدت مقررہ میں گواہ لے آیا تو بہتر ہے ورنہ قاضی مدعی علیہ سے قسم لے۔ یا اس کو چھوڑ دے۔ **وقول الامام والصحیح کمافی المضمرات وغیرھا۔**

وَالْيَمِينُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى لَابِطَلَاقٍ وَعِتَاقٍ اِلَّا اِذَا اَلَحَّ الْخَصَمُ وَتَغَلَّظُ بِذِكْرِ اَوْصَافِهٖ لَابِزَمَانٍ وَمَكَانٍ

اور قسم خدا کی معتبر ہے نہ کہ طلاق وعتاق کی مگر جبکہ اصرار کرے مدعی اور قسم کی تاکید کرے خدا کے اوصاف سے نہ کہ زمان ومکان سے

وَيُسْتَحْلَفُ الْيَهُوْدِيُّ بِاللّٰهِ الَّذِىْ اَنْزَلَ التَّوْرٰةَ عَلٰى مُوْسٰى وَالنَّصْرَانِيُّ بِاللّٰهِ الَّذِىْ اَنْزَلَ الْاِنْجِيْلَ عَلٰى عِيْسٰى

اور قسم لی جائے یہودی سے اللہ کی جس نے نازل کی تورات حضرت موسیٰ پر، اور نصرانی سے اللہ کی جس نے نازل کی انجیل حضرت عیسیٰ پر

وَالْمَجُوْسِيُّ بِاللّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ النَّارَ وَالْوَثَنِيُّ بِاللّٰهِ وَلَا يُحَلَّفُوْنَ فِىْ بُيُوْتِ عِبَادَتِهِمْ

اور آتش پرست سے اللہ کی جس نے پیدا کی ہے آگ اور بت پرست سے اللہ کی اور قسم نہ لیجائے ان کے عبادت خانوں میں

وَيُحَلَفُ عَلَى الْحَاصِلِ اَىْ بِاللّٰهِ مَا بَيْنَكُمَا بَيْعٌ قَائِمٌ وَنِكَاحٌ قَائِمٌ وَمَا يَجِبُ عَلَيْكَ رَدُّهٗ وَمَا هِيَ بَائِنٌ مِنْكَ

اور قسم لی جائے حاصل دعوی پر یعنی بخدا نہیں ہے ہم دونوں میں بیع قائم اور نکاح قائم اور واجب نہیں مجھ پر اس کو لوٹانا اور نہیں ہے وہ جدا مجھ سے

عہ...... ہوالصحیح کمافی الکافی وغیرہ وصحح فی الخانیۃ ان اخذ الکفیل الی جلوس القاضی مجلسا آخر وقیل یفوض الی رای القاضی وھو الاشبہ ۱۲۔

الاٰن فِی دَعْوَی الْبَیْعِ وَالنِّکَاحِ وَالْغَصْبِ وَالطَّلَاقِ وَاِنْ اِدَّعٰی شُفْعَۃً بِالْجِوَارِ اَوْ نَفَقَۃَ الْمَبْتُوْتَۃِ وَالْمُشْتَرِی

اس وقت بیع ونکاح اور غصب وطلاق کے دعویٰ میں اگر دعوی کیا شفعہ کا حق جوار کے سبب سے یا مطلقہ بائنہ کے نفقہ کا اور خریدار

اَوِ الزَّوْجُ لَایَرٰھَا یُحَلَّفُ عَلَی السَّبَبِ وَعَلَی الْعِلْمِ لَوْوَرِثَ عَبْدًا فَادَّعَاہُ اٰخَرُ وَعَلَی الْبَتَاتِ لَوْوُھِبَ لَہٗ

یا شوہر اس کا معتقد نہ ہو تو قسم لیجائے سبب دعوی پر اور علم پر اگر وارث ہوا ہو غلام کا اور دعوی کر دیا ہو کسی اور نے اور امر واقعی پر اگر اس کو ہبہ کیا گیا ہو

اَوْ اِشْتَرَاہُ وَلَوِافْتَدَی الْمُنْکِرُ بِیَمِیْنِہٖ اَوْصَالَحَہٗ مِنْھَا عَلٰی شَیْءٍ صَحَّ وَلَمْ یُحَلَّفْ بَعْدَہٗ.

یا اس نے خریدا ہو اگر عوض دیدے منکر اپنی قسم کا یا صلح کرلے مدعی سے کسی چیز پر تو یہ صحیح ہے اس کے بعد قسم نہیں لی جائیگی

توضیح اللغۃ: الح اصرار کرے، مجوسی آتش پرست، وثنی بت پرست، بائن جدا، جوار پڑوس، مبتوتہ بائنہ، بتات جدائی۔

تشریح الفقہ: قولہ والیمین باللہ الخ اور قسم حق سبحانہ وتعالیٰ کے نام کے ہوتی ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص قسم کھانے والا ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔ تو طلاق یا عتاق وغیرہ سے قسم نہ ہوگی اگر چہ مدعی اس پر اصرار کرے کیونکہ طلاق وعتاق کی قسم دینا حرام ہے (کذافی الخانیہ) نیز اگر ماں باپ، پیغمبر وولی یا شہید اور کعبے وغیرہ کی قسم کھائے گا تو اس پر قسم کے احکام مرتب نہ ہوں گے۔ بلکہ اگر اللہ جل شانہ کا سا کسی اور کو بزرگ سمجھ کر قسم کھائے گا تو مشرک ہو جائیگا۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "من حلف بغیر اللہ فقد اشرک" ہاں اگر اسمائے حسنیٰ رحمٰن، رحیم، قادر، ذوالجلال یا اس کی ایسی صفت کی قسم کھائے جس کی قسم کھائی جاتی ہے، جیسے عزت وجلال عظمت وقدرت وغیرہ تو وہ قسم معتبر ہوگی۔

قولہ لابزمان الخ مسلمان پر قسم میں زبان اور مکان سے شدید وتغلیظ مستحب نہیں ہے۔ تغلیظ زمان مثلاً رمضان میں یا شب قدر میں یا جمعہ کے دن یا عصر کے بعد قسم لینا، تغلیظ مکان مثلاً منبر نبوی ﷺ حجر اسود، خانہ کعبہ یا مسجد میں قسم لینا اس واسطے کہ مقصد تو صرف اللہ کی قسم لینا ہے اور ان چیزوں کے ساتھ مقید کرنا نص پر زیادتی کرنا ہے۔ اسی لئے کافی اور زیلعی وغیرہ میں اس کو غیر مشروع کہا ہے۔ اور شامی نے محیط سے عدم جواز نقل کیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں اس کی اجازت ہے بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ قسم لعان، قسامۃ اور مال عظیم کے متعلق ہو۔

قولہ والجوسی الخ اور آتش پرست سے آگ کی قسم نہ لی جائے کیونکہ غیر اللہ کی قسم لینا جائز نہیں بلکہ آگ کے خالق کی قسم لی جائے۔ اور بت پرست سے اللہ تعالیٰ کی قسم لی جائے کیونکہ وہ خدا کا اقرار کرتا ہے گو غیر خدا کی عبادت اور پوجا کرتا ہے۔ قال تعالیٰ "ولئن سالتم من خلق السموت والارض لیقولن اللہ" اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے وعن الامام انہ لایستحلف احدا الا باللہ خالصاً۔

قولہ ویحلف الخ قسم کھلانے کا والا قاعدہ یہ ہے کہ اگر دعوی ایسے سبب کا ہو جو مرتفع نہ ہو سکے جیسے عتق تو اس میں قسم سبب پر ہوگی۔ اور اگر دعوی ایسے سبب کا ہو جو مرتفع ہو سکتا ہو جیسے بیع فسخ سے مرتفع ہو جاتی ہے اور نکاح طلاق سے تو اس میں قسم حاصل پر ہوگی۔ (مگر جس صورت میں مدعی کا ضرر ہو تو اس میں قسم سبب پر ہوگی) پس دعوی بیع میں قاضی اس طرح قسم لے گا کہ خدا کی قسم تم دونوں میں اب تک بیع قائم نہیں۔ اور نکاح میں بایں طور کہ تم دونوں میں اب تک نکاح قائم نہیں اور غصب میں یوں کہ اب تک تجھ پر اس کا پھیر دینا واجب نہیں اور طلاق میں بایں صورت کہ اب تک وہ عورت تجھ سے بائن نہیں۔ یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسف کے نزدیک ہر صورت میں قسم سبب پر لیجائے گی۔

قولہ وان ادعی الخ یہ اس صورت کا بیان ہے جس میں حاصل پر قسم لینے سے مدعی کا نقصان ہو کہ اس صورت میں بالاجماع قسم

عہ...... لان الیہودی یعتقد نبوۃ موسیٰ والنصرانی نبوۃ عیسیٰ علیہما السلام فیغلظ بذکر المنزل علی نبیہما ۱۲۔ عہ...... صحیحین عن ابن عمر ۱۲

سبب پر ہوگی صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص نے شافعی المسلک پر شفعہ جوار کا دعویٰ کیا یا مطلقہ بائنہ نے اپنے شافعی المسلک شوہر پر نفقہ کا دعویٰ کیا۔ اور شافعی مذہب میں شفعہ جوار ونفقہ مثبوتہ واجب نہیں۔ تو اگر یہاں مدعیٰ علیہ سے حاصل پر قسم لیجائے کہ میرے اور شفعہ یا نفقہ واجب نہیں تو مدعیٰ علیہ سچا ہوگا اور مدعی کا نقصان ہوگا اس لئے یہاں قسم سبب پر لی جائے گی مدعیٰ علیہ یوں قسم کھائے گا کہ بخدا میں نے گھر نہیں خریدا یا میں نے اس کو طلاق بائن نہیں دی۔

قولہ ولو افتدی الخ قسم کا فدیہ دینا اور کچھ مال دیکر صلح کر لینا درست ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "مال دیکر اپنی آبرو بچاؤ" چنانچہ حضرت حذیفہ پر کسی معاملہ میں قسم آئی تو آپ نے مال دینا گوارا کیا اور قسم پر آمادہ نہ ہوئے نیز فدیہ یمین میں حضرت عثمان کا تین ہزار درہم دینا اور حضرت جبیر بن مطعم کا دس ہزار درہم دینا اور اشعث بن قیس کا ستر ہزار درہم دینا روایات سے ثابت ہے بہر کیف یمین کا فدیہ دینا اور صلح کر لینا درست ہے اس کے بعد منکر سے قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ مدعی نے مال لیکر اپنا حق ساقط کر دیا۔

باب التحالف

باب آپس میں قسم کھانے کے بیان میں

اِخۡتَلَفَا فِی قَدۡرِ الثَّمَنِ اَوِالۡمَبِیۡعِ قُضِیَ لِمَنۡ بَرۡهَنَ وَاِنۡ بَرۡهَنَا فَلِمُثۡبِتِ الزِّیَادَةِ

اختلاف کیا بائع ومشتری نے ثمن یا مبیع کی مقدار میں تو فیصلہ ہوگا اس کے لئے جو بینہ لائے اور اگر دونوں کے لے آئے تو مثبت زیادہ کے لئے

وَاِنۡ عَجَزَا وَلَمۡ یَرۡضَیَا بِدَعۡوٰی اَحَدِهِمَا تَحَالَفَا وَبُدِئَ بِیَمِیۡنِ الۡمُشۡتَرِیۡ وَفَسَخَ الۡقَاضِیۡ

اور اگر دونوں عاجز ہو گئے اور راضی نہ ہوئے کسی ایک کے دعوے سے تو دونوں قسم کھائیں اور شروع کیا جائے مشتری کی قسم سے اور فسخ کردے قاضی

بِطَلَبِ اَحَدِهِمَا وَمَنۡ نَکَلَ لَزِمَهٗ دَعۡوَی الۡاٰخَرِ وَاِنۡ اِخۡتَلَفَا فِی الۡاَجَلِ اَوۡ فِیۡ شَرۡطِ الۡخِیَارِ اَوۡ فِیۡ قَبۡضِ

کسی ایک کی طلب پر اور جو انکار کرے اس کو لازم ہو جائیگا دوسرے کا دعوی اگر اختلاف کریں مدت میں یا شرط خیار میں یا کچھ ثمن لے لینے میں

بَعۡضِ الثَّمَنِ اَوۡ بَعۡدَ هَلَاکِ الۡمَبِیۡعِ اَوۡبَعۡضِهٖ اَوۡ فِیۡ بَدَلِ الۡکِتَابَةِ اَوۡ فِیۡ رَاۡسِ الۡمَالِ بَعۡدَ اِقَالَةِ الثَّمَنِ لَمۡ یَتَحَالَفَا

یا کل یا بعض ثمن ہلاک ہونے کے بعد یا بدل کتابت میں یا راس المال میں اقالہ سلم کے بعد تو قسم نہ کھائیں

وَالۡقَوۡلُ لِلۡمُنۡکِرِ مَعَ یَمِیۡنِهٖ وَلَوۡ اِخۡتَلَفَا فِیۡ مِقۡدَارِ الثَّمَنِ بَعۡدَ الۡاِقَالَةِ تَحَالَفَا وَیَعُوۡدُ الۡبَیۡعُ الۡاَوَّلُ

اور قول منکر کا معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ اور اگر اختلاف کریں ثمن کی مقدار میں اقالہ کے بعد تو قسم کھائیں اور لوٹ آئیگی پہلی بیع

وَلَوۡ اِخۡتَلَفَا فِی الۡمَهۡرِ قُضِیَ لِمَنۡ بَرۡهَنَ وَاِنۡ بَرۡهَنَا فَلِلۡمَرۡاَةِ وَاِنۡ عَجَزَا تَحَالَفَا

اگر میاں بیوی اختلاف کریں مہر میں تو فیصلہ ہوگا اس کے لئے جو بینہ لائے اگر دونوں لے آئے تو عورت کیلئے اور دونوں عاجز ہو گئے تو دونو

وَلَمۡ یَفۡسَخِ النِّکَاحَ بَلۡ یُحَکَّمُ مَهۡرُ الۡمِثۡلِ فَیُقۡضٰی بِقَوۡلِهٖ لَوۡکَانَ کَمَا قَالَ اَوۡ اَقَلَّ

قسم کھائیں اور فسخ نہ ہوگا نکاح بلکہ مہر مثل کو حکم مانا جائیگا پس شوہر کے قول پر فیصلہ ہوگا اگر مہر مثل اس کے قول کے موافق یا اس سے کم ہو

وَبِقَوۡلِهَا لَوۡکَانَ کَمَا قَالَتۡ اَوۡ اَکۡثَرَ وَبِهٖ لَوۡبَیۡنَهُمَا.

اور عورت کے قول پر اگر اس کے قول کے موافق یا اس سے زیادہ ہو اور مہر مثل کا فیصلہ ہوگا اگر دونوں کے درمیان ہو

عہ...... احمد حاکم ترمذی ۱۲۔

احکام تحالف کی تفصیل

تشریح الفقہ: قوله اختلفا الخ متبایعین نے ثمن کی مقدار میں اختلاف کیا مثلاً بائع نے کہا کہ ایک ہزار ہے مشتری نے کہا کہ پانچسو ہے یا مبیع کی مقدار میں اختلاف کیا مثلاً بائع نے دس رطل کہا اور مشتری نے پندرہ رطل تو جس کے پاس بینہ ہو اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ صاحب بینہ نے اپنا دعوی بحث سے روشن کر دیا اور اگر دونوں بینہ قائم کر دیں تو جس کا بینہ مثبت زیادہ ہو وہی مقبول ہوگا۔ کیونکہ بینات اثبات کیلئے ہوتے ہیں اور زائد میں کوئی تعارض بھی نہیں اور اگر بینہ سے دونوں عاجز رہ جائیں اور کوئی دوسرے کے دعوے سے راضی نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں گے۔ اور امام محمد کے نزدیک پہلے مشتری سے قسم لی جائے گی۔ امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے۔ اور یہی امام صاحب سے ایک روایت ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ ثمن کا مطالبہ پہلے مشتری سے ہوتا ہے تو ہو وہی منکر ٹھیرا۔ امام ابو یوسف اولاً اس کے قائل تھے کہ پہلے بائع سے قسم لیجائے گی۔ کیونکہ حدیث میں ہے ''اذا اختلف المتبایعان فالقول ماقاله البائع'' اس میں خاص طور سے بائع کو ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف بائع کے قول پر اکتفا ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے تو تخصیص۔ بالذکر کا کم از کم فائدہ یہ ہوگا کہ اس کو قسم میں مقدم کیا جائے۔ جواب یہ ہے کہ اول تو بقول ابن الجوزی روایت کے جملہ طریق میں کلام ہے کیونکہ وہ سب مراسیل وضعاف ہیں اور اگر بقول صاحب تنقیح تسلیم کر لیا جائے کہ اس کی کچھ نہ کچھ اصل ہے تو تخصیص بائع کی وجہ یہ ہے کہ یمین مشتری میں تو کوئی اشکال ہی نہیں **لقوله علیه السلام'' والیمین علی من انکر''** مگر یہ اس وقت ہے جب عین کی بیع دین کے عوض میں ہو تو ورنہ قاضی کو اختیار ہے جس سے چاہے پہلے قسم لے۔ اب ان میں سے جو شخص قسم سے انکار کرے گا تو قضاء قاضی سے اس پر دوسرے کا دعوی لازم ہو جائیگا۔ کیونکہ وہ انکار سے مقر ہو گیا اور اس کا دعوی دوسرے کے دعوے سے معارض نہ رہا۔

قوله وان اختلفا الخ یہاں سے ''لم یتحالفا'' تک سات مسئلے ہیں جن کا حکم تحالف ہے (۱) متعاقدین نفس اجل میں اختلاف کریں مثلاً ایک کہے کہ مدت مقرر تھی اور دوسرا انکار کرے (۲) شرط خیار میں اختلاف کریں (۳) بعض ثمن پر قبضہ کرنے میں اختلاف کریں۔ ایک کہے تو اتنا وصول کر چکا دوسرا انکار کرے تو ہمارے نزدیک تینوں صورتوں میں تحالف نہ ہوگا بلکہ منکر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا' امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ یہ اختلاف معقود علیہ و معقود بہ کے علاوہ ہے۔ کیونکہ ان کے اختلاف سے قوام عقد مختل نہیں ہوتا اور حدیث ''اذ اختلف المتبایعان والسلعة قائمة بعینها تحالفا'' میں وجوب تحالف متبایعان پر معلق ہے۔ اور متبایعان بیع سے مشتق ہے۔ تو جوب تحالف اس چیز کے اختلاف سے ہوگا جس سے بیع کا قیام ہو۔ اور وہ مبیع و ثمن ہے۔ اجل اور شرط خیار وغیرہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں' امام زفر' امام شافعی' امام مالک کے نزدیک اختلاف اجل کی صورت میں تحالف ہے۔ کیونکہ مدت کے ہونے اور نہ ہونے سے ثمن میں کمی بیشی ہوتی ہے تو گویا وصف ثمن میں اختلاف ہوا۔ جواب یہ ہے کہ اجل وصف ثمن نہیں۔ کیونکہ ثمن بائع کا حق ہے۔ اور اجل مشتری کا حق ہے۔ اگر اجل ثمن کا وصف ہوتا تو استحقاق میں اپنی اصل کا تابع ہوتا۔

قوله او بعد هلاک الخ (۴) اختلاف ہلاکت مبیع کے بعد ہو تو شیخین کے نزدیک تحالف نہ ہوگا بلکہ منکر کا قول اس کی قسم کیساتھ معتبر ہوگا۔ امام محمد' امام زفر' شافعی' امام مالک کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے۔ اور عقد فسخ ہو جائے گا۔ اور ہلاک شدہ مبیع کی قیمت واجب ہوگی (۵) بعض مبیع ہلاک ہونے کے بعد اختلاف ہو تو امام صاحب کے نزدیک تحالف نہ ہوگا۔ صاحبین' امام زفر' امام شافعی' امام مالک کے نزدیک تحالف ہوگا۔ کیونکہ متعاقدین میں سے ہر ایک غیر عقد کا مدعی ہے۔ اور دوسرا منکر ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تحالف بعد القبض خلاف قیاس ہے۔ اور روایت میں تحالف کیلئے مبیع کا ہو بہو ہونا شرط ہے تو مبیع ہلاک ہونے کی صورت میں یہ شرط مفقود ہوئی لہذا تحالف نہ ہوگا۔

ائمہ اربعہ' حاکم' احمد' دارمی بزار' دار قطنی' بیہقی عن ابن مسعود بالفاظ مختلفہ ۱۲

قوله اوفی بدل الخ (۶) بدل کتابت کی مقدار میں آقا اور غلام کا اختلاف ہو تو امام صاحب کے نزدیک تحالف نہ ہوگا بلکہ غلام کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تحالف ہوگا کیونکہ کتابت عقد معاوضہ ہے جو قابل فسخ ہے۔ پس کتابت بیع کے مشابہ ہوئی لہٰذا تحالف ہوگا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ معاوضات میں تحالف حقوق لازمہ کا انکار کیوقت ہوتا ہے۔ اور مکاتب پر بدل کتابت لازم ہی نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو عاجز قرار دیکر اس کو ختم کرسکتا ہے۔ پس کتابت بیع کے معنی میں نہ ہوئی۔ لہٰذا تحالف نہ ہوگا۔ (۷) اقالہ سلم کے بعد راس المال کی مقدار میں اختلاف ہو تو تحالف نہ ہوگا بلکہ مسلم الیہ کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

قوله ولو اختلفا الخ اگر زوجین مقدار مہر (یا اس کی جنس) میں اختلاف کریں۔ مثلاً شوہر کہے کہ نکاح ایک ہزار پر ہوا تھا بیوی کہے کہ دو ہزار پر ہوا تھا تو جو اپنا مدعی بینہ سے ثابت کرے اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ عورت کا تو اس لئے بینہ مقبول ہوگا کہ وہ مدعی زیادہ ہے اور شوہر کا اس لئے کہ وہ زیادتی کا منکر ہے اس لحاظ سے اس پر قسم ہونی چاہئے۔ مگر چونکہ وہ صورۃً مدعی ہے۔ اور قبولیت بینہ کے لئے اتنا کافی ہے۔ اس لئے اس کا بینہ بھی مقبول ہوگا۔ اور اگر دونوں نے بینہ قائم کردیا تو عورت کا بینہ مقبول نہ ہوگا۔ جبکہ اس کا مہر زوج کے حق میں شاہد ہو بایں طور کہ مہر مثل دعوی زوج کے مطابق ہو یا اس سے کم ہو کیونکہ عورت زیادتی ثابت کررہی ہے۔ اور بینات اثبات کے لئے ہوتے ہیں، اور اگر مہر مثل زوجین میں سے کسی کا شاہد نہ ہو تو دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوں گے۔ اور مہر مثل واجب ہوگا اور اگر دونوں کے پاس بینہ نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں گے لیکن نکاح فسخ نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر ایک کی قسم نے دوسرے کا دعوی باطل کردیا۔ تو عقد نکاح بلا تسمیہ مہر باقی رہا۔ اور عدم تسمیہ مہر مفسد نکاح نہیں بخلاف بیع کے کہ اس میں عدم تسمیہ ثمن مفسد بیع ہے۔ جب نکاح باقی رہا تو مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا اور شوہر کے قول پر حکم ہوگا اگر مہر مثل اس کے قول کے موافق ہو یا اس سے کم ہو اور عورت کے قول پر ہوگا اگر مہر مثل اس کے قول کے مطابق ہو یا اس سے زائد ہو اور اگر مہر مثل دعوی زوجین کے مابین ہو تو مہر مثل کا فیصلہ ہوگا۔

وَلَوْ اِخْتَلَفَا فِي الاِجَارَةِ قَبْلَ الاِسْتِيْفَاءِ تَحَالَفَا وَبَعْدَهُ لاَ وَالْقَوْلُ لِلْمُسْتَاجِرِ وَالْبَعْضُ مُعْتَبَرٌ بِالْكُلِّ

اگر اختلاف کریں اجارہ میں نفع لینے سے پہلے تو دونوں قسم کھائیں اور اس کے بعد نہیں بلکہ قول مستاجر کا معتبر ہوگا اور بعض معتبر ہے کل سے

وَاِنْ اِخْتَلَفَا الزَّوْجَانِ فِي مَتَاعِ الْبَيْتِ فَالْقَوْلُ لِكُلٍّ مِنْهُمَا فِيْمَا صَلُحَ لَهٗ وَلَهٗ فِيْمَا صَلُحَ لَهُمَا

اگر اختلاف کریں میاں بیوی گھر کے اسباب میں تو قول ہر ایک کا معتبر ہوگا اس میں جو اس کے کار آمد ہو اور شوہر کا اس میں جو دونوں کے کار آمد ہو

فَاِنْ مَاتَ اَحَدُهُمَا فَلِلْحَيِّ وَلَوْ اَحَدُهُمَا مَمْلُوْكًا فَلِلْحُرِّ فِي الْحَيٰوةِ وَلِلْحَيِّ فِي الْمَوْتِ.

پس اگر مرجائے ان میں سے کوئی تو زندہ کے لئے ہوگا اور اگر کوئی ایک مملوک ہو تو آزاد کے لئے ہوگا زندگی میں اور زندہ کیلئے ہوگا موت کی صورت میں

تحالف کے باقی احکام

تشریح الفقہ: قوله ولو اختلفا الخ اگر موجر و مستاجر تحصیل منفعت سے پہلے اجرت یا مدت اجارہ کی مقدار میں اختلاف کریں تو دونوں قسم کھائیں اور اجارہ کو ختم کریں کیونکہ عقد بیع میں تحالف قبل القبض قیاس کے موافق ہے۔ اور اجارہ قبل از قبض منفعت بیع قبل از قبض مبیع کی نظیر ہے۔ یعنی دونوں عقد معاوضہ ہیں اور قابل فسخ ہیں۔ لہٰذا تحالف کے بعد اجارہ فسخ ہوجائیگا۔ اور اگر تحصیل منفعت کے بعد اختلاف ہو تو تحالف نہ ہوگا بلکہ مستاجر کا قول اس کی قسم کیساتھ معتبر ہوگا۔ شیخین کے نزدیک تو عدم تحالف ظاہر ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں معقود علیہ کا ہلاک ہوجانا تحالف سے مانع ہے۔ اور یہاں معقود علیہ یعنی منفعت عرض ہے۔ والعرض لایبقی زمانین۔ امام محمد کے نزدیک عدم تحالف کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں جو مبیع کا ہلاک ہونا تحالف سے مانع نہیں ہے وہ اس لئے ہے کہ مبیع کی قیمت مبیع کے قائم

مقام ہوجاتی ہے۔اور قیمت پر تحالف ہوتا ہے۔اور اجارہ میں اگر تحالف جاری ہوتو لامحالہ عقد اجارہ فسخ ہوگا اور یہاں کوئی قیمت نہیں جو قائم مقام ہوسکے۔کیونکہ بالذات منافع کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔منافع کی قیمت تو عقد کے ذریعہ ہوتی ہے۔اور جب فسخ کی وجہ سے عقد ختم ہوگیا تو قیمت بھی ختم ہوگئی پس مبیع ہر طرح سے ہلاک ہوگئی اور تحالف ممکن نہ رہا لہٰذا مستاجر کا قول معتبر ہوگا۔

قولہ والبعض الخ اگر اجرت میں موجر و مستاجر کا اختلاف کچھ منافع حاصل کر لینے کے بعد ہوتو دونوں قسم کھائیں گے اور باقی اجارہ فسخ کر دیا جائے گا۔اور ایام گزشتہ کے متعلق مستاجر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔کیونکہ عقد اجارہ بحسب حدوث منفعت دمبدم منعقد ہوتا ہے تو منفعت کا ہر جزو بالاستقلال معقود علیہ کے درجہ میں ہوا تو گویا۔باقی منافع معقود بالعقد ہیں لہٰذا ان میں تحالف ہوگا بخلاف عقد بیع کے کہ اس میں مبیع کا ہر جزو معقود بالعقد نہیں ہوتا۔بلکہ کل مبیع معقود بعقد واحد ہوتی ہے۔تو جب بعض مبیع میں فسخ متعذر ہوگا تو کل مبیع میں متعذر ہوگا۔

قولہ وان اختلفا الخ اگر میاں بیوی گھریلو اسباب میں اختلاف کریں تو جو اسباب میاں کے کارآمد ہو اس میں اس کا قول معتبر ہوگا۔جیسے پگڑی،تاج،قبا،ہتھیار،کمربند،کتابیں،گھوڑا وغیرہ اور جو اسباب بیوی کے کارآمد ہو اس میں اس کا قول معتبر ہوگا۔جیسے اوڑھنی،کرتی،زیور،کنگن،انگوٹھی(زنانی)پازیب وغیرہ اور جو اسباب دونوں کے کام کا ہو تو اس میں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔جیسے برتن،فرش،نقد،باندی،غلام،زمین،باغ وغیرہ کیونکہ بیوی اور جو کچھ بیوی کے ہاتھ میں ہے وہ سب شوہر کے تصرف سے ہے اور قول صاحب تصرف کا معتبر ہوتا ہے۔اور اگر ان میں کوئی ایک مرجائے اور اس کی جگہ اس کا وارث دعوی کرے تو اس میں سات مجتہدوں کے سات قول ہیں (۱) امام صاحب کے نزدیک دونوں کی کارآمد چیز زندہ کو ملے گی۔کیونکہ قبضہ زندہ کا ہے نہ کہ مردہ کا (۲) امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جو چیز جہیز میں دی جاتی ہو وہ عورت کو ملے گی اور باقی شوہر کو اس کی قسم کے ساتھ۔اس سلسلہ میں موت وحیات دونوں برابر ہیں (۳) امام محمد کے نزدیک جو چیز مرد کے کارآمد ہو وہ مرد کو دی جائے گی اور جو عورت کے کارآمد ہو وہ عورت کو دی جائیگی (۴) امام شافعی اور امام مالک کے یہاں کل اسباب برابر برابر دونوں کو ملے گا (۵) ابن ابی لیلی کے نزدیک سب مال شوہر کا ہوگا (۶) حسن بصری کے نزدیک کل مال عورت کا ہوگا (۷) قاضی شریح کے نزدیک گھر عورت کا ہوگا۔خانیہ اور خزانۃ الاکمل میں نو قول منقول ہیں۔

فَصْلٌ: قَالَ الْمُدَّعیٰ عَلَیْهِ هٰذَا الشَّیْءُ اَوْدَعَنِیْهِ اَوْ اٰجَرَنِیْهِ اَوْ اَعَارَنِیْهِ فُلَانٌ الْغَائِبُ اَوْ رَهَنَهٗ

(فصل) کہا مدعی علیہ نے کہ یہ چیز مجھے امانت دی اکرایہ پر یا عاریت پر دی ہے فلاں غائب نے یا میرے پاس رہن رکھی ہے

اَوْ غَصَبْتُهٗ مِنْهُ وَبَرْهَنَ عَلَیْهِ دُفِعَتْ عَنْهُ خُصُوْمَةُ الْمُدَّعِیْ وَاِنْ قَالَ اِبْتَعْتُهٗ مِنَ الْغَائِبِ

یا میں نے اس سے غصب کی ہے اور اس پر بینہ لے آیا تو دفع کر دیا جائیگا اس سے مدعی کا جھگڑا اور اگر کہا کہ میں نے خریدی ہے غائب سے

اَوْ قَالَ الْمُدَّعِیْ غَصَبْتَهٗ اَوْ سُرِقَ مِنِّیْ وَقَالَ ذُوالْیَدِ اَوْدَعَنِیْهِ فُلَانٌ وَبَرْهَنَ عَلَیْهِ لَا

یا کہا مدعی نے کہ تو نے غصب کی ہے یا میرے یہاں سے چوری کی گئی ہے اور قابض نے کہا کہ مجھے فلاں نے امانت دی ہے اور اس پر بینہ لایا تو نہیں

وَاِنْ قَالَ الْمُدَّعِیْ اِبْتَعْتُهٗ مِنْ فُلَانٍ وَقَالَ ذُوالْیَدِ اَوْدَعَنِیْهِ فُلَانٌ ذٰلِکَ سَقَطَتِ الْخُصُوْمَةُ.

اگر کہا مدعی نے کہ میں نے خریدی ہے فلاں سے اور قابض نے کہا کہ یہ مجھے فلاں نے امانت دی ہے تو ساقط ہوجائیگی خصومت۔

ای لوکان احد الزوجین مملوکا واختلفا فی متاع البیت کان المتاع للحر فی حال حیوتهما وللحی منهما بعد موت احدهم لهما کان لان ید الحر اقوی لانها ید ملک ولا کذلک ید المملوک واما اذا مات احدهما فلا ید للمیت فخلت ید الحی عن المعارض فکان للحی منهما ۱۲ از یلعی

دفع دعاوی کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ یہ فصل اس بارے میں ہے کہ مدعی علیہ اپنے اوپر مدعی کا دعوی نہ آنے دے گویا اب تک انکا ذکر تھا جو خصم ہو سکتے ہیں اور اب ان کا ذکر ہے جو خصم نہیں ہو سکتے۔ جاننا چاہئے کہ جس طرح دعوی قبل از برہان مدعی صحیح ہے اسی طرح بعد از برھان بھی صحیح ہے۔ اور جس طرح بعد از حکم صحیح ہے اسی طرح قبل از حکم بھی صحیح ہے۔ نیز جس طرح دفع الدفع صحیح ہے اسی طرح دفع دفع الدفع بھی صحیح ہے۔ گو کثیر ہو۔

قولہ قال المدعی علیہ الخ مدعی علیہ نے مدعی کے جواب میں کہا کہ یہ شئی جو میرے قبضہ میں ہے اور تو اس کا دعوی کر رہا ہے۔ یہ میرے پاس فلاں غائب (مثلاً زید نے بطور امانت رکھی ہے)۔ یا بطور کرایہ یا بطور عاریت دی ہے۔ یا اس نے بطور رہن رکھی ہے۔ یا میں نے اس سے غصب کی ہے۔ اور ان امور کو اس نے بینہ سے ثابت کر دیا اور متنازع فیہ شئی علی حالہ موجود ہے۔ تو امام صاحب کے نزدیک مدعی علیہ سے مدعی کی خصومت دفع ہو جائے گی۔ کیونکہ مدعی علیہ نے دو چیزیں ثابت کی ہیں ایک ملک غائب۔ دوسرے اپنے سے دفع خصومت تو اول ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں کوئی مقابل نہیں ہے۔ اور ثانی ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ اس میں مدعی علیہ خصم ہے۔

فائدہ: یہ مسئلہ کتاب الدعوی کا مخمسہ ہے۔ کیونکہ مدعیٰ علیہ کے جواب کی پانچ صورتیں ہیں ۱: امانت ۲: اجارہ ۳: عاریت ۴: رہن ۵: غصب اور اس میں پانچ مذہب ہیں۔ ۱مذہب ابن شبرمہ کو خصومت دفع نہ ہوگی ۲مذہب ابن ابی لیلی۔ کہ خصومت دفع ہو جائے گی گو مدعی علیہ بینہ قائم نہ کرے ۳مذہب ابو یوسف۔ کہ اگر مدعی علیہ مرد صالح ہو تو خصومت دفع ہو جائے گی اور اگر حیلہ باز و مکرساز ہو تو خصومت دفع نہ ہوگی۔ ۴مذہب امام محمد۔ کہ اگر گواہ لوگ شخص غائب کا نام و نسب بیان کریں صرف یہ کہیں کہ ہم روشناس ہیں تو خصومت دفع نہ ہوگی۔ ۵مذہب ابوحنیفہ۔ جو مسئلہ کی تشریح میں مذکور ہو چکا۔ وفی الشرنبلالیہ۔ رأیت بخط العلامہ المقدسی عن البزازیہ ان تعویل الائمۃ علی قول محمد۔

قولہ وان قال ابتعتہ الخ اگر مدعی نے کہا کہ میں نے یہ چیز فلاں غائب سے خریدی ہے یا مدعی نے دعوی کیا کہ میری یہ چیز تو نے غصب کی ہے یا میری یہ چیز چرائی گئی ہے۔ اور مدعی علیہ نے کہا کہ میرے پاس یہ چیز فلاں غائب نے بطور امانت رکھی ہے۔ اور اس پر اس نے بینہ قائم کر دیا۔ تو ان صورتوں میں شیخین کے نزدیک مدعی علیہ سے خصومت دفع نہ ہوگی۔ کیونکہ مدعی علیہ نے خود اقرار کرلیا کہ میرا قبضہ قبضۂ خصومت ہے۔

قولہ وان قال المدعی الخ اگر مدعی نے دعوی کیا کہ میں نے یہ چیز جو مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے زید سے خریدی ہے اور مدعی علیہ کہا کہ یہ چیز زید نے میرے پاس امانت رکھوائی ہے تو مدعی علیہ سے خصومت ساقط ہو جائے گی گو مدعی علیہ اپنے بیان پر بینہ قائم نہ کرے۔ کیونکہ اس صورت میں مدعی نے اس کا اقرار کر لیا کہ مدعی علیہ کے پاس وہ چیز زید کی طرف سے پہونچی ہے۔ تو مدعیٰ علیہ کا قبضہ قبضۂ خصومت نہ ہوا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب مایدعیہ الرجلان

باب ایک چیز پر دو شخصوں کے دعوٰی کرنے کے بیان میں

بَرْهَنَا عَلٰى مَافِي يَدِ اٰخَرَ قُضِيَ لَهُمَا وَعَلٰى نِكَاحِ اِمْرَأَةٍ سَقَطَا وَهِيَ لِمَنْ صَدَّقَتْهُ

بینہ لائے اس پر جو تیسرے کے قبضہ میں ہے تو فیصلہ دونوں کیلئے ہوگا اور عورت کے نکاح پر دونوں کے بینے ساقط ہونگے اور وہ اس کی ہوگی جس کی

اَوْ سَبَقَتْ بَيِّنَتُهٗ وَعَلَى الشِّرَاءِ مِنْهُ لِكُلٍّ نِصْفُهٗ بِبَدَلِهٖ اِنْ شَاءَ وَبِاِبَاءِ اَحَدِهِمَا بَعْدَ الْقَضَاءِ

تصدیق کرے یا جس کا بینہ سابق ہو اور تیسرے سے خریدنے پر ہر ایک کے لئے نصف ہوگا نصف قیمت کے عوض اگر چاہے اور قضاء کے بعد کسی

لَمْ يَاخُذِ الْاٰخَرُ كُلَّهٗ وَاِنْ اَرَّخَا فَلِلسَّابِقِ وَاِلَّا فَلِذِي الْقَبْضِ وَالشِّرَاءُ اَحَقُّ مِنَ الْهِبَةِ

ایک کے انکار سے نہ لے دوسرا کل چیز اور اگر تاریخ بیان کردی تو سابق کیلئے ہوگی ورنہ قابض کی ہوگی اور خرید زیادہ مقبول ہے ہبہ سے

وَالشِّرَاءُ وَالْمَهْرُ سَوَاءٌ وَالرَّهْنُ اَحَقُّ مِنَ الْهِبَةِ وَلَوْ بَرْهَنَ الْخَارِجَانِ عَلَى الْمِلْكِ وَالتَّارِيْخِ اَوْ عَلَى الشِّرَاءِ

اور خرید اور مہر برابر ہیں اور رہن مقبول تر ہے ہبہ سے بینہ لائے دو شخص خارج ملک اور تاریخ پر یا کسی سے خریدنے پر

مِنْ وَاحِدٍ فَالْاَسْبَقُ اَحَقُّ وَعَلَى الشِّرَاءِ مِنْ اٰخَرَ وَذَكَرَا تَارِيْخًا اِسْتَوَيَا.

تو سابق زیادہ حقدار ہے اور اگر بینہ لائے دوسرے سے خریدنے پر اور دونوں نے تاریخ بیان کردی تو دونوں برابر ہوں گے۔

تشریح الفقہ: قولہ برھنا الخ پہلے ایک قاعدہ سمجھ لو تا کہ مسائل سہولت کیساتھ سمجھ سکو۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب مطلق کا دعوی ایسے دو شخصوں میں ہو جن میں سے ایک قابض ہو اور دوسرا غیر قابض (اسی کو خارج کہتے ہیں) تو ہمارے نزدیک غیر قابض (خارج) کی حجت مقدم ہوگی۔ امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور امام شافعی و امام مالک کے نزدیک قابض کی حجت مقدم ہوگی۔ پھر اگر ایک نے بینہ سے کوئی وقت بیان کر دیا تب بھی طرفین کے نزدیک خارج ہی کا بینہ معتبر ہوگا۔ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا بینہ معتبر ہوگا جس نے وقت ثابت کیا ہے اب دو آدمیوں نے ایک چیز کا دعوی کیا اور وہ چیز کسی تیسرے کے پاس ہے اور دونوں نے گواہ قائم کر دیئے تو ہمارے نزدیک وہ چیز دونوں میں نصفا نصف کر دی جائیگی۔ امام شافعی کے نزدیک دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوں گے۔ امام احمد کے نزدیک قرعہ اندازی ہوگی۔ یہ ایک قول امام شافعی کا بھی ہے۔ اس واسطے کہ وبالیقین دونوں میں سے ایک بینہ کاذب ہے۔ کیونکہ بوقت واحد کل شئی میں دو ملکوں کا جمع ہونا محال ہے اور بینہ صادقہ و بینہ کاذبہ کا امتیاز مشکل ہے۔ لہٰذا دونوں ساقط ہوں گے۔ یا پھر قرعہ اندازی ہوگی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس جیسے واقعہ میں قرعہ اندازی کی تھی اور فرمایا تھا کہ خدایا ان دونوں میں تو ہی فیصلہ کرنے والا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں جھگڑا کیا اور دونوں نے گواہ قائم کئے تو آنحضرت ﷺ نے ان دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیا" رہی قرعہ اندازی سو یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ امام طحاوی نے ثابت کیا ہے۔

قولہ وعلی نکاح الخ اور اگر دو آدمیوں نے ایک عورت کیساتھ نکاح پر گواہ قائم کئے تو دونوں ساقط الاعتبار ہونگے کیونکہ یہاں شرکت ممکن ہی نہیں بخلاف املاک کے کہ ان میں شرکت ممکن ہے اب عورت اسکی ہوگی جسکی وہ تصدیق کرے۔ بشرطیکہ دونوں گواہوں نے

ع لما فرغ من دعوی الواحد شرع فی دعوی الاثنین لان المثنی بعد الواحد ۱۲ ع طبرانی (فی الاوسط) ابوداود، (فی المراسیل) عبد الرزاق عن ابی ہریرۃ ۱۲
ابن ابی شیبہ، عبد الرزاق، بیہقی عن تمیم بن طرفہ، ابوداود، احمد، حاکم عن ابی موسیٰ، ابن راہویہ، ابن حبان، عن ابی ہریرۃ، طبرانی عن جابر بن سمرہ ۱۲

تاریخ بیان نہ کی ہو۔ اور اگر تاریخ بیان کردی تو جسکی تاریخ سابق ہوگی عورت اسکی ہوگی۔ اور اگر گواہ قائم ہونے سے قبل عورت نے کسی کی منکوحہ ہونیکا اقرار کرلیا تو عورت اسی کی ہوگی۔ پھر اگر دوسرے نے منکوحہ ہونے پر بینہ قائم کردیا تو عورت اسکو دلا دی جائیگی کیونکہ بینہ اقرار سے قوی تر ہے۔ الحاصل سبقت تاریخ سب پر رائج ہے پھر وطی پھر اقرار پھر صاحب تاریخ۔

قولہ وعلی الشراء الخ دو آدمیوں نے ایک چیز کا دعوی کیا کہ ہم نے فلاں سے خریدی ہے تو ہر ایک کو اختیار ہوگا چاہے نصف ثمن کے عوض آدمی لے لے چاہے چھوڑ دے۔ لینے اور نہ لینے کا اختیار اسلئے ہے کہ صفقہ متفرق ہوگیا یعنی اس کے لئے وہ چیز پوری باقی رہی اور ہوسکتا ہے کہ اس کو پوری کی ضرورت ہو۔ اور اگر قاضی کے فیصلہ کے بعد کسی ایک نے اپنا حصہ چھوڑ دیا۔ تو اب دوسرا شخص وہ پوری چیز نہیں لے سکتا۔ کیونکہ قضاء قاضی کے بعد بیع فسخ ہوچکی۔ اور اگر دونوں کے گواہوں نے تاریخ بیان کردی تو جس کی تاریخ مقدم ہوگی شئی اسی کو ملے گی۔ اور اگر کسی ایک نے یا دونوں نے تاریخ بیان نہ کی تو شئی قابض کی ہوگی کیونکہ قابض کا قبضہ سبقت شراء پر دال ہے۔

قولہ والشراء احق الخ ایک شخص نے دعوی کیا کہ میں نے یہ چیز زید سے خریدی ہے۔ دوسرے نے دعوی کیا کہ مجھ کو یہ چیز زید نے ہبہ کی ہے۔ اور دونوں نے گواہ قائم کردیے لیکن کسی گواہ نے تاریخ بیان نہیں کی تو دعوی شراء دعوی ہبہ پر مقدم ہوگا۔ کیونکہ شراء بنفسہ مثبت ملک ہے بخلاف ہبہ کے کہ وہ قبضہ پر موقوف ہے نیز شراء جانبین سے معاوضہ ہے اور ہبہ معاوضہ نہیں ہے، عمرو کے قبضہ میں ایک غلام ہے زید نے دعوی کیا کہ میں نے یہ غلام عمرو سے خریدا ہے اور ہندہ نے دعوی کیا کہ عمرو نے اس غلام کو میرا مہر مقرر کر کے مجھ سے نکاح کیا ہے۔ اور دونوں نے بینہ قائم کردیا تو دونوں کے دعوے اور بینے برابر ہوں گے کیونکہ شراء اور تزوج دونوں عقود معاوضہ اور بنفسہ مثبت ملک ہیں تو قوت میں دونوں برابر ہوئے۔ امام محمد کے نزدیک دعوی شراء اولی ہے۔

قولہ والرھن احق الخ ایک شخص نے رہن مع القبض کا دعوی کیا اور دوسرے نے ہبہ مع القبض کا تو دعوی رہن اولی ہوگا مگر استحسانا قیاس کی رو سے دعوی ہبہ اولی ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہبہ مثبت ملک ہے اور رہن مثبت ملک نہیں ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ مقبوض بحکم رہن مضمون ہوتا ہے۔ اور مقبوض بحکم ہبہ مضمون نہیں ہوتا۔ اور عقد ضمان عقد تبرع سے قوی تر ہے۔ لہذا دعوی رہن اولی ہوگا مگر یہ اس وقت ہے جب ہبہ بلا عوض کا دعوی ہو اور اگر دعوی ہبہ بشرط عوض ہو تو پھر دعوی ہبہ اولی ہوگا کیونکہ ہبہ بشرط العوض انتہاء بیع ہوتا ہے۔ اور بیع رہن سے اولی ہے۔

قولہ ولو برھن الخارجان الخ اگر دو شخص ملک مطلق مؤرخ پر بینہ قائم کریں یا دونوں ایک ہی بائع سے خرید مؤرخ پر بینہ قائم کریں تو جس کی تاریخ سابق ہو اس کا بینہ مقدم ہوگا کیونکہ اس نے یہ ثابت کردیا کہ اس کا پہلا مالک میں ہوں، اور اگر ان میں سے ایک نے دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کیا۔ مثلاً ایک نے زید سے خریدنے کا دعوی کیا اور دوسرے نے عمرو سے اور ہر ایک نے تاریخ بھی ثابت کردی تو دونوں برابر ہوں گے اور خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان نصفا نصف ہوگی کیونکہ وہ دونوں اپنے اپنے بائع کیلئے ملک ثابت کررہے ہیں تو ایسا ہوگیا جیسے وہ دونوں بائع حاضر ہوں اور وہ دعوی کریں اور دونوں ایک تاریخ ذکر کریں۔

وَلَوْبَرْهَنَ الْخَارِجُ عَلٰى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ وَتَارِيْخُ ذِى الْيَدِ اَسْبَقُ اَوْ بَرْهَنَا عَلَى النِّتَاجِ اَوْ سَبَبِ مِلْكٍ لَايَتَكَرَّرُ

اگر بینہ لایا شخص خارج ملک مؤرخ پر اور قابض کی تاریخ سابق ہے یا دونوں بینہ لائے کہ بچہ میرے جانور کا ہے یا ملک کے ایسے سبب پر جو مکرر نہیں

اَوِ الْخَارِجُ عَلَى الْمِلْكِ وَذُوالْيَدِ عَلَى الشِّرَاءِ مِنْهُ فَذُوا الْيَدِ اَحَقُّ مِنْهُ وَلَوْ بَرْهَنَ كُلٌّ عَلَى الشِّرَاءِ

ہوتا یا شخص خارج ملک پر بینہ لایا اور قابض اس سے خریدنے پر تو قابض زیادہ حقدار ہوگا اگر بینہ لایا ہر ایک خریدنے پر دوسرے سے

مِنَ الْاٰخَرِ وَلَا تَارِيْخَ سَقَطَا وَتُتْرَكُ الدَّارُ فِي يَدِ ذِى الْيَدِ وَلَا يُرَجَّحُ بِزِيَادَةِ عَدَدِ الشُّهُوْدِ

اور تاریخ نہ ہو تو دونوں ساقط ہوں گے اور چھوڑ دیا جائیگا گھر قابض کے قبضہ میں اور ترجیح نہ ہوگی گواہوں کی گنتی زیادہ ہو۔ نہ بسبب

دَارٌ فِي يَدِ اٰخَرَ اِدَّعٰى رَجُلٌ نِصْفَهَا وَاٰخَرُ كُلَّهَا وَبَرْهَنَا فَلِلْاَوَّلِ رُبُعُهَا

گھر ہے دوسرے کے قبضہ میں دعوی کیا ایک نے اس کے نصف کا اور دوسرے نے کل کا اور بینہ لے آئے تو چوتھائی پہلے کے لئے ہوگا

وَالْبَاقِي لِلْاٰخَرِ وَلَوْكَانَتْ فِي اَيْدِيْهِمَا فَهِيَ لِلثَّانِي.

اور باقی دوسرے کے لئے اور گھر دونوں کے قبضہ میں ہو تو گھر دوسرے کا ہوگا۔

تشریح الفقہ: قوله ولو برهن الخارج الخ یہاں سے ''احق منہ'' تک تین مسئلے ہیں جن میں قابض کا بینہ مقدم ہوتا ہے (۱) شخص خارج اور قابض دونوں نے ملک مورخ پر بینہ قائم کیا۔ اور قابض کی تاریخ سابق ہے تو شیخین کے نزدیک قابض کا بینہ مقدم ہوگا۔ امام محمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ مگر یہ روایت مرجوع عنہ ہے۔ مرجوع الیہ روایت یہ ہے کہ قابض کا بینہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ دونوں کے بینے ملک مطلق پر قائم ہیں اور انہوں نے جہت ملک سے کوئی تعرض نہیں کیا تو تقدم تاخر برابر ہوگا۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ قابض کا مورخ بینہ معنی دفع بینہ خارج کو متضمن ہے کیونکہ جب ایک وقت میں کسی کے لئے ملک ثابت ہوا تو اس وقت کے بعد دوسرے کے لئے ملک کا ثبوت اسی کی جانب سے حاصل کرنے کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اور دفع خصومت پر قابض کا بینہ مقبول ہوتا ہے لہٰذا قابض کا بینہ مقدم ہوگا (۲) شخص خارج اور قابض دونوں نے ملک کے ایسے سبب پر بینہ قائم کیا جو مکرر واقع نہیں ہوتا ایک ہی بار ہوتا ہے جیسے نتاج یعنی کسی حیوان کے بچہ پیدا ہونا۔ روئی کے کپڑے کی بناوٹ، روئی کا سرا، دودھ دوہنا، پنیر بنانا، اون تراشنا وغیرہ کے یہ اسباب ایک ہی بار ہوتے ہیں۔ مکرر نہیں ہوتے۔ اب شخص خارج اور قابض دونوں نے بینہ سے یہ ثابت کیا کہ یہ بچہ میرے جانور کا ہے اور میری (یا میرے بائع یا میرے مورث کی) ملک میں پیدا ہوا ہے تو قابض کا بینہ معتبر ہوگا۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ ایک شخص نے ایک اونٹنی کا دعوی کیا اور بینہ ثابت کیا کہ یہ میری ہے میرے پاس جنی ہے قابض نے بھی اسی طرح بینہ سے ثابت کیا تو آنحضرت ﷺ نے اونٹنی قابض کو دیدی[عہ] (۳) شخص خارج نے ملک مطلق پر بینہ قائم کیا اور قابض نے اس بات پر کہ میں نے شخص خارج سے خریدا ہے تو قابض کا بینہ معتبر ہوگا۔ کیونکہ شخص خارج اولیت ملک کو ثابت کر رہا ہے۔ اور قابض اس سے ملک حاصل کرنے کو ثابت کر رہا ہے اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں۔

قوله ولو برهن كل الخ اگر شخص خارج اور قابض میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کیا یعنی شخص خارج نے ثابت کیا کہ میں نے یہ مکان قابض سے خریدا ہے اور قابض نے ثابت کیا کہ میں نے شخص خارج سے خریدا ہے تو شیخین کے نزدیک دونوں بینے ساقط الاعتبار ہونگے اور مکان قابض کو دیا جائے گا۔ امام محمد کے نزدیک دونوں بینے مقبول ہوں گے۔ اور مکان شخص خارج کو دیا جائیگا۔ کیونکہ بینوں پر اس طرح عمل ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے قابض نے شخص خارج سے خرید کر پھر شخص خارج کے ہاتھ فروخت کر دیا ہو اور قبضہ نہ کرایا ہو۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ خرید پر اقدام کرنا دوسرے کی ملک کا اقرار کرنا ہے۔ تو گویا ہر شخص کا بینہ دوسرے کے اقرار پر قائم ہوا اور اس صورت میں تعذر جمع کی وجہ سے بالاجماع دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوتے ہیں تو یہاں بھی ساقط الاعتبار ہوں گے۔

قوله ولا يرجح الخ اور کثرت شہود کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جاسکتی مثلاً ایک کے دو گواہ ہوں اور دوسرے کے چار تو اقامت شہادت ماخوذہ میں یہ دونوں برابر ہوں گے (اسی طرح عدالت کی کمی بیشی کا بھی اعتبار نہ ہوگا خلافاً لمالک) وجہ یہ ہے کہ ہر دو شاہدوں کی شہادت علت تامہ ہے اور ترجیح کثرت علل سے نہیں ہوتی بلکہ قوت علل سے ہوتی ہے مثلاً ایک طرف دلیل متواتر ہو اور دوسری طرف آحاد تو متواتر کو ترجیح ہوگی۔ اور یہ نہ ہوگا کہ ایک طرف دو حدیثیں ہیں اور دوسری طرف ایک تو دو حدیثوں کو ترجیح ہو جائے اسی طرح ایک طرف دلیل مفسر ہو دوسری طرف مجمل تو مفسر کو مجمل پر ترجیح ہوگی وعلى هذا القياس۔

عہ۔۔۔۔ دارقطنی عن جابر بن عبداللہ ۱۲

قولہ دار الخ ایک مکان ایک شخص کے قبضہ میں ہے (اس کا دو آدمیوں نے دعوی کیا۔ایک نے کل مکان کا اور دوسرے نے نصف کا اور دونوں نے بینہ قائم کردیا تو امام صاحب کے نزدیک بطریق منازعت مدعی کل کے لئے مکان کے تین ربعے ہوں گے۔اور مدعی نصف کیلئے ایک ربع بطریق منازعت کا مطلب یہ ہے کہ جب مدعی نصف نے آدھے مکان کا دعوی کیا تو دوسرا آدھا مدعی کل کے لئے سالم رہا اور ایک نصف میں دونوں کی منازعت قائم رہی اور اس نصف کو دونوں میں نصفا نصف کردیا جائیگا۔صاحبین کے نزدیک بطریق عول ومضاربت مکان اثلاثا تقسیم ہوگا۔یعنی مدعی کل کے لئے دو ثلث اور مدعی نصف کیلئے ایک ثلث۔کیونکہ مسئلہ میں کل اور نصف مجتمع ہیں تو مسئلہ دو سے ہوگا۔کیونکہ نصف کا مخرج دو ہے۔اور دو کا عدد تین کی طرف عول کرتا ہے تو دو سہم مدعی کل کے ہوئے اور ایک سہم مدعی نصف کا ہوا۔اور اگر وہ مکان مدعیوں کے قبضہ میں ہو تو پورا مکان مدعی کل کیلئے ہوگا۔نصف بطریق قضا اور نصف بلا قضا اس واسطے کہ جب مکان دونوں کے قبضہ میں ہے تو ہر ایک کے قبضہ میں نصف نصف مکان ہو تو جو نصف مدعی کل کے قبضہ میں ہے اس کا تو کوئی مدعی ہی نہیں لہٰذا وہ تو قضاء قاضی کے بغیر ہی اس کا ہے۔اور جو نصف مدعی نصف کے قبضہ میں ہے اس کا مدعی کل کا مدعی ہے اور وہ شخص خارج ہے۔اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ شخص خارج کا بینہ معتبر ہوتا ہے نہ کہ قابض کا تو وہ نصف بھی قاضی اسی کو دلا دیگا۔

فائدہ : تقسیم کی چار قسمیں ہیں۔اول وہ جس میں تقسیم بالاتفاق بطریق عول ہوتی ہے۔اس کی آٹھ صورتیں ہیں اقسمت ۲میراث ۳دیون ۴وصیت ۵محابات ۶دراہم مرسلہ ۷سعایت ۸جنایت رقیق' دوم وہ جس میں قسمت بالاتفاق بطریق منازعت ہوتی ہے۔اور وہ دو فضولیوں کے مسئلے میں ہوتی ہے۔مثلاً ایک فضولی نے کسی کے ہاتھ غلام ہزار درہم میں فروخت کیا۔اور دوسرے فضولی نے اسی غلام کا نصف دوسرے کے ہاتھ پانچسو میں فروخت کیا اور آقا نے دونوں بیعوں کو جائز رکھا تو دونوں خریداروں کو اختیار ہے اگر وہ لینا چاہیں تو مشتری کل تین ربع لے اور مشتری نصف ایک ربع' سوم وہ جس میں قسمت امام صاحب کے نزدیک بطریق منازعت ہوتی ہے۔اور صاحبین کے نزدیک بطریق عول جیسا کہ مسئلہ کتاب میں اوپر مذکور ہوا (اس کے علاوہ دو مسئلے اور ہیں) چہارم وہ جس میں قسمت امام صاحب کے نزدیک بطریق عول ہوتی ہے۔اور صاحبین کے نزدیک بطریق منازعت یہ پانچ مسئلوں میں جاری ہے۔اگر ہر ایک کی تشریح مطلوب ہو تو مطولات زیلعی' عینی' بحر وغیرہ کی طرف رجوع کرو۔

وَلَوْ بَرْهَنَا عَلٰى نِتَاجِ دَابَّةٍ وَاَرَّخَا قُضِیَ لِمَنْ وَافَقَ سِنُّهَا تَارِیْخَهٗ وَاِنْ اَشْکَلَ ذٰلِکَ فَلَهُمَا

بینہ لائے ایک جانور کے بچہ پر اور دونوں نے تاریخ بیان کردی تو فیصلہ ہوگا اس کے لئے جس کی تاریخ کے موافق ہو بچہ کی عمر اگر یہ مشکل ہو تو دونوں

وَلَوْ بَرْهَنَ اَحَدُ الْخَارِجَیْنِ عَلَى الْغَصَبِ وَالْاٰخَرُ عَلَى الْوَدِیْعَةِ اِسْتَوَیَا وَالرَّاکِبُ وَاللَّابِسُ اَحَقُّ مِنْ اٰخِذِ

کے لئے ہے اگر بینہ لایا ایک شخص خارج غصب پر اور دوسرا ودیعت پر تو دونوں برابر ہونگے اور سوار اور پہننے والا زیادہ حقدار ہے لگام اور آستین

اللِّجَامِ وَالْکُمِّ وَصَاحِبُ الْحِمْلِ وَالْجُذُوْعِ وَالْاِتِّصَالِ اَحَقُّ مِنَ الْغَیْرِ ثَوْبٌ فِیْ یَدِهٖ وَطَرَفُهٗ فِیْ یَدِ اٰخَرَ

پکڑنے والے سے اور بوجھ والا اور کڑیوں والا اور اتصال والا حقدار ہے غیر سے کپڑا ہے ایک کے ہاتھ میں اور کنارہ ہے دوسرے کے ہاتھ میں

نُصِّفَ صَبِیٌّ یُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهٖ فَقَالَ اَنَا حُرٌّ فَالْقَوْلُ لَهٗ وَاِنْ قَالَ اَنَا عَبْدٌ لِفُلَانٍ اَوْ

تو نصفا نصف کردیا جائیگا بچہ نے جو اپنا حال کہہ سکتا ہے کہا کہ میں آزاد ہوں تو اسی کا قول معتبر ہوگا اور اگر کہا کہ میں غلام ہوں فلاں کا یا وہ اپنا حال

لَا یُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهٖ فَهُوَ عَبْدٌ لِمَنْ فِیْ یَدِهٖ عَشَرَةُ اَبْیَاتٍ مِنْ دَارٍ فِیْ یَدِهٖ وَبَیْتٌ فِیْ یَدِ اٰخَرَ

نہ کہہ سکتا ہو تو وہ غلام ہے اس کا جس کے قبضہ میں ہے دس کوٹھریاں مکان کی ایک کے قبضہ میں ہیں اور ایک کوٹھری دوسرے کے قبضہ میں ہے

فَالسَّاحَةُ نِصْفَانِ اِدَّعٰی كُلٌّ اَرْضًا اَنَّهَا فِي يَدِهٖ وَلَبَّنَ اَحَدُهُمَا فِيهَا

تو صحن نصفا نصف ہوگا ، ہرایک نے دعویٰ کیا زمین کا کہ میرے قبضہ میں ہے اور ایک نے اس میں اینٹیں بنائی تھیں

اَوْ بَنٰی اَوْ حَفَرَ فَهِيَ فِي يَدِهٖ كَمَا لَوْبَرْهَنَ اَنَّهَا فِي يَدِهٖ.

یا مکان بنایا تھا یا گڑھا کھودا تھا تو زمین اسی کے قبضہ میں ہوگی جیسے اگر وہ بینہ لے آئے کہ میرے قبضہ میں ہے۔

توضیح اللغۃ: نتاج بچہ، دابۃ چوپایہ، سن عمر، ودیعۃ امانت، لابس پہننے والا، لجام لگام، کم آستین، حمل بوجھ، جذوع جمع جذع بمعنی کڑی، ابیات جمع بیت کوٹھری، دار گھر، بڑا مکان، ساحۃ صحن، لبن اینٹ پاتھی، بنیٰ عمارت بنائی، حفر کنواں کھودلیا۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو برھنا الخ دو آدمیوں نے ایک جانور کی بابت جھگڑا کیا اور دونوں نے اپنی اپنی ملک میں جانور کے جننے پر بینہ قائم کیا اور دونوں نے تاریخ بھی بیان کردی تو اس کی عمر جس کی تاریخ کے موافق ہو جانور اسی کو دلایا جائے گا کیونکہ ظاہر حال اسی کے حق میں شاہد ہے، اور اگر ان کی بیان کردہ تاریخوں کے لحاظ سے اس کی عمر کا پتہ چلانا مشکل ہو تو جانور دونوں کا مشترک رہے گا **لان احد هما لیس باولیٰ بھامن الآخر۔**

قولہ ولو برھن الخ ایک چیز زید کے قبضہ میں ہے عمرو نے اس کی بابت بینہ قائم کیا کہ قابض نے مجھ سے چھین لیا ہے اور بکر نے بینہ سے یہ ثابت کیا کہ میں نے یہ چیز قابض کو بطور امانت دی ہے۔ تو وہ دونوں اپنے اپنے دعویٰ میں برابر ہوں گے۔ اور وہ چیز کسی ایک کو نہ دلائی جائیگی۔ بلکہ ان میں نصفا نصف کردی جائے گی۔ **لان الودیعۃ تصیر غصباً بالجحود حتی یجب علیہ الضمان۔**

قولہ والراکب الخ زید ایک گھوڑے پر سوار ہے اور عمرو اس کی لگام پکڑے ہوئے ہے۔ یا زید کرتا پہنے ہوئے ہے اور عمرو اس کی آستین پکڑے ہوئے ہے۔ اور گھوڑے یا کرتے کی ملکیت میں دونوں کا جھگڑا ہوا۔ زید کہتا ہے کہ میرا ہے اور عمرو کہتا ہے کہ میرا ہے۔ تو گھوڑا یا کرتا زید ہی کا ہوگا۔ کیونکہ اس کا تصرف ظاہر تر ہے۔ **لان الرکوب واللبس یختص بالملک۔**

قولہ وصاحب الحمل الخ ایک لدے ہوئے اونٹ کی بابت یا ایسی دیوار کی بابت جھگڑا ہوا جس پر چھت کی کڑیاں ہیں یا ایسی دیوار کی بابت جھگڑا ہوا جو ایک کے گھر سے ملی ہوئی ہے۔ تو اونٹ اور دیوار کا حقدار بوجھ والا اور کڑیوں والا ہوگا۔ کیونکہ تصرف معتاد اسی کا تصرف ہے۔ جو اس کے مالک ہونے پر دال ہے۔

قولہ صبی الخ ایک شخص کے پاس ایک بچہ ہے جو سمجھ دار ہے۔ اپنا حال بیان کرسکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں آزاد ہوں۔ اور صاحب ید اس کا منکر ہے۔ تو بچہ ہی کا قول معتبر ہوگا۔ **لانہ فی ید نفسہ** اگر بچہ یہ کہے ہیں کہ میں تو فلاں کا غلام ہوں اور صاحب ید یہ کہے کہ یہ میرا غلام ہے۔ تو بچہ صاحب ید کا ہی غلام ٹھہریگا۔ کیونکہ اس نے خود کو دوسرے کا غلام کہہ کر اپنی رقیت کا اقرار کرلیا جس سے اس کا اپنا قبضہ جاتا رہا۔ **فیظھر علیہ ید ذی الید۔** سوال رقیت کا اقرار باعث ضرر ہے۔ اور بچہ کے حق میں ان اقوال کا اعتبار نہیں ہوتا جو موجب ضرر ہوں۔ چنانچہ بچہ کا طلاق دینا، آزاد کرنا، ہبہ کرنا صحیح نہیں گو وہ عاقل ہو۔ پھر یہاں اس کا یہ اقرار کی وجہ کیسے صحیح ہوگیا؟ جواب یہاں رقیت کا ثبوت صاحب ید کے دعویٰ کی وجہ سے ہے نہ کہ بچہ کے اقرار کی وجہ سے۔ **فاندفع المعارض۔**

قولہ عشرۃ ابیات الخ ایک مکان میں گیارہ کمرے ہیں جن میں سے دس کمرے ایک شخص کے قبضہ میں ہیں اور ایک کمرہ دوسرے کے قبضہ میں ہے۔ اب اس مکان کے صحن میں دونوں کا جھگڑا ہو تو صحن دونوں کے درمیان نصفا نصف ہوگا۔ کیونکہ صحن کے جو فوائد ہیں (مثلاً گزرنا، سامان رکھنا وغیرہ) ان میں وہ دونوں برابر ہیں۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

....

المراد بالاتصال اتصال تربیع وتفسیر التربیع اذا کان الحائط من مدر او آجر ان یکون انصاف لبن الحائط المتنازع فیہ داخلۃ فی انصاف لبن غیر المتنازع فیہ وانصاف لبن غیر المتنازع فیہ داخلۃ فی المتنازع فیہ وان کان الحجد ار من خشب فالتربیع ان یکون ساجہ [illegible] فی الاخری واما اذا نقب فادخل لا یکون تربیعا ۱۲ کفایہ۔

باب دعوی النسب

باب دعوی نسب کے بیان میں

وَلَدَتْ مَبِيعَةٌ لاقَلَّ مِنْ مُدَّةِ الْحَمْلِ مُذْ بِيعَتْ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ فَهُوَ اِبْنُهُ وَهِيَ اُمُّ وَلَدِهٖ

جنا ایک بکی ہوئی باندی نے مدت حمل سے کم میں جب سے بیچی گئی تھی اور دعویٰ کیا اس کا بائع نے تو وہ اس کا بیٹا اور باندی اس کی ام ولد ہوگی

وَيُفْسَخُ الْبَيْعُ وَيَرُدُّ الثَّمَنَ وَاِنْ اِدَّعَاهُ الْمُشْتَرِي مَعَهُ اَوْ بَعْدَهُ

اور بیع فسخ ہوجائیگی اور دام لوٹائیگا اگرچہ دعوی کرے مشتری بھی بائع کے ساتھ یا اس کے بعد

وَكَذَا اِنْ مَاتَتِ الاُمُّ بِخِلَافِ مَوْتِ الْوَلَدِ وَعِتْقُهُمَا كَمَوْتِهِمَا.

اسی طرح اگر مرجائے ماں بخلاف بچہ کی موت کے، اور ان کا آزاد ہوجانا ان کے مرنے کے حکم میں ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولدت الخ ایک شخص نے باندی فروخت کی اس نے وقت بیع سے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا اور بائع نے بچہ کا دعوی کیا تو وہ بچہ استحساناً بائع کا لڑکا ہوگا۔ اور باندی اس کی ام ولد ہوگی۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بائع کا دعوی باطل ہے۔ مقتضاء قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ بائع کا باندی کو فروخت کرنا اس بات کا اقرار ہے کہ وہ اس کی ام ولد نہیں باندی ہے۔ پس اقرار سابق اور دعوی لاحق کے درمیان تناقض ہے۔ لہٰذا دعوی مسموع نہ ہوگا وجہ استحسان یہ ہے کہ قرار حمل ایک مخفی امر ہے۔ اس لئے تناقض کو نظر انداز کیا جائے گا اور ملک بائع میں قرار حمل اس بات کی دلیل ہے کہ بچہ کا ہے کیونکہ ولادت چھ ماہ سے کم ہے۔ اور جب بطریق مذکور بائع کا دعوی صحیح ہوا تو یہ اصل علوق کی طرف مستند ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اس نے ام ولد کی بیع کی ہے۔ لہٰذا بیع فسخ ہوجائے گی۔ کیونکہ ام ولد کی بیع جائز نہیں۔ اور ثمن واپس کرنا ضروری ہوگا اور مشتری کے دعوی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ خواہ بائع کے دعوی کے ساتھ ہو یا اس کے دعوی کے بعد ہو کیونکہ بائع کا دعوی بہر حال سابق ہے۔

قولہ وکذا الخ اگر بچہ کی ماں (یعنی باندی) کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد بائع نے بچہ کا دعوی کیا اور بچہ چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا تب بھی نسب ثابت ہوجائے گا کیونکہ حریت میں اصل بچہ ہے۔ نہ کہ ماں یہی وجہ ہے کہ ماں بچہ کی طرف منسوب ہوتی ہے یقال ام الولد نیز باندی کو حریت بھی بچہ ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ لقولہ علیہ السلام "اعتقها ولدها" اور جب بچہ اصل ہوا تو بائع یعنی ماں کا فوت ہوجانا مضر نہ ہوگا۔ ہاں اگر بچہ کا انتقال ہوگیا اور پھر بائع نے دعوی کیا تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اب بچہ ثبوت نسب سے مستغنی ہوگیا۔ اور لمۃ مبیعہ اور اس کے بچہ کی آزادی کا حکم ان کی موت کا سا ہے تو اگر مشتری نے ماں کو آزاد کیا بچہ کو آزاد نہیں کیا اور بائع نے دعوی کیا کہ وہ میرا بیٹا ہے تو دعوی صحیح ہوگا اور نسب ثابت ہوجائے گا۔ اور اگر اس نے بچہ کو آزاد کیا ماں کو آزاد نہیں کیا تو دعوی صحیح نہ ہوگا۔ بچہ کے حق میں تو اس لئے کہ صحت دعوی کی صورت میں اعتاق کا باطل ہونا لازم آتا ہے حالانکہ اعتاق بطلان کا احتمال نہیں رکھتا اور ماں کے حق میں اس لئے کہ جب اصل (یعنی بچہ) میں دعوی صحیح نہ ہوا تو تابع کے حق میں بطریق اولیٰ صحیح نہ ہوگا۔

ع۔۔۔۔۔۔۔لما فرغ من بیان الاموال شرع فی بیان دعوی النسب لان الاول اکثر وقوعا فکان اہم ذکرا فقدمہ ۱۲

وَاِنْ وَلَدَتْ لِاَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ رُدَّتْ دِعْوَةُ الْبَائِعِ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَهُ الْمُشْتَرِيْ وَمَنْ اِدَّعٰى نَسَبَ اَحَدِ التَّوْأَمَيْنِ

اور اگر جنے چھ ماہ سے زائد میں تو رد ہو جائیگا بائع کا دعوی مگر یہ کہ تصدیق کر دے اس کی مشتری جس نے دعوی کیا جڑواں بچوں میں سے ایک کے

ثَبَتَ نَسَبُهُمَا مِنْهُ فَاِنْ بَاعَ اَحَدَهُمَا وَاَعْتَقَهُ الْمُشْتَرِيْ بَطَلَ عِتْقُ الْمُشْتَرِيْ

نسب کا تو دونوں کا نسب ثابت ہو جائیگا پس اگر ایک کو بیچ دے اور مشتری اس کو آزاد کر دے تو باطل ہوگا مشتری کا آزاد کرنا

صَبِيٌّ عِنْدَ رَجُلٍ فَقَالَ هُوَ ابْنُ فُلَانٍ ثُمَّ قَالَ هُوَ ابْنِيْ لَمْ يَكُنْ ابْنَهُ وَاِنْ جَحَدَ اَنْ يَكُوْنَ ابْنَهُ

بچہ ہے ایک کے پاس اس نے کہا کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے پھر کہا کہ میرا بیٹا ہے تو اس کا بیٹا نہ ہوگا گو انکار کر دے فلاں اپنا بیٹا ہونے کا

وَلَوْ كَانَ فِيْ يَدِ مُسْلِمٍ وَنَصْرَانِيٍّ فَقَالَ النَّصْرَانِيُّ هُوَ ابْنِيْ وَقَالَ الْمُسْلِمُ عَبْدِيْ فَهُوَ حُرٌّ ابْنُ النَّصْرَانِيِّ

اور اگر ایک مسلمان اور ایک نصرانی کے پاس ہو نصرانی کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور مسلمان کہے کہ میرا غلام ہے تو وہ آزاد اور نصرانی کا بیٹا ہوگا

وَاِنْ كَانَ صَبِيٌّ فِيْ يَدِ زَوْجَيْنِ فَزَعَمَ اَنَّهُ ابْنُهُ مِنْ غَيْرِهَا وَزَعَمَتْ اَنَّهُ ابْنُهَا مِنْ غَيْرِهٖ فَهُوَ ابْنُهُمَا

اور اگر ہو بچہ زوجین کے پاس پس شوہر کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے دوسری بیوی سے اور بیوی کہے کہ میرا بیٹا ہے دوسرے شوہر سے تو وہ دونوں کا بیٹا ہے

وَلَدَتْ مُشْتَرَاةٌ فَاسْتُحِقَّتْ غَرِمَ الْاَبُ قِيْمَةَ الْوَلَدِ وَهُوَ حُرٌّ فَاِنْ مَاتَ الْوَلَدُ لَمْ يَضْمَنِ الْاَبُ قِيْمَتَهُ

جنا خریدی ہوئی باندی نے پھر وہ کسی اور کی نکلی تو تاوان دیگا باپ بچہ کی قیمت کا اور بچہ آزاد ہوگا پس اگر مر جائے بچہ تو ضامن نہ ہوگا باپ اس کی

وَاِنْ تَرَكَ مَالًا وَاِنْ قُتِلَ الْوَلَدُ غَرِمَ الْاَبُ قِيْمَتَهُ وَيَرْجِعُ بِالثَّمَنِ وَقِيْمَتُهُ عَلٰى بَائِعِهٖ لَا بِالْعُقْرِ.

قیمت کا گو بچہ کچھ مال چھوڑے اور اگر مار دیا گیا بچہ تو تاوان دیگا باپ اس کی قیمت کا اور لے لے گا باندی کے دام اور بچہ کی قیمت بائع سے نہ کہ عقر۔

تشریح الفقہ : **قوله وان ولدت الخ** اگر باندی چھ ماہ سے زائد اور دو سال سے کم میں بچہ جنے اور بائع بچہ کا دعوی کرے تو دعوی مردود ہوگا الا یہ کہ مشتری اس کی تصدیق کر دے کیونکہ یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ علوق بائع کی ملک میں نہ ہوا ہو پس اس کی طرف سے حجت نہیں پائی گئی۔ لہٰذا مشتری کی تصدیق ضروری ہے۔ اور جب اس نے تصدیق کر دی تو نسب ثابت ہو جائے گا اور بیع باطل ہو جائے گی اور بچہ آزاد ہوگا اور اس کی ماں بائع کی ام ولد ہو جائیگی **خلافاً لزفر والشافعي علی مامر۔**

قوله ومن ادعی الخ ایک شخص کے یہاں اس کی باندی سے توامین یعنی دو بچے ایک ہی بطن سے پیدا ہوئے۔ اور اس نے ان میں سے ایک کے نسب کا دعوی کیا تو دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ دونوں بچے ایک ہی نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ پس جب ایک نسب ثابت ہوا تو دوسرے کا نسب ثابت ہونا ضروری ہے۔

قوله فان باع الخ ایک شخص کی باندی سے دو بچے تو ام اسی کے پاس پیدا ہوئے اور اس نے ان میں سے ایک کو فروخت کر دیا اور خریدنے والے نے اس کو آزاد کر دیا اس کے بعد شخص مذکور (بائع) نے اس بچہ کے نسب کا دعوی کیا جس کی بیع نہیں ہوئی اور وہ اسی کے پاس موجود ہے تو اس سے دونوں کا نسب ثابت ہو جائیگا۔ اور مشتری کا خریدنا اور آزاد کرنا باطل ہوگا۔ ثبوت نسب کی وجہ تو وہی ہے جو اوپر

---

(۱) فی الدر المختار ان من اسماء المهر العقر وفی استیلاد الجوهرة العقر فی الحرائر مهر المثل وفی الاماء عشر قیمة الامة ان کانت بکرا ونصف عشر قیمتها ان کانت ثیبا والظاهر انه یشترط عدم نقصان العشر او نصفه عن عشرة دراهم فان نقص وجب تکمیله الی العشرة لان المهر لا ینقص عن عشرة سواء کان مهر المثل او مسمی وقال فی الفیض وقیل فی الجواری ینظر الی مثل تلک الجاریة جمالاً بکم تتزوج فیعتبر بذلک وهو المختار۔ ۔لانه ینال بذلک شرف الحریة حالاً وشرف الاسلام مآلاً اذ دلائل الوحدانية ظاهرة ۱۲ ہدایہ۔

۔لان الظاهر ان الولد منهما لقیام ایدیهما او لقیام الفراش بینهما ثم کل واحد منهما یرید ابطال حق صاحبه فلا یصدق علیه ۱۲

مذکور ہوئی۔اور مشتری کے عتق وشرا کے بطلان کی وجہ یہ ہے کہ جب دونوں کا نسب ثابت ہو گیا تو جس طرح وہ بچہ حرالاصل ہے جس کی بیع نہیں ہوئی۔اسی طرح دوسرا بچہ بھی حرالاصل ہوگا۔کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ دو بچے ایک نطفے سے پیدا ہوں اور انمیں سے ایک آزاد ہو دوسرا غلام۔اور جب وہ حرالاصل ہوا تو عتق باطل ہو جائے گا کیونکہ حریت اصلی حریت عتق سے فائق تر ہے۔

قولہ صبی الخ ایک شخص کے پاس ایک بچہ ہے اس نے کہا کہ یہ بچہ فلاں غائب (مثلاً زید) کا بیٹا ہے پھر کہنے لگا کہ یہ تو میرا بیٹا ہے تو امام صاحب کے نزدیک وہ بچہ اس کا لڑکا نہیں ہو سکتا اگر چہ مقرلہ (زید) اس کے فرزند کا انکار کر دے صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر مقرلہ نے اس کا انکار کر دیا تو وہ بچہ اس کا بیٹا ہو جائے گا کیونکہ جب مقرلہ کے انکار سے مقر کا اقرار باطل ہو گیا تو اقرار کان لم یکن ہو گیا لہٰذا دعوی صحیح ہے۔امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ نسب ان چیزوں میں ہے جو ثابت ہونے کے بعد منقوض نہیں ہوتیں۔اور ایسی چیزوں کا اقرار رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔تو مقرلہ کے حق میں اقرار علیٰ حالہ باقی رہا لہذا اسکا اپنے حق میں دعوی کرنا باطل ہوگا۔

قولہ ولدت مشتراۃ الخ زید نے ایک باندی خریدی اس سے اس کے ایک بچہ ہوا اور زید نے اس کے نسب کا دعوی کیا پھر وہ باندی کسی دوسرے کی نکل آئی تو باپ (یعنی زید) بچہ کی قیمت کا تاوان دے گا اور قیمت میں خصومت کے دن کا اعتبار ہوگا اور بچہ آزاد ہوگا کیونکہ ولد المغرور ہے جو باجماع صحابہ اپنی قیمت سے آزاد ہوتا ہے مغرور اس شخص کو کہتے ہیں جو ملک یمین یا ملک نکاح کے اعتماد پر کسی عورت سے صحبت کرے اور اس سے بچہ ہو جائے پھر وہ عورت کسی اور کی نکل آئے۔

قولہ فان مات الخ صورت مذکورہ میں اگر قبل از خصومت بچہ کا انتقال ہو جائے تو اس کے باپ پر کوئی تاوان نہ ہوگا بلکہ وہ صرف باندی مستحق کے حوالے کرے گا اس واسطے کے اگر اس بچہ کا کچھ ترکہ ہو تو اس کا وارث اس کا باپ ہوگا کیونکہ باپ کے حق میں وہ بچہ حرالاصل ہے۔

قولہ وان قتل الخ اور اگر اس بچہ کو کسی نے قتل کر دیا اور باپ نے اس کی قیمت کے بقدر اس کا خون بہا لے لیا تو جیسے اس کی زندگی میں باپ نے تاوان دیا تھا ایسے ہی اب بھی اس کا باپ مستحق کو بچہ کی قیمت کا تاوان دے گا اور وہ بچہ کی قیمت اور اس کی ماں یعنی باندی کا ثمن اپنے بائع سے وصول کرلے گا کیونکہ بچہ اس باندی کا جز ہے اور باندی مبیع ہے۔اور بائع مبیع کی سلامتی کا ضامن ہوتا ہے۔تو عدم سلامتی مبیع کی صورت میں مشتری بائع سے وصول کرنے کا حق دار ہوگا۔لیکن باندی کا جو عقر (یعنی مہر مثل) مستحق کو دینا پڑا وہ نہیں لے سکتا۔کیونکہ وہ منافع بضع حاصل کرنے کا بدل ہے۔وعند الائمۃ الثلاثہ یر جع بالعقر ایضاً۔

کتاب الاقرار

هُوَ اِخْبَارٌ عَنْ ثُبُوْتِ حَقِّ الْغَيْرِ عَلٰى نَفْسِهٖ اِذَا اَقَرَّ حُرٌّ مُكَلَّفٌ بِحَقٍّ صَحَّ وَلَوْ مَجْهُوْلاً كَشَيْءٍ وَحَقٍّ

وہ خبر دینا ہے غیر کے حق کے ثابت ہونے کی اپنے اوپر، جب اقرار کرے آزاد مکلّف کسی حق کا تو یہ صحیح ہے گو مجہول ہو جیسے شئی اور حق

وَيُجْبَرُ عَلٰى بَيَانِهٖ وَيُبَيِّنُ مَالَهٗ قِيْمَةٌ وَالْقَوْلُ لِلْمُقِرِّ مَعَ يَمِيْنِهٖ اِنْ اِدَّعَى الْمُقَرُّلَهٗ اَكْثَرَ مِنْهُ وَفِي مَالٍ لَمْ يُصَدَّقْ

اور مجبور کیا جائیگا بیان پر اور بیان کرے ایسے چیز جس کی کچھ قیمت ہو اور قول مقر کا ہوگا قسم کیساتھ اگر دعوی کرے مقرلہ زائد کا اور مال کے اقرار میں

فِي اَقَلَّ مِنْ دِرْهَمٍ وَمَالٌ عَظِيْمٌ نِصَابٌ وَاَمْوَالٌ عِظَامٌ ثَلٰثَةُ نُصُبٍ وَدَرَاهِمُ كَثِيْرَةٌ عَشَرَةٌ

تصدیق نہ ہوگی ایک درہم سے کم میں اور مال عظیم نصاب ہے اور اموال عظام کے اقرار میں تین نصاب لازم ہوں گے اور دراہم کثیرہ میں دس

وَدَرَاهِمُ ثَلٰثَةٌ كَذَا دِرْهَمًا دِرْهَمٌ كَذَا كَذَا اَحَدَ عَشَرَ كَذَا وَكَذَا اَحَدٌ وَّعِشْرُوْنَ.

اور دراہم میں تین، کذا درہما ایک درہم کا اقرار ہے اور کذا کذا گیارہ کا اور کذا وکذا اکیس کا۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کتاب الدعویٰ کے بعد کتاب الاقرار لا رہا ہے۔ وجہ مناسبت ہے کہ مدعی علیہ مدعی کے دعویٰ کا یا منکر ہوتا ہے۔ یا مقر اور اقرار حق قریب تر ہے۔ کیونکہ مدعی کا اپنے مدعی میں اور مقر کا اپنے اقرار میں صادق ہونا ہی غالب ہے۔ اس واسطے کہ عقلمند آدمی اپنی ذات پر جھوٹا اقرار نہیں کرتا جس کی وجہ سے اس کا یا اس کے مال کا ضرر ہو تو فی نفسہ جہت صدق راجح ہوئی اور اقرار حق قریب تر بحال مسلم اس لئے دعوی کے بعد اقرار کے احکام بیان کر رہا ہے۔

فائدہ: اقرار کا حجت ہونا کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ اور اجماع امت سب سے ثابت ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولیملل الذی علیہ الحق "چاہیئے کہ بتا تا رہے (اقرار کرے) وہ شخص جس پر حق (فرض) ہے۔ اگر اقرار حجت نہ ہوتا تو اس حکم کے کوئی معنی ہی نہ تھے" نیز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ماعزؓ پر ان کے اقرار زنا کی وجہ سے رجم کا حکم فرمایا۔ امت محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ اقرار مقر سے حدود و قصاص ثابت ہو جاتے ہیں تو مال بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔

قولہ ھوا خبار الخ اقرار لغۃً بمعنی اثبات ہے یقال قر الشئی اذاثبت۔ اصطلاح شرع میں اقرار غیر شخص کے اس حق کے خبر دینے کو کہتے ہیں جو مقر پر لازم و ثابت ہو۔ تعریف میں لفظ علیٰ سے (جو مفید ضرر ہے) معلوم ہوا کہ اگر اخبار حق اپنی ذات کے نفع کے لئے ہو تو وہ اقرار نہ ہوگا بلکہ دعوی کہلائے گا۔ اور نفسہ کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر اخبار حق غیر کسی دوسرے شخص پر ہو تو وہ بھی اقرار نہ ہوگا بلکہ اس کو شہادت کہیں گے۔ جو اقرار کرے اس کو مقر اور جس کا حق اپنے اوپر ثابت کرے اسکو مقرلہ اور جس چیز کا اقرار کرے اس کو مقر بہ کہتے ہیں۔

تنبیہ: اقرار نہ من کل الوجوہ اخبار ہے اور نہ من کل الوجوہ انشا بلکہ من وجہ اخبار ہے اور من وجہ انشا یعنی اقرار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ غیر کے حق لازم کو ظاہر کرے نہ یہ کہ بالفعل اس کو ایجاد کرے جیسا کہ انشا عقود میں ہوتا ہے تو اگر کوئی شخص طلاق یا عتاق کا زبردستی اقرار کرے تو

ع......لان مادود من الکسور لا یطلق علیہ اسم المال عادۃ وھو المعتبر خلافا للائمۃ الثلاثۃ

۲ لان اقل الجمع ثلاثۃ فیعتبر ادنی الجمع اجماعا ۱۲

۳ لانہ اقل الجمع فصار متیقنا بہ والزائد مشکوک فیہ ۱۲

۴ لان ھذہ المواضع محل للعین للدین ۱۲ مجمع۔

الا اذا قال ذلک موصولا لانہ بیان باعتبار العرف مثلا خلافا للائمۃ الثلاثۃ ۱۲

اقرار صحیح نہیں کیونکہ دلیل کذب یعنی اکراہ موجود ہے اور اقرار اخبار ہے جس میں صدق وکذب کا احتمال ہے تو لفظ سے اس کے مدلول لفظی وضعی کا تخلف جائز ہے۔ اور اگر اقرار من کل الوجوہ انشاء ہوتا تو تخلف صحیح نہ ہوتا کیونکہ انشا میں مدلول لفظی وضعی کا تخلف ممتنع ہے۔ نیز اگر مقر لہ مقر کا اقرار رد کرنے کے بعد قبول کرے تو صحیح نہیں اگر اقرار من کل الوجوہ اخبار ہوتا تو قبول کرنا صحیح ہوتا۔ درمختار وغیرہ اس میں پر اور بہت سے مسائل متفرع ہیں من شاء فلیر اجع الیہ۔

قولہ اذا اقر الخ جب کوئی آزاد عاقل بالغ شخص بیداری میں بخوشی یا عبد ماذون یا صبی ماذون یا کوئی نادان کسی حق کا اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح ہے اگرچہ حق مجہول کا اقرار کرے کیونکہ اقرار کیلئے مقر بہ کا مجہول ہونا مضر نہیں۔ لیکن اس صورت میں اس حق کو ایسی چیز کے ساتھ بیان کرنا ضروری ہوگا جو قیمتی ہو گو کمتر ہو اگر وہ ایسی چیز بیان کرے جس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی جیسے گیہوں کا ایک دانہ تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ تو اقرار سے رجوع کرنا ہے، محیط میں ہے اگر مقر یہ کہے کہ میں نے حق سے حق اسلام کا ارادہ کیا ہے تو اس کی تصدیق نہ ہوگی۔

قولہ ومال عظیم الخ اگر مقر نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کا مال عظیم ہے تو نصاب زکوٰۃ یعنی دوسو درہم سے کم میں اس کی تصدیق نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے مال کو صفت عظیم کیساتھ مقید کیا ہے تو اس وصف کو لغو نہیں کیا جاسکتا۔ پھر شریعت میں نصاب زکوٰۃ مال عظیم ہے کہ شرع نے صاحب نصاب کو غنی قرار دیا ہے اور عرف میں بھی اس کو غنی سمجھتے ہیں لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا۔ یہی صحیح ہے (**کذا فی الاختیار**) امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ نصاب سرقہ یعنی دس درہم سے کم میں تصدیق نہ ہوگی کیونکہ یہ بھی مال عظیم ہے۔ کہ اس کی وجہ سے محترم عضو (ہاتھ) کاٹا جاتا ہے۔

قولہ و دراہم کثیرۃ الخ اگر مقر نے یہ کہا کہ مجھ پر فلاں کے دراہم کثیرۃ (یا دنانیر کثیرہ یا ثیاب کثیرہ) ہیں تو امام صاحب کے نزدیک دس درہم (یا دس دینا یا دس کپڑے) لازم ہوں گے۔ صاحبین کے نزدیک نصاب زکوٰۃ سے کم میں تصدیق نہ ہوگی کیونکہ شریعت کی نظر میں مکثر (مالدار) صاحب نصاب ہی ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دس کا عدد جمع کثرت کے مصداق کا ادنیٰ مرتبہ ہے اور جمع قلت کا منتہی ہے۔ تو لفظ کے اعتبار سے یہی اکثر ٹھہرا فانہ **یقال عشرۃ دراھم ثم یقال احد عشر درھماً**۔

قولہ کذا درھماً الخ اگر مقر نے یہ کہا کہ **علی کذا درھماً** تو بقول معتمد ایک درہم لازم ہوگا۔ کیونکہ لفظ درہم عدد مبہم کی تفسیر ہے (لیکن اگر درہم کو لفظ کذا کے بعد مکسور ذکر کیا تو سو درہم لازم ہوں گے) اور اگر یہ کہا **کذا کذا درھماً** تو گیارہ درہم لازم ہونگے اور اگر حرف عطف کے ساتھ کذا کذا کہا تو اکیس درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ پہلی صورت میں اس نے دو عدد مبہم بلا حرف عطف ذکر کئے ہیں اور اس طرح کا اقل عدد مفسر احد عشر ہے۔ اور دوسری صورت میں حرف عطف کیساتھ ذکر کئے ہیں۔ جس کی ادنی نظیر احد وعشرون ہے' **وعندالشافعی یلزمہ درھمان** (اور اگر لفظ کذا تین بار بلا حرف ذکر کیا تو وہی گیارہ درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ اس عدد مبہم کے مانند کوئی مفسر نہیں تو تیسرا لفظ کذا تکرار پر محمول ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلَوْ ثَلَّثَ بِالْوَاوِ يُزَادُ مِائَةٌ وَلَوْ رَبَّعَ زِيْدَ اَلْفٌ وَعَلَيَّ وَقِبَلِي اِقْرَارٌ بِدَيْنٍ وَعِنْدِي مَعِيَ فِي بَيْتِيْ فِي صُنْدُوْقِي

اگر تین بار کہا واؤ عطف کیساتھ تو زائد کئے جائیں گے سو اور چار بار میں ہزار، لفظ علی اور قبل استعمال کرنا اقرار ہے دین کا اور لفظ عندی معی فی بیتی

فِي كِيْسِي اَمَانَةٌ قَالَ لِي عَلَيْكَ اَلْفٌ فَقَالَ اِتَّزِنْهُ اَوْ اِنْتَقِدْهُ اَوْ اَجِّلْنِي بِهٖ

فی صندوقی فی کیسی اقرار ہے امانت کا، مدعی نے کہا میرے تجھ پر ہزار ہیں دوسرے نے کہا کہ ان کو تول لے یا پرکھ لے یا مجھے مہلت دے

اَوْ قَضَيْتُكَهٗ اَوْ اَحَلْتُكَ بِهٖ فَهُوَ اِقْرَارٌ وَبِلَاكِنَايَةٍ لَا وَاِنْ اَقَرَّ بِدَيْنٍ مُؤَجَّلٍ وَادَّعَى الْمُقَرُّلَهٗ اَنَّهٗ حَالٌّ

یا میں نے تجھ کو وہ ادا کردیئے یا ان کا حوالہ کردیا تو یہ اقرار ہے اور بلا کنایہ ہو تو نہیں اگر اقرار کیا دین مؤجل کا اور دعوی کیا مقر لہ نے کہ وہ فوری ہیں

لَزِمَهٗ حَالًا وَحُلِّفَ الْمُقَرُّ لَهٗ عَلَى الاَجَلِ وَعَلَيَّ مِائَةٌ وَدِرْهَمٌ فَهِيَ دَرَاهِمُ وَمِائَةٌ وَثَوْب يُفَسِّرُ الْمِائَةَ

تو فوری لازم ہوں گے اور قسم لیجائیگی مقرلہ سے مدت پر مقر نے کہا کہ مجھ پر سو اور درہم ہے تو سب درہم ہی ہوں گے اور مائۃ وثوب میں پوچھا جائیگا

وَكَذَا مِائَةٌ وَثَوْبَانِ بِخِلَافِ مِائَةٌ وَثَلَاثَةُ اَثْوَابٍ اَقَرَّ بِتَمَرٍ فِي قَوْصَرَّةٍ لَزِمَاهُ

مائۃ کو اسی طرح مائۃ وثوبان ہے بخلاف اس کے کہ مجھ پر سو اور تین کپڑے ہیں اقرار کیا چھواروں کا ٹوکری میں تو دونوں لازم ہوں گے

وَبِدَابَّةٍ فِي اِصْطَبَلٍ لَزِمَتْهُ الدَّابَّةُ فَقَطْ وَبِخَاتَمٍ لَهُ الْحَلْقَةُ وَالْفَصُّ وَبِسَيْفٍ لَهُ النَّصْلُ وَالْجَفْنُ وَالْحَمَائِلُ

اقرار کیا گھوڑے کا طویلہ میں تو صرف گھوڑا لازم ہوگا اور انگوٹھی کے اقرار میں چھلہ اور نگینہ اور تلوار کے اقرار میں پھل اور میان اور پرتلہ اور چھپر کھٹ

وَبِحَجَلَةٍ لَهُ الْعِيدَانُ وَالْكِسْوَةُ وَبِثَوْبٍ فِي مِنْدِيْلٍ اَوْ فِي ثَوْبٍ لَزِمَاهُ

کے اقرار میں لکڑیاں اور پردے داخل ہیں، اقرار کیا کپڑے کا رومال میں یا کپڑے میں تو دونوں لازم ہوں گے، اگر اقرار کیا کپڑے کا دس میں

وَبِثَوْبٍ فِي عَشَرَةٍ لَهُ ثَوْبٌ وَبِخَمْسَةٍ فِي خَمْسَةٍ وَعَنَى بِهِ الضَّرْبَ خَمْسَةٌ وَعَشَرَةٌ اِنْ عَنَى مَعَ.

تو ایک کپڑا لازم ہوگا اقرار کیا پانچ کا پانچ میں اور نیت کی ضرب کی تو پانچ ہی لازم ہوں گے اور دس لازم ہونگے اگر نیت کی پانچ کیساتھ پانچ کی۔

توضیح اللغۃ: اتزن وزن کر لے، انتقد پرکھ لے، اجلنی مجھے مہلت دے، احلت میں نے حوالہ کر دیا، مؤجل، مؤخر، اجل مدت، اثواب جمع ثوب، قوصرۃ ٹوکری (جس میں کھجوریں رکھتے ہیں) اصطبل چوپاؤں کے رہنے کی جگہ طویلہ، خاتم انگوٹھی فص نگینہ، سیف تلوار، نصل لوہے والا حصہ، پھل بجفن میان، حمائل جمع حمالۃ پرتلہ، حجلۃ چھپر کھٹ، عیدان جمع عود لکڑی، کسوۃ پردے۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولو ثلث الخ** اگر مقر نے لفظ کذا حرف عطف کیساتھ تین بار ذکر کر کے یوں کہا "علی کذا و کذا و کذا درھما" تو ایک سو ایکس درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ واؤ کے ساتھ تین عدد کی اقل تعبیر مائۃ واحد وعشرون ہے اور اگر چار بار کہا تو گیارہ سو ایکس لازم ہوں گے۔ اور پانچ بار میں گیارہ ہزار ایک سو ایکس۔ اور چھ بار میں ایک لاکھ گیارہ ہزار ایک سو ایکس اور سات بار میں گیارہ لاکھ گیارہ ہزار ایک سو ایکس لازم ہوں گے وھکذا یعتبر نظیرہ۔

قولہ قال لی علیک الخ ایک شخص نے زید سے کہا کہ میرے تجھ پر ایک ہزار ہیں۔ زید نے جواب میں کہا کہ ان کو وزن کر لے یا پرکھ لے یا مجھے انکی مہلت دے۔ یا میں تجھ کو وہ دے چکا ہوں یا میں ان کا فلاں پر حوالہ کر چکا ہوں تو ان سب صورتوں میں زید کی طرف سے اس شخص کے لئے ایک ہزار کا اقرار ہے۔ کیونکہ ان سب جملوں میں ہاء ضمیر انہیں ہزار کی طرف راجع ہے تو یہ اس کے کلام کا جواب یعنی اثبات ہوا نہ کہ انکار۔ یا کوئی جداگانہ کلام، ہاں اگر زید نے بلا ضمیر یوں کہا کہ اتزن، انتقد اھ تو کچھ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ جداگانہ کلام ہے نہ کہ اسکے کلام کا جواب اور قاعدہ کلیہ ہے کہ جو کلام جواب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور ابتداء کلام ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کو جواب ٹھہرایا جاتا ہے اور جو ابتداء کلام ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور جواب ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو یا دونوں صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کو جداگانہ کلام ٹھہرایا جاتا ہے۔

(۱) **قولہ وان اقر بدین الخ** ایک شخص نے دین مؤجل کا اقرار کیا۔ اور مقرلہ نے دعوی کیا کہ دین مؤجل نہیں فوری ہے۔ تو مقر پر دین فوری لازم ہوگا اور مقرلہ سے اس بات پر قسم لی جائے گی کہ دین کی کوئی مدت نہیں تھی۔ کیونکہ مقر نے حق غیر کے اقرار کے ساتھ اپنے لئے حق تاجیل کا دعوی کیا ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی دوسرے کے لئے غلام کا اقرار کرے اور ساتھ ساتھ یہ بھی دعوی کرے کہ میں نے

---

(۱) لان اسم الخاتم یشملھا وعلی ہذا القیاس السیف والحمائل ۱۲۔ (۲) لان المندیل ظرف وکذا الثوب لان الثوب یلف فی ثوب ۱۲۔

اس سے یہ غلام بطریق اجارہ لیا ہے کہ اس صورت میں مقر کی تصدیق نہیں ہوتی۔تو یہاں بھی تصدیق نہ ہوگی۔امام احمد کے نزدیک اور ایک قول کے لحاظ سے امام شافعی کے نزدیک دین مؤجل لازم ہوگا۔اور مقر سے قسم لی جائے گی کہ دین مؤجل تھا۔

قوله وعلى مائة ودرهم الخ مقر نے اقرار کیا کہ میرے ذمہ اس کے سو اور ایک درہم ہے۔تو اس پر تمام درہم ہی لازم ہوں گے۔ یعنی ایک سو ایک۔اور اگر اس نے یہ کہا کہ مجھ پر اس کا سو اور ایک کپڑا ہے تو اس سے سو کی تفسیر کرائی جائے گی کہ سو سے کیا مراد ہے؟ درہم مراد ہیں یا کپڑے۔یہی حکم له على مائة وثوبان کا ہے۔مقتضاء قیاس تو على مائة و درهم میں بھی یہی ہے۔کہ مائۃ کی تفسیر کو مقر پر چھوڑا جائے، چنانچہ امام شافعی اسی کے قائل ہیں وجہ استحسان یہ ہے کہ عادۃً لفظ درہم مائۃ کا بیان ہوتا ہے۔کیونکہ لوگ لفظ درہم کو دوبارہ بولنا ثقیل جانتے ہیں اور صرف ایک بار ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔اور یہ ان چیزوں میں ہوتا ہے جو کثیر الاستعمال ہوں اور کثرت استعمال کا تحقق اس وقت ہوتا ہے جب کثرت اسباب کی وجہ سے وجوب فی الذمہ بکثرت ہو جیسے دراہم و دنانیر، مکیل موزون کو یہ سلم، قرض اور ثمن میں واجب فی الذمۃ ہوتے ہیں بخلاف ثیاب اور غیر مکیل و غیر موزون کے کہ ان کا وجوب اتنی کثرت سے نہیں ہوتا اس لئے ثیاب اور غیر مکیل و غیر موزون چیزوں میں مائۃ کی تفسیر مقر پر موقوف ہوگی۔اور دراہم و دنانیر وغیرہ میں موقوف نہ ہوگی۔اور اگر مقر نے کہا " له على مائة وثلثة اثواب " تو سب کپڑے ہی لازم ہوں گے یعنی ایک سو تین کپڑے۔امام شافعی کے یہاں تین کپڑے لازم ہونگے۔اور مائۃ کی تفسیر کرائی جائے گی جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں مائۃ اور ثلاثہ دو عدد مبہم ہیں، دونوں کو تفسیر کی ضرورت ہے اور اس نے ثلاثہ کے بعد لفظ اثواب بلا حرف عطف ذکر کیا ہے تو یہ دونوں کی تفسیر ہوگئی فكان كلها ثياباً۔

قوله اقر بتمر الخ ایک شخص نے اقرار کہ مجھ پر فلاں کے لئے کھجور ہے ٹوکری میں تو کھجور اور ٹوکری یعنی ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوں گے۔اور اگر یوں اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کا جانور ہے اصطبل میں تو صرف جانور لازم ہوگا۔امام محمد کے نزدیک یہاں بھی دونوں لازم ہوں گے اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز ظرف ہونے صلاحیت رکھتی ہو اور اس کو منتقل کرنا ممکن ہو تو ایسی چیز کے اقرار میں ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوتے ہیں جیسے کھجور کا اقرار ٹوکری میں، غلہ کا اقرار گون میں، کپڑے کا اقرار رومال میں وغیرہ، اور اگر منتقل کرنا ممکن نہ ہو جیسے اصطبل وغیرہ تو شیخین کے نزدیک صرف مظروف لازم ہوگا جیسے جانور وغیرہ۔امام محمد کے نزدیک دونوں لازم ہوں گے۔اور اگر وہ چیز ظرف ہونے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو تو صرف پہلی چیز لازم ہوگی جیسے یوں کہے کہ مجھ پر ایک درہم ہے درہم میں تو صرف پہلا درہم لازم ہوگا۔

قوله له ثوب الخ ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کا ایک کپڑا ہے دس کپڑوں میں تو امام ابو یوسف کے نزدیک صرف ایک کپڑا ہی لازم ہوگا۔امام صاحب کا بھی یہی قول ہے۔(کافی) امام محمد صاحب فرماتے ہیں کہ گیارہ کپڑے لازم ہوں گے۔کیونکہ بعض عمدہ ترین اور بیش بہا کپڑے کئی کئی کپڑوں میں لپیٹے جاتے ہیں۔تو لفظ فی کو ظرف پر محمول کرنا ممکن ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ لفظ فی وسط اور درمیان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قال تعالىٰ " فادخلي في عبادي " اي بين عبادي۔پس ایک سے زائد میں شک پیدا ہو گیا لہٰذا ایک ہی لازم ہوگا۔

قوله وبخمسة الخ ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے پانچ ہیں پانچ میں تو صرف پانچ ہی لازم ہوں گے گو وہ ضرب وحساب کی نیت کرے۔کیونکہ ہم کتاب الطلاق میں تفصیل کے ساتھ ذکر کر آئے ہیں کہ ضرب سے صرف اجزاء میں زیادتی ہوتی ہے۔نہ کہ اصل مال میں پس خمسۃ فی خمسۃ کا مطلب یہ ہوا کہ پانچوں میں سے ہر ایک کے پانچ پانچ جزء ہیں تو پانچ درہموں کے پچیس اجزاء ہوں گے۔نہ یہ کہ پانچ درہموں کے پچیس درہم بن جائیں گے۔حسن بن زیاد کے نزدیک پچیس لازم ہوں گے۔(كذا في الاصلاح) اور امام زفر کے نزدیک دس لازم ہوں گے۔ہمارے نزدیک بھی دس لازم ہوں گے۔بشرطیکہ مقر نے لفظ فی مع کے معنی میں لیا ہو وهو ظاهر۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

لَهٗ عَلَیَّ مِنْ دِرْهَمٍ اِلٰی عَشَرَةٍ اَوْمَا بَیْنَ دِرْهَمٍ اِلٰی عَشَرَةٍ لَهٗ تِسْعَةٌ لَهٗ مِنْ دَارِیْ بَیْنَ هٰذَا الْحَائِطِ

اس کے مجھ پر ایک درہم سے دس تک یا ایک درہم سے دس تک کے درمیان میں ہیں اس کے لئے نو ہوں گے اس کے لئے میرے گھر اس دیوار سے

اِلٰی هٰذَا الْحَائِطِ لَهٗ مَا بَیْنَهُمَا فَقَطْ وَصَحَّ الْاِقْرَارُ بِالْحَمْلِ وَلِلْحَمْلِ اِنْ بَیَّنَ سَبَبًا صَالِحاً

اس دیوار تک ہے تو اس کے لئے دیواروں کے درمیان کا حصہ ہوگا صحیح ہے اقرار حمل کا اور حمل کے لئے اگر بیان کردے سبب صالح

وَاِلَّا لَا وَاِنْ اَقَرَّ بِشَرْطِ الْخِیَارِ لَزِمَهٗ الْمَالُ وَبَطَلَ الشَّرْطُ.

ورنہ نہیں، اگر اقرار کرے شرط خیار کے ساتھ تو لازم ہوگا اس پر مال اور باطل ہوگی شرط۔

تشریح الفقہ: قولہ لہ علی الخ ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر ایک سے دس تک یا مابین ایک کے دس تک ہے تو امام صاحب کے نزدیک نو لازم ہوں گے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دس لازم ہوں گے۔ گویا ابتداً اور انتہاً دونوں حدیں محدود میں داخل ہوں گی۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ دونوں حدوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ امر وجودی کیلئے معدوم شئی حد نہیں ہوسکتی۔ امام زفر کے نزدیک آٹھ لازم ہوں گے۔ تو ان کے یہاں دونوں حدیں محدود میں داخل نہ ہوں گے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ بعض غایتیں مغیا میں داخل ہوتی ہیں اور بعض داخل نہیں ہوتیں۔ پس شک واقع ہوگیا لہٰذا شک کی وجہ سے حدیں محدود میں داخل نہ ہوں گے اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے لئے میرے گھر میں سے اس دیوار سے اس دیوار تک ہے۔ تو بالاجماع مقر لہ کیلئے وہ حصہ ہوگا جو دونوں کے درمیان ہے کیونکہ اصل یہی ہے کہ حدود محدود میں داخل نہیں ہوتیں۔ اس لئے کہ حد اور محدود کے درمیان مغایرت ہوتی ہے لیکن پہلی صورت میں امام صاحب نے پہلی حد یعنی ابتداء کو اس لئے داخل مانا کہ مافوق الواحد یعنی دوسرے اور تیسرے کا وجود اول کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

قولہ وصح الاقرار الخ اگر شخص کسی کے لئے حمل کا اقرار کرے تو اقرار بالاتفاق صحیح ہے (خواہ وہ باندی کا حمل ہو یا کسی جانور کا) اگر چہ مقر اس کا کوئی سبب بیان نہ کرے۔ کیونکہ اس اقرار کی وجہ صحیح ممکن ہے بایں طور کہ ہوسکتا ہے کہ کسی مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو اور اس کے ورثہ کو اقرار ہو کہ یہ حمل فلاں کیلئے ہے۔ لہٰذا اس کو جواز پر محمول کیا جائیگا۔ اور اگر کوئی شخص کسی حمل کے لئے اقرار کرے اور اس کا کوئی صحیح سبب (مثلاً ارث یا وصیت) بیان کردے تب تو اقرار صحیح ہوگا۔ اور اگر کوئی سبب بیان نہ کرے یا ایسا سبب بیان کرے جو غیر متصور ہو تو اقرار صحیح نہ ہوگا۔ یہ تفصیل امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور بقول بعض امام صاحب بھی اسی کے قائل ہیں اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام محمد کے نزدیک اقرار بہر صورت صحیح ہے انکے نزدیک مبہم ہونے کی صورت میں یا سبب غیر صالح بیان کرنے کی صورت میں کسی سبب صالح پر محمول کرلیا جائیگا۔ امام مالک اور احمد بھی یہی فرماتے ہیں اور امام شافعی کا اصح قول بھی یہی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

(۱) یتعلق بالاقرار للحمل لانه هو الذی یشرط فیه بیان السبب الصالح واما الاقرار بالحمل فجائز بالا جماع وان لم یبین السبب ۱۲ زیلعی. (۲) معناه انه اذاقال علی لفلان الف درهم قرض او غصب اوودیعة قائمة او مستهلکة علی انه بالخیار ثلاثة ایام لزمه المال وبطل الشرط لان الاقرار حجة تلزمه علیٰ مابینا من قبل وهوا خبار عن الکائن والا خبار لایقبل الخیار لان الخیار یتغیر به صفة العقد و یتخیر من له الخیار بین فسخه وامضائه والخبر لایتصور فیه ذلک ۱۲ زیلعی بتغیر.

باب الا ستثناء و ما فی معناہ

باب استثناء وہم معنائے استثناء کے بیان میں

صَحَّ اِسْتِثْنَاءُ بَعْضِ مَا اَقَرَّ بِهٖ مُتَّصِلاً وَلَزِمَهُ الْبَاقِي لاَ اِسْتِثْنَاءُ الْكُلِّ وَصَحَّ اِسْتِثْنَاءُ الْكَيْلِيِّ وَالْوَزْنِيِّ

صحیح ہے استثناء بعض کا اس میں سے جس کا اقرار کیا ہے متصلا اور لازم ہوگا اس پر باقی نہ کہ کل کا استثناء اور صحیح ہے استثناء کیلی اور وزنی چیز کا

مِنَ الدَّرَاهِمِ لاَ غَيْرُهُمَا وَلَوْ وَصَلَ بِاِقْرَارِهٖ اِنْشَاءَ اللّٰهُ بَطَلَ اِقْرَارُهُ.

دراہم سے نہ کہ اس کے علاوہ کا اگر ملادے اقرار کیساتھ انشاء اللہ تو باطل ہوجائیگا اس کا اقرار

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** بلا مغیر موجب اقرار کے بیان سے فارغ ہوکر موجب اقرار مع مغیر کو شروع کررہا ہے۔ چند چیزوں سے کچھ نکالنے کے بعد باقی ماندہ کے تکلم ہمارے یہاں استثناء کہتے ہیں۔ اس کی صحت کے لئے مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کے بعد متصلاً مذکور ہونا شرط ہے۔ اگر کچھ وقفہ کے بعد ذکر کرے گا تو صحیح نہ ہوگا الا یہ کہ وقفہ کسی ضرورت کی وجہ سے ہو جیسے دم لینا' کھانسی کا آنا وغیرہ۔

قولہ صح الخ مقر نے جس کا اقرار کیا ہے اس میں سے بعض کا استثناء کرنا صحیح ہے بشرطیکہ متصلاً ہو خواہ استثناء کم کا ہو یا زائد کا ہو اب جو کچھ باقی رہے گا وہ مقر پر لازم ہوگا لیکن کل کا استثناء کرنا صحیح نہیں۔ فاسد ہے (جوہرہ) کیونکہ استثناء کے بعد کچھ نہ کچھ باقی رہنا ضروری ہے۔ فرا نحوی کے نزدیک اکثر کا استثناء صحیح نہیں۔ کیونکہ اہل عرب اس کا تکلم نہیں کرتے۔ امام زفر بھی اسی کے قائل ہیں لیکن اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے۔ اور دلیل جواز یہ آیت ہے۔ " **قم اللیل الا قلیلا نصفه او انقص منه قلیلا او زد علیه**"۔

قولہ وصح الخ اگر کوئی شخص دراہم و دنانیر سے کیل یا وزنی یا غیر متفاوت عددی چیزوں کا استثناء کرے مثلاً یوں کہے "**له علی مائة درهم الاقفیز بر او الادینارا او الا مائة جوز**" تو شیخین کے نزدیک بطریق استحسان صحیح ہے۔ اور اگر ان چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کا استثناء کرے مثلاً یوں کہے **له علی مائة درهم الاثوبا او شاة او دارا** تو استثناء صحیح نہیں۔ امام زفر کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح نہیں۔ مقتضائے قیاس بھی یہی ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک دونوں صورتوں میں صحیح ہے۔ امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ استثناء اس کو کہتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہو تو مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل رہے اور یہ چیز خلاف جنس کی صورت میں ہو نہیں سکتی اس لئے دراہم و دنانیر سے ان کے غیر کا استثناء صحیح نہیں' امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان سے کیلی چیز کا استثناء ہو یا غیر کیلی چیز کا بہر دو صورت مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ مالیت کے اعتبار سے متحد الجنس ہیں لہٰذا استثناء صحیح ہے۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ کیلی' وزنی' معدود مذکور دراہم اور دنانیر گو صورۃً اجناس مختلفہ ہیں لیکن معنیً جنس واحد ہیں کیونکہ یہ سب ثمن ہوکر ثابت فی الذمہ ہوتے ہیں لہٰذا اس کا استثناء صحیح ہے بخلاف غیر کیلی یعنی ثوب' شاۃ' دار وغیرہ کے کہ ان کی مالیت معلوم نہیں کیونکہ یہ اشیاء فی نفسہ قیمت کے لحاظ سے متفاوت ہوتی ہیں تو ان کے استثناء سے مجہول کا استثناء معلوم سے لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں۔

وَلَوْ اِسْتَثْنَى الْبِنَاءَ مِنَ الدَّارِ فَهُمَا لِلْمُقَرِّ لَهٗ وَاِنْ قَالَ بِنَاؤُهَا لِي وَالْعَرْصَةُ لَکَ فَكَمَا قَالَ

اگر استثناء کیا عمارت کا مکان سے تو دونوں مقرلہ کے ہوں گے اگر کہے اس کی عمارت میری ہے اور صحن تیرا تو یہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا

وَلَوْ قَالَ عَلَيَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ لَمْ اَقْبِضْهُ فَاِنْ عَيَّنَ الْعَبْدَ وَسَلَّمَهٗ اِلَيْهِ لَزِمَهُ الْاَلْفُ

اگر کہا کہ مجھ پر ہزار ہیں غلام کے ثمن کے جو میں نے ابھی نہیں لیا پس اگر غلام معین کردیا اور مقرلہ نے اس کے حوالہ کردیا تو ہزار لازم ہوں گے

عہ...... ہذا اذا کان الاستثناء بلفظ المستثنیٰ منہ بان یقول علی عشرة او یقول ہولاء احرار الا ہولاء واما اذا کان بخلاف لفظہ مثل ان یقول عبیدی احرار الا ہولاء او یقول نسائی طوالق "الا زینب وعمرة وفاطمة ولا نساء لہ غیر المستثنیٰ صح الاستثناء وان اتی علی الکل ۱۲

وَاِلَّا لَا وَاِنْ لَمْ یُعَیِّنْ لَزِمَهُ الْاَلْفُ كَقَوْلِهٖ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ وَلَوْ قَالَ مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ اَوْ اَقْرَضَنِی

ورنہ نہیں اور اگر معین نہ کیا تو ہزار لازم ہو گئے جیسے یوں کہے کہ شراب یا خنزیر کے ثمن کے ہیں اور اگر کہا کہ اسباب کے ثمن کے ہیں یا مجھے قرض دیئے تھے

وَهِیَ زُیُوْفٌ اَوْ بنهرجَةٌ لَزِمَهُ الْجِیَادُ بِخِلَافِ الْغَصْبِ وَالْوَدِیْعَةِ وَلَوْ قَالَ اِلَّا اَنَّهٗ یَنْقُصُ كَذَا مُتَّصِلًا صُدِّقَ

مگر وہ کھوٹے یا غیر مروج تھے تو کھرے لازم ہوں گے بخلاف غصب اور ودیعت کے اگر کہا مگر اتنے کم ہیں متصلا تو تصدیق کی جائیگی ورنہ نہیں،

وَاِلَّا لَا وَمَنْ اَقَرَّ بِغَصْبِ ثَوْبٍ وَجَاءَ بِمَعِیْبٍ صُدِّقَ وَاِنْ قَالَ اَخَذْتُ مِنْكَ اَلْفًا وَدِیْعَةً وَهَلَكَتْ

جس نے اقرار کیا کپڑا چھین لینے کا اور لایا عیب دار تو تصدیق کیجائیگی اگر کہے کہ میں نے تجھ سے ہزار امانۃ لئے تھے اور وہ ہلاک ہو گئے

وَقَالَ اَخَذْتَهَا غَصْبًا فَهُوَ ضَامِنٌ وَاِنْ قَالَ اَعْطَیْتَنِیْهَا وَدِیْعَةً وَقَالَ غَصَبْتَنِیْهَا

اور مقرلہ کہے کہ تو نے چھین لئے تھے تو وہ ضامن ہوگا اگر کہے کہ تو نے مجھے ہزار امانۃ دیئے تھے اور وہ کہے کہ تو نے غصب کئے تھے تو ضامن نہ ہوگا

وَاِنْ قَالَ هٰذَا كَانَ وَدِیْعَةً لِیْ عِنْدَكَ فَاَخَذْتُهٗ فَقَالَ هُوَ لِیْ اَخَذَهٗ

اگر کہے کہ یہ امانت تھی میری تیرے پاس سو میں نے لے لی اور وہ ہے کہ میری ہے تو لے سکتا ہے

وَاِنْ قَالَ اٰجَرْتُ بَعِیْرِیْ اَوْ ثَوْبِیْ هٰذَا فُلَانًا فَرَكِبَهٗ اَوْ لَبِسَهٗ فَرَدَّهٗ فَالْقَوْلُ لِلْمُقِرِّ

اگر کہا کہ کرایہ پر دیا تھا میں نے اپنا یہ اونٹ یا کپڑا فلاں کو پس وہ اس پر سوار ہوا یا اس نے پہنا اور مجھے لوٹا دیا تو قول مقر کا ہوگا

وَلَوْ قَالَ هٰذَا الْاَلْفُ وَدِیْعَةُ فُلَانٍ لَا بَلْ وَدِیْعَةٌ لِفُلَانٍ فَالْاَلْفُ لِلْاَوَّلِ وَعَلَى الْمُقِرِّ مِثْلُهٗ لِلثَّانِیْ.

اگر کہے کہ یہ ہزار امانت ہے فلاں کی نہیں بلکہ امانت ہے فلاں کی تو ہزار اول کے لئے ہوں گے اور مقر پر اسی قدر ثانی کے لئے ہوں گے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو قال الخ زید نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے ہزار درہم ہیں اس غلام کی قیمت کے جس پر میں نے ہنوز قبضہ نہیں کیا تو اس کی چند صورتیں ہیں (۱) مقر نے غلام کو معین کر دیا اور مقرلہ نے اس کی تصدیق کر کے غلام اس کے حوالہ کر دیا۔ یہ صورت کتاب میں مذکور ہے اس کا حکم یہ ہے کہ مقر پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ جو چیز مقر اور مقرلہ کے باہمی تصادق سے ثابت ہو وہ ایسی ہوتی ہے جیسے معاینۃً ثابت ہو (۲) مقرلہ نے مقر کے جواب میں کہا کہ غلام تو تیرا ہے میں نے یہ غلام تیرے ہاتھ نہیں بیچا بلکہ ایک اور غلام بیچا تھا جس کو میں تیرے حوالہ بھی کر چکا اس صورت میں بھی مقر پر مال لازم ہوگا کیونکہ وہ مال کا اقرار کر چکا اور غلام صحیح سالم موجود بھی ہے پس حصول مقصود یعنی سلامتی عبد کے بعد اختلاف سبب کا اعتبار نہ ہوگا۔ (۳) مقرلہ نے مقر سے کہا کہ یہ غلام تو میرا ہے میں نے تیرے ہاتھ فروخت ہی نہیں کیا۔ اس صورت میں مقر پر مال لازم نہ ہوگا کیونکہ اس نے جو مال کا اقرار کیا ہے وہ بعوض غلام کیا ہے تو غلام کے بغیر مال لازم نہ ہوگا۔ (۴) مقرلہ نے مقر سے کہا کہ یہ غلام میرا ہے میں نے اس کو تیرے ہاتھ فروخت نہیں کیا بلکہ ایک اور غلام فروخت کیا تھا۔ تو اس صورت میں دونوں قسم کھائیں گے۔ اور قسم کے بعد مال باطل ہو جائیگا۔ اور غلام جس کے قبضہ میں ہو اسی کا ہوگا۔ کیونکہ یہاں ان میں سے ہر ایک مدعی بھی ہے۔ اور منکر بھی ہے۔ مقر مقرلہ پر اس غلام کی تسلیم کا مدعی ہے جس کو اس نے معین کیا ہے۔ اور مقرلہ اس کا منکر ہے۔ نیز مقرلہ مقر پر دوسرے غلام کی بیع کے عوض کا مدعی ہے۔ اور مقر اس کا منکر ہے لہٰذا دونوں قسم کھائیں گے۔ یہ چاروں صورتیں اس وقت ہیں جب مقر نے غلام کو معین کر دیا ہو۔ اور اگر معین نہ کیا ہو تو امام صاحب کے نزدیک مقر پر ہزار درہم لازم ہوں گے۔ اور اس کا یہ کہنا کہ میں نے ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا مسموع نہ ہوگا۔ خواہ اس نے یہ متصلاً کہا ہو یا منفصلاً۔ کیونکہ اس کا یہ کہنا اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ امام زفر اور حسن بن زیاد بھی اسی کے قائل ہیں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے متصلاً کہا تب تو اس کی تصدیق ہوگی اور مال لازم نہ ہوگا ورنہ تصدیق نہ ہوگی الا یہ

کہ مقرلہ سبب وجوب میں اس کی تصدیق کردے کہ اس صورت میں بھی مقر کی تصدیق کیجائے گی۔ **ووجهه انه بيان تغيير فيصح موصولاً لا مفصولاً۔**

قوله كقوله الخ زید نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے ایک ہزار درہم ہیں جو شراب یا خنزیر کی قیمت کے ہیں۔ تو امام صاحب کے نزدیک زید پر ہزار درہم لازم ہیں من ثمن خمر متصلاً کہے یا منفصلاً وجہ یہ ہے کہ من ثمن خمر کہنا اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ کیونکہ خمر وخنزیر کا ثمن واجب نہیں۔ اور صدر کلام یعنی کلمۂ علی وجوب پر دال ہے۔ تو یہ اقرار سے رجوع ہوا جو جائز نہیں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے یہ متصلاً کہا تو مال لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے آخر کلام سے یہ بیان کر دیا کہ میرا مقصد ایجاب نہیں ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے **وله علي الف** کے بعد انشاء اللہ کہدے۔ جواب یہ ہے کہ انشاء اللہ کہنا تعلیق ہے اور یہاں ابطال ہے۔

قوله ولو قال الخ ایک شخص نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے ایک ہزار درہم سامان کی قیمت یا قرض کے ہیں مگر وہ کھوٹے یا غیر مروج تھے۔ تو امام صاحب کے نزدیک اس پر کھرے درہم لازم ہوں گے۔ اور اس کا یہ قول کہ کھوٹے یا غیر مروج تھے اصلاً مقبول نہ ہوگا منفصلاً کہے یا مفصلاً، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اتصال کی صورت میں اس کی تصدیق ہوگی۔ کیونکہ لفظ دراہم میں کھرے اور کھوٹے سب کا احتمال ہے مگر بوقت اطلاق کھرے مراد ہوتے ہیں۔ اور جب اس نے وہی زیوف کہہ کر تصریح کر دی تو یہ بیان مغیر ہو گیا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اقرار سے رجوع ہے۔ کیونکہ مطلق عقد صحیح سالم بدل چاہتا ہے۔ اور کھوٹا یا غیر مروج ہونا عیب ہے۔ اور عیب کا دعوی کرنا رجوع کرنا ہے۔

قوله بخلاف الغصب الخ ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں کے ایک ہزار درہم غصب کئے ہیں یا اس نے مجھے بطور ودیعت دیے ہیں مگر وہ کھوٹے یا غیر مروج ہیں تو متصلاً کہے یا منفصلاً ہر طرح اس کی تصدیق ہوگی۔ اس واسطے کہ ودیعت اور غصب مقتضی سلامتی نہیں کیونکہ غاصب جو پاتا ہے چھین بھاگتا ہے اسی طرح مودع کو جو دیا جائے رکھ لیتا ہے۔

قوله وان قال الخ زید نے عمرو کے متعلق اقرار کیا کہ میں نے تجھ سے ایک ہزار درہم بطور ودیعت لئے سو وہ میرے پاس ہلاک ہو گئے۔ عمرو نے کہا نہیں بلکہ تو نے بطریق غصب لئے ہیں تو مقر ضامن ہوگا۔ یعنی زید کو ہزار درہم دینے پڑیں گے اور اگر زید نے عمرو سے یوں کہا کہ تو نے مجھے ایک ہزار درہم بطور ودیعت دیے تھے وہ میرے پاس ہلاک ہو گئے اور عمرو نے جواب میں کہا نہیں بلکہ تو نے مجھ سے غصب کئے ہیں تو اس صورت میں زید ضامن نہ ہوگا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلے میں جب زید نے لینے کا اقرار کیا تو اس پر تاوان آیا اس کے بعد وہ موجب براءۃ (یعنی اذن بالاخذ) کا مدعی ہوا اور مقرلہ (عمرو) اس کا منکر ہے تو مقرلہ کا قول معتبر ہوگا۔ اور دوسرے مسئلے میں اس نے سبب ضمان یعنی اپنے لینے کا اقرار نہیں کیا بلکہ اس کے دینے کا اقرار کیا ہے اور دینا دوسرے کا فعل ہے جو موجب ضمان نہیں تو مقرلہ سبب ضمان کا مدعی ہوا اور مقر منکر تو مقر کا قول معتبر ہوگا اور وہ ضامن نہ ہوگا۔

قوله وان قال هذا الخ زید نے عمرو سے کہا کہ میری یہ چیز تیرے پاس ودیعت تھی سو میں نے تجھ سے لے لی۔ عمرو نے کہا کہ نہیں بلکہ وہ تو میری ہے تو مقرلہ (عمرو) وہ چیز مقر (زید) سے لے لے۔ کیونکہ زید نے اولاً عمرو کے قابض ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے استحقاق کا دعوی کر رہا ہے۔ اور مقرلہ اس کا منکر ہے تو مقرلہ (عمرو) کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر زید نے یوں کہا کہ میں نے اپنا یہ اونٹ یا کپڑا فلاں کو کرایہ پر دیا تھا اس نے کپڑا پہن کر یا اونٹ پر سوار ہو کر مجھے واپس کر دیا اور فلاں نے جواب میں کہا کہ یہ اونٹ یا کپڑا تو میرا ہے تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک مقر کا قول معتبر ہوگا استحساناً۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کا قول معتبر ہوگا جس سے وہ اونٹ یا کپڑا لیا گیا ہے۔ اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے۔ وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اجارہ میں قبضہ استیفاء معقود علیہ یعنی حصول منافع کی ضرورت کے واسطے ہوتا ہے۔ تو قبضہ اسی ضرورت کی حد تک محدود رہے گا۔ اور اس کے ماوراء میں معدوم سمجھا جائے گا۔ پس اجارہ کا اقرار اس کی ملک کی دلیل نہیں ہو سکتی بخلاف ودیعت کے کہ اس میں قبضہ مقصود ہوتا ہے۔ فافترقا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب اقراز المریض

باب بیمار کے اقرار کے بیان میں

دَيْنُ الصِّحَّةِ وَمَا لَزِمَهُ فِي مَرَضِهِ بِسَبَبٍ مَعْرُوفٍ قُدِّمَ عَلٰى مَا اَقَرَّ بِهٖ فِي مَرَضِهٖ وَاُخِّرَ الْاِرْثُ عَنْهُ

دین صحت اور وہ جو لازم ہوا اس کو اس کے مرض میں سبب معروف سے مقدم ہوگا اس پر جس کا اقرار کیا ہو بیماری میں اور مؤخر ہوگی میراث اس سے

وَاِنْ اَقَرَّ الْمَرِيْضُ لِوَارِثِهٖ بَطَلَ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَهُ الْبَقِيَّةُ وَاِنْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِيٍّ صَحَّ وَاِنْ اَحَاطَ بِمَالِهٖ

اگر اقرار کیا مریض نے اپنے وارث کے لئے تو باطل ہے مگر یہ کہ تصدیق کردیں اس کی باقی ورثاء اور اگر اجنبی کے لئے یہ تو صحیح ہے گو وہ گھیر لے اس

وَاِنْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِيٍّ ثُمَّ اَقَرَّ بِبُنُوَّتِهٖ ثَبَتَ نَسَبُهٗ وَبَطَلَ اِقْرَارُهٗ وَاِنْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِيَّةٍ ثُمَّ نَكَحَهَا

کے مال کو اگر اقرار کیا اجنبی کے لئے پھر اقرار کیا اس کے بیٹے ہونے کا تو نسب ثابت ہوگا اور اقرار باطل اگر اقرار یہ اجنبیہ کے لئے پھر اس سے

صَحَّ بِخِلَافِ الْهِبَةِ وَالْوَصِيَّةِ وَاِنْ اَقَرَّ لِمَنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فِيْهِ فَلَهَا الْاَقَلُّ مِنَ الْاِرْثِ

نکاح کرلیا تو صحیح ہے بخلاف ہبہ اور وصیت کے اگر اقرار کیا اس کے لئے جس کو تین طلاقیں دے چکا بیماری میں تو اس کے لئے کمتر ہے میراث

وَ الدَّيْنِ وَاِنْ اَقَرَّ بِغُلَامٍ مَجْهُوْلٍ يُوْلَدُ مِثْلُهٗ لِمِثْلِهٖ اَنَّهٗ اِبْنُهٗ وَصَدَّقَهُ الْغُلَامُ ثَبَتَ نَسَبُهٗ

اور قرض سے اگر اقرار کیا ایسے مجہول النسب بچہ کا کہ اس جیسا اس کے پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور بچہ نے تصدیق کردی تو نسب ثابت ہوجائیگا

وَلَوْ مَرِيْضًا وَيُشَارِكُ الْوَرَثَةَ وَصَحَّ اِقْرَارُهٗ بِالْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجَةِ وَالْمَوْلٰى.

گو مقر بیمار ہو اور شریک ہوگا وہ وارثوں کا صحیح ہے آدمی کا اقرار بچہ کا ماں باپ کا بیوی کا اور آقا کا۔

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** تندرست لوگوں کے اقرار سے فراغت کے بعد اقرار مریض کے احکام بیان کررہا ہے۔ کیونکہ اول اصل ہے اور ثانی عارض وفرع اور فرع کا ذکر اصل کے بعد ہی مناسب ہے۔ پھر اقرار مریض کے بیشتر احکام ایسے ہیں جو مریض ہی کے ساتھ خاص ہیں اس لئے مصنف نے اس کے لئے مستقل باب قائم کیا ہے۔

قولہ دین الصحۃ الخ مریض پر جو دین اس کی تندرستی کے زمانہ کا ہو خواہ گواہوں کے ذریعہ سے معلوم ہو یا اقرار سے، وارث کا دین ہو یا کسی اجنبی کا، عین کا اقرار ہو یا دین کا بہر کیف حالت صحت کا دین مطلقاً اور جو دین اس پر مرض الموت میں اسباب معروفہ کیساتھ لازم ہوا ہو وہ دونوں ہمارے نزدیک اس دین پر مقدم ہونگے جس کا مریض نے اپنے مرض الموت میں اقرار کیا ہے پس اگر اس کا انتقال ہوگیا تو پہلے اس کے ترکہ سے دین صحت اور وہ دین ادا کریں گے جو مرض الموت میں اسباب معروفہ کیساتھ لازم ہوا ہے اس کی بعد جو کچھ مال بچے گا اس سے وہ دین ادا ہوگا جس کا اس نے مرض الموت میں اقرار کیا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دین صحت اور دین مرض دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کا سبب (اقرار) برابر ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ بیشک اقرار دلیل ہے لیکن اس کا دلیل ہونا اس وقت معتبر ہوتا ہے جب دوسرے کا حق باطل نہ ہوتا ہو اور مریض کے اقرار میں دوسرے کا حق باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ غرماء صحت کا حق اس کے مال کیساتھ وابستہ ہوچکا ہے۔ لہٰذا انکا حق مقدم ہے۔

....

ع........لان النسب مما یلزمہ خاصۃ فیصح اقرارہ بہ وشرط ان یولد مثلہ لمثلہ کیلا یکون کذبا فی الظاہر ۱۲

ع........ای صحت ہذہ الاقاریر کلہا لانہ اقر بما یلزمہ ولیس فیہ تحمیل النسب علی الغیر ۱۲ یعنی اگر کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا یا باپ یا ماں یا بی بی یا آزاد کرنیوالا بتائے تو صحیح ہے ۱۲

قولہ واخر الخ اور دیون سہ گانہ میراث پر مقدم ہونے یعنی ورثہ میں میت کا ترکہ اس وقت تقسیم ہوگا جب ہر قسم کا دین ادا ہو چکے تاکہ میت پر آخرت کا مواخذہ باقی نہ رہے۔ **وفیہ اثر ابن عمر قال اذا اقر الرجل فی مرضہ بدین لرجل غیر وارث فانہ جائز وان احاط ذلک بمالہ۔**

قولہ وان اقر المریض الخ اگر مریض اپنے وارث کیلئے کسی عین یا دین کا اقرار کرے تو اقرار صحیح نہیں۔ امام شافعی کا اصح قول یہ ہے کہ اقرار صحیح ہے کیونکہ یہ ایک حق ثابت کا اظہار ہے۔ تو جیسے اجنبی کیلئے اقرار صحیح ہے ایسے ہی وارث کیلئے بھی۔ ہماری دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نہ وارث کیلئے وصیت ہے نہ دین کا اقرار[عہ] نیز اس کے مال سے جمیع ورثہ کا حق وابستہ ہے۔ اور کسی ایک کیلئے اقرار کرنے میں باقی ورثہ کا حق باطل ہوتا ہے۔ لہٰذا جائز نہ ہوگا۔ الا یہ کہ ورثاء اس کی تصدیق کر دیں۔ کیونکہ اقرار کا معتبر نہ ہونا تو انہیں کے حق کیوجہ سے ہے اور جب انہوں نے اس کی تصدیق کر دی تو اقرار معتبر ہو گیا۔ لہٰذا اقرار صحیح ہوگا۔ رہا اجنبی کیلئے اقرار سو وہ اس لئے صحیح ہے کہ اس کو معاملات کی احتیاج ہے اور ورثہ کیساتھ معاملات کا وقوع بہتر کم ہوتا ہے۔ زیادہ تر اجانب ہی کیساتھ ہوتا ہے۔ اور اگر اجنبی کیلئے اس کا اقرار صحیح نہ مانا جائے تو لوگ اس سے معاملات نہ کریں گے اور اس کی ضروریات کا دروازہ بند ہو کر رہ جائے گا۔

قولہ وان اقر لاجنبی الخ مریض نے کسی اجنبی کیلئے اقرار کیا اور پھر اس کی فرزندی کا مدعی ہو گیا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اقرار باطل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ اجنبی مجہول النسب ہو اور مقر کی تصدیق کرے۔ اور تصدیق کرنے کی لیاقت رکھتا ہو۔ **خلافاً للشافعی فی الاصح ومالک اذا لم یتھم الخ** اور اگر مریض کسی اجنبیہ یہ عورت کیلئے اقرار کرنے کے بعد اس سے نکاح کرلے تو اقرار صحیح رہے گا۔ امام زفر کے نزدیک صحیح نہ ہوگا۔ ہمارے یہاں وجہ فرق یہ ہے کہ دعوی نسب وقت علوق (ابتداء پیدائش) کی طرف مسند ہوتا ہے۔ تو اپنے بیٹے کیلئے اقرار ہوا اور یہ جائز نہیں۔ بخلاف زوجیت کے کہ وہ وقت تزوج کی طرف مسند ہوتی ہے تو اقرار اجنبیہ کیلئے ہوا۔ اور یہ صحیح ہے لیکن اگر اجنبیہ کیلئے وصیت کی یا کوئی چیز ہبہ کی پھر اس سے نکاح کر لیا تو وصیت اور ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ اور کیونکہ وصیت بعد الموت تملیک ہوتی ہے اور بعد الموت عورت اس کی وارث ہے لہٰذا وصیت جائز نہ ہوگی۔

قولہ وان اقر لمن طلقھا الخ اگر مرض الموت میں اپنی بیوی کو تین بار طلاق بائن دیدی پھر اس کے لئے اقرار کیا تو میراث اور اقرار میں سے جو کمتر ہو وہ عورت کو ملے گا۔ کیونکہ یہاں زوجین اقرار میں متہم ہو سکتے ہیں بایں معنی کہ زمانہ عدت موجود ہے اور باب اقرار مسدود تو ممکن ہے اس نے میراث سے زیادہ دلانے کیلئے طلاق پر اقدام کیا ہو اور کمتر مقدار میں تہمت کا امکان نہیں لہٰذا کمتر مقدار ثابت ہوگی۔

فائدہ: طلاق بائن کی قید اس لئے لگائی کہ طلاق رجعی میں تو وہ اس کی زوجہ ہی رہتی ہے۔ مگر حکم مذکور کیلئے یہ شرط ہے کہ مقر اثناء عدت میں مر گیا ہو اگر عدت کے بعد مرا تو اقرار صحیح ہوگا۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ شوہر نے عورت کی طلب پر طلاق دی ہو اگر طلاق بلا طلب ہو تو عورت کو میراث ملے گی اور اس کے لئے اقرار صحیح نہ ہوگا۔

وَاِقْرَارُهَا بِالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجِ وَالْمَوْلٰى وَبِالْوَلَدِ اِنْ شَهِدَتْ قَابِلَةٌ اَوْ صَدَّقَهَا زَوْجُهَا وَلَا بُدَّ مِنْ تَصْدِيْقِ هٰؤُلَاءِ

اور صحیح ہے عورت کا اقرار کسی کے متعلق ماں یا باپ یا شوہر یا آقا یا بیٹا ہونے کا بشرطیکہ گواہی دے دائی یا تصدیق کرے اس کی اس کا شوہر اور ضروری ہے

وَصَحَّ التَّصْدِيْقُ بَعْدَ مَوْتِ الْمُقِرِّ اِلَّا تَصْدِيْقُ الزَّوْجِ بَعْدَ مَوْتِهَا وَاِنْ اَقَرَّ بِنَسَبِ نَحْوِ الْاَخِ وَالْعَمِّ

ان سب کی تصدیق اور صحیح ہے تصدیق کرنا مقر کی موت کے بعد مگر شوہر کی تصدیق زوجہ کی موت کے بعد اگر اقرار کیا بھائی یا چچا وغیرہ کے نسب کا

عہ..... دار قطنی (مرسلاً) ابو نعیم (فی تاریخہ) عن جابر (مسنداً) ۱۲، عہ..... واما الھبۃ فھی فی المرض وصیۃ ۱۲

لَمْ يَثْبُتْ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَارِثٌ غَيْرُهُ قَرِيْبٌ اَوْ بَعِيْدٌ وَرِثَهُ وَاِنْ كَانَ لاَ وَمَنْ مَاتَ اَبُوْهُ فَاَقَرَّ بِاَخٍ

تو ثابت نہ ہوگا پس اگر نہ ہواس کا کوئی اور وارث نہ قریبی نہ بعیدی تو وارث ہوگا اس کا اور اگر ہو تو نہیں جس کا مرگیا باپ اور وہ اقرار کرے بھائی کا

شَرِكَهُ فِي الْاِرْثِ وَلَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ وَاِنْ تَرَكَ اِبْنَيْنِ وَلَهُ عَلٰى اٰخَرَ مِائَةٌ

تو شریک ہوگا اس کا وراثت میں اور نہ ثابت ہوگا اس کا نسب اگر چھوڑے دو بیٹے اور کسی پر اس کے سو ہیں

فَاَقَرَّ اَحَدُهُمَا بِقَبْضِ اَبِيْهِ خَمْسِيْنَ مِنْهَا فَلاَ شَيْءَ لِلْمُقِرِّ وَلِلْاٰخَرِ خَمْسُوْنَ

اور ان میں سے ایک اقرار کرے کہ باپ نے اس سے پچاس لے لئے تھے تو مقر کیلئے کچھ نہ ہوگا اور دوسرے کے لئے پچاس ہوں گے۔

تشریح الفقہ: قوله ولا بدالخ صحت اقرار کیلئے اشخاص مذکورین کی تصدیق ضروری ہے۔ یعنی جب مرد نے اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے یا یہ میرے والدین ہیں۔ یا یہ میری بیوی ہے تو ان لوگوں کی تصدیق ضروری ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنی ذات کے تصرف میں مستقل ہے۔ تو غیر کا اقرار ان کو لازم نہیں۔

قوله وصح التصديق الخ ایک شخص نے نسب کا یا نکاح کا اقرار کیا اور اس کا انتقال ہو گیا اس کے انتقال کے بعد مقر لہ نے اس کی تصدیق کی تو تصدیق صحیح ہوگی۔ کیونکہ نسب موت کے بعد تک باقی رہتا ہے۔ اسی طرح نکاح بھی عورت کے حق میں باقی رہتا ہے۔ کیونکہ اس پر عدت واجب ہوتی ہے جو نکاح کے آثار میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ وہ عورت اپنے مردہ شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔ لیکن اگر عورت نے زوجیت کا اقرار کیا اور اس کے مرنے کے بعد شوہر نے اس کی تصدیق کی تو امام صاحب کے نزدیک تصدیق صحیح نہ ہوگی، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت میں بھی تصدیق صحیح ہے اسواسطے کہ نسب کی طرح نکاح بھی موت سے باطل نہیں ہوتا باقی رہتا ہے۔ اسی لئے شوہر اسکا وارث ہوتا ہے۔ نیز اگر شوہر اسکے مرنے کے بعد نکاح پر بینہ قائم کرے تو بینہ مقبول ہوتا ہے اگر وراثت کے حق میں نکاح باقی نہ ہوتا تو بینہ مقبول نہ ہوتا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ نکاح تو موت کیوجہ سے منقطع ہو چکا رہا حکم وراثت سو وہ تو موت کے بعد ثابت ہوتا ہے اور نکاح ان احکام کے حق میں منتہی ہو چکتا ہے جو قبل الموت ہوں۔

قوله وان ترک الخ ایک شخص دو بیٹے چھوڑ کر مر گیا جسکے کسی دوسرے پر سو درہم تھے۔ اب بیٹوں میں سے ایک نے اقرار کیا کہ میرا باپ ان سو میں سے پچاس وصول کر چکا تھا تو یہ اقرار مقر قبض فرزند کے حصہ کی طرف راجع ہوگا اور اسکو کچھ نہ ملے گا اور دوسرے فرزند کو پچاس درہم ملیں گے۔

---

(۱) ای وصح اقرار المرأة لهؤلاء باحد شرطين اشارالى الاول بقوله ان شهدت والى الثانى بقوله اوصدقها ۱۲

(۲) لان فيه حمل النسب على الغير فلا يجوزبدون البينة الا فى حق نفسه ۱۲

(۳) لان النسب لم يثبت باقراره فلا يستحق الميراث مع الوارث ۱۲

(۴) لان اقراره تضمن شيأمن حمل النسب على الغير ولا ولاية له عليه فلا يثبت النسب والا شتراک فى المال وله فيه والا ية فيثبت ۱۲ هدايه

عه......بعد حلفه انه لا يعلم ان اباه قبض شطر المأة ۱۲

کتاب الصلح

هُوَ عَقْدٌ يَرْفَعُ النِّزَاعَ وَهُوَ جَائِزٌ بِاِقْرَارٍ وَسُكُوْتٍ وَاِنْكَارٍ

وہ ایک عقد ہے جو دور کرے جھگڑا اور وہ جائز ہے اقرار اور سکوت اور انکار تینوں سے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کتاب الاقرار کے بعد کتاب الصلح لا رہا ہے۔ وجہ مناسبت ظاہر ہے۔ کیونکہ مقر کا انکار باعث نزاع ہوتا ہے۔ اور نزاع مستدعی صلح، صلح لغۃً مصالحہ مصدر کا اسم ہے جو صلاح ضد فساد سے مشتق ہے۔ شریعت میں صلح اس عقد کو کہتے ہیں جو رافع نزاع اور قاطع خصومت ہو یعنی جو عقد جھگڑے کو مٹادے اس کو صلح کہتے ہیں۔ جس پر صلح واقع ہوا اسکو مصالح عنہ کہتے ہیں۔ مثلاً زید نے خالد پر ایک مکان کا دعوی کیا خالد نے کہا کہ مجھ سے ایک سو درہم لے لے اور مکان کا دعوی چھوڑ دے تو سو درہم مصالح علیہ ہے اور مکان مصالح عنہ۔

قولہ و هو جائز الخ صلح کی تین قسمیں ہیں صلح مع الاقرار، صلح مع الانکار، صلح مع السکوت۔ صلح کی تینوں قسمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہیں۔ امام مالک اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں لیکن امام شافعی کے یہاں صرف پہلی قسم صحیح ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے مگر وہ صلح جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرے،، وجہ استدلال یہ ہے کہ صلح مع الانکار اور صلح مع السکوت میں حرام کو حلال یا حرام کو حلال کرنا جس کی اس حدیث میں نفی کی گئی ہے موجود ہے۔ اسواسطے کہ اگر مدعی حق پر ہے تو اس کے لئے مدعا بہ کو قبل از صلح لینا حرام ہے۔ اور بعد از صلح حرام اور اگر وہ باطل پر ہے تو باطل دعوی کے ذریعہ قبل از صلح مال لینا حرام ہے اور بعد از صلح حلال۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت "والصلح خیر،، اور آغاز حدیث مذکور "الصلح جائز بین المسلمین مطلق ہے جو صلح کی تینوں قسموں کو شامل ہے۔ رہا حدیث کا آخری ٹکڑا یعنی الا صلحا احل حراماً او حرم حلالا" تو اسکا مطلب یہ ہے کہ جو صلح حرام لعینہ کی حلت کو مستلزم ہو جیسے شراب پر صلح کرنا یا حلال لعینہ کی حرمت کو مستلزم ہو جیسے عورت کا اس امر پر صلح کرنا کہ شوہر اس کی سوکن کے ساتھ صحبت نہ کریگا ایسی صلح جائز نہیں۔

فَاِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ بِاِقْرَارٍ اُعْتُبِرَ بَيْعًا فَيَثْبُتُ فِيْهِ الشُّفْعَةُ وَالرَّدُّ بِالْعَيْبِ وَخِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَالشَّرْطِ

پس اگر واقع ہو مال سے مال پر اقرار کے ساتھ تو اس کو بیع اعتبار کیا جائیگا کہ ثابت ہوگا اس میں شفعہ اور عیب کی وجہ سے واپس کرنا اور خیار رویت اور شرط

وَتُفْسِدُهٗ جِهَالَةُ الْبَدَلِ لَا جِهَالَةُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ وَاِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ اَوْ كُلُّهٗ رَجَعَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ

اور فاسد کر دیتا ہے اس کو بدل کا مجہول ہونا نہ کہ مصالح عنہ کا مجہول ہونا اگر کسی اور کا نکل آئے کچھ مصالح عنہ یا کل تو لے لے مدعی علیہ سے اتنا ہی عوض

بِحِصَّةِ ذٰلِكَ مِنَ الْعِوَضِ اَوْ بِكُلِّهٖ وَلَوِ اسْتُحِقَّ الْمُصَالَحُ عَلَيْهِ اَوْ بَعْضُهٗ رَجَعَ بِكُلِّ الْمُصَالَحِ عَنْهُ اَوْ بِبَعْضِهٖ

یا کل عوض اور اگر نکل آئے کسی اور کا کل مصالح علیہ یا اس کا کچھ تو لے لے کل مصالح عنہ یا اس کا کچھ حصہ

ع......ابو دائود، ابن حبان، حاکم عن ابی هریرة، تر مذی، ابن ماجه، حاکم عن عمرو بن عوف ۱۲. عه......حمله عن هذا لاحق لان امام الحرام المطلق ما هو حرام لعينه والحلال المطلق ما هو حلال لعينه وما ذكره الشافعي غير متحمل اذا الصلح مع الاقرار لايخلو عن ذلك فان الصلح يقع على بعض الحق عادةً فمازاد على الماخوذ الى تمام الحق كان حلالاً للمدعى اخذه قبل الصلح وحرام بالصلح وكان حراماً على المدعى عليه منعه قبل الصلح وقد حل بالقلح (نتائج الافكار) ولان الصلح عن انكار اوسكوت صلح بعد دعوى صحيحة فيقضي بجوازه لان المدعى يا خذه عوضاً عن حقه فى زعمه وهو مشروع والمدعىٰ عليه يد فعه لدفع الخصومة عن نفسه وهوا يضاً مشروع لان المال خلق لصيانة الانفس عن المهالك والمفاسد ودفع الضرر امرجائز ۱۲ شرح نقايه.

وَاِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَنْفَعَةٍ اُعْتُبِرَ اِجَارَةً فَيُشْتَرَطُ التَّوْقِيْتُ وَيَبْطُلُ بِمَوْتِ اَحَدِهِمَا

اور اگر واقع ہو صلح مال سے منفعت پر تو اعتبار کیا جائیگا اس کو اجارہ پس شرط ہوگی مدت کی تعیین اور باطل ہو جائیگی کسی ایک کے مرنے سے

وَالصُّلْحُ عَنْ سُكُوْتٍ وَاِنْكَارٍ فِدَاءٌ لِلْيَمِيْنِ فِي حَقِّ الْمُنْكِرِ وَمُعَاوَضَةٌ فِي حَقِّ الْمُدَّعِي فَلَاشُفْعَةَ اِنْ صَالَحَا

اور صلح سکوت سے یا انکار سے فدیہ ہے قسم کا منکر کے حق میں اور معاوضہ ہے مدعی کے حق میں پس شفعہ نہ ہوگا اگر صلح کی مکان سے سکوت یا انکار کے ساتھ

عَنْ دَارٍ بِهِمَا وَتَجِبُ لَوْصَالَحَا عَلٰى دَارٍ بِهِمَا وَلَوْ اسْتُحِقَّ الْمُتَنَازَعُ فِيْهِ رَجَعَ الْمُدَّعِي بِالْخُصُوْمَةِ وَرَدَّ

اور شفعہ ہوگا اگر صلح کی مکان پر انکار یا سکوت کیساتھ اگر کسی اور کی نکل آئی متنازع فیہ چیز تو جھگڑ سکتا ہے مدعی اور واپس کردے بدل

الْبَدَلَ وَلَوْبَعْضُهُ فَبِقَدْرِهٖ وَلَوْ اسْتُحِقَّ الْمُصَالَحُ عَلَيْهِ اَوْ بَعْضُهُ رَجَعَ اِلَى الدَّعْوٰى فِي كُلِّهٖ اَوْ بَعْضِهٖ

اور اگر کچھ کسی اور کی نکلے تو واپس کرے بدل اسی قدر اگر کسی اور کا نکلا کل مصالح علیہ یا کچھ تو کل دعوی کرے یا بعض

وَهَلَاكُ بَدَلِ الصُّلْحِ قَبْلَ التَّسْلِيْمِ كَاسْتِحْقَاقِهٖ فِي الْفَصْلَيْنِ.

اور ہلاک ہوجانا بدل صلح کا حوالے کرنے سے پہلے مستحق نکل آنے کے مانند ہے دونوں صورتوں میں۔

تفصیل احکام صلح

تشریح الفقہ: قولہ فان وقع الخ اگر صلح مال سے مال کے مقابلہ میں مدعی علیہ کے اقرار کیساتھ واقع ہو تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہوگی کیونکہ اس میں معنی بیع یعنی متعاقدین کے حق میں مبادلہ مال بالمال موجود ہے لہٰذا اس میں بیع کے احکام جاری ہونگے تو اگر صلح ایک مکان کی دوسرے ثابت سے ہوئی تو دونوں گھروں میں حق شفعہ ثابت ہوگا اور اگر بدل صلح مثلاً غلام ہوں اور اس میں کوئی عیب پایا جائے تو اس کو واپس کردینا جائز ہوگا۔ نیز اگر بوقت صلح مصالح علیہ کو نہیں دیکھ سکا تو دیکھنے کے بعد پھیر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر صلح میں کوئی ایک اپنے لئے تین دن تک خیار شرط لینا چاہے تو وہ اس کا حقدار ہوگا۔ نیز بدل صلح کا مجہول ہونا مبطل صلح ہوگا کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے بیع میں ثمن مجہول ہو کہ وہ مبطل بیع ہے۔ ہاں مصالح عنہ کا مجہول ہونا قادح صلح نہیں۔ اس لئے کہ وہ مدعی علیہ کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے اور ساقط کی جہالت باعث نزاع نہیں۔

قولہ وان استحق الخ اگر صلح عن الاقرار میں مدعا یعنی مصالح عنہ کسی دوسرے کا نکل آئے تو مدعی اس کے حصہ کے بقدر عوض یعنی بدل صلح مدعا علیہ (مصالح) کو واپس کردے۔ اور اگر مصالح علیہ یعنی بدل صلح کسی دوسرے کا نکل آئے مدعی اسی کے بقدر مدعی علیہ سے واپس لے لے۔ کیونکہ صلح درحقیقت بیع کی طرف معاوضہ مطلقہ ہے۔ اور معاوضہ کا حکم یہی ہے کہ بوقت استحقاق رجوع بقدر مستحق ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ زید نے ایک مکان کا دعوی کیا جو عمرو کے قبضہ میں ہے۔ اور عمرو نے اقرار کے بعد زید سے ایک سو درہم پر صلح کرلی پھر نصف مکان یا کل مکان کسی دوسرے کا نکل آیا تو عمرو زید سے پہلی صورت میں پچاس اور دوسری صورت میں ایک سو درہم واپس لے گا۔ اسی طرح اگر بدل صلح کہ دوسرے کا نکل آئے تو مدعی یعنی زید مدعی علیہ یعنی عمرو سے واپس لے لیگا۔

قولہ عن مال بمنفعة الخ اور اگر صلح عن المال بمقابلہ منفعت واقع ہو مثلاً زید نے عمرو پر کسی چیز کا دعوی کیا اور عمرو نے اس کا اقرار کرلیا۔ پھر عمرو نے زید کیساتھ اپنے گھر میں ایک سال تک رہنے یا اپنی سواری پر سوار ہونے یا اپنا کپڑا پہننے یا اپنے غلام سے خدمت حاصل کرنے یا اپنی زمین کاشت کرنے پر صلح کرلی تو اس کا حکم اجارہ کے مانند ہے کہ جیسے اجارہ میں استیفاء منفعت کی مدت مقرر کرنا شرط ہے

---

(۱) لانہ خلا العوض فی ہذا القدر عن غرض المدعی علیہ ۱۲۔ (۲) ای فی الصلح عن اقرار الصلح عن انکار وسکوت ففی صورۃ الاقرار اذا اہلک بدل الصلح یرجع المدعی المدعی علیہ بکل المصالح عنہ او ببعضہ وفی صورۃ السکوت والانکار یرجع بالدعوی فی کلہ او بعضہ ۱۲

اسی طرح اس میں بھی شرط ہے۔ اور جیسے اجارہ احد المتعاقدین کی موت سے باطل ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی یہ بھی باطل ہو جائے گی۔

قوله والصلح عن سکوت الخ اور اگر صلح مدعی علیہ کے سکوت یا اس کے انکار سے ہو تو یہ مدعی کے حق میں معاوضہ اور مدعی علیہ کے حق میں قطع نزاع اور قسم کا فدیہ ہوتا ہے مدعی کے حق میں معاوضہ اس لئے ہے کہ وہ بزعم خود اپنے حق کا عوض لیتا ہے۔ اور مدعی علیہ کے حق میں یمین کا فدیہ ہونا اس لئے ہے کہ اگر صلح واقع نہ ہوتی تو مدعی علیہ پر قسم لازم آتی اور جھگڑا ہوتا۔ پس مدعی علیہ کے انکار سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ بطریق صلح جو کچھ دے رہا ہے وہ جھگڑا مٹانے کے غرض سے دے رہا ہے۔

قوله فلا شفعة الخ مدعی کے حق میں صلح مذکور کے معاوضہ ہونے اور مدعی علیہ کے حق میں فدیہ یمین ہونے پر متفرع ہے۔ مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر گھر کا دعوی کیا اور مدعی علیہ نے انکار کیا یا وہ خاموش رہا۔ پھر اس نے کچھ دیکر گھر کے معاملہ میں صلح کرلی تو اس گھر میں شفعہ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ مدعی علیہ اس کو اپنے اصلی حق کی بنا پر لے رہا ہے۔ نہ یہ کہ وہ اس سے خرید رہا ہے۔ اور اگر مدعی نے مال کا دعوی کیا۔ اور مدعی علیہ نے ایک گھر دیکر صلح کرلی تو اس میں شفعہ واجب ہوگا کیونکہ مدعی اس کو اپنے مال کا عوض سمجھ کر لے رہا ہے تو یہ اس کے حق میں معاوضہ ہوا لہٰذا شفعہ واجب ہوگا۔

قوله التنازع فيه الخ مسئلہ یہ ہے کہ عمرو کے قبضہ میں ایک مکان ہے۔ زید نے اس کا دعوی کیا کہ یہ میرا ہے۔ عمرو نے اس کا انکار کیا یا وہ خاموش رہا۔ پھر اس نے ایک سو درہم دیکر صلح کرلی اس کے بعد وہ مکان کسی اور کا نکل آیا۔ تو زید نے عمرو سے جو ایک سو درہم لئے تھے وہ اس کو واپس کرکے مستحق سے خصومت کرے۔ کیونکہ عمرو نے زید کو ایک سو درہم اس لئے دیے تھے تاکہ جھگڑا مٹ جائے اور اس کے پاس مصالح عنہ بلا خصومت باقی رہے۔ اور جب وہ دوسرے کا مملوک نکل آیا تو اس کا مقصد حاصل نہ ہوا نیز یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ عمرو کیساتھ زید کی خصومت بیجا تھی لہٰذا وہ ایک سو درہم واپس لیگا اور زید مستحق سے جھگڑے گا۔ کیونکہ اب وہ مدعی علیہ کے قائم مقام ہے۔

قوله ولو استحق الخ اور اگر مصالح علیہ یعنی بدل صلح میں کسی کا استحقاق ثابت ہو جائے تو مدعی اپنے دعوی کی طرف رجوع کرلے یعنی پھر سے دعوی دائر کرے۔ اگر تمام بدل صلح دوسرے کا ثابت ہو تو کل مصالح عنہ کا دعوی کرے اور بعض کا ہو تو بعض کیونکہ مدعی نے جو اپنے دعوی کو ترک کیا ہے وہ اسلئے کیا ہے تاکہ اس کے قبضہ میں بدل صلح صحیح سالم آئے اور جب وہ دوسرے کا ٹھہرا تو وہ مبدل یعنی دعوی کی طرف رجوع کرلے گا۔

فَصْلٌ: اَلصُّلْحُ جَائِزٌ مِنْ دَعْوَى الْمَالِ وَالْمَنْفَعَةِ وَالْجِنَايَةِ بِخِلَافِ الْحَدِّ وَمِنَ النِّكَاحِ وَالرِّقِّ فَكَانَ خُلْعًا

(فصل) صلح جائز مال اور منفعت اور جنایت کے دعوے سے بخلاف حد کے اور نکاح اور غلام بنانے کے دعوے سے پس ہوگی یہ صلح خلع اور آزادی

وَعِتْقًا عَلٰى مَالٍ وَاِنْ قَتَلَ الْعَبْدُ الْمَاذُوْنُ رَجُلًا عَمَدًا لَمْ يَجُزْ صُلْحُهٗ عَنْ نَفْسِهٖ وَاِنْ قَتَلَ عَبْدٌ لَهٗ رَجُلًا عَمَدًا

مال پر اگر قتل کردیا عبد ماذون نے کسی کو جان بوجھ کر تو جائز نہیں اس کا صلح کرنا اپنی طرف سے اور اگر قتل کردے عبد ماذون کا غلام کسی کو عمداً تو اس کی

فَصَالَحَ عَنْهُ جَازَ وَلَوْ صَالَحَ عَنِ الْمَغْصُوْبِ الْمُتْلَفِ بِمَا زَادَ عَلٰى قِيْمَتِهٖ اَوْ عَلٰى عَرْضٍ صَحَّ وَلَوْ اَعْتَقَ مُوْسِرٌ

طرف سے صلح کرسکتا ہے اگر صلح کی چھینی ہوئی ہلاک شدہ شیٔ کی طرف سے اس کی قیمت سے زائد پر یا کسی سامان پر تو صحیح ہے اگر آزاد کیا مالدار

عَبْدًا مُشْتَرَكًا فَصَالَحَهُ الشَّرِيْكُ عَلٰى اَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ قِيْمَتِهٖ لَا وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا بِالصُّلْحِ عَنْهُ

شریک نے مشترک غلام اور صلح کی اس سے دوسرے شریک نے اس کی نصف قیمت سے زائد پر تو صحیح نہیں اگر وکیل کیا کسی کو صلح کرنے کا اپنی طرف سے

وکذا فی السکوت لانہ یحتمل الاقرار والانکار وعلی تقدیر الاقرار یکون عوضا وعلی تقدیر الانکار لا یکون فلا یثبت کونہ عوضا بالشک ۱۲

فَصَالَحَ لَمْ يَلْزَمِ الْوَكِيلَ مَاصَالَحَ عَلَيْهِ مَالَمْ يَضْمَنْهُ بَلْ يَلْزَمُ الْمُوَكِّلَ

اور اس نے صلح کرلی تو لازم نہ ہوگا وکیل پر وہ جس پر صلح کی ہے جب تک کہ وہ اس کا ضامن نہ ہو بلکہ مؤکل پر لازم ہوگا

وَاِنْ صَالَحَ عَنْهُ بِلاَ اَمْرٍ صَحَّ اِنْ ضَمِنَ الْمَالَ اَوْ اَضَافَ اِلٰى مَالِهٖ

اور اگر صلح کرے اس کی طرف سے بلاحکم تو صحیح ہے اگر ضامن ہوجائے مال کا یا نسبت کرے اس کی اپنے مال کی طرف

اَوْ قَالَ عَلَيَّ اَلْفٌ وَسَلَّمَ وَاِلاَّ تَوَقَّفَ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ جَازَ وَاِلاَّ بَطَلَ

یا کہے کہ میں نے ہزار پر صلح کی اور ہزار دے بھی دیئے ورنہ موقوف ہوگی اگر مدعیٰ علیہ جائز رکھے تو جائز ہوگی ورنہ باطل۔

ان چیزوں کا بیان جن کی طرف سے صلح جائز ہے اور جن کی طرف سے جائز نہیں

توضیح اللغۃ: جنایۃ قصور۔ رق غلامی، عمداً قصداً، متلف ہلاک شدہ، عرض سامان، موسر مالدار۔

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ مقدمات وشرائط اور انواع صلح کے بعد ان چیزوں کو بیان کررہا ہے جن کی طرف سے صلح جائز ہے اور جن کی طرف سے صلح جائز نہیں۔ اگر مدعی مال کا دعوی کرے تو دعوی مال کی طرف سے صلح کرنا جائز ہے کیونکہ یہ صلح بیع کے معنی ہے **(علی مامرفی اول کتاب الصلح)** تو جس چیز کی بیع جائز ہے اس کی جانب سے صلح بھی جائز ہوگی۔ نیز دعوی منفعت کی طرف سے بھی صلح کرسکتا ہے مثلاً زید نے دعوی کیا کہ فلاں شخص نے میرے لئے اس مکان میں ایک سال تک رہنے کی وصیت کی ہے۔ ورثہ نے اس کو کچھ مال دیکر صلح کرلی تو صلح جائز ہے کیونکہ عقد اجارہ کے ذریعہ سے منافع مملوک ہوجاتے ہیں تو صلح کے ذریعہ سے بھی مملوک ہوسکتے ہیں اسی طرح دعوی جنایت نفس (قتل) اور دعوی جنایت مادون النفس (قطع ید) کی طرف سے بھی صلح درست ہے۔ خواہ جنایت عمداً ہو یا خطا اور عمد کی صورت میں تو اس لئے درست ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے'' **فمن عفی لہ من اخیہ شئی فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان** '' حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت صلح کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور خطا کی صورت میں اس لئے درست ہے کہ جنایت خطا کا موجب مال ہے۔ اور صلح عن المال بلا اشکال جائز ہے۔ اگر کسی نے غیر منکوحہ عورت پر نکاح کا دعوی کیا اور عورت نے کچھ مال دیکر صلح کرلی تو درست ہے۔ اب یہ صلح اس شخص کے حق میں خلع کے معنی میں ہوگی۔ **(لان اخذ المال عن ترک البضع خلع)** اور عورت کے حق میں قطع خصومت وفدیہ یمین ہوگی۔ ایک شخص نے دوسرے پر دعوی کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور اس نے کچھ مال دیکر صلح کرلی تو صحیح ہے۔ اب یہ مدعی کے حق میں آزادی بعوض مال ٹھہرے گی۔

قولہ وان قتل العبد الخ اگر عبد ماذون نے کسی شخص کو عمداً قتل کردیا تو اس کا اپنی جان بچانے کے لئے صلح کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ آقا نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے۔ اور صلح مذکور باب تجارت سے نہیں ہے لہٰذا وہ اپنی ذات میں تصرف نہیں کرسکتا۔ (لیکن اگر صلح کرلی تو قصاص ساقط ہوجائے گا اور بدل صلح کا مطالبہ اس کی آزادی کے بعد ہوگا) ہاں اگر عبد ماذون کا کوئی غلام کسی کو عمداً قتل کردے اور عبد ماذون اس کی طرف سے صلح کرلے تو جائز ہے کیونکہ اس غلام کا استخلاص اس کی خریداری کے مانند ہے۔ تو جیسے عبد ماذون کو غلام کا خریدنا جائز ہے ایسے ہی صلح کرکے اس کی جان بچانا بھی جائز ہوگا۔

قولہ ولو صالح الخ ایک شخص نے دوسرے کا غلام جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی غصب کرلیا اور وہ غلام مرگیا اور ابھی قاضی نے اس کی قیمت دینے کا حکم نہیں کیا تھا کہ غاصب نے اس کے مالک کو دو ہزار درہم دیکر صلح کرلی تو امام صاحب کے نزدیک صلح جائز ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کی قیمت سے زیادہ پر صلح کرنا جائز نہیں یعنی جو مقدار قیمت سے زائد ہوگی وہ باطل ہوگی۔ کیونکہ مالک کا

حق صرف اس کی قیمت میں ہے تو اس سے زائد لینا سود ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مالک کا حق ہلاک ہونے والے غلام میں باقی ہے۔ قیمت کی طرف جو اس کا حق منتقل ہوتا ہے وہ قضاء قاضی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ اور جب وہ قضا قاضی سے پیشتر زائد قیمت پر رضامند ہو گئے تو کل مال غلام کا عوض ہوگا۔ نہ کہ سود یہ تو اس وقت ہے جب غاصب نے دراہم پر صلح کر لی ہو اور اگر اس نے اسباب پر صلح کی تو بالاتفاق صلح جائز ہے۔ خواہ اسباب کی قیمت زائد ہو یا کم۔ کیونکہ اختلاف جنس کے وقت زیادتی کا ظہور نہیں ہوتا۔

قوله ولو اعتق مو سر الخ ایک غلام میں دو شخص شریک تھے ان میں سے شریک تو انگر نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور دوسرے شریک سے غلام کی نصف قیمت سے زائد پر صلح کر لی تو بالاتفاق صلح ناجائز اور زیادتی باطل ہوگی۔ صاحبین کے نزدیک تو وجہ بطلان وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی (یعنی زیادتی کا ربوا ہونا) امام صاحب کے نزدیک وجہ بطلان یہ ہے کہ عتق [illegible] صورت میں قیمت [illegible] مقدر [illegible] منصوص علیہ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے " **من اعتق شقصاً من عبدمشترک بینه وبین شریکه قوم علیه نصیب شریکه** " پس قیمت پر زیادتی جائز نہ ہوگی۔ بخلاف غصب کے کہ اس میں قیمت منصوص علیہ نہیں ہے۔ اس لئے [illegible] کی صورت [illegible] زائد کی قیمت [illegible] صلح جائز ہوگی۔

قوله ومن وکل الخ ایک شخص نے قتل کی عمد کی طرف سے صلح کرنے کے لئے یا اس پر جس قدر دین کا دعوی ہے اس کے کسی حصہ پر صلح کرنے کیلئے دوسرے شخص کو وکیل بنایا تو بدل صلح مؤکل پر لازم ہوگا نہ کہ وکیل پر کیونکہ یہ صلح قاتل سے اسقاط قصاص ہے اور مدعی علیہ سے اسقاط بعض دین تو وکیل سفیر محض ٹھہرا نہ کہ عاقد لہذا حقوق مؤکل کی طرف راجع ہوں گے۔ ہاں اگر وکیل صلح کرتے وقت بدل صلح کا ضامن ہو جائے تو بدل صلح اسی پر لازم ہوگا لیکن توکیل کیوجہ سے نہیں بلکہ اس کے ضامن ہونے کی وجہ سے۔

قوله وان صالح عنه الخ ایک فضولی شخص نے دوسرے کی طرف سے مصالحت کی تو اسکی چند صورتیں ہیں (۱) فضولی نے صلح کی اور بدل صلح کا ضامن ہو گیا (۲) بدل صلح کی نسبت اپنے مال کی طرف کی مثلاً یوں کہا کہ میں تجھ سے اپنے فلاں غلام پر صلح کرتا ہوں (۳) مال نقد کی طرف اشارہ کیا مثلاً یوں کہا کہ میں ان ہزار درہموں پر صلح کرتا ہوں (۴) نہ اپنے مال کی طرف نسبت کی اور نہ اشارہ کیا بلکہ مطلق رکھتے ہوئے یوں کہا کہ میں ہزار درہم پر صلح کرتا ہوں اور ہزار درہم اس کے حوالے کر دیئے (۵) کسی سامان مثلاً کپڑے پر صلح تو ان سب صورتوں میں صلح جائز ہے۔ کیونکہ مدعی علیہ کو جو چیز حاصل ہے وہ برأت ہے اور براءت کے حق میں مدعی علیہ اور اجنبی دونوں برابر ہے۔ تو اجنبی شخص اصیل بن سکتا ہے۔ لیکن اگر فضولی صرف یہ کہے کہ میں ہزار درہم پر صلح کرتا ہوں اور مال سپرد نہ کرے تو اس صورت میں صلح موقوف ہوگی۔ اگر مدعی علیہ صلح کو جائز رکھے تو جائز ہوگی ورنہ جائز نہ ہوگی۔ **لان المصالح ههنا وهو الفضولی لاولایة له علی المطلوب فلاینفذ تصرفه علیه۔**

محمد حنیف غفر لہ گنگوہی۔

باب[1] الصلح فی الدین
باب دین سے صلح کرنے کے بیان میں

اَلصُّلْحُ عَمَّا اسْتُحِقَّ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ اَخْذٌ لِبَعْضِ حَقِّهٖ وَاِسْقَاطٌ لِلْبَاقِيْ لَامُعَاوَضَةٌ فَلَوْ صَالَحَ عَنْ اَلْفٍ عَلٰى

صلح کرنا اس سے جو لازم ہو عقد ماینت سے لینا ہے اپنا بعض حق اور ساقط کرنا ہے باقی معاوضہ نہیں ہے پس اگر صلح کی ہزار سے پانچ سو پر

نِصْفِهٖ اَوْ عَلٰى اَلْفٍ مُؤَجَّلٍ جَازَ وَعَلٰى دَنَانِيْرَ مُؤَجَّلَةٍ اَوْ عَنْ اَلْفٍ مُؤَجَّلٍ اَوْسُوْدٍ عَلٰى نِصْفٍ حَالٍ اَوْ بِيْضٍ

یا ہزار پر کچھ وعدہ کیساتھ تو جائز ہے اور وعدہ کیساتھ اشرفیوں پر یا وعدہ والے یا سیاہ ہزار درہموں سے فوری پانچ سو یا سفید درہموں پر صحیح نہیں

لَا وَمَنْ لَهٗ عَلٰى اٰخَرَ اَلْفٌ فَقَالَ اَدِّ غَدًا نِصْفَهٗ عَلٰى اَنَّکَ بَرِئٌ مِنَ الْفَضْلِ فَفَعَلَ بَرِئَ وَاِلَّا لَا

جس کے دوسرے پر ہزار ہوں اور وہ کہے کہ کل آدھے دیدے اس شرط پر کہ تو بری ہے باقی سے اور وہ ایسا ہی کرے تو بری ہو جائیگا ورنہ نہیں

وَمَنْ قَالَ لِاٰخَرَ لَا اُقِرُّ لَکَ بِمَا لِکَ حَتّٰى تُؤَخِّرَهٗ عَنِّيْ اَوْ تَحُطَّ فَفَعَلَ صَحَّ عَلَيْهِ.

کسی نے دوسرے سے کہا کہ میں تیرے مال کا اقرار نہ کرونگا یہاں تک کہ تو مجھے مہلت دے یا کم کرے اس نے ایسا ہی کیا تو صحیح ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ الصلح الخ جس چیز پر صلح واقع ہو اور عقد مداینہ کے سبب سے واجب ہو تو اس صلح کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ مدعی نے اپنا کچھ حق وصول کر لیا اور کچھ ساقط کر دیا معاوضہ پر محمول نہ ہوگا تا کہ عوضین کی کمی بیشی سے سود نہ لازم آئے پس اگر کسی نے ایک ہزار درہم کی طرف سے پانچ سو درہم پر صلح کر لی۔ یا ہزار درہم بلا میعاد تھے اور ایک ہزار معیادی پر صلح کر لی۔ تو صلح جائز ہے۔ گویا اس نے پہلی صورت میں پانچ سو درہم ساقط کر دیے اور دوسری صورت میں فی الفور واجب ہونے کے ساقط کر دیا یعنی نفس حق کو مؤخر کر دیا۔ لیکن اگر غیر میعادی ہزار درہموں کی طرف سے ہزار دینار میعادی پر صلح کر لی یا ہزار میعادی درہموں کی طرف سے پانچ سو نقد درہموں پر صلح کی یا ہزار سیاہ درہموں کی طرف سے ہزار سفید درہموں پر صلح کی تو ان سب صورتوں میں صلح ناجائز ہے۔ پہلی صورت میں تو اس لئے کہ عقد مدانیت کے سبب سے دنانیر واجب نہیں۔ کیونکہ جو دراہم پانے والا ہے وہ دنانیر کا مستحق نہیں۔ پس تاجیل کو تاخیر پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ معاوضہ پر محمول کیا جائے گا۔ اور جب معاوضہ ہوا تو یہ [illegible] میں دراہم و دنانیر کے عوض میں ادھار فروخت کرنا جائز نہیں۔ دوسری صورت میں اس لئے صحیح نہیں کہ اجل یعنی میعاد مدیون کا حق تھا جو نصف معجّل اجل کا عوض ہوا اور اجل کا عوض لینا حرام ہے۔ تیسری صورت میں اس لئے صحیح نہیں کہ ہزار سیاہ درہموں کا معاوضہ پانچ سو درہم ہوئے زیادتی کیساتھ اور معاوضہ نقدین میں وصف کا اعتبار نہیں ہوتا لہذا سود لازم آیا اور سود حرام ہے

قولہ ومن لہ علی آخر الخ زید کے عمرو پر ہزار درہم تھے اس نے عمرو سے کہا کہ تو مجھے کل پانچ سو دیدے اس شرط پر کہ باقی پانچ سو سے تو بری ہو جائے گا۔ عمرو نے ایسا ہی کیا تو وہ پانچ سو سے بری ہو جائے گا اور اگر اس نے کل کے دن ادا نہ کیے تو طرفین کے نزدیک بری نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں بھی بری ہو جائے گا۔ کیونکہ ابراء مطلق ہے تو وہ ادا کرے یا نہ کرے بہر صورت بری ہو جائے گا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ یہاں ابراء مطلق نہیں بلکہ شرط ادا کیساتھ مقید ہے۔ اس واسطے کہ کلمہ علیٰ گو معاوضہ کیلئے ہے لیکن معنی مقابلہ کی وجہ سے شرط کا بھی احتمال ہے۔ **فیحمل علیہ عند تعذر الحمل علی المعاوضۃ.** محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

---

۱)...... لماذکر الصلح من عموم الدعاوی ذکر فی ہذا الباب حکم صلح الخاص من الدعوی وہو دعوی الدین لان الخصوص ابداً یکون بعد العموم ۱۲ نہایہ

عہ...... عقد مداینہ جیسے ادھار فروخت کرنا یا قرض دینا ۱۲

فَصْلٌ: دَيْنٌ بَيْنَهُمَا صَالَحَ اَحَدُهُمَا عَنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى ثَوْبٍ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يَتَّبِعَ الْمَدْيُوْنَ بِنِصْفِهٖ

(فصل) قرض ہے دو کی شرکت کا صلح کرلی ان میں سے ایک نے اپنے حصہ سے کپڑے پر تو دوسرا شریک مطالبہ کرے مقروض سے نصف قرض کا

اَوْ يَاْخُذَ نِصْفَ الثَّوْبِ مِنْ شَرِيْكِهٖ اِلَّا اَنْ يَضْمَنَ رُبُعَ الدَّيْنِ وَلَوْ قَبَضَ نَصِيْبَهٗ شَرِكَهٗ فِيْهِ

یا لے لے نصف کپڑا اپنے شریک سے مگر یہ کہ ضامن ہو جائے شریک چوتھائی قرض کا اگر لے لیا کسی نے اپنا حصہ تو شریک ہوگا دوسرا اس میں

وَرَجَعَا بِالْبَاقِيْ عَلَى الْغَرِيْمِ وَلَوِ اشْتَرٰى بِنَصِيْبِهٖ شَيْئًا ضَمِنَهٗ رُبُعَ الدَّيْنِ

اور لے لیں گے باقی مقروض سے اگر خرید لی اپنے حصہ کے عوض کوئی چیز تو ضامن ہوگا دوسرے کے لئے چوتھائی قرض کا۔

دین مشترک کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ودین الخ دین مشترک اس کو کہتے ہیں جو سبب مقدر کے ذریعہ واجب ہو جیسے اس مبیع کا ثمن جس کی بیع بصفقۃ واحدہ ہوئی ہو یا وہ دین جو دو آدمیوں کا مورث ہو یا عین مستہلک مشترک کی قیمت ہو اس کا حکم یہ ہے کہ جب ایک شریک دین مشترک سے کچھ حصہ لے لے تو دوسرے شریک کو اختیار ہوتا ہے چاہے وہ اس وصول کردہ حصہ میں شریک ہو جائے اور چاہے اصل مدیون سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرے۔ تو اگر ایک شریک نے اپنے حصہ کی طرف سے کسی کپڑے پر صلح کرلی تو دوسرے شریک کو اختیار ہوگا چاہے آدھا کپڑا لیلے چاہے اصلی مدیون سے اپنا حصہ طلب کرے لیکن اگر شریک مصالح اس کے لئے چوتھائی دین کا ضامن ہو جائے تو پھر دوسرے شریک کا کپڑا میں حق باقی نہ رہے گا۔ اور اگر شریکین میں سے کسی ایک نے اپنا حصہ دین سے وصول کرلیا۔ تو دوسرا شریک اس وصول کردہ دین میں شریک ہو جائے گا اور باقی ماندہ دین کا مطالبہ وہ دونوں شریک مدیون سے کریں گے۔ اور اگر ایک شریک نے اپنے حصہ کے عوض مدیون سے کوئی چیز خرید لی تو دوسرا شریک اس سے ربع دین کا تاوان لے چاہے اصل مدیون کا مطالبہ کرے کیونکہ اس کا حق مدیون کے ذمہ باقی ہے۔

وَبَطَلَ صُلْحُ اَحَدِ رَبَّيِ السَّلَمِ مِنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى مَادَفَعَ وَاِنْ اَخْرَجَتِ الْوَرَثَةُ اَحَدَهُمْ عَنْ عَرَضٍ اَوْ عَقَارٍ بِمَالٍ

باطل ہے صلح سلم والوں میں سے ایک کی اپنے حصے سے اس پر جو دیا ہو اس نے اگر نکال دیا ورثہ نے کسی وارث کو سامان یا زمین سے کچھ مال دیکر

اَوْ عَنْ ذَهَبٍ بِفِضَّةٍ اَوْ بِالْعَكْسِ صَحَّ قَلَّ اَوْ كَثُرَ وَعَنْ نَقْدَيْنِ وَغَيْرِهِمَا بِاَحَدِ النَّقْدَيْنِ لَا مَالَمْ يَكُنِ الْمُعْطٰى

یا سونے سے یا چاندی دیکر یا اس کے برعکس تو یہ صحیح ہے عوض کم ہو یا زائد اگر نکالا نقدین وغیرہ سے سونا یا چاندی دیکر تو صحیح نہیں جبتک کہ نہ ہو دیا ہوا

اَكْثَرَ مِنْ حَظِّهٖ مِنْهُ وَلَوْ فِي التَّرِكَةِ دَيْنٌ عَلَى النَّاسِ فَاَخْرَجُوْهُ لِيَكُوْنَ الدَّيْنُ لَهُمْ بَطَلَ

عوض زیادہ اس کے وراثت کے حصے سے اگر ترکہ میں قرض ہو لوگوں پر اور ورثہ کسی کو علیحدہ کردیں اس پر کہ قرض ہمارا رہا تو باطل ہے

وَاِنْ شَرَطُوْا اَنْ يُبْرِئَ الْغُرَمَاءَ مِنْهُ صَحَّ وَلَوْ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ مُحِيْطٌ بَطَلَ الصُّلْحُ وَالْقِسْمَةُ.

اور اگر وہ شرط کرلیں کہ وہ بری کردیگا قرض داروں کو اپنے حصہ سے تو صحیح ہے اگر میت پر دین محیط ہو تو باطل ہوگی صلح اور تقسیم۔

تشریح الفقہ: قولہ وبطل الخ دو آدمیوں نے ملکر ایک کر گیہوں میں عقد سلم کیا اور ایک سو درہم راس المال طے پایا۔ اور ہر ایک نے اپنے اپنے حصہ کے پچاس پچاس درہم دیدیئے۔ اس کے بعد ایک رب السلم نے اپنے نصف کر کے بدلے میں پچاس درہم پر مسلم الیہ سے صلح کرلی اور وہ درہم لے لئے تو طرفین کے نزدیک یہ صلح جائز نہیں۔ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے کیونکہ وہ اپنے خالص حق میں

تصرف کررہا ہے۔ تو جیسے دیگر دیون میں صلح جائز ہے ایسے ہی یہاں بھی جائز ہوگی طرفین یہ فرماتے ہیں کہ اس صلح میں قبل از قبض دین کی تقسیم لازم آتی ہے۔ اور قسمت دین قبل از قبض باطل ہے۔ لہٰذا صلح جائز نہ ہوگی۔

قولہ وان اخرجت الخ یہاں سے مسائل تخارج بیان کررہا ہے تخارج کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام ورثہ متفق ہوجائیں اور ایک وارث کو کچھ مال دیکر میراث سے نکال دیں تو اگر کسی کا انتقال ہوجائے اور وہ ترکہ میں کوئی سامان یا زمین چھوڑے اور ورثہ کسی وارث کو کچھ مال دیکر میراث سے خارج کردیں تو تخارج صحیح ہے۔ خواہ وہ مال کم ہو جو ورثہ نے اس کو دیا ہے یا زائد ہو لیکن چاندی سونے کی صورت میں صحت تخارج کیلئے طرفین کا قبضہ کرنا ضروری ہے تا کہ سود لازم نہ آئے۔

قولہ وعن نقدین الخ اگر ترکہ میں سونا چاندی اور اسباب دونوں ہوں اور ورثہ وارث مذکور کو صرف سونا یا چاندی دیکر خارج کریں تو یہ تخارج صحیح نہ ہوگا جب تک کہ وہ چاندی یا سونا جو وارث کو دیا ہے اس مقدار سے زیادہ نہ ہو جو وارث کو اسی جنس کے حصے سے پہنچنے والا ہے۔ مثلاً وارث مذکور کو میراث سے دس درہم اور کچھ اسباب، پہنچتا ہے تو صحت تخارج کیلئے ضروری ہے کہ دس درہم سے زائد صلح ہو تا کہ دس درہم دس کے عوض میں ہوجائیں اور زائد درہم اسباب کا عوض ہوجائیں ورنہ سود لازم آئے گا۔

قولہ ولو فی الترکۃ الخ اگر متوفی کے ترکہ میں لوگوں پر کچھ دیون ہوں اور ورثہ کسی وارث کو اس شرط پر خارج کردیں کہ دیون باقی ورثہ کے لئے ہوں گے تو یہ تخارج صحیح نہیں۔ کیونکہ جب وارث خارج نے دیون کو باقی ورثہ کیلئے چھوڑ دیا تو گویا اس نے باقی ورثہ کو اپنے حصہ دیون کا مالک بنادیا حالانکہ مدیون کے علاوہ کسی دوسرے کو دین کا مالک بنانا باطل ہے۔ اگر ورثہ اس بات کی شرط کرلیں کہ مصالح اپنے حصہ دین سے قرضداروں کو بری الذمہ کردے اور اعیان ترکہ سے مال پر صلح کرلے تو درست ہوگا کیونکہ اس ابراء میں دین کا مالک اسی کو بنایا گیا ہے جس پر دین ہے اور یہ صحیح ہے تو اس کے حصہ کے بقدر مدیون سے دین ساقط ہوجائے گا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

عہ...... لان الورثۃ لایملکون الترکۃ فی ہذہ الحالۃ لان الدین المستغرق یمنع من دخول الترکۃ فی ملک الوارث ۱۲

كتاب المضاربة

هِيَ شِرْكَةٌ بِمَالٍ مِنْ جَانِبٍ وَعَمَلٍ مِنْ جَانِبٍ

وہ شرکت ہے مال کیساتھ ایک جانب سے اور عمل کیساتھ دوسری جانب سے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ مصالحت کے بعد مضاربت کے احکام بیان کر رہا ہے کیونکہ مضاربت مصالحت کے مانند ہے بایں حیثیت کہ اس میں بھی بدل ایک ہی جانب سے ہوتا ہے۔ مضاربۃ لغۃً ضرب فی الارض سے مفاعلۃ ہے بمعنی زمین پر پھرنا۔ اور گشت کرنا قال تعالیٰ" وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل الله " اس عقد کو مضاربت اس لئے کہتے ہیں کہ مضارب نفع حاصل کرنے کیلئے بیشتر زمین پر چلتا پھرتا ہے۔ اہل حجاز اس کو مقارضہ اور قراض بولتے ہیں۔ کیونکہ قرض بمعنی قطع ہے۔ اور صاحب مال اپنا کچھ مال کاٹ کر مضارب کو دیتا ہے۔

فائدہ: مضاربت کا جواز شریعت سے ثابت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد لوگ یہ معاملہ کرتے رہے۔ اور آپ نے منع فرمایا نیز حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت ابن مسعود و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس پر عمل پیرا ہے۔ اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ علاوہ ازیں لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہے۔ کیونکہ بعض لوگ مالدار ہوتے ہیں لیکن خود کاروبار نہیں کر سکتے اور بعض اچھے خاصے بیوپاری ہوتے ہیں لیکن مال سے کورے ہوتے ہیں۔ پس عقد مضاربت کی مشروعیت ضروری ہے۔ تاکہ غبی اور زکی اور فقیر وغنی سب کی ضروریات پوری ہوسکیں۔

قولہ ھی شرکۃ الخ اصطلاح شرع میں مضاربت اس عقد کو کہتے ہیں جس میں ایک کی جانب سے مال ہو اور دوسرے کی جانب سے عمل ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں؛ جس کی جانب سے مال ہو اس کو "رب المال" اور جس کی جانب سے عمل ہو اس کو مضارب اور جو مال دیا جائے اس کو مال مضاربت کہتے ہیں۔

وَالْمُضَارِبُ اَمِيْنٌ وَبِالتَّصَرُّفِ وَكِيْلٌ وَبِالرِّبْحِ شَرِيْكٌ وَبِالْفَسَادِ اَجِيْرٌ وَبِالْخِلَافِ غَاصِبٌ وَبِاشْتِرَاطِ

اور مضارب امین ہے اور تصرف کے بعد وکیل اور نفع کے بعد شریک اور مضاربت فاسد ہونے سے اجیر اور خلاف کرنے سے غاصب اور اپنے لئے

كُلِّ الرِّبْحِ لَهٗ مُسْتَقْرِضٌ وَبِاشْتِرَاطِهٖ لِرَبِّ الْمَالِ مُسْتَبْضِعٌ وَاِنَّمَا تَصِحُّ بِمَا تَصِحُّ

کل نفع کی شرط کر لینے سے قرض لینے والا ہے اور کل نفع کی شرط رب المال کے لئے کرنے سے سرمایہ لینے والا ہے صحیح ہے مضاربت اس میں

بِهِ الشِّرْكَةُ وَيَكُوْنُ الرِّبْحُ بَيْنَهُمَا مُشَاعًا فَاِنْ شَرَطَ لِاَحَدِهِمَا زِيَادَةَ عَشْرَةٍ

جس میں صحیح ہے شرکت اور ہوگا نفع ان کے درمیان مشاع پس اگر شرط کر لی کسی ایک کے لئے دس روپیہ زائد کی

فَلَهٗ اَجْرُ مِثْلِهٖ وَلَا يُجَاوَزُ عَنِ الْمَشْرُوْطِ.

تو مضارب کو محنت کی مزدوری ملے گی اور مشروط سے زیادہ نہ دیجائیگی

حیثیات مضارب

تشریح الفقہ: قولہ والمضارب امین الخ مضارب جو مال لیتا ہے اس میں وہ قبل از تصرف امین ہوتا ہے کیونکہ وہ مالک کی اجازت سے

بلا مبادلہ و وثیقہ مال پر قابض ہوتا ہے۔ پس اگر مال ہلاک ہو جائے تو مضارب پر تاوان نہ ہوگا۔ اور عمل کرنے کے بعد وکیل ہوتا ہے کیونکہ وہ رب المال کے حکم سے تصرف کرتا ہے۔ پس جو ذمہ داری (اس کو لاحق ہوگی وہ رب المال کو بھی لاحق ہوگی اور نفع حاصل ہونے کے بعد شریک ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے عمل کے ذریعہ جزء مال کا مالک ہو چکا۔ اور جب کسی وجہ سے مضاربت فاسد ہو جائے تو اجیر کے درجہ میں ہوتا ہے کہ اس کو اس کی محنت کی مزدوری ملتی ہے۔ خواہ تجارت میں نفع ہو یا نہ ہو وبہ قال الشافعي واحمد في رواية۔ اور اگر مضارب نے رب المال کے حکم کے خلاف کیا مثلاً اگر ایسی چیز کی خرید و فروخت کی جس سے رب المال نے منع کر دیا تھا تو وہ غاصب ہوگا۔ کیونکہ غیر کے مال میں تعدی پائی گئی۔ لہٰذا مضارب پر ضمان لازم ہوگا (وعن علي والحسن والزهري انه لاضمان كمافي الشمني) اور اگر مضارب کے لئے کل نفع مشروط ہو تو مستقرض ہوگا۔ گویا اس نے رب المال سے مال بطور قرض لے لیا۔ اور اگر نفع کی شرط رب المال کیلئے ہو تو مضارب مستبضع ہوگا۔ یعنی عقد مضاربت نہ رہے گا۔ عقد بضاعت ہو جائے گا اور مضارب رب المال کے حق میں محسن شمار ہوگا۔

قوله فان شرط الخ صحت مضاربت کے لئے نفع کا دونوں کے درمیان شائع اور عام ہونا مثلاً نصفا نصف یا تین تہائی ہونا شرط ہے۔ اب اگر مضارب نے یا رب المال نے اپنے لئے معین مقدار کی شرط کر لی یا دس درہم سے زائد کی شرط کر لی تو عقد فاسد ہو جائے گا اور مضارب کو اس کی محنت کی مزدوری ملے گی۔ لیکن جو مقدار مشروط تھی امام ابو یوسف کے نزدیک اس مقدار سے زائد مزدوری نہیں دی جائے گی اجارہ فاسدہ کا یہی حکم ہے کہ اس کی اجرت مقدار مشروط سے زیادہ نہیں ہوتی۔ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پوری مزدوری دی جائے گی گو مشروط سے زائد ہو۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَكُلُّ شَرْطٍ يُوجِبُ جِهَالَةَ الرِّبْحِ يُفْسِدُهُ وَإِلَّا لَا وَيَبْطُلُ الشَّرْطُ كَشَرْطِ الْوَضِيعَةِ عَلَى الْمُضَارِبِ وَيَدْفَعُ

جو شرط نفع میں جہالت پیدا کرے وہ مفسد مضاربت ہے ورنہ مفسد نہیں بلکہ شرط باطل ہو جائے گی جیسے شرط کر لینا نقصان کی مضارب پر اور دیدے

الْمَالَ إِلَى الْمُضَارِبِ وَيَبِيعُ بِنَقْدٍ وَنَسِيئَةٍ وَيَشْتَرِىْ وَيُوَكِّلُ وَيُسَافِرُ وَيُبْضِعُ وَيُوْدِعُ وَلَا يُزَوِّجُ عَبْدًا وَلَا اَمَةً

مال مضارب کو اور مضارب بیچے نقد یا ادھار اور خریدے وکیل کرے سفر کرے سرمایہ دے امانت دے مگر نکاح نہ کرے غلام کا نہ باندی کا

وَلَا يُضَارِبُ اِلَّا بِاِذْنٍ اَوْ بِاِعْمَلْ بِرَايِكَ وَلَمْ يَتَعَدَّ عَمَّا عَيَّنَهُ مِنْ بَلَدٍ وَسِلْعَةٍ وَوَقْتٍ

اور نہ مضاربت دے مگر اجازت سے یا یہ کہنے سے کہ اپنی رائے کے مطابق کر اور تجاوز نہ کرے اس سے جس کو معین کر دیا ہو شہر، سامان، وقت

اَوْ مُعَامِلٍ كَمَا فِي الشَّرِكَةِ وَلَمْ يَشْتَرِ مَنْ يَعْتِقُ عَلَى الْمَالِكِ اَوْ عَلَيْهِ اِنْ ظَهَرَ رِبْحٌ وَضَمِنَ اِنْ فَعَلَ

اور معاملہ والے سے جیسے شرکت میں تجاوز نہیں ہوتا اور نہ خریدے اس کو جو آزاد ہو جائے مالک پر یا مضارب پر اگر ظاہر ہوتا ہو نفع اور ضامن ہوگا

وَاِنْ لَمْ يَظْهَرْ رِبْحٌ صَحَّ فَاِنْ ظَهَرَ عَتَقَ حَظُّهُ وَلَمْ يَضْمَنْ لِرَبِّ الْمَالِ وَسَعَى الْمُعْتَقُ فِي قِيمَةِ نَصِيبِ رَبِّ

اگر اس نے ایسا کیا لیکن اگر ظاہر نہ ہو نفع تو صحیح ہے پھر اگر نفع ظاہر ہو تو آزاد ہو جائیگا اس کا حصہ اور ضامن نہ ہوگا صاحب مال کیلئے اور سعایت کریگا

الْمَالِ مَعَهُ اَلْفٌ بِالنِّصْفِ فَاشْتَرٰى بِهٖ اَمَةً قِيمَتُهَا اَلْفٌ

آزاد شدہ صاحب مال کے حصہ کی قیمت میں، مضارب بالنصف کے پاس ہزار ہیں اس نے ان سے باندی خریدی جس کی قیمت ہزار ہے

(۱) وہو الدراہم والدنانیر فقط ہما وعند محمد مثلہما الفلوس النافقۃ لان المضاربۃ عقد شرکۃ فی الربح فلا یصح الا بما یصح بہ الشرکۃ ۱۲

(۲) لان عدم شیوعہ بینہما بان سمیا لاحدہما دراہم او دنانیر یودی الی قطع الشرکۃ فیہ ۱۲

فَوَلَدَتْ وَلَدًا يُسَاوِئ اَلْفًا فَادَّعَاهُ مُوْسِرًا فَبَلَغَتْ قِيْمَتُهُ اَلْفًا وَخَمْسَ مِائَةٍ

اس نے بچہ جنا جو ہزار کے برابر تھا پھر مضارب نے اس کا دعوی کیا تو نگری میں اور ہوگئی بچہ کی قیمت ڈیڑھ ہزار

سَعَى لِرَبِّ الْمَالِ فِى اَلْفٍ وَرُبُعِهٖ اَوْ اَعْتَقَهُ فَاِنْ قَبَضَ الاَلْفَ ضَمِنَ الْمُدَّعِي.

تو کمائے بچہ رب المال کے لئے سوا ہزار یا آزاد کردے اس کو رب المال پس اگر لے لئے رب المال نے بچہ سے ہزار تو ضامن ہوگا مضارب

تفصیل احکام مضاربت

تشریح الفقہ: **قولہ وکل شرط الخ** اگر عقد مضاربت میں کوئی موجب جہالت نفع شرط لگائی گئی مثلاً رب المال نے مضارب سے بطریق تردید کہا کہ تیرے لئے نصف نفع ہے یا ثلث یا کوئی ایسی شرط لگائی گئی جو قاطع شرکت ہو مثلاً کسی ایک کیلئے معین دراہم کی شرط کرلینا تو ایسی شرطوں سے عقد مضاربت فاسد ہوجاتا ہے۔ کیونکہ مضاربت میں نفع معقود علیہ ہوتا ہے اور جہالت معقود علیہ مفسد عقد ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی ایسی شرط لگائی گئی جو موجب جہالت نفع اور موجب قطع شرکت نہ ہو جیسے مضارب پر ٹوٹے اور نقصان کی شرط کرنا تو ایسی شرط سے عقد فاسد نہیں ہوتا' بلکہ خود وہ شرط باطل ہوجاتی ہے جیسے وکالت اور عقد ہبہ کہ یہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے۔

قولہ ومبیع الخ یہاں سے ان امور کا بیان ہے جو مضارب کے لئے جائز ہیں سو اگر عقد مضاربت کسی مکان و زمان اور تصرف خاص کیساتھ مقید ہو بلکہ مطلق ہو تو مضارب کیلئے وہ تمام امور جائز ہیں جو تجار کے یہاں معتاد ہوں جیسے ہاتھ در ہاتھ یا ادھا خرید و فروخت کرنا (ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بلا اجازت ادھار نہیں بیچ سکتا) وکیل بنانا' سفر کرنا' بطریق بضاعت مال دینا' کسی کے پاس مال ودیعت رکھنا' گروی لینا' گروی رکھنا' کرایہ پر دینا وغیرہ کیونکہ یہ سب امور سوداگروں کے یہاں معتاد ہیں۔ اور تجارت کے سلسلہ میں ان کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔ ہاں مال مضاربت سے خرید کردہ غلام یا باندی کا نکاح نہیں کرا سکتا۔ کیونکہ تزویج ممالیک اعمال تجارت سے نہیں ہے۔ اور نہ کسی دوسرے کو مال مضاربت پر دے سکتا ہے۔ الا یہ کہ رب المال کی طرف سے اس کی اجازت ہو یا اس نے کہدیا ہو کہ اپنی رائے کے موافق کام کر' نیز اگر رب المال نے تجارت کے لئے کوئی خاص شہر یا کوئی خاص سامان یا کوئی خاص وقت یا کوئی خاص آدمی معین کردیا ہو جس کے ساتھ وہ معاملہ کرے تو مضارب کیلئے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ مضارب جو مال میں تصرف کرنے کا مالک ہوتا ہے وہ رب المال کی تفویض سے ہوتا ہے۔ اور رب المال نے تفویض کو امور مذکورہ کیساتھ خاص کیا ہے جو فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ تجارت اختلاف امکنہ و امتعہ اور اختلاف اوقات و اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے مضارب کو اس کی تفویض کے خلاف کرنا جائز نہ ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر رب المال نے ان چیزوں کی تعیین کردی تو مضاربت ہی صحیح نہ ہوگی۔

قولہ ولم یشتر الخ اگر کوئی غلام رب المال کا ذی رحم محرم ہو یا اس نے قسم کھالی ہو کہ اگر میں فلاں غلام خریدوں تو وہ آزاد ہے تو مضارب کے لئے ایسے غلام کو خریدنا جائز نہیں۔ کیونکہ عقد مضارب تحصیل منفعت کیلئے ہے اور تحصیل منفعت اسی وقت ہوسکتی ہے جب دو چار بار تصرف ہو۔ اور غلام مذکور کی خرید میں یہ چیز متصور نہیں۔ کیونکہ وہ رب المال کا حصہ آزاد ہوجائے گا (امام صاحب کے نزدیک) اور صاحب مال کا حصہ بگڑ جائے گا۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک اس کی بیع جائز نہیں مگر یہ اسوقت ہے جب مال مضاربت میں نفع ظاہر ہو۔ اگر نفع ظاہر نہ ہو تو غلام مذکور کو مضاربت کیلئے خریدنا درست ہے۔ ظہور نفع سے مراد یہ ہے کہ غلام کی قیمت راس المال سے زیادہ ہو کیونکہ جب غلام کی قیمت راس المال کے برابر یا اس سے کم ہوگی تو اس غلام میں مضارب کی ملک ظاہر نہ ہوگی بلکہ غلام راس المال کیساتھ مشغول رہے گا تو اگر راس المال اولاً ایک ہزار ہو پھر دس ہزار ہوجائے اس کے بعد مضارب اس غلام کو خریدے جو اس پر آزاد ہوجائے اور

اس کی قیمت ایک ہزار یا اس سے کم ہو تو وہ اس پر آزاد نہ ہوگا۔

قولہ فان ظهر الخ یعنی جب وقت مضارب نے قرابتدار غلام خریدا تھا اس وقت تو اس کی قیمت راس المال کے برابر تھی مگر بعد میں اس کی قیمت بڑھ گئی تو بقدر حصہ مضاربت غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ وہ اپنے قرابتدار کا مالک ہو گیا لیکن مضارب پر رب المال کے حصہ کا ضمان نہ ہوگا کیونکہ ملک کے وقت غلام مضارب کی حرکت سے آزاد نہیں ہوا بلکہ بلا اختیار مضارب قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے آزاد ہوا ہے۔ پس غلام رب المال کے حصہ کی قیمت میں سعایت کرے گا۔ **لانہ احتبست مالیتہ عندہ۔**

قولہ معہ الف الخ مضارب کے پاس نصفا نصف منفعت پر ایک ہزار درہم تھے۔ اس نے ان سے ایک ہزار درہم قیمت کی باندی خرید کر وطی کی جس سے ایک ہزار کی قیمت کا بچہ ہوا اور مضارب نے مالداری کی حالت میں اس بچہ کے نسب کا دعوی کیا پھر اس بچہ کی قیمت ڈیڑھ ہزار ہو گئی تو مضارب کا دعوی نسب نافذ ہوگا۔ کیونکہ نفع ظاہر ہونے کی وجہ سے مضارب کی ملک پائی گئی اور جب مضارب کا دعوی نافذ ہوا تو وہ بچہ اس کا فرزند ہو گیا۔ لہٰذا وہ بقدر حصہ مضارب آزاد ہو جائیگا اور مضارب پر رب المال کے حصہ کا ضمان نہ ہوگا کیونکہ یہ آزادی ملک و نسب کیوجہ سے ثابت ہوئی ہے جس میں مضارب کے فعل کو دخل نہیں۔ ہاں رب المال کو اختیار ہوگا چاہے وہ اس بچہ سے ساڑھے بارہ سو درہم میں سعایت کرالے یعنی ایک ہزار راس المال کی بابت اور اڑھائی سو نفع کی بابت اور چاہے اسے آزاد کر دے۔ پھر جب رب المال لڑکے سے ہزار درہم وصول کر چکا تو وہ مضارب سے باندی کی قیمت کے پانچسو درہم وصول کر لے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَاِنْ ضَارَبَ الْمُضَارِبُ بِلاَ اِذْنٍ لَمْ يَضْمَنْ مَالَمْ يَعْمَلِ الثَّانِي فَاِنْ دَفَعَ بِاِذْنٍ بِالثُّلُثِ وَقِيْلَ لَهُ

اگر مضارب نے مضاربت کیا بلا اجازت تو ضامن نہ ہوگا جب تک کہ عمل نہ کرے دوسرا پس اگر مال دیا اجازت سے تہائی نفع پر اور کہا گیا تھا اس سے

مَارَزَقَ اللّٰهُ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِلْمَالِكِ اَلنِّصْفُ وَلِلاَوَّلِ اَلسُّدُسُ وَلِلثَّانِي اَلثُّلُثُ

کہ جو کچھ خدا نفع دے وہ ہم میں نصفا نصف ہے تو مالک کے لئے نصف ہوگا اور مضارب اول کیلئے سدس اور مضارب ثانی کیلئے ثلث

وَلَوْ قِيْلَ لَهُ مَارَزَقَكَ اللّٰهُ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِلثَّانِي ثُلُثُهُ وَالْبَاقِي بَيْنَ الْمَالِكِ وَالاَوَّلِ

اور اگر کہا گیا ہو اس سے کہ جو نفع خدا تجھ کو دے وہ ہم میں نصف نصف ہے تو مضارب ثانی کیلئے تہائی ہوگا اور باقی مالک اور مضارب اول کے

نِصْفَانِ وَلَوْ قِيْلَ لَهُ مَارَبِحْتُ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ وَدَفَعَ بِالنِّصْفِ فَلِلثَّانِي اَلنِّصْفُ

درمیان آدھوں آدھ ہوگا اور اگر کہا گیا ہو کہ جو تو نفع پائے وہ ہم میں نصفا نصف ہے اور دیا اس نے نصف پر تو ثانی کیلئے نصف ہوگا

وَاسْتَوَيَا فِيْمَا بَقِيَ وَلَوْ قِيْلَ لَهُ مَارَزَقَ اللّٰهُ فَلِيْ نِصْفُهُ اَوْ مَاكَانَ مِنْ فَضْلٍ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ فَدَفَعَ بِالنِّصْفِ

اور باقی میں دونوں برابر ہوں گے اور اگر کہا گیا ہو کہ جو اللہ نفع دے اسکا نصف میرا ہے یا جو نفع ہو وہ ہم میں نصفا نصف ہے اور دیا اس نے نصف پر

فَلِلْمَالِكِ اَلنِّصْفُ وَلِلثَّانِي اَلنِّصْف.وَلاَ شَيْءَ لِلاَوَّلِ وَلَوْ شَرَطَ لِلثَّانِي ثُلُثَيْهِ ضَمِنَ الاَوَّلُ

تو مالک کیلئے نصف ہوگا اور ثانی کے لئے نصف اور کچھ نہ ہوگا مضارب اول کے لئے اگر شرط کر لی ثانی کے لئے دو تہائی کی تو ضامن ہوگا اول

لِلثَّانِي سُدُساً وَاِنْ شَرَطَ لِلْمَالِكِ ثُلُثَهُ وَلِعَبْدِهِ ثُلُثَهُ عَلىٰ اَنْ يَعْمَلَ مَعَهُ

ثانی کے لئے چھٹے حصے کا اگر شرط کی مالک کے لئے تہائی کی اور اس کے غلام کیلئے تہائی کی اس شرط پر کہ وہ بھی کام کرے اس کے ساتھ

وَلِنَفْسِهِ ثُلُثَهُ صَحَّ وَتَبْطُلُ بِمَوْتِ اَحَدِهِمَا ۔اَوْ بِلُحُوْقِ الْمَالِكِ مُرْتَدًّا وَيَنْعَزِلُ بِعَزْلِهِ

اور اپنے لئے تہائی کی تو صحیح ہے باطل ہو جاتی ہے کسی ایک کے مرنے یا مالک کے دار الحرب چلے جانے سے مرتد ہو کر معزول ہو جاتا ہے اس کے علیحدہ

اِنْ عَلِمَ وَاِنْ عَلِمَ وَالْمَالُ عُرُوْضٌ بَاعَهَا ثُمَّ لَايَتَصَرَّفُ فِي ثَمَنِهَا.

کر دینے سے اگر اس کو معلوم ہو جائے اگر معلوم ہوا اس حال میں کہ مال سامان ہے تو اس کو فروخت کر دے پھر اس کے ثمن میں تصرف نہ کرے۔

تشریح الفقہ: **قوله فان ضارب الخ** مضارب نے رب المال کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شخص کو مضاربت پر مال دیدیا تو مضارب اول پر صرف مال دینے سے ضمان عائد نہ ہوگا۔ جب تک کہ مضارب ثانی عمل تجارت نہ کرے خواہ مضارب ثانی کو نفع حاصل ہو یا نہ ہو ظاہر الراوایہ یہی ہے اور یہی صاحبین کا قول ہے (**قیل وبه یفتی**) امام صاحب سے حسن کی روایت ہے کہ جب تک مضارب ثانی کو نفع حاصل نہ ہو اس وقت تک مضارب اول پر ضمان نہ آئے گا۔ امام زفر کے نزدیک صرف مال دینے ہی سے ضمان لازم ہو جائے گا۔ خواہ مضارب ثانی عمل کرے یا نہ کرے۔ یہ ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی ہے اور ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ مضارب کو بطریق ودیعت مال دینے کا حق ہے نہ کہ بطریق مضاربت صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ مضارب کا مال دینا درحقیقت ایداع ہے۔ مضاربت کے لئے تو وہ اس وقت ہوگا جب مضارب ثانی کی طرف سے عمل پایا جائے گا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ دفع مال قبل از عمل ایداع ہے اور بعد از عمل ابضاع اور مضارب کیلئے دونوں طرح دینے کا حق ہے۔ پس نہ ایداع سے ضامن ہوگا اور نہ ابضاع سے بلکہ جب مضارب ثانی کو نفع حاصل ہوگا اس وقت ضامن ہوگا۔ کیونکہ اب مال میں مضارب ثانی کی شرکت ثابت ہوگئی۔

قوله فان دفع الخ مضارب نے رب المال کی اجازت سے دوسرے شخص کو مضاربت بالثلث پر مال دیا جبکہ رب المال نے مضارب اول سے یہ طے کر لیا تھا کہ جو کچھ اللہ دے گا وہ ہمارے درمیان نصفا نصف ہوگا تو رب المال کو اس کی شرط کے بموجب کل نفع کا نصف ملے گا اور مضارب ثانی کو ایک ثلث کیونکہ مضارب اول نے اس کے لئے کل نفع کا ایک ثلث ہی مقرر کیا تھا۔ اب باقی رہا ایک سدس وہ مضارب اول کو ملے گا مثلاً مضارب ثانی کو چھ درہم کا نفع ہوا تو تین درہم رب المال کو ملیں گے اور دو مضارب ثانی کو اور ایک مضارب اول کو۔

قوله وقيل الخ اور اگر رب المال نے بوقت مضاربت اول یہ کہا ہو کہ تجھ کو جو نفع ہوگا وہ ہمارے درمیان نصفا نصف ہوگا اور باقی مسئلہ علی حالہ ہو تو مضارب ثانی کو ایک ثلث ملے گا اور باقی دو ثلث مضارب اول اور رب المال کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوں گے پس اس صورت میں تینوں کو دو دو درہم ملیں گے۔ کیونکہ یہاں رب المال نے اپنے لئے نفع کی اس مقدار کا نصف مقرر کیا ہے جو مضارب اول کو حاصل ہو اور وہ یہاں دو ثلث ہے۔ لہٰذا رب المال کو اس کا نصف یعنی ایک ثلث ملے گا بخلاف پہلے مسئلے کے کہ اس میں رب المال نے اپنے لئے کل نفع کا نصف مقرر کیا تھا۔

قوله ولو قيل له ماربحت الخ اور اگر رب المال نے مضارب سے یہ کہا کہ تو جو نفع حاصل کرے وہ ہمارے درمیان نصفا نصف ہے اور مضارب اول نے مضارب ثانی کو مضاربت بالنصف پر مال دیا تو مضارب ثانی کو اس کی شرط کے بموجب نصف ملے گا اور باقی نصف میں رب المال اور مضارب اول دونوں برابر شریک ہوں گے یعنی ایک ربع رب المال کا ہوگا اور ایک ربع مضارب اول کا پس مضارب ثانی کو تین درہم ملیں گے اور رب المال اور مضارب اول کو ڈیڑھ ڈیڑھ۔ اور اگر رب المال نے مضارب اول سے یہ کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے گا اس کا نصف میرا ہے۔ اور مسئلہ علی حالہ ہو تو نصف نفع رب المال کا ہوگا اور نصف مضارب ثانی کا اور مضارب اول کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ اس نے اپنا نصف نفع مضارب ثانی کو دیدیا اور اگر مضارب اول نے مضارب ثانی کے لئے نفع کے دو ثلث کی شرط کر لی تو مضارب اول مضارب ثانی کو نفع کا ایک سدس اپنے پاس سے دیگا۔ کیونکہ کل نفع کا نصف تو رب المال کا ہوا اور مضارب ثانی کل نفع کے دو ثلث کا مستحق ہے۔ تو اس کے حصہ میں جو سدس کی کمی واقع ہوئی وہ مضارب اول اپنے پاس سے پوری کریگا۔

---

(۱) لان اشتراطه للعبد یکون اشتراطاً للمولی فکأنه شرط للمولی ثلثی الربح ۱۲ (۲) لانه وکیل من جهته فیشترط العلم بعزله ۱۲
(۳) لان العزل انما لم یعمل ضرورة معرفة راس المال وقد اندفعت حیث صار نقداً فیعمل العزل ۱۲ ہدایہ۔

قوله وتبطل الخ اگر رب المال یا مضارب مرجائے تو مضاربت باطل ہوجائے گی۔ کیونکہ مضارب کے عمل کے بعد مضاربت توکیل کے حکم میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم شروع باب میں ذکر کرچکے۔ اور وکالت مؤکل یا وکیل کے مرنے سے باطل ہوجاتی ہے تو مضاربت بھی باطل ہوجائے گی۔ نیز اگر رب المال (معاذ اللہ) مرتد ہوکر دارالحرب چلاجائے تب بھی مضاربت باطل ہوجائے گی۔
محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَوْ افْتَرَقَا وَفِی الْمَالِ دُیُوْنٌ وَرِبْحٌ اُجْبِرَ عَلٰی اِقْتِضَاءِ الدُّیُوْنِ وَاِلَّا لَایَلْزَمُهٗ الْاِقْتِضَاءُ وَیُوَکِّلُ الْمَالِکَ
اگر جدا ہوگئے اور مال میں قرض بھی ہیں اور نفع بھی ہے تو مجبور کیا جائیگا قرضوں کے وصول کرنے پر ورنہ اس کو وصول کرنا لازم نہیں بلکہ وکیل کردے
عَلَیْهِ وَالسِّمْسَارُ یُجْبَرُ عَلَی التَّقَاضِیْ وَمَاهَلَکَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ فَمِنَ الرِّبْحِ فَاِنْ زَادَ الْهَالِکُ عَلَی الرِّبْحِ
مالک کو وصول کرنے کا اور دلال مجبور کیا جائیگا وصول کرنے پر اور جو ہلاک ہوجائے مال مضاربت سے تو وہ نفع سے ہوگا اگر نفع سے زیادہ ہلاک
لَمْ یَضْمَنِ الْمُضَارِبُ وَاِنْ قُسِّمَ الرِّبْحُ وَبَقِیَتِ الْمُضَارَبَةُ ثُمَّ هَلَکَ الْمَالُ اَوْ بَعْضُهٗ تَرَادُّ الرِّبْحَ
ہوجائے تو ضامن نہ ہوگا مضارب، اور اگر تقسیم کرلیا گیا نفع اور باقی رہی مضاربت پھر ہلاک ہوگیا کل مال یا کچھ تو لوٹائیں نفع کو
لِیَاخُذَ الْمَالِکُ رَاْسَ مَالِهٖ وَمَا فَضَلَ فَهُوَ بَیْنَهُمَا وَاِنْ نَقَصَ لَمْ یَضْمَنِ الْمُضَارِبُ
تا کہ لے لے مالک اپنا راس المال اور جو بچے وہ ان دونوں کے درمیان ہوگا اور اگر کم پڑجائے تو ضامن نہ ہوگا مضارب،
وَاِنْ قُسِّمَ الرِّبْحُ وَفُسِخَتْ ثُمَّ عَقَدَاهَا فَهَلَکَ الْمَالُ لَمْ یَتَرَادَّا الرِّبْحَ الْاَوَّلَ.
اور اگر تقسیم کرلیا گیا نفع اور فسخ کردیگئی مضاربت پھر از سر نو عقد مضاربت کیا اور مال ہلاک ہوگیا تو نہ لوٹائیں پہلا نفع۔

تشریح الفقہ: **قوله ولو افترقا الخ** اگر رب المال اور مضارب دونوں فسخ عقد کے بعد جدا ہوجائیں اور مال مضاربت لوگوں پر قرض ہو اور مضارب کو تجارت میں نفع حاصل ہوا ہو تو مضارب کو قرضداروں سے قرض وصول کرنے پر مجبور کیا جائیگا۔ کیونکہ مضارب اجیر کی مانند ہے اور نفع اجرت کی مانند ہے لہٰذا اس کو اتمام عمل پر مجبور کیا جائے گا اور اگر اس کو نفع حاصل نہ ہوا تو مجبور نہیں کیا جائیگا کیونکہ اس صورت میں مضارب متبرع ومحسن ہے۔ اور متبرع پر جبر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے یہ کہا جائے گا کہ قرض وصول کرنے کیلئے رب المال کو وکیل بنادے تا کہ اس کا حق ضائع نہ ہو۔

قوله وما هلک الخ اگر مال مضاربت کا کچھ حصہ ہلاک ہوجائے تو اس کو نفع سے مجرا کیا جائے گا کیونکہ راس المال اصل ہے۔ اور نفع تابع اور ہلاکت کی طرف راجع کرنا بہتر ہے جیسے باب زکوٰۃ میں ہلاکت مقدار عفو کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اور اگر اتنا مال ہلاک ہوجائے کہ نفع سے بڑھ جائے تو مضارب اس کا ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ امین ہے اور امین پر ضمان نہیں ہوتا۔

....

عہ......لانہیعمل للناس باجرة عادة ۱۲ (۱) قال فی مجمع الانهرا السمسار بالكسر المتوسط والمشتری مبیع و یشتری للناس باجر من غیر ان یستاجر وكذافی ردالمحتار و فیه فی موضع آخر لافرق بین السمسار والد لال وقد فسرهمافی القاموس المتوسط بین البائع والمشتری وفرق بینهما الفقهاء فالسمسار هوالدال علیٰ مكان السلعة وصاحبهاوالدلال هو المصاحب للسلعة غالباً افاده سری الدین عن بعض المتاخرین انتهی و فی المغرب السمسار بكسر الاول المتوسط بین البائع والمشتری فارسیةمعربة عن اللیث والجمع السماسرة وفی الحدیث كنا ندعی السماسرة فسمانا النبی علیه السلام التجار ومصدرها السمسرة وهی ان یتوكل الرجل من الحاضر للبادیة فیبیع لهم مایجلبو نه قال الازهری وقیل فی تفسیر قوله علیه السلام "لایبیع حاضر للبادلانه یكون سمسار ۱۲" (۲) لان قسمة الربح لاتصح قبل استیفاء راس المال لا نه هو الاصل ۱۲ هدایه (۳) لان المضاربة الاولی قدانتهت بالفسخ وثبوت الثانیة بعقد جدید فهلاک المال فی الثانیة لایوجب انتقاض الاولی ۱۲.

فَصلٌ: وَلاَ تَفسُدُ الْمُضَارَبَةُ بِدَفْعِ الْمَالِ اِلَى الْمَالِكِ بُضَاعَةً فَاِنْ سَافَرَ فَطَعَامُهُ وَشَرَابُهُ وَكِسْوَتُهُ وَرُكُوبُهُ

(فصل) فاسد نہیں ہوتی مضاربت مال دیدینے سے مالک کو بطریق بضاعت اگر مضارب سفر کرے تو اس کا کھانا پینا اور پہننا اور سوار ہونا

فِي مَالِ الْمُضَارِبَةِ وَاِنْ عَمِلَ فِي الْمِصْرِ فَنَفَقَتُهُ فِي مَالِهِ كَالدَّوَاءِ فَاِنْ رَبِحَ اَخَذَ الْمَالِكُ مَا اَنْفَقَ

مال مضاربت سے ہوگا اور اگر کام کرے شہر میں تو اس کا خرچ اسی کے مال سے ہوگا جیسے دوا وغیرہ اگر نفع ہو تو لے لے مالک وہ جو اس نے خرچ

مِنْ رَأْسِ الْمَالِ فَاِنْ بَاعَ الْمَتَاعَ مُرَابحَةً حَسِبَ مَاانْفَقَ عَلَى الْمَتَاعِ لاَ عَلٰى نَفْسِهٖ.

کیا ہے راس المال سے اگر بیچے سامان نفع پر تو حساب میں لگائے اس کو جو خرچ کیا ہے سامان پر نہ کہ اپنی ذات پر۔

مصارف مضارب کے احکام

تشریح الفقہ: قولہ ولا تفسد الخ اگر مضارب کل مال مضاربت یا بعض مال مضاربت رب المال کو بطور بضاعت دیدے تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے عقد مضاربت فاسد نہیں ہوتا۔ امام زفر کے نزدیک فاسد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رب المال اپنے مال میں بذات خود متصرف ہوا پس وہ اس میں وکیل نہیں ہوسکتا۔ تو گویا اس فی مضارب سے اپنا مال واپس لیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مضارب اور مال کے درمیان تخلیہ تام ہو چکا۔ اور مضارب تصرف کا حقدار ہو گیا تو رب المال اس کی طرف سے وکیل ہو سکتا ہے اور بطریق بضاعت مال دینا توکیل ہی ہے۔

قولہ فان سافر الخ جب مضارب برائے تجارت سفر کرے۔ تو کھانا، پینا، لباس و پوشاک، سواری، چراغ کا تیل ایندھن، خادم، حمام، حلاق کی اجرت غرض اپنی تمام ضروریات مال مضاربت سے پوری کرے گا لیکن دستور کے مطابق فضول خرچی جائز نہ ہوگی۔ اور اگر مضارب اپنے شہر میں رہ کر کام کرے (خواہ وہ شہر اس کی جائے پیدائش ہو یا جائے اقامت) تو دوا دارو، علاج معالجہ کی طرح اس کا ذاتی خرچ بھی خود اسی کے مال سے ہوگا نہ کہ مال مضاربت سے پھر مضارب کو جو نفع حاصل ہوگا اس سے رب المال بقدر سفر خرچ مجرا کرلیگا۔ تا کہ راس المال پورا ہو جائے۔ اور جو باقی رہے وہ آپس میں تقسیم کرلیں۔

تنبیہ: یہاں سفر سے مراد سفر شرعی نہیں بلکہ جب مضارب شہر سے اتنی دور نکل جائے کہ رات میں اپنے گھر نہ آسکے تو اس کا حکم سفر کا سا ہے۔ اور اگر شب میں گھر آسکتا ہو تو اس کا حکم شہر کے بازاروں کا سا ہے۔

قولہ فان باع الخ اگر مضارب مال مضاربت میں سے کوئی چیز مرابحۃً فروخت کرے تو کچھ اس چیز پر صرف ہے، جیسے بار برداری، دلال، دھوبی، رنگریز وغیرہ کی اجرت کا صرفہ تو اسکو اصل لاگت کیساتھ ملالے اور کہے کہ یہ چیز مجھے اتنے میں پڑی ہے۔ اور جو کچھ اس نے اپنی ذات پر صرف کیا ہے اس کو شامل نہ کرے۔ **لان العرف جار بالحاق الاول دون الثانی۔**

وَلَوْ قَصَّرَهُ اَوْ حَمَلَهُ بِمَالِهٖ وَقِيلَ لَهُ اِعْمَلْ بِرَأيِكَ فَهُوَ مُتَطَوِّعٌ وَاِنْ صَبَغَهُ اَحْمَرَ

اگر کپڑا دھلوایا یا سامان لدوایا اپنے مال سے اور کہا گیا تھا اس سے کہ اپنی رائے کے مطابق کر تو وہ احسان کنندہ ہوگا اور اگر رنگایا اس کو سرخ

فَهُوَ شَرِيكٌ بِمَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ وَلاَ يَضْمَنُ مَعَهُ اَلْفٌ بِالنِّصْفِ فَاشْتَرٰى بِهٖ بَزًّا

تو وہ شریک ہوگا اسی قدر کا جو بڑھ گئی ہے قیمت رنگنے سے اور ضامن نہ ہوگا مضارب بالنصف کے پاس ہزار ہیں اس نے اس سے کپڑا خرید کر

وَبَاعَهُ بِاَلْفَيْنِ وَاشْتَرٰى بِهِمَا عَبْدًا فَضَاعَا غَرِمَا اَلْفًا وَالْمَالِكُ اَلْفًا

دو ہزار میں بیچا اور دو ہزار سے غلام خریدا اور دو ہزار ضائع ہو گئے تو مالک اور مضارب دونوں ایک ہزار دیں اور مالک ایک ہزار اور دے

وَرُبع العَبْدِ لِلْمُضَارِبِ وَبَاقِيهِ عَلَى الْمُضَارِبَةِ وَرَأسُ الْمَالِ اَلْفَانِ وَخَمْسَمِائَةٍ وَيُرَابِحُ عَلَى اَلْفَيْنِ

اب چوتھائی غلام مضارب کا ہوگا اور باقی مضاربت پر رہے گا اور راس المال اڑھائی ہزار ہوگا اور مرابحت کریگا دو ہزار پر

وَاِنْ اِشْتَرٰى مِنَ الْمَالِكِ بِاَلْفٍ عَبْدًا اِشْتَرَاهُ بِنِصْفِهٖ رَابَحَ بِنِصْفِهٖ مَعَهٗ اَلْفٌ بِالنِّصْفِ

اگر خریدا مالک سے ہزار میں غلام جو مالک نے پانچ سو میں خریدا تھا تو مرابحت کرے پانچ سو پر مضارب بالنصف کے پاس ہزار ہیں

فَاشْتَرٰى بِهٖ عَبْدًا قِيْمَتُهٗ اَلْفَانِ فَقَتَلَ رَجُلاً خَطَاءً فَثَلاثَةُ اَرْبَاعِ الْفِدَاءِ عَلَى الْمَالِكِ وَرُبُعُهٗ عَلَى الْمُضَارِبِ

اس نے ان سے غلام خریدا جس کی قیمت دو ہزار ہے غلام نے کسی کو نادانستہ مار ڈالا تو تین چوتھائی فدیہ مالک پر ہوگا اور ایک چوتھائی مضارب پر

وَالْعَبْدُ يَخْدُمُ الْمَالِكَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَالْمُضَارِبَ يَوْماً مَعَهٗ اَلْفٌ فَاشْتَرٰى بِهٖ عَبْدًا فَهَلَكَ الثَّمَنُ قَبْلَ النَّقْدِ

اور غلام خدمت کریگا مالک کی تین دن اور مضارب کی ایک دن مضارب کے پاس ہزار ہیں پس خریدا ان سے غلام اور ہلاک ہو گیا ثمن ادائیگی سے پہلے

دَفَعَ الْمَالِكُ اَلْفًا اٰخَرَ ثُمَّ وَثُمَّ وَرَأسُ الْمَالِ جَمِيْعُ مَادَفَعَ مَعَهٗ اَلْفَانِ

تو دے مالک ایک ہزار اور اگر پھر ہلاک ہو جائے تو پھر دے اور راس المال وہ کل رقم ہوگی جو اس نے دی ہے مضارب کے پاس دو ہزار ہیں

فَقَالَ دَفَعْتَ اِلَيَّ اَلْفًا وَرَبِحْتُ اَلْفًا وَقَالَ الْمَالِكُ دَفَعْتُ اَلْفَيْنِ فَالْقَوْلُ لِلْمُضَارِبِ.

وہ کہتا ہے کہ ایک ہزار تو نے دیئے تھے اور ایک ہزار کا مجھے نفع ہوا ہے مالک کہتا ہے کہ دو ہزار دیئے تھے تو قول مضارب کا معتبر ہوگا۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو قصرہ الخ رب المال نے مضارب سے کہا کہ تو اپنی صوابدید کے موافق کام کر۔ مضارب نے مال مضاربت سے کوئی سامان خریدا اور اس کا صرفہ اپنے پاس سے دیدیا مثلاً کپڑے کی دھلائی یا وزنی سامان کی ڈھلائی تو مضارب کا یہ سلوک اپنی طرف سے ہوگا اور یہ صرفہ رب المال کے ذمہ نہ ہوگا۔ اور اگر مضارب نے مال مضاربت سے سفید تھان خریدا اور اپنے پاس سے دام دیکر سرخ رنگا لیا تو رنگ کی وجہ سے جو قیمت بڑھے گی۔ مضارب اس میں شریک ہوگا اور مالک کیلئے سفید تھان کی قیمت کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ کیونکہ مالک نے اس کو اس کی صوابدید پر کام کرنے کی اجازت دیدی تھی۔

مَعَهٗ اَلْفٌ فَقَالَ هُوَ مُضَارِبَةٌ بِالنِّصْفِ وَقَدْ رَبِحَ اَلْفًا وَقَالَ الْمَالِكُ بُضَاعَةٌ فَالْقَوْلُ لِلْمَالِكِ.

مضارب کے پاس ہزار ہیں وہ کہتا ہے کہ یہ مضاربت بالنصف کے ہیں اور ہزار کا نفع ہوا ہے مالک کہتا ہے کہ یہ سرمایہ تجارت کے ہیں تو قول مالک کا معتبر ہوگا

قولہ معہ الف بالنصف الخ منفعت کے مضارب نے مضاربت کے ایک ہزار درہم سے کپڑے کے تھان خرید کر دو ہزار میں فروخت کئے پھر انہی دو ہزار سے ایک غلام خرید لیا اور ابھی غلام کی قیمت نہیں دے پایا تھا کہ وہ ہزار درہم ہلاک ہو گئے۔ تو مضارب نصف نفع یعنی دو ہزار کی چوتھائی (پانچ سو درہم) کا تاوان دیگا اور باقی یعنی دو ہزار کی تین چوتھائی (ڈیڑھ ہزار) کا تاوان مالک پر ہوگا۔ اس واسطے کہ جب کپڑا فروخت کرنے کے بعد مال ایک ہزار سے دو ہزار ہو گیا تو مال میں ایک ہزار کا نفع ظاہر ہوا اور وہ دونوں میں نصفا نصف ہو گیا تو مضارب کے پاس اس میں سے پانچ سو درہم پہنچے اس کے بعد جب دو ہزار کا غلام خریدا تو وہ دونوں میں مشترک ہو گیا۔ یعنی چوتھائی غلام مضارب کا ہوا اور تین چوتھائیاں مالک کی ہوئیں۔ پھر ادائیگی ثمن سے قبل دو ہزار ہلاک ہو گئے تو تاوان دونوں پر بقدر ملک ہوگا۔ پس ایک ربع یعنی پانچ سو درہم مضارب پر پڑیں گے۔ اور باقی ڈیڑھ ہزار مالک پر۔ اب چوتھائی غلام جو مضارب کا مملوک ہے وہ

مضاربت سے خارج ہو جائے گا۔ اور باقی مضاربت پر رہے گا۔ مضارب کا حصہ مضاربت سے اسلئے خارج ہوا کہ وہ مضمون ہے اور مال مضارب امانت ہے۔ اوران دونوں میں منافات ہے لہذا مضارب کا حصہ خارج ہو جائے گا۔ پھر راس المال اڑھائی ہزار ہوگا۔ کیونکہ ایک ہزار تو رب المال نے اولاً دیے تھے جس سے مضارب نے کپڑا خریدا تھا اسکے بعد ڈیڑھ ہزار تاوان کے دیے تو کل راس المال اڑھائی ہزار ہوا لیکن اگر مضارب اس غلام کو بطور مرابحت فروخت کرنا چاہے تو وہ مرابحت دو ہزار ہی پر کرے یہ نہ کہے کہ مجھے اڑھائی ہزار میں پڑا ہے۔ کیونکہ غلام دو ہزار ہی میں خریدا ہے۔

قولہ وان اشتری الخ مضارب نے رب المال سے ایک ہزار میں ایک غلام خریدا جو رب المال نے پانچسو میں خریدا تھا تو گو مضارب نے ایک ہزار میں خریدا ہے لیکن وہ مرابحت صرف پانچسو پر کرے۔ کیونکہ مالک کا مضارب کے ہاتھ فروخت کرنا ایسا ہے جیسے اپنے ہاتھ فروخت کرنا کیونکہ مضارب اس کا وکیل ہے اسلئے اسکی بیع کا اعتبار نہ ہوگا۔

قولہ مع الف الخ نصف منفعت کے مضارب نے مضاربت کے ایک ہزار درہموں سے ایسا غلام خریدا جسکی قیمت دو ہزار ہے اور غلام نے کسی شخص کو خطأً قتل کر ڈالا تو وجوب فدیہ بقدر ملک ہوگا یعنی ایک چوتھائی مضارب پر اور تین چوتھائیاں رب المال پر کیونکہ راس المال ایک ہزار تھا۔ اور غلام فی الوقت دو ہزار کا ہے تو نصف نفع یعنی پانچسو درہم مضارب کے ٹھہرے اور ڈیڑھ ہزار رب المال کے تو فدیہ بھی اسی حساب سے واجب ہوگا۔ اب غلام تین دن رب المال کی خدمت کرے گا اور ایک دن مضارب کی۔ کیونکہ وہ مضاربت سے خارج ہو چکا۔ مضارب کا حصہ تو اسلئے خارج ہو گیا کہ وہ مضمون ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا۔ اور رب المال کا حصہ اسلئے خارج ہوا کہ حکم قاضی بانقسام فداء انقسام عہد کو متضمن ہے۔ اور قسمت کی وجہ سے مضاربت منتہی ہو جاتی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

کتاب الودیعة

اَلْاِیْدَاعُ تَسْلِیْطُ الْغَیْرِ عَلیٰ حِفْظِ مَالِہٖ وَالْوَدِیْعَۃُ مَایُتْرَکُ عِنْدَ الْاَمِیْنِ وَھِیَ اَمَانَۃٌ فَلاَ یَضْمَنُ

ایداع مسلط کرنا ہے دوسرے کو اپنے مال کی حفاظت پر اور ودیعت وہ ہے جو چھوڑی جائے امین کے پاس اور وہ امانت ہوتی ہے پس ضامن نہ ہوگا

بِالْھَلاکِ وَلِلْمُوْدَعِ اَنْ یَحْفَظَھَا بِنَفْسِہٖ بِعِیَالِہٖ فَاِنْ حَفِظَھَا بِغَیْرِھِمْ ضَمِنَ

ہلاک ہونے سے اور مودع کے لئے اختیار ہے کہ خود حفاظت کرے یا اپنے گھر والوں سے کرائے اگر اوروں سے کرائی تو ضامن ہوگا

اِلَّا اَنْ یَخَافَ الْحَرَقَ اَوِ الْغَرَقَ فَیُسَلِّمُھَا اِلیٰ جَارِہٖ اَوْ فُلْکٍ اٰخَرَ فَاِنْ طَلَبَ رَبُّھَا فَحَبَسَھَا عَنْ رَبِّھَا قَادِرًا

مگر یہ کہ اندیشہ ہو جلنے یا غرق ہونے کا پس دیدے اپنے پڑوسی یا دوسرے کشتی والے کو اگر طلب کرے امانت اور روک لے دینے پر قادر ہوتے

عَلیٰ تَسْلِیْمِھَا اَوْ خَلَطَھَا بِمَالِہٖ حَتّٰی لاَیَتَمَیَّزُ ضَمِنَھَا فَاِنْ اِخْتَلَطَ بِلاَ فِعْلِہٖ اِشْتَرَکَا وَلَوْ اَنْفَقَ

ہوئے یا ملالے اپنے مال کے ساتھ اس طرح کہ اس کی پہچان نہ رہے تو ضامن ہوگا اور اگر خود مل جائے تو دونوں شریک ہوں گے اگر کچھ امانت خرچ

بَعْضَھَا فَرَدَّ مِثْلَہٗ فَخَلَطَہٗ بِالْبَاقِیْ ضَمِنَ الْکُلَّ وَاِنْ تَعَدّٰی فِیْھَا ثُمَّ اَزَالَ التَّعَدِّیْ زَالَ الضَّمَانُ بِخِلاَفِ

کرلی اور اتنی ہی اور اس میں ملادی تو سب کا ضامن ہوگا اگر امانت میں کوئی تعدی کی پھر تعدی ختم کردی تو ضمان بھی ختم ہوجائیگا بخلاف مستعیر

الْمُسْتَعِیْرِ وَالْمُسْتَاجِرِ وَاِقْرَارِہٖ بَعْدَ جُحُوْدِہٖ وَلَہٗ اَنْ یُسَافِرَ بِھَا عِنْدَ عَدَمِ النَّھْیِ وَالْخَوْفِ.

اور مستاجر کے اور بخلاف اس کے اقرار کے انکار کے بعد اور مودع سفر میں لیجاسکتا ہے امانت کو ممانعت اور خوف نہ ہونے کے وقت۔

توضیح اللغۃ: ایداع دوسرے کو کوئی چیز سونپنا' مودَع: جسکے پاس ودیعت رکھی جائے' حرق جلنا' غرق پانی میں ڈوبنا۔ جار: پڑوسی' فلک کشتی' حبس روکے رکھا' خلط ملادیا۔ اختلط مل گئی' تعدی: زیادتی کی' جحود: انکار کرنا۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ ایداع ومضاربت دونوں امانت ہونے میں مشترک ہیں اسلئے مضاربت کے بعد ودیعت کو لا رہا ہے۔ پھر ودیعت بلا تملیک شئی امانت ہوتی ہے۔ اور عاریت مع تملیک منافع بلاعوض امانت ہوتی ہے اور ہبہ محض تملیک عین بلاعوض کا نام ہے۔ اور اجارہ میں عوض کے ساتھ منفعت کی تملیک ہوتی ہے۔ اسلئے مصنف ودیعت کے بعد عاریت' ہبہ اور اجارہ کو اسی ترتیب کے ساتھ لا رہا ہے جسمیں ترقی من الادنی الی الاعلیٰ ہے۔ ع...... فاول القطر غیث ثم ینسکب

فائدہ: حفظِ امانت موجب سعادتِ دارین ہے اور خیانت باعثِ شقاوتِ کونین' حضور اکرم صلعم کا ارشاد ہے "امانت داری مالداری لاتی ہے اور خیانت محتاجی ومفلسی۔

قولہ الایداع الخ ودیعت لغۃً ودع سے مشتق ہے مطلق ترک کو کہتے ہیں۔ قال علیہ الصلوۃ والسلام" لینتھین اقوام عن ودعھم الجماعات" ای عن ترکھا" اصطلاحِ شرع میں ایداع اسے کہتے ہیں کہ اپنے مال کی نگہبانی پر دوسرے کو قابو دیدیا جائے۔ جو چیز دوسرے کی نگہبانی میں چھوڑ دی جائے اسے ودیعت کہتے ہیں۔ اور جو نگہبانی میں چھوڑے اس کو مودِع بالکسر اور جس کے پاس چھوڑی جائے اس کو مودَع اور امین کہتے ہیں۔ مودَع کے پاس مال ودیعت امانت ہوتا ہے۔ تو اگر وہ اس کی زیادتی کے بغیر اس کے پاس سے ہلاک ہوجائے تو اس پر کوئی تاوان نہ ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "عاریت لینے پر اور مودع پر جو خائن نہ ہوں تاوان نہیں [ع]۔

ع...... دار قطنی' بیہقی ۱۲

فائدہ: ودیعت اور امانت میں فرق یہ ہے کہ امانت عام ہے اور ودیعت خاص ہے۔ کیونکہ ودیعت میں غیر سے حفاظت کرانا قصداً مطلوب ہوتا ہے۔ اور امانت کبھی بلاقصد بھی ہوتی ہے۔ نیز ودیعت بذریعہ عقد ہوتی ہے۔ امانت میں عقد ضروری نہیں۔ پھر ودیعت میں اعادہ الی الوفاق سے ضمان لازم نہیں ہوتا۔ بخلاف امانت کے کہ اس میں ضمان واجب ہوتا ہے۔

قولہ وللمودع الخ مودع مال امانت کی حفاظت خود کرے یا اپنے اہل وعیال سے کرائے بہر صورت جائز ہے امام شافعی کے نزدیک اہل وعیال کے پاس چھوڑنا جائز نہیں کیونکہ مالک نے وہ چیز صرف مودع کی حفاظت میں دی ہے۔ جواب یہ ہے کہ امانت کی وجہ سے مودع نہ ہر وقت گھر میں بیٹھ سکتا ہے اور نہ ہر جگہ ساتھ لئے پھر سکتا ہے۔ لامحالہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس چھوڑے گا۔

قولہ بعیالہ الخ عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے ساتھ رہتے ہوں حقیقتاً یا حکماً یعنی خواہ نان ونفقہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں مگر زوجہ اور ولد صغیر میں مساکنت حقیقی ضروری نہیں۔ پس جو اجنبی اس کے ساتھ رہتے ہوں یا اس کے پاس ودیعت رکھنے سے ضمان لازم نہ ہوگا۔

قولہ وان تعدی الخ اگر مودع نے ودیعت پر کسی قسم کی تعدی کی مثلاً ودیعت کوئی کپڑا تھا اس کو پہن لیا یا جانور تھا اس پر سوار ہو گیا یا غلام تھا اس سے خدمت لی اس کے بعد اس نے تعدی ختم کردی ضمان بھی ختم ہو جائیگا۔ امام شافعی کے یہاں ضمان سے بری نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ جب مودع تعدی کی وجہ سے ضامن ہو گیا تو عقد ودیعت مرتفع ہو گیا۔ کیونکہ ضمان اور امانت میں منافات ہے۔ لہٰذا جب تک مالک کے پاس واپس نہ کرے بری نہ ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ امر بالحفظ یعنی ایداع ابھی باقی ہے۔ کیونکہ مودع کا قول احفظ ہذا المال مطلق ہے۔ جو جمیع اوقات کو شامل ہے۔ رہا ارتفاع حکم عقد یعنی عدم ضمان سو وہ اس لئے تھا کہ اس کی نقیض ثابت تھی اور جب نقیض مرتفع ہو گئی عقد پھر لوٹ آئے گا۔

قولہ بخلاف المستعیر الخ مستعیر اور مستاجر کے کہ اگر یہ تعدی زائل کردیں تب بھی ضمان سے بری الذمہ نہ ہونگے کیونکہ براءۃ ضمان کا مدار اس پر ہے کہ وہ شئی مالک کے قبضہ کی طرف واپس ہو جائے حقیقۃً ہو یا تقدیراً۔ اور ان دونوں کا قبضہ خود اپنا قبضہ ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا عمل اپنی ذاتی منفعت کے لئے ہوتا ہے۔ بخلاف مودع کے کہ اس کا قبضہ مالک کے قبضہ کے مانند ہے۔

قولہ واقرارہ الخ اسی طرح اگر مودع نے اولاً ایداع کا انکار کیا اور مالک سے صاف کہہ دیا کہ تو نے میرے پاس ودیعت نہیں رکھی پھر ودیعت کا اقرار کرلیا تو اس صورت میں مودع بری نہ ہوگا بلکہ تاوان لازم ہوگا۔ مگر چند شرطوں کے ساتھ (۱) انکار ودیعت مالک کے مطالبہ کے بعد ہو۔ تو اگر مالک نے مودع سے ودیعت کا حال دریافت کیا کہ وہ کیسی ہے۔ اور مودع نے ودیعت کا انکار کیا۔ پھر وہ تلف ہو گئی تو تاوان نہ ہوگا (۲) مودع نے انکار کے زمانہ میں ودیعت کو اس کی جگہ سے منتقل کرلیا ہو۔ اگر منتقل نہیں کیا اور وہ تلف ہو گئی تو تاوان نہ ہوگا (۳) انکار کے وقت کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس سے ودیعت تلف کر ڈالنے کا اندیشہ ہو اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو تو انکار ودیعت سے تاوان لازم نہ ہوگا کیونکہ ایسے شخص کے سامنے انکار کرنا حفاظت ونگہبانی میں داخل ہے (۴) انکار کے بعد ودیعت کو حاضر نہ کیا ہو اگر اس نے ودیعت کو اس طرح حاضر کردیا کہ مالک اس کو لینے پر قادر تھا پھر مالک نے اس سے کہا کہ تو اس کو اپنے پاس ودیعت رہنے دے تو مودع پر تاوان باقی نہ رہیگا۔ کیونکہ یہ ایداع جدید ہے۔ (۵) ودیعت کا انکار مالک کے سامنے ہو۔ اگر کسی اور کے سامنے انکار کیا تو تاوان نہ ہوگا۔ کیونکہ انکار حفظ ودیعت میں داخل ہے۔

قولہ ولہ ان یسافر الخ مودع کے لئے ودیعت کو سفر میں لیجانا جائز ہے گو اس کے اٹھانے میں جانور یا اجرت حمال کی ضرورت ہو۔ بشرطیکہ مالک نے منع نہ کیا ہو اور ودیعت کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ صاحبین کے نزدیک اگر بار برداری کی احتیاج ہو تو سفر میں لیجانا جائز نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک دونوں صورتوں میں لیجانا جائز نہیں کیونکہ انکے یہاں حفظ متعارف پر محمول ہے۔ (وھو الحفظ فی الامصار) صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ صورت مفروضہ میں اس پر بار برداری کی اجرت لازم ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ مودع اس سے

راضی نہ ہوگا۔امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مودع کی جانب سے حفظ ودیعت کا امر مطلق ہے تو جیسے یہ زمانہ کے ساتھ مقید نہیں ایسے ہی کسی مکان کیساتھ بھی مقید نہ ہوگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَوْ اَوْدَعَا شَيْئًا لَمْ يَدْفَعِ الْمُوْدَعُ اِلٰى اَحَدِهِمَا حَظَّهُ حَتّٰى يَحْضُرَ الْاٰخَرُ وَاِنْ اَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَيْنِ

دو آدمیوں نے ودیعت سونپی ایک چیز تو نہ دے مودع کسی ایک کو اس کا حصہ یہاں تک کہ حاضر ہو دوسرا اور اگر ودیعت سونپی ایک نے دو شخصوں کو

مِمَّا يُقْتَسَمُ اِقْتَسَمَاهُ وَحَفِظَ كُلٌّ نِصْفَهُ وَلَوْ دَفَعَ اِلَى الْاٰخَرِ ضَمِنَ بِخِلَافِ مَالَا يُقْسَمُ

ایسی چیز جو تقسیم ہو سکتی ہے تو دونوں تقسیم کر کے آدھی آدھی کی حفاظت کریں اگر دوسرے کو دیدی تو ضامن ہوگا بخلاف اس کے جو تقسیم نہ ہو سکے

وَلَوْ قَالَ لَهُ لَا تَدْفَعْ اِلٰى عِيَالِكَ اَوْ اِحْفَظْ فِي هٰذَا الْبَيْتِ فَدَفَعَهَا اِلٰى مَنْ لَابُدَّ لَهُ مِنْهُ اَوْ حَفِظَهَا فِي بَيْتٍ اٰخَرَ

اگر مودع سے کہا کہ اپنے گھر والوں کو نہ دینا یا اس کوٹھری میں حفاظت کرنا اس نے دیدی ایسے شخص کو جس کو دیئے بغیر چارہ نہیں یا حفاظت کی مکان کی

مِنَ الدَّارِ لَمْ يَضْمَنْ وَاِنْ كَانَ لَهُ مِنْهُ بُدٌّ اَوْ حَفِظَهَا فِي دَارٍ اُخْرٰى ضَمِنَ وَمُوْدَعُ الْغَاصِبِ ضَامِنٌ

کسی اور کوٹھری میں تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اس کو دیئے بغیر چارہ ہو یا حفاظت کرے کسی اور مکان میں تو ضامن ہوگا غاصب کا امین ضامن ہے

لَا مُوْدَعُ الْمُوْدَعِ مَعَهُ اَلْفٌ اِدَّعٰى رَجُلَانِ كُلٌّ اَنَّهُ لَهُ اَوْدَعَهُ اِيَّاهُ

نہ کہ امین کا امین مودع کے پاس ہزار ہیں دو آدمیوں میں سے ہر ایک نے دعوی کیا کہ میرے ہیں میں نے سونپے ہیں

فَنَكَلَ لَهُمَا فَالْاَلْفُ لَهُمَا وَعَلَيْهِ اَلْفٌ اٰخَرُ بَيْنَهُمَا.

مودع نے دونوں کے لئے انکار کیا تو وہ ہزار ان دونوں کے ہوں گے اور مودع پر ایک ہزار اور لازم ہونگے جو انکے درمیان نصفا نصف ہوں گے۔

ودیعت کے باقی احکام

تشریح الفقہ: قولہ ولو اودعا الخ دو آدمیوں نے کوئی چیز مودع کے پاس ودیعت رکھی۔ پھر ایک شخص نے اپنا حصہ واپس کر دینے کا مطالبہ کیا تو اگر وہ چیز ذوات القیم میں سے ہے تو مودع کے لئے اس کا حصہ دینا بالا جماع جائز نہیں۔ تاوقتیکہ دوسرا شخص حاضر نہ ہو۔ اور اگر وہ چیز کیلی یا وزنی ہے تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔ امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں۔ صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اس نے جو کچھ مودع کو سپرد کیا تھا یعنی نصف حصہ وہ اس کا مطالبہ کر رہا ہے۔ لہٰذا اس کو دیدینا چاہیے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ وہ صرف اپنا حصہ نہیں مانگ رہا بلکہ غائب کا حصہ بھی طلب کر رہا ہے۔ اس واسطے کہ وہ مفرز (تقسیم شدہ) کو طلب کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کا حق مشاع میں ہے نہ کہ مفرز میں۔

قولہ ومودع الغاصب الخ ایک شخص نے کوئی چیز غصب کر کے کسی کے پاس ودیعت رکھدی اور وہ ضائع ہوگئی تو مودع ضامن ہوگا اور اگر ایک مودع نے کسی دوسرے کے پاس ودیعت رکھدی مثلاً زید نے خالد کے پاس ودیعت رکھی اور خالد نے محمود کے پاس۔ تو مودع المودع یعنی محمود ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک زید کو اختیار ہوگا چاہے مودع یعنی خالد ضمان لے اور چاہے مودع المودع یعنی محمود سے لے۔ مودع سے لینے کا حق تو ظاہر ہے۔ مودع المودع سے اس لئے لے سکتا ہے کہ اس نے ودیعت پر ضمین کے ہاتھ سے قبضہ کیا ہے تو جیسے مودع غاصب ضامن ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی ضامن ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ زید خالد کے علاوہ دوسرے کی امانت داری سے راضی نہیں تو خالد کی طرف سے تو یہ تعدی ہوئی کہ اس نے.... محمود کے پاس ودیعت رکھی اور محمود کی جانب سے یہ تعدی ہوئی کہ اس نے

اس پر قبضہ کیا لہذا زید دونوں میں سے جس سے چاہے ضمان لے لے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مودع المودع (محمود) نے ضمین سے قبضہ نہیں کیا بلکہ امین کے ہاتھ سے قبضہ کیا ہے۔

اس واسطے کہ مودع اول صرف ودیعت حوالہ کرنے سے ضامن نہیں ہوتا۔ جب تک کہ وہ اس سے جدا نہ ہو تو قبل از مفارقت نہ مودع کی طرف سے تعدی ہے نہ مودع المودع کی طرف سے ہاں جب وہ جدا ہو جائے گا تب اسکی طرف سے تعدی پائی جائے گی کیونکہ اس نے حفظ ملتزم کو ترک کر دیا تو مالک اس سے ترکِ حفظ کے سبب سے ضمان لے گا۔ بخلاف مودع المودع کے کہ اس کی جانب سے کوئی موجب ضمان فعل نہیں پایا گیا لہذا وہ ضامن نہ ہوگا۔

قولہ معہ الف الخ ایک شخص کے پاس ہزار درہم ہیں اس پر دو آدمیوں نے دعوی کیا اور ہر ایک نے کہا کہ یہ ہزار درہم میرے ہیں میں نے اس کے پاس ودیعت رکھے ہیں تو ان دونوں کیلئے اس شخص سے قسم لی جائے گی کیونکہ دونوں کے دعووں میں صداقت کا احتمال ہے۔ سو اگر وہ قسم کھالے تب ان کے لئے کچھ نہ ہوگا کیونکہ حجت نہیں پائی گئی۔ اور اگر وہ دونوں کیلئے قسم کھانے سے انکار کر دے تو وہ ہزار درہم دونوں کے قرار پائیں گے اور اس پر ایک ہزار درہم اور واجب ہونگے جو دونوں مدعیوں کے درمیان نصفا نصف ہونگے کیونکہ اس کا قسم نہ کھانا دونوں دعووں کا اقرار ہوا۔ لہذا دونوں کیلئے ایک ایک ہزار درہم لازم ہونگے اور اس نے کسی ایک کیلئے قسم کھائی تو وہ ہزار درہم اس مدعی کے ٹھہریں گے۔ جس کیلئے اس نے قسم کھائی ہے۔ **لوجود الحجة فی حقه دون الأخر۔**

ع......وصاحب الهداية جعلها من العرية بمعنى العطيه وفما قشته العينى ورده المطرزى وقيل هى فى الاصل اسم موضع بلا نسبة كالدردى والكرسى وهى من التعاوروهو التناوب ۱۲

کتاب العارية

وَهِیَ	تَمْلِيْكُ	الْمَنْفَعَةِ	بِلاَعِوَضٍ
وہ	مالک کرنا ہے	نفع کا	بلا عوض

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ اس کی وجہ مناسبت ہم کتاب الودیعۃ کے ذیل میں بیان کر چکے۔ عاریہ یاء مشددہ کیساتھ ہے (اور تخفیف بھی جائز ہے) جوہری اور ابن اثیر وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ عار کی طرف منسوب ہے کیونکہ دوسرے سے عاریۃً چیز مانگنا باعث عیب ہے مصباح وشرح نقایہ) صاحب مغرب نے عارۃ کی طرف منسوب مانا ہے جو اعارہ کا اسم ہے اور عار بھی عیب کی طرف منسوب ہونے کی تردید کی ہے، وجہ تردید یہ ہے کہ عار یائی ہے اور عاریۃ وادی ہے۔ ائمہ لغت نے اس کی تصریح کی ہے۔ نہایہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔ اس واسطے کہ آنحضرت ﷺ کا عاریۃ طلب کرنا حدیث سے ثابت ہے۔ اگر یہ چیز باعث عار ہوتی تو آپ ہرگز طلب نہ فرماتے۔ اصطلاح شرع میں بلاعوض تملیک منافع کو عاریت کہتے ہیں جو مالک بنائے اس کو معیر اور جس کو مالک بنایا جائے اس کو مستعیر اور جس چیز کی منفعت کا مالک بنایا ہے اس کو عاریت اور مستعار کہتے ہیں۔ تعریف میں بلاعوض کی قید سے اجارہ نکل گیا کہ اس میں گو منافع کی تملیک ہوتی ہے مگر بلاعوض نہیں ہوتی بالعوض ہوتی ہے۔

فائدہ: عاریت کی خوبی قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ " ویمنعون الماعون " اور مانگی نہیں دیتے برتنے کی چیز ماعون اس معمولی چیز کو کہتے ہیں جس کو عاریۃً دیدینے کا عام رواج ہو جیسے ڈول، رسی، ہانڈی، سوئی، کلہاڑی وغیرہ۔ آیت میں معمولی چیز مانگی نہ دینے والوں کی مذمت کی گئی ہے تو عاریت دینا محمود ٹھہرا۔ آنحضرت صلعم کا حضرت صفوان بن امیہ سے حنین کے دن زرہیں عاریت پر لینا اور حضرت ابوطلحہ سے انکا مندوب نامی گھوڑا بطور عاریت لینا حدیث سے ثابت ہے[ع]۔

وَتَصِحُّ بِاَعَرْتُكَ وَاَطْعَمْتُكَ اَرْضِی وَمَنَحْتُكَ ثَوْبِی وَحَمَلْتُكَ عَلٰی دَابَّتِی وَاَخْدَمْتُكَ عَبْدِی

اور صحیح ہے ان الفاظ سے میں نے تجھ کو عاریت دی اپنی زمین کا اناج تجھ کو دیا اپنا کپڑا تجھ کو دیا سوار کیا تجھکو اپنی سواری پر تیری خدمت کو اپنا غلام دیا

وَدَارِیْ لَكَ سُكْنٰی وَدَارِیْ لَكَ عُمْرٰی سُكْنٰی وَيَرْجِعُ الْمُعِيْرُ مَتٰی شَاءَ وَلَوْ هَلَكَتْ بِلاَ تَعَدٍّ

میرا گھر تیرے رہنے کے لئے ہے میرا گھر تیرے لئے عمر بھر رہنے کو ہے واپس لے سکتا ہے معیر جب چاہے اگر ہلاک ہو جائے بغیر تعدی کے

لَمْ يَضْمَنْ وَلاَ تُؤجَرُ وَلاَ تُرْهَنُ كَالْوَدِيْعَةِ فَاِنْ اٰجَرَ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ وَيُعِيْرُ مَالاَيَخْتَلِفُ بِالْمُسْتَعْمِلِ

تو ضامن نہ ہوگا اور نہ کرایہ پر دیجائے اور نہ رہن رکھی جائے ودیعت کی طرح اگر کرایہ پر دی اور ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا مانگی دے سکتا ہے وہ چیز

فَلَوْ قَيَّدَهَا بِوَقْتٍ اَوْ مَنْفَعَةٍ اَوْبِهِمَا لاَيُجَاوِزُ عَمَّا سَمَّاهُ

جو مختلف نہ ہو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے اگر مقید کر دیا ہو مالک نے کسی وقت یا خاص نفع یا دونوں کیساتھ تو تجاوز نہ کرے اس کی تعیین سے

وَاِنْ اَطْلَقَ لَهٗ اَنْ يَنْتَفِعَ اَیَّ نَوْعٍ فِی اَیِّ وَقْتٍ شَاءَ وَعَارِيَةُ الثَّمَنَيْنِ وَالْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ وَالْمَعْدُوْدِ قَرْضٌ

اور اگر کوئی قید نہ ہو تو نفع لے سکتا ہے ہر قسم کا جس وقت چاہے اور عاریت سونے چاندی اور کیلی اور وزنی اور عددی چیزوں کی قرض ہے

ع ......ابوداؤد، نسائی، احمد حاکم عن صفوان، حاکم، دار قطنی، بیہقی عن ابن عباس ۱۲ اعد...... صحیحین عن ابن عباس ۱۲

وَاِنْ اَعَارَ اَرْضًا لِلْبِنَاءِ اَوْ لِلْغَرْسِ صَحَّ وَلَهٗ اَنْ يَرْجِعَ وَيُكَلِّفُ قَلْعَهُمَا

اگر عاریت دی زمین مکان بنانے یا درخت لگانے کے لئے تو صحیح ہے اور وہ واپس لے سکتا ہے اور مجبور کرسکتا ہے ان کو اکھاڑنے پر

وَلَا يَضْمَنُ مَا نَقَصَ اِنْ لَمْ يُوَقِّتْ وَاِنْ وَقَّتَ وَرَجَعَ قَبْلَهٗ ضَمِنَ مَانَقَصَ بِالْقَلْعِ

اور ضامن نہ ہوگا نقصان کا اگر وقت معین کیا ہو اور اگر وقت معین کر کے اس سے پہلے لے تو ضامن ہوگا نقصان کا جو اکھاڑنے سے ہوا ہے

وَاِنْ اَعَارَهَا لِيَزْرَعَهَا لَاتُؤْخَذُ حَتّٰى يُحْصَدَ وَقَّتَ اَوْلَا وَمُؤْنَةُ الرَّدِّ عَلَى الْمُسْتَعِيْرِ وَالْمُوْدِعِ وَالْمُوْجِرِ

اگر کھیتی کیلئے عاریت دی تو نہ لے یہاں تک کہ کٹنے کا وقت آ جائے معین کیا ہو یا نہ کیا ہو اور واپسی کا خرچ مستعیر مودع موجر غاصب اور مرتہن

وَالْغَاصِبِ وَالْمُرْتَهِنِ وَاِنْ رَدَّ الْمُسْتَعِيْرُ الدَّابَّةَ اِلٰى اِصْطَبْلِ مَالِكِهَا اَوِ الْعَبْدَ اِلٰى دَارِ الْمَالِكِ بَرِئَ

پر ہے، اگر پہنچایا مستعیر نے جانور اس کے مالک کے اصطبل تک یا غلام اس کے مالک کے مکان تک تو وہ بری ہو جائیگا

بِخِلَافِ الْمَغْصُوْبِ وَالْوَدِيْعَةِ وَاِنْ رَدَّ الْمُسْتَعِيْرُ الدَّابَّةَ مَعَ عَبْدِهٖ اَوْ اَجِيْرِهٖ مُشَاهَرَةً اَوْ مَعَ عَبْدِ رَبِّ الدَّابَّةِ

بخلاف مغصوب اور ودیعت کے اگر پہنچایا مستعیر نے جانور اپنے غلام یا اپنے درماہہ دار نوکر یا جانور کے مالک کے غلام یا اس کے نوکر کے ہاتھ

اَوْ اَجِيْرِهٖ بَرِئَ بِخِلَافِ الْاَجْنَبِيِّ وَيَكْتُبُ الْمُعَارُ اَنَّكَ اَطْعَمْتَنِيْ اَرْضَكَ.

تو بری ہوجائیگا بخلاف اجنبی کے اور لکھ دے معار کہ تونے مجھ کو اپنی زمین عاریت دی۔

احکام عاریت کی تفصیل

توضیح اللغۃ: معیر عاریت پر دینے والا' تعد زیادتی' عطبت ہلاک ہوگئی' غرس درخت لگانا' قطع اکھاڑنا' یحصد حصد الزرع کھیتی کا کٹنے کے زمانہ کو پہنچنا' مؤنۃ مراد صرفہ' اجیر مزدور' مشاہرۃ ماہانہ' معار مستعیر۔

تشریح الفقہ: قولہ وتصح الخ عاریت مذکورہ ذیل الفاظ سے صحیح ہوجاتی ہے۔ اعرتک۔ کیونکہ یہ لفظ عاریت کیلئے صریح اور حقیقت ہے۔ اطعمتک ارضی۔ یہ لفظ بھی صریح ہے۔ مگر مجازاً کیونکہ جب لفظ اطعام کی اضافت غیر ماکول العین کی طرف ہو تو اس سے مجازاً اس کی پیداوار مراد ہوتی ہے۔ منحتک ثوبی' حملتک علیٰ دابتی۔ کیونکہ منحت اور حملت میں سے ہر ایک تملیک منفعت اور تملیک عین کیلئے حقیقت ہے۔ تو نیت نہ ہونے کے وقت عاریت پر محمول ہوں گے کہ وہ متیقن ہے (مگر یہ اس وقت ہے جب ان سے ہبہ کی نیت نہ ہو) اخدمتک عبدی۔ کیونکہ یہ اجازت استخدام ہے۔ داری لک سکنیٰ۔ کیونکہ لفظ سکنیٰ منفعت میں محکم ہے تو "لک" کے لام کو تملیک منافع پر محمول کیا جائیگا لانہ محتملھا۔

قولہ ویرجع الخ معیر جب چاہے اپنی چیز واپس لے سکتا ہے۔ خواہ عاریت مطلقہ ہو یا مؤقتہ۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "المنحۃ مردودۃ والعاریۃ مؤداۃ" منحہ (یعنی وہ بکری یا گائے یا اونٹنی جو دودھ اپنے کیلئے عاریۃً دی گئی ہو) لوٹائی جائے گی اور عاریت واپس کی جائے گی۔

(۱) لان الاعارۃ دون الاجارۃ لانہا معاوضۃ بخلافہا والشئ لا یتضمن ماہو فوقہ ۱۲۔ (۲) لان منفعتہا معلومۃ ویجوز الانتفاع بہا شرعاً وایجارہا فکذا عارتہا ۱۲۔
(۳) لان العاریۃ غیر لازمۃ ۱۲۔ (۴) لان القلع غیر مستحق قبل الوقت ۱۲۔ (۵) لان المنفعۃ حصلت لہم ۱۲۔ (۶) ای استحساناً لانہ اتی بالتسلیم المتعارف خلافاً للائمۃ الثلاثہ وھو القیاس ۱۲۔ (۷) لان الواجب علی الغاصب فسخ فعلہ وذلک بالرد الی المالک دون غیرہ والودیعۃ لا یرضی المالک بردھا الی الدار والا لما اودعہا ایاہ ۱۲۔
عہ ابوداؤد' ترمذی' ابن حبان' طبرانی عن ابی امامہ' بزار عن ابن عمر' ابن عدی عن ابن عباس' طبرانی عن انس ۱۲۔ عہ ترمذی ۱۲

قولہ ولو هلکت الخ اگر عاریت مستعیر کی زیادتی کے بغیر ضائع ہوجائے تو اس پر تاوان لازم نہ ہوگا' امام مالک' ثوری اور اوزاعی اسی کے قائل ہیں اور یہی حضرت علی' ابن مسعود' حسن' نخعی' شعبی' عمر بن عبدالعزیز (رحمہم اللہ) سے مروی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وہ استعمال معتاد سے ہلاک ہوئی تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا' اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک عاریت امانت ہے مطلقاً نہ کہ بوقت استعمال جیسا کہ امام شافعی واحمد فرماتے ہیں اور یہی قول حضرت ابن عباسؓ ابو ہریرۃؓ عطاء اور اسحٰق کا ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے" **ادلا مانة الی من ائتمنک ولا تخن من خانک**"

وقال علیه السلام " **علی الید ما اخذت حتی تو دیه**" ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا قول ہے" **العاریة بمنزلة الودیعة لاضمان فیها الا ان یتعدیٰ**" اور حضرت علیؓ سے مروی ہے" **لیس علی صاحب العاریة ضمان**" رہی مذکورہ بالا دونوں حدیثیں سوان کا مقتضی وجوب ردعین ہے۔ جس میں کوئی کلام نہیں۔ کلام تو ہلاک عین کے بعد ضمان قیمت کے وجوب میں ہے۔ **واجیب بوجوہ اخر فارجع الی المطولات**۔

قولہ ولاتو جر الخ عاریت کی چیز کو اجارہ پر نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اجارہ معاوضہ ہونے کی بنا پر اعارہ سے مافوق ہے اور شئی اپنے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی' صاحب وہبانیہ نے دس مسائل کو نظم کیا ہے جس میں مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا قبضہ ہو یا نہ ہو۔

ومالک امر لایملکه بدو	ن امرو کیل مستعیر وموجر
رکو باولبسا فیهما ومضارب	ومرتهن ایضاً وقاض یومر
ومستودع مستبضع ومزارع	اذالم یکن من عنده البذر یبذر
وما للمساقی أن یساقی غیره	وان اذن المولی له لیس ینکر

قولہ ویعیر الخ جو چیزیں اختلاف مستعمل سے مختلف نہ ہوتی ہوں ایسی چیزیں مستعیر دوسرے کو عاریت پر دے سکتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں اس کی اجازت نہیں کیونکہ انکے نزدیک اعارہ میں منافع کی اباحت ہوتی ہے۔ اور جس شخص کے لئے کوئی چیز مباح کیجائے وہ اس کو دوسرے کے لئے مباح کرنے کا مجاز نہیں۔ ہمارے نزدیک اعارہ میں منافع کی تملیک ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں تو جب معیر نے مستعیر کو عاریت کے منافع کا مالک بنادیا تو وہ دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے۔

فائدہ: البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مستعیر دوسرے کو ودیعۃً دے سکتا ہے یا نہیں۔ ایک جماعت کے نزدیک جس میں امام کرخی بھی ہیں اس کی اجازت نہیں۔ باقلانی نے اسی کو اصح کہا ہے لیکن مشائخ عراق' ابو اللیث' ابو بکر محمد بن الفضل اور برھان الائمہ وغیرہم کے نزدیک اس کی بھی اجازت ہے۔ ظہیریہ وسراجیہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

قولہ فلو قید ها الخ عاریت کی چار قسمیں ہیں (۱) مطلقہ جس میں مدت اور انتفاع دونوں مذکور نہ ہوں اس کا یہ حکم ہے کہ مستعیر جس طرح چاہے اور جب تک چاہے فائدہ حاصل کر سکتا ہے (۲) مقیدہ۔ جس میں مدت مذکور ہو اور انتفاع مخصوص اس کا حکم یہ ہے کہ وقت معین سے تجاوز کرنا جائز نہیں (۳) جس میں مدت مذکور ہو اور انتفاع غیر مذکور۔ (۴) اس کا عکس۔ انکا حکم یہ ہے کہ معیر کی تعیین سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔

قولہ وعاریة الخ دراہم ودنانیر اور کیلی اور وزنی اور عددی متقارب اشیا کو عاریت پر دینا قرض کے حکم میں ہے کیونکہ اعارہ میں منافع کی تملیک ہوتی ہے۔ اور اشیا مذکورہ سے انتفاع بلا استہلاک عین ہو نہیں سکتا۔ اس لئے ان اشیا میں عاریت بمعنی قرض ہوگی مگر یہ اس وقت ہے جب اعارہ مطلق ہو۔ اور اگر اس کی جہت معین کردی ہو مثلاً یہ کہ میں دراہم اس لئے لے رہا ہوں تا کہ دوکان کی رونق بڑھے اور لوگ مجھے غنی سمجھ کر معاملات کرنے لگیں تو اس صورت میں عاریت قرض کے حکم میں نہ ہوگی۔

کتاب الھبہ

هِيَ تَمْلِيْكُ الْعَيْنِ بِلاَعِوَضٍ وَتَصِحُّ بِإِيْجَابٍ كَوَهَبْتُ وَنَحَلْتُ وَاَطْعَمْتُكَ هٰذَا الطَّعَامَ وَجَعَلْتُهٗ لَكَ

وہ مالک کرنا ہے شیٔ کا بلاعوض اور صحیح ہے ایجاب کے ساتھ جیسے میں نے ہبہ کیا دے ڈالا کھانے کے لئے دیا تجھے یہ کھانا، یہ تیرا ہی کردیا،

وَاَعْمَرْتُكَ هٰذَا الشَّئَ وَحَمَلْتُكَ عَلٰى هٰذِهِ الدَّابَّةِ نَاوِيًا بِهِ الْهِبَةَ وَكَسَوْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ وَدَارِىْ لَكَ هِبَةً

عمر بھر کو دی تجھے یہ چیز یہ سواری تجھے دی سوار ہونے کے لئے نیت کرتے ہوئے اس سے ہبہ کی پہنا دیا تجھے یہ کپڑا میرا گھر تیرے لئے ہبہ ہے

تَسْكُنُهَا لاَهِبَةً سُكْنٰى اَوْ سُكْنٰى هِبَةً وَقَبُوْلٍ وَقَبْضٍ فِى الْمَجْلِسِ بِلاَ اِذْنِهٖ وَبَعْدَهٗ بِهٖ

اس میں رہیو نہ کہ اس سے کہ رہنے کو ہبہ ہے یا ہبہ کا رہنا اور قبول کرنے اور قبضہ کرنے کے ساتھ مجلس میں بلا حکم واہب اور مجلس کے بعد اس کے حکم سے

فِىْ مُحَوَّزٍ مَقْسُوْمٍ وَمُشَاعٍ لاَيُقْسَمُ لاَفِيْمَا قُسِمَ فَاِنْ قَسَمَهٗ وَسَلَّمَهٗ صَحَّ وَاِنْ وَهَبَ دَقِيْقًا فِىْ بُرٍّ

مقبوض و مقسوم میں اور مشترک میں جو تقسیم نہیں ہوسکتی نہ کہ تقسیم ہوجانے والی میں پس اگر تقسیم کر کے حوالے کردی تو صحیح ہے اگر ہبہ کیا آٹا گیہوں میں

لاَ وَاِنْ طَحَنَ وَسَلَّمَ وَكَذَا الدُّهْنُ فِى السِّمْسِمِ وَالسَّمَنُ فِى اللَّبَنِ وَمَلَكَ بِلاَ قَبْضٍ جَدِيْدٍ لَوْ فِىْ

تو صحیح نہیں گو پیس کر حوالہ کرے اسی طرح تیل تل میں اور گھی دودھ میں اور مالک ہوجائیگا نئے قبضہ کے بغیر اگر ہو وہ موہوب لہ کے قبضہ میں

يَدِ الْمَوْهُوْبِ لَهٗ وَهِبَةُ الاَبِ لِطِفْلِهٖ تَتِمُّ بِالْعَقْدِ وَاِنْ وَهَبَ لَهٗ اَجْنَبِىٌّ تَتِمُّ بِقَبْضِ وَلِيِّهٖ وَاُمِّهٖ

اور باپ کا ہبہ اپنے بچہ کے لئے تام ہوجاتا ہے عقد سے اور اگر ہبہ کیا بچہ کے لئے اجنبی نے تو تام ہوجائیگا اس کے ولی یا اسکی ماں

وَاَجْنَبِىٍّ لَوْ فِىْ حَجْرِهِمَا وَبِقَبْضِهٖ اِنْ عَقَلَ وَلَوْ وَهَبَ اِثْنَانِ دَارًا لِوَاحِدٍ صَحَّ

یا اجنبی کے قبضہ کرنے سے اگر وہ ان کی پرورش میں ہو اور بچہ کے قبضہ کرنے سے اگر وہ سمجھتا ہو اگر ہبہ کیا دو نے کوئی مکان ایک کے لئے تو صحیح ہے

لاَعَكْسُهٗ وَصَحَّ تَصَدُّقُ عَشَرَةٍ وَهِبَتُهَا لِفَقِيْرَيْنِ لاَ لِغَنِيَّيْنِ.

نہ کہ اس کا عکس صحیح ہے صدقہ اور ہبہ کرنا دس روپیوں کو دو فقیروں پر نہ کہ دو مالداروں پر۔

توضیح اللغۃ: نحلت بمعنی اعطیت، کسوتک تجھے پہنا دیا، محوز مقبوض جو ملک غیر اور اس کے حقوق سے فارغ ہو۔ دقیق آٹا، بر گیہوں، طحن پیس دیا، دھن تیل، سمسم تل، سمن گھی، لبن دودھ، حجر گود، پرورش۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ اس کی وجہ مناسبت ہم پہلے عرض کرچکے کہ عاریت میں بلاعوض منافع کی تملیک ہوتی ہے۔ اور ہبہ میں بلاعوض تملیک عین شئی مع منفعت ہوتی ہے۔ فالعاریۃ کالمفرد من الھبۃ، ہبہ اصل میں وھب یھب (ض) کا مصدر ہے۔ شروع سے واؤ کو حذف کر کے آخر میں ہاء تانیث زیادہ کردی گئی جیسے وعد یعد سے عدۃ ہے ' لغت میں ہبہ اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کو ایسی چیز دی جائے جو اس کے لئے نافع ہو مال ہو یا غیر مال۔ قال اللہ تعالیٰ" فھب لی من لدنک ولیاً" یہ کبھی

....

عہ ......لان تمامہ بالقبض وعندہ لاشیوع ۱۲ ھدیہ للعہ.........لانہ فی قبض الاب فینوب عن قبض الھبہ ۱۲

(۱) وھذا استحسان والقیاس ان لایجوز وھو قول الشافعی لانہ تصرف فی ملک الغیر وجہ الاستحسان ان القبض کالقبول فی البتہ فیکون الایجاب منہ تسلیطاً علی القبض کما الایجاب منہ یکون تسلیطاً علی القبول ۱۲ مجمع (۲) لان الموھوب معدوم فانہ انما یحدث بالعصر والطحن ولا معتبر بکونہ موجوداً بالقوۃ لان عامۃ الممکنات کذلک فلاتسمیٰ موجودۃ ۱۲ عنایہ.

متعدی باللام ہوتا ہے۔ جیسے وھبتہ لہ اور کبھی بنفسہ جیسے وھبتکہ حکاہ ابو عمرو (قاموس) اور کبھی من کے ساتھ جیسے وہبتہ منک ۔احادیث کثیرہ سے استعمال ثابت ہے جیسا کہ دقائق نووی میں ہے۔ فقول المطرزی انہ خطاء و التفتازانی انہ من عبارۃ الفقھاء ظن شرع میں ہبہ تملیک عین بلاعوض کو کہتے ہیں۔تملیک عین سے اباحت اور عاریت نکل گئی۔اور بلاعوض کی قید سے اجارہ اور بیع نکل گئی۔لیکن یہ تعریف وصیت پر صادق آتی ہے۔اس لئے ابن کمال نے تملیک حال کی قید اور زیادہ کی ہے۔ ہبہ کرنے والے کو واہب اور جس کو ہبہ کیا جائے اس کو موہوب لہ اور جو چیز ہبہ کی جائے اس کو موہوب کہتے ہیں۔

فائدہ: ہبہ کا جواز واستحباب حدیث سے ثابت ہے۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو تا کہ آپس میں محبت زیادہ ہو'' نیز آپ کا ارشاد ہے کہ ''آپس میں ہدیہ بھیجو کیونکہ ہدیہ کینہ کو دور کرتا ہے۔''

قولہ وتصح الخ جب واہب کی طرف سے وہبت، نحلت وغیرہ الفاظ سے ایجاب ہو اور موہوب لہ کی طرف سے قبول ہو تو یہ ہبہ منعقد ہو جاتا ہے۔کیونکہ ہبہ بھی ایک طرح کا عقد ہے۔اور عقد ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اور جب موہوب لہ کیطرف سے مجلس میں قبضہ متحقق ہو جائے تو ہبہ تام ہو جاتا ہے۔کیونکہ ہبہ میں موہوب لہ کے لئے ملک ثابت ہوتی ہے۔اور ثبوت ملک کے لئے قبضہ کا ہونا ضروری ہے۔امام مالک کے نزدیک قبضہ سے پہلے بھی ملک ثابت ہو جاتی ہے وہ اس کو بیع پر قیاس کرتے ہیں کہ مشتری قبل از قبض مبیع کا مالک ہو جاتا ہے ہماری دلیل یہ اثر ہے'' لاتجوز الھبۃ حتی تقبض ''۔

قولہ ھبۃً سکنی الخ ہبۃً سکنی اور سکنی ہبۃً میں لفظ ہبہ حال یا تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ لمافی قولہ داری لک من الابھام مطلب یہ ہے کہ اگر واہب یوں کہے داری لک ھبۃً سکنی یا یوں کہے داری لک سکنی ھبۃً تو اس سے ہبہ نہ ہوگا۔کیونکہ لفظ سکنی تملیک منفعت میں محکم ہے تو اس سے عاریت ہوگی نہ کہ ہبہ خواہ لفظ ہبہ کو مقدم ذکر کرے یا مؤخر۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر ایجاب کالفظ تملیک رقبہ پر دال ہو تو ہبہ ہوگا۔اور تملیک منافع پر دال ہو تو عاریت اور اگر دونوں کا احتمال ہو تو نیت کا اعتبار ہوگا۔

قولہ فی محوز الخ جو چیزیں محتمل القسمۃ ہیں یعنی ان میں تقسیم ہونے کی صلاحیت ہے اور واہب ایسی چیز ہبہ کرنا چاہے تو اگر وہ محوز ہو یعنی ملک واہب اور اس کے حقوق سے فارغ ہو اور مقسوم ہو تو اس کا ہبہ درست ہے اور اگر محوز و مقسوم نہ ہو تو درست نہیں۔پس درخت پر لگے ہوئے پھلوں کا اور پشت غنم پر رہتے ہوئے اون کا اور زمین پر کھڑی ہوئی کھیتی کا ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ لیکن جو چیزیں قیمت پذیر ہوں یعنی تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہ رہیں تو خواہ ان سے انتفاع بالکل نہ ہو سکے جیسے عبد واحد اور دابہ واحدہ۔یا جو انتفاع قبل از تقسیم ہو سکتا تھا وہ فوت ہو جائے جیسے بیت صغیر، حمام صغیر وغیرہ ایسی چیزوں میں ہبہ مشاع یعنی ہبہ غیر مقسوم جائز ہے۔امام شافعی کے یہاں دونوں صورتوں میں ہبہ مشاع جائز ہے۔کیونکہ ہبہ عقد تملیک ہے تو بیوع کی طرح یہ بھی مشاع وغیر مشاع ہر دو میں جائز ہوگا۔ہم یہ کہتے ہیں کہ ''لایجوز الھبۃ حتی تقبض ''میں قبضہ منصوص علیہ ہے۔لہٰذا کمال قبضہ شرط ہوگا۔اور مشاع میں کمال قبضہ کی صلاحیت نہیں۔تو مشاع مایقسم کا ہبہ جائز نہ ہوگا۔

قولہ ولو وھب اثنان الخ اگر دو آدمی ایک گھر ایک آدمی کو ہبہ کریں تو ہبہ درست ہے۔کیونکہ دونوں نے پورا گھر موہوب لہ کے حوالے کیا ہے۔اور موہوب لہ نے پورے پر قبضہ کیا ہے۔تو شیوع نہ پایا گیا لہٰذا ہبہ صحیح ہے لیکن اس کا عکس صحیح نہیں یعنی اگر

عہ...... بخاری (فی الادب المفرد) نسائی (فی الکنی) ابویعلی (فی المسند) بیہقی (فی شعب الایمان۔ابن عدی (فی الکامل) عن ابی ہریرۃ حاکم (فی معرفۃ علوم الحدیث) عن ابن عمرؓ ابن القاسم (فی الترغیب والترھیب) عن ابن عمر طبرانی (فی الاوسط) عن عائشۃ مالک (مرسلاً) عن عطاء بن عبداللہ ۱۲ عہ بزار عن انس ۱۲ عبدالرزاق من قول ابراہیم النخعی ۱۲

ایک شخص اپنا گھر دو آدمیوں کو ہبہ کرے تو امام صاحب اور امام زفرؒ کے نزدیک صحیح نہیں۔ صاحبین کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ تملیک متحد اور عقد واحد ہے تو شیوع نہ رہا۔ جیسے ایک چیز دو شخصوں کے پاس گروی رکھنا صحیح ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ واہب نے ہر ایک کو نصف نصف گھر ہبہ کیا ہے۔ اور نصف غیر معین وغیر مقسوم ہے۔ پس متحمل القسمۃ میں شیوع پایا گیا۔ جو جواز ہبہ کے لئے مانع ہے بخلاف رہن کے کہ اس میں کل شئی ہر ایک کے دین کے بدلہ میں محبوس ہوگی اس لئے رہن صحیح ہے۔

قولہ وصح الخ اگر دس درہم دو فقیروں کیلئے ہبہ یا صدقہ کئے تو صحیح ہے۔ کیونکہ فقیر کو ہبہ کرنا درحقیقت صدقہ اور خیرات ہے۔ جس سے مقصود رضائے ذات باری تعالیٰ ہے۔ اور وہ ایک ذات ہے تو شیوع نہ ہوا۔ لیکن اگر دو مالداروں کی ہبہ یا صدقہ کئے تو صحیح نہیں۔ کیونکہ مالدار کو صدقہ کرنا درحقیقت ہبہ ہے۔ تو موہوب لہ دو شخص ہوئے اور شیوع ثابت ہوگیا۔ صاحبین کے نزدیک مالداروں کے لئے بھی صحیح ہے۔　محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب الرجوع فی الھبة

باب ہبہ واپس لے لینے کے بیان میں

صَحَّ الرُّجُوْعُ فِيْهَا وَمَنَعَ الرُّجُوْعَ دَمْعُ خَزَقَهٗ فَالدَّالُ اَلزِّيَادَةُ الْمُتَّصِلَةُ

صحیح ہے رجوع کرنا ہبہ میں اور منع کرتا ہے رجوع سے (امور سبعہ میں سے کوئی چیز جن کی طرف) دمع خزقہ (سے اشارہ ہے) پس دال سے زیادتی

كَالْغَرْسِ وَالْبِنَاءِ وَالسِّمَنِ وَالْمِيْمُ .مَوْتُ اَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَالْعَيْنُ الْعِوَضُ فَاِنْ قَالَ خُذْهُ

متصلہ مراد ہے جیسے درخت لگالینا مکان بنانا جانور کا موٹا ہو جانا اور میم سے احد المتعاقدین کی موت اور عین سے عوض مراد ہے پس اگر کہے کہ لے لے

عِوَضَ هِبَتِكَ اَوْ بَدَلَهَا اَوْ بِمُقَابَلَتِهَا فَقَبَضَهُ الْوَاهِبُ سَقَطَ الرُّجُوْعُ وَصَحَّ عَنْ اَجْنَبِيٍّ وَاِنْ اسْتُحِقَّ

یہ عوض اپنے ہبہ کا یا اس کا بدل یا اس کے مقابلہ میں اور واہب لے لے تو ساقط ہو جائیگا حق رجوع اور صحیح ہے عوض دینا اجنبی سے اور اگر کسی اور کا نکلا

نِصْفُ الْهِبَةِ رَجَعَ بِنِصْفِ الْعِوَضِ وَبِعَكْسِهٖ لَا حَتّٰى يَرُدَّ مَابَقِيَ وَلَوْ عَوَّضَ النِّصْفَ رَجَعَ بِمَا لَمْ يُعَوِّضْ

آدھا ہبہ تو لے لے آدھا عوض اور اس کے عکس میں نہیں یہاں تک کہ لوٹائے باقی اگر عوض دیا آدھے کا تو لے لے اتنا جتنے کا عوض نہیں دیا

وَالْخَاءُ خُرُوْجُ الْهِبَةِ مِنْ مِلْكِ الْمَوْهُوْبِ لَهٗ وَبِبَيْعِ نِصْفِهَا رَجَعَ فِيْ نِصْفٍ كَعَدَمِ بَيْعِ شَيْءٍ.

اور خاء سے مراد خارج ہو جانا ہے ہبہ کا موہوب لہ کی ملک سے اور آدھا بیچ دینے سے لے لے باقی آدھا جیسے بالکل نہ بیچنے کی صورت میں۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ ہبہ کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے لئے شئی موہوب میں ملک غیر لازم ثابت ہوتی ہے۔ تو واہب کیلئے رجوع کرنا اور شئی موہوب واپس لینا جائز ہوا لیکن کچھ موانع ایسے ہیں جن کی وجہ سے رجوع نہیں کرسکتا۔ اس باب میں ان موانع کی تفصیل ہے پھر عنوان میں ہبہ سے مراد موہوب ہے کیونکہ رجوع اعیان میں ہوتا ہے نہ کہ اقوال میں۔

قولہ صح الخ واہب کو ہبہ کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنے اور موہوب شئی کو واپس لے لینے کا حق ہے۔ واپس لے سکتا ہے۔ امام شافعی کے یہاں رجوع کا حق نہیں سوائے باپ کے کہ اگر وہ اپنی اولاد کو کوئی چیز ہبہ کرے تو واپس لے سکتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ

ع ...... نسائی ابن ماجہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سنن اربعہ، ابن حبان، حاکم، احمد، طبرانی، دارقطنی عن ابن عمرو وابن عباس (علی غیر لفظہ) ۱۲

عہ ...... ابن ماجه، دارقطنی، ابن ابی شیبه عن ابی هریرة، دارقطنی، طبرانی ابن عباس، حاکم، دارقطنی، بیهقی عن ابن عمر ۱۲

کا ارشاد ہے کہ" واہب ہبہ میں رجوع نہ کرے مگر باپ کہ وہ اس چیز میں رجوع کرسکتا ہے جو اپنی اولاد کو ہبہ کرے" ہماری دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ واہب شئی موہوب کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ وہ اس کا بدلہ نہ لے" امام شافعی کا مستدل سو اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ کے علاوہ کسی اور کیلئے سزاوار نہیں۔

کہ وہ قاضی اور تراضی کے بغیر ہبہ میں رجوع کرے ہاں باپ عندالاحتیاج خود رجوع کرسکتا ہے۔ گویا ممانعت کراہت رجوع پر محمول ہے۔ اور اس سے بھی ہم متفق ہیں کہ رجوع کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہبہ میں رجوع کرنے والا ایسا ہے جیسے کتا کہ وہ قے کرنے کے بعد پھر کھالیتا ہے۔

قولہ ومنع الخ ہبہ میں رجوع کرنے سے سات امور مانع ہوتے ہیں۔ مجموعۃ "دمع خزقہ" کے حروف سے انہی موانع سبعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو شاعر کی اس شعر سے ماخوذ ہے۔

ومانع عن الرجوع فی الھبۃ　　　یا صاحبی حروف دمع خزقہ

مجموعہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کو آنسو نے زخمی کرڈالا خزق بمعنی طعن ہے پس شاعر نے آنسو کو برچھی کیساتھ تشبیہ دی ہے۔

مانع رجوع امور سبعہ کی تفصیل

قولہ فالدال الخ اجمال سابق کی تفصیل ہے یعنی مجموعہ مذکورہ کے پہلے حرف دال سے نفس شئی موہوب میں زیادہ متصلہ کی طرف اشارہ ہے کہ اگر عین موہوب میں کوئی ایسی زیادتی متصل ہوگئی جس سے اس کی قیمت بڑھ گئی۔ مثلاً موہوب زمین تھی۔ موہوب لہ نے اس میں عمارت بنالی یا درخت لگادیے۔ یا موہوب لہ نے اس کو کھلا پلا کر فربہ کرلیا تو اس صورت میں واہب رجوع نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ وہ زیادتی کے بغیر رجوع کرنا چاہے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ فربہی کو دور کرنا اس کے بس کی بات نہیں اور اگر زیادتی کے ساتھ رجوع کرنا چاہے تو یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ زیادتی عقد ہبہ میں داخل نہیں۔ اور میم احدالمتعاقدین کی موت کی طرف اشارہ ہے کہ موت کی صورت میں بھی رجوع جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اگر موہوب لہ مرگیا تو ملک اس کے ورثہ کی طرف منتقل ہوگئی تو جیسے اس کی زندگی میں انتقال ملک کے بعد رجوع جائز نہیں۔ اسی طرح مرنے کے بعد انتقال ملک کی صورت میں رجوع جائز نہ ہوگا۔ اور اگر واہب مرگیا تو اس کے ورثہ عقد ہبہ کے لحاظ سے اجنبی محض ہیں عہ۔ اور عین سے مراد عوض ہے جو ہبہ کہ بدلہ میں موہوب لہ واہب کو دے بشرطیکہ وہ اس کی اضافت ہبہ کی طرف کرے۔ مثلاً موہوب لہ واہب سے کہے کہ یہ چیز اپنے ہبہ کا عوض یا اسکا بدلہ یا اس کے مقابلہ میں لے لے اور واہب اس پر قبضہ کرلے تو حق رجوع ساقط ہو جائیگا۔ اسیطرح اگر کوئی اجنبی شخص موہوب لہ کی طرف سے واہب کے ہبہ کا عوض دیدے تب بھی حق رجوع ساقط ہوجاتا ہے۔ اور اگر عوض دینے کے بعد نصف موہوب کسی اور کا نکلا تو موہوب لہ اپنا نصف عوض واہب سے واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اگر نصف عوض کسی اور کا نکلے تو واہب یہ نہیں کرسکتا کہ نصف موہوب واپس لے لے بلکہ جو نصف عوض اس کے پاس باقی ہے وہ موہوب لہ کو واپس کر کے اپنا کل موہوب واپس لے گا یا اسی نصف عوض پر قناعت کریگا' البتہ امام زفر کے نزدیک واہب کو بھی رجوع کا حق ہے۔ اور خا سے مراد موہوب کا موہوب لہ کی ملک سے خارج ہوجانا ہے مثلاً موہوب لہ اس کو فروخت کرڈالے یا کسی کو ہبہ کردے تو واہب رجوع نہیں کرسکتا اور موہوب لہ نے نصف موہوب کو فروخت کیا تو واہب نصف باقی میں رجوع کرسکتا ہے۔

عہ......الجماعۃ الاالترمذی عن ابن عباس ۱۲ عہ...... وقد نظم مصنف التنویر مایسقط بالموت فقال' عہ......

کفارۃ دیۃ خراج ورابع +ضمان لعتق ھکذا نفقات

کذاھبۃ حکم الجمیع سقوطھا +بموت بمال الجمیع صلات

وَالزَّاءُ الزَّوْجِيَّةُ فَلَوْ وَهَبَ ثُمَّ نَكَحَهَا رَجَعَ وَبِالْعَكْسِ لاَ وَالْقَافُ الْقَرَابَةُ

اور زاء سے مراد زوجیت ہے پس اگر ہبہ کیا پھر اس سے نکاح کرلیا تو رجوع کرسکتا ہے نہ کہ اس کے عکس میں اور قاف سے مراد قرابت ہے

فَلَوْ وَهَبَ لِذِیْ رِحْمٍ مُحْرَمٍ مِنْهُ لاَيَرْجِعُ فِيهَا وَالْهَاءُ الْهَلاکُ فَلَوْ اِدَّعَاهُ صُدِّقَ وَاِنَّمَا يَصِحُّ الرُّجُوْعُ

پس اگر ہبہ کیا اپنے ذی رحم محرم کو تو رجوع نہیں کرسکتا اور ہاء سے مراد ہلاکت ہے پس اگر دعویٰ کرے ہلاکت کا تو تصدیق کیجائیگی اور رجوع آپس کی

بِتَرَاضِيهِمَا اَوْ بِحُكْمِ الْحَاكِمِ فَاِنْ تَلَفَتِ الْمَوْهُوْبَةُ وَاسْتَحَقَّهَا مُسْتَحِقٌّ وَضَمِنَ الْمَوْهُوْبُ لَهٗ

رضامندی یا حاکم کے حکم ہی سے صحیح ہے پس اگر ہلاک ہوگئی موہوب شئی پھر اس کا مستحق نکل آیا اور اس نے موہوب لہ سے تاوان لیا

لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْوَاهِبِ بِمَا ضَمِنَ وَالْهِبَةُ بِشَرْطِ الْعِوَضِ هِبَةٌ اِبْتِدَاءً فَيُشْتَرَطُ التَّقَابُضُ فِي الْعِوَضَيْنِ وَتَبْطُلُ

تو وہ واہب سے یہ تاوان نہیں لے سکتا اور ہبہ عوض کی شرط پر ہبہ ہوتا ہے ابتداء پس شرط ہوگا قبضہ کرنا دونوں عوضوں پر اور باطل ہوجائیگا شیوع سے

بِالشُّيُوْعِ بَيْعٌ اِنْتِهَاءً فَيُرَدُّ بِالْعَيْبِ وَخِيَارِ الرُّؤْيَةِ وَتُؤْخَذُ بِالشُّفْعَةِ.

اور بیع ہوتا ہے آخر کار پس واپس کیا جاسکتا ہے عیب اور خیار رویت کے سبب سے اور لیا جاسکتا ہے حق شفعہ سے۔

تشریح الفقہ: **قوله والزاء الخ** زا سے مراد بوقت ہبہ واہب وموہوب لہ کے درمیان علاقہ زوجیت کا ہونا ہے۔ تو اگر کسی نے اجنبیہ عورت کو کوئی چیز ہبہ کی پھر اس سے نکاح کرلیا تو رجوع کرسکتا ہے۔ کیونکہ ہبہ کے وقت زوجیت نہیں تھی اور اگر اپنی بیوی کو کوئی چیز ہبہ کی پھر اس کو جدا کردیا تو رجوع نہیں کرسکتا۔ قاف سے مراد قرابت محرمیت ہے۔ یعنی ایسی قرابت جس سے نکاح حرام ہوجائے۔ تو اگر اپنے کسی ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کی تو اس میں رجوع نہیں کرسکتا۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جب ہبہ ذی رحم محرم کے لئے ہو تو اس میں رجوع نہ کرے" ہا سے مراد شئی موہوب۔ یا اس کے منافع عامہ کا ہلاک ہوجانا ہے کہ ہلاک ہوجانے کی صورت میں بھی واہب رجوع نہیں کرسکتا۔ اور ہلاکت موہوب کے سلسلہ میں موہوب لہ کا قول معتبر ہوگا۔ یعنی اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ ضائع ہوگئی تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔

قوله والهبة بشرط العوض الخ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ابتداء عقد کے اعتبار سے ہبہ ہوتا ہے۔ اور انتہا کے اعتبار سے بیع ہوتا ہے تو ہبہ ہونے کے لحاظ سے عوضین پر قبضہ کرنا شرط ہوگا۔ اور اگر موہوب متحمل القسمۃ شئی ہو اور مشاع ہو تو عوض باطل ہوگا' بیع ہونے کے لحاظ سے ہبہ خیار رویت اور خیار عیب کی بناء پر واپس کیا جائے گا اور اس میں شفیع کے لئے حق شفعہ بھی ثابت ہوگا' امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ابتدا و انتہا ہر دو اعتبار سے بیع ہے۔ کیونکہ ہبہ میں بیع کے معنی ہوتے ہیں یعنی تملیک بالعوض۔ اور عقود میں معانی ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں دونوں جہتیں ہیں۔ لفظ کے اعتبار سے ہبہ ہے اور معنی کے اعتبار سے بیع تو حتی الامکان دونوں جہتوں پر عمل کیا جائے گا۔

فَصْلٌ: وَمَنْ وَهَبَ اَمَةً اِلاَّ حَمْلَهَا اَوْ عَلٰى اَنْ يَرُدَّهَا عَلَيْهِ اَوْ يُعْتِقَهَا اَوْ يَسْتَوْلِدَهَا اَوْ دَارًا عَلٰى اَنْ يَرُدَّ عَلَيْهِ

(فصل) جس نے ہبہ کی باندی نہ کہ اس کا حمل یا اس شرط پر کہ واپس کردیگا اس کو یا آزاد کردیگا یا ام ولد کرلیگا یا مکان اس شرط پر کہ واپس کرلیگا

شَيْئًا مِنْهَا اَوْ يُعَوِّضَهٗ شَيْئًا مِنْهَا صَحَّتِ الْهِبَةُ وَبَطَلَ الاِسْتِثْنَاءُ وَالشَّرْطُ وَمَنْ قَالَ لِمَدْيُوْنِهٖ اِذَا جَاءَ غَدٌ

اس کا کچھ حصہ یا عوض دیگا اس کے کچھ حصہ کا تو صحیح ہوگا ہبہ اور باطل ہوگا استثناء اور شرط جس نے کہا اپنے مقروض سے کہ جب کل ہو تو وہ قرض

فَھُوَ لَکَ اَوْ اَنْتَ بَرِیٌٔ مِنْہُ اَوْ اِنْ اَدَّیْتَ اِلَیَّ نِصْفَہٗ فَلَکَ نِصْفُہٗ اَوْ اَنْتَ بَرِیٌٔ مِنَ النِّصْفِ الْبَاقِیْ فَھُوَ بَاطِلٌ

تیراہے یا تو اس سے بری ہے یا کہا کہ اگر تو مجھ کو آدھا قرض دیدے تو باقی آدھا تیراہے یا تو بری ہے باقی آدھے سے تو یہ باطل ہے

وَصَحَّ الْعُمْرٰی لِلْمُعْمَرِ حَالَ حَیَاتِہٖ وَلِوَرَثَتِہٖ بَعْدَہٗ وَھِیَ اَنْ یَجْعَلَ دَارَہٗ لَہٗ عُمْرَہٗ

اور صحیح ہے عمریٰ معمر کے لئے اس کی زندگی تک اور اس کے ورثہ کے لئے اس کے بعد اور وہ یہ ہے کہ کردے اپنا گھر کسی کیلئے اس کی زندگی تک

فَاِذَا مَاتَ تُرَدُّ عَلَیْہِ لَا الرُّقْبٰی اَیْ اِنْ مُتُّ قَبْلَکَ فَھُوَ لَکَ وَالصَّدَقَۃُ کَالْھِبَۃِ

جب وہ مرجائے تو واپس کردیا جائے مالک کو صحیح نہیں رقبیٰ یعنی اگر میں تجھ سے پہلے مرجاؤں تو وہ تیراہے اور صدقہ ہبہ کی طرح ہے

لَا تَصِحُّ اِلَّا بِالْقَبْضِ وَلَا فِیْ مُشَاعٍ یَحْتَمِلُ الْقِسْمَۃَ وَلَا رُجُوْعَ فِیْھَا.

کہ صحیح نہیں مگر قبضہ کے ساتھ اور صحیح نہیں مشترک میں جو قابل تقسیم ہو اور صحیح نہیں صدقہ میں رجوع کرنا۔

مسائل متفرقہ

تشریح الفقہ: قولہ ومن وھب امۃ الخ ومن وہب سے ''وبطل الاستثناء والشرط'' تک جو چھ مسئلے ہیں ان سب میں ہبہ صحیح ہے۔ اور پہلی صورت میں استثنا اور باقی صورتوں میں کل شرطیں باطل ہیں۔ کیونکہ یہ شرطیں فاسد ہیں اور ہبہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔

قولہ ومن قال لمدیونہ الخ ایک شخص نے اپنے مقروض سے کہا کہ جب کل ہو تو وہ قرض تیرا ہے۔ یا تو اس سے بری ہے یا کہا کہ اگر تو مجھ کو نصف قرض ادا کردے تو باقی نصف قرض تیرا ہے۔ یا تو اس سے بری ہے تو یہ چار صورتیں باطل ہیں۔ کیونکہ ابراء من وجہ تملیک ہے اور من وجہ اسقاط۔ اور مقروض کو دین ہبہ کرنا ابراء ہے پس اس نے ابراء دین کو صریح شرط پر معلق کیا۔ حالانکہ تعلیق بالشرط اسقاطات محضہ کے ساتھ خاص ہے جن میں قسم کھلائی جاتی ہے۔ جیسے طلاق، عتاق والابراء وان کان اسقاطاً من وجہ لکن لیس من جنس مایحلف بھا فلایصح تعلیقہ بالشرط۔

قولہ وصح العمری الخ عمریٰ اعمار کا اسم ہے۔ یقال اعمرتہ الدار عمری۔ میں نے اس کو مکان زندگی بھر رہنے کیلئے دیدیا جب وہ مرجائیگا تو واپس لے لونگا۔ اس طرح ہبہ کرنا صحیح ہے۔ اور واپسی کی شرط باطل ہے۔ پس مدت العمر وہ مکان معمر لہ (موہوب لہ) کے لئے ہوگا۔ اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کے لئے ہوگا۔ حضرت ابن عباس وابن عمر اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ اور قول جدید میں امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں، حضرت علی، شریح، مجاہد، طاؤس اور ثوری سے بھی یہی مروی ہے، فقیہ لیث، امام مالک اور امام شافعی کا قول قدیم ہے کہ عمریٰ میں منافع کی تملیک ہوتی ہے نہ کہ تملیک عین، پس تادم حیات مکان معمر لہ کیلئے ہوگا۔ اور بعد مرگ اصل مالک کو واپس کردیا جائیگا۔ کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ جس عمریٰ کو آنحضرت ﷺ نے جائز فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ معمریوں کہے) ''ھی لک ولعقبک'' اگر صرف اتنا کہا ''ھی لک ماعشت'' تو اس صورت میں مالک کو واپس کیا جائیگا' ابن الاعرابی سے منقول ہے کہ اس میں اہل عرب کا اختلاف نہیں۔ کہ عمریٰ اور رقبیٰ میں شئی اصل مالک کی مملوک ہوتی ہے اور منافع موہوب لہ کے لئے ہوتے ہیں (ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اپنا مال اپنے پاس روکو تباہ نہ کرو بیشک جس نے عمریٰ کیا

(۱) لان المقصود بہا الثواب وقد حصل بخلاف الھبۃ فلا رجوع فی الھبۃ لفقیر استحسانا لان المقصود بہا الثواب دون العوض اذ لو کان قصدہ العوض لاختار للھبۃ من یکون اقدر علی اداۂ ولما اختار الفقیر مع عجزہ عن ادائہ ۱۲

سو جیتے جی تک وہ اس کا ہے جس کو دیا گیا اور مرنے کے بعد اس کے وارثوں کا ہے۔" نیز آپ کا ارشاد ہے کہ "جو چیز بطور عمریٰ دی گئی وہ معمرلہ اور اس کے وارثوں کی ہے" واما قول ابن الاعرابی فلا یضر لان الشارع نقلها الی تملیک الرقبة۔

قوله الا الرقبیٰ الخ رقبیٰ یہ ہے کہ مالک یوں کہے" داری لک رقبیٰ" یعنی اگر میں تجھ سے پہلے مر جاؤں تو یہ گھر تیرا ہے اور اگر مجھ سے پہلے تو مر جائے تو میرا ہے۔ طرفین اور امام مالک کے نزدیک ہبہ کی یہ صورت جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں ان میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کا منتظر رہتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمریٰ کو جائز رکھا ہے اور رقبیٰ کو رد کیا ہے۔ مگر یہ حدیث مل نہیں سکی" ولعل الله یحدث بعد ذلک امر" امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک رقبیٰ جائز ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص عمریٰ کرے تو اس کا مالک زندگی اور موت میں معمر ہے۔ اور رقبیٰ نہ کرو جو شخص بطریق رقبیٰ دے تو وہی اس کا طریقہ ہے۔

عه...... مسلم عن جابر ۱۲ . عه...... ابو دائود ' نسائی عن جابر ۱۲ . عه...... ابو دائود' نسائی ابن ماجه' احمد ابن حبان عن زید بن ثابت ۱۲ .

کتاب الاجارة

هِیَ بَیْعُ مَنْفَعَةٍ مَعْلُومَةٍ بَاَجْرٍ مَعْلُومٍ وَمَا صَحَّ ثَمَنًا صَحَّ اُجْرَةً

وہ بیچنا ہے معلوم نفع کو معلوم اجر کے عوض میں اور جس چیز کا ثمن ہونا صحیح ہے اس کا اجرت ہونا بھی صحیح ہے۔

تشریح الفقہ: قوله كتاب الخ تملیک اعیان بلاعوض (ہبہ) کے احکام سے فراغت کے بعد تملیک منافع بالعوض (اجارہ) کے احکام بیان کررہا ہے اور اول کو اس لئے مقدم کیا ہے کہ اس میں تملیک اعیان ہوتی ہے اور ثانی میں تملیک منافع اور اعیان منافع پر مقدم ہوتی ہیں نیز اول میں عوض نہیں ہوتا اور ثانی میں عوض ہوتا ہے اور عدم وجود پر مقدم ہے۔

قوله هي الخ اجارہ لغۃً اجرۃ کا اسم ہے اس مزدوری کو کہتے ہیں جس کا استحقاق عمل خیر پر ہو۔ اسی لئے اس کے ذریعہ دعا دیجاتی ہے اور کہا جاتا ہے "اعظم الله اجرک" قہستانی میں ہے کہ اجارہ کو اصل میں اجر زید یا جر (بالضم) کا مصدر ہے۔ بمعنی اجیر ہونا۔ لیکن اس کا استعمال اکثر ایجار مصدر کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور اسم فاعل اس معنی میں نہیں آتا۔ (كذافي الرضی) بعض اہل لغت کے نزدیک اجارہ فعالہ کے وزن پر مفاعلت سے ہے۔ ان کے نزدیک آجر فاعل کے وزن پر ہے۔ نہ کہ افعل کے وزن پر تو اسم فاعل مواجر آئے گا مگر صاحب اساس نے اس کی تغلیط کی ہے اور کہا ہے کہ اسم فاعل موجر ہے نہ کہ مواجر البتہ صاحب کشاف نے مقدمۃ الادب' میں آجرہ الدار کو باب افعال اور مفاعلۃ دونوں سے مانا ہے۔ اجارہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے" هي بيع منفعة معلومة باجر معلوم "یعنی منفعت معلومہ کو عوض معلوم کے بدلے میں فروخت کرنا اجارہ کہلاتا ہے۔ خواہ عوض مالی ہو یا غیر مالی۔ غیر مالی جیسے منافع مثلاً مکان کی رہائش کو رکوب دابہ کے عوض فروخت کرنا' نیز عوض دین ہو جیسے مکیل و موزون اور عددی متقارب یا عین جیسے دواب وثیاب وغیرہ پس ہبہ' عاریت اور نکاح اس سے خارج ہو گئے۔ کیونکہ ان میں عوض کے ساتھ منافع کی استباحت ہوتی ہے نہ کہ ان کی تملیک۔

فائدہ: ازروئے قیاس اجارہ ناجائز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں معقود علیہ منفعت ہوتی ہے۔ جو بوقت عقد موجود نہیں ہوتی بلکہ اس کا وجود بعد میں ہوتا ہے اور آئندہ موجود ہونے والی شئی کی طرف تملیک کی اضافت صحیح نہیں۔ لیکن قرآن وحدیث اس کی صحت کے شاہد ہیں۔ قال تعالیٰ" علىٰ ان تاجرني ثماني حجج فان ارضعن لكم فاتو هن اجورهن' لوشئت لاتخذت عليه اجرًا "حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو" نیز آپ کا ارشاد ہے کہ' جب تم میں سے کوئی کسی کو مزدوری پر لے تو چاہئے کہ اس کو اس کی مزدوری بتادے ان کے علاوہ اور بہت سی صحیح احادیث صحیحین وغیرہ میں موجود ہیں۔ جن سے اجارہ کی صحت اور اس کا جواز مفہوم ہوتا ہے۔

(۱) ان الاجرۃ ثمن المنفعہ فیعتبر بثمن البیع (۲) ومالا یصلح ثمنا یصلح اجرۃ ایضا کالاعیان ۱۲

ع ۔۔۔ ابن ماجہ عن ابن عمر' ابو یعلی الموصلی' ابن عدی' ابو نعیم (فی الحلیۃ) عن ابی ہریرۃ' ابو عبداللہ الترمذی الحکیم (فی نوادر الاصول) عن انس' ابن زنجویہ (فی کتاب الاموال مرسلا عن یسار) طبرانی (فی الصغیر) عن جابر ۱۲

ع ۔۔۔ عبدالرزاق محمد بن الحسن عن ابی ہریرۃ وابی سعید الخدری' ابن راہویہ' احمد' ابوداؤد (فی مراسیلہ) عن الخدری (علی غیر لفظ) نسائی' ابن ابی شیبہ عن الخدری (موقوفا) ۱۲

وَالْمَنفَعَةُ تعْلَمُ بِبَيَانِ الْمُدَّةِ كَالسُّكْنٰى وَالزِّرَاعَةِ فَتَصِحُّ عَلٰى مُدَّةٍ مَعْلُوْمَةٍ اَىَّ مُدَّةٍ كَانَتْ وَلَمْ تَزِدْ

اور نفع معلوم ہوجاتا ہے مدت بیان کردینے سے جیسے رہائش اور کاشت پس صحیح ہے مدت معلومہ پر جو بھی مدت ہو اور زیادہ نہ کیجائیگی

فِى الاَوْقَافِ عَلٰى ثَلٰثِ سِنِيْنَ اَوْ بِالتَّسْمِيَةِ كَالاِسْتِيْجَارِ عَلٰى صَبْغِ الثَّوْبِ وَخِيَاطَتِهٖ اَوْ بِالاِشَارَةِ

مدت اوقاف میں تین سال سے یا عمل کی تصریح کردینے سے جیسے اجرت پر لینا کپڑے کی رنگائی اور اس کی سلائی کے لئے یا اشارہ کردینے سے

كَالاِسْتِيْجَارِ عَلٰى نَقْلِ هٰذَا الطَّعَامِ اِلٰى كَذَا وَالاُجْرَةُ لاَ تُمْلَكُ بِالْعَقْدِ بَلْ بِالتَّعْجِيْلِ اَوْ بِشَرْطِهٖ

جیسے اجرت پر لینا اس غلہ کو فلاں جگہ پہنچانے کیلئے اور اجرت مملوک نہیں ہوتی نفس عقد سے بلکہ پیشگی دینے یا پیشگی دینے کی شرط کرنے

اَوْ بِالاِسْتِيْفَاءِ اَوْ بِالتَّمَكُّنِ مِنْهُ فَاِنْ غُصِبَ مِنْهُ سَقَطَ الاُجْرَةُ.

یا پورا نفع حاصل کرنے پر قادر ہوجانے سے پس اگر اس سے چیز چھین لی گئی تو اجرت ساقط ہوجائیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ والمنفعۃ الخ صحت اجارہ کے لئے مزدوری اور منفعت دونوں کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ مزدوری کے معلوم ہونے میں تو کوئی خفا نہیں البتہ منفعت کے معلوم ہونے میں قدرے خفا ہے اس لئے اس کو بیان کرتا ہے۔ سو منفعت معلوم ہوجانے کے تین طریقے ہیں اول یہ کہ مدت بیان کردی جائے کہ بیان مدت سے مقدار منفعت کا معلوم ہوجانا ایک لازمی بات ہے۔ بشرطیکہ منفعت متفاوت نہ ہو مثلاً اجارہ دار میں بیان کردینا کہ اتنی مدت تک رہائش کی لئے ہے اور زمین کے اجارہ میں یہ بیان کردینا کہ اتنی مدت تک کاشت کے لئے ہے تو مدت کم ہو یا زائد جو بھی معین کی جائے اجارہ صحیح ہوجائیگا۔ لیکن اوقاف میں اجارہ طویلہ یعنی تین سال سے زائد تک جائز نہیں تاکہ مستاجر اپنی ملک کا دعویٰ نہ کر بیٹھے۔ ھو المختار للفتوی کمافی الھدایۃ۔

قولہ او بالتسمیۃ الخ دوم یہ کہ اس عمل کو بیان کردیا جائے جس کے لئے اجارہ مطلوب ہے۔ جیسے کپڑے کی رنگائی اور دھلائی یا زرگری یا جانور کی سواری یا بار برداری وغیرہ کہ اس سے بھی منفعت معلوم ہوجاتی ہے۔ بشرطیکہ امور اس طرح بیان کردیئے جائیں کہ بعد میں منازعت پیش نہ آئے۔ مثلاً رنگائی میں کپڑے کو اور اس کے رنگ کو بیان کردینا کہ سرخ مطلوب ہے یا زرد۔ اسی طرح سلائی میں دوخت کی قسم بیان کردینا وعلی ھذا القیاس۔ سوم یہ کہ اس کی طرف اشارہ کردیا جائے کہ یہ چیز فلاں جگہ لے جانی ہے کیونکہ جب اجیر نے اس چیز کو دیکھ لیا اور جگہ بھی سمجھ گیا تو منفعت معلوم ہوگئی لہٰذا عقد درست ہوجائیگا۔

قولہ والاجرۃ الخ ہمارے یہاں نفس عقد کے ذریعہ اجرت کا استحقاق نہیں ہوتا (امام شافعی کے یہاں ہوجاتا ہے) کیونکہ حکم عقد وجود منفعت کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور اجارہ میں بوقت عقد منفعت موجود نہیں ہوتی تو نفس عقد سے مستحق اجرت ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں اس لئے اجرت امر آخر کیساتھ مقید ہوگی اور وہ چند امور میں سے کوئی ایک ہے۔ (۱) مستاجر خود اجرت پیشگی دیدے تو اب اجرت واجب ہوجاتی ہے۔ بایں معنی کہ مستاجر واپس نہیں لے سکتا۔ (۲) اجرت پیشگی لینے کی شرط ہو اس سے بھی اجرت کا مستحق ہوجاتا ہے کیونکہ نفس عقد سے ثبوت ملک کا امتناع تحقق مساوات کیلئے تھا اور جب اس نے پیشگی دیدی یا پیشگی دینے کی شرط منظور کرلی تو مساوات جو اس کا حق تھا اس کو اس نے خود ہی باطل کردیا۔ (۳) استیفاء معقود علیہ یعنی مستاجر پوری منفعت حاصل کرچکے اس صورت میں اجرت کا استحقاق ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اجارہ عقد معاوضہ ہے اور ان دونوں میں مساوات متحقق ہوچکی تو اجرت واجب ہوجائے گی۔ (۴) مستاجر پوری منفعت حاصل کرنے پر قادر ہوجائے کیونکہ کسی شئی پر تمکن بعینہ اس شئی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ تو گویا مستاجر نے پورا نفع حاصل کرلیا۔ پھر اگر مستاجر کے پاس سے وہ چیز غصب کرلی گئی تو اجرت ساقط ہوجائیگی۔ کیونکہ تمکن مذکور فوت ہوگیا۔

وَلِرَبِّ الدَّارِ وَالاَرْضِ طَلَبُ الاَجْرِ كُلَّ يَوْمٍ وَلِلْجَمَّالِ كُلَّ مَرْحَلَةٍ وَلِلْقَصَّارِ وَالْخَيَّاطِ بَعْدَ الْفَرَاغِ عَنْ عَمَلِهٖ

گھر اور زمین والے کے لئے اجرت طلب کرنے کا حق ہے ہر دن اور اونٹ والے کے لئے ہر منزل پر اور دھوبی اور درزی کے لئے عمل سے فارغ

وَلِلْخَبَّازِ بَعْدَ اِخْرَاجِ الْخُبْزِ مِنَ التَّنُّوْرِ فَاِنْ اَخْرَجَهٗ فَاحْتَرَقَ لَهُ الاَجْرُ وَلاَ ضِمَانَ

ہونے کے بعد اور نان پز کیلئے تنور سے روٹی نکالنے کے بعد پس اگر وہ روٹی نکالے اور وہ جلی ہو تو اس کے لئے اجرت ہوگی اور تاوان نہ ہوگا

وَلِلطَّبَّاخِ بَعْدَ الْغَرْفِ وَلِلَّبَّانِ بَعْدَ الاِقَامَةِ وَمَنْ لِعَمَلِهٖ اَثَرٌ فِي الْعَيْنِ كَالصَّبَّاغِ وَالْقَصَّارِ

اور باورچی کیلئے سالن نکالنے کے بعد اور خشت ساز کیلئے اینٹیں کھڑی کرنے کے بعد جس کے عمل کا اثر ہو عین شئ میں جیسے رنگریز اور دھوبی

يَحْبِسُهَا لِلاَجْرِ فَاِنْ حَبَسَ فَضَاعَ فَلاَ ضِمَانَ وَلاَ اَجْرَ وَمَنْ لاَ اَثَرَ لِعَمَلِهٖ

وہ روک سکتا ہے شئ کو مزدوری لینے کے لئے پس اگر اس نے روکی اور وہ ضائع ہوگئی تو تاوان نہ ہوگا اور اجرت بھی نہ ہوگی اور جس کے عمل کا اثر نہ ہو

كَالْجَمَّالِ وَالْمَلاَّحِ لاَيَحْبِسُ لِلاَجْرِ وَلاَ يَسْتَعْمِلُ غَيْرَهٗ اِنْ شَرَطَ عَمَلَهٗ بِنَفْسِهٖ وَاِنْ اَطْلَقَ

جیسے اونٹ والا اور کشتی والا وہ نہیں روک سکتا مزدوری کے واسطے اور دوسرے سے نہ کرائے اگر شرط ہو اس کے خود کرنے کی اور عقد مطلق ہو

لَهٗ اَنْ يَسْتَاجِرَ غَيْرَهٗ وَاِنِ اسْتَاجَرَهٗ لِيَجِيْئَ بِعِيَالِهٖ وَمَاتَ بَعْضُهُمْ فَجَاءَ بِمَنْ بَقِيَ فَلَهٗ اَجْرُهٗ

تو مزدوری پر لے سکتا ہے دوسرے کو اگر اجرت پر لیا لانے کے لئے اپنے گھر والوں کو اور ان میں سے بعض مر گئے اور وہ باقیوں کو لے آیا تو اجرت

بِحِسَابِهٖ وَلاَ اَجْرَ لِحَامِلِ الْكِتَابِ لِلْجَوَابِ اَوْ لِحَامِلِ الطَّعَامِ اِنْ رَدَّهٗ لِلْمَوْتِ.

اسی حساب سے ہوگی اجرت نہیں برائے جواب خط لیجانے والے یا کھانا لیجانے والے کے لئے اگر لوٹایا ہو اس کو مکتوب الیہ کی موت کی وجہ سے۔

احکام اجارہ کی تفصیل

توضیح اللغۃ: جمال ساربان، مرحلہ منزل، قصار دھوبی، خیاط درزی، خباز نان پز، طباخ باورچی، غرف برتن میں سالن نکالنا، لبان خشت ساز، صباغ رنگریز، ملاح ناخدا۔

تشریح الفقہ: قولہ ولرب الدار الخ اگر عقد اجارہ میں تعجیل یا تاخیر کی قید نہ ہو تو موجر ہر روز مکان اور زمین کا کرایہ طلب کرسکتا ہے اسی طرح اونٹ والا ہر مرحلہ پر طلب اجرت کا حق دار ہے کیونکہ ہر روز کی رہائش اور ہر منزل کی مسافت طے کرنا داخل مقصود ہے۔ اور مستاجر اتنی منفعت حاصل کرچکا امام صاحب اولاً اس کے قائل تھے کہ انقضاء مدت وانتہاء سفر سے پیشتر مطالبہ کا حق نہیں۔ امام زفر اسی کے قائل ہیں لیکن دھوبی درزی، نان پز، باورچی، خشت ساز اجرت کا مطالبہ اس وقت کریں گے جب وہ عمل سے فارغ جائیں یعنی دھوبی کپڑا دھوچکے درزی سی چکے نان پز تندور سے روٹی اور باورچی دیگ سے سالن پیالوں میں نکال چکے خشت ساز اینٹیں کھڑی کرچکے کیونکہ ان کا عمل عرفاً ان امور کے بعد ہی پورا ہوتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک خشت ساز کیلئے تہ بتہ جما کر چٹہ لگانا بھی ضروری ہے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ فعل زائد ہے۔

قولہ ومن لعملہ الخ جس اجیر کے کام کا اثر عین شئ میں موجود ہو جیسے رنگریز دھوبی وغیرہ ایسا اجیر مزدوری وصول کرنے کیلئے شئ کو روک سکتا ہے۔ کیونکہ معقود علیہ وہ وصف ہے جو کپڑے میں قائم ہے تو اجیر استیفاء بدل کے لئے روکنے کا حق دار ہوگا۔ اب اگر روکنے کے بعد وہ شئ ہلاک ہوجائے تو امام صاحب کے نزدیک مزدور پر تاوان نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی طرف سے کوئی تعدی نہیں پائی

گئی تو جیسے وہ شئی پہلے امانت تھی ایسے ہی باقی رہی لیکن اجیر کو اجرت نہ ملے گی۔ کیونکہ معقود علیہ قبل از تسلیم ہلاک ہو گیا، صاحبین کے نزدیک شئی روکنے سے پہلے مضمون تھی تو روکنے کے بعد بھی مضمون ہو گیا البتہ مالک کو اختیار ہو گا چاہے شئی کی اس قیمت کا تاوان لے جو عمل سے پہلے تھی اور اجرت نہ دے چاہے اس قیمت کا تاوان جو عمل کے بعد ہے اور مزدوری دے، اور جس اجیر کے کام کا اثر عین شئی میں نہ ہو جیسے ساربان، ناخدا وغیرہ ایسے اجیر کیلئے روکنے کا حق نہیں کیونکہ یہاں معقود علیہ نفس عمل ہے جو عین شئی کے ساتھ قائم نہیں اور اس کو روکنا غیر متصور ہے۔

قولہ بحسابہ الخ کیونکہ اس نے بعض معقود علیہ کو پورا کیا ہے تو اتنے ہی عوض کا مستحق ہو گا مگر یہ اس وقت ہے جب اجیر کو اہل وعیال کی عدد پہلے معلوم ہو کہ وہ دس یا پندرہ ہے ورنہ پوری اجرت ملے گی۔

قولہ ولا اجر الخ زید نے عمرو کو اجرت پر لیا تا کہ وہ اس کا خط بکر کے پاس لے جائے اور اس کا جواب لے کر آئے۔ عمرو بکر کے پاس پہنچا تو وہ مر چکا تھا اس لئے عمرو خط واپس لے آیا تو شیخین کے نزدیک عمرو کو کچھ اجرت نہ ملے گی۔ امام محمد کے نزدیک صرف جانے کی اجرت ملے گی اور اگر کسی کو کھانا پہنچانے کے لئے اجرت پر لیا اور مرسل الیہ کے فوت ہونے جانے کی وجہ سے اجیر کھانا واپس لے آیا۔ تو بالاتفاق اجرت نہ ملے گی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ جس چیز کے جانے میں محنت و مشقت نہ ہو جیسے خط یا زبانی پیغام رسانی تو ایسی چیزوں میں امام محمد کے نزدیک معقود علیہ قطع مسافت ہوتا ہے اور وہ پایا گیا لہٰذا اجیر مستحق اجرت ہو گا۔ اور جس چیز کے لیجانے میں مشقت ہو جیسے طعام وغیرہ اس میں معقود علیہ مرسل الیہ تک اس چیز کو پہونچانا ہوتا ہے اور وہ پایا نہیں گیا۔ بخلاف شیخین کہ انکے نزدیک معقود علیہ دونوں صورتوں میں مرسل الیہ تک اس چیز کو پہنچانا ہے۔

باب مایجوز من الاجارۃ وما یکون خلافا فیہا

باب اجارہ کی ان قسموں کے بیان میں جو جائز ہیں اور جن میں اختلاف ہے۔

صَحَّ اِجَارَةُ الدُّوْرِ وَالْحَوَانِيْتِ بِلَابَيَانِ مَايَعْمَلُ فِيْهَا وَلَهُ اَنْ يَعْمَلَ فِيْهَا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا اَنَّهُ لَا يُسْكِنُ حَدَّادًا

صحیح ہے گھروں اور دکانوں کا اجارہ وہ کام بیان کئے بغیر جو ان میں کیا جائیگا اور کرایہ دار کر سکتا ہے ان میں ہر کام بجز اس کے کہ نہیں ٹھہرا سکتا لوہار کو

اَوْ قَصَّارًا اَوْ طَحَّاناً وَالاَرَاضِي لِلزِّرَاعَةِ اِنْ بَيَّنَ مَايُزْرَعُ فِيْهَا اَوْ قَالَ عَلَى اَنْ يَزْرَعَ

اور دھوبی کو اور آٹا پیسنے والے کو اور صحیح ہے زمین کا اجارہ کھیتی کیلئے اگر بیان کر دے اس چیز کو جس کی کھیتی کیجائیگی اس میں یا کہدے کہ بوئے

مَاشَاءَ لِلْبِنَاءِ وَلِلْغَرْسِ فَاِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ قَلَعَهُمَا وَسَلَّمَهَا فَارِغَةً اِلَّا اَنْ يَغْرَمَ الْمُوْجِرُ قِيْمَتَهُ مَقْلُوْعاً

جو چاہے اور عمارت بنائے اور درخت لگانے کیلئے اگر گذر جائے مدت تو اکھیڑ لے ان کو اور دیدے زمین خالی مگر یہ کہ موجر اکھیڑی ہوئی کی قیمت

وَيَتَمَلَّكَهُ اَوْ يَرْضٰى بِتَرْكِهٖ فَيَكُوْنُ الْبِنَاءُ وَالشَّجَرُ لِهٰذَا وَالاَرْضُ لِهٰذَا.

دے کر مالک ہونا چاہے یا راضی ہو اسکے رہنے دینے پر پس عمارت اور درخت اس کے ہوں اور زمین اس کی ہوگی۔

توضیح اللغۃ: دور جمع دار، حوانیت جمع حانوت دکان، حداد لوہار، طحان آٹا پیسنے والا، اراضی جمع ارض، غرس درخت لگانا۔

تشریح الفقہ: **قولہ صح الخ** مکان اور دوکان کا اجارہ صحیح ہے گو وہ کام بیان نہ کرے جو اس میں کیا جائے گا۔ مگر یہ استحساناً ہے از روئے

عہ ـــ الاثر ہو الاجزاء القائمۃ بالمحل کالنشاد قیل ہو مایعاین فی محل العمل کالسکر فی الفستق واختار الاکثرون الاول ۱۲

قیاس جائز نہیں۔ کیونکہ مکان دوکان میں مختلف کام ہو سکتے ہیں تو معقود علیہ مجہول ہوا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ ان میں عمل متعارف سکونت ورہائش ہے جو اختلاف عامل سے مختلف نہیں ہوتی۔ اور عمل متعارف مشروط کے مانند ہے اس لئے اجارہ صحیح ہے۔ اب مستاجر جو کام چاہے کر سکتا ہے۔ کیونکہ عقد مطلق ہے، ہاں لوہار دھوبی وغیرہ کو نہیں ٹھہرا سکتا۔ کیونکہ ان کاموں سے عمارت کمزور ہو جاتی ہے۔

قولہ فان مضت الخ اگر عمارت بنانے یا درخت لگانے کے لئے زمین کرائے پر لے تو درست ہے اب مدت اجارہ تمام ہو جانے کے بعد مستاجر اپنی عمارت توڑ کر اور درخت اکھاڑ کر خالی زمین مالک کے حوالے کریگا۔ اور اگر مالک ٹوٹی ہوئی عمارت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دینے پر راضی ہو جائے تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔ پس قیمت دینے کے بعد وہ عمارت اور درختوں کا مالک ہو جائیگا اور اگر مالک عمارت اور درختوں کو اپنی زمین پر رہنے دے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس صورت میں زمین مالک کی رہیگی۔ اور عمارت اور درخت مستاجر کے رہیں گے۔ محمد حنیف غفر لہٗ گنگوہی۔

وَالرَّطْبَةُ كَالشَّجَرَةِ وَالزَّرْعُ يُتْرَكُ بِاَجْرِ الْمِثْلِ اِلٰى اَنْ يُّدْرِكَ وَالدَّابَّةِ لِلرُّكُوْبِ

اور رطبہ کا حکم درخت کا سا ہے اور کھیتی رہنے دیجائیگی اجرت مثلی پر یہاں تک کہ پک جائے اور صحیح ہے چوپائے کا اجارہ سوار ہونے

وَالْحَمْلِ وَالثَّوْبِ لِلُّبْسِ فَاِنْ اَطْلَقَ اَرْكَبَ وَاَلْبَسَ مَنْ شَاءَ وَاِنْ قَيَّدَ بِرَاكِبٍ اَوْ

اور لادنے کے لئے اور کپڑے کا اجارہ پہننے کے لئے پس اگر مطلق رکھا ہو تو سوار کرے اور پہنائے جس کو چاہے اور اگر مقید کیا ہو کسی سوار

لَابِسٍ فَخَالَفَ ضَمِنَ وَمِثْلُهٗ مَا يَخْتَلِفُ بِالْمُسْتَعْمِلِ وَمَا لَا يَخْتَلِفُ بِهٖ

یا پہننے والے کے ساتھ اور وہ خلاف کرے تو ضامن ہوگا اسی طرح وہ چیزیں ہیں جو مختلف ہو جاتی ہیں استعمال کنندہ سے اور جو مختلف نہیں ہوتیں

بَطَلَ تَقْيِيْدُهٗ كَمَا لَوْ شَرَطَ سُكْنٰى وَاحِدٍ لَهٗ اَنْ يُّسْكِنَ غَيْرَهٗ وَاِنْ سَمّٰى نُوْعاً وَقَدْراً كَكُرِّ بُرٍّ

ان میں قید لگانا باطل ہے جیسے اگر شرط کرے کسی کے رہنے کی تو وہ ٹھہرا سکتا ہے دوسرے کو اور اگر معین کر دی نوع اور مقدار مثلاً گیہوں کا ایک کر

لَهٗ حَمْلُ مِثْلِهٖ وَاَخَفَّ لَا اَضَرَّ كَالْمِلْحِ وَاِنْ عَطِبَتْ بِالْاِرْدَافِ ضَمِنَ النِّصْفَ وَبِالزِّيَادَةِ عَلَى الْحَمْلِ

تو لاد سکتا ہے اسی جیسی یا اس سے ہلکی چیز نہ کہ زیادہ نقصان دہ جیسے نمک اگر سواری ہلاک ہوگئی پیچھے بٹھا لینے سے تو ضامن ہوگا نصف کا اور معین بوجھ

الْمُسَمّٰى مَازَادَ وَبِالضَّرْبِ وَالْكَبْحِ وَنَزْعِ السَّرْجِ وَالْاِيْكَافِ وَالْاِسْرَاجِ بِمَا لَاتُسْرَجُ بِمِثْلِهٖ

سے زیادہ لادنے سے ضامن ہوگا زائد کا اور مارنے لگام کھینچنے زین اتارنے پالان باندھنے ایسی زین کسنے سے کہ اس جیسی زین نہیں کسی جاتی

وَسُلُوْكِ طَرِيْقٍ غَيْرَ مَاعَيَّنَهٗ وَتَفَاوَتَا وَحَمْلِهٖ فِى الْبَحْرِ الْكُلَّ وَاِنْ بَلَغَ فَلَهُ الْاَجْرُ

اور معین کردہ راہ کے علاوہ میں چلنے سے جبکہ راہیں متفاوت ہوں اور دریا میں لادنے سے ضامن ہوگا کل کا اور اگر پہنچا دیا تو اجرت ملے گی

وَبِزَرْعِ رَطْبَةٍ وَاَذِنَ بِالْبُرِّ مَانَقَصَ وَلَا اَجْرَ

اور رطبہ بونے سے جبکہ اجازت گیہوں کی ہو ضامن ہوگا زمین کے نقصان کا اور اجرت نہوگی

وَبِخِيَاطَةِ قَبَاءٍ وَاَمَرَ بِقَمِيْصٍ قِيْمَةَ ثَوْبِهٖ وَلَهٗ اَخْذُ الْقَبَاءِ وَدَفْعُ اَجْرِ مِثْلِهٖ.

اور قباء سینے سے جبکہ حکم قمیص کا ہو ضامن ہوگا کپڑے کی قیمت کا اور قباء لے سکتا ہے اس کی اجرت مثل دیکر۔

توضیح اللغۃ: قلع اکھاڑے، رطبۃ سپست (ایک قسم کا چارہ ہے) یدرک کھیتی پک جائے، سکنی رہائش عطبت ہلاک ہوجائے، ارداف اپنے پیچھے دوسرے کو سوار کرنا، کبح لگام کھینچنا، سرج زین، اکاف پالان باندھنا، اسراج زین کسنا۔

تشریح الفقہ: **قولہ والرطبۃ الخ** ایک قسم کا نرم چارہ جس کو فارسی میں سپست کہتے ہیں یہ ایک دفعہ کا بویا ہوا بہت دنوں تک رہتا ہے کیونکہ اس کی جڑیں زمین میں عرصہ تک رہتی ہیں سو اس کا حکم درخت کا سا ہے۔ یعنی مستاجر کے لئے اس کو اکھاڑ کر خالی زمین مالک کے حوالے کرنا لازم ہے۔ اس واسطے کہ جب رطبہ کی کوئی انتہا نہ ہوئی اور وہ درخت کے مثل ہوگئی تو مدت اجارہ کے بعد اس کو اکھاڑنا ضروری ہے۔ بخلاف کھیتی کے کہ اگر مدت جارہ ختم ہوجائے اور کھیتی کرنے کا وقت نہ آئے تو مستاجر کو کھیتی کاٹنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ کٹنے کے وقت تک مہلت دیجائے گی۔ اور زمین والے کو اجرت مثل دلائی جائیگی۔

قولہ وان سمی الخ ایک شخص نے کوئی جانور کرائے پر لیا اور اس پر جو بوجھ لادے گا اس کی نوع اور مقدار بیان کردی مثلاً یہ کہ دو من گیہوں لادیگا۔ تو وہ اس پر گیہوں جیسی اور کوئی چیز مثلاً دو من جو لاد سکتا ہے۔ اسی طرح جو اس سے ہلکی ہو جیسے تل وغیرہ وہ بھی دو من لاد سکتا ہے لیکن جو چیز گیہوں سے زیادہ نقصان دہ ہو وہ نہیں لاد سکتا جیسے لوہا اور نمک وغیرہ کیونکہ موجر اس سے راضی نہیں ہے۔

قولہ وبالضرب الخ اگر مستاجر مارنے یا لگام کھینچنے سے سواری ہلاک ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک مستاجر پر کل قیمت کا تاوان آئے گا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے ایسی مار ماری یا اس طرح لگام کھینچی جو دستور عرف کے خلاف ہے تو تاوان لازم ہوگا ورنہ نہیں۔ درمختار میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔ اور غایۃ البیان میں تتمہ کے حوالے سے منقول ہے کہ امام صاحب نے بھی اسی کی طرف رجوع کرلیا۔

باب الاجارۃ الفاسدۃ

باب اجارۂ فاسدہ کے بیان میں

يُفسِدُ الاجَارَةَ الشَّرطُ وَلَهُ اَجرُ مِثلِهِ لاَ يُجَاوِزُ بِهِ الْمُسَمّٰى.

اجارہ کو فاسد کردیتا ہے شرط فاسد اور اس کے لئے ایسی اجرت مثل واجب ہوگا جو مسمی سے تجاوز نہ کرے۔

تشریح الفقہ: قولہ یفسد الخ اجارہ چونکہ بمنزلہ بیع کے ہے اس لئے جن شرطوں سے بیع فاسد ہو جاتی ہے ان سے اجارہ بھی فاسد ہو جائے گا جیسے یہ شرط لگانا اگر مکان منہدم بھی ہو جائے تب بھی کرایہ ساقط نہ ہوگا۔ یا پن چکی کا پانی بند ہو جائے تب بھی اجرت لازم ہوگی ،اسی طرح شئی ماجور یا اجرت یا مدت یا عمل کا مجہول ہونا وغیرہ ان سب چیزوں سے اجارہ فاسد ہو جائیگا۔ اور اجرت مثل واجب ہوگی۔ لیکن مسمی سے زیادہ نہ دی جائے گی۔ امام زفر اور امام شافعی کے یہاں اجرت مثل دی جائے گی گو مسمی سے زیادہ ہو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ منافع فی نفسہ متقوم نہیں بلکہ عقد کی وجہ سے متقوم ہوتے ہیں۔ اور عقد میں خود متعاقدین نے اجر مسمی پر اتفاق کر کے زیادتی کو ساقط کر دیا۔ اس لئے زائد مقدار ساقط الاعتبار ہوگی۔

فَاِنْ اٰجَرَ دَارًا كُلَّ شَهْرٍ بِدِرْهَمٍ صَحَّ فِي شَهْرٍ فَقَطْ اِلَّا اَنْ يُسَمِّيَ الْكُلَّ وَكُلَّ شَهْرٍ سَكَنَ سَاعَةً مِنْهُ صَحَّ فِيهِ

پس اگر اجرت پر دیا گھر ہر ماہ ایک درہم پر تو صحیح ہوگا صرف ایک ماہ میں مگر یہ کہ بیان کر دے سب مہینے اور جس مہینے میں رہ جائے تھوڑی دیر صحیح ہو جائیگا

وَاِنِ اسْتَاجَرَهَا سَنَةً صَحَّ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّ اَجْرَ كُلِّ شَهْرٍ وَابْتِدَاءُ الْمُدَّةِ وَقْتَ الْعَقْدِ فَاِنْ كَانَ حِيْنَ يُهَلُّ

اس میں بھی، اگر کرایہ پر لیا مکان سال بھر کے لئے تو صحیح ہے گو بیان نہ کرے ہر ماہ کا کرایہ اور مدت کی ابتداء عقد کے وقت سے ہوگی اگر عقد اس وقت ہو

يُعْتَبَرُ الاَهِلَّةُ وَاِلَّا فَالاَيَّامُ وَصَحَّ اَخْذُ اُجْرَةِ الْحَمَّامِ وَالْحَجَّامِ لاَاُجْرَةُ عَسْبِ التَّيْسِ وَالاَذَانِ وَالْحَجِّ

جب چاند دیکھا گیا تو اعتبار کیا جائیگا چاندوں کا ورنہ دنوں کا اور صحیح ہے اجرت لینا حمام کی اور پچھنا لگانے کی نہ کہ اجرت مادہ پر نر ڈالنے کی اور اذان کی اور حج

وَالاِمَامَةِ وَتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَالْفِقْهِ. وَالْفَتْوٰى الْيَوْمَ عَلٰى جَوَازِ الاِسْتِيْجَارِ لِتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَلاَ يَجُوْزُ عَلَى الْغِنَاءِ(۱)

کی اور امامت کی اور تعلیم القرآن اور تعلیم فقہ کی، اور فتوی آج کل تعلیم قرآن کی اجرت لینے کے جواز پر ہے، اور جائز نہیں اجرت لینا، گانے، نوحہ

وَالنَّوْحِ وَالْمَلاَهِيْ وَفَسَدَ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ اِلَّا مِنَ الشَّرِيْكِ.

اور باجے بجانے پر اور فاسد ہے مشاع کا اجارہ مگر اپنے شریک سے

تفصیل احکام اجارۂ فاسدہ

توضیح اللغۃ: یہل چاند دیکھا جائے، اہلۃ جمع ہلال چاند، حمام گرمابہ، غسل خانہ، حجامۃ پچھنا لگانا، عسب التیس، نر کو مادہ پر ڈالنا۔

تشریح الفقہ: قولہ فان آجر الخ۔ ایک شخص نے ایک مکان ایک درہم ماہوار پر دیا۔ تو اجارہ صرف ایک ماہ میں صحیح ہوگا اور باقی مہینوں

(۱) ... مصنفہ ... الاستیجار علی ... الا یجوز

میں فاسد کیونکہ جب کلمہ کل ایسی چیزوں پر داخل ہو جن کی انتہا نہ ہو تو اس کے عموم پر عمل متعذر ہونے کی وجہ سے فرد واحد کی طرف منصرف ہو جاتا ہے اور ایک مہینہ معلوم ہے تو اجارہ ایک ہی مہینے میں صحیح ہوگا۔ پھر جس مہینے کے شروع میں مستاجر تھوڑی دیر ٹھہرے گا اس میں بھی اجارہ صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ ٹھہرنے کی وجہ سے دونوں کی رضامندی پائی گئی۔ ہاں اگر وہ کل مہینے بیان کردے تو سب میں صحیح ہوگا۔ کیونکہ کل مدت معلوم ہوگئی اسی طرح اگر سال بھر کے لئے کرایہ پر لے اور سال بھر کا کرایہ ذکر کرے ہر مہینہ کا کرایہ ذکر نہ کرے تب بھی صحیح ہوگا۔ کیونکہ ہر ماہ کی قسط بیان کئے بغیر بھی مدت معلوم ہوگی۔

قولہ و ابتداء الخ مدت اجارہ کی ابتدا عقد اجارہ کے وقت سے ہوگی اگر چاند دیکھنے کے وقت اجارہ منعقد ہوا ہو تو ہر ماہ کا اعتبار چاند کے لحاظ سے ہوگا اور اگر اثناء ماہ میں ہوا ہو مثلاً دسویں یا بارہویں تاریخ میں تو ہر ماہ کا اعتبار دونوں کے لحاظ سے ہوگا یعنی ہر تیس روز کے بعد ایک مہینہ ہوا کریگا۔ یہ امام صاحب کے نزدیک ہے' امام ابو یوسف اور امام احمد سے ایک روایت اور امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے۔ امام محمد کے نزدیک پہلا مہینہ دونوں سے پورا کیا جائے گا۔ اور باقی مہینہ چاندوں سے' امام ابو یوسف اور امام احمد سے دوسری روایت اور امام شافعی کا دوسرا قول یہی ہے۔ کیونکہ ایام کی طرف مراجعت بوجہ ضرورت ہے اور ضرورت صرف پہلے مہینہ میں ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جب پہلا مہینہ ایام سے پورا ہوگا تو دوسرے مہینہ کی ابتدا بھی ایام سے ہوگی' وھکذا الیٰ آخر السنۃ۔

قولہ وصح الخ تعامل ناس کی وجہ سے حمام کی اجرت لینا جائز ہے اور مدت کا مجہول ہونا ساقط الاعتبار ہے۔ کیونکہ اس پر اجماع مسلمین ہے۔ نیز حجام کی اجرت بھی اکثر علما کے نزدیک جائز ہے۔ البتہ امام احمد کے یہاں اس کی اجازت نہیں کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجام کی اجرت کو خبیث فرمایا ہے' ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگوانے والے کو اس کی اجرت دی بخاری میں بھی یہی ہے اگر اس کی مزدوری حرام ہوتی تو آپ ﷺ نہ دیتے۔'' رہی حدیث مسلم سو وہ یہاں تو منسوخ ہے یا کراہۃ تنزیہہ پر محمول ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمان' ابو ہریرہ' حسن اور امام نخعی کراہت کے قائل ہیں۔

عدم جواز اجرت امامت واذان' تعلیم فقہ و تعلیم قرآن

قولہ لا اجرۃ الخ گابھن کرنے کیلئے نر کا مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا(۱)۔

قولہ والاذان الخ اذان' حج' امامت تذکیر و تدریس' تعلیم قرآن' تعلیم فقہ غرض ہر وہ طاعت جو مسلمان کے ساتھ مخصوص ہے اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ حضرت عطاء' ضحاک' زہری' حسن' ابن سیرین' طاؤس' نخعی' شعبی' سب کا یہی قول ہے۔ امام احمد سے بھی یہی منصوص ہے۔ امام مالک کے یہاں امامت پر اجرت لینا جائز ہے جب کہ اس کے ساتھ اذان بھی ہو۔ امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک ہر اس طاعت پر اجرت لینا درست ہے جو اجیر پر متعین یعنی واجب عین ہو۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کا نکاح تعلیم قرآن کے عوض میں کیا تھا۔ پس جب تعلیم قرآن باب نکاح میں عوض ہو سکتی ہے تو باب اجارہ میں بھی ہو سکتی ہے' نیز صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ آپ نے ایک لدیغ پر سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اس پر کچھ بکریاں لیں۔ اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا'' **احبمتم اقتسمو اوا ضر بوالی معکم سھما**'' ہماری دلیل حضرت عثمان ابن ابی العاص کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے میری قوم کا امام بنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا' تو ان کا امام ہے لیکن مؤذن اس شخص کو بنانا جو اذان پر اجرت نہ لے'' (۲) نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے

---

(۱)...... بخاری ، ابوداؤد ، ترمذی ، نسائی عن ابن عمر ، بزار عن ابی ہریرۃ ۱۲

(۲)...... سنن اربعہ' احمد' حاکم عن عثمان بن ابی العاص' بخاری عن مغیرہ بن شعبہ ۱۲

کہ قرآن پڑھاؤ اور اس کی روٹی نہ کھاؤ"[۱] حضرت عبادہ ابن الصامت فرماتے ہیں کہ میں نے اہل الصفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن پڑھایا ان میں سے ایک شخص نے مجھے ہدیۃً ایک کمان دی۔ میں نے خیال کیا کہ یہ مال نہیں ہے۔ میں اس جہاد میں کام کرونگا۔ پھر اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا: اگر تو یہ چاہے کہ خداوند تعالیٰ تیری گردن میں آگ کا طوق ڈالے تو قبول کرلے" [۲] اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادات اور طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں۔ رہا آنحضرت ﷺ کا تعلیم قرآن پر نکاح کرنا سو اس میں اس کی تصریح نہیں کہ تعلیم قرآن کو مہر بنایا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کے اکرام کی وجہ سے بلا مہر نکاح کیا ہو۔ جیسے آپ نے حضرت ابوطلحہ کی شادی حضرت ام سلیم کے ساتھ ان کے اسلام پر کی تھی۔ اور حضرت ابوسعید خدری کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں سے آپ نے اجرت لی تھی وہ کافر تھے اور کفار سے مال لینا جائز ہے نیز مہمان کا حق واجب ہے اور ان لوگوں نے ان کی مہمان داری نہیں کی تھی۔ جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے" واللہ لقد استضفنا کم فلم یضیفونا" علاوہ ازیں رقیہ (جھاڑ پھونک) قربت محضہ نہیں فجاز اخذ الاجرۃ علیھا۔

قولہ والفتوی الخ اصول وادلہ کے لحاظ سے گو طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا لیکن آج کل فتوی اسی پر ہے۔ کہ اذان، امامت، تعلیم قرآن، تعلیم فقہ وغیرہ پر اجرت لینا جائز ہے۔ کیونکہ متقدمین کے زمانہ مین اول تو ہر شخص کو بذات خود تحصیل دین کی طرف کامل رغبت تھی۔ دوم یہ کہ خلفاء وامراء کی جانب سے وظائف مقرر تھے۔ اور آجکل نہ وہ رغبات ہیں نہ عطیات۔ اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو حفظ قرآن کا سلسلہ منقطع اور تحصیل علم کا باب مسدود ہو جائے گا۔ اس لئے متاخرین مشائخ نے اخذ اجرت کو مستحسن قرار دیا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (روضہ، ذخیرہ، نہایہ، تبیین)

قولہ وفسد الخ امام صاحب کے نزدیک مشاع یعنی مشترک چیز کا اجارہ صحیح نہیں خواہ محتمل القسمۃ اشیاء میں ہو جیسے سامان وغیرہ یا غیر محتمل القسمۃ میں ہو جیسے غلہ وغیرہ۔ ہاں اگر ایک ہی شریک ہو تو اس سے صحیح ہے۔ صاحبین کے نزدیک علی الاطلاق صحیح ہے۔ امام مالک اور امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں۔ کیونکہ اجارہ کا مدار منفعت پر ہے۔ اور مشاع میں منفعت ہوتی ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اجارہ کا مقصد عین شئی سے نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ مشاع میں غیر متصور ہے۔ کیونکہ تسلیم ممکن نہیں۔

وَصَحَّ اِسْتِيجَارُ الظِّئْرِ بِاُجْرَةٍ مَعْلُوْمَةٍ وَبِطَعَامِهَا وَكِسْوَتِهَا وَلَا يُمْنَعُ زَوْجُهَا مِنْ وَطْيِهَا فَاِنْ حَبَلَتْ اَوْ

اور صحیح ہے دایہ کو اجرت پر لینا اجر معلوم اور اس کی خوراک، پوشاک پر اور روکا نہ جائے گا اس کا شوہر اس کے ساتھ وطی کرنے سے پس اگر وہ حاملہ یا بیمار ہو گئی

مَرِضَتْ فَسَخَتْ وَعَلَيْهَا اِصْلَاحُ طَعَامِ الصَّبِيِّ فَاِنْ اَرْضَعَتْهُ بِلَبَنِ شَاةٍ فَلَا اَجْرَ وَلَوْ دَفَعَ غَزْلاً لِيَنْسِجَهُ

تو اجارہ فسخ ہو جائے گا اور اس پر بچہ کی خوراک کا درست کرنا لازم ہے، پس اگر وہ بچہ کو بکری کا دودھ پلائے تو اجرت نہ ہوگی۔ اگر دیا سوت بننے کے لئے

بِنِصْفِهِ اَوْ اِسْتَاجَرَهُ لِيَحْمِلَ طَعَامَهُ بِقَفِيْزٍ مِّنْهُ اَوْ لِيَخْبِزَلَهُ كَذَا الْيَوْمَ بِدِرْهَمٍ

اس کے نصف کے عوض یا اجرت پر لیا غلہ اٹھانے کے لئے ان میں سے ایک قفیز کے عوض یا روٹی پکانے کے لئے اتنے آٹے کی آج کے دن ایک درہم

لَمْ يَجُزْ وَاِنْ اِسْتَاجَرَ اَرْضاً عَلٰى اَنْ يُّكْرِيَهَا وَيَزْرَعَهَا اَوْ يُسْقِيَهَا وَيَزْرَعَهَا صَحَّ فَاِنْ شَرَطَ اَنْ يُّثْنِيَهَا اَوْ يُكْرِيَ

کے عوض تو جائز نہیں، اگر کرایہ پر لی زمین اس شرط پر کہ ہل جوتے گا اور کھیتی کریگا یا اس کو سینچے گا اور کھیتی کریگا تو صحیح ہے اور اگر شرط کی کہ دوبارہ ہل جوتے گا

---

(۱)......احمد، ابن راھویہ، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، ابویعلی الموصلی، طبرانی عن عبدالرحمن بن اشھل، بزار عن عبدالرحمن بن عوف، ابن عدی عن ابی ھریرۃ ۱۲ (۲)...... ابو دائود، ابن ماجہ، حاکم عن عبادہ، ابن ماجہ، بیھقی عن ابی بن کعب ۱۲.

اَنْهَارَهَا اَوْيَسْرِقُنَهَا اَوْ يَزْرَعَهَا بِزِرَاعَةِ اَرْضٍ اُخْرٰى لَا كَاِجَارَةِ السُّكْنٰى بِالسُّكْنٰى

یا اس کی نالیاں کھودے گا یا اس میں کھاد ڈالیگا یا کھیتی کریگا اس میں دوسری زمین کی کھیتی کے عوض تو صحیح نہیں جیسے اجارہ رہائش کا رہائش کے عوض،

وَاِنْ اسْتَاجَرَهُ لِحَمْلِ طَعَامٍ بَيْنَهُمَا فَلاَ اَجْرَلَهُ كَرَاهِنٍ اِسْتَاجَرَ الرَّهْنَ مِنَ الْمُرْتَهِنِ فَاِنْ اِسْتَاجَرَ اَرْضاً

اگر اجرت پر لیا مشترک غلہ اٹھانے کے لئے تو اس کے لئے اجرت نہ ہوگی جیسے راہن جو کرایہ لے رہن کا مرتہن سے، اگر اجرت پر لی زمین

وَلَمْ يَذْكُرْ اَنَّهُ يَزْرَعُهَا اَوْ اَىَّ شَيْءٍ يَزْرَعُ فَزَرَعَهَا وَمَضَى الْاَجَلُ فَلَهُ الْمُسَمّٰى وَاِنْ اِسْتَاجَرَ

اور یہ بیان نہیں کیا کہ اس میں کھیتی کرے گا یا کس چیز کی کھیتی کرے گا پس اس نے کھیتی کی اور مدت گزر گئی تو اس کے لئے مقررہ اجرت ہوگی، اگر اجرت پر

حِمَارًا اِلٰى مَكَّةَ وَلَمْ يُسَمِّ مَايَحْمِلُ فَحَمَلَ مَايَحْمِلُ النَّاسُ فَنَفَقَ لَمْ يُضْمَنْ

لیا گدھا مکہ تک اور وہ چیز بیان نہیں کی جو لادے گا پس اس نے لادی وہ چیز جو لوگ لادتے ہیں اور سواری ہلاک ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا

وَاِنْ بَلَغَ مَكَّةَ فَلَهُ الْمُسَمّٰى فَاِنْ تَشَاحَا قَبْلَ الزَّرْعِ وَالْحَمْلِ نَقَضَتِ الْاِجَارَةُ دَفْعاً لِلْفَسَادِ.

اور اگر پہنچا دی مکہ تک تو اس کے لئے مقررہ اجرت ہوگی اگر جھگڑا کریں کھیتی کرنے اور بوجھ لادنے سے پہلے تو ٹوٹ جائیگا اجارہ فساد دور کرنے کے لئے

اجارۂ فاسدہ کے باقی احکام

توضیح اللغۃ: ظئر دایہ، کسوۃ پوشاک، حبلت حاملہ ہوگئی، غزل سوت، نسج بننا، یکرب ہل جوتے، یسقی پانی دے، یثنی دوبارہ ہل جوتے یکری کھودے، یسرقن کھاد ڈالے، نفق ہلاک ہو جائے، تشاحا جھگڑا کریں۔

تشریح الفقہ: **قولہ وصح الخ** دودھ پلانے والی عورت (انا) کو اجر معلوم کیساتھ اجرت پر لینا جائز ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن**" نیز عہدِ نبوی میں یہ دستور جاری تھا اور آپ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ اسیطرح انا کو اس کی خوارک پوشاک کے عوض اجرت پر لینا بھی جائز ہے۔ صاحبین اور امام شافعی کے یہاں جائز نہیں۔ مقتضائے قیاس بھی یہی ہے کیونکہ اجرت مجہول ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہ جہالت موجب منازعت نہیں کیونکہ بچہ کی محبت وشفقت کی وجہ سے انا پر خوارک پوشاک میں کشائش کی عام عادت ہے، پھر مستاجر انا کے خاوند کو وطی کرنے سے نہیں روک سکتا، کیونکہ وطی اس کا حق ہے۔ ہاں اپنے گھر میں وطی کرنے سے منع کر سکتا ہے کیونکہ یہ مستاجر کا حق ہے۔ اب اگر انا حاملہ ہو جائے یا بیمار ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ کیونکہ مریضہ اور حاملہ عورت کا دودھ بچہ کے لئے مضر ہوتا ہے۔

قولہ ولو دفع الخ زید نے کسی کو کپڑا بننے کے لئے سوت دیا اور کہا کہ مزدوری میں آدھا کپڑا لے لینا۔ یا کسی کو غلہ کی ایک مخصوص مقدار اٹھانے کیلئے اجرت پر لیا اور اسی غلہ سے ایک قفیز مزدوری طے ہوئی تو ان دونوں صورتوں میں اجارہ فاسد ہے۔ کیونکہ یہاں اجرت وہ شئی ہے جو اجیر کے عمل سے پیدا ہوگی اور حدیث میں اس کی ممانعت ہے ' **فانہ نھی عن عسب الفحل وعن قفیز الطحان**' اسی طرح اگر کسی نان بز کو اجرت پر لیا تا کہ وہ آج کے دن ایک درہم کے عوض میں اتنے آٹے کی روٹی پکا دے تو امام صاحب کے نزدیک یہ بھی فاسد ہے۔ صاحبین کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ معقود علیہ صرف عمل ہے اور ذکر وقت برائے تعجیل ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے

(۱)...... لانہ ایجارو لیس بار ضاع ۱۲۔ (۲) لان العین امانۃ فی یدہ وان کانت الاجارۃ فاسدۃ ۱۲۔ (۳)...... لان الفساد کا ن لجھالۃ مایحمل فاذا حمل علیہ شیئاً تعین ذلک فانقلب صحیحاً ۱۲۔

ہیں کہ مستاجر نے عمل اور وقت دونوں کو جمع کر دیا۔ اب وقت کا مذکور ہونا تو یہ ثابت کرتا ہے کہ معقود علیہ منفعت ہے۔ اور عمل کا مذکور ہونا یہ بتاتا ہے۔ کہ معقود علیہ عمل ہے۔ پھر عمل کے معقود علیہ ہونے میں مستاجر کا نفع ہے۔ اور منفعت کے معقود علیہ ہونے میں اجیر کا نفع ہے تو یقیناً بعد میں منازعت پیش آئیگی۔

قولہ وان استاجر ارضاً الخ زید نے ایک زمین اس شرط پر ٹھیکہ میں لی کہ اس میں ہل جوتوں گا اور کھیتی کروں گا یا اس کو پانی دونگا اور کھیتی کرونگا تو یہ درست ہے کیونکہ کھیتی ہل جوتے اور سینچے بغیر نہیں ہوسکتی تو یہ شرط مقتضاء عقد کیخلاف نہ ہوئی لہٰذا اجارہ صحیح ہے۔ لیکن اگر یہی شرط کی کہ زمین پھرتے وقت پھر ہل جوتے یا مکرر ہل جوتے یا اس میں نالیاں کھودے یا کھاڈالے یا اس زمین کے عوض میں مجھے اپنی زمین زراعت کیلئے دے تو ان سب صورتوں میں اجارہ فاسد ہوگا۔ کیونکہ یہ شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہیں۔ اسی طرح اگر اپنا گھر کرایہ پر دے اور اجرت یہ ہو کہ کرایہ دار اپنا گھر مجھے رہنے کیلئے دے تو یہ بھی درست نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک درست ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں منافع بمنزلہ اعیان کے ہوتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں جنس منافع میں اتحاد ہے **فیحرم النساء**۔

قولہ وان استاجرہ الخ کچھ غلہ دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو غلہ اٹھانے کیلئے مزدوری پر لے لیا تو ہمارے نزدیک اس کو مزدوری نہ ملے گی۔ اسیطرح اگر زید نے اپنا گھر عمرو کے پاس رہن رکھدیا پھر اس سے کرایہ پر لے لیا تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اور عمرو کو کرایہ نہ ملے گا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اجارہ مذکورہ صحیح ہے۔ اس لئے ان کے یہاں اٹھانے والے کو مقررہ مزدوری ملے گی۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں منفعت بمنزلہ عین کے ہے۔ اور عین مشاع کی بیع جائز ہے تو مشاع کا اجارہ بھی جائز ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ احد الشرکین نے دوسرے کو ایسے عمل کیلئے اجرت پر لیا ہے۔ جس کا وجود غیر متمیز ہے۔ اس لئے کہ عمل فعل حسی ہے۔ جو امر شائع میں متصور نہیں ہوسکتا۔ پس تسلیم معقود علیہ غیر متصور ہوئی۔ لہٰذا اجرت واجب نہ ہوگی۔ بخلاف بیع کے کہ وہ تصرف حکمی (شرعی) ہے۔

قولہ فان استاجر الخ ایک شخص نے زمین اجارہ پر لی اور یہ بیان نہیں کیا کہ اس میں کھیتی کرے گا یا کچھ اور نیز گیہوں کی کھیتی کرے گا یا کسی اور چیز کی تو اجارہ فاسد ہے۔ (اگر موجر نے تعیم نہ کی ورنہ جائز ہوگا۔) اس واسطے کہ زمین میں صرف کاشت ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ درخت وغیرہ بھی لگائے جاسکتے ہیں۔ سامان کی حفاظت کے لئے بھی لیجا سکتی ہے۔ پھر کاشت بھی مختلف چیزوں کی ہوسکتی ہے تو معقود علیہ مجہول ہوا۔ لہٰذا اجارہ صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس کے بعد مستاجر نے اس میں کاشت کی اور مدت بھی گزر گئی تو استحساناً اجارہ صحیح ہوجائے گا۔ لیکن امام زفر کے نزدیک اب بھی صحیح نہ ہوگا۔ اور قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ وہ ابتداءً فاسد واقع ہے۔ تو منقلب بہ صحت نہ ہوگا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ عقد تمام ہونیسے پہلے جہالت معقود علیہ جاتی رہی۔ اسلئے منقلب بہ صحت ہوجائیگا **ومافی المنح ان عند محمد لایعود صحیحاً وھو القیاس مخالف لاکثر الکتب**۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

---

(۱)......بان قال المؤجر ازرع فیها البر او احمل علیه برا وقال المستاجر بل ازرع فیها رطبة او احمل علیه حدیدا۱۲۔

عہ......اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائیں تو تم ان کو ان کی اجرت دو ۱۲۔ عہ...... دارقطنی، بیهقی، ابویعلی عن الخدری ۱۲۔

باب ضمان الاجیر

باب اجیر کے ضامن ہونیکے بیان میں

الاَجِیرُ الْمُشْتَرَکُ مَنْ یَعْمَلُ لِغَیْرِ وَاحِدٍ وَلاَ یَسْتَحِقُّ الاَجْرَ حَتّٰی یَعْمَلَ کَالصَّبَّاغِ وَالْقَصَّارِ وَالْمَتَاعِ فِی یَدِہٖ

اجیر مشترک وہ ہے جو کام کرے ہر ایک کے لئے اور مستحق نہیں ہوتا اجرت کا یہاں تک کہ کام کردے جیسے رنگریز اور دھوبی اور سامان اس کے پاس

غَیْرُ مَضْمُوْنٍ بِالْهَلاکِ وَمَا تَلَفَ بِعَمَلِہٖ کَتَخْرِیْقِ الثَّوْبِ مِنْ دَقِّہٖ وَزَلْقِ الْحَمَّالِ

مضمون نہیں ہوتا ہلاک ہونے سے اور جو تلف ہوجائے اس کے عمل سے جیسے پھٹ جانا کپڑے کا دھوبی کے کوٹنے سے اور پھسل جانا مزدور کا

وَانْقِطَاعِ حَبْلٍ یَشُدُّ بِہٖ الْحَمَلَ وَغَرَقِ السَّفِیْنَةِ مِنْ مَدِّہٖ مَضْمُوْنٌ وَلاَ یَضْمَنُ بِہٖ بَنِی اٰدَمَ فَاِنْ اِنْکَسَرَ دَنٌّ

اور ٹوٹ جانا رسی کا جس میں بوجھ باندھا ہو اور ڈوب جانا کشتی کا ملاح کے کھینچنے سے مضمون ہے اور ضامن نہ ہوگا ملاح آدمی کا پس اگر ٹوٹ جائے مٹکا

فِی الطَّرِیْقِ ضَمِنَ الْحَمَّالُ قِیْمَتَہٗ فِیْ مَکَانِ حَمْلِہٖ وَلاَ اَجْرَ لَہٗ اَوْ فِیْ مَوْضِعٍ اِنْکَسَرَ وَاَجْرُہٗ بِحِسَابِہٖ

راہ میں تو ضامن ہوگا مزدور اس قیمت کا جو اس کے اٹھانے کی جگہ میں تھی اور اس کے لئے مزدوری نہ ہوگی یا اس جگہ میں جہاں ٹوٹا ہے اور مزدوری اس کے

وَلاَ یُضْمَنُ حَجَّامٌ اَوْ بَزَّاغٌ اَوْ فَصَّادٌ اِنْ لَمْ یَتَعَدَّ الْمَوْضَعَ الْمُعْتَادَ وَالْخَاصُّ یَسْتَحِقُّ الاَجْرَ

حساب سے ہوگی اور ضامن نہ ہوگا حجام اور نشتر زن اور فصد کھولنے والا اگر تجاوز نہ کیا ہو موضع معتاد سے اور اجیر خاص مستحق ہوجاتا ہے مزدوری کا

بِتَسْلِیْمِ نَفْسِہٖ فِیْ الْمُدَّةِ وَاِنْ لَمْ یَعْمَلْ کَمَنْ اِسْتُوْجِرَ شَهْرًا لِلْخِدْمَةِ

خود کو پیش کردینے سے مدت میں گو ابھی کام نہ کیا ہو جیسے کسی کو نوکر رکھا ایک ماہ تک خدمت کیلئے

اَوْلِرَعْیِ الْغَنَمِ وَلاَ یَضْمَنُ مَا تَلَفَ فِیْ یَدِہٖ اَوْ عَمَلِہٖ.

یا بکریاں چرانے کیلئے اور ضامن نہ ہوگا اس کا جو تلف ہوجائے اس کے پاس یا اس کے عمل سے۔

توضیح اللغۃ: صباغ رنگریز، قصار دھوبی، متاع سامان، تخریق پھاڑنا، دق کوٹنا، زلق پھسلنا، حمال بار بردار، حبل رسی، سفینہ کشتی، مد کھینچنا، دن مٹکا، حجام پچھنے لگانیوالا، بزاغ بیطار نشتر لگانیوالا، فصاد فصد کھولنے والا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ صحیح وفاسد انواع اجارہ بیان کرنیکے بعد مسائل ضمان بیان کر رہا ہے جو منجملہ ان عوارض کے ہے جو عقد اجارہ مرتب ہوتے ہیں۔ اجیر بقول امام مطرزی فعیل کے وزن پر ہے بمعنی مفاعل جیسے جلیس اور ندیم اس کی دو قسمیں ہیں۔ اجیر مشترک اور اجیر خاص، اجیر مشترک وہ ہے جو عمل کے بعد مستحق اجرت ہو۔ خواہ چند شخصوں کا کام کرتا ہو جیسے درزی، رنگریز، دھوبی وغیرہ یا کسی ایک کا ہی کام کرتا ہو بلا تعیین وقت یا بتعیین وقت لیکن بلا تخصیص عمل مستاجر یہ چونکہ عام مخلوق کا کام کرسکتا ہے اس لئے اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں۔ اجیر خاص کا دوسرا نام اجیر واحد ہے۔ اس کو کہتے ہیں جو ایک وقت معین تک صرف ایک مستاجر کا کام کرے۔ یہ اپنے آپ کو مدت عقد میں پیش کردینے سے یہ اجرت کا مستحق ہوجاتا ہے عمل کرے یا نہ کرے۔ دونوں کے احکام آگے آرہے ہیں۔

عہ......لان الواجب ضمان الآدمی وانہ لایجب بالعقد بل بالجنایۃ ۱۲.

قوله والمتاع الخ اجیر مشترک کے پاس جو مال و متاع ہو اگر وہ بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو امام صاحب، امام زفر وحسن بن زیاد کے نزدیک وہ ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین اور امام مالک کے نزدیک اور ایک قول میں امام شافعی کے نزدیک ضامن ہوگا۔ الا یہ کہ شئی کسی ایسے سبب سے ہلاک ہو جس سے بچاؤ ممکن نہ ہو جیسی اس کا اپنی موت مرجانا یا آگ لگ جانا وغیرہ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی صائغ اور صباغ (زرگر و رنگریز) سے ضمان لیتے تھے (بیہقی) امام صاحب فرماتے ہیں کہ اجیر مشترک کے پاس شئی امانت ہے کیونکہ اس کو مستاجر کی اجازت سے قبضہ حاصل ہوا ہے۔ اور امانت میں ضمان نہیں ہوتا۔ **ویویده ما رواه الدارقطنی ' لاضمان علی مؤتمن۔**

قوله وما تلف الخ جو چیز اجیر مشترک کے عمل سے تلف ہو جائے وہ اس کا ضامن ہوگا جیسے دھوبی کے کوٹنے سے کپڑا پھٹ جائے یا مزدور کے پھسلنے یا جس رسی سے بوجھ بندھا ہوا تھا اس کے ٹوٹنے سے مال ضائع ہو جائے یا ملاح کے بے قاعدہ کھینچنے سے کشتی ڈوب جائے اور مال غرق ہو جائے تو ان سب صورتوں میں اجیر مشترک ضامن ہوگا۔ امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس کا عمل مالک کی مطلق اجازت سے واقع ہوا ہے پس معیب وسلیم ہر دو کو شامل ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تحت الاذن وہی عمل داخل ہے جو تحت العقد داخل ہے۔ اور وہ عمل صالح ہے نہ کہ عمل مفسد لہٰذا اس کا عمل عمل صالح کیساتھ مقید ہوگا۔

قوله فان انکسر الخ اگر اثناء راہ میں مزدور سے مٹکا ٹوٹ گیا تو مزدور ضامن ہوگا۔ اب مالک کو اختیار ہے چاہے مزدور سے اس قیمت کا تاوان لے جو قیمت مٹکا اٹھانے کی جگہ تھی اور مزدوری نہ دے اور چاہے وہاں کی قیمت لے جہاں مٹکا ٹوٹا ہے اور جتنا راستہ مزدور نے طے کیا ہے اس کے حساب سے اس کو مزدوری دے۔ نفس ضمان تو اس لئے ہے کہ مزدور اجیر مشترک ہے جس کے فعل سے مال ضائع ہوا ہے اور اختیار اسلئے ہے کہ یہاں دو جہتیں ہیں ایک یہ کہ مٹکا اثناء راہ میں ٹوٹا ہے اور بوجھ اٹھانا عمل واحد ہے اس لحاظ سے تعدی ابتدا ہی سے واقع ہوئی۔ دوسرے یہ کہ ابتداء بوجھ اٹھانا مالک کی اجازت سے عمل میں آیا ہے پس ابتدا سے تعدی نہیں ہوئی بلکہ ٹوٹنے کے بعد ہوئی **فیمیل الی ای الوجهین شاء۔**

قوله والخاص الخ اجیر خاص خود کو مدت عقد میں پیش کر دینے سے اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے خواہ اس سے مالک نے کام لیا ہو یا نہ لیا ہو۔ جیسے وہ شخص جس کو ایک ماہ تک خدمت کیلئے یا بکریاں چرانے کے لئے نوکر رکھا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے پاس سے یا اس کے عمل سے شئی ہلاک ہو جائے تو ضامن نہ ہوگا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب الاجرة علی احدالشرطین
باب کسی ایک شرط پر اجرت طے کرنیکے بیان میں

وَصَحَّ تَرْدِيْدُ الاَجْرِ بِتَرْدِيْدِ الْعَمَلِ فِي الثَّوْبِ نَوْعاً وَزَمَاناً فِي الاَوَّلِ

صحیح ہے اجرت کی تردید عمل کی تردید سے کپڑے میں نوع کے لحاظ سے اور زمانہ کے اعتبار سے اول میں

وَفِي الدُّكَّانِ وَالْبَيْتِ وَالدَّابَّةِ مُسَافَةً وَحَمْلاً.

اور دکان میں اور گھر میں اور سواری میں مسافت اور بوجھ کے اعتبار سے۔

تشریح الفقہ : قوله وصح الخ عمل میں تردید کیساتھ اجرت کی تردید صحیح ہے مثلاً مستاجر درزی سے کہے کہ اگر تو قبا فارسیوں کے طرز پر

عہ...... لما فرغ عن ذکر الاجارة علی شرط واحد ذکر فی ہذا الباب الاجارة علی ...... احد الشرطین لان الواحد قبل الاثنین ثم اعلم ان ہذه العبارة لا توجد ص

سیئے تو اجرت ایک درہم ہوگی۔ اور رومیوں کے طرز پر سیئے تو اجرت دو درہم ہوگی۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ معقود علیہ فی الحال مجہول ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نے دو مختلف اور صحیح عقدوں کے درمیان اختیار دیا ہے اور اجرت عمل سے واجب ہوتی ہے۔ تو عمل کے وقت اجرت متعین ہو جائے گی۔ اور جہالت جاتی رہے گی۔ پس وہ جیسی سیئے گا ویسی ہی اجرت پائے گا۔ اسی طرح تردید وقت سے بھی اجرت کی تردید صحیح ہے۔ جیسے مستاجر یوں کہے کہ اگر تو آج سی دے تو ایک درہم ملے گا اور کل سیئے گا تو نصف درہم ملے گا۔ اب اگر وہ آج ہی سی دے تو ایک درہم ملے گا اور کل سیئے تو امام صاحب کے نزدیک اجرت مثل ملے گی نہ کہ اجر مسمّی لیکن اجرت مثل نصف درہم سے زیادہ نہ دیجائے گی۔ صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں۔ یعنی آج سیئے تو ایک درہم ملے گا اور کل سیئے تو نصف درہم۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں۔ کیونکہ خیاطہ شئی واحد ہے جس کے مقابلہ میں دو بدل بطریق بدلیت ذکر کئے گئے ہیں تو بدل مجہول ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ ذکر یوم برائے تعجیل ہے اور ذکر غد برائے توسع ہر دن میں دو تسمیے جمع ہو گئے لہٰذا عقد باطل ہوگا۔ صاحبین یہ کہتے ہیں کہ ذکر یوم برائے توقیت ہے۔ اور ذکر غد برائے تعلیق پس ہر دن میں دو تسمیے جمع نہ ہوئے لہٰذا عقد صحیح نہ ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ذکر یوم کو توقیت پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ وقت اور عمل کے اجتماع کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائیگا۔ پس کل کے دن میں دو تسمیے جمع ہوئے نہ کہ آج کے دن میں تو شرط اول صحیح ہوگی اور اجر مسمّی واجب ہوگا اور شرط ثانی فاسد ہوگی۔ اور اجرت مثلی واجب ہوگی۔

قولہ وفی الدکان الخ مکان وعامل، مسافت اور بوجھ میں تردید کرنے سے بھی اجرت کی تردید صحیح ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ اگر اس دکان میں لوہار کو رکھے گا تو یہ کرایہ ہوگا اور عطار کو رکھیگا تو یہ ہوگا یا اس جانور کو کوفہ تک لے جائے گا تو یہ ہوگا اور واسط تک لے جائے گا تو یہ ہوگا اس پر گیہوں لادے گا تو یہ اجرت ہوگی اور نمک لادے گا تو یہ ہوگی۔ ان تردیدات میں سے جو چیز پائی جائے گی۔ امام صاحب کے نزدیک اسی کی اجرت واجب ہوگی وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی، صاحبینؒ، امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عقد ہی جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ معقود علیہ ایک ہے اور اجرتیں دو ہیں اور مختلف ہیں۔

باب اجارة العبد

باب غلام کے اجارہ کے بیان میں

وَلاَ يُسَافِرُ بِعَبْدٍ اِسْتَاجَرَهُ لِلْخِدْمَةِ بِلاَشَرْطٍ ۫وَلاَ يَاْخُذُ الْمُسْتَاجِرُ مِنْ عَبْدٍ مَحْجُوْرٍ اَجْراً دَفَعَهُ لِعَمَلِهٖ

سفر میں نہ لیجائے اس غلام کو جس کو نوکر رکھا ہو خدمت کیلئے شرط کئے بغیر نہ لے مستاجر ممنوع العمل غلام سے وہ مزدوری جو دی ہو اس کو اس کے کام پر

وَلاَ يَضْمَنُ غَاصِبُ الْعَبْدِ مَا اَكَلَ مِنْ اَجْرِهٖ وَلَوْوَجَدَهُ رَبُّهُ اَخَذَهُ وَصَحَّ قَبْضُ الْعَبْدِ اَجْرَهُ

ضامن نہ ہوگا غلام چھیننے والا اس کا جو کھا گیا غلام کی کمائی سے اور اگر پائے اس کا مالک تو لے لے اس سے صحیح ہے لے لینا غلام کا اپنی مزدوری

وَلَوْاٰجَرَ عَبْدَهُ هٰذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ شَهْراً بِاَرْبَعَةٍ وَشَهْراً بِخَمْسَةٍ صَحَّ وَالاَوَّلُ بِاَرْبَعَةٍ وَلَوِاخْتَلَفَا

اگر نوکر کیا اپنے غلام کو دو ماہ تک ایک ماہ چار روپے کے عوض اور ایک ماہ پانچ کے عوض تو صحیح ہے اور پہلا مہینہ چار کے عوض ہوگا اگر اختلاف کریں غلام کے

فِى اِبَاقِ الْعَبْدِ وَمَرَضِهٖ حُكِّمَ الحَالُ وَالْقَوْلُ لِرَبِّ الثَّوْبِ فِى الْقَمِيْصِ

بھاگنے یا اس کے بیمار ہونے میں تو حکم بنایا جائیگا حال کو اور قول کپڑے کے مالک کا ہوگا قمیص

ص...... فی کثیر من النسخ المقبرة ولعلها من زیادة النساخین ۱۲ . عه...... بخلاف الخیاطة الرومیة والفارسیة لان الاجر یجب بالعمل وعنده یرتفع الجهالة اما فی هذه المسائل یجب الاجر بالتخلیة والتسلیم فیبقی الجهالة ۱۲ .

وَالْقَبَاءِ وَالْحُمْرَةِ وَالصُّفْرَةِ وَالاَجْرِ وَعَدَمِهِ.

اور قباء سینے اور سرخ یا زرد رنگنے میں اور اجرت کے ہونے اور نہ ہونے میں۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا یسافر الخ جس غلام کو خدمت کیلئے نوکر رکھا ہو اسکو اپنے ساتھ سفر میں نہیں لیجا سکتا۔ کیونکہ حضر کے لحاظ سے سفر میں مشقت زیادہ ہوتی ہے۔ پس مطلق عقد اسکو شامل نہ ہوگا ہاں اگر بوقت عقد اسکی شرط کر لی ہو تو اور بات ہے، جس غلام کو آقا کی طرف سے عمل کی اجازت نہ ہو اور وہ مزدوری پر لگ جائے اور عمل کے بعد متاجر اسکو اجرت دے بعد میں معلوم ہو کہ وہ مجحور ہے تو متاجر مزدوری واپس نہیں لے سکتا۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لے سکتا ہے قیاس بھی یہی ہے کیونکہ جب غلام مجحور ہے تو عقد صحیح نہیں ہوا لہذا اجرت واجب نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ فساد اجارہ حق مولیٰ کی رعایت کیوجہ سے ہے اور عمل کے بعد اسکے حق کی رعایت اسی میں ہیکہ اجارہ صحیح اور اجرت واجب ہو۔ زید نے عبد مجحور کو غصب کیا۔ عبد مجحور نے اپنے آپکو مزدوری پر لگا دیا اسکو جو مزدوری ملی وہ غاصب کھا گیا تو امام صاحب کے نزدیک غلام واپس کرتے وقت غاصب اس مزدوری کا ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک ضامن ہوگا۔ کیونکہ عبد مجحور کا اجارہ استحساناً صحیح ہے۔ جیسا کہ ابھی مذکور ہوا تو اسکی مزدوری آقا کا مال ہے جو غاصب بلا اجازت کھا گیا، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ضمان مال محفوظ تلف کرنے سے واجب ہوتا ہے۔ اور غلام خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تو اسکی کمائی کب محرز و محفوظ ہوگی۔

قولہ ولو اختلفا الخ زید نے ایک ماہ کیلئے غلام اجرت پر لیا اور اختتام ماہ پر کہا کہ شروع میں بھاگ گیا یا بیمار ہو گیا تھا موجر (آقا) نے اسکا انکار کیا تو حال کو حکم بنایا جائیگا یعنی اگر بوقت منازعت غلام بھاگا ہوا ہو یا بیمار ہو تو متاجر کا قول اسکی قسم کیساتھ معتبر ہوگا ورنہ موجر کا، مالک نے اجیر سے کہا کہ میں نے قبا کے لئے کہا تھا تو نے قمیص سی دی، یا میں نے زرد کیلئے کہا تھا تو نے سرخ رنگ دیا۔ اجیر کہتا ہے کہ جیسا تو نے کہا تھا میں نے ویسا ہی کیا ہے۔ تو مالک کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ اجیر کو عمل کی اجازت مالک کی جانب سے حاصل ہوئی ہے۔ اور مالک اسکی کیفیت سے زیادہ واقف ہے، اسی طرح مالک نے کہا کہ تو نے مجھے یہ کام مفت کر دیا ہے اجیر کہتا ہے کہ اجرت پر کیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک مالک کا قول معتبر ہوگا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر ان کے درمیان اجرت کیساتھ معاملہ ہوتا رہا ہو تو اجرت واجب ہوگی ورنہ نہیں، امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر کاریگر اس پیشہ کی دکان کھولے ہوئے ہو اور اجرت پر کام کرنے میں مشہور ہو تو اسکا قول معتبر ہوگا ورنہ مالک کا (امام شافعی کے نزدیک کاریگر کا ہی قول معتبر ہوگا) درمختار میں فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے اور زیلعی تبیین، تنویر وغیرہ میں امام محمد کے قول پر۔

باب فسخ الاجارة

باب اجارہ فسخ ہونیکے بیان میں

وَتُفْسَخُ بِالْعَيْبِ وَخَرَابِ الدَّارِ وَانْقِطَاعِ مَاءِ الضَّيْعَةِ وَالرَّحٰى وَتَنْفَسِخُ بِمَوْتِ اَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ اِنْ عَقَدَهَا

اور فسخ کیا جا سکتا ہے عیب سے اور گھر ویران ہونے اور زمین اور پن چکی کے پانی بند ہونے سے اور فسخ ہو جاتا ہے کسی ایک کے مر جانے سے اگر عقد کیا ہو

لِنَفْسِهِ وَاِنْ عَقَدَهَا لِغَيْرِهِ لاَ كَالْوَكِيْلِ وَالْوَصِيِّ وَالْمُتَوَلِّى فِى الْوَقْفِ وَتُفْسَخُ بِخِيَارِ الشَّرْطِ وَالرُّؤْيَةِ

اپنی ذات کے لئے اور اگر غیر کیلئے کیا ہو تو نہیں جیسے وکیل اور وصی اور متولی وقف اور فسخ کیا جا سکتا ہے خیار شرط خیار رویت

عہ......وهذه العبارة لا توجد ايضاً فى النسخ المعتمدة ... حه ...... بالاجماع لانه المباشر للعقد و حقوقه اليه ... نفع محض ۱۲

وَبِالْعُذْرِ وَهُوَ عِجْزُ الْعَاقِدِ عَنِ الْمُضِيِّ فِي مُوْجَبِهِ اِلَّا بِتَحَمُّلِ ضَرَرٍ زَائِدٍ لَمْ يَسْتَحِقَّ بِهِ كَمَنْ اِسْتَاجَرَ رَجُلاً

اور عذر سے اور وہ عاجز ہو جانا ہے عاقد کا اجارہ کی تعمیل سے مگر ضرر زائد برداشت کرنے کے ساتھ جو اس پر لازم نہیں عقد سے جیسے اجرت پر لیا کسی کو

لِيَقْلَعَ ضِرْسَهٗ فَسَكَنَ الْوَجْعُ اَوْ لِيَطْبَخَ لَهٗ طَعَامَ الْوَلِيْمَةِ فَاخْتَلَعَتْ مِنْهُ اَوْ حَانُوْتاً لِيَتَّجِرَ فِيْهِ فَافْلَسَ

اپنی ڈاڑھ نکلوانے کے لئے پھر درد ختم ہوگیا یا ولیمہ کا کھانا پکانے کے لئے پس عورت نے اس سے خلع کر لیا یا دکان لی تجارت کے لئے پھر وہ مفلس ہوگیا

اَوْ اٰجَرَهٗ وَلَزِمَهٗ دَيْنٌ بِعَيَانٍ اَوْ بِبَيَانٍ اَوْ بِاِقْرَارٍ وَلَا مَالَ لَهٗ سِوَاهُ

یا کرایہ پر دی پھر اس پر قرض ہوگیا ظاہر میں یا اس کے بیان یا اقرار سے اور اس کے پاس مال نہیں سوائے دکان کے

اَوْ اِسْتَاجَرَ دَابَّةً لِلسَّفَرِ فَبَدَا لَهٗ مِنْهُ لَا لِلْمُكَارِيْ.

یا کرایہ پر لیا جانور سفر کیلئے پھر اس کو مانع سفر ضرورت پیش آگئی نہ کہ کرایہ پر دینے والے کو۔

توضیح اللغۃ: ضیعہ زمین، رحی پن چکی، ضرس ڈاڑھ، وجع درد، حانوت دکان، مکاری کرایہ پر دینے والا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ فسخ عقد ثبوت عقد کے بعد ہی ہوتا ہے۔اسلئے اب اسکو بیان کررہا ہے۔اجارہ چند امور سے فسخ ہو جاتا ہے (۱) کوئی ایسا عیب پیدا ہو جائے جس سے منفعت فوت ہو جائے۔ کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے قبضہ سے پہلے مبیع فوت ہو جائے کہ بیع فسخ ہو جاتی ہے جیسے گھر کا ویران ہو جانا، پن چکی یا زمین زراعت کے پانی کا بند ہو جانا۔ (۲) احد المتعاقدین کا مر جانا جبکہ انہوں نے اجارہ اپنے لئے کیا ہو۔ اگر موجر مر جائے تو اجارہ اسلئے فسخ ہوگا کہ مرنے کے بعد شئی اسکے ورثہ کی ہوگئی۔اب اگر مستاجر اس سے نفع حاصل کرتا ہے تو ملک غیر سے منتفع ہونا لازم آیا۔اور یہ جائز نہیں۔اور اگر مستاجر مر جائے تو اسلئے فسخ ہوگا کہ اس صورت میں ملک غیر سے اجرت کی ادئیگی لازم آتی ہے اور یہ بھی جائز نہیں۔ہاں اگر اجارہ غیر کیلئے ہو مثلاً وکیل نے موکل کیلئے کیا تھا یا وصی نے یتیم کیلئے کیا تھا۔یا عاقد متولی وقف تھا تو احد المتعاقدین کی موت سے اجارہ فسخ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں ملک غیر سے منتفع ہونا یا اجرت ادا کرنا لازم نہیں آتا۔ (۳) اگر موجر یا مستاجر کے لئے خیار شرط یا خیار رویت ہو تو وہ اسکی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتے ہیں۔امام شافعی کے یہاں عقد اجارہ میں خیار شرط کا ہونا نیز بن دیکھی چیز کا اجارہ درست ہی نہیں۔ہم یہ کہتے ہیں کہ اجارہ ایک عقد معاوضہ ہے جسکے لئے مجلس میں قبضہ کا ہونا ضروری نہیں تو بیع کی طرح اس میں بھی خیار شرط صحیح ہوگا۔ نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص بن دیکھی چیز خریدے تو دیکھنے کے بعد اسکو اختیار ہے" اور اجارہ خرید منافع کا نام ہے۔تو اس میں بھی خیار رویت ثابت ہوگا۔

قولہ وبالعذر الخ (۴) عاقد کا اس طرح عاجز ہو جانا کہ اگر وہ اجارہ کو باقی رکھے تو اسکا ایسا نقصان لازم آئے جو اس پر عقد اجارہ سے لازم نہیں تھا مثلاً ایک شخص نے دانت اکھیڑنے کیلئے کسی کو اجرت پر لیا اور دانت اکھیڑنے سے پہلے درد جاتا رہا تو اجارہ فسخ ہو جائیگا۔ کیونکہ اجارہ باقی رکھنے میں صحیح سالم دانت کو اکھاڑنا پڑتا ہے جو مستاجر پر عقد اجارہ کی وجہ سے لازم نہیں تھا۔

قولہ لا للمکاری الخ اگر جانور کا کرایہ دینے والے کو کوئی ضرورت مانع سفر پیش آگئی تو وہ اجارہ نہیں توڑ سکتا۔ کیونکہ وہ ایسا کر سکتا ہے کہ خود اپنے گھر رہے۔اور جانور کیساتھ کسی اور مزدور یا اپنے غلام کو بھیجدے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

....

اما اذا اراد نقض اجارتها وبیعها لانه لا نفقة له ولعیاله فله ذلک کما فی الکبری ۱۲

مَسَائِلُ مُتَفَرِّقَةٌ : وَلَوْ اَحْرَقَ حَصَائِدَ اَرْضٍ مُسْتَاجَرَةٍ اَوْ مُسْتَعَارَةٍ فَاحْتَرَقَ شَئٌ فِيْ اَرْضِ غَيْرِهٖ لَمْ يَضْمَنْ

(متفرق مسائل) اگر جلائی اجارہ یا عارت پر لی ہوئی زمین کی کھیتی پس جل گئی کوئی چیز دوسرے کی زمین میں تو ضامن نہ ہوگا

وَاِنْ اَقْعَدَ خَيَّاطٌ اَوْ صَبَّاغٌ فِيْ حَانُوْتِهٖ مَنْ عَلَيْهِ الْعَمَلُ بِالنِّصْفِ صَحَّ وَاِنْ اِسْتَاجَرَ جَمَلاً لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ

اگر بٹھالے درزی یا رنگریز اپنی دکان میں اس کو جس پر کام کرنا ہوگا نصف کے عوض تو یہ صحیح ہے اگر اجرت پر لیا اونٹ تا کہ رکھے اس پر کجاوہ

مَحْمَلاً وَرَاكِبَيْنِ اِلٰى مَكَّةَ صَحَّ وَلَهُ الْحَمْلُ الْمُعْتَادُ وَرُؤْيَتُهٗ اَحَبُّ وَلِمِقْدَارِ زَادٍ

اور بٹھلائے دوسواریاں مکہ تک تو صحیح ہے اور اس کو مروج کجاوہ رکھنے کا حق ہے اور اس کو دیکھ لینا بہتر ہے اگر توشہ کی ایک خاص مقدار لادنے کیلئے لیا

فَاَكَلَ مِنْهُ رَدَّ عِوَضَهٗ وَتَصِحُّ الاِجَارَةُ وَفَسْخُهَا وَالْمُزَارَعَةُ وَالْمُعَامَلَةُ وَالْمُضَارَبَةُ وَالْوَكَالَةُ وَالْكَفَالَةُ

پھر اس میں سے کچھ کھالیا تو اتنا ہی اور رکھ سکتا ہے صحیح ہے اجارہ فسخ اجارہ مزارعت معاملہ مضاربت وکالت کفالت

وَالاِيْصَاءُ وَالْوَصِيَّةُ وَالْقَضَاءُ وَالاِمَارَةُ وَالطَّلاَقُ وَالْعِتْقُ وَالْوَقْفُ مُضَافاً

وصی بنانا وصیت کرنا قاضی کرنا امیر کرنا طلاق دینا آزاد کرنا اور وقف کرنا کسی وقت کی طرف منسوب کرکے

لاَالْبَيْعُ وَاِجَازَتُهٗ وَفَسْخُهٗ وَالْقِسْمَةُ وَالشَّرْكَةُ وَالْهِبَةُ وَالنِّكَاحُ وَالرَّجْعَةُ وَالصُّلْحُ عَنْ مَالٍ وَاِبْرَاءُ الدَّيْنِ.

نہ کہ بیع اجازت بیع فسخ بیع قسمت شرکت ہبہ نکاح رجعت مال سے صلح کرنا اور قرض سے بری کرنا۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولہ احرق الخ** کسی نے اجارہ یاعاریت کی زمین میں زراعت کی ٹھوٹیاں جلائیں اور اسکی وجہ سے دوسرے کی زمین میں کوئی چیز جل گئی تو جلانے والا ضامن نہ ہوگا کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ملک میں کنواں کھودے اور اس میں کوئی ہلاک ہوجائے کہ کنویں والے پر تاوان نہیں ہوتا، شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ یہ اسوقت ہے جب جلاتے وقت ہوا تیز نہ ہو ورنہ جلانیوالے پر تاوان ہوگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آگ ایک جگہ نہ ٹھہریگی۔

قولہ وان اقعد الخ ایک شخص نے کسی درزی یا رنگریز کو اپنی دکان پر بٹھایا تا کہ وہ لوگوں سے سینے یا رنگنے کا کام لیکر دکاندار کو دے اور معاملہ نصفا نصف اجرت پر طے کیا تو قیاس کی رو سے گو یہ ناجائز ہے کیونکہ جو چیز اسکے عمل سے حاصل ہوگی وہ مجہول ہے لیکن استحساناً صحیح ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ شرکت صنائع ہے جو جائز ہے۔ اسی طرح کسی نے کوفہ تک ایک اونٹ محمل۔ (کجاوہ) لادنے اور دو آدمی سوار ہونے کیلئے اجرت پر لیا تو یہ بھی قیاس کی رو سے جائز نہیں، چنانچہ امام شافعی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ طول وعرض، ثقل وخفت ہر اعتبار سے معقود علیہ مجہول ہے مگر استحساناً صحیح ہے۔ کیونکہ یہ جہالت محمل معتاد پر محمول کرنیسے دور ہوسکتی ہے۔ زید نے توشہ کی ایک معین مقدار اٹھانے کیلئے اجرت پر لیا پھر راستہ میں کچھ توشہ کھالیا تو اتنا ہی توشہ اور بڑھا سکتا ہے کیونکہ وہ پورے راستہ میں معین مقدار اٹھانے کا حقدار ہے۔

كتاب المكاتب

اَلْكِتَابَةُ تَحْرِيْرُ الْمَمْلُوْكِ يَداً فِي الْحَالِ وَرَقْبَةً فِي الْمَآلِ كَاتَبَ مَمْلُوْكَهٗ وَلَوْ صَغِيْرًا يَعْقِلُ بِمَالٍ حَالٍّ

کتابت آزاد کرنا ہے غلام کو تصرف کی رو سے فورا اور ذات کی رو سے باعتبار انجام مکاتب کیا اپنے غلام کو گو چھوٹا ہو مگر سمجھتا ہو مال کے عوض فوری

اَوْ مُؤَجَّلٍ اَوْ مُنَجَّمٍ وَقِيْلَ صَحَّ وَكَذَا اِنْ قَالَ جَعَلْتُ عَلَيْكَ اَلْفاً تُؤَدِّيْهِ نُجُوْماً اَوَّلُ النَّجْمِ كَذَا

یا مدت ٹھہرا کر یا قسطوں کیساتھ اور غلام نے قبول کر لیا تو صحیح ہے اسی طرح اگر مالک کہے کہ میں نے تیرے ذمہ ہزار کئے ان کو تو قسط وار ادا کر دے پہلی قسط

اَوْ اٰخِرُهٗ كَذَا فَاِذَا اَدَّيْتَهٗ فَاَنْتَ حُرٌّ وَاِلَّا فَقِنٌّ فَيَخْرُجُ مِنْ يَدِهٖ دُوْنَ مِلْكِهٖ وَغَرِمَ اِنْ وَطِئَ

اتنی اور آخری اتنی پس جب تو ادا کر دے تو آزاد ہے ورنہ غلام تو نکل جائیگا غلام مالک کے تصرف سے نہ کہ اس کی ملک سے اور تاوان دیگا اگر وطی کرے

مَكَاتَبَتَهٗ اَوْ جَنٰى عَلَيْهَا اَوْ عَلٰى وَلَدِهَا اَوْ اَتْلَفَ مَالَهَا وَاِنْ كَاتَبَهٗ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ اَوْ قِيْمَتِهٖ اَوْ عَيْنٍ لِغَيْرِهٖ

اپنی مکاتبہ باندی سے یا جنایت کرے اس پر یا اس کے بچہ پر یا تلف کرے اس کا مال اگر مکاتب کیا غلام کو شراب یا خنزیر یا غلام کی قیمت یا دوسرے کی چیز پر

اَوْ مِائَةٍ لِيَرُدَّ سَيِّدُهٗ وَصِيْفاً فَسَدَ فَاِنْ اَدَّى الْخَمْرَ عَتَقَ وَسَعٰى فِي قِيْمَتِهٖ

یا سو کے عوض اس شرط پر کہ دے اس کو مالک کوئی غلام تو کتابت فاسد ہو جائیگی پس اگر ادا کر دے شراب تو آزاد ہو جائیگا اور سعایت کریگا اپنی قیمت میں

وَلَمْ يَنْقُصْ مِنَ الْمُسَمّٰى وَزِيْدَ عَلَيْهِ وَصَحَّ لَوْ عَلٰى حَيْوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ اَوْ كَاتَبَ كَافِرٌ عَبْدَهُ الْكَافِرَ

اور کم نہ لیجائیگی مقرر مقدار سے اور زائد لیجائیگی اگر زائد ہو اور صحیح ہے اگر مکاتب کیا کسی غیر موصوف جانور پر یا مکاتب کیا کافر نے اپنے کافر غلام کو

عَلٰى خَمْرٍ وَاَيٌّ اَسْلَمَ فَلَهٗ قِيْمَةُ الْخَمْرِ وَعَتَقَ بِقَبْضِهَا.

شراب پر اور ان میں سے جو کوئی اسلام لے آئے تو مالک کو شراب کی قیمت ملیگی اور آزاد ہو جائیگا شراب لے لینے سے بھی۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ عقد کتابت لانیکی مناسبت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک ایسا عقد ہے جس سے غیر مال کے مقابلہ مال اسطرح حاصل کیا جاتا ہے کہ اسمیں ذکر عوض کے ساتھ اصالۃً ایجاب و قبول کی احتیاج ہوتی ہے۔ اور یہ جو بعض حضرات نے کہا ہے کہ کتابت کو عتاق کے بعد غلام کی ذات کو اپنی ملک سے بلا عوض نکالا جاتا ہے۔ اور کتابت میں یہ بات نہیں ہے۔ مکاتبت کا جواز کلام اللہ سے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**فکاتبو ھم ان علمتم فیھم خیرا**" ان کو مکاتب کر دو اگر تم میں بہتری جانو"۔

قولہ الکتابۃ الخ کتابت لغۃً کتب (ن) کا مصدر ہے بمعنی جمع کرنا چنانچہ لشکر کے ایک مجمع گروہ کو کتیبہ کہتے ہیں اور اسی سے کتاب ہے کہ وہ جامع ابواب و فصول ہوتی ہے۔ اصطلاح شرع میں غلام کو تصرف کے لحاظ سے بالفعل اور رقبہ کے اعتبار سے ادائیگی بدل کتابت کے بعد آزاد کرنے کو کتابت کہتے ہیں یعنی عقد کتابت کے بعد غلام تصرف کے اعتبار سے آزاد ہو جاتا ہے بایں معنی کہ اسکو اپنی کمائی میں تصرف کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن رقبہ اور ذات کے اعتبار سے ادائیگی بدل کتابت کے بعد آزاد ہوتا ہے۔ گویا ملک ید بالفعل حاصل ہوتی ہے اور ملک رقبہ باعتبار انجام **لقولہ علیہ السلام "المکاتب عبد ما بقی علیہ من کتابتہ درھم"**۔

عہ......وقال الشافعی لابدمن تنجیم لانہ عاجز عن التسلیمؒ عہ...... فی زمان قلیل ولنااطلاق نص فکاتبوھم ۱۲ کشف

قولہ وغرم الخ فیخرج یدہ اھ پر متفرع ہے یعنی جب مکاتب تصرف کے لحاظ سے ملک مولیٰ سے نکل گیا تو اب آقا اپنی مکاتبہ باندی سے وطی کریگا یا اسپر یا اسکے بچہ پر یا اسکے مال پر جنایت کریگا تو تاوان دینا ہوگا۔ یعنی جماع کی صورت میں عقر دیگا اور جنایت نفس کی صورت میں دیت اور جنایت مال کی صورت میں مثل مال یا اسکی قیمت۔

قولہ وان کاتبہ الخ کتابت صحیحہ کے بعد کتابت فاسدہ کا ذکر کر رہا ہے۔ کہتا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے اپنے مسلمان غلام کو شراب یا خنزیر کے عوض مکاتب کیا تو یہ کتابت فاسد ہے کیونکہ شراب اور خنزیر مسلمان کے حق میں مال نہ ہونے کی وجہ سے بدل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہذا عقد فاسد ہوگا۔ اب اگر غلام شراب یا خنزیر ہی دیدے تو آزاد ہو جائیگا لیکن اپنی قیمت میں سعایت کریگا۔ کیونکہ یہاں فاسد عقد کیوجہ سے رد رقبہ واجب ہے مگر اسکے آزاد ہونے کیوجہ سے رد رقبہ متعذر ہے اسلئے قیمت واجب ہوگی جیسے بیع فاسد میں ہوتا ہے کہ اگر مشتری کے پاس سے مبیع ھلاک ہو جائے تو قیمت واجب ہوتی ہے لہذا قیمت ہی ادا کرنیسے آزاد ہوگا۔ لیکن ظاہر الروایہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

قولہ او قیمۃ الخ اگر آقا نے غلام کو اسکی قیمت کے عوض مکاتب کیا تو یہ بھی فاسد ہے کیونکہ غلام کی قیمت جنس و وصف، جودۃ ورداءۃ اور مقدار ہر اعتبار سے مجہول ہے۔ اسی طرح اگر کسی دوسرے کی معین چیز مثلاً گھوڑے یا غلام کے عوض مکاتب کیا تو یہ بھی فاسد ہے۔ کیونکہ غلام دوسرے کی چیز دینے سے قاصر ہے۔ اگر ایک سو دینار کے عوض اس شرط پر مکاتب کیا کہ آقا اسکو ایک (غیر معین) غلام واپس کریگا تو طرفین کے نزدیک یہ بھی فاسد ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ عبد مطلق بدل کتابت ہونیکی صلاحیت رکھتا ہے تو یہاں درمیانی قسم کا غلام مراد ہوگا اور ایک سو دینار کو مکاتب اور درمیانی قسم کے غلام کی قیمت پر تقسیم کردیں گے۔ پس اوسط درجہ کے غلام کی قیمت کا حصہ ساقط ہو جائیگا اور باقی کے عوض وہ مکاتب ہو جائیگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ عبد مطلق بدل کتابت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے یہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ وہیں ہو سکتا ہے جہاں استثنا کرنا صحیح ہو اور یہاں ایسا نہیں۔ کیونکہ دنانیر سے غلام کا استثنا صحیح نہیں۔ بلکہ استثنا اسکی قیمت ہی کا ہو سکتا ہے اور قیمت میں بدل کتابت ہونے کی صلاحیت نہیں تو مستثنیٰ میں بھی بدل ہونے کی صلاحیت نہ ہوگی۔

قولہ وصح الخ اگر غلام کو کسی جانور کے عوض مکاتب کیا اور جانور کی صرف جنس بیان کی مثلاً یہ کہ گھوڑا یا اونٹ دینا ہوگا۔ نوع اور صفت بیان نہیں کی تو کتابت درست ہے۔ اب متوسط قسم کا جانور یا اسکی قیمت واجب ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک کتابت درست نہیں۔ قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ کتابت عقد معاوضہ ہے تو بیع کے مشابہ ہوا اور بدل مجہول ہونے کی صورت میں بیع صحیح نہیں ہوتی تو کتابت بھی صحیح نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کتابت میں دو جہتیں ہیں مبادلۃ المال بالمال بھی ہے بایں معنی کہ غلام آقا کے حق میں مال ہے اور مبادلۃ المال بغیر المال بھی ہے بایں معنی کہ غلام اپنی ذات کے حق میں مال نہیں ہے تو کتابت جواز و فساد کے درمیان واقع ہوئی تو جواز پر محمول کیا جائیگا۔ رہی جہالت سو اس سے کوئی نقصان نہیں۔ کیونکہ جنس بیان ہو جانے کے بعد جہالت فاحشہ نہیں ہے۔

(۲)......لانہ عقد فاسد فیجب القیمۃ عند ھلاک المبدل بالغۃ ما بلغت کما فی البیع الفاسد ۱۲ ھدایہ(۳)......وصح ایضاً لان الخمر مال متقوم فی حقھم کالعصیر فی حق المسلم ۱۲ زیلعی (۴) ......لان المسلم ممنوع عن تملیک الخمر وتملکھا ۱۲ مجمع.

عہ......ابو داؤد عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، ابن عدی عن ام سلمہ، مالک عن ابن عمر(موقوفاً) ابن ابی شیبہ عن عمر، وابن عمرو وعلی و زید بن ثابت وعائشہ(موقوفاً) ۱۲

عہ......فما ذکر من التصرفات ثبوتاً ونفیاً ۱۲.

باب مایجوز للمکاتب ان یفعله او لایفعله

باب مکاتب کے لئے جن افعال کا کرنا درست یا نادرست ہے ان کے بیان میں

لِلْمُکَاتَبِ اَلْبَیْعُ وَالشِّرَاءُ وَالسَّفَرُ وَاِنْ شَرَطَ اَنْ لَایَخْرُجَ مِنَ الْمِصْرِ وَتَزْوِیْجُ اَمَتِہٖ وَکِتَابَۃُ عَبْدِہٖ

جائز ہے مکاتب کے لئے خرید وفروخت اور سفر گو مالک نے شرط کرلیا ہو نہ نکلنا شہر سے اور اپنی باندی کی شادی کرانا اور غلام کو مکاتب کرنا

وَالْوَلَاءُ لَہٗ اِنْ اَدّٰی بَعْدَ عِتْقِہٖ وَاِلَّا لِسَیِّدِہٖ لَاالتَّزَوُّجُ بِلَا اِذْنٍ وَالْھِبَۃُ وَالتَّصَدُّقُ اِلَّا بِیَسِیْرٍ

اور ولاء اسی کے لئے ہوگی اگر ادا کرے وہ اس کی آزادی کے بعد ورنہ اس کے مالک کیلئے ہوگی نہ کہ شادی کرنا بلا اجازت اور ہبہ یا صدقہ کرنا مگر تھوڑی

وَالتَّکَفُّلُ وَالْاِقْرَاضُ وَاِعْتَاقُ عَبْدِہٖ وَلَوْ بِمَالٍ وَبَیْعُ نَفْسِہٖ وَتَزْوِیْجُ عَبْدِہٖ وَالْاَبُ وَالْوَصِیُّ فِیْ رَقِیْقِ الصَّغِیْرِ

مقدار کا اور کفیل ہونا اور قرض دینا اور اپنا غلام آزاد کرنا گو مال کے عوض میں ہو اور اپنی ذات کو بیچنا اور اپنے غلام کی شادی کرنا اور باپ اور وصی چھوٹے بچے

کَالْمُکَاتَبِ وَلَا یَمْلِکُ مُضَارِبٌ وَشَرِیْکٌ شَیْئاً مِنْہُ وَلَوْ اِشْتَرٰی اَبَاہُ اَوْ اِبْنَہٗ

کے غلام کے حق میں مکاتب کی طرح ہیں اور ا مالک نہیں ہوتا مضارب اور شریک ان میں سے کسی چیز کا اگر خرید لے مکاتب اپنے باپ یا بیٹے کو

تَکَاتَبَ عَلَیْہِ وَلَوْ اِشْتَرٰی اَخَاہُ وَنَحْوَہٗ لَا وَلَوِاشْتَرٰی اُمَّ وَلَدِہٖ مَعَہٗ لَمْ یَجُزْ بَیْعُھَا

تو مکاتب ہوجائیں گے اس پر اور اگر خرید لے بھائی وغیرہ کو تو نہیں اگر خریدی اپنی ام ولد بچہ کے ساتھ تو جائز نہیں اس کو بیچنا

وَاِنْ وُلِدَ لَہٗ مِنْ اَمَتِہٖ وَلَدٌ تَکَاتَبَ عَلَیْہِ وَکَسْبُہٗ لَہٗ

اگر بچہ ہو اس کی باندی کے تو بچہ مکاتب ہوجائیگا اس پر اور اس کی کمائی باپ کے لئے ہوگی۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ کتابت صحیحہ وکتابت فاسدہ ہر دو کے احکام سے فراغت کے بعد ان چیزوں کو بیان کر رہا ہے جو مکاتب کے لئے جائز یا ناجائز ہیں اس واسطے کہ جواز تصرف صحیح عقد پر موقوف ہے۔

قولہ للمکاتب الخ مکاتب کے لئے خرید وفروخت اور مسافرت درست ہے کیونکہ موجب کتابت یہ ہے کہ غلام تصرف کے لحاظ سے آزاد ہوجائے۔ اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب وہ مستقل طور پر ایسے تصرف کا مالک ہو جس کے ذریعے اپنے مقصد تک پہونچ سکے یعنی بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہوسکے۔ اور خرید وفروخت اور مسافرت اسی قبیل سے ہے لہذا یہ امور اس کے لئے جائز ہوں گے۔ یہاں تک کہ اگر آقا نے سفر نہ کرنے کی شرط کرلی تب بھی وہ سفر کرسکتا ہے۔ کیونکہ یہ مقتضاء عقد (یعنی بطریق استقلال مالکیت تصرف) کے خلاف ہے۔ نیز مکاتب اپنی باندی کی شادی بھی کراسکتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے سے اس کو مال (مہر) حاصل ہوگا۔ اسی طرح اپنے غلام کو مکاتب کرسکتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے اس کو بدل کتابت حاصل ہوگا امام زفر اور امام شافعی کے یہاں اپنے غلام کو مکاتب نہیں کرسکتا۔ قیاس بھی یہی چاہتا ہے **لان المال ہو العتق والعبد لیس من اہلہ** پھر اگر مکاتب ثانی نے بدل کتابت مکاتب اول کی آزادی کے بعد ادا کیا۔ تو اسکی ولاء مکاتب اول کو ملے گی کیونکہ عاقد وہی ہے اور آزادی کے بعد ولاء کا اہل ہوگیا۔ اور اگر اسکی آزادی سے قبل ادا کیا یا دونوں نے ساتھ ساتھ ادا کیا تو ولاء مکاتب اول کے آقا کو ملے گی۔

قولہ لا التزوج الخ مکاتب کو اپنا نکاح کرنا درست نہیں کیونکہ اس کو ان امور کی اجازت ہے جو اس کے مقصد یعنی بذریعہ ادائیگی

بدل کتابت حصول آزادی میں معین ہوں اور نکاح کر کے وہ ادائیگی مہر اور نان نفقہ کے چکر میں پڑ جائیگا، اسی طرح ہبہ کرنا، صدقہ، کسی کا کفیل ہونا، دوسرے کا قرض دینا بھی درست نہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں از قبیل تبرعات ہیں اور وہ انکا اہل نہیں۔

قولہ واعتاق الخ مکاتب اپنے غلام کو آزاد نہیں کر سکتا گو آزادی بعوض مال ہو کیونکہ اعتاق کتابت سے مافوق ہے۔ نیز اپنے غلام کو اس کے ہاتھ فروخت کر بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ بظاہر گو بیع ہے لیکن درحقیقت اعتاق ہے۔ اور مکاتب کے لئے اعتاق کی اجازت نہیں، اسی طرح اپنے غلام کی شادی بھی نہیں کرا سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں غلام کی ذات کو مہر اور نان نفقہ میں پھانسکر اپنی مالیت کو ناقص کرنا ہے۔

قولہ ولو اشتری الخ اگر مکاتب نے اپنے اصول وفروع (باپ بیٹے وغیرہ) کو خرید لیا تو تبعاً وہ بھی کتابت میں داخل ہو جائیں گے۔ پس مکاتب آزاد ہوگا تو وہ بھی آزاد ہو جائیں گے ورنہ مکاتب کے ساتھ آقا کے غلام رہیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ مکاتب اگر آزاد کرنیکا اہل نہیں تو کم از کم مکاتب بنانے کا اہل تو ہے ہی تو حتی الامکان صلہ رحمی کی رعایت کی جائے گی۔ اور اگر بھائی بہن چچا وغیرہ کو خرید لیا تو وہ امام صاحب کے نزدیک کتابت میں داخل نہ ہونگے۔ صاحبین کے نزدیک وہ بھی مکاتب ہو جائیں گے۔ کیونکہ صلہ رحمی قرابت ولاً و قرابت غیر ولاً ہر دو کو شامل ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مکاتب کے لئے ملک حقیقی نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف کسب وکمائی پر قادر ہوتا ہے۔ اور صرف کسب پر قادر ہونا قرابت ولاً کے لئے کافی ہے۔ قرابت غیر ولاً کے لئے کافی نہیں ہے۔

قولہ ولو اشتری ام ولدہ الخ اگر مکاتب نے اپنی ام ولد کو اسکے بچہ کیساتھ خرید لیا تو بچہ کتابت میں داخل ہو جائیگا۔ وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اور اب مکاتب ام ولد کو فروخت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ عدم جواز بیع میں تابع ولد ہے۔ **قال علیہ الصلوۃ والسلام اعتقہا ولدہا** اگر مکاتب کی باندی سے کوئی بچہ ہوا اور مکاتب نے اس کے نسب کا دعویٰ کیا تو وہ بچہ کتابت میں داخل ہو جائیگا۔ اور بچہ کی کمائی مکاتب کی ہوگی۔ کیونکہ بچہ اسکے مملوک کے حکم میں ہے تو جیسے دعوی نسب سے پہلے اسکی کمائی مکاتب کیلئے ہے ایسے ہی دعوی نسب کے بعد بھی اسی کی ہوگی۔

وَلَوْ زَوَّجَ اَمَتَهٗ مِنْ عَبْدِهٖ فَكَاتَبَهُمَا فَوَلَدَتْ دَخَلَ فِيْ كِتَابَتِهَا وَكَسْبُهٗ لَهَا

اگر شادی کر دی اپنی باندی کی اپنے غلام سے پھر دونوں کو مکاتب کر دیا اور باندی کے بچہ ہوا تو بچہ ماں کی کتابت میں داخل ہو جائیگا اور بچہ کی کمائی ماں کے

مُكَاتَبٌ اَوْ مَاذُوْنٌ نَكَحَ بِاِذْنٍ حُرَّةً بِزَعْمِهَا فَوَلَدَتْ فَاسْتُحِقَّتْ

لئے ہوگی مکاتب یا ماذون غلام نے نکاح کر لیا اجازت سے کسی عورت کیساتھ جو خود کو آزاد کہتی تھی اور اس نے بچہ جنا پھر وہ کسی اور کی نکلی

فَوَلَدُهَا عَبْدٌ وَاِنْ وَطِئَ اَمَةً بِشِرَاءٍ فَاسْتُحِقَّتْ اَوْ بِشِرَاءٍ فَاسِدٍ فَرُدَّتْ

تو اس کا بچہ غلام ٹھہریگا اگر وطی کی باندی سے بذریعہ خرید پھر وہ کسی اور کی نکلی یا بذریعہ خرید فاسد پس وہ واپس کر دی گئی

فَالْعُقْرُ فِي الْمُكَاتَبَةِ وَلَوْ بِنِكَاحٍ اُخِذَ بِهٖ مُذْ عَتَقَ.

تو عقر مکاتبت میں محسوب ہوگا اور اگر بذریعہ نکاح ہو تو لیا جائیگا آزادی کے بعد

تشریح الفقہ: قولہ ولو زوج الخ اگر آقا نے اپنی باندی کی شادی اپنے کسی غلام سے کر دی پھر دونوں کو مکاتب کر دیا۔ اس کے بعد ان سے بچہ ہوا تو بچہ ماں کی کتابت میں داخل ہوگا کیونکہ وہ آزادی اور غلامی میں ماں کا تابع ہے اور اس بچہ کی کمائی بھی ماں کو ملے گی۔ کیونکہ باپ کے مقابلہ میں وہی زیادہ مستحق ہے لانہ جزء منہا بحیث یقرض بالمقراض۔

عہ۔۔۔۔تقدم فی الاستیاد ۱۲

قولہ مکاتب الخ مکاتب نے یا کسی عبد ماذون نے اپنے آقا کی اجازت سے ایک عورت کیساتھ نکاح کرلیا جو اپنے آپکو آزاد کہتی تھی اور اس سے اولاد بھی ہوگئی بعد میں وہ عورت کسی کی مملوک نکلی تو اولاد بھی اس عورت کے مالک کی مملوک ہوجائیگی اور شیخین کے نزدیک مکاتب یا عبد ماذون اولاد کی قیمت دیکر نہیں لے سکتا۔ امام محمدؒ کے نزدیک لے سکتا ہے کیونکہ مکاتب یا عبد ماذون فریب خوردہ ہے تو اسکی اولاد قیمت کیساتھ آزاد ہوجائیگی۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ اولاد دو رقیقوں کے درمیان ہوئی ہے۔ یعنی باپ بھی مملوک ہے اور ماں بھی مملوک ہے تو اولاد بھی مملوک ہوگی۔

قولہ وان وطئی الخ مکاتب یا عبد ماذون نے ایک باندی خریدی اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ جب میں نے خریدی ہے تو میری ہی ہے اس سے صحبت کرلی پھر باندی کسی اور کی نکلی۔ یا باندی بطریق شراء فاسد خرید کر اس سے وطی کرلی۔ پھر وہ فساد عقد کیوجہ سے مالک کو واپس کردی گئی تو دونوں صورتوں میں عقر فی الحال واجب ہوگا۔ آزادی تک مؤخر نہ ہوگا۔ اور اگر باندی کیساتھ نکاح کرکے وطی کی ہو تو عقر آزادی کے بعد دینا ہوگا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ شرا کی صورت میں دین مولیٰ کے حق میں ظاہر ہوچکا۔ اسواسطے کہ تجارت اور توابع تجارت یعنی ضیافت وغیرہ سب تحت العقد داخل ہیں۔ اور عقر بھی توابع تجارت میں سے ہے۔ لہذا عقر فی الحال واجب ہوگا بخلاف نکاح کے کہ نکاح کی صورت میں دین مولیٰ کے حق میں ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکہ نکاح از قبیل اکتساب نہیں ہے تو کتابت نکاح کو شامل نہ ہوئی لہذا عقر آزادی کے بعد دینا ہوگا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

فَصْلٌ : وَلَدَتْ مُكَاتَبَةٌ مِنْ سَيِّدِهَا مَضَتْ عَلٰى كِتَابَتِهَا اَوْ عَجَزَتْ وَهِيَ اُمُّ وَلَدِهٖ وَاِنْ كَاتَبَ اُمَّ وَلَدِهٖ

(فصل) مکاتبہ باندی نے بچہ جنا اپنے آقا سے تو چاہے وہ اپنی کتابت پر رہے اور چاہے خود کو عاجز کرکے اسکی ام ولد رہے اگر مکاتب کیا اپنی ام ولد کو

اَوْ مُدَبَّرَهٗ صَحَّ وَعَتَقَتْ مُجَّاناً بِمَوْتِهٖ وَسَعَى الْمُدَبَّرُ فِيْ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهٖ اَوْ كُلِّ الْبَدَلِ بِمَوْتِهٖ فَقِيْرًا

یا اپنے مدبر کو تو صحیح ہے اور آزاد ہوجائیگی مفت آقا کے مرنے سے اور سعایت کریگا مدبر اپنی قیمت کے دوثلث میں یا کل بدل کتابت میں آقا کے مرنے

وَاِنْ دَبَّرَ مُكَاتَبَهٗ صَحَّ فَاِنْ عَجَزَ بَقِيَ مُدَبَّراً وَاِلاَّ سَعٰى فِيْ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهٖ اَوْ ثُلُثَيِ الْبَدَلِ

سے فقیر ہوکر اگر مدبر کیا اپنے مکاتب کو تو صحیح ہے پس اگر اس نے خود کو عاجز کردیا تو مدبر رہیگا ورنہ سعایت کریگا اپنی قیمت یا بدل کتابت کے دوثلث میں

بِمَوْتِهٖ مُعْسِرًا وَاِنْ اَعْتَقَ مُكَاتَبَهٗ عَتَقَ وَسَقَطَ الْبَدَلُ وَاِنْ كَاتَبَهٗ عَلٰى اَلْفٍ مُؤَجَّلٍ فَصَالَحَهٗ عَلٰى نِصْفٍ حَالٍّ

آقا کے تنگدست مرنے سے اگر آزاد کردیا اپنے مکاتب کو تو آزاد ہوجائیگا اور بدل ساقط ہوجائیگا اگر مکاتب کیا غلام کو ایک ہزار مؤجل پر پھر اس سے صلح کرلی

صَحَّ مَاتَ مَرِيْضٌ كَاتَبَ عَبْدَهٗ عَلٰى اَلْفَيْنِ اِلٰى سَنَةٍ وَقِيْمَتُهٗ اَلْفٌ

فوری یا پانچ سو پر تو یہ بھی صحیح ہے ایک بیمار مرگیا جس نے مکاتب کیا تھا اپنے غلام کو دو ہزار پر ایک سال کی مدت تک اور اس کی قیمت ایک ہزار ہے

وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ اَدّٰى ثُلُثَيِ الْبَدَلِ حَالاً وَالْبَاقِيْ اِلٰى اَجَلِهٖ اَوْ رُدَّ رَقِيْقاً وَاِنْ كَاتَبَهٗ عَلٰى اَلْفٍ

اور جائز نہ رکھا ورثہ نے مدت کو تو ادا کرے بدل کے دوثلث فی الحال اور باقی اس کی مدت تک یا لوٹا دیا جائیگا غلامی کی طرف اور اگر مکاتب کیا ایک ہزار پر

اِلٰى سَنَةٍ وَقِيْمَتُهٗ اَلْفَانِ وَلَمْ يُجِيْزُوْا اَدّٰى ثُلُثَيِ الْقِيْمَةِ حَالاً اَوْ رُدَّ رَقِيْقاً.

ایک سال تک اور اس کی قیمت دو ہزار ہے اور ورثہ مدت کو روا نہیں رکھتے تو ادا کرے قیمت کے دوثلث فی الحال ورنہ لوٹا دیا جائیگا غلامی کی طرف۔

مدبر اور ام ولد وغیرہ کی کتابت کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ولدت الخ آقانے اپنی باندی کو مکاتب کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو باندی کو اختیار ہے چاہے عقد کتابت پر باقی رہے اور بدل کتابت ادا کر کے فی الحال آزاد ہو جائے اور چاہے اپنے آپ کا عاجز کر کے ام ولد رہے۔ اور آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے کیونکہ اسکو دو جہتوں سے حق حریت حاصل ہو گیا۔ ایک کتابت کی جہت سے اور ایک ام ولد ہو جانے کی جہت سے پس اس کو دونوں کا اختیار ہوگا۔

قولہ وان کاتب الخ اگر آقانے اپنی ام ولد یا مدبر یا مدبرہ کو مکاتب کر دیا تو کتابت صحیح ہے کیونکہ یہ لوگ گو آقا کی موت کے بعد آزاد ہونے والے ہیں تاہم اس سے پہلے آزاد ہونے کی بھی احتیاج ہے۔ پھر کتابت و تدبیر میں کوئی منافات بھی نہیں لہٰذا کتابت صحیح ہے۔ اب اگر بدل کتابت ادا کرنے سے پہلے آقا کا انتقال ہو جائے تو ام ولد مفت آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کی آزادی آقا کی موت کے ساتھ متعلق ہو چکی تھی۔ اور مدبر کو اپنی آقا کی موت کے بعد (جبکہ اس نے مدبر کے علاوہ اور کوئی مال نہ چھوڑا ہو) اختیار ہوگا چاہے اپنی قیمت کے دو ثلث میں سعایت کرے چاہے کل بدل میں۔ یہ اختیار امام صاحب کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ان میں سے جو کم ہو اس میں سعایت کریگا امام محمد کے نزدیک قیمت کے دو ثلث اور بدل کتابت کے دو ثلث میں سے جو کمتر ہو اس میں سعایت کرے گا تو یہاں دو چیزوں میں اختلاف ہوا۔ ایک یہ کہ اس کے لئے اختیار ہے یا نہیں دوسرے یہ کہ جس میں وہ سعایت کریگا اس کی مقدار کیا ہے؟ تو امام ابو یوسف مقدار میں تو امام صاحب کی ساتھ ہیں اور نفی اختیار میں امام محمد کے ساتھ۔ سو اختیار و عدم اختیار میں جو اختلاف ہے یہ دراصل اعتاق کے متجزی ہونے اور نہ ہونے پر متفرع ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اعتاق متجزی ہے اور مدبر مذکور ایک ثلث کی آزادی کا مستحق ہو چکا۔ تو دو ثلث رقیق رہے۔ ادھر اس کی حریت کی دو جہتیں ہیں یعنی بذریعہ تدبیر حریت معجلہ اور بذریعہ کتابت حریت مؤجلہ لہٰذا اس کو قیمت کے دو ثلث اور بدل کتابت کے دو ثلث میں اختیار ہوگا جس میں چاہے سعایت کرے اور صاحبین کے نزدیک اعتاق میں تجزی نہیں ہوتی تو بعض حصہ آزاد ہو جانے سے کل آزاد ہو جائیگا۔ اور اس پر بدل کتابت اور قیمت میں سے کوئی ایک واجب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اقل ہی کو ترجیح دیگا۔ تو تخییر بے معنی ہے۔ رہا اختلاف مقدار سو امام محمد یہ کہتے ہیں کہ آقا نے بدل کتابت کو پوری ذات کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ اور تدبیر کی وجہ سے غلام کا ایک ثلث آزاد ہو چکا تو لامحالہ بدل کا ایک ثلث ساقط ہوگا۔ پس وہ اپنی قیمت کے دو ثلث سے کمتر میں سعایت کریگا۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ جب بدل کتابت بظاہر گو کل کے مقابلہ میں ہے لیکن حقیقۃً دو ثلث کے مقابلہ میں ہے۔ لان الظاهر انه لايلتزم البدل بمقابلة مايستحق حريته۔

قولہ وان کاتبه علیٰ الف الخ آقانے مکاتب سے بدل کتابت کے دو ہزار درہم باقساط ٹھہرائے پھر اس کے عوض میں پانچسو نقد پر صلح کر لی تو یہ قیاس کے لحاظ سے جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں مدت کا عوض لینا لازم آتا ہے حالانکہ مدت مال نہیں تو یہ سود ہوا لیکن استحساناً جائز ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ مدت گو فی نفسہ مال نہیں۔ لیکن غلام کے حق میں وہ مال ہی کے حکم میں ہے بایں معنی کہ وہ مدت کے بغیر بدل کتابت ادا کرنے پر قادر نہیں۔ اور بدل کتابت بھی صرف من وجہ مال ہے، من کل الوجوہ مال نہیں ہے ورنہ اس کی کفالت صحیح ہوتی۔ حالانکہ بدل کتابت کی کفالت صحیح نہیں پس اس لحاظ سے دونوں برابر ہوئے اور سود لازم نہ آیا۔

قولہ مات مریض الخ ایک بیمار نے اپنے غلام کو جس کی قیمت ایک ہزار تھی دو ہزار کے عوض ایک سال کی میعاد تک مکاتب کیا پھر وہ مر گیا اور اس نے اس کے علاوہ اور کوئی مال بھی نہیں چھوڑا ادھر اس کے ورثہ میعاد منظور نہیں کرتے بدل کتابت فی الحال لینا چاہتے ہیں تو شیخین کے نزدیک غلام مذکور بدل کتابت (دو ہزار درہم) کے دو ثلث فی الحال ادا کرے اور باقی ثلث اپنی میعاد تک ادا کرتا ہے اور یہ نہ

کر سکے تو عقد کتابت ختم کر کے غلام ہو جائے۔ امام محمد کے نزدیک اپنی قیمت (ایک ہزار) کی دو ثلث فی الحال ادا کرے اور باقی میعاد تک ادا کرتا رہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب آقا کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اس مقدار ہی کو چھوڑ دے جو اس کی قیمت سے زائد ہے۔ یعنی ایک ہزار تو وہ اس مقدار کو مؤخر کرنے کا بھی حقدار ہے لہٰذا غلام فی الحال اس کی قیمت کے دو ثلث کی ادائیگی لازم ہوگی۔ شیخین فرماتے ہیں کہ یہاں بدل رقبہ پورے دو ہزار درہم ہیں اور ورثہ کا حق مبدل کیساتھ وابستہ ہے تو بدل کیساتھ بھی وابستہ ہوگا۔ اور تاجیل (مہلت دینا) معنی اسقاط ہے تو تاجیل کا اعتبار جمیع بدل سے ہوگا اور اگر غلام کی قیمت دو ہزار درہم ہوں اور آقا ایک ہزار کے عوض مکاتب کرے باقی مسئلہ علیٰ حالہ ہو تو اس صورت میں باتفاق ائمہ ثلاثہ اپنی قیمت کے دو ثلث فی الحال ادا کرے یا غلامی اختیار کرے لا ن التبرع ههنافی القدر و التاخیر فاعتبر الثلث فیهما

حُرٌّ كَاتَبَ عَنْ عَبْدٍ بِأَلْفٍ وَأَدّٰى عَتَقَ فَإِنْ قَبِلَ الْعَبْدُ فَهُوَ مُكَاتَبٌ وَإِنْ كَاتَبَ الْحَاضِرَ وَالْغَائِبَ

آزاد نے مکاتب کرایا غلام کو ایک ہزار پر اور ادا بھی کر دے تو وہ آزاد ہو گیا اور اگر غلام قبول کرے تو مکاتب ہوگا اگر مکاتب کیا حاضر کو اور غائب کو

وَقَبِلَ الْحَاضِرُ صَحَّ وَأَيُّهُمَا أَدّٰى عَتَقَا وَلَا يَرْجِعُ عَلٰى صَاحِبِهٖ

اور حاضر نے قبول کر لیا تو صحیح ہے اب ان میں سے جو کوئی ادا کریگا تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور کوئی دوسرے پر رجوع نہیں کریگا

وَلَا يُؤْخَذُ الْغَائِبُ بِشَيْءٍ وَقَبُوْلُهٗ لَغْوٌ وَإِنْ كَاتَبَتِ الْأَمَةُ عَنْ نَفْسِهَا

اور مواخذہ نہ ہوگا غائب سے کسی چیز کا اور غائب کا قبول کرنا لغو ہے اگر عقد کتابت کرے باندی اپنی

وَعَنْ اِبْنَيْنِ صَغِيْرَيْنِ لَهَا صَحَّ وَأَيٌّ أَدّٰى لَمْ يَرْجِعْ.

اور اپنے دو چھوٹے بچوں کی طرف سے تو صحیح ہے اب جو کوئی ادا کریگا وہ دوسرے پر رجوع نہیں کرسکتا۔

تشریح الفقہ: **قوله حر کاتب الخ** ایک آزاد شخص نے غلام کے آقا سے کہا کہ تو اس غلام کو ایک ہزار کے عوض میں مکاتب کر دے آقا نے اس کے کہنے کے مطابق مکاتب کر دیا اور اس شخص نے ایک ہزار درہم ادا کر دیئے تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ آزادی ایک ہزار کی ادائیگی پر معلق تھی اور وہ پائی گئی تو آزادی واقع ہو جائے گی اور اگر غلام کو اس عقد کی خبر پہونچی اور اس نے قبول کر لیا تو وہ مکاتب ہو جائے گا کیونکہ کتابت اس کی اجازت پر موقوف تھی۔ اور غلام کا قبول کر لینا اجازت ہی ہے لہٰذا وہ مکاتب ہو جائے گا۔

قوله وان کاتب الحاضر الخ ایک شخص کے دو غلام ہیں جن میں سے ایک موجود ہے دوسرا غائب ہے جو غلام موجود ہے اس نے آقا سے کہا کہ مجھ کو اور فلاں غائب غلام کو ایک ہزار پر مکاتب کر دے آقا نے مکاتب کر دیا اور موجودہ غلام نے قبول کر لیا تو غائب کی کتابت صحیح ہے۔ کیونکہ موجودہ غلام نے عقد کتابت کو اولاً اپنی طرف منسوب کر کے خود کو اصیل بنایا ہے۔ اور غائب کو اپنا تابع کیا ہے۔ اور اس طرح کی کتابت مشروع ہے۔ بہر کیف دونوں کی کتابت صحیح ہے اب ان میں سے جو کوئی بدل کتابت ادا کرے گا آقا کو لینا پڑے گا۔ اور وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ پھر غائب و حاضر میں سے کوئی ایک دوسرے پر رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ اگر موجودہ غلام ادا کرتا ہے تو اس نے اپنے ذمہ سے سبکدوشی حاصل کی ہے۔ کیونکہ اصل عاقد وہی ہے اور اگر غائب ادا کرتا ہے تو وہ ادائیگی میں متبرع ہے۔

یعنی ایک ہزار تین سو تینتیس درہم اور ثلث یعنی چھ سو چھیاسٹھ اور دو ثلث درہم ۱۲

باب كتابة العبد المشترك

باب مشترک غلام کی کتابت کے بیان میں

عَبْدٌ لَهُمَا اَذِنَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ اَنْ يُكَاتِبَ حَظَّهٗ بِاَلْفٍ وَيَقْبِضَ بَدَلَ الْكِتَابَةِ

ایک غلام ہے دوکا ان میں سے ایک نے اجازت دی دوسرے کو کہ وہ مکاتب کردے اپنا حصہ ایک ہزار میں اور لے لے بدل کتابت

فَكَاتَبَ وَقَبَضَ بَعْضَهٗ فَعَجِزَ فَالْمَقْبُوْضُ لِلْقَابِضِ اَمَةٌ بَيْنَهُمَا كَاتَبَاهَا فَوَطِئَهَا اَحَدُهُمَا

اس نے مکاتب کر کے کچھ لے لیا پھر غلام عاجز ہوگیا تو جولیا ہے وہ قابض کا ہے ایک باندی ہے دو کی دونوں نے اس کو مکاتب کیا پھر ایک نے وطی کی

فَوَلَدَتْ فَادَّعَاهُ ثُمَّ وَطِئَ الْاٰخَرُ فَوَلَدَتْ فَادَّعَاهُ فَعَجِزَتْ

اور اس نے بچہ جنا شریک نے اس کا دعوی کیا پھر دوسرے نے وطی کی اور اس نے بچہ جنا اور دوسرے نے اس کا دعوی کیا پھر باندی عاجز ہوگئی

فَهِيَ اُمُّ وَلَدٍ لِلْاَوَّلِ وَضَمِنَ لِشَرِيْكِهٖ نِصْفَ قِيْمَتِهَا وَنِصْفَ عُقْرِهَا وَضَمِنَ شَرِيْكُهٗ عُقْرَهَا

تو وہ اول کی ام ولد ہوگی اور ضامن ہوگا وہ شریک کیلئے اس کی نصف قیمت اور عقر کا اور ضامن ہوگا اس کا شریک باندی کے عقر

وَقِيْمَةَ الْوَلَدِ وَهُوَ اِبْنُهٗ وَاَيٌّ دَفَعَ الْعُقْرَ اِلَى الْمُكَاتَبَةِ صَحَّ.

اور بچہ کی قیمت کا اور بچہ اس کا بیٹا ہوگا اور جوکوئی دیگا عقر مکاتبہ کو تو صحیح ہوگا۔

قولہ باب الخ عدم اشتراک اصل ہے۔ اور اشتراک خلاف اصل۔ اور خلاف اصل کا ذکر اصل کے بعد ہی مناسب ہے۔ اس لئے یہاں عبد مشترک کی کتابت کے احکام بیان کررہا ہے۔ ایک غلام زید اور عمرو کے درمیان مشترک ہے زید نے عمرو سے کہا کہ میرے حصے کو ہزار درہم کے عوض مکاتب کر کے بدل کتابت وصول کرلے۔ عمرو نے ایسا ہی کیا اور غلام سے کچھ بدل کتابت وصول بھی کرلیا مگر باقی بدل کی ادائیگی سے غلام عاجز ہوگیا۔ تو عمرو نے جو بدل کتابت وصول کیا ہے وہ امام صاحب کے نزدیک اسی کا ہوگا صاحبین کے نزدیک غلام دونوں کے درمیان مکاتب ہوگا اور جو کچھ بدل ادا کیا وہ بھی دونوں کا ہوگا۔ یہ اختلاف بھی کتابت کے متجزی ہونے اور نہ ہونے پر متفرع ہے۔

قولہ امۃ بینھما الخ ایک باندی دو آدمیوں میں مشترک تھی اس کو دونوں نے مکاتب کردیا پھر ایک نے اس سے صحبت کی اور بچہ ہوا اور صحبت کنندہ نے بچہ کا دعوی کیا کہ یہ میرا ہے پھر دوسرے نے وطی کی اس سے بھی بچہ ہوا اور اس نے بھی بچہ کا دعوی کیا اور باندی بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوگئی تو باندی واطی اول کی ام ولد ہوگی۔ کیونکہ جب ان میں سے ایک بچہ نے کا دعوی کیا تو قیام ملک کی وجہ سے اس کا دعوی صحیح ہوا اور اس کا حصہ ام ولد ہوگیا اور جب دوسرے نے دعوی کیا تو اس کا دعوی بھی صحیح ہوا۔ کیونکہ ظاہراً اس کی بھی ملک قائم ہے۔ لیکن جب باندی بدل کتابت سے عاجز ہوگئی تو کتابت کان لم یکن ہوگئی اور کل باندی اول کی ام ولد ہوگئی کیونکہ ام ولد ہونا جو اول کے حصے تک محدود تھا وہ اسلئے تھا کہ مکاتب ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف منتقل نہیں ہوتا اور جب وہ بدل کتابت سے عاجز ہوگئی تو کتابت ختم ہوگئی اور مانع زائل ہوگیا اب واطی اول واطی ثانی کو باندی کی نصف قیمت دیگا۔ کیونکہ وہ اس کے حصہ کا ملک ہوگیا اور باندی کا نصف مہر دیگا۔ کیونکہ اس نے مشترک باندی کیساتھ وطی کی ہے۔ اور واطی ثانی کل مہر دیگا۔ کیونکہ اس نے حقیقۃً دوسرے کی ام ولد کیساتھ وطی کی ہے اور دوسرے بچہ کی قیمت دیگا اور وہ بچہ اسی کا ٹھہریگا۔ کیونکہ وہ فریب خوردہ ہے۔ اور فریب خوردہ کا بچہ ثابت النسب اور حر بالقیمۃ ہوتا ہے۔ یہ کل تفصیل امام صاحب کے یہاں سے صاحبین کے نزدیک باندی واطی اول کی ہوگی اور دوسرے شریک کی وطی سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

وَاِنْ دَبَّرَ الثَّانِی وَلَمْ یَطَأْهَا فَعَجِزَتْ بَطَلَ التَّدْبِیْرُ وَهِیَ اُمُّ وَلَدٍ لِلْاَوَّلِ وَضَمِنَ لِشَرِیْکِهٖ

اور اگر مدبر کیا باندی کو شریک ثانی نے اور اس سے وطی نہیں کی پھر وہ عاجز ہوگئی تو تدبیر باطل ہوگی اور باندی اول کی ام ولد ہوگی اور وہ ضامن ہوگا شریک

نِصْفَ قِیْمَتِهَا وَنِصْفَ عُقْرِهَا وَالْوَلَدُ لِلْاَوَّلِ وَاِنْ کَاتَبَاهَا فَحَرَّرَهَا اَحَدُهُمَا مُوْسِرًا

کیلئے باندی کی نصف قیمت اور اس کے نصف عقر کا اور بچہ اول کا ہوگا اور اگر دونوں نے مکاتب کیا پھر ایک نے آزاد کر دیا مالدار ہونے کی حالت میں

فَعَجِزَتْ ضَمِنَ لِشَرِیْکِهٖ نِصْفَ قِیْمَتِهَا وَرَجَعَ بِهٖ عَلَیْهَا عَبْدٌ لَهُمَا دَبَّرَهٗ اَحَدُهُمَا

پھر وہ عاجز ہوگئی تو ضامن ہوگا شریک کیلئے باندی کی نصف قیمت کا اور یہ نصف باندی سے لے لے گا غلام ہے دو کا ایک نے مدبر کیا

ثُمَّ حَرَّرَهُ الْاٰخَرُ مُوْسِرًا لِلْمُدَبِّرِ اَنْ یُضَمِّنَ الْمُعْتِقَ نِصْفَ قِیْمَتِهٖ

پھر دوسرے نے آزاد کردیا مالدار ہونے کی حالت میں تو مدبر ضمان لے سکتا ہے معتق سے غلام کی نصف قیمت کا

وَاِنْ حَرَّرَهٗ اَحَدُهُمَا ثُمَّ دَبَّرَهُ الْاٰخَرُ لَایُضَمِّنُ الْمُعْتِقَ.

اور اگر ایک نے آزاد کیا پھر دوسرے نے مدبر کیا تو معتق سے ضمان نہیں لے سکتا۔

تشریح الفقہ: قولہ وان دبر الخ اور اگر ایک شریک نے وطی نہیں کی اور باندی کو مدبر کر دیا پھر باندی بدل کتابت سے عاجز ہوگئی تو تدبیر باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ باندی کے عجز سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ واطیٔ اول شریک ثانی کے حصہ کا اسی وقت سے مالک ہوگیا تھا جب اس نے وطی کی تھی تو شریک ثانی کا مدبر کرنا غیر کی ملک میں ہوا حالانکہ تدبیر اپنی ملک میں ہوتی ہے۔ پس باندی اول کی ام ولد ہوگی۔ اور وہ شریک ثانی کیلئے باندی کی نصف قیمت اور نصف مہر کا ضامن ہوگا۔ نصف قیمت کا ضمان تو اس لئے ہے کہ وہ بذریعہ استیلاد نصف باندی کا ملک ہوا ہے اور نصف عقر اس لئے ہے کہ اس نے مشترک باندی سے وطی کی ہے۔

قولہ وان کاتبا ھا الخ اور اگر دونوں شریکوں نے باندی کو مکاتب کیا۔ پھر کسی ایک نے اس کو آزاد کر دیا اور آزاد کنندہ مالدار ہے۔ پھر باندی کتابت سے عاجز ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک عتق قابل تجزی ہے۔ تو نصفہ کو آزاد کرنا صحیح ہوا۔ اور اس کی وجہ سے باندی کے عاجز ہونے سے دوسرے کے حصہ میں کوئی فساد نہیں آیا۔ لیکن جب وہ عاجز ہوگئی تو اب اس کے حصہ میں فساد ظاہر ہوگیا اور ایسی صورت میں شریک ثانی کے لئے تین اختیار ہیں جبکہ وہ مالدار ہو۔ ایک یہ کہ اپنے حصہ کو آزاد کر دے۔ دوم یہ کہ مملوک سے سعایت کرالے۔ سوم یہ کہ معتق سے تاوان لے لے اور اس نے تاوان لینا اختیار کیا ہے۔ تو معتق تاوان لیکر باندی سے وصول کرے گا۔

قولہ عبدلھما الخ ایک غلام دو آدمیوں میں مشترک تھا ان میں سے ایک نے اپنا حصہ مدبر کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور آزاد کنندہ مالدار ہے تو مدبر کرنے والے کو تین اختیار ہیں چاہے تو آزاد کنندہ سے مدبر کی نصف قیمت کا تاوان لے کیونکہ معتق کے آزاد کرنے سے اس کا حصہ فاسد ہوگیا۔ اور چاہے تو اپنا حصہ آزاد کر دے اور چاہے غلام سے سعایت کرالے۔ اگر شریکین میں سے ایک نے پہلے آزاد کیا پھر دوسرے نے مدبر کیا تو اب مدبر کو صرف دو چیزوں کا اختیار ہوگا چاہے اپنا حصہ آزاد کر دے چاہے غلام سے سعایت کرالے۔ معتق سے تاوان نہیں لے سکتا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب موت المكاتب وعجزه و موت المولى

باب مکاتب کی موت اور اسکے عجز اور آقا کی موت کے بیان میں

مُكَاتَبٌ عَجَزَ عَنْ نَجْمٍ وَلَهُ مَالٌ سَيَصِلُ لَمْ يُعَجِّزْهُ الْحَاكِمُ اِلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَاِلَّا عَجَّزَهُ وَفَسَخَهَا

مکاتب عاجز ہو گیا قسط سے اور اس کو مال ملنے والا ہے تو اس کو عاجز نہ ٹھہرائے حاکم تین دن تک ورنہ عاجز قرار دیدے اور کتابت فسخ کر دے

اَوْ سَيِّدُهٗ بِرِضَاهُ وَعَادَ اَحْكَامُ الرِّقِّ وَمَافِي يَدِهٖ لِسَيِّدِهٖ وَاِنْ مَاتَ وَلَهٗ مَالٌ

یا اس کا آقا اس کی رضامندی سے فسخ کر دے اب لوٹ آئینگے غلامی کے احکام اور جو اس کے پاس ہو وہ آقا کا ہوگا اگر وہ مرگیا اور اس کا کچھ مال ہے

لَمْ تَفْسُخْ وَتُؤَدّٰى كِتَابَتُهٗ مِنْ مَالِهٖ وَحُكِمَ بِعِتْقِهٖ فِي اٰخِرِ حَيٰوتِهٖ وَاِنْ تَرَكَ وَلَدًا وُلِدَ فِي كِتَابَتِهٖ

تو کتابت فسخ نہ ہوگی بلکہ ادا کیجائیگی کتابت اس کے مال سے اور حکم کیا جائیگا اس کی آزادی کا آخر حیات میں اگر اس نے بچہ چھوڑا جو ایام کتابت میں

لَاوَفَاءَ سَعٰى كَاَبِيهِ عَلٰى نُجُوْمِهٖ فَاِذَا اَدّٰى حُكِمَ بِعِتْقِهٖ وَعِتْقِ اَبِيْهِ قَبْلَ مَوْتِهٖ.

پیدا ہوا ہے اور وفاء ہے نہیں تو بچہ کوشش کرے باپ کی طرح قسطوں کی ادائیگی میں جب وہ ادا کر دے تو حکم کر دیا جائیگا اس کی آزادی کا اور اس کے باپ کی آزادی کا اس کی موت سے پہلے۔

تشریح الفقہ: قولہ مکاتب الخ ایک شخص نے اپنے غلام کو بالاقساط بدل کتابت ادا کرنے پر مکاتب کر دیا تھا وہ کسی قسط کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو اگر اس کو کہیں سے مال ملنے کی امید ہو تو حاکم اس کے عجز کا فیصلہ نہ کرے بلکہ تین دن کی مہلت دے۔ اگر تین دن کے بعد بھی وہ ادا نہ کر پائے تو اس کے عجز کا حکم کر دے۔ اور گر مال ملنے کی امید نہ ہو تو اسی وقت عجز کا حکم کر کے کتابت فسخ کر دے۔ یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جب تک اس پر دو قسطیں نہ چڑھ جائیں۔ اس وقت تک عجز کا حکم نہ کرے امام احمدؒ ابن ابی لیلیٰ، ابن عیینہ، حسن بن حی بھی اسی کے قائل ہیں۔ دلیل حضرت علی کا قول ہے کہ جب مکاتب پر دو قسطیں چڑھ جائیں تو وہ غلامی کی طرف آجائیگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ سبب فسخ یعنی مکاتب کا عاجز ہونا متحقق ہو چکا اسلئے کہ جب وہ ایک قسط سے عاجز ہے تو دو قسطوں کی ادائیگی سے کہیں زیادہ عاجز ہوگا۔ بخلاف دو تین دن کے کہ اتنی مہلت تو لابدی ہے۔

قولہ وان مات الخ اگر مکاتب ادائیگی بدل کتابت سے قبل اتنا ترکہ چھوڑ کر مر جائے جس سے بدل کتابت ادا ہو سکے تو ہمارے یہاں عقد کتابت فسخ نہ ہوگا بلکہ اس کے ترکہ میں سے بدل کتابت ادا کر کے آخر حیات میں اس کی آزادی کا حکم کر دیا جائے گا اور ترکہ سے جو مال باقی رہ جائے وہ اس کے وارثوں کو ملے گا، حضرت عطاء، طاؤس، حسن بصری، حسن بن حی، معبد، ابن سیرین، نخعی، شعبی عمرو بن دینار، ثوری، راہویہ سب کا یہی قول ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ عقد کتابت فسخ ہو جائیگا۔ اور مکاتب غلامی کی حالت میں دنیا سے جائیگا اور اس کا ترکہ آقا کو ملے گا۔ دلیل حضرت زید بن ثابت کا قول ہے، المكاتب عبد مابقى عليه درهم لايرث ولا يورث" اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ ابن عمرؓ اور حضرت عائشہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور یہی ایک روایت حضرت عمر سے بھی ہے۔ ہماری دلیل حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کا قول ہے جس کو بیہقی اور عبد الرزاق۔ نے روایت کیا ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلَوْ تَرَکَ وَلَداً مُشْتَرَی عَجَّلَ الْبَدَلَ حَالاً اَوْ رُدَّ رَقِيْقاً فَاِنْ اِشْتَرٰی اِبْنَهٗ فَمَاتَ وَتَرَکَ وَفَاءً وَرِثَهٗ ابْنُهٗ

اگر خرید کردہ بچہ چھوڑا تو بچہ ادا کرے کل بدل کتابت فوراً ورنہ لوٹا دیا جائیگا غلامی کی طرف اگر خریدا اپنا بیٹا اور مر گیا وفا . چھوڑ کر تو وارث ہوگا اس کا بیٹا

وَکَذَا لَوْکَانَ هُوَ وَابْنُهٗ مُکَاتِبَيْنِ کِتَابَةً وَاحِدَةً وَلَوْ تَرَکَ وَلَداً مِنْ حُرَّةٍ وَدَيْناً فِيْهِ وَفَاءٌ بِمُکَاتَبَتِهٖ فَجَنٰی الْوَلَدُ

اسی طرح اگر ہو وہ اور اس کا بیٹا دونوں مکاتب ایک ہی عقد کتابت سے اگر بچہ چھوڑا آزاد عورت سے اور اتنا قرض جو کافی ہے بدل کتابت کو پھر قصور کیا بچہ نے

فَقُضِيَ بِهٖ عَلٰی عَاقِلَةِ الاُمِّ لَمْ يَکُنْ ذٰلِکَ قَضَاءً بِعَجْزِ الْمُکَاتِبِ وَاِنِ اخْتَصَمَ مَوَالِي الاُمِّ وَالاَبِ فِي وَلَائِهٖ

جس کے تاوان کا فیصلہ کیا گیا ماں کے عاقلہ پر تو نہ ہوگا یہ فیصلہ مکاتب کے عجز کا اگر جھگڑیں ماں باپ کے آزاد کنندہ بچہ کی ولاء میں

فَقُضِيَ بِهٖ لِمَوَالِي الاُمِّ فَهُوَ قَضَاءٌ بِالْعِجْزِ وَمَا اَدّٰی الْمُکَاتَبُ مِنَ الصَّدَقَاتِ وَعَجَزَ طَابَ لِسَيِّدِهٖ

اور دلا دی جائے ولاء ماں کے آزاد کنندہ کو تو یہ فیصلہ ہوگا اس کے عجز کا جو کچھ ادا کیا مکاتب نے صدقات سے پھر عاجز ہوگیا تو وہ حلال ہے اس کے

وَاِنْ جَنٰی عَبْدٌ فَکَاتَبَهٗ سَيِّدُهٗ جَاهِلاً بِهَا فَعَجَزَ دَفَعَ

آقا کے لئے اگر قصور کیا غلام نے اور مکاتب کر دیا اس کو آقا نے قصور سے ناواقف ہونے کی حالت میں پھر وہ عاجز ہوگیا تو آقا غلام حوالے کر دے

اَوْ فَدٰی وَکَذَا اِنْ جَنٰی مُکَاتَبٌ وَلَمْ يُقْضَ بِهٖ فَعَجَزَ فَاِنْ قُضِيَ بِهٖ عَلَيْهِ فِي کِتَابَتِهٖ

یا اس کا تاوان دیدے اسی طرح اگر قصور کرے مکاتب اور ابھی تاوان کا حکم نہ کیا گیا ہو کہ وہ عاجز ہو جائے اور اگر حکم کر دیا گیا تاوان کا اس پر اس کی کتابت میں

فَعَجَزَ فَهُوَ دَيْنٌ يُبَاعُ فِيْهِ وَاِنْ مَاتَ السَّيِّدُ لَمْ تَنْفَسِخِ الْکِتَابَةُ وَيُؤَدِّي الْمَالَ اِلٰی وَرَثَتِهٖ عَلٰی نُجُوْمِهٖ

پھر وہ عاجز ہوگیا تو یہ اسکے ذمہ قرض ہوگا کہ اس میں غلام بیچا جائیگا اگر آقا مر گیا تو کتابت فسخ نہ ہوگی بلکہ وہ مال دے گا اس کے ورثہ کو قسطوں کے مطابق

وَاِنْ حَرَّرُوْهُ عَتَقَ مَجَّاناً وَاِنْ حَرَّرَ الْبَعْضُ لَمْ يَنْفُذْ عِتْقُهٗ.

اور اگر ورثہ نے اس کو آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائیگا مفت اور اگر بعض نے آزاد کیا تو نافذ نہ ہوگا اس کا آزاد کرنا۔

تشریح الفقہ: **قوله ولو ترک الخ** مکاتب کا انتقال ہوا اور اس نے وہ اولاد چھوڑی جو کتابت کی حالت میں خریدی تھی۔ تو امام صاحب کے نزدیک اولاد سے کہا جائیگا کہ یا تو فوراً بدل کتابت ادا کرو ورنہ غلام ہو جاؤ' صاحبین کے یہاں ان کا حکم بھی اسی اولاد کا سا ہے جو کتابت کی حالت میں پیدا ہو یعنی وہ اپنے باپ کی قسطوں کے مطابق بدل کتابت ادا کرینگے امام صاحب کے نزدیک فرق کی وجہ یہ ہے کہ تاجیل اس وقت ثابت ہوتی ہے جب عقد میں اس کی شرط ہو اور اسی کے حق میں ثابت ہوتی ہے جو تحت العقد داخل ہو اور خرید کردہ اولاد تحت العقد داخل نہیں کیونکہ نہ تو ان کی طرف عقد کی اضافت ہے اور نہ ان تک حکم کی سرایت ہے بخلاف اس اولاد کے جو کتابت حالت میں پیدا ہوئی ہو کہ وہ بوقت کتابت مکاتب کے ساتھ متصل تھی اس لئے حکم عقد ان تک سرایت کر گیا اس لئے وہ اپنے باپ کی قسطوں کے مطابق ادا کریگی۔

قوله ولذا من حرة الخ ایک مکاتب آزاد عورت سے ایک بیٹا اور لوگوں پر اپنا اتنا قرض چھوڑ کر مر گیا جو بدل کتابت کے لئے کافی ہو سکتا ہے اور اس کے بیٹے نے کوئی جنایت کی جس کے تاوان کا فیصلہ قاضی نے اس کی ماں کے عاقلہ پر کر دیا۔ تو قاضی کے اس فیصلہ سے یہ ثابت نہ ہوگا کہ اس نے مکاتب کو ادائیگی بدل کتابت سے عاجز ٹھہرا دیا ہے کیونکہ مقتضاء کتابت یہی تھا کہ لڑکے کو موالی ام کیساتھ ملا دیں تاکہ باپ کی طرف سے بدل کتابت [illegible] پر باپ کے ساتھ لاحق ہو جائے۔ پس [illegible] جو فیصلہ کیا ہے اس سے اس مقتضاء کی اور

تثبیت ہوگئی، ہاں اگر یہ لڑکا مرجائے اور موالی ام اور موالی اب اس کی ولا میں جھگڑا کریں موالی ام کہیں کہ اس کی ولا ہم کو ملنی چاہیے کیونکہ وہ غلامی کی حالت میں مرا ہے۔ اور موالی اب کہیں کہ ولا ہم کو ملنی چاہیے کیونکہ وہ آزاد ہو کر مرا ہے۔ اور قاضی اس بچہ کی ولاء موالی ام کو دلوادے تو اس سے مکاتب کا عاجز ہونا ثابت ہو جائیگا۔ کیونکہ موالی ام کو ولاء دلانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا باپ (یعنی مکاتب) لڑکے کی ولا اپنے موالی کو پہونچانے کی قابلیت نہیں رکھتا اور یہ قابلیت نہ رکھنا آزاد نہ ہونے کے سبب سے ہوتا ہے۔ اور آزاد نہ ہونا بدل کتابت سے عاجز ہونے کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے قاضی کے اس حکم سے اس کا عاجز ہونا ثابت ہو جائے گا۔

قوله وما ادی الخ اگر مکاتب زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ کا مال لیکر بدل کتابت میں دے اور پھر باقی بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے تو آقا کے لئے وہ مال حلال ہے کیونکہ ملک بدل گئی یعنی مکاتب نے وہ مال بطور صدقہ لیا تھا اور آقا نے غلام آزاد کرنے کے عوض میں لیا ہے۔ حضرت بریرہؓ کے متعلق آنحضرت ﷺ کے ارشاد "**هو لها صدقة ولنا هدية**" میں اسی طرف اشارہ ہے۔

قوله وان جنى الخ غلام نے کوئی جنایت کی آقا کو اس کی خبر نہیں تھی اس نے مکاتب کر دیا پھر مکاتب اداءِ زر کتابت سے عاجز ہو گیا تو آقا کو اختیار ہے چاہے غلام اس شخص کے حوالے کر دے جس کا اس نے قصور کیا ہے اور چاہے اس کے قصور کا تاوان دیدے، اسی طرح اگر مکاتب نے کوئی جنایت کی اور ابھی موجب جنایت کا حکم نہیں کیا گیا تھا کہ وہ اداء بدل کتابت سے عاجز ہو گیا تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن اگر اس پر تاوان دینے کا حکم ہو گیا ہو۔ پھر وہ بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے تو اب وہ تاوان اس کے ذمہ دین ہوگا۔ اور اس سلسلہ میں اس کو فروخت کر دیا جائے گا **لانتقال الحق من الرقبة الى قيمته بالقضاء**۔

کتاب الولاء

قوله كتاب الخ کتاب المکاتب کے بعد کتاب الولاء لا رہا ہے۔ اس واسطے کہ ولا زوال ملک رقبہ کے آثار میں سے ہے۔ اور کتاب العتق کے بعد اس لئے نہیں لایا تا کہ ولا جملہ انواع عتق کے بعد واقع ہو **فان الكتابة من انواعه**۔ ولاء لغۃً ولی سے ہے بمعنی قرب ونزدیکی یقال "**ولى الشئى الشئى**" ایک شئی دوسری شئی کے ساتھ بلافصل متصل ہوگئی، یا موالاۃ سے ہے جو ولایۃ سے مفاعلت ہے بمعنی نصرت ومحبت، اصطلاح شرح میں ولا اس میراث کو کہتے ہیں جو آزاد کردہ غلام سے یا عقد موالاۃ کیوجہ سے حاصل ہو اول کو ولاء عتاقہ اور ولاء نعمت کہتے ہیں اور دوسری قسم کو ولاء موالاۃ کہتے ہیں جس کا بیان آئندہ فصل میں آئے گا۔

اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَلَوْ بِتَدْبِيْرٍ وَكِتَابَةٍ وَاسْتِيْلَادٍ وَمِلْكِ قَرِيْبٍ وَشَرْطُ السَّائِبَةِ لَغْوٌ وَلَوْ اَعْتَقَ

ولاء اس کے لئے ہے جو آزاد کرے گو مدبر یا مکاتب یا ام ولد کرنے یا قریب کے مالک ہونے کے ذریعہ سے ہو اور ولاء نہ ملنے کی شرط لغو ہے اگر آزاد کی

حَامِلاً مِنْ زَوْجِهَا الْقِنِّ لَا يَنْتَقِلُ وَلَاءُ الْحَمْلِ عَنْ مَوَالِي الْاُمِّ اَبَداً فَاِنْ وَلَدَتْ بَعْدَ عِتْقِهَا

وہ باندی جو حاملہ ہے اپنے ایسے شوہر سے کہ وہ کسی کا غلام ہے تو منتقل نہ ہوگی بچہ کی ولاء ماں کے آزاد کنندہ سے کبھی اور اگر جنے وہ اپنی آزادی کے بعد

لِاَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَوَلَاؤُهُ لِمَوْلَى الْاُمِّ فَاِنْ عَتَقَ الْعَبْدُ جَرَّ وَلَاءَ اِبْنِهٖ اِلٰى مَوَالِيْهِ

چھ ماہ سے زیادہ میں تب بھی بچہ کی ولاء ماں کے آزاد کنندہ کے لئے ہوگی اور اگر آزاد ہو گیا غلام تو کھینچ لے گا وہ اپنے بچہ کی ولاء اپنے آزاد کنندگان

عه...... اى معتقه لان حرة الاصل لاولاء لاحد على ولدها ۱۲ طحطاوى

عه...... صحیحین عن عائشہؓ ۱۲۔

عَجَمِیٌّ تَزَوَّجَ مُعْتَقَةً فَوَلَدَتْ فَوَلَاءُ وَلَدِهَا لِمَوَالِيهَا وَاِنْ كَانَ لَهُ وَلَاءُ الْمُوَالَاةِ

کی طرف عجمی نے نکاح کیا آزاد کی ہوئی عورت سے اس نے بچہ جنا تو اس کے بچہ کی ولاء اس کے آزاد کنندگان کے لئے ہوگی گو عجمی نے کسی سے

وَالْمُعْتِقُ مُقَدَّمٌ عَلٰى ذَوِی الْاَرْحَامِ مُؤَخَّرٌ عَنِ الْعَصَبَةِ النَّسَبِيَّةِ فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى ثُمَّ مَاتَ الْمُعْتِقُ فَمِيرَاثُهٗ

عقد موالاۃ کر لیا ہو آزاد کنندہ مقدم ہے ذوی الارحام پر اور موخر ہے نسبی عصبہ سے پس اگر مر گیا آزاد کنندہ پھر مر گیا آزاد کیا ہوا تو اس کی میراث

لِاَقْرَبِ عَصَبَةِ الْمَوْلٰى وَلَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ اِلَّا مَا اَعْتَقْنَ

آزاد کنندہ کے قریبی عصبہ کیلئے ہوگی اور نہیں ہے عورتوں کے لئے ولاء مگر اس کی جن کو انہوں نے آزاد کیا ہو

اَوْ اَعْتَقَ مَنْ اَعْتَقْنَ اَوْ كَاتَبْنَ اَوْ كَاتَبَ مَنْ كَاتَبْنَ.

یا ان کے آزاد کردہ نے آزاد کیا ہو یا اسکی جن کو انہوں نے مکاتب کیا ہے یا ان کے مکاتب کردہ نے مکاتب کیا ہو۔

احکام ولا کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ ولو لاء الخ اگر آزاد کردہ غلام مر جائے اور اپنا کوئی وارث نہ چھوڑے تو اس کا ترکہ آزاد کنندہ کو ملے گا۔ خواہ آزادی مدبر یا مکاتب یا ام ولد کرنے سے ہو یا قرابتدار کے مالک ہونے سے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''الولاء لمن اعتق'' پس اگر کوئی شخص آزاد کرتے وقت یہ شرط کرلے کہ وہ آزاد کنندہ کو ولا نہ ملے گی تو یہ شرط باطل ہوگی کیونکہ نص مذکور کے خلاف ہے۔ سوال مدبر اور ام ولد اپنے آقا کی موت کے بعد آزاد ہوتے ہیں تو آقا کو انکی ولاء ملنے کی کونسی صورت ہے؟ جواب اس کی صورت یہ ہے کہ آقا مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا (والعیاذ باللہ) اور قاضی نے اس کی موت کا حکم کر کے اس کے مدبر اور اس کی ام ولد کی آزادی کا فیصلہ کر دیا اس کے بعد آقا مسلمان ہو کر دارالحرب چلا آیا اور مدبر یا ام ولد مر گئی تو اسکی ولاء آقا کو ملے گی۔

قولہ ولو اعتق الخ ایک شخص نے اپنی باندی کو آزاد کیا جس کا شوہر کسی کا غلام تھا اور وہ باندی اس سے حاملہ تھی سو آزادی کے بعد چھ ماہ سے کم میں اس کے بچہ ہوا تو اس بچہ کی ولاء اس کی ماں کے آقا کو ملے گی۔ اس کے باپ کے آقا کو نہ ملے گی۔ اس واسطے کہ جنین ماں کا جزء ہے اور ماں کے آقا نے بالقصد اس کے جمیع اجزاء پر عتق کو واقع کیا ہے تو بچہ کو آزاد کرنے والا بھی وہی ہوا لہٰذا اس کی ولاء باپ کے آقا کی طرف منتقل نہ ہوگی، اور اگر آزادی کے بعد چھ ماہ سے زیادہ میں بچہ ہوا تب بھی بچہ کی ولاء اس کی ماں کے آقا کو ملے گی بشرطیکہ اس کا باپ آزاد نہ ہو گیا ہو اور اگر آزاد ہو گیا ہو تو اب وہ بچہ کی ولاء اپنے موالی کی طرف کھینچ لے گا یعنی اگر بچہ مر جائے تو اس کی ولاء موالی اب کو ملے گی۔ وجہ یہ ہے کہ ولا بمنزلہ نسب کے ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ولاء قرابت ہے قرابت نسب کیطرح'' اور نسب آبا کی طرف ہوتا ہے تو ولاء بھی آبا کی طرف ہوگی پہلی صورت میں جو نسبت موالی ام ولد کی طرف ہوگئی تھی وہ تو باپ کی عدم اہلیت کی وجہ سے تھی اور جب باپ میں آزادی کیوجہ سے اہلیت پیدا ہوگئی تو ولاء اس کی طرف لوٹ آئے گی۔

قولہ عجمی الخ ایک حر الاصل عجمی نے ایک عورت سے شادی کی جو کسی آزاد کی ہوئی تھی (خواہ وہ عورت عجمیہ ہو یا عربیہ ہو نیز اس کا آزاد کرنیوالا کوئی عربی ہو یا عجمی ہو) اس سے کوئی اولاد ہوئی تو اولاد کی ولاء اس معتقہ عورت کے موالی کو ملے گی گو اس کے عجمی شوہر نے کسی سے عقد موالاۃ کر لیا ہو کیونکہ ترکہ پانے میں موالی عتاقہ موالی موالاۃ پر مقدم ہوتے ہیں۔ یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسف کے یہاں اس کی ولاء کا حکم اب کے باپ کا حکم ہے تو اس کی ولاء موالی اب کو ملے گی ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ ولاء بمنزلہ نسب کے ہے اور نسب آباء کی طرف ہوتا ہے۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ ولاء عتاقہ قوی اور معتبر ہے۔ اور عجمیوں کے حق میں نسب ضعیف

ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنا نسب برباد کر دیا ہے والقوی لایعارضہ الضعیف۔

قولہ والمعتق الخ باب ارث میں آزاد کرنیوالا ذوی الارحام پر مقدم ہوتا ہے اور عصبات نسبیہ سے مؤخر ہوتا ہے۔ پس اگر کسی نے غلام آزاد کیا اور غلام خالہ پھوپھی وغیرہ چھوڑ کر مر گیا تو اس کی میراث آزاد کنندہ کو ملے گی نہ کہ اس کی خالہ پھوپھی وغیرہ کو۔ اور اگر اس نے لڑکا بھائی یا کوئی اور عصبہ چھوڑا تو میراث لڑکے اور بھائی کو ملے گی نہ کہ معتق کو۔ ذوی الارحام پر معتق کے مقدم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک شخص نے غلام خرید کر آزاد کیا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا تھا کہ "اگر وہ مر جائے اور کوئی عصبہ نہ چھوڑے تو اس کا مال تجھے ملے گا"۔ نیز حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ آپ میراث موالی عتاقہ کو دلاتے تھے نہ کہ ذوی الارحام کو۔

فَصْلٌ: اَسْلَمَ رَجُلٌ عَلٰی یَدِ رَجُلٍ وَوَالَاهُ عَلٰی اَنْ یَّرِثَهٗ وَیَعْقِلُ عَنْهُ اَوْ عَلٰی یَدِ غَیْرِهٖ

(فصل) اسلام لایا کوئی کسی کے ہاتھ پر اور اس سے موالاۃ کی کہ وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے تاوان بھی دیگا یا کسی اور کے ہاتھ پر اسلام لایا

وَوَالَاهُ صَحَّ وَعَقْلُهٗ عَلٰی مَوْلَاهُ وَارِثُهٗ لَهٗ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَهٗ وَارِثٌ وَهُوَ اٰخِرُ ذَوِی الْاَرْحَامِ

اور اس سے موالاۃ کی تو صحیح ہے اب تاوان اس کے مولی پر ہوگا اور میراث بھی اسی کے لئے ہوگی اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو اور وہ ذوی الارحام کے بعد ہے

وَلَهٗ اَنْ یَّنْتَقِلَ عَنْهُ اِلٰی غَیْرِهٖ بِمَحْضَرٍ مِنَ الْاٰخَرِ مَالَمْ یَعْقِلْ عَنْهُ

اور وہ اپنے مولی سے دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتا ہے اس کی موجودگی میں جب تک کہ اس نے تاوان نہ دیا ہو اس کی طرف سے

وَلَیْسَ لِلْمُعْتَقِ اَنْ یُّوَالِیَ اَحَدًا وَلَوْ وَالَتْ اِمْرَاَةٌ فَوَلَدَتْ تَبِعَهَا فِیْهِ.

آزاد کیا ہوا کسی سے موالاۃ نہیں کر سکتا اگر موالاۃ کی عورت نے پھر بچہ جنا تو بچہ عقد میں ماں کے تابع ہوگا۔

ولاء موالاۃ کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ فصل الخ ولاء موالاۃ کو ولاء عتاقہ کی بعد لا رہا ہے اس واسطے کہ ولاء عتاقہ ولاء موالاۃ سے قوی تر ہے۔ کیونکہ اس کا ثبوت بالاجماع ہے بخلاف ولاء موالاۃ کے کہ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ نیز ولاء عتاقہ ثبوت کے بعد فسخ نہیں ہوتی۔ بخلاف ولاء موالات کے کہ وہ قابل فسخ ہے۔

قولہ واسلم الخ ۔ ایک شخص دوسرے کے ہاتھ پر اسلام لایا اور نومسلم نے اس سے موالاۃ کی کہ میرے مرنے کے بعد وہ میرے کل مال کا وارث ہوگا اور اگر مجھ سے کچھ قصور ہو جائے تو اس کی طرف سے وہ دیت ادا کریگا یا کسی اور کے ہاتھ پر اسلام لایا اور دوسرے مسلم سے بھی موالاۃ کی تو ہمارے یہاں یہ عقد صحیح ہے۔ اس صورت میں اس نومسلم کے مرنے کے بعد وہ شخص اس کا وارث ہوگا۔ اگر اس کا

---

(۱) قیدہ بالاعجمی لان اباہ ان کان عربیاً یکون ولاء لموالی ابیہ اتفاقاً ۱۲۔

(۲) قال فی الهدایہ " بهذا للفظ ورد الحدیث اه" اخرجه البیهقی عن علی و ابن مسعودؓ وزید بن ثابتؓ (موقوفاً علیهم) و ابن ابی شیبه عن الحسنؒ وعمرو ابن عبد العزیزؒ و ابن سیرینؒ و ابن المسیبؒ وعطاء والنخعیؒ (بنقص وزیادة) ۱۲۔

عه...... ائمه سته عن عائشه، بخاری عن ابن عمرؓ، مسلم عن ابی هریرة ۱۲۔

عه...... ابن حبان، شافعی، حاکم، بیهقی، طبرانی عن ابن عمر، طبرانی، ابن عدی عن ابن اوفی، ابن عدی عن ابی هریرة ۱۲۔

عه...... عقد موالاۃ کا بیان آگے آرہا ہے ۱۲۔

للعه...... دارمی عبدالرزاق عن الحسن ۱۲۔

للعه...... عبدالرزاق عنہ ۱۲۔

کوئی وارث نہ ہو اور درصورت جنایت اس کی طرف سے تاوان دیگا۔ امام مالک اور امام شافعی کے یہاں موالاۃ کوئی چیز نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ ارث کا تعلق از روئے نص قرابت یا زوجیت کے ساتھ ہے اور از روئے حدیث عتق کے ساتھ اور یہاں ان میں سے کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا موالاۃ کوئی چیز نہیں۔ ہماری دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "والذین عقدت ایمانکم فاتو هم نصیبهم" یہ آیت عقد موالاۃ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ "آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ جو شخص دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہو اس کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا؟ جس کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہوا ہے وہ اس نو مسلم کا زیادہ حقدار ہے حیات اور ممات میں۔"

فائدہ: ولا موالاۃ کے لئے تین شرطیں ہیں (۱) وہ شخص مجہول النسب ہو (۲) اس کے لئے ولاء عتاقہ نہ ہو اور نہ کسی کیساتھ ولاء موالاۃ ہو (۳) عجمی ہو عربی نہ ہو کیونکہ عربوں کے قبائل موجود ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے دوسرا کیسے وارث ہو سکتا ہے۔

قولہ ان یتقل الخ جب تک مولی الموالاۃ نے اس شخص کو (یا اس کے بچہ کی) طرف سے جنایت کا تاوان نہ دیا ہو۔ اس وقت تک وہ اس کو چھوڑ کر دوسرے کیساتھ موالاۃ کر سکتا ہے۔ کیونکہ عقد موالاۃ غیر لازم ہے جیسے وصیت غیر لازم ہے تو اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اب دوسرے کا حق وابستہ ہو چکا ہے۔

کتاب الاکراہ

هُوَ فِعْلٌ يَفْعَلُهُ الانْسَانُ بِغَيْرِهِ فَيَزُوْلُ بِهِ الرِّضَا وَشَرْطُهُ قُدْرَةُ الْمُكْرِهِ عَلٰى تَحْقِيْقِ

وہ ایک کام ہے جو آدمی دوسرے کے سبب سے کرتا ہے اور اس کی رضامندی جاتی رہتی ہے اور اس کی شرط مکرہ کا قادر ہونا ہے اس چیز کے کرنے پر

مَاهَدَّدَ بِهٖ سُلْطَاناً كَانَ اَوْ لِصًّا وَخَوْفُ الْمُكْرَهِ وُقُوْعَ مَاهَدَّدَ بِهٖ.

جس سے اس نے ڈرایا ہے وہ بادشاہ ہو یا چور ہو اور مکرہ کا ڈرنا ہے اس چیز کے وقوع سے جس سے اس نے ڈرایا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ عقد موالاۃ کے ذریعہ مولی اعلیٰ کا حال حرمت سے حلت کی طرف متغیر ہوتا ہے بایں معنی کہ اگر موالاۃ نہ ہوتی تو مولی اسفل کا مال لینا حلال نہ ہوتا جب عقد موالاۃ ہو گیا تو اب اس کیلئے اسکا مال لینا حلال ہو گیا۔ بالکل یہی بات اکراہ میں ہے کہ اس میں مخاطب کا حال حرمت سے حلت کی طرح متغیر ہوتا ہے۔ یعنی اس کیلئے جس چیز کی مباشرت قبل از اکراہ حرام تھی وہ اکراہ کے بعد حلال ہو جاتی ہے اسلئے مصنف علام موالاۃ کے بعد کتاب الاکراہ لا رہا ہے۔

قولہ ہو فعل الخ اکراہ لغۃً کسی کو مجبور کرنے اور ناپسندیدہ امر پر اکسانے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح فقہاء میں اکراہ وہ فعل ہے جو آدمی دوسرے کے سبب سے اس طرح کرے کہ اسکی اضامندی جاتی رہے۔ یا اسکا اختیار فاسد ہو جائے گویا اکراہ کی دو قسمیں ہیں ملجئی (اکراہ کامل) غیر ملجئی (اکراہ قاصر) اکراہ ملجئی وہ ہے جس میں مکرہ کو اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو جیسے تہدید قتل یا تہدید قطع ید وغیرہ اس صورت میں مکرہ کی رضامندی فوت اور اختیار فاسد ہو جاتا ہے۔ اکراہ غیر ملجئی وہ ہے جس میں جان یا عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ نہ ہو بلکہ صرف رضامندی فوت ہو جائے جیسے تہدید حبس اور تہدید ضرب وغیرہ کی صورت میں پس فوات رضا فساد اختیار سے عام ہے۔ کیونکہ مقابل رضا کراہت ہے اور مقابل اختیار جبر۔ اور حبس وضرب کے اکراہ میں بلاشبہ کراہت موجود ہے تو رضا معدوم ہوگی لیکن اختیار مع وصف صحت موجود ہے۔ کیونکہ اختیار اس وقت فاسد ہوتا ہے جب جان یا کسی عضو کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو پس اکراہ غیر ملجی انہی تصرفات میں مؤثر ہوگا جن میں رضا کی احتیاج ہوتی ہے جیسے بیع، اقرار، اجارہ وغیرہ اور اکراہ ملجی جملہ تصرفات میں مؤثر ہوگا۔

عہ...... جن سے تمہارا معاہدہ ہوا ہے ان کو ان کا حصہ دو [illegible] ۱۔ عہ...... سنن اربعہ، حاکم عن تمیم الداری، احمد، ابن ابی شیبہ، دارمی، ابو یعلی الموصلی، دارقطنی (منقطعا) بخاری (تعلیقا) [illegible]

فائدہ: اکراہ ملجی ہو یا غیر ملجی بہر دو صورت نہ اس سے مکرہ کی اہلیت باطل ہوتی ہے اور نہ اس سے خطاب وضع ہوتا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ مکرہ کے افعال فرض وحظر واباحت ورخصت کے مابین متردد ہوتے ہیں نیز کبھی وہ گنہگار ہوتے ہیں اور کبھی مستحق اجر وثواب مثلاً اس پر قتل نفس، قطع طریق اور زنا وغیرہ حرام ہے تو وہ ان کی مباشرت سے گنہگار ہوگا اور باز رہے گا تو ثواب پائے گا۔ اسی طرح اس کے لئے اکل میتہ اور شرب خمر کی اباحت ہے اور اجراء کلمہ کفر کی رخصت ہے۔

قوله وشرطه الخ تحقق اکراہ کے لئے دو شرطیں ہیں (۱) مکرہ اس امر پر قادر ہو جس کا وہ خوف دلا رہا ہے خواہ شاہ وقت ہو یا چور ہو یا کوئی اور ہو۔ امام صاحب سے جو یہ ایک روایت ہے کہ اکراہ سوائے بادشاہ کے اور کوئی نہیں کر سکتا یہ ان کے زمانہ کے لحاظ سے ہے کہ اس زمانہ میں ایسی قدرت بادشاہ ہی کو ہوتی تھی۔ آج کل یہ بات نہیں۔ آج کل تو ہر مفسد سے اکراہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ صاحبین کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے (۲) مکرہ کو اس بات کا ظن غالب ہو کہ مکرہ جس امر کا خوف دلا رہا ہے۔ وہ اس کے ساتھ کر گزرے گا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

فَلَوْ اُكْرِهَ عَلٰى بَيْعٍ اَوْ شِرَاءٍ اَوْ اِقْرَارٍ اَوْ اِجَارَةٍ بِقَتْلٍ اَوْ ضَرْبٍ شَدِيْدٍ اَوْ حَبْسٍ مَدِيْدٍ خُيِّرَ بَيْنَ اَنْ يُمْضِيَ الْبَيْعَ

سو اگر اکراہ کیا گیا خرید وفروخت یا اقرار کرنے یا اجارہ دینے پر قتل کرنے یا سخت مارنے یا قید دراز کی دھمکی کے ساتھ تو اختیار دیا جائیگا کہ بیع باقی رکھے

اَوْ يَفْسَخَهُ وَيَثْبُتُ بِهِ الْمِلْكُ عِنْدَ الْقَبْضِ لِلْفَسَادِ وَقَبْضُ الثَّمَنِ طَوْعاً اِجَازَةٌ كَالتَّسْلِيْمِ طَائِعاً وَاِنْ هَلَكَ

یا اس کو فسخ کر دے اور ثابت ہوگی ملک اس بیع سے قبضہ کے وقت فساد کی وجہ سے اور بخوشی ثمن لینا اجازت ہے جیسے بخوشی مبیع دیدینا اگر ہلاک ہوگئی مبیع

الْمَبِيْعُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِيْ وَهُوَ غَيْرُ مُكْرَهٍ وَالْبَائِعُ مُكْرَهٌ ضَمِنَ قِيْمَتَهُ لِلْبَائِعِ وَلِلْمُكْرَهِ اَنْ يُضَمِّنَ الْمُكْرِهَ

مشتری کے پاس درانحالیکہ وہ غیر مکرہ ہے تو وہ ضامن ہوگا اس کی قیمت کا بائع کے لئے اور مکرہ مکرہ سے بھی ضمان لے سکتا ہے

وَعَلٰى اَكْلِ لَحْمِ خِنْزِيْرٍ وَمَيْتَةٍ وَدَمٍ وَشُرْبِ خَمْرٍ بِحَبْسٍ اَوْضَرْبٍ اَوْ قَيْدٍ لَمْ يَحِلَّ وَحَلَّ بِقَتْلٍ وَقَطْعٍ

اگر اکراہ کیا گیا سور کا گوشت یا مردار کھانے یا خون یا شراب پینے پر قید وبند یا پیٹنے کی دھمکی کے ساتھ تو ان کا تناول حلال نہیں اور حلال ہے قتل اور قطع عضو کی

وَاَثِمَ بِصَبْرِهٖ وَعَلٰى الْكُفْرِ وَاِتْلَافِ مَالِ الْمُسْلِمِ بِقَتْلٍ وَقَطْعٍ لَابِغَيْرِهِمَا

دھمکی سے بلکہ گنہگار ہوگا صبر کرنے سے اگر اکراہ کیا گیا کفر کرنے یا مسلمان کا مال ضائع کرنے پر قتل کرنے یا قطع عضو کی دھمکی سے نہ کہ اس کے علاوہ سے

يُرَخَّصُ وَيُثَابُ بِالصَّبْرِ وَلِلْمَالِكِ اَنْ يُّضَمِّنَ الْمُكْرِهَ وَعَلٰى قَتْلِ غَيْرِهٖ بِقَتْلٍ

تو اس کے لئے رخصت ہے اور ثواب دیا جائیگا صبر کرنے پر اور مالک ضمان لے سکتا ہے مکرہ سے اگر اکراہ کیا گیا دوسرے کو قتل کرنے پر قتل کی دھمکی سے

لَايُرَخَّصُ فَاِنْ قَتَلَهٗ اَثِمَ وَيُقْتَصُّ الْمُكْرِهُ فَقَطْ وَعَلٰى اِعْتَاقٍ وَطَلَاقٍ فَفَعَلَ وَقَعَ

تو رخصت نہیں ہے اگر اس کو قتل کیا تو گنہگار ہوگا اور قصاص صرف مکرہ سے لیا جائیگا اگر اکراہ کیا گیا آزاد کرنے یا طلاق دینے پر اور اس نے کر لیا تو آزادی

وَرَجَعَ بِقِيْمَتِهٖ وَنِصْفِ مَهْرِهَا اِنْ لَمْ يَطَأْهَا وَعَلٰى الرِّدَّةِ لَمْ تَبِنْ زَوْجَتُهٗ.

اور طلاق واقع ہو جائیگی اب وہ اس سے نصف قیمت اور نصف مہر لے لیگا اگر اس سے وطی نہ کی ہو اگر اکراہ کیا گیا مرتد ہونے پر تو بائن نہ ہوگی اس کی بیوی

تفصیل احکام اکراہ

تشریح الفقہ :قولہ فلو اکرہ الخ ایک شخص کو بتہدید قتل یا بتخویف ضرب شدید یا حبس مدید کسی چیز کے فروخت کرنے یا خریدنے یا اقرار کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے وہ چیز فروخت کردی یا خرید لی یا اس کا اقرار کرلیا تو زوال اکراہ کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے ان عقود کو نافذ کرے اور چاہے فسخ کر ڈالے۔ اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں مکرہ کے تمام تصرفات قول کے لحاظ سے منعقد ہوتے ہیں اب جو عقود محتمل فسخ ہیں جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ انکو وہ فسخ کرسکتا ہے۔ اور جو عقود محتمل فسخ نہیں جیسے طلاق' نکاح' اعتاق' تدبیر' استیلاد' نذر وغیرہ انکو فسخ نہیں کرسکتا بلکہ وہ لازم ہوجاتے ہیں۔ ہاں ائمہ ثلاثہ کے یہاں لازم نہیں ہوتے۔

قولہ ویثبت الخ اگر کسی نے مکرہ ہونے کی حالت میں کوئی چیز فروخت کردی اور مشتری نے اس پر قبضہ کرلیا۔ تو مشتری اس کا مالک ہوجائے گا' امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مالک نہ ہوگا وہ یہ فرماتے ہیں کہ مکرہ کی بیع اجازت پر موقوف ہے۔ اور بیع موقوف قبل از اجازت مفید ملک نہیں ہوتی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اکراہ کی وجہ سے ارکان بیع یعنی ایجاب وقبول معدوم نہیں ہوتے۔ صرف شرط جواز یعنی رضا معدوم ہوتی ہے۔ تو مکرہ کی بیع فاسد ہوئی اور بیع فاسد میں مشتری قبضہ کرلینے سے مبیع کا مالک ہوجاتا ہے۔

قولہ وان ھلک الخ بائع نے جبر کے ساتھ ایک شئی فروخت کی اور مشتری نے اس کو بلاجبر خریدا۔ پھر وہ مشتری کے پاس ہلاک ہوگئی تو مشتری بائع کو اس کی قیمت کا تاوان دیگا کیونکہ مکرہ کی بیع فاسد ہے۔ اور بیع فاسد میں بھی مبیع مشتری پر مضمون ہوتی ہے۔ لیکن مکرہ کو یہ بھی اختیار ہے جس نے اس پر جبر کیا تھا اس سے قیمت کا تاوان لیلے اس صورت میں مکرہ مشتری سے وصول کرلیگا۔

قولہ وعلی اکل الخ ایک شخص کو خنزیر یا مردار کا گوشت کھانے یا شراب یا خون پینے پر حبس وضرب اور قید وبند کا خوف دلا کر مجبور کیا گیا تو اس کیلئے ان چیزوں کا تناول درست نہیں۔ اس واسطے کہ ان محرمات کے تناول کی اباحت بوقت ضرورت ہے۔ اور ضرورت اسی وقت ہے کہ جب جان کا یا کسی عضو کی ہلاکت کا خوف ہو چنانچہ اگر کسی نے قتل نفس یا قطع عضو کا خوف دلا کر مجبور کیا تو اس صورت میں اس کیلئے تناول حلال ہے۔ بلکہ اگر وہ نہ کھائے اور صبر کرتا ہوا جان دیدے تو گنہگار ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام احمد سے ایک روایت اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ گنہگار نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت اس کیلئے کھانا رخصت ہے۔ اور نہ کھانا عزیمت تو عزیمت کا پہلو اختیار کرنے سے گنہگار نہ ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ حکم حرمت سے حالت اضطرار مستثنی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے" **وقد فصل لکم ماحرم علیکم الاما اضطر رتم الیہ**" اور حرام شئی سے جو چیز مستثنی ہے۔ وہ حلال ہوگی۔ اب اگر وہ حلال شئی کی تناول سے رک کر اپنی جان ہلاک کرتا ہے تو یقیناً گنہگار ہوگا۔

قولہ وعلی الکفر الخ اور اگر قتل نفس یا قطع عضو کی تخویف سے کسی کو کلمہ کفر پر مجبور کیا گیا تو اس کیلئے اپنی زبان سے کہہ دینے کی رخصت ہے بشرطیکہ اس کا قلب مطمئن بالایمان ہو۔ قال تعالیٰ "**الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان**" نیز روایت میں ہے کہ" حضرت عمار بن یاسر کو مشرکین نے پکڑلیا اور جب تک آپ نے ان کے بتوں کی بھلائی اور حضور ﷺ کی برائی نہ کی اس وقت تک انہوں نے آپ کو نہیں چھوڑا۔ آپ نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا: اس وقت تیرے قلب کی کیا کیفیت تھی؟ عرض کیا: یارسول اللہ! میرے دل میں ایمان مضبوط تھا۔ آپ نے فرمایا: اگر مشرکین پھر ایسا کریں تو تو بھی ایسا ہی کر۔" لیکن اگر وہ اس حالت میں صبر کرے اور اپنی زبان پر کلمۂ کفر جاری نہ کرے تو مستحق اجر ہوگا۔ اسی طرح اگر قتل نفس یا قطع عضو کی تہدید سے کسی مسلمان کا مال تلف کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کیلئے اس کی رخصت ہے۔ اور اگر تلف نہ کرے بلکہ اذیت پر صبر کرے تو ثواب پائے گا اور صاحب مال اپنے مال کا تاوان مکرہ سے لے گا نہ کہ مکرہ سے

قوله وعلي قتل غيره الخ اور اگر قتل نفس یا قطع عضو کی تہدید سے کسی مسلمان کو قتل کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کو قتل کرنے کی رخصت نہیں اگر قتل کریگا تو گنہگار رہوگا۔ کیونکہ مسلمان کو کسی حالت میں بھی قتل کرنا جائز نہیں۔ بایں ہمہ اگر اس نے قتل کرڈالا تو طرفین کے نزدیک قصاص صرف مکرہ پر ہوگا۔ امام زفر کے نزدیک مکرہ پر ہوگا۔ کیونکہ فعل قتل کا وجود اسی سے ہوا ہے حقیقۃً بھی اور حساً بھی۔ نیز شریعت نے اس قتل کے حکم کو بھی اسی پر برقرار رکھا ہے۔ چنانچہ وہ گنہگار ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک قصاص نہ مکرہ پر ہوگا اور نہ مکرہ پر۔ کیونکہ حد من وجہٍ مکرہ کی جانب مضاف ہے بایں معنی کہ وہ مباشر قتل ہے اور من وجہ مکرہ کی جانب کیونکہ وہ حامل و باعث قتل ہے تو جانبین میں شبہ متمکن ہوتا گیا لہذا ان میں سے کسی پر قصاص نہ ہوگا بلکہ ان کے مال سے دیت دیجائیگی۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں سے قصاص لیا جائیگا مکرہ سے اسلئے کہ وہ فاعل و مباشر ہے اور مکرہ سے اسلئے کہ وہ حامل و باعث ہے **ولهما ان المكره حامل فيقتص ولا يقتص القاتل لانه آلة له كالسيف۔**

قوله وعلي اعتاق الخ اگر بیوی کو طلاق دینے یا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے طلاق دیدی یا غلام آزاد کردیا تو ہمارے نزدیک یہ امور واقع ہوجائیں گے۔ امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے جس کی تفصیل کتاب الطلاق میں گزر چکی ہے اب اعتاق کی صورت میں مکرہ مکرہ سے غلام کی قیمت لیگا کیونکہ اتلاف اسی کیطرف منسوب ہے۔ اور یہ ضمان چونکہ ضمان اتلاف ہے لہذا نصف قیمت لیگا مالدار ہو یا نادار اور طلاق کی صورت میں مہر مسمّی کا نصف ملے گا اگر اس نے بیوی سے وطی نہ کی ہو۔ کیونکہ شوہر پر جو مہر واجب تھا وہ متحمل سقوط تھا بایں معنی کہ شاید فرقت عورت کی جانب سے واقع ہوجائے لیکن جب طلاق واقع ہوگئی تو مہر مؤکد ہوگیا پس اتلاف مال مکرہ کی جانب منسوب ہوگا اور مکرہ اس سے نصف مہر لینے کا حقدار ہوگا لیکن اگر وطی کرچکا ہو تو مکرہ سے کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ اب مہر وطی کی وجہ سے مؤکد ہوا ہے۔

کتاب الحجر

هُوَ مَنْعٌ عَنِ التَّصَرُّفِ قَوْلاً لاَ فِعْلاً بِصِغَرٍ وَرِقٍّ وَجُنُونٍ فَلاَ يَصِحُّ تَصَرُّفُ صَبِيٍّ وَعَبْدٍ

وہ روکنا ہے قولی تصرف سے نہ کہ فعلی تصرف سے کم سنی یا غلامی یا دیوانہ پن کے باعث پس صحیح نہیں بچہ اور غلام کا تصرف

بِلاَ اِذْنِ وَلِيٍّ وَسَيِّدٍ وَلاَ تَصَرُّفُ الْمَجْنُوْنِ الْمَغْلُوْبِ بِحَالٍ وَمَنْ عَقَدَ مِنْهُمْ وَهُوَ يَعْقِلُهُ

ولی اور آقا کی اجازت کے بغیر اور نہ مجنون مغلوب کا تصرف کسی حال میں اور جو ان میں سے عقد کرے درانحالیکہ وہ اس کو سمجھتا ہو

يُجِيْزُهُ الْوَلِيُّ اَوْ يَفْسَخُهُ وَاِنْ اَتْلَفُوْا شَيْئاً ضَمِنُوْا.

تو ولی اس کو باقی رکھے یا فسخ کردے اور اگر یہ تلف کریں کوئی چیز تو ضامن ہوں گے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کتاب الاکراہ کے بعد کتاب الحجر لا رہا ہے۔ اس واسطے کہ دونوں میں سلب اختیار ہوتا ہے مگر اکراہ حجر سے قوی تر ہے کیونکہ اکراہ میں سلب اختیار اس سے ہوتا ہے جس کے لئے اختیار صحیح اور کامل ولایت ہو لہٰذا اکراہ مستحق تقدیم ہے۔

قولہ ھو منع الخ حجر (بالتثلیث) لغۃً مطلق روکنے اور منع کرنے کو کہتے ہیں اسی سے حجرا (بالکسر) عقل کو کہتے ہیں کیونکہ عقل انسان کو افعال قبیحہ کے ارتکاب سے روکتی ہے۔ اصطلاح میں حجر اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو تصرف قولی سے روک دیا جائے نہ کہ تصرف فعلی سے تصرفات قولی جو زبان سے متعلق ہوتے ہیں جیسے بیع و شراء اور ہبہ وغیرہ، تصرفات فعلی جو افعال جوارح ہوتے ہیں جیسے قتل و اتلافِ مال وغیرہ تو حجر میں صرف تصرف قولی نافذ نہیں ہوتا چنانچہ اگر بچہ کسی کا مال تلف کرے گا تو ضمان واجب ہوگا۔

قولہ بصغر الخ اسباب حجر تین ہیں اول صغر سنی دوم رقیت و مملوکیت یعنی باندی یا غلام ہونا سوم جنون و دیوانگی۔ بچہ ناقص العقل ہوتا ہے۔ اور مجنون عدیم العقل یہ اپنے نفع اور نقصان کو نہیں پہنچانتے اس لئے شریعت میں ان کے تصرفات قولیہ غیر معتبر ہیں اور مملوک گو عاقل ہوتا ہے لیکن اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اسکے آقا کا ہوتا ہے تو آقا کے حق کی رعایت کے پیش نظر اسکا تصرف بھی غیر معتبر ہے سوال مصنف نے حجر کے صرف تین اسباب ذکر کئے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ بچہ اور غلام اور دیوانے کے علاوہ اور کوئی محجور نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ مفتی ماجن جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہو اور طبیب جاہل جو لوگوں کو مضر اور مہلک دوا پلاتا ہو اور جانور کرایہ پر دینے والا جو مفلس ہو یہ سب بھی محجور التصرف ہیں۔ جواب یہاں حصر اسباب حجر کے شرعی معنی کے اعتبار سے مقصود ہے اور مفتی ماجن، طبیب جاہل اور مکاری مفلس پر شرعی معنی صادق نہیں آتے لہٰذا حصر مذکور سے ان کا خارج ہو جانا مضر نہیں (تامل)

قولہ بحال ا الخ مجنون مغلوب یعنی وہ دیوانہ جو کسی وقت بھی ہوش میں نہ آتا ہو اس کا تصرف کسی حالت میں صحیح نہیں یہاں تک کہ اگر ولی اس کا تصرف جائز رکھے تب بھی صحیح نہیں کیونکہ وہ جنون کی وجہ سے تصرفات کا اہل نہیں ہے۔ اور اگر وہ کبھی دیوانہ ہوتا ہو اور کبھی ہوشیار تو اس کا حکم طفل ممیز کا سا ہے۔

تنبیہ: نہایۃ اور غایۃ البیان میں ہے کہ جو شخص گاہے ہوشیار اور گاہے دیوانہ ہو وہ طفل ممیز کی مانند ہے۔ اور زیلعی میں ہے کہ وہ عاقل کی مانند ہے شلبی محشی زیلعی نے دونوں قولوں میں تطبیق دیتے ہوئے کہا کہ اگر ہوشیاری کا وقت معین ہو اور وہ افاقہ کی حالت میں کوئی

عہ...... لان الردة تتعلق بالا عتقاد فلا يكفر به من غير تبدل الاعتقاد ۱۲

عہ...... حاكم، بيهقى، ابونعيم (فى الحليه) عبدالرزاق، ابن راهويه عن محمد بن عمار بن ياسر ۱۲

عقد کرے تو اس میں عاقل کی مانند نفاذ عقد کا حکم ہے۔ اور اگر اس کی ہوشیاری کا کوئی وقت معین نہ ہو تو اس میں طفل صغیر کی مانند توقف کا حکم ہے۔ پس زیلعی کا کلام شق اول پر محمول ہے اور نہایہ اور غایۃ البیان کا کلام شق ثانی پر (کذا فی الطحاوی)۔

قولہ ومن عقد الخ محجورین مذکورین میں سے جو شخص کوئی ایسا عقد کرے جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہو اور وہ عقد کو سمجھتا ہو تو اس کے ولی کو اختیار ہے چاہے عقد کو نافذ کرے چاہے فسخ کردے **و عند الائمة الثلاثة لا تصح اجازته** ولی سے مراد قاضی، باپ، دادا وصی اور آقا ہے۔ سوال منہم کی ضمیر صغیر اور غلام کی طرف راجع ہے نہ کہ مجنون و مغلوب کیطرف اس واسطے کہ مجنون، مغلوب میں تعقل مذکور نہیں ہوتا پس منہم بصورت جمع غلط ہے منہما ہونا چاہیے۔ جواب مصنف کے قول "**المجنون المغلوب**" سے غیر مغلوب مفہوم ہو چکا۔ جس کا حکم بچہ اور غلام کا سا ہے۔ اس لئے جمع کے ساتھ تعبیر کرنا صحیح ہے۔　　محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلاَ يَنفُذُ اِقْرَارُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ وَيَنفُذُ اِقْرَارُ الْعَبْدِ فِي حَقِّهٖ لاَ فِي حَقِّ سَيِّدِهٖ فَلَوْ اَقَرَّ بِمَالٍ لَزِمَهٗ

اور نافذ نہ ہوگا بچہ اور دیوانے کا اقرار اور غلام کا اقرار نافذ ہوگا خود اس کے حق میں نہ کہ اس کے آقا کے حق میں پس اگر اس نے مال کا اقرار کیا

بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ وَلَوْ اَقَرَّ بِحَدٍّ اَوْ قَوَدٍ لَزِمَهٗ فِي الْحَالِ لاَبِسَفَهٍ فَاِنْ بَلَغَ غَيْرَ رَشِيْدٍ

تو وہ اس پر لازم ہوگا آزادی کے بعد اور اگر حد یا قصاص کا اقرار کیا تو لازم ہو جائیگا اسی وقت نہ کہ بیوقوفی کے باعث پس اگر بالغ ہوا وہ بیوقوف

لَمْ يُدْفَعْ اِلَيْهِ مَالُهٗ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْساً وَّعِشْرِيْنَ سَنَةً وَنَفَذَ تَصَرُّفُهٗ قَبْلَهٗ وَيُدْفَعُ اِلَيْهِ مَالُهٗ اِذَا بَلَغَ الْمُدَّةَ

تو اس کو اس کا مال نہ دیا جائیگا یہاں تک کہ وہ پہونچ جائے پچیس برس کو اور نافذ ہوگا اس کا تصرف جو اس سے پہلا ہوا اور دیدیا جائیگا اس کا مال جب

مُفْسِدًا وَفِسْقٍ وَغَفْلَةٍ وَدَيْنٍ وَاِنْ طَلَبَ غُرَمَاؤُهٗ حُبِسَ لِيَبِيْعَ مَالَهٗ

وہ پچیس برس کو پہونچ جائے گو وہ مفسد ہو اور نہ بدکاری اور غفلت اور قرض کے باعث اگر اسکے قرضخواہ طلب کریں تو اس کو قید کیا جائے تاکہ وہ بیچدے اپنا

فِي دَيْنِهٖ فَلَوْ مَالُهٗ وَدَيْنُهٗ دَرَاهِمُ قُضِيَ بِلاَ اَمْرِهٖ وَلَوْ دَيْنُهٗ دَرَاهِمُ وَلَهٗ دَنَانِيْرُ

مال قرض کے سلسلہ میں سو اگر اس کا مال اور قرض دراہم ہوں تو اس کی اجازت کے بغیر ہی چکا دیا جائیگا اور اگر قرض دراہم ہوں اور اس کے پاس دنانیر ہوں

اَوْ بِالْعَكْسِ بِيْعَ فِي دَيْنِهٖ وَلَمْ يُبَعْ عَرَضُهٗ وَعِقَارُهٗ

یا برعکس ہو تو ان کو بیچدیا جائیگا اس کے قرض میں لیکن اس کا اسباب اور زمین نہیں بیچی جائیگی

وَاِفْلاَسٍ فَاِنْ اَفْلَسَ مُبْتَاعُ عَيْنٍ فَبَائِعُهٗ اُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ.

اور نہ مفلسی کے باعث پس اگر مفلس ہوگیا کسی چیز کا خریدار تو فروخت کنندہ اور قرض خواہوں کے برابر ہے۔

توضیح اللغۃ: سفہ خفت عقل، حماقت، قود قصاص، دین قرض، غرماء جمع غریم، قرضخواہ، عرض سامان، عقار زمین۔

تشریح الفقہ: **قولہ لا بسفہ الخ** امام صاحب کے نزدیک آزاد عاقل بالغ شخص پر اس کی سفاہت کے سبب سے حجر نہیں کیا جائے گا صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک حجر کیا جائے گا۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ "حضور ﷺ کے سامنے حضرت حبان بن منقذ کا تذکرہ ہوا جو اکثر اوقات خرید و فرخت میں دھوکا کھاتے تھے تو آنحضرت ﷺ ارشاد فرمایا: کہ تو خرید کے بعد یہ کہہ دیا کر "لا خلابۃ" اس میں دھوکا نہیں۔ صاحبین [illegible] دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "**فان کان الذی علیہ الحق سفیہاً اوضعیفاً اولا یستطیع ان یمل ھو فلیملل ولیہ لید**،

بالعدل ''اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سفیہ پر اس کے ولی کو ولایت حاصل ہے۔ درمختار میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

فائدہ:

سفہ لغۃً حماقت اور خفت عقل کو کہتے ہیں اور شریعت میں سفہ اور سفاہت سے مراد فضول خرچی ہے۔ جو عقل وشرع کے خلاف ہو تو اس کے سوا دیگر معاصی کا ارتکاب مثلاً شراب خوری' زنا کاری' سفاہت مصطلحہ میں داخل نہیں' علامہ حموی فرماتے ہیں کہ نفقہ میں اسراف یا بلا غرض خرچ کرنا سفیہ کی عادت ہے اسی طرح ایسی غرض میں خرچ کرنا جس کو دین دار عقلاء غرض شمار نہیں کرتے جیسے گویوں' کھیل تماشہ کرنے والوں کو پیسہ دینا' اڑنے والے کبوتروں کو گراں قیمت پر خریدنا۔

قولہ فان بلغ الخ جو شخص بالغ ہونے کے بعد بھی اتنا ہوشیار نہ ہو کہ اپنا نفع نقصان پہچان سکے تو امام صاحب کے نزدیک اس کو اسکا مال نہ دیا جائے یہاں تک کہ وہ پچیس برس کا ہو جائے اس کے بعد اس کو مال دیدیا جائے گا خواہ وہ مصلح ہو یا مفسد۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مال نہ دیا جائے گا جب تک کہ آثار رشد ظاہر نہ ہو اگر چہ پوری عمر گزر جائے کیونکہ آیت **فان انستم منهم رشدًا فادفعوا اليهم اموالهم** ''میں مال حوالے کرنا وجود رشد پر معلق ہے تو اس سے قبل مال دینا جائز نہ ہوگا امام صاحب کی دلیل یہ آیت ہے ''**واتوا اليتمىٰ اموالهم** ''اس میں ایتاء مال بعد البلوغ مراد ہے پس بالغ ہونے کے بعد مال اس کے حوالے کر دیا جائے گا رہی پچیس سال کی مدت سو وہ اس لئے ہے کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ جب آدمی پچیس برس کا ہو جائے تو اس کی عقل انتہا کو پہونچ جاتی ہے۔ تنویر اور مجمع الانہر وغیرہ میں قاضی خاں سے منقول ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ وفسق الخ لاسفہ پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے مطلب یہ ہے کہ فاسق پر حجر نہیں خواہ اس کا فسق اصلی ہو یا طاری امام شافعی کے یہاں فاسق کو بطریق زجز وتوبیخ تصرف سے روکا جائے گا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آیت ''**فان انستم منهم رشدًا**'' میں رشد سے مراد اصلاح فی المال ہے نہ کہ اصطلاح فی الدین اور رشدًا نکرہ قلیل وکثیر ہر دو کو شامل ہے پس **فادفعوا اليهم اموالهم** میں فاسق بھی داخل ہے اسلئے اس پر حجر نہ ہوگا' نیز شخص مغفل جو مصلح مال تو ہو لیکن تصرفات رابحہ کی شدبد نہ رکھتا ہو اس پر بھی حجر نہیں۔ امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک سفیہ کی طرح وہ بھی محجور ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت حبان بن منقذ پر حجر کا مطالبہ ہوا تو آپ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی معلوم ہوا کہ اس پر بھی حجر ہے۔ جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حبان پر حجر نہیں کیا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ ''لاخلابۃ'' کہہ دیا کر۔ اگر شخص مغفل پر حجر مشروع ہوتا تو آپ ضرور روک دیتے۔

قولہ ودین الخ امام صاحب کے نزدیک مدیون پر حجر نہیں اگر چہ قرض خواہ لوگ اس کا مطالبہ کریں البتہ قاضی اس کو قید کرے گا تا کہ وہ ادائیگی قرض کے سلسلے میں اپنا مال بیچ ڈالے۔ اس واسطے مدیون پر دین کی ادائیگی واجب ہے۔ اور ٹال مٹول ظلم ہے تو دفع ظلم کے پیش نظر قاضی کیلئے لازم ہے کہ وہ مدیون کو قید کرے' پھر اگر مدیون کا مال اور اس کا دین دراہم یا دنانیر ہوں تو قاضی بلا امر مدیون دراہم و دنانیر سے قرض ادا کر دے اور اگر مال دراہم ہو اور دین دونانیر یا اس کا عکس ہو تو ان کو فروخت کر کے قرض ادا کرے۔ اور اس کا مال اسباب و جائداد ہو تو اس کو فروخت نہ کرے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر قرض خواہ لوگ مقروض پر حجر طلب کریں تو اس پر حجر بھی کیا جا سکتا ہے۔ نیز اگر اس کا مال اسباب وجائداد ہو تو قاضی اس کو بھی فروخت کر سکتا ہے' اختیار' تنویر' تصحیح قدوری' بزازیہ' جوہرہ' قاضی خاں' ملتقی وغیرہ میں ہے کہ دونوں مسئلوں میں فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

---

(۱) لان العبد مبقى على اصل الحرية فى حقهما وهو ليس بمملوك من حيث انه آدمى وان كان مملوكاً من حيث انه مال ۱۲

عہ ...... صحیحین عن ابن عمر ۱۲

عہ ...... پھر اگر وہ شخص جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلا دے کار گزار اس کا انصاف سے ۱۲

فَصلٌ فِیْ حَدِّ الْبُلُوْغِ :بُلُوْغُ الْغُلَامِ بِالاِحْتِلَامِ وَالاِحْبَالِ وَالاِنْزَالِ وَاِلاَّ فَحَتّٰی یَتِمَّ ثَمَانِ عَشَرَ سَنَةً وَالْجَارِیَةُ

(فصل مدت بلوغ میں) لڑکے کا بالغ ہونا احتلام اور حاملہ کرنے اور انزال سے ہوتا ہے اگر یہ نہ ہو تو جب اٹھارہ سال پورے ہو جائیں اور لڑکی کا بالغ ہونا

بِالْحَیْضِ وَالاِحْتِلَامِ وَالْحَبَلِ وَاِلاَّ فَحَتّٰی یَتِمَّ سَبْعَ عَشَرَ سَنَةً وَیُفْتٰی بِالْبُلُوْغِ فِیْهِمَا بِخَمْسِ عَشَرَ سَنَةً

حیض اور احتلام اور حاملہ ہونے سے ہوتا ہے ورنہ جب سترہ سال پورے ہو جائیں اور فتویٰ دیا جاتا ہے دونوں کے بلوغ کا پندرہ سال کی عمر میں

وَاَدْنَی الْمُدَّةِ فِیْ حَقِّهٖ اِثْنَتَا عَشَرَةَ سَنَةً وَفِیْ حَقِّهَا تِسْعُ سِنِیْنَ فَاِنْ رَاهَقَا وَقَالاَ

اور کمتر مدت لڑکے کے حق میں بارہ سال ہیں اور لڑکی کے حق میں نو سال پس اگر وہ قریب البلوغ ہوگئے

بَلَغْنَا صُدِّقَا وَاَحْكَامُهَا اَحْكَامُ الْبَالِغِیْنَ.

اور بولے کہ ہم بالغ ہوگئے تو انکی تصدیق کیجائیگی اور انکے احکام بالغوں جیسے ہوں گے۔

تشریح الفقہ: قوله فصل الخ صغر سنی چونکہ اسباب حجر میں سے ایک سبب ہے جس کی ایک نہایت ہے تو اس کی انتہا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ اس فصل میں اسی کو بیان کر رہا ہے۔

قوله بلوغ الغلام الخ بلوغ صغیر امور ثلاثہ میں سے کسی ایک سے ہوتا ہے (۱) احتلام یعنی خواب میں صحبت کرنا اور منی کا خارج ہونا (۲) احبال یعنی عورت کے ساتھ وطی کرنا اور اس کو حاملہ کر دینا (۳) انزال۔ ان تینوں میں اصل انزال ہے۔ کیونکہ احتلام بلا انزال غیر معتبر ہے۔ نیز عورت بلا انزال حاملہ نہیں ہوتی تو انزال اصل ٹھہرا۔ اور احبال واحتلام اس کی علامات ہوئیں۔ بلوغ صغیرہ بھی تین امور میں سے ایک ہوتا ہے۔ (۱) حیض (۲) احتلام (۳) حبل یعنی حاملہ ہو جانا اگر ان میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو پھر عمر کا لحاظ ہوگا۔ یعنی جب لڑکا اٹھارہ سال کا اور لڑکی سترہ سال کی ہو جائے تو بالغ ہونے کا حکم لگا دیا جائیگا۔ دلیل یہ آیت ہے۔ ولا تقربو امال الیتیم الابالتی هی احسن حتی یبلغ اشدّه'' اس میں اشد سے مراد بعض کے نزدیک بائیس سال کی عمر ہے اور بعض کے نزدیک تیئس سال کی اور بعض کے نزدیک پچیس سال کی۔ حضرت ابن عباس سے اٹھارہ سال کی عمر منقول ہے۔ امام صاحب نے اسی کو لیا ہے کیونکہ اقل الاقوال ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے۔ البتہ لڑکی چونکہ جلد بالغ ہو جاتی ہے اس لئے اس کے حق میں ایک سال کم کر دیا گیا۔

قوله ویفتی الخ درصورت عدم وجود علامات بلوغ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی دونوں کے بلوغ کی مدت پندرہ سال ہے۔ یہ ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ وجہ فتوی عادت غالبہ ہے کہ اکثر اوقات اتنی مدت میں علامات بلوغ ظاہر ہو جاتی ہیں۔

قوله وادنی المدة الخ لڑکے کے حق میں کمتر مدت جس میں وہ بالغ ہو سکتا ہے۔ بارہ سال ہیں اور لڑکی کے حق میں نو سال پس اگر وہ اتنی مدت میں بلوغ کا دعوی کریں تو ان کا قول مسموع ہوگا اور انکے احکام بالغوں کے احکام ہونگے۔ شرح مجمع میں ہے کہ فقہا کا اس پر اتفاق ہے اگر پانچ سال یا اس سے کم کی لڑکی خون دیکھے تو وہ حیض نہیں ہے اور نو سال یا اس سے زیادہ کی لڑکی خون دیکھے تو حیض ہے۔ اور چھ، سات، آٹھ سال میں اختلاف ہے۔ کافی میں بعض حضرات سے منقول ہے کہ کمتر مدت گیارہ سال ہے۔ (طحطاوی)

کتاب الماذون

اَلاِذْنُ فَکُّ الْحَجرِ وَاِسْقَاطُ الْحَقِّ فَلاَ یَتَوَقَّتُ وَلاَ یَتَخَصَّصُ.

اذن روک کو دور کرنا اور حق کو ساقط کرنا ہے پس یہ نہ کسی وقت کیساتھ مؤقت ہوگا اور نہ کسی شئ کے ساتھ مختص۔

تشریح الفقہ: **قولہ کتاب الخ** کتاب الماذون کو کتاب الحجر کی بعد اس لئے لا رہا ہے کہ اذن سبقت حجر کو چاہتی ہے یعنی مقتضاء اذن یہ ہے کہ جس تصرف سے پہلے روک دیا گیا تھا اب اس کی اجازت دیدی گئی۔

قولہ الاذن الخ اذ ن لغۃً بمعنی اعلام ہے یعنی اطلاع کرنا اور بتا دینا' اکثر کتب فقہیہ میں یہی مذکور ہے۔ لیکن علامہ شمس الدین قاضی زادہ آفندی نے تکملہ فتح میں کہا ہے کہ لغت کی متداول کتابوں میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ اذن لغۃً بمعنی اعلام ہے۔ بلکہ لغت کی کتابوں میں اذن بمعنی اباحت کیلئے جو اعادۃً اعلام لازم ہے یہ حضرات اس سے تعبیر کر دیتے ہیں اور قرین قیاس وہ ہے جو شیخ الاسلام خواہر زادہ نے مبسوط میں ذکر کیا ہے۔ کہ اذن لغۃً ضد حجر ہے' حجر کے معنی منع کرنا اور روکنا ہے اور اذن کے معنی اس منع اور روکنے کو اٹھا دینا ہے۔

قولہ فک الحجر الخ اصطلاح شرح میں اذن فک حجر و اسقاط حق کو کہتے ہیں یعنی بچہ کمسنی کی وجہ سے اور غلام رقیت کی وجہ سے جو ممنوع التصرف تھا ان کو تصرف کی اجازت دیدنا۔ فک حجر سے اطلاق حجر مطلقاً مراد نہیں بلکہ صرف امور تجارت کا اطلاق مراد ہے۔ کیونکہ عبد ماذون کے لئے تبرع اعتاق اور تکفیر بالمال کی اجازت نہیں ہوتی۔ اسقاط حق میں حق سے مراد حق آقا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب آقا نے اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دیدی تو اس کے جس حق کی وجہ سے غلام ممنوع التصرف تھا اس نے اجازت دے کر اپنے اس حق کو ساقط کر دیا۔ ہدایہ' عنایہ' کفایہ وغیرہ سب میں یہی مذکور ہے صاحب تنویر و صاحب اصلاح و ایضاح نے کہا ہے کہ حق سے مراد حق منع ہے نہ کہ صرف حق آقا۔ کیونکہ اس صورت میں اذن صرف غلام کو شامل ہوگا نہ کہ صغیر کو حالانکہ اذن غلام اور صغیر دونوں کو شامل ہے مگر علامہ آفندی نے تکملہ میں کئی وجوہ سے تردید کی ہے۔

قولہ ولا یتوقت الخ اذن کی تعریف مذکور ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے امام زفر' امام شافعی' امام احمد کے نزدیک اذن کا مطلب وکیل کرنا اور نائب بنانا ہے۔ پس اگر آقا نے اذن کو کسی معین وقت یا کسی خاص قسم کی تجارت کے ساتھ مقید کیا ان حضرات کے یہاں تقیید صحیح ہوگی۔ اور غلام اس کے خلاف نہ کر سکیگا۔ ہمارے یہاں صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ انفکاک حجر کے بعد غلام اپنی اہلیت کے سبب سے تصرف کرتا ہے۔ تو اذن اور تصرف نہ کسی وقت کے ساتھ مقید ہوگا اور کسی خاص قسم کی تجارت کے ساتھ مخصوص۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَیَثْبُتُ بِالسُّکُوْتِ اِنْ رَاٰی عَبْدَهٗ یَبِیْعُ وَیَشْتَرِیْ فَاِنْ اَذِنَ عَاماً لاَ بِشِرَاءِ شَئٍ بِعَیْنِهٖ یَبِیْعُ وَیَشْتَرِیْ

اور ثابت ہو جاتا ہے چپ رہنے سے اپنے غلام کو خرید و فروخت کرتے دیکھ کر پس اگر اذن عام دیا نہ کہ کسی خاص چیز کے خریدنے کا تو وہ خرید و فروخت کرے

وَیُوَکِّلُ بِهِمَا وَیُرْهَنُ وَیُرْتَهَنُ وَیَسْتَاجِرُ وَیُضَارِبُ وَیُوْجِرُ نَفْسَهٗ وَیُقِرُّ بِدَیْنٍ وَغَصَبٍ وَوَدِیْعَةٍ وَلاَ یَتَزَوَّجُ

وکیل کرے گروی رکھے رہن لے ٹھیکہ لے مضاربت کرے خود کو اجرت پر دے قرض یا غصب یا امانت کا اقرار کرے لیکن اپنی شادی نہ کرے

وَلاَ یُزَوِّجُ مَمْلُوْکَهٗ وَلاَ یُکَاتِبُ وَلاَ یُعْتِقُ وَلاَیُقْرِضُ وَلاَ یَهِبُ وَیُهْدِیْ طَعَاماً یَسِیْرًا وَیُضِیْفُ مَنْ یُطْعِمُهٗ

اور نہ اپنے مملوک کی شادی کرائے نہ مکاتب کرے نہ آزاد کرے نہ قرض دے نہ ہبہ کرے البتہ تھوڑا کھانا بطور تحفہ دے سکتا ہے اور اس کی دعوت کر سکتا ہے

وَيَحِطُّ مِنَ الثَّمَنِ بِعَيْبٍ وَدَيْنُهٗ مُتَعَلِّقٌ بِرَقَبَتِهٖ يُبَاعُ بِهٖ اِنْ لَّمْ يُفْدِهٖ سَيِّدُهٗ

جو اسے کھلائے اور دام کم کر سکتا ہے عیب کی وجہ سے اور اس کا قرض اس کی ذات سے متعلق ہوگا کہ اس کے عوض میں بیچد یا جائیگا اگر نہ دے اس کی طرف

وَقُسِّمَ ثَمَنُهٗ بِالْحِصَصِ وَمَا بَقِیَ طُوْلِبَ بِهٖ بَعْدَ عِتْقِهٖ وَيَنْحَجِرُ بِحَجْرِهٖ

سے اس کا آقا اور تقسیم کیا جائیگا اس کا ثمن حصوں کے مطابق اور باقی کا مطالبہ اس کی آزادی کے بعد ہوگا اور وہ رک جاتا ہے اس کے روکنے سے

اِنْ عَلِمَ بِهٖ اَكْثَرُ اَهْلِ سُوْقِهٖ وَبِمَوْتِ سَيِّدِهٖ وَجُنُوْنِهٖ وَلُحُوْقِهٖ مُرْتَدًّا وَبِالْاِبَاقِ.

اگر جان لیں اکثر بازار والے اور آقا کے مرجانے دیوانہ ہوجانے مرتد ہوکر دارالحرب چلے جانے سے غلام کے بھاگ جانے سے

ماذون کے احکام کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ ویثبت الخ تصرف کی اجازت جس طرح نطق صریح سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح دلالت حال سے بھی ثابت ہوجاتی ہے مثلاً آقا نے اپنے غلام کو خرید وفروخت کرتے دیکھا اور خاموش رہا تو یہ اس کی طرف سے اجازت ہے غلام ماذون فی التجارۃ ہوجائیگا آقا کا مال بیچا ہو یا کسی اجنبی کا۔ بیع صحیح کی ہو یا بیع فاسد (ہدایہ، عنایہ، زیلعی، ملتقی، شرنبلالیہ) البتہ ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کے یہاں سکوت مذکور سے اجازت ثابت نہیں ہوتی۔

قولہ فان اذن الخ اگر آقا نے غلام کو عام اجازت دی یا کسی معین چیز یا کسی خاص تجارت کے ساتھ مقید نہیں کیا مثلاً یوں کہا کہ میں نے تجھے تجارت کی اجازت دی تو غلام ہر قسم کی تجارت کا مجاز ہوگا۔ یعنی اس کے لئے خریدنا، فروخت کرنا، وکیل بنانا، رہن لینا، رہن رکھنا، اجرت پر لینا، مضاربت کرنا، دین یا غصب، یا ودیعت کا اقرار کرنا غرض تمام تصرفات جائز ہیں کیونکہ اذن مطلق ہے جو جملہ انواع تجارت ولوازم تجارت کو شامل ہے۔ نیز ہمارے نزدیک وہ خود کو اجرت پر بھی دے سکتا ہے کیونکہ اجارہ بھی از قبیل تجارت ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی اجازت نہیں ہے اور اگر آقا نے کسی خاص نوع کی تجارت کی اجازت دی تب بھی ہمارے نزدیک وہ جمیع انواع تجارت کا مجاز ہوگا۔ امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک صرف اسی نوع میں ماذون ہوگا جس کی اجازت دی ہے کیونکہ ان کے یہاں اذن انابت وتوکیل ہے تو جس چیز کے ساتھ آقا نے خاص کیا ہے اسی کے ساتھ خاص ہوگا۔ ہمارے یہاں اذن فک حجر واسقاط حق ہے جس کی تحقیق شروع میں گزر چکی لہٰذا اجازت کسی خاص نوع کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی۔

قولہ و دینہ متعلق الخ عبد ماذون پر جو دین تجارت کے سبب سے واجب ہوا ہو جیسے بیع وشراء اور اجارہ واستیجار وغیرہ یا ایسے سبب سے واجب ہوا ہو جو تجارت کے معنی میں ہے جیسے ودیعت کا تاوان اور اس غصب اور امانت کا تاوان جن کا ماذون انکار کر چکا ہو۔ اور وہ مہر جو استحقاق کے بعد خریدی ہوئی باندی کے ساتھ وطی کرنے سے واجب ہوا ہو ہر ایسا دین عبد ماذون کی ذات سے متعلق ہوگا اور اس کو ایسے دین کے سلسلے میں فروخت کر دیا جائیگا تا کہ قرض خواہ کا نقصان نہ ہو اور اس کا ثمن قرض خواہوں کے درمیان حصہ رسد تقسیم کر دیا جائیگا۔ ہاں اگر آقا نے اس کا دین ادا کر دیا ہو تو فروخت نہیں کیا جائے گا۔

قولہ وینحجر الخ اگر آقا نے عبد ماذون کو ممنوع التصرف قرار دے دیا تو غلام محجور ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اس کو اور اکثر بازار والوں کو اس کا علم ہو گیا ہو تا کہ عبد ماذون کے ساتھ معاملہ کنندگان کا ضرر لازم نہ آئے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بازار والوں کو معلوم ہونا ضروری نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر علم حاصل کئے بغیر عبد ماذون کو محجور قرار دیا جائے تو وہ حجر کے بعد جو تصرف کرے گا اس کے دین کی ادائیگی آزادی کے بعد لازم ہوگی۔ گویا معاملہ کنندگان کا حق مؤخر ہو جائے گا جس میں ان کا نقصان ہے۔

قولہ وبموت الخ اگر عبد ماذون کا مالک مرجائے یا دائمی مجنون ہو جائے، یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تب بھی عبد ماذون محجور ہو جائے گا خواہ غلام کو ان امور کا علم ہو گیا ہو یا نہ ہو وجہ یہ ہے کہ اذن غیر لازم تصرف ہے۔ تو اس کی بقا کا بھی وہی حکم ہوگا جو ابتدا کا ہے تو جس طرح ابتداءً اہلیت اذن کا ہونا ضروری ہے اسی طرح بقاءً بھی اس کا ہونا ضروری ہوگا اور امور مذکورہ سے اہلیت اذن معدوم ہو گئی لہٰذا غلام محجور ہو جائے گا۔

قولہ وبالا باق الخ اگر عبد ماذون بھاگ جائے تو بھاگ جانیکی وجہ سے بھی وہ محجور ہو جائے گا خواہ بازار والوں کو اس کا علم ہو یا نہ ہو امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محجور نہ ہوگا۔ کیونکہ اباق ابتداء اذن کے منافی نہیں تو بقاءِ اذن کے بھی منافی نہ ہوگا اور وجہ یہ ہے کہ صحت اذن ملک مولی اور اس کی رائے کے اعتبار سے ہوتی ہے اور غلام کے بھاگنے سے ملک مولی اور اس کی رائے میں کوئی فتور نہیں آیا لہٰذا بھاگ جانے سے محجور نہ ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ غلام کا بھاگ جانا دلالۃً حجر ہے۔ کیونکہ آقا اپنے سرکش اور نافرمان غلام کے تصرفات سے عادۃً راضی نہیں ہوتا۔ والحجر مما یثبت بالدلالۃ۔

وَالاسْتِيلَادِ لاَ بِالتَّدْبِيرِ وَضَمِنَ بِهِمَا قِيمَتَهُمَا لِلْغُرَمَاءِ وَاِنْ اَقَرَّ بَعْدَ حَجْرِهٖ بِمَا

اور باندی کو ام ولد بنالینے سے نہ کہ مدبر کرنے سے اور ضامن ہوگا ان کی وجہ سے ان کی قیمت کا قرضخواہوں کے لئے اگر اقرار کیا حجر کے بعد اس مال کا

فِيْ يَدِهٖ صَحَّ وَلَمْ يَمْلِكْ سَيِّدُهٗ مَا فِي يَدِهٖ لَوْاَحَاطَ دَيْنُهٗ بِمَالِهٖ وَرَقَبَتِهٖ

جو اس کے پاس ہے تو صحیح ہے اور مالک نہ ہوگا اس کا آقا اس مال کا جو اس کے پاس ہے اگر محیط ہو اس کا قرض اس کے مال اور اس کی ذات کو پس باطل

فَيَبْطُلُ تَحْرِيْرُهٗ عَبْداً مِنْ كَسْبِهٖ وَاِنْ لَمْ يُحِطْ صَحَّ وَلَمْ يَصِحَّ بَيْعُهٗ مِنْ سَيِّدِهٖ اِلاَّ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ

ہوگا آقا کا اس غلام کو آزاد کرنا جو عبد ماذون کی کمائی سے ہو اور اگر دین محیط نہ ہو تو صحیح ہے اور صحیح نہیں بیچنا عبد ماذون کا اپنے آقا کے ہاتھ مگر مثل قیمت

وَاِنْ بَاعَ سَيِّدُهٗ مِنْهُ بِمِثْلِ قِيمَتِهٖ اَوْ اَقَلَّ صَحَّ وَبَطَلَ الثَّمَنُ لَوْ سَلِمَ قَبْلَ قَبْضِهٖ

کیساتھ اور اگر بیچا آقا نے عبد ماذون کے ہاتھ مثل قیمت یا اس سے کم میں تو صحیح ہے اور باطل ہو جائیگا ثمن اگر حوالے کردی مبیع قبضہ سے پیشتر ہاں وہ روک

وَلَهٗ حَبْسُ الْمَبِيعِ بِالثَّمَنِ وَصَحَّ اِعْتَاقُهٗ وَضَمِنَ قِيمَتَهٗ لِغُرَمَائِهٖ وَطُوْلِبَ مَابَقِيَ بَعْدَ عِتْقِهٖ

سکتا ہے مبیع کو ثمن کی وجہ سے صحیح ہے عبد ماذون کو آزاد کرنا اور ضامن ہوگا اس کی قیمت کا قرضخواہوں کیلئے اور مطالبہ ہوگا باقی قرض کا اسکی آزادی کے بعد

فَاِنْ بَاعَهٗ سَيِّدُهٗ وَغَيَّبَهُ الْمُشْتَرِيْ ضَمَّنَ الْغُرَمَاءُ الْبَائِعَ قِيمَتَهٗ فَاِنْ رُدَّ عَلَيْهِ بِعَيْبٍ

اگر بیچد یا عبد ماذون کو اس کے آقا نے اور مشتری نے اس کو غائب کردیا تو لے لیں قرضخواہ بائع سے اس کی قیمت پھر اگر وہ واپس کردیا گیا عیب کی وجہ سے

رَجَعَ بِقِيمَتِهٖ وَحَقُّ الْغُرَمَاءِ فِي الْعَبْدِ اَوْ مُشْتَرِيْهِ اَوْ اَجَازُوْا الْبَيْعَ وَاَخَذُوْا الثَّمَنَ فَاِنْ بَاعَ سَيِّدُهٗ

تو واپس لے لیگا بائع اس کی قیمت اور قرضخواہوں کا حق غلام سے متعلق رہے گا یا مشتری سے لے لیں یا بیع کو جائز رکھیں اور ثمن لے لیں اگر بیچا اس کے

وَاَعْلَمَ بِالدَّيْنِ فَلِلْغُرَمَاءِ رَدُّ الْبَيْعِ فَاِنْ غَابَ الْبَائِعُ فَالْمُشْتَرِيْ لَيْسَ بِخَصْمٍ لَهُمْ وَمَنْ قَدِمَ مِصْرًا

آقا نے قرض جتا کر تو قرضخواہوں کو حق ہے بیع فسخ کردینے کا اور اگر غائب ہو گیا بائع تو مشتری مدعی علیہ نہ رہے گا قرضخواہوں کا ایک غلام شہر میں

عہ ......وعند الائمة الثلاثه لا ينفذ تصرف الصبي باذن وليه لقوله تعالیٰ ولاتؤتو االسفهاء اموالكم اه ولنا قوله تعالیٰ وابتلو االيتمی حتی اذابلغو االنكاح امر بالابتلاء و هوا لا متحان وذلک بالا ذن فی التجارة ۱۲.

وَقَالَ اَنَا عَبْدُ زَيْدٍ فَاشْتَرٰى وَبَاعَ لَزِمَهٗ كُلُّ شَيْءٍ مِنَ التِّجَارَةِ وَلاَ يُبَاعُ حَتّٰى يَحْضُرَ سَيِّدُهٗ

آ کر بولا کہ میں زید کا غلام ہوں پھر اس نے خرید وفروخت کی تو لازم ہو جائیگی اس پر ہر چیز تجارت کی مگر بیچا نہ جائیگا یہاں تک کہ اس کا مالک آجائے

فَاِنْ حَضَرَ وَاَقَرَّ بِاِذْنِهٖ بِيْعَ وَاِلَّا لاَ وَاِنْ اَذِنَ لِلصَّبِيِّ وَالْمَعْتُوْهِ

اگر وہ آکر اقرار کرلے اجازت دینے کا تو بیچدیا جائیگا ورنہ نہیں اگر اجازت دیدی بچہ یا کم عقلے کو

الَّذِيْ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَلِيُّهٗ فَهُوَ فِي الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ كَالْعَبْدِ الْمَاذُوْنِ.

جو خرید و فروخت کو سمجھتا ہو اس کے ولی نے تو وہ خرید وفروخت میں عبد ماذون کا سا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ والا ستیلا دالخ ایک باندی ماذونہ تھی آقا سے اس نے وطی کی اور اس سے بچہ ہوا آقا نے بچہ کا دعوی کیا تو باندی اسکی ام ولد ہوگئی۔ اب وہ استیلاد کیوجہ سے مجور التصرف ہو جائے گی مگر دلالۃً۔ امام زفر اور ائمۃ ثلاثہ کے نزدیک مجورنہ ہوگی۔ کیونکہ استیلاد ابتداء اذن کے منافی نہیں۔ کیونکہ آقا اپنی ام ولد کو تجارت کی اجازت دے سکتا ہے۔ تو بقاءً بطریق اولیٰ منافی نہ ہوگی ہم یہ کہتے ہیں کہ ام ولد عادۃً پردہ میں رہتی ہے۔ اور خرید وفروخت کے سلسلے میں مالک اس کے نکلنے اور لوگوں کے ساتھ اختلاط کرنے سے راضی نہیں ہوتا تو یہ اس کے مجور ہونے کی دیل ہے۔ ہاں اگر استیلاد کے بعد اذن تجارت کی تصریح کردے تو حجر ثابت نہ ہوگا کیونکہ صراحت دلالت سے قوی تر ہے۔ اور اگر آقا نے ماذونہ باندی کو مدبر کردیا تو تدبیر سے حجر ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ مدبرہ کو پردہ میں رکھنے کی عادت نہیں ہے۔

قولہ وضمن بھا الخ ایک باندی ماذونہ ہے۔ اور اس پر اس کی قیمت کے برابر لوگوں کا دین ہے مالک نے اس کو ام ولد یا مدبر کردیا۔ تو مالک اس کی قیمت کا تاوان دیگا۔ کیونکہ قرض خواہوں کا حق باندی کی ذات سے متعلق ہو چکا۔ اور وہ اس کو فروخت کرا کر وصول کرسکتے تھے۔ اور جب مالک نے ام اولد یا مدبر کردیا تو استیفاء حق متعذر ہو گیا۔ کیونکہ ام ولد اور مدبرہ کی بیع درست نہیں پس مالک نے استیلاد اور تدبیر کے ذریعہ سے ان کا محل حق تلف کردیا لہٰذا قیمت کا ضامن ہوگا۔ لیکن اگر دین قیمت سے زیادہ ہو تو اس کا مطالبہ آزادی کے بعد ہوگا۔ وعند الائمۃ الثلاثہ لایضمن شیئاً۔

قولہ وان اقر الخ عبد ماذون نے مجور ہونیکے بعد اقرار کیا کہ میرے پاس جو کچھ ہے۔ یہ فلاں کی امانت ہے یا مغصوب ہے یا دین ہے تو امام صاحب کے نزدیک اسکا اقرار استحساناً صحیح ہے۔ پس وہ اپنے مقبوضہ مال سے دین وغیرہ ادا کریگا۔ صاحبین کے نزدیک اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اقرار صحیح نہیں۔ مقتضاء قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ اقرار کا صحیح ہونا تجارت کی اجازت کی وجہ سے تھا اور وہ حجر کی وجہ سے زائل ہو چکی۔ نیز اپنی کمائی پر جو غلام کا قبضہ تھا وہ بھی حجر کی وجہ سے زائل ہو چکا کیونکہ مجور کا قبضہ معتبر نہیں ہوتا۔ پس اقرار صحیح نہ ہوگا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ صحت اقرار کا مدار حقیقت قبضہ پر ہے۔ اور اسکا قبضہ بہر صورت باقی ہے حقیقتہً بھی اور حکماً بھی لہذا اقرار صحیح ہے۔

قولہ ولم یملک الخ عبد ماذون کے ذمہ لوگوں کا اتنا قرض ہے کہ وہ اسکے مال اور اسکی ذات کو محیط ہے۔ تو ایسی صورت میں جو مال اسکے پاس ہو آقا اسکا مالک نہیں ہوتا۔ پس اگر عبد ماذون کی کمائی میں کوئی غلام ہو اور آقا اسکو آزاد کردے تو آزاد نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہیکہ آقا اپنے تاجر غلام کی کمائی کا مالک بطریق خلافت اس وقت ہوتا ہے۔ جب وہ مال غلام کی ضرورت سے فارغ ہو اور جس مال کو دین محیط ہے وہ اسکی حاجت میں مشغول ہے۔ تو آقا اس مال میں خلیفہ نہ ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک آقا عبد ماذون کے مال کا مالک ہوتا ہے۔ تو اسکے آزاد کرنے سے غلام مذکور آزاد ہو جائے گا۔ اور آقا پر اسکی قیمت لازم ہوگی۔ اور اگر وہ مالدار ہو اور تنگ دست ہو تو ماذون کے قرضخواہ آزاد غلام سے تاوان لے سکتے ہیں وہ پھر آقا سے لے لے گا۔ اور اگر عبد ماذون کا دین اسکے مال اور اسکی ذات کو محیط نہ ہو تو آقا کا

ماذون کے غلام کو آزاد کرنا بالاجماع صحیح ہے۔

قولہ وصح اعتاقہ الخ آقا اپنے مدیون ماذون غلام کو آزاد کرا سکتا ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اس میں آقا کی ملک باقی ہے۔ (اختلاف تو اسکی کمائی میں ہے جبکہ دین اسکے مال اور اسکی ذات کو محیط ہو جسکی تفصیل اوپر گزر چکی) اب آزاد کرنے کی صورت میں آقا اسکے قرضخواہوں کو غلام کی قیمت کا تاوان دیگا۔ کیونکہ انکا حق اسکی ذات سے متعلق ہے۔ اور آقا نے اسکی ذات کو آزاد کر دیا۔ لہذا قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر ادائیگی دین کے لئے قیمت کافی نہ ہو تو باقی دین کا مطالبہ **غلام** سے ہوگا۔

قولہ فان باعہ الخ آقا نے اپنے عبد ماذون کو فروخت کیا جس پر دین محیط تھا اور مشتری نے قبضہ کرنے کے بعد غلام کو غائب کر دیا تو قرض خواہوں کو تین اختیارات ہوں گے۔ اول یہ کہ وہ بائع سے اس کی قیمت کا تاوان لے کیونکہ اس کی طرف سے تعدی پائی گئی۔ کہ اس نے غلام فروخت کر کے ان کے حق کو تلف کر دیا۔ اب اگر قرض خواہوں نے بائع سے تاوان لے لیا اس کے بعد غلام عیب کی وجہ سے واپس کر دیا گیا تو بائع قرض خواہوں سے قیمت واپس لے لے گا کیونکہ فروخت کرنا جو بائع کے تاوان کا سبب تھا وہ زائل ہو گیا پس قرض خواہوں کا حق حسب سابق غلام مذکور ہی سے متعلق رہے گا۔ دوسرا اختیار یہ ہے کہ وہ مشتری مغیب سے تاوان لے۔ کیونکہ اس کی طرف سے بھی تعدی پائی گئی کہ اس نے غلام پر قبضہ کیا پھر اس کو غائب کر ڈالا تیسرا اختیار یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو بیع کو جائز رکھے اور غلام کا ثمن وصول کر لے۔

قولہ فان باع الخ آقا نے دین جتا کر عبد ماذون کی بیع کی اور مشتری کو دین کا اقرار ہے تو قرض خواہوں کو رد بیع میں اختیار ہے۔ اس واسطے کہ انکا حق غلام سے متعلق ہے کہ وہ چاہے غلام سے سعایت کرالیں چاہے اس کی ذات سے وصول کر لیں۔ اور جب آقا نے اس کو فروخت کر دیا تو یہ چیز فوت ہوگی لہذا ان کو رد بیع میں اختیار ہے مگر یہ اس وقت ہے جب غلام کا ثمن قرضخواہوں کے پاس نہ پہونچا ہو ورنہ اختیار نہ ہوگا کیونکہ ان کا ثمن پر قبضہ کرنا بیع سے راضی ہونے کی دلیل ہے۔ پھر اگر بائع (آقا) عبد ماذون کو فروخت کر کے غائب ہو جائے اور مشتری اس پر قبضہ کر چکا ہو تو اور اس کے مدیون ہونے کا منکر ہو تو طرفین کے نزدیک مشتری اور قرض خواہوں کے درمیان مخاصمہ نہ ہوگا اور اگر وہ اس کے مدیون ہونے کا مقر ہو تو بے شک وہ خصم ہوگا۔ جیسا کے مذکور ہو چکا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

کتاب الغصب

هُوَاِزَالَةُ الْيَدِ الْمُحِقَّةِ بِاِثْبَاتِ الْيَدِ الْمُبْطِلَةِ فَالاِسْتِخْدَامُ وَحَمْلُ الدَّابَّةِ غَصَبٌ لاَالْجُلُوْسُ عَلٰى الْبِسَاطِ

وہ زائل کرنا ہے سچے قبضہ کو غلط قبضہ جمالینے کے ساتھ پس خدمت لینا اور سواری پر بوجھ لادنا غصب ہے نہ کہ فرش پر بیٹھنا

وَيَجِبُ رَدُّ عَيْنِهٖ فِي مَكَانِ غَصَبِهٖ اَوْ مِثْلِهٖ اِنْ هَلَكَ وَهُوَ مِثْلِيٌّ وَاِنْ اِنْصَرَمَ الْمِثْلُ

اور واجب ہے بعینہ اس شئ کو واپس کرنا غصب کی جگہ میں یا اس جیسی کو اگر وہ ہلاک ہوگئی ہو اور مثلی ہو اور اگر اس جیسی چیز کا ملنا بند ہوگیا ہو

فَقِيْمَتُهٗ يَوْمَ الْخُصُوْمَةِ وَمَا لاَ مِثْلَ لَهٗ فَقِيْمَتُهٗ يَوْمَ غَصَبِهٖ.

تو خصومت کے دن کی قیمت واجب ہے اور جس کا مثل نہیں ہے اس کی قیمت واجب ہے غصب کے دن کی۔

تشریح الفقہ: **قوله كتاب الخ** جس طرح نفاذ تصرف عبد ماذون اذن سے ہوتا ہے اسی طرح نفاذ تصرف غاصب بھی اذن سے ہوتا ہے فرق یہ ہے کہ نفاذ تصرف غاصب اذن لاحق سے ہوتا ہے اور نفاذ تصرف عبد ماذون اذن سابق سے ہوتا ہے اس لئے کتاب ماذون کے بعد کتاب الغصب لا رہا ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ عبد ماذون دوسرے کے مال میں شرعی اجازت سے تصرف کرتا ہے اور غاصب بلا اجازت شرعی تو ان دونوں میں مناسبت مقابلہ ہے مگر مصنف نے کتاب ماذون کو مقدم کیا ہے اور کتاب الغصب کو مؤخر اس لئے کہ اول مشروع ہے اور ثانی غیر مشروع۔

قوله هو ازالة الخ غصب لغت میں کسی چیز کو زبردستی لے لینا ہے خواہ وہ چیز مال ہو یا غیر مال یا یقال **غصب زوجة فلان وخمر فلان**' اصطلاح شرع میں غصب کی تعریف یہ ہے کہ'' **هوا زالة اليد المحقة باثبات اليد المبطلة**'' غصب حق دار کا قبضہ دور کر دینا اور ناحق قبضہ کر لینا ہے مصنف نے یہی ذکر کیا ہے مگر یہ تعریف نہیں بالکل صرف حقیقت غصب کی طرف اشارہ ہے پوری تعریف یہ ہے'' **هوازالة اليدالمحقة او تقصيره بفعل باثبات اليد المبطلة فی مال متقوم محترم قابل للنقل بلااذن من له الاذن علی سبيل المجاهرة**' یعنی غصب محقق قبضہ کو بے واسطہ فعل بطریق اعلانیہ مختار اذن کی اجازت کے بغیر زائل یا ناقص کر دینا ہے۔ ناحق قبضہ جمالینے کے ساتھ ایسے قیمتی اور محترم مال میں جو منتقل کیا جا سکتا ہو تعریف میں لفظ ازالہ عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً۔ حکماً کی مثال جیسے مودع کا قبل از نقل ودیعت کا انکار کر دینا کہ انکار سے پہلے مودع کا قبضہ ہوتا ہے اور جب مودع نے ودیعت کا انکار کر دیا تو مالک کا قبضہ حکماً زائل ہوگیا غصب میں چونکہ ازالہ ید کا اعتبار ہے اس لئے زوائد مغصوب مضمون نہ ہونگے کیونکہ ان میں ازالہ ید نہیں ہوتا (وسیأتی) اور تقصیر کی قید سے تعریف میں شمولیت آگئی یعنی اگر کوئی شخص مستاجر یا مرتہن یا مودع سے مال چھین لے تو یہاں گو مال کے قبضہ کا ازالہ نہیں ہے کیونکہ غصب کے وقت وہ مال مالک کے قبضہ میں ہے ہی نہیں لیکن تقصیر قبضہ موجود ہے لہٰذا یہ صورت بھی غصب میں داخل ہے بفعل کی قید سے دوسرے کے بستر پر بیٹھنا خارج ہوگیا **فان الازالةموجودة فيه لكن لا يفعل فی العين** مال کی قید سے مردار اور آزاد شخص خارج ہوگیا۔ کہ ان میں غصب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ مال نہیں متقوم کی قید سے مسلمان کی شراب نکل گئی کیونکہ یہ مسلمان کے حق میں قیمتی اور مباح الاستعمال نہیں ہے محترم کی قید سے حربی کافر کا مال خارج ہوگیا کیونکہ اس کا مال محترم نہیں قابل للنقل سے غیر منقول چیزیں زمین وغیرہ نکل گئی۔ کہ ان میں شیخین کے نزدیک غصب ثابت نہیں ہوتا۔ بالا اذن من لہ الاذن کے ذریعہ ودیعت اور عاریت سے احتراز ہوگیا کیونکہ ان میں گو قابل نقل مال متقوم سے محقق قبضہ کا ازالہ ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ مالک کی اجازت سے ہوتا ہے اس لئے غصب میں داخل نہیں نیز یہ وقف کو بھی شامل ہے اس لئے کہ مال وقف گو کسی کا مملوک نہیں ہوتا لیکن اتلاف کی صورت میں لازم

ضمان ہوتا ہے۔علی سبیل المجاہرۃ سے سرقہ نکل گیا کیونکہ سرقہ میں ازلہ ید خفیۃً ہوتا ہے اور غصب بطریق علانیہ۔

فائدہ: بعض حضرات کے یہاں غصب صرف ازالہ ید محققہ کا نام ہے تو اگر کسی کے ہاتھ میں موتی ہو اور کوئی ہاتھ مار کر دریا میں گرادے تو تاوان لازم ہے حالانکہ اثبات ید نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف اثبات ید مبطلہ کا نام ہے۔پس ان کے نزدیک زوائد مغصوب یعنی مغصوب باغ د پھل تلف کرنے سے تاوان لازم ہوگا کیونکہ اثبات ید موجود ہے۔اور ہمارے یہاں تاوان نہ ہوگا کیونکہ ازالہ ید مفقود ہے۔

قوله فالا ستحذام الخ غصب کی تعریف مذکور پر متفرع ہے یعنی چونکہ غصب کی حقیقت حق دار کا قبضہ دور کر دینا اور ناحق قبضہ کر لینا ہے۔تو غیر کے غلام سے خدمت لینا اور غیر کے جانور پر بوجھ لادنا غصب ہوگا کیونکہ خدمت لینے والے اور بوجھ لادنے والے کا قبضہ تصرف ثابت ہے۔جس کے لئے ازالہ ید مالک ضروری ہے۔لیکن دوسرے کے بستر پر بیٹھنا غصب نہ ہوگا کیونکہ بستر بچھانا مالک کا فعل ہے اور استعمال میں اس کا اثر باقی ہے اور جس کے فعل کا اثر باقی ہو اس کا قبضہ باقی رہتا ہے تو ازالہ ید مالک نہ پایا گیا۔

قوله ویجب رد عینه الخ یہاں سے غصب کا حکم بیان کر رہا ہے غصب کا حکم یہ ہے کہ اگر شئی مغصوب بعینہ باقی ہو اس تو واپس کرنا ضروری ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے **علی الید مااخذت حتی تودیٔ**''نیز جہاں سے غاصب نے اسکو غصب کیا تھا وہیں واپس کرنا ضروری ہے کیونکہ امکنہ کے اختلاف سے قیمتیں مختلف ہوتی ہیں اگر شئی مغصوب ہلاک ہوگئی ہو اور وہ مثلی ہو یعنی کیلی یا وزنی ہو تو مثل مغصوب واپس کرنا ضروری ہے۔ لقوله قوله تعالیٰ **فمن اعتدی علیکم فاعتدو اعلیه بمثل ما اعتدی** اور اگر اس کا مثل منقطع ہوگیا ہو یعنی وہ بازار میں نہ پایا جاتا ہو تو اس کی قیمت واجب ہے جس میں امام صاحب کے نزدیک خصومت کے دن کا اعتبار ہے۔ یعنی جس دن حاکم کا حکم ہوا ہو اس دن کی قیمت دینا واجب ہے امام ابو یوسف کے نزدیک غصب کے دن کی قیمت واجب ہے اور امام محمد کے نزدیک اس دن کی قیمت واجب ہے۔جس دن اس کا مثل منقطع ہوا ہے امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ جب اس کا مثل منقطع ہوگیا تو وہ شئی غیر مثلی اشیا کے ساتھ لاحق ہوگئی لہٰذا انعقاد سبب کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ غاصب کے ذمہ اس کا مثل واجب ہے اور انقطاع کی وجہ سے وہ مثل قیمت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے تو انقطاع کے دن کی قیمت معتبر ہوگی۔امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مثل واجب کا قیمت کی طرف منتقل ہونا صرف انقطاع مثل کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ قضاء قاضی کیوجہ سے ہوتا ہے پس خصومت کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔خزانہ میں امام صاحب کے قول کو اصح کہا ہے۔اور شرح وقایہ میں امام ابو یوسف کے قول کو اعدل اور نہایہ میں اس کو مختار کہا ہے۔اور ذخیرۃ الفتاوی میں امام محمد کے قول کو مفتی بہ کہا ہے۔(طحطاوی)

فَاِنْ ادَّعیٰ هلاکَهٗ حَبَسَهُ الْحَاکِمُ حَتّٰی یَعْلَمَ اَنَّهٗ لَوْبَقِیَ لَاَظْهَرَهٗ ثُمَّ قَضٰی عَلَیْهِ بِبَدَلِهٖ

اگر دعوی کرے اس کے ہلاک ہونے کا تو قید کرلے اس کو حاکم یہاں تک کہ معلوم ہوجائے کہ اگر باقی ہوتی تو ظاہر کر دیتا پھر اس کے بدل کا حکم کردے

وَالْغَصَبُ فِیْمَا یُنْقَلُ فَاِنْ غَصَبَ عِقَارًا وَهَلَکَ فِیْ یَدِهٖ لَمْ یَضْمَنْهُ وَمَا نَقَصَ بِسُکْنَاهُ

غصب مال منقول میں ہوتا ہے سو اگر زمین غصب کی اور وہ اس کے پاس سے جاتی رہی تو ضامن نہ ہوگا اور جو ناقص ہوجائے اس کے رہنے

وَزِرَاعَتِهٖ ضَمِنَ النُّقْصَانَ کَمَا فِیْ النَّقْلِیِّ وَاِنْ اسْتَغَلَّهٗ تَصَدَّقَ بِالْغَلَّةِ کَمَا لَوْ تَصَرَّفَ فِی الْمَغْصُوْبِ

یا کاشت کرنے سے تو ضامن ہوگا نقصان کا جیسے منقولی چیز میں ہوتا ہے اگر زمین سے غلہ حاصل کیا تو اس کو خیرات کردے جیسا کہ اس نے مغصوب

عہ...... سنن اربعہ' احمد 'طبرانی' حاکم' ابن ابی شیبه عن سمره ۱۲ .

وَالْوَدِيعَةِ وَرِبح وَمَلَكَ بِلاَ حَلَّ اِنْتِفَاعٍ قَبْلَ اَدَاءِ الضَّمَانِ بِشَيءٍ وَطَبْخٍ وَطَحْنٍ وَزَرْعٍ وَاتِّخَاذِ سَيْفٍ

اور واجب میں تصرف کر کے نفع حاصل کرلیا اور مالک ہوجاتا ہے بدون حلت انتفاع اداء ضمان سے پیشتر بھوننے پکانے پیسنے بونے تلوار بنانے

اَوْ اِنَاءٍ بِغَيْرِ الْحَجَرَيْنِ وَبِنَاءٍ عَلٰى سَاجَةٍ وَلَوْ ذَبَحَ شَاةً اَوْ خَرَقَ ثَوْباً فَاحِشاً

سونے چاندی کے علاوہ تانبے وغیرہ کا برتن بنانے سال کی لکڑی پر عمارت بنانے سے اگر غاصب نے بکری ذبح کرڈالی یا کپڑا بہت سا پھاڑ ڈالا

ضَمِنَ الْقِيمَةَ وَسَلِمَ الْمَغْصُوبَ اِلَيْهِ اَوْ ضَمَّنَ النُّقْصَانَ وَفِي الْخَرْقِ الْيَسِيرِ ضَمَّنَ نُقْصَانَهُ وَلَوْ غَرَسَ

تو مالک قیمت کا ضمان لے لے اور شئی مغصوب اس کو دیدے یا نقصان کا ضمان لے لے اور تھوڑی پھٹن میں ضمان لے نقصان کا اگر درخت لگائے

اَوْ بَنٰى فِي اَرْضِ الْغَيْرِ قُلِعَا وَرُدَّتْ وَاِنْ نَقَصَتِ الْاَرْضُ بِالْقَلْعِ ضَمِنَ لَهُ

یا عمارت بنائی دوسرے کی زمین میں تو اکھاڑ کر زمین واپس کردی جائیگی اور اگر ناقص ہوجاتی ہو زمین اکھاڑنے سے تو ضامن ہوگا مالک غاصب کے لئے

الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ مَقْلُوعاً فَيَكُوْنُ لَهُ وَاِنْ صَبَغَ اَوْ لَتَّ السَّوِيْقَ بِسَمْنٍ ضَمَّنَهُ قِيمَةَ ثَوْبٍ اَبْيَضَ وَمِثْلَ السَّوِيْقِ

اکھڑی ہوئی عمارت اور درخت کی قیمت کا اگر کپڑا رنگ لیا یا ستو میں گھی ملالیا تو مالک ضمان لے لے غاصب سے سفید کپڑے یا نرے ستو کی قیمت کا

وَاَخَذَهُمَا وَغَرِمَ مَازَادَ الصَّبْغُ وَالسَّمْنُ.

یا کپڑا اور ستو خود لے لے اور جو رنگ اور گھی سے قیمت زیادہ ہوتی ہے وہ غاصب کو دیدے۔

تشریح الفقہ : قولہ والغصب الخ شیخین کے نزدیک غصب کا تحقق صرف اشیا منقولہ میں ہوتا ہے پس اگر زید نے کسی کی زمین پر قبضہ کرلیا اور وہ اس کے پاس کسی آفت سماویہ سے ہلاک ہوگئی مثلاً سیلاب کے غلبہ سے ڈوب گئی تو زید پر ضمان نہ ہوگا امام محمد کے نزدیک چونکہ غصب کا تحقق غیر منقول میں بھی ہوتا ہے اس لئے ان کے یہاں ضمان ہوگا۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ بھی یہی فرماتے ہیں امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب زید نے دوسرے کی زمین لے کر قبضہ کرلیا تو لامحالہ مالک کا قبضہ زائل ہوگیا کیونکہ بحالت واحدہ ایک محل پر دو قبضوں کا جمع ہونا محال ہے۔ پس ازالہ ید محققہ اور اثبات ید مبطلہ پایا گیا لہٰذا ضامن ہوگا نیز حدیث میں ہے کہ۔ "جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین غصب کرے گا حق تعالیٰ قیامت کے روز اس کی گردن میں سات طبق زمین کا طوق ڈالیگا" شیخین یہ فرماتے ہیں کہ غصب کے لئے ازالہ ید محققہ اور اثبات ید مبطلہ کے ساتھ ساتھ عین مغصوب میں غاصب کا تصرف بھی ضروری ہے اور یہ چیز زمین میں متصور نہیں کیونکہ ازالہ ید مالک کی صورت یہی ہے کہ اس کو زمین سے نکال دیا جائے اور ظاہر ہے کہ نکالنا تصرف فی المالک ہے نہ کہ تصرف فی المغصوب رہی حدیث مذکور سو اس میں زمین پر لفظ غصب کا اطلاق مجازاً ہے جیسے حدیث "من باع حرا" میں بیع حر کے لئے لفظ بیع بولا گیا ہے والا لزم تحقق البیع فی الحر" بزازیہ میں شیخین کے قول کی تصریح ہے لیکن عینی شرح کنز منح، فتاویٰ ظہیریہ وغیرہ میں ہے کہ باب وقف میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔

قولہ وان استغلہ الخ اگر غاصب نے مغصوب سے کوئی منفعت حاصل کی مثلاً مغصوب غلام تھا غاصب نے اس کو مزدوری پر دے دیا اور استعمال کی وجہ سے اس میں نقص آ گیا تو نقصان کا ضمان دے اور ضمان کے بعد جو کچھ نفع باقی رہے اس کو خیرات کردے اسی طرح عین مغصوب یا ودیعت میں کوئی تصرف کیا مثلاً اس کو بیچ ڈالا اور اس میں نفع حاصل ہوا تو منفعت خیرات کردے (جب کہ مغصوب اور ودیعت ایسی شئی ہو جو اشارے سے متعین ہوجاتی ہو یعنی از قسم اسباب ہو) یہ طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسف کے نزدیک تصدق

واجب نہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ غاصب کو جو نفع حاصل ہوا ہے وہ اس کے ضمان اور اس کی ملک میں حاصل ہوا ہے حصول فی الضمان تو ظاہر ہے۔ کیونکہ شئی مغصوب اس کے ضمان میں داخل ہوگئی اور حصول فی الملک اس لئے ہے کہ ادائیگی ضمان کے بعد مضمون مملوک ہو جاتی ہے اور ملک وقت غصب کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ اور جب نفع اس کی ملک میں حاصل ہوا ہے تو تصدق واجب نہیں ہے طرفین یہ فرماتے ہیں کہ نفع گو اس کی ملک میں حاصل ہوا ہے لیکن اس کا حصول سبب خبیث یعنی غیر کی ملک میں تصرف کرنے سے ہوا ہے اور جو چیز سبب خبیث کے ذریعہ سے حاصل ہو اس کا راستہ یہی ہے کہ خیرات کر دے۔

قوله وملک بلا حل الخ غاصب نے کوئی چیز غصب کی اور اس کو اسطرح متغیر کر دیا کہ اس کا نام اور اس کے اکثر مقاصد زائل ہو گئے۔ مثلاً مغصوب بکری تھی اس کو ذبح کر کے بھون لیا یا پکا لیا۔ یا گیہوں تھے ان کو پیس لیا یا کھیت میں بیج ڈال دیا یا لوہا تھا اس کی تلوار بنائی یا پیتل تھی اس کا برتن بنا لیا یا اس میں کوئی ایسا تصرف کیا جس کی وجہ سے وہ غاصب کی ملک کے ساتھ اس طرح مخلوط ہوگئی کہ اس کا جدا ہونا ممتنع ہو گیا۔ مثلاً مغصوب ساگون لکڑی کا لٹھا تھا غاصب نے اس پر عمارت بنالی تو ان سب صورتوں میں ہمارے نزدیک غاصب ان کا مالک ہو جائے گا۔ امام شافعی کے یہاں ان صورتوں میں اصل مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا۔ یہ ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ مغصوب بعینہ باقی ہے۔ لہٰذا اصل مالک کی ملک پر باقی رہے گی۔ رہا صفت کا پیدا ہو جانا سو وہ اصل کے تابع ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غاصب نے مغصوب میں ایک ایسی قیمتی صنعت پیدا کر دی جس کی وجہ سے مالک کا حق من وجہ ختم ہو گیا اور صنعت میں غاصب کا حق ثابت ہے تو اس کو اصل پر ترجیح دیجائے گی۔ کیونکہ اس کا حق من کل الوجوہ باقی ہے۔ بخلاف اصل مالک کے کہ اس کا حق من وجہ فوت ہو چکا۔ پھر ہمارے نزدیک غاصب گو مغصوب کا مالک ہو جائے گا۔ لیکن ادائیگی ضمان سے قبل اس کے لئے انتفاع حلال نہ ہوگا۔ حسن بن زیاد اور امام زفر کے نزدیک انتفاع حلال ہے۔ مقتضاء قیاس بھی یہی ہے۔ اور امام صاحب سے فقیہ ابو اللیث کی روایت بھی یہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ غاصب کے لئے ملک مطلق ثابت ہو چکی لہٰذا انتفاع جائز ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک انصاری کے یہاں مدعو تھے۔ انہوں نے ایک بھنی ہوئی بکری پیش کی آپ نے ایک لقمہ لیا مگر وہ حلق سے نیچے نہیں اترا۔ آپ نے فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بکری ناحق ذبح کی گئی ہے۔ انصاری نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ میرے بھائی کی تھی میں اس کو اس سے بہتر دے کر راضی کر لونگا۔ آپ نے فرمایا اس کو خیرات کر دو۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ غاصب مغصوب کا مالک ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مالک کو راضی کئے بغیر انتفاع حلال نہیں۔

قوله ولو ذبح شاة الخ غاصب نے کوئی ماکول اللحم جانور بکری وغیرہ غصب کی اور اس کو ذبح کر ڈالا۔ یا کپڑا غصب کیا اور اس کو بخرق فاحش پھاڑ ڈالا تو مالک کو اختیار ہے چاہے شئی مغصوب غاصب پر چھوڑ دے اور اس کی قیمت لے لے اور چاہے اس کو خود رکھے اور غاصب سے بقدر نقصان تاوان لے لے۔ وجہ یہ ہے کہ بکری سے مختلف منافع حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً دودھ پینا، نسل بڑھانا، گوشت کھانا وغیرہ اور ذبح کے بعد کچھ منافع باقی ہیں کچھ فوت ہو گئے۔ اس لئے مالک کو دونوں اختیار ہوں گے۔

محمد حنیف غفر لہ گنگوہی

....

عہ..... صحیحین ۱۲

عہ..... محمد بن الحسن، طبرانی عن عاصم بن کلیب ۱۲

فَصْلٌ : لَوْغَیَّبَ الْمَغْصُوْبَ وَضَمِنَ قِیْمَتَهٗ مَلَكَهٗ وَالْقَوْلُ فِی الْقِیْمَةِ لِلْغَاصِبِ

(فصل) اگر چھپادی غاصب نے مغصوب چیز اور ضامن ہوگیا اس کی قیمت کا تو وہ اس کا مالک ہوجائیگا اور قول قیمت کے باب میں غاصب کا معتبر ہوگا

مَعَ یَمِیْنِهٖ وَالْبَیِّنَةُ لِلْمَالِكِ فَاِنْ ظَهَرَ وَقِیْمَتُهٗ اَكْثَرُ وَقَدْ ضَمِنَهٗ بِقَوْلِ الْمَالِكِ اَوْ بِبَیِّنَةٍ

اس کی قسم کے ساتھ اور بینہ مالک کا معتبر ہوگا پھر اگر وہ ظاہر ہوئی اور قیمت اس کی زیادہ ہے اور اس نے ضمان دیا ہے مالک کے قول یا بینہ

اَوْ بِنُكُوْلِ الْغَاصِبِ فَهُوَ لِلْغَاصِبِ وَلاَ خِیَارَ لِلْمَالِكِ وَاِنْ ضَمِنَهٗ بِیَمِیْنِ الْغَاصِبِ فَالْمَالِكُ یَمْضِی الضَّمَانَ

یا اپنے انکار قسم کی وجہ سے تو وہ چیز غاصب کی ہوگی اور مالک کو اختیار نہ ہوگا اور اگر اس نے اپنی قسم پر ضمان دیا تو مالک چاہے اسی ضمان پر رہے

اَوْ یَاْخُذُ الْمَغْصُوْبَ وَیَرُدُّ الْعِوَضَ وَاِنْ بَاعَ الْمَغْصُوْبَ فَضَمَّنَهُ الْمَالِكُ نَفَذَ بَیْعُهٗ

اور چاہے مغصوب چیز لے لے اور عوض واپس کردے اگر غاصب نے مغصوب کو بیچ دیا اور مالک نے اس سے ضمان لے لیا تو اس کی بیع نافذ ہوگی

وَاِنْ حَرَّرَهٗ ثُمَّ ضَمِنَهٗ لاَ وَزَوَائِدُ الْمَغْصُوْبِ اَمَانَةٌ فَیَضْمَنُ بِالتَّعَدِّیْ اَوْ بِالْمَنْعِ

اور اگر اس کو آزاد کردیا پھر مالک نے ضمان لیا تو آزادی صحیح نہ ہوگی مغصوب کی بڑھوتری امانت ہے پس ضامن ہوگا زیادتی کرنے یا روکنے پر

بَعْدَ طَلَبِ الْمَالِكِ وَمَا نَقَصَتْ بِالْوِلاَدَةِ مَضْمُوْنٌ وَیُجْبَرُ بِوَلَدِهَا

مالک کی طلب کے بعد باندی کو ولادت کی وجہ سے جو نقصان پہونچے وہ مضمون ہے جس کو اس کے بچہ کے ذریعہ پورا کیا جائیگا

وَلَوْ زَنٰی بِمَغْصُوْبَةٍ فَرُدَّتْ فَمَاتَتْ بِالْوِلاَدَةِ ضَمِنَ قِیْمَتَهَا.

مغصوبہ باندی کے ساتھ زنا کرکے واپس کیا اور وہ ولادت کی وجہ سے مرگئی تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

غصب سے متعلق متفرق مسائل

تشریح الفقہ : قولہ ولو غیب الخ غاصب نے شئی مغصوب کو غائب کردیا اور مالک کو اس کی قیمت کا تاوان دیدیا تو ہمارے نزدیک غاصب اس کا مالک ہوجائے گا امام شافعی کے نزدیک مالک نہ ہوگا، وہ یہ فرماتے ہیں کہ غصب ظلم محض ہے جو سبب ملک نہیں ہوتا۔ جیسے کوئی مدبر غلام کو غصب کرکے غائب کردے اور اس کی قیمت کا تاوان دیدے کہ وہ بالاتفاق مالک نہیں ہوتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ مالک شئی مغصوب کے بدل یعنی اس کی قیمت کا بطریق کمال مالک ہوچکا اور جو شخص بدل کا مالک ہوجاتا ہے تو مبدل اسکی ملک سے خارج ہوجاتا ہے اور صاحب بدل کی ملک میں داخل ہوجاتا ہے۔ تاکہ مالک بدل کا نقصان لازم نہ آئے۔ البتہ اس کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ مبدل میں ایک سے دوسری ملک کیطرف منتقل ہونے کی صلاحیت ہو۔ اور یہاں یہ شرط موجود ہے یعنی مبدل قابل نقل ہے۔ بخلاف مدبر کے کہ وہ قابل نقل نہیں ہے۔ فافترقا۔ اور اگر مالک اور غاصب کے درمیان قیمت میں اختلاف ہو تو غاصب کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہوگا۔ کیونکہ مالک مدعی زیادۃ ہے اور غاصب منکر ہاں اگر مالک بینہ قائم کردے تو اس کا بینہ مقبول ہوگا۔ پھر اگر شئی مغصوب ظاہر ہوا اور اس کی قیمت اس مقدار سے زائد ہو جس کا غاصب نے تاوان دیا ہے۔ اور تاوان بھی مالک کے قول کے موافق یا اس کے بینہ کے مطابق یا اپنے انکار قسم کے سبب سے دیا ہے تو شئی مغصوب غاصب کی مملوک ہوگی اور مالک کو اس میں اختیار نہ ہوگا کیونکہ مالک اسی مقدار کا مدعی تھا اور اس پر راضی ہوچکا تھا۔ اور اگر غاصب نے اپنے قول کے موافق قسم کھا کر تاوان دیا ہو تو مالک کو اختیار ہوگا چاہے شئی مغصوب لیکر اس

کا ضمان واپس کردے اور چاہے اسی ضمان کو برقرار رکھے۔ لانه لم يتم رضاه بهذا المقدار حيث يدعى الزيادة۔

قوله وان باع المغصوب الخ ایک شخص نے کوئی چیز مثلاً غلام غصب کیا اور اس کو بیچ ڈالا اس کے بعد مالک نے اس کا تاوان لیا تو غاصب کی بیع نافذ ہوجائے گی۔ اور اگر غاصب نے اسکو آزاد کیا پھر مالک نے تاوان لیا تو عتق نافذ نہ ہوگا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ ملک غاصب ناقص ہوتی ہے۔ اور ملک ناقص نفاذ بیع کے لئے کافی ہوتی ہے۔ نفاذ عتق کیلئے کافی نہیں ہوتی۔

قوله وما نقصت الخ ایک شخص نے کسی کی باندی غصب کی اور اس کے بچہ پیدا ہوا تو ولادت کی وجہ سے اس کی قیمت میں جو نقصان آئے گا اس کا تاوان غاصب پر ہوگا مگر یہ نقصان اس کے بچہ سے پورا کردیا جائے گا اگر اس کی قیمت نقصان کے برابر ہو اور اگر کم ہو تو قیمت کے برابر ضمان ساقط ہوجائے گا۔ مثلاً مغصوبہ باندی کی قیمت سو روپیہ تھی اور ولادت کے بعد ساٹھ روپے رہ گئی تو اگر اسکے بچہ کی قیمت چالیس روپیہ ہو تو جبر نقصان ہوجائے گا اور باندی مع ولد مالک کو دیدی جائے گی۔ اور غاصب پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ اور اگر بچہ کی قیمت پچیس روپیہ ہو تو چالیس میں سے پچیس وضع کردیئے جائیں گے اور غاصب پر پندرہ کا ضمان لازم آئے گا۔ لیکن قیمت سے جبر نقصان اس وقت ہوتا ہے جب بچہ زندہ پیدا ہو ورنہ غرہ (یعنی دیت) سے نقصان کو پورا کیا جائے گا۔

قوله ولو زنى الخ غاصب نے مغصوبہ باندی کیساتھ زنا کیا اور اس کو حمل کی حالت میں واپس کیا۔ باندی مالک کے پاس آکر ولادت کے سبب سے ہلاک ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک غاصب پر باندی کی اس قیمت کا تاوان ہوگا جو حاملہ ہونے کے دن تھی۔ اس واسطے کہ جب غاصب نے باندی غصب کی تھی اس وقت اس میں تلف ہونے کا کوئی سبب نہیں تھا۔ اور جب اس نے واپس کی اس وقت اس میں سبب تلف یعنی حمل موجود ہے۔ تو واپسی صحیح نہ ہوئی۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قیمت کا ضامن نہ ہوگا۔ بلکہ نقصان حمل کا ضامن ہوگا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ سبب تلف ولادت ہے۔ جس کا وجود مالک کے یہاں ہوا ہے۔ پس غاصب کی طرف سے باندی کی واپسی صحیح ہوئی۔ صرف اتنی بات ہے کہ غاصب نے اس کو معیوب کردیا لہٰذا عیب کا ضمان ہوگا۔ اور اگر غاصب نے حرہ مغصوبہ کے ساتھ زنا کرکے حمل کی حالت میں واپس کیا اور وہ ولادت کی وجہ سے مرگئی تو بالاتفاق ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ آزاد عورت مضمون بالغصب نہیں ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلاَ يَضْمِنُ الْحُرَّةَ وَمَنَافِعَ الْغَصَبِ وَخَمرَ الْمُسْلِمِ اَوْ خِنْزِيْرِهِ بِالاِتْلاَفِ وَضَمِنَ لَوْ كَانَ لِذِمِّيٍّ

اور ضامن نہ ہوگا آزاد عورت کا مغصوبہ چیز کے منافع کا مسلمان کی شراب اور اس کے خنزیر کا تلف کرنے سے اور اگر شراب اور خنزیر ذمی کا ہو

وَاِنْ غَصَبَ مِنْ مُسْلِمٍ خَمراً فَخَلَّلَ اَوْ جِلْدَ مَيْتَةٍ فَدَبَغَ فَلِلْمَالِكِ اَخذُهُمَا

تو ضامن ہوگا اگر غصب کی مسلمان کی شراب اور اس کا سرکہ بنالیا یا مردار کی کھال غصب کی اور اس کو دباغت دیدی تو مالک ان دونوں کو لیلے

وَرَدُّ مَازَادَ بِالدِّبَاغِ وَاِنْ اَتْلَفَهُمَا ضَمِنَ الْخَلَّ فَقَطْ وَمَنْ كَسَرَ مِعْزَفاً

اور جو دام دباغت سے بڑھے ہیں وہ دیدے اور اگر غاصب نے اس کو تلف کردیا تو صرف سرکہ کا ضمان لے گا جو شخص توڑ دے گانے کے آلات یا

اَوْ اَرَاقَ سُكراً اَوْ مُنَصَّفًا ضَمِنَ وَصَحَّ بَيْعُ هٰذِهِ الاَشْيَاءِ

گرادے چھوارے کی شراب یا منصف شراب تو ضامن ہوگا اور صحیح ہے ان چیزوں کی بیع

وَمَنْ غَصَبَ اُمَّ وَلَدٍ اَوْ مُدَبَّرَةً فَمَاتَتْ ضَمِنَ قِيمَةَ الْمُدَبَّرَةِ لاَ اُمِّ وَلَدٍ۔

جس نے غصب کی ام ولد یا مدبرہ باندی اور وہ مرگئی تو ضامن ہوگا مدبرہ کی قیمت کا نہ کہ ام ولد کی قیمت کا۔

تشریح الفقہ : **قولہ ومنافع الغصب الخ** ہمارے یہاں غاصب شئی مغصوب کے منافع کا ضامن نہیں ہوتا۔ خواہ اس نے بالفعل حاصل کر لئے ہوں یا مغصوبہ شئی کو بیکار رکھ چھوڑا ہو۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اجر مثل واجب ہوتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک تحصیل منافع کی صورت میں اجر مثل واجب ہوتا ہے۔ اور تعطیل کی صورت میں کچھ واجب نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ منافع مال متقوم ہے۔ اور جس طرح عقود کے ذریعہ سے اعیان مضمون ہوتے ہیں اسی طرح منافع بھی مضمون ہوتے ہیں لہٰذا ضمان واجب ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ نے ولد مغرور کی قیمت اور بچہ کی حریت اور مع عقر باندی کی واپسی کا حکم فرمایا تھا۔ اور باندی کے منافع کی اجرت کا حکم نہیں فرمایا تھا۔ اگر منافع کا ضمان واجب ہوتا تو سکوت نہ فرماتے۔

قولہ وخمرا لمسلم الخ ایک کافر کے پاس خنزیر تھا یا شراب تھی وہ مسلمان ہو گیا اور شراب وخنزیر اس کی ملک میں باقی رہے اور کوئی مسلمان یا ذمی انکو تلف کر دے تو متلف پر ضمان نہ ہوگا۔ کیونکہ شراب وخنزیر مسلمان کے حق میں مال نہیں۔ اور اگر خنزیر یا شراب کسی ذمی کی ہو اور کوئی انکو تلف کر دے تو ان کی قیمت کا تاوان دینا پڑے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں ذمی کے حق میں مال ہیں۔ البتہ امام شافعی کے یہاں ضمان نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ چیزیں ذمی کے حق میں بھی مال نہیں ہیں **لکونہ تابعاً فی الاحکام لنا۔**

قولہ وان غصب الخ غاصب نے مسلمان کی شراب غصب کی اور اس کو دھوپ میں رکھ کر سرکہ بنالیا تو مالک اس کو کچھ دیئے بغیر لے سکتا ہے۔ اور اگر مردار کی کھال غصب کی اور اس کو ببول کی چھال وغیرہ سے دباغت دی تو مالک اس کو بھی لے سکتا ہے مگر اتنی قیمت دیکر جتنی دباغت دینے سے زیادہ ہوئی ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ شراب کو سرکہ بنانا اس کو پاک کر لینا ہے۔ جیسے نجس کپڑے کو دھولینا تو تخلیل سے مالیت ثابت نہ ہوئی اور اصل مالک کی ملک پر باقی رہی اس لئے کچھ دیئے بغیر اپنی چیز واپس لے لیگا۔ بخلاف دباغت مذکورہ کے کہ اس کی وجہ سے کھال میں ایک قیمتی مال لگ گیا اس لئے اتنی مقدار واپس کرنی پڑے گی۔ جتنی دباغت سے زیادہ ہوگئی ہے۔ پھر اگر غاصب نے مذکورہ بالا شراب یا کھال واپس کرنے سے پہلے تلف کر دی تو امام صاحب کے نزدیک صرف سرکہ کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ مال متقوم ہے اور ملک مالک پر باقی ہے صاحبین کے نزدیک کھال کا بھی ضامن ہوگا۔ یعنی اس کی اس قیمت کا جو مد بوغ ہونے کے بعد ہے) کیونکہ وہ بھی ملک مالک پر باقی ہے۔ امام صاحب کے یہاں وجہ فرق یہ ہے کہ یہاں جو تقوم حاصل ہوا ہے وہ غاصب کی صنعت کیوجہ سے ہوا ہے بایں معنی کہ اس نے کھال میں ایک قیمتی مال استعمال کیا ہے تو کھال تقوم کے حق میں تابع ہوئی اور اصل یعنی صنعت غاصب غیر مضمون ہے تو تابع بھی غیر مضمون ہوگا۔

قولہ ومن کسر الخ اگر کوئی شخص کسی کے گانے بجانے کے آلات بربط، مزمار، دف، طبل، طنبور وغیرہ توڑ دے تو امام صاحب کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ چیزیں معصیت کیلئے ہوتی ہیں اس لئے ان کا تقوم ساقط ہے۔ نیز اس نے جو کچھ کیا ہے وہ منشاء شارع کے موافق کیا ہے۔ **قال علیہ الصلوۃ والسلام بعثت لکسر المزامیر وقتل الخنازیر** ''اس کیساتھ ساتھ اس نے توڑ کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حق ادا کیا ہے۔ **وما علی المحسنین من سبیل**'' امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں فی نفسہ قیمتی ہیں گو ان سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ مگر غلط استعمال کرنے سے مالیت باطل نہیں ہوتی لہٰذا ضامن ہوگا۔ ہدایہ، کافی، منح، درر، ملتقی، زیلعی، قہستانی، برجندی وغیرہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

قولہ ومن غصب الخ اگر کوئی شخص کسی کی ام ولد یا مدبر باندی غصب کرلے اور وہ اس کے یہاں مرجائے۔ تو امام صاحب کے نزدیک مدبر باندی کی قیمت کا تاوان دینا ہوگا نہ کہ ام ولد کی قیمت کا۔ صاحبین کے نزدیک دونوں کی قیمت کا تاوان دینا ہوگا۔ کیونکہ مدبرہ باندی کی مالیت کا متقوم ہونا تو متفق علیہ ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک ام ولد کی مالیت بھی متقوم ہے۔ **وقد ذکرناہ فی کتاب العتق**

یعنی لو اخذ ھا مکرہۃ فزنی بھا فردھا حاملاً فولدت وماتت لایضمن الغاصب دیتھا لان الحرۃ لاتکون مضمونۃً بالغصب لیبقی ضمان الغصب بعد فساد الرد وعندھما لا یضمن فی الامۃ ایضاً ای کالحرۃ بل یضمن نقصان الحبل وھو قول الائمۃ الثلاثۃ ۱۲ مجمع۔

کتاب الشفعة

هِيَ تَمَلُّكُ الْبُقْعَةِ جَبْرًا عَلَى الْمُشْتَرِيْ بِمَا قَامَ عَلَيْهِ.

وہ مالک ہوجانا ہے بقعہ کا زبردستی کرکے مشتری پر اتنے کے عوض میں جتنے میں مشتری کو پڑی ہے۔

تشریح الفقہ : قوله کتاب الخ شفعہ اور غصب دونوں میں امر مشترک دوسرے کی رضا کے بغیر اس کے مالک کا مالک ہوجانا ہے اس لئے مصنف غصب کے بعد شفعہ لا رہا ہے۔ شفعہ بروزن فعلۃ بمعنی مفعول ہے جو کان ہذا الشئی وتر افشفعہ سے ماخوذ ہے۔ امام مطرزی نے ذکر کیا ہے کہ لفظ شفعہ سے فعل مسموع نہیں البتہ فقہاء بولتے ہیں باع الشفيع الدار التي يشفع بها اى توخذ بالشفعة۔ شفعہ لغت میں بمعنی ضم ہے۔ یعنی جفت کرنا اور ملانا چنانچہ شفعہ ضد وتر کو کہتے ہیں۔ اسی سے شفاعت رسول ﷺ ہے کہ شفاعت کے ذریعہ مذنبین فائزین کے ساتھ ملیں گے۔ شفیع چونکہ ماخوذ بالشفعہ کو اپنی ملک کے ساتھ ملاتا ہے۔ اس لئے اس کا نام شفعہ رکھا گیا ہے۔

قوله هي تملك الخ اصطلاح شرع میں شفعہ کی تعریف یہ ہے" هي تملك البقعة جبرًا على المشترى بما قام عليه" یعنی مشتری پر زبردستی کرکے اس مالک کے عوض بقعہ کا مالک ہوجانا ہے۔ جس کے عوض میں وہ بقعہ مشتری کو اس کی خرید میں پڑا ہے۔ پس لفظ تملک بمنزلہ جنس ہے جو تملک عین وتملک منافع ہر دو کو شامل ہے۔ اور لفظ بقعہ فصل ہے۔ جس کے ذریعہ تملک منافع سے احتراز ہوگیا اور لفظ جبرًا کی قید سے بیع خارج ہوگئی کیونکہ وہ رضا کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور مشتری کی قید کے ذریعہ ملک بلاعوض سے احتراز ہوگیا جیسے ہبہ (بلاعوض) میراث، صدقہ اور اس ملک سے احتراز ہوگیا جو بعوض غیر عین ہو جیسے مہر، اجارہ، خلع، صلح عن دم العمد کیونکہ ان تمام صورتوں میں شفعہ نہیں ہوتا۔" وعرفها الاتقانى بقوله الشفعة عبارة عن حق التمليك فى العقار لدفع ضرر الجوار قيل وهو اولىٰ واظهر۔

(فائدہ) : حق شفعہ متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جن میں سے دو ایک یہاں نقل کی جاتی ہیں (۱) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شفعہ ہر ایسی شرکت میں ہے جس میں بٹوارہ نہ ہوا ہو خواہ مکان میں ہو یا زمین میں[عہ] (۲) آپ نے ارشاد فرمایا کہ مکان کا پڑوسی مکان اور زمین کا زیادہ حقدار ہے[عہ] (۳) آپ کا ارشاد ہے کہ پڑوسی اپنے شفعہ کا زیادہ حقدار ہے اپنے پڑوسی کے شفعہ سے اس کا انتظار کیا جائے گا اگرچہ وہ غائب ہو جبکہ ان دونوں کا راستہ ایک ہو[عہ] (۴) آپ کا ارشاد ہے کہ پڑوسی اپنے سقب[عہ] کا زیادہ حقدار ہے۔"

وَتَجِبُ لِلْخَلِيْطِ فِي نَفْسِ الْمَبِيْعِ ثُمَّ لِلْخَلِيْطِ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ كَالشُّرْبِ وَالطَّرِيْقِ اِنْ كَانَ خَاصًّا ثُمَّ لِلْجَارِ

اور ثابت ہوتا ہے اس کے لئے جو شریک ہو نفس مبیع میں پھر جو شریک ہو حق مبیع میں جیسے گھاٹ اور راستہ اگر یہ خاص ہوں پھر ہمسایہ کے لئے

الْمُلَاصِقِ وَوَاضِعِ الْجُذُوْعِ عَلَى الْحَائِطِ وَالشَّرِيْكُ فِيْ خَشَبَةٍ عَلَى الْحَائِطِ جَارٌ.

جو متصل ہو اور دیوار پر کڑیاں رکھنے والا اور دیوار پر رکھی ہوئی ایک کڑی میں شرکت والا ہمسایہ ہے

اقسام شفیع وترتیب شفعہ

تشریح الفقہ : قوله وتجب الخ وجوب سے مراد ثبوت ہے۔ یعنی "حق شفعہ پہلے اس کیلئے ثابت ہوتا ہے جو نفس مبیع میں شریک ہو اگر

عہ ...... مسلم، دار قطنی عن جابر ۱۲۔ عہ ...... ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد، طبرانی، ابن ابی شیبہ، ابن حبان، بزار، دار قطنی عن سمرہ ۱۲۔ عہ ائمہ اربعہ عن جابر بن عبداللہ ۱۲۔ فی معجم الطبرانی قیل لعمرو بن الشريد ما السقب ؟ قال: الجوار وفی مسند ابی یعلی الموصلی قال الجار احق بسقبہ۔ یعنی شفعہ ۱۲۔ صہ ...... بخاری عن ابی رافع ۱۲۔

وہ طلب گار نہ ہوتو پھر اس کے لئے جوحق مبیع میں شریک ہوا گروہ بھی طلب نہ کرے تو پھر جار ملاصق کے لئے یعنی اس پڑوسی کیلئے جومشفوعہ مکان سے متصل ہومثلاً ایک مکان دوشریکوں میں مشترک تھاایک شریک نے اس کوغیر کے ہاتھ فروخت کیا تو حق شفعہ اولاً شریک مکان کیلئے ہوگا اگر وہ نہ لے تو اس کا حق شفعہ ختم ہوجائے گا اور اگر اس مکان کے حقوق میں بھی کچھ لوگ شریک ہوں مثلاً اس مکان میں کسی وقت بٹوارہ ہوا تھا اور سب نے اپنا حصہ علیحدہ کرلیا تھا مگر راستہ میں یا شرب میں سب کی شرکت باقی ہے اور نفس مبیع کے شریک نے حق شفعہ چھوڑ دیا تو حق شفعہ شریک حق مبیع کیلئے ہوگا اگر وہ بھی چھوڑ دے تو حق شفعہ پڑوسی کو حاصل ہوگا الحاصل شریک عین وشریک منفعت اور پڑوسی سب کو حق شفعہ حاصل ہے مگر بترتیب مذکور امام ابوحنیفہ، شریح، شعبی، ابن سیرین، حکم، حماد، حسن، طاؤس، ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ سب کا یہی مذہب ہے۔اور شرح الوجیز شافعیہ میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے اسی پر فتوی دیا ہے۔اور یہی مختار ہے۔نفس ثبوت حق شفعہ پر دلالت کرنیوالی احادیث ہم پہلے ذکر کر چکے۔ترتیب مذکور کی دلیل یہ حدیث ہے'' عن الشعبی قال قال رسول ﷺ الشفیع اولیٰ من الجار والجار اولیٰ من الجنب ''اس میں لفظ شفیع شریک عین شریک منافع دونوں کو شامل ہے۔اس حدیث کو ہشام بن مغیرہ نے حضرت شعبی سے روایت کیا ہے اور ابن معین نے ہشام بن مغیرہ کی توثیق کی ہے حضرت ابو حاتم فرماتے ہیں کہ انکی حدیث میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔پس یہ حدیث مرسل صحیح ہے اور مرسل حدیث اکثر اہل علم کے نزدیک حجت ہے۔نیز حضرت شریح سے مروی ہے''قال الخلیط احق من الشفیع والشفیع احق من الجار والجار احق ممن سواہ ''حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے قال الشریک احق بالشفعہ فان لم یکن شریک فالجار و الخلیط احق من الشفیع و الشفیع احق ممن سواہ'' بالجملہ حدیث مرسل مع آثار مذکورہ دلیل منقول ہے کہ تینوں شفیعوں میں باہم ترتیب ہے۔اور مقتضاء قیاس بھی یہی ہے کیونہ سب حق شفعہ اتصال ملک ہے خواہ اتصال شرکت کے سبب سے ہو یا ہمسائیگی کی جہت سے ہو نیز شفعہ کی حکمت یہ ہے کہ آدمی اجنبی شخص کی ہمسائیگی سے تکلیف نہ پائے اور یہ حکمت تینوں شفیعوں کو شامل ہے۔البتہ عین ملک میں شرکت سب سے قوی سبب ہے لہٰذا وہ سب سے مقدم ہے۔پھر مبیع کے حقوق میں اتصال واشتراک اقوی ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی شرکت ہے۔اس کے بعد لامحالہ جوار کے اتصال سے جو حق شفعہ ہے وہ سوم درجہ پر ہوگا۔

قولہ کا لشرب الخ شریک حق مبیع کیلئے شفعہ تو ہے لیکن اسوقت جب طریق خاص یا شرب خاص ہو، شرب خاص وہ ہے جس میں کشتیاں وغیرہ نہیں چلتیں بلکہ وہ مخصوص زمینوں میں پانی دینے کیلئے ہیں۔پس جو لوگوں کی آراضی اس نہر سے سیراب ہوتی ہیں وہ اس شرب میں شریک ہیں اور جس نہر میں کشتیاں وغیرہ جاری ہوں وہ شرب عام ہے اور جن لوگوں کی کھیتیاں اس سے سیراب ہوتی ہیں ان کی شرکت شرکت عامہ ہے پس ان میں سے کسی کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا۔خاص و عام شرب کی یہ تعریف طرفین کے نزدیک ہے۔امام ابو یوسف کے نزدیک شرب خاص وہ نہر ہے جس سے بہت سے بہت دو تین باغات سینچے جاتے ہوں اور اگر چار یا اس سے زیادہ سینچے جاتے ہوں تو وہ شرب عام ہے۔

قولہ ثم للجار الخ تیسرے درجہ کا شفیع جار ملاصق یعنی وہ پڑوسی ہے جو مشفوعہ مکان سے متصل ہو جس کی تحقیق اوپر گزر چکی۔ائمہ ثلاثہ اوزاعی اور ابو ثور کے نزدیک جوار کی وجہ سے حق شفعہ نہیں ہوتا۔کیونکہ آنحضرت ﷺ نے شفعہ ہر اس زمین میں فرمایا ہے جو تقسیم نہ کی گئی ہو۔اور جب حد بندی ہوگئی اور راستے پھیر دیئے گئے تو شفعہ نہیں ہے'' نیز حق شفعہ خلاف قیاس ہے کیونکہ اس میں غیر کے مال پر اس کی رضامندی کے بغیر ملکیت حاصل کرنا ہوتا ہے۔اور خلاف قیاس چیز اپنے مورد تک رہتی ہے۔اور شرعی مورد غیر منقل جائداد ہے جو ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو۔لہٰذا جوار کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ہماری دلیل وہ متعدد احادیث ہیں جن میں شفعہ جوار کی طرف اشارہ ہی نہیں بلکہ صراحت موجود ہے مثلاً الجار احق بسقبہ وغیرہ۔رہا امام شافعی وغیرہ کا مستدل سو اول تو اس میں علی الاطلاق شفعہ جوار کی نفی نہیں بلکہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ بٹوارہ کے بعد اس کیلئے شفعہ شرکت نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اس میں شفعہ کی نفی وجود امرین کے بعد ہے ایک صرف طرق دوم تحدید حد پس اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صرف طرق سے پہلے شفعہ ہے۔ اور یہ معنی حضرت جابر کی حدیث ''**الجار احق بشفعة ینتظربه ان کان غائباً اذا کان طریقهما واحد**'' کے بالکل موافق ہیں۔ اور جس روایت میں ''**انما الشفعةاہ**'' ہے اس میں ماعدا کی نفی مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ شفعہ اسی میں منحصر ہے کہ شفیع کو شرکت عین حاصل ہو پھر شریک منافع ہے۔ پھر شریک جوار۔ جیسے آنحضرت ﷺ کی نسبت فرمایا گیا ''**انماا نت منذر**'' (آپ صرف ڈرانے والے ہیں) حالانکہ آپ مومنوں کو بشارت دینے والے بھی ہیں۔ بہر کیف ہمارے استنباط پر تمام احادیث اپنی صراحت اور عموم پر رہتی ہیں اور کوئی ایک دوسرے کے خلاف نہیں رہتی پھر شفعہ کو خلاف قیاس کہنا بھی بے معنی ہے۔ اس واسطے کہ غیر مقسوم جائداد میں شفعہ کے حق سے شفیع کو ملا لینے کا حکم اسلئے ہے کہ دائمی طور پر حدملی ہوئی ہونے سے ضرر نہ ہو جو مقتضاء قیاس کے عین مطابق ہے اور یہ چیز جوار کی صورت میں بھی موجود ہے یعنی جب پڑوسی سے ملک متصل ہوگئی تو جار کو ضرور ضرر پہونچے گا۔ اب دفع ضرر کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ جس طرح مشتری نے وہ مکان خریدا ہے اسی طرح پڑوسی کا مکان بھی خرید لے دوم یہ کہ پڑوسی کو حق حاصل ہو کہ وہ خریدے ہوئے حصہ کو لے لے لیکن چونکہ پڑوسی اصیل ہے اور مشتری دخیل اور شریعت نے اصیل کو ترجیح دی ہے لہٰذا اصیل ہی کو اس کا مستحق قرار دیا جائے گا۔ اگر مشتری پڑوسی کا مکان خریدنے کا مختار ہو تو جار کے حق میں یہ مزید ضرر ہوگا کہ وہ اپنے دادا کی جائداد و جائے سکونت سے نکالا گیا جو سراسر ظلم ہے اسلئے شریعت نے اس کو اختیار دیا ہے کہ وہ فروخت شدہ مکان کو حق شفعہ کیواسطے سے لے لے تاکہ وہ پڑوس کے ضرر سے مامون رہے۔

قوله وواضع الجدار الخ دیوار پر کڑیاں رکھنے والا یا مکان کی دیوار پر کڑیاں رکھنے میں شریک ہونیوالا شرکت کا شفیع نہیں ہوتا بلکہ شفیع جوار ہوتا ہے کیونکہ شفعہ شرکت تو غیر منقول میں ہوتا ہے اور کڑیاں منقول ہیں اور کڑیاں رکھنے سے مکان میں شریک نہیں ہوجاتا اس لئے اس کو شفعہ شرکت حاصل نہ ہوگا پس اگر کوئی شخص مکان میں راستے کا شریک ہو اور دوسرے شخص کی کڑیاں اس کی دیوار پر ہوں تو شریک راہ مقدم ہوگا۔

عَلٰى عَدَدِ الرُّؤُسِ بِالْبَيْعِ وَتَسْتَقِرُّ بِالْاِشْهَادِ وَتَمَلَّكُ بِالْاَخْذِ بِالتَّرَاضِي اَوْ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ

شفیعوں کی گنتی کے موافق بیع ہونے پر اور مستحکم ہوجاتا ہے گواہ قائم کرلینے سے اور مبیع ملک میں آجاتی ہے رضا سے یا قضاء قاضی سے

تشریح الفقہ: قوله علیٰ عدد الخ تجب للخلیط سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ اگر مساوی درجہ کے چند شفیع جمع ہوں تو ان سب کے درمیان شفعہ شمار افراد کے موافق ہوگا۔ اور اختلاف املاک کا اعتبار نہ ہوگا۔ امام شافعی کے یہاں مقدار املاک کے لحاظ سے ہوگا مثلاً ایک مکان تین آدمیوں میں اس طرح مشترک ہے کہ ایک کا نصف ہے دوسرے کا تہائی تیسرے کا چھٹا اور صاحب نصف نے اپنا حصہ فروخت کیا تو امام شافعی کے نزدیک مبیعہ حصہ میں اثلاث کا حکم ہوگا بقدر املاک یعنی دو تہائی ثلث والے کو ملے گا اور ایک سدس والے کو اور اگر صاحب سدس نے اپنا حصہ فروخت کیا تو اخماس کا حکم ہوگا یعنی تین نصف والے کو ملیں گے۔ اور دو ثلث والے کو اور اگر صاحب ثلث نے اپنا حصہ فروخت کیا تو ارباع کا حکم ہوگا۔ یعنی تین نصف والے کو ملیں گے اور ایک سدس والے کو۔ ہماری یہاں دونوں شریکوں میں برابر نصفا نصف کا حکم ہوگا۔ اور ملک کی کمی بیشی کا اعتبار نہ ہوگا۔ امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ شفعہ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ملکیت کے فوائد مکمل ہوں لہٰذا حق شفعہ ملکیت کی مقدار کے لحاظ سے ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ سبب شفعہ ملکیت کا مبیع کے ساتھ متصل ہونا ہے خواہ قلیل ملکیت متصل ہو یا کثیر تو

عہ...... عبدالرزاق ۱۲۔ عہ...... ابن ابی شیبہ ۱۲۔ عہ...... ابن ابی شیبہ ۱۲

عہ...... بخاری عن جابر عن عبداللہ (مرفوعا) نسائی، مالک عن ابی سلمہ (مرسلا) ۱۲۔

مستحقین شفعہ خواہ بسبب شریک عین ہوں یا بسبب شرکت حق یا بسبب حق جوار سب ایک ہی جہت سے شفعہ کے مستحق ہیں تو استحقاق شفعہ میں سب برابر ہوں گے۔

قولہ بالبیع الخ باجارہ تجب سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ شفعہ کا ثبوت عقد بیع کے بعد ہوتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کا ثبوت بیع کے سبب سے ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ حق شفعہ کا سبب عقد بیع نہیں بلکہ اتصال ملک ہے۔ رہا یہ سوال کہ عقد بیع سے پہلے سبب شفعہ یعنی اتصال رہنے کے باوجود حق شفعہ کیوں نہیں حاصل ہوا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وجوب حق شفعہ کا سبب تو اتصال ملک ہی ہے لیکن اس حق کے لینے کا سبب عقد بیع ہے جس کی نظیر نماز اور زکوٰۃ وغیرہ ہے کہ ان کا وجوب تو امر باری عز اسمہٗ سے ہے لیکن وجوب ادا کا سبب وقت وحولان حول ہے۔ عقد بیع کے بعد حق شفعہ حاصل ہونے کی حکمت یہ ہے کہ وجوب شفعہ اسی وقت ہوتا ہے کہ جب مالک اپنی ملک سے بے رغبت ہو جائے اور دوسروں کی ملک میں جانے سے فتنہ وفساد رنج وآزار کا اندیشہ ہو اور مالک کی بے رغبتی پر ظاہراً کوئی دلیل نہیں بجز اس کے کہ خود اس کا فعل یعنی فروخت کرنا بے رغبتی کی دلیل ہو اس لئے جوں ہی وہ بیع کرے گا شفیع کو حق شفعہ حاصل ہو گا۔

قولہ وتستقر الخ ثبوت تو بیع کے بعد ہی ہو جاتا ہے مگر اس میں استقرار واستحکام اس وقت ہوتا ہے جب بیع کی خبر ملتے ہی بلا تاخیر اسی مجلس میں شفیع یہ کہکر طلب شفعہ پر لوگوں کو گواہ بنالے کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اس مکان میں شفعہ طلب کیا ہے۔ اگر اسی مجلس میں شفعہ طلب نہ کیا تو شفعہ باطل ہو جائے گا کیونکہ جب بیع کی خبر ہونے پر اس کو بائع کی بے رغبتی ظاہر ہو گئی تو اس کو فوراً اپنی رغبت کا اظہار کرنا چاہئے۔ اور یہ رغبت طلب شفعہ پر گواہ بنا لینے سے ہی ظاہر ہو گی۔ نیز گواہ بنانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ کسی وقت اس کو قاضی کے یہاں طلب شفعہ ثابت کرنے کی ضرورت ہو گی اور اس کے ثبوت میں شہادت کی ضرورت پیش آئے گی۔

باب طلب الشفعة و الخصومة فيها

باب شفعہ طلب کرنے اور اس میں خصوصیت کرنیکے بیان میں

فَاِنْ عَلِمَ الشَّفِيْعُ بِالْبَيْعِ اَشْهَدَ فِيْ مَجْلِسِهٖ عَلَى الطَّلَبِ ثُمَّ عَلَى الْبَائِعِ لَوْ فِي يَدِهٖ اَوْ عَلَى الْمُشْتَرِيْ

اگر علم ہو جائے شفیع کو فروختگی کا تو گواہ کرلے اسی مجلس میں طلب شفعہ پر پھر بائع پر اگر اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری پر

اَوْ عِنْدَ الْعِقَارِ ثُمَّ لَا تَسْقُطُ بِالتَّاخِيْرِ فَاِنْ طَلَبَ عِنْدَ الْقَاضِيْ سَاَلَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ

یا زمین کے پاس اس کے بعد ساقط نہ ہوگا شفعہ تاخیر سے پس اگر طلب کرے قاضی کے پاس تو سوال کرے قاضی مدعی علیہ سے

فَاِنْ اَقَرَّ بِمِلْكِ مَا يَشْفَعُ بِهٖ اَوْ نَكَلَ اَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيْعُ

اگر وہ اقرار کرے اس زمین کی ملک کا جس کے باعث وہ شفعہ چاہتا ہے یا انکار کرنے یا شفیع بینہ قائم کردے

سَاَلَهٗ عَنِ الشِّرَاءِ فَاِنْ اَقَرَّبِهٖ اَوْ نَكَلَ اَوْ بَرْهَنَ الشَّفِيْعُ قَضٰى بِهَا.

تو پوچھے خرید کے متعلق اگر وہ اقرار کرے یا انکار کرے یا شفیع بینہ قائم کردے تو قاضی اس کا حکم کردے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ ثبوت شفعہ چونکہ طلب پر موقوف ہے اس لئے یہاں اس کی کیفیت اور تقسیم بیان کر رہا ہے۔ باب شفعہ میں شفیع کیلئے تین قسم کی طلب ضروری ہے۔ اول یہ کہ بیع کا علم ہوتے ہی اپنا شفعہ طلب کرے اس کو طلب مواثبہ کہتے ہیں۔ دوم یہ کہ طلب مواثبہ کے بعد بائع پر گواہ قائم کرے اگر زمین اس کے قبضہ میں ہو۔ یا مشتری پر گواہ قائم کرے یا زمین کے پاس گواہ قائم کرے۔ اس

طلب کو طلب اشہاد۔ طلب تقریر اور طلب استحقاق کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ شفیع یوں کہے کہ یہ مکان فلاں نے خریدا ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور مجلس علم میں شفعہ طلب کر چکا ہوں اور اب میں اس کو طلب کرتا ہوں سوتم لوگ اس پر گواہ رہو۔ سوم یہ کہ ان دونوں طلبوں کے بعد قاضی کے پاس طلب کرے اس کو طلب تملیک طلب خصومت کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ شفیع یوں کہے کہ فلاں شخص نے مکان خریدا ہے۔ اور میں اس کا فلاں سبب سے شفیع ہوں لہٰذا آپ کو مجھ دلا دینے کا حکم کر دیجئے۔

قولہ ثم لا تسقط الخ اگر تیسری طلب میں تاخیر ہو جائے تو امام صاحب کے نزدیک شفعہ باطل نہیں ہوتا یہ ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی ہے۔ دوسری روایت ان سے یہ ہے کہ اگر قاضی کی کسی ایک مجلس میں بلا عذر طلب تملک کو ترک کر دے تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ تاخیر کی صورت میں مشتری کا نقصان لازم آتا ہے۔ کیونکہ وہ اس خوف سے کہ کہیں شفیع شفعہ کا دعوی نہ کر بیٹھے۔ کوئی تصرف نہ کر سکے گا پس طلب شفعہ کو ایک ماہ سے کم تک محدود کیا جائے گا کیونکہ ایک ماہ سے کم کو مدت قلیلہ اور ایک ماہ سے زائد کو مدت بعیدہ شمار کیا جاتا ہے **(کمامر فی الایمان)** امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ شفیع کا حق طلب مواثبہ وطلب اشہاد کے بعد پورے طور سے ثابت ہو گیا اور حق ثابت ہو جانے کے بعد حقدار کے ساقط کئے بغیر ساقط نہیں ہوتا لہٰذا جب تک شفیع اس کو اپنی زبان سے ساقط نہ کرے اس وقت تک ساقط نہ ہوگا۔

وَلاَ يَلْزَمُ الشَّفِيْعَ اِحْضَارُ الثَّمَنِ وَقْتَ الدَّعْوىٰ بَلْ بَعْدَ الْقَضَاءِ وَخَاصَمَ الْبَائِعَ لَوْ فِي يَدِهٖ وَلاَ يَسْمَعُ الْبَيِّنَةَ

لازم نہیں شفیع پر ثمن پیش کرنا دعوی کے وقت بلکہ حکم قاضی کے بعد اور مخاصمت کرے بائع سے اگر ہو مبیع اس کے قبضہ میں اور نہ سنے قاضی بینہ

حَتّٰى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِيْ فَيَفْسَخُ الْبَيْعَ بِمَشْهَدِهٖ وَالْعُهْدَةُ عَلَى الْبَائِعِ وَالْوَكِيْلُ بِالشِّرَاءِ خَصْمٌ لِلشَّفِيْعِ مَالَمْ

یہاں تک کہ آجائے مشتری پس فسخ کر دے بیع اس کی موجودگی میں اور ذمہ داری بائع پر ہے اور خرید کا وکیل مدعی علیہ ہے شفیع کا جب تک وہ مبیع

يُسَلِّمْ اِلَى الْمُؤَكِّلِ وَلِلشَّفِيْعِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَالْعَيْبِ وَاِنْ شَرَطَ الْمُشْتَرِيْ الْبَرَاءَةَ مِنْهُ وَاِنِ اخْتَلَفَ الشَّفِيْعُ

مؤکل کے سپرد نہ کرے شفیع کے لئے خیار رویت اور خیار عیب ہے گو شرط کر لی ہو مشتری نے عیب سے برائت کی اختلاف کریں شفیع و مشتری ثمن میں

وَالْمُشْتَرِيْ فِي الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِيْ وَاِنْ بَرْهَنَا فَلِلشَّفِيْعِ وَاِنِ ادَّعَى الْمُشْتَرِيْ ثَمَنًا وَادَّعٰى بَائِعُهٗ اَقَلَّ مِنْهُ

تو قول مشتری کا معتبر ہوگا اور اگر دونوں بینہ قائم کریں تو شفیع کا بینہ مقبول ہوگا اگر مشتری کچھ ثمن بتائے اور بائع اس سے کم کا دعوی کرے

وَلَمْ يَقْبِضِ الثَّمَنَ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِمَا قَالَ الْبَائِعُ وَاِنْ قَبَضَ اَخَذَهَا بِمَا قَالَ الْمُشْتَرِيْ

اور ابھی ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو لے اس کو شفیع اس قیمت میں جو بائع نے بتائی ہے اور اگر قبضہ کر چکا ہو تو لے اس قیمت میں جو بتائی ہے مشتری نے

وَحَطُّ الْبَعْضِ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّفِيْعِ لاَ حَطُّ الْكُلِّ وَالزِّيَادَةُ وَاِنِ اشْتَرٰى دَارًا بِعَرْضٍ اَوْ بِعَقَارٍ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ

اور کچھ ثمن کم کرنا ظاہر ہوگا شفیع کے حق میں نہ کہ کل ثمن کم کرنا اور ثمن میں اضافہ کرنا اگر خریدا مکان سامان یا زمین کے عوض میں تو لے اس کو شفیع اس کی قیمت کے

بِقِيْمَتِهٖ وَبِمِثْلِهٖ لَوْ مِثْلِيًّا وَبِحَالٍ لَوْ مُؤَجَّلاً اَوْ يَصْبِرُ حَتّٰى يَمْضِيَ الْاَجَلُ فَيَاْخُذُهَا

عوض میں یا اس جیسی چیز کے عوض میں اگر وہ مثلی ہو اور فوری ثمن دیکر اگر میعادی ہو یا صبر کرے یہاں تک کہ مدت گذر جائے اس کے بعد لے لے۔

تشریح الفقہ: قولہ ولا یلزم الخ ظاہر الروایہ میں دعوی شفعہ کے ساتھ ثمن پیش کرنا ضروری نہیں البتہ قضاء قاضی کے بعد پیش کرنا ضروری ہے۔ امام محمد سے روایت ہے کی جب تک شفیع ثمن حاضر نہ کرے اس وقت تک قاضی شفعہ کا حکم نہیں کرے گا۔ یہی ایک روایت

امام صاحب سے حسن بن زیاد کی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ شفیع مفلس ہو پس اس صورت میں ثمن حاضر کرنے تک قاضی کو اپنا حکم شفعہ موقوف رکھنا پڑے گا۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ قضاء قاضی سے پیشتر شفیع پر کوئی چیز واجب نہیں تو جس طرح ثمن کی ادائیگی ضروری نہیں اسی طرح قاضی کی عدالت میں ثمن لانا بھی ضروری نہیں۔

قولہ وادعی الخ مشتری کے درمیان ثمن میں اختلاف ہو مشتری زیادہ بتائے اور بائع کم اور قیمت ابھی وصول نہیں کی تو شفیع کے حق میں بائع کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اگر فی الواقع بائع کا قول صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر بیع منعقد ہوئی اور اگر مشتری کا قول حق ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ بائع نے اپنی جانب سے قیمت کم کردی اور یہ کمی کا حق دراصل مشتری کا ہے مگر چونکہ شفیع اس مکان کا مستحق ہو چکا ہے اس لئے یہ حق شفیع کو بھی حاصل ہوگا۔ بہر کیف حکم کا مدار بائع ہی کے قول پر ہوگا۔ اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کرلیا پھر مقدار ثمن میں اختلاف ہوا تو اگر شفیع کے پاس گواہ ہوں تو قبول ہوں گے ورنہ مشتری سے قسم لے کر فیصلہ کردیا جائے گا اور بائع کے قول کا کچھ اعتبار نہ ہوگا خواہ وہ ثمن کم بتائے یا زائد۔ اس واسطے کہ جب بائع ثمن وصول کر چکا تو بیع مکمل ہوگئی اور مشتری مبیع کا مالک ہوگیا اور بائع اجنبی محض ہوگیا۔ اور اختلاف صرف شفیع اور مشتری کے درمیان رہا۔ **وعند الائمة الثلاثة یا خذھا بقول المشتری فیھما۔**

قولہ وحط البعض الخ مشفوعہ مکان کا معاوضہ جو بذمہ شفیع عائد ہوتا ہے۔ اگر بیع تام ہوجانے کے بعد بائع مشتری کے ذمہ سے کچھ قیمت کم کردے تو شفیع کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اسی کم قیمت پر مکان لے لے۔ لیکن اگر بائع پوری قیمت معاف کردے تو یہ شفیع کے حق میں ساقط نہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ کل ثمن ساقط کرنا اصل عقد کیساتھ لاحق ہوسکتا ورنہ شفعہ ہی باطل ہوجائیگا۔ اس واسطے کہ کل ثمن ساقط کرنا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو عقد بیع عقد ہبہ ہوجائے گا یا عقد بلا ثمن ہوگا۔ (جو فاسد ہے) اور ہبہ اور بیع فاسد دونوں میں حق شفعہ نہیں ہوتا۔ نیز اگر مشتری نے ثمن میں اضافہ کیا تو شفیع پر لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ شفیع کو اسی ثمن پر لینے کا استحقاق حاصل ہو چکا جس پر عقد اول واقع ہوا ہے تو بعد میں مشتری وغیرہ کے فعل سے اس پر زیادتی لازم نہ ہوگی۔

قولہ وان اشتری وارا الخ اگر مشفوعہ مکان کو اسباب یا زمین کے عوض میں خریدا گیا تو شفیع اس کی قیمت دے کر لے سکتا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں ذوات القیم میں سے ہیں۔ اور اگر مثلی اشیاء یعنی کیلی اور وزنی چیز کے عوض میں خریدا گیا تو شفیع اس کا مثل دے کر لے سکتا ہے۔ اور اگر مکان میعادی ثمن پر (ادھار) خریدا گیا ہو تو شفیع کو دو باتوں میں اختیار ہے چاہے فوراً ثمن دیکر لے لے چاہے مدت گزرنے کا انتظار کرے اور مدت گزرنے پر لے لے لیکن ادھار نہیں لے سکتا البتہ امام زفرؒ امام مالکؒ امام احمد کے نزدیک اس کا بھی اختیار ہے۔ امام شافعی کا بھی قول قدیم یہی ہے۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ثمن کا کھوٹا ہونا اس کا وصف ہے اسی طرح میعادی ہونا بھی ثمن کا ایک وصف ہے۔ پس ثمن جس وصف کیساتھ مقرر ہو اسی کے ساتھ لازم ہوگا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ میعادی ہونا وصف نہیں بلکہ اداء ثمن کا ایک طریقہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میعاد کا ثبوت شرط کے بغیر نہیں ہوتا اور شفیع سے بائع یا مشتری کی کوئی شرط نہیں ہوئی۔ لہٰذا شفیع کے حق میں ادھار کی گنجائش نہ ہوگی۔ محمد حنیف غفرلہٗ گنگوہی۔

وَبِمِثْلِ الْخَمْرِ وَقِيمَةِ الْخِنْزِيرِ اِنْ كَانَ الشَّفِيعُ ذِمِّيًّا وَبِقِيمَتِهِمَا لَوْ مُسْلِمًا وَبِالثَّمَنِ وَقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ

اور مثل خمر و قیمت خنزیر کے عوض میں لے اگر شفیع ذمی ہو اور ان دونوں کی قیمت کے عوض میں لے اگر وہ مسلمان ہو اور ثمن اور عمارت اور درخت کی

لَوْبَنَى الْمُشْتَرِىْ اَوْ غَرَسَ اَوْ كَلَّفَ الْمُشْتَرِىْ قَلْعَهُمَا وَاِنْ فَعَلَهُمَا الشَّفِيعُ فَاسْتُحِقَّتْ

قیمت دیکر لے اگر عمارت بنائی مشتری نے یا درخت لگالیا یا مجبور کرے مشتری کو ان کے اکھاڑنے پر اور اگر ان کو شفیع نے کیا پھر زمین کسی اور کی نکلی

رَجَعَ بِالثَّمَنِ فَقَطْ وَبِكُلِّ الثَّمَنِ اِنْ خَرِبَتِ الدَّارُ اَوْ جَفَّ الشَّجَرُ وَبِحِصَّةِ الْعَرْصَةِ اِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِیُ الْبِنَاءَ

تو صرف ثمن واپس لے اور کل ثمن دیکر لے اگر خراب ہو گیا مکان یا خشک ہو گیا درخت اور میدان کی قیمت دیکر لے اگر مشتری نے توڑ دی ہو عمارت

وَالنَّقْضُ لَهٗ وَبِثَمَرِهَا اِنْ ابْتَاعَ اَرْضًا وَنَخْلاً وَثَمَرًا اَوْ اَثْمَرَ فِي يَدِهٖ

اور ملبہ مشتری کا ہوگا اور پھلوں کے ساتھ لے اگر خریدی ہو زمین اور درخت معہ پھلوں کے یا پھل لگے ہوں مشتری کے پاس

وَاِنْ جَذَّهُ الْمُشْتَرِیُ سَقَطَ حِصَّةٌ مِنَ الثَّمَنِ.

اور اگر توڑ لے ان کو مشتری تو ساقط ہو جائیگا اتنا ہی حصہ ثمن کا۔

تصرفات مشتری کے احکام

تشریح الفقہ: قولہ وبمثل الخمر الخ ایک ذمی نے دوسرے ذمی سے کوئی جائداد یا مکان شراب یا خنزیر کے عوض میں خریدا اور اتفاق سے اس کا شفیع بھی ذمی ہے تو وہ مثل شراب یا خنزیر کی قیمت دیکر لے سکتا ہے۔ کیونکہ شراب مثلی ہے اور خنزیر ذوات القیم میں سے ہے۔ اور اگر بائع و مشتری تو ذمی ہوں اور شفیع مسلمان ہو تو وہ خنزیر اور شراب دونوں کی قیمت دیکر لیگا۔ کیونکہ مسلمان کیلئے شراب کی تملیک اور تملک دونوں ممنوع ہیں۔

سوال خنزیر کی قیمت اس کی ذات کے قائم مقام ہوتی ہے تو مسلمان کیلئے تملیک قیمت خنزیر بھی حرام ہونی چاہئے چنانچہ حکم یہی ہے کہ اگر کوئی ذمی اپنی تجارت کے خنزیر لے کر عاشر کے پاس سے گزرے تو عاشر اس سے خنزیر کی قیمت سے بھی عشر نہیں لے سکتا کیونکہ خنزیر کی قیمت بھی خنزیر کے حکم میں ہے؟

جواب مسلمان پر خنزیر کی قیمت کا لین دین اس وقت حرام ہے جب خنزیر کا عوض بلا واسطہ ہو ورنہ حرام نہیں اور یہاں عوض بالواسطہ ہے نہ کہ بلا واسطہ۔ کیونکہ یہاں خنزیر کی قیمت اس مکان کا عوض ہے جس کے بدلے میں خنزیر تھا تو براہ راست خنزیر کا عوض نہ ہوا۔

قولہ وبالثمن الخ اگر مشتری نے خرید کردہ زمین میں کوئی عمارت بنالی یا باغ وغیرہ لگالیا اس کے بعد حق شفعہ کا حکم ہو گیا تو طرفین کے نزدیک شفیع کو دو اختیار ہیں چاہے زمین اس کے ثمن اور عمارت وغیرہ کی قیمت کیساتھ لے لے چاہے زمین کے ثمن اور عمارت کی قیمت کے ساتھ لے اور چاہے بالکل چھوڑ دے۔ امام شافعی کے یہاں ان دو کے ساتھ تیسرا اختیار یہ بھی ہے کہ مشتری سے درخت اکھاڑنے کیلئے کہے اور جو نقصان ہو اس کا تاوان دیدے۔ امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ مشتری کا تصرف حق بجانب ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی خریدی ہوئی چیز میں تصرف کیا ہے۔ پس اس عمارت وغیرہ اکھاڑنے کا حکم دینا ایک قسم کا ظلم ہے۔ اس لئے اس کو اکھاڑنے کا حکم نہیں کیا جاسکتا۔ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ یا تو شفیع اس کی قیمت دے کر لے لے یا بالکل چھوڑ دے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ گو مشتری نے اپنی خریدی ہوئی چیز میں تصرف کیا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ شفیع کا حق وابستہ بلکہ پختہ ہو چکا ہے اس لئے اس کا تصرف توڑ دیا جائے گا اور شفیع کو مذکورہ بالا اختیارات ہوں گے۔

قولہ وان فعلھما الخ شفیع کے حق میں کسی زمین کا فیصلہ ہوا اور اس نے زمین میں مکان بنالیا یا باغ لگالیا پھر کسی مدعی نے اپنی ملکیت ثابت کر کے بائع و مشتری کی بیع باطل کرا کر شفیع سے زمین لے لی اور عمارت وغیرہ اکھڑوادی تو شفیع کو صرف ثمن واپس لینے کا اختیار ہوگا۔ عمارت وغیرہ کی قیمت نہیں لے سکتا۔ نہ بائع سے نہ مشتری سے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں مشتری بائع کی جانب سے مسلط ہونے کی بنا کر دھوکے میں ہے۔ کہ اس میں جو چاہے تصرف کرے اور یہاں مشتری کی جانب سے شفیع کے حق میں کوئی دھوکہ نہیں۔

کیونکہ مشتری تو شفیع کو دینے پر مجبور ہے۔

قولہ وبکل الثمن الخ اگر مشفوعہ زمیں پر کوئی سماوی آفت آجائے مثلاً مکان تھا وہ گر گیا یا باغ تھا وہ خود بخود خشک ہو گیا تو اس صورت میں شفیع کو اختیار ہے چاہے کل ثمن دے کر لے چاہے بالکل چھوڑ دے۔ کیونکہ عمارت اور درخت وغیرہ سب زمیں کے تابع ہیں اس لئے ان چیزوں کے مقابلہ میں ثمن کی کوئی مقدار نہ ہوگی۔ بلکہ کل ثمن اصل زمین کا ہوگا۔ اور اگر مشتری نے مشفوعہ مکان کے کچھ حصے کو توڑ ڈالا تو شفیع سے اسی قدر قیمت ساقط ہو جائیگی۔ کیونکہ یہ اتلاف مشتری کے فعل سے ہوا ہے۔ اس لئے اب عمارت کے مقابلہ میں ثمن کا حصہ آئیگا۔

قولہ وبثمرھا الخ اگر مشتری نے زمیں اور اس کے اندر کے درخت مع پھل پھول خریدے یعنی خریدتے وقت انکے لینے کی شرط کر لی یا درختوں پر پھل مشتری کے پاس آکر لگے تو از روئے قیاس شفیع کو پھل نہیں لینے چاہئیں کیونکہ پھل زمیں کے تابع نہیں ہیں لیکن استحساناً شفیع زمیں اور درخت مع پھلوں کے لیگا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ پھل خلقۃً متصل ہونے کی وجہ سے من وجہ تابع ہے۔ اور اگر پھل مشتری نے توڑ لیا تو شفیع اتنی ہی قیمت کم کر دے۔ کیونکہ پھل بیع میں داخل ہو کر مقصود ہو گیا تو اس کے مقابلہ میں قیمت آئے گی۔

باب ماتجب فیه الشفعة وما لاتجب

باب ان ان چیزوں میں جن میں شفعہ واجب ہوتا ہے اور جن میں نہیں ہوتا

اِنَّمَا تَجِبُ الشُّفْعَةُ فِي عِقَارٍ مُلِکَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ لاَ فِي عَرْضٍ وَفُلْکٍ وَبِنَاءٍ وَنَخْلٍ بِيْعَا بِلاَ عَرْصَةٍ

محقق ہوتا ہے شفعہ اسی زمین میں جو بعوض مال مملوک ہو نہ کہ اسباب اور کشتی میں اور عمارت اور درخت میں جو بیچے گئے ہوں بلا زمین

وَدَارٍ جُعِلَتْ مَهْرًا اَوْ اُجْرَةً اَوْ بَدَلَ خُلْعٍ اَوْ بَدَلَ صُلْحٍ عَنْ دَمِ عَمَدٍ اَوْ عِوَضَ عِتْقٍ اَوْ وُهِبَتْ بِلاَعِوَضٍ

اور اس گھر میں جو ٹھہرایا گیا ہو مہر یا اجرت یا بدل خلع یا بدل صلح دم عمد کی طرف سے یا عوض آزادی کا یا ہبہ کیا گیا ہو بلا عوض مشروط

مَشْرُوْطٍ اَوْ بِيْعَتْ بِخِيَارِ الْبَائِعِ اَوْ بِيْعَتْ فَاسِدًا مَالَمْ يَسْقُطْ حَقُّ الْفَسْخِ بِالْبِنَاءِ اَوْ قُسِّمَتْ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ

یا بیچا گیا ہو بائع کے خیار کے ساتھ یا بیچا گیا ہو بطریق بیع فاسد جب تک کہ ساقط نہ ہو حق فسخ عمارت بنالینے سے یا تقسیم کیا گیا شرکاء میں

اَوْ سُلِّمَتْ شُفْعَتُهٗ ثُمَّ رُدَّتْ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ اَوْ شَرْطٍ اَوْ عَيْبٍ بِقَضَاءٍ

یا چھوڑ دیا گیا ہو اس کا شفعہ پھر واپس کیا گیا ہو خیار رویت یا خیار شرط کے ساتھ یا خیار عیب کے ساتھ بذریعہ قضاء

وَتَجِبُ لَوْ رُدَّتْ بِلاَ قَضَاءٍ اَوْ تَقَايَلاَ.

اور واجب ہوگا اگر واپس کیا گیا ہو بلا قضاء یا بحکم اقالہ

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ اجمالی طور پر وجوب شفعہ بیان کرنے کے بعد اس کی تفصیل ذکر کر رہا ہے کیونکہ تفصیل کا حق اجمال کے بعد ہی ہے۔ ہمارے یہاں بالقصد صرف اس عقار میں واجب ہوتا ہے جو بعوض مال مملوک ہو قابل تقسیم ہو یا نہ ہو جیسے پن چکی، حمام، کنواں، نہر، چھوٹا سا گھر (جو تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہ رہے) امام شافعی کے یہاں غیر قابل تقسیم چیزوں میں شفعہ نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک سبب شفعہ تقسیم کی مشقت وغیرہ سے بچاؤ ہے۔ تو غیر قابل تقسیم چیزوں میں اس سبب کے نہ پائے جانے کی وجہ سے شفعہ نہ رہیگا۔ امام

....

عہ...... ابن راہویہ طحاوی عن ابن عباس ۱۲۔ عہ...... طحاوی عن ابن عباس ۱۲

مالک سے بھی ایک روایت یہی ہے اور ایک روایت امام صاحب کے موافق ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نصوص شفعہ مطلق ہیں مثلاً **الشریک شفیع والشفعة فی کل شی** ''اسی طرح **قضی رسول** ﷺ **بالشفعة فی کل شئی** ''ہم نے بالقصد کی قید اس لئے لگائی کہ شفعہ غیر قصد غیر عقار میں بھی ہوتا ہے۔ جیسے درخت میں گھر کے ساتھ نہر میں آراضی کے ساتھ' عوض کی قید سے ہبہ بلاعوض اور مال کی قید سے مہر خارج ہو گیا۔

قوله فی عرض الخ اسباب اور کشتیوں میں شفعہ نہیں کیونکہ حدیث میں ہے ''**لا شفعة الافی ربع او حائط**'' ربع سے مراد دار' صحن' منزل ہے۔ اور حائط سے مراد بستان' پس یہ حدیث امام مالک پر حجت ہے۔ جو کشتیوں میں شفعہ واجب کرتے ہیں اگر عمارت اور باغ زمین کے بغیر فروخت ہوں تو اس میں بھی شفعہ نہیں۔ کیونکہ صرف عمارت اور درخت کیلئے دوام وقرار نہیں تو یہ بھی منقولات میں سے ہوئے۔

قوله ودار جعلت الخ جس مکان پر آدمی سے نکاح کرے یا عورت اس کو بدل خلع قرار دے یا اس پر کوئی دوسرا مکان کرایہ پر لے۔ یا اس پر قتل عمد سے صلح کرے یا کسی غلام کو آزاد کرے تو ایسے مکان میں شفعہ نہیں ہے۔ کیونکہ شفعہ مبادلہ مال بالمال میں ہوتا ہے۔ اور مذکورہ بالا اعواض مال نہیں تو ان میں شفعہ واجب کرنا خلاف مشروع وقلب موضوع ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ اعواض قیمتی مال ہیں۔ لہٰذا ان کی قیمت کے عوض میں مشفوعہ مکان لے سکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ نکاح میں عورت کے منافع بضع کا متقوم ہونا اور دوسری چیزوں کا بعقد اجارہ متقوم ہونا برائے ضرورت ہے۔ تو شفعہ کے حق میں یہ تقوم ظاہر نہ ہوگا۔ اسی طرح خون اور غلام کی آزادی بھی متقوم نہیں۔ کیونکہ قیمت اس چیز کا نام ہے جو ایک خاص معنی مقصودی میں دوسری چیز کے قائم مقام ہو۔ اور یہ بات ان دونوں میں متحقق نہیں پس ان کو متقوم کہنا صحیح نہیں۔

قوله اووهبت الخ کسی نے مکان ہبہ کیا اور اس کے عوض میں کوئی چیز شرط نہیں کی تو اس میں شفعہ نہ ہوگا۔ کیونکہ شفعہ صرف معاوضہ مالیہ میں ہوتا ہے۔ اور ہبہ بلاعوض تبرع واحسان ہے' اگر بائع خیار شرط کیساتھ مکان فروخت کرے۔ تو خیار ساقط ہونے تک شفعہ نہ ہوگا۔ کیونکہ بائع کا خیار زوال ملک سے مانع ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر مکان کی بیع فاسد ہو۔ تو جب تک حق فسخ ساقط نہ ہو اس وقت تک اس میں شفعہ نہ ہوگا۔ کیونکہ بیع فاسد قبل از قبض مشتری کے لئے مفید ملک نہیں ہوتی تو اس میں بائع کی ملک باقی رہی' نیز اگر مکان شریکوں میں تقسیم کیا گیا تو تقسیم کی وجہ سے شفعہ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ شفعہ مبادلہ مال بالمال کیوجہ سے ہوتا ہے۔ اور قسمت مبادلہ نہیں ہے۔

قوله او سلمت الخ ایک مکان فروخت ہوا اور شفیع نے اپنا حق شفعہ چھوڑ دیا اس کے بعد وہ مکان خیار شرط یا خیار رویت کے سبب سے واپس کر دیا گیا یا خیار عیب کیوجہ سے واپس کیا گیا اور واپسی قاضی کے حکم سے ہوئی تو اس میں شفعہ نہ ہوگا۔ کیونکہ شفعہ بیع کے بعد ہوتا ہے۔ نہ کہ فسخ بیع کے بعد' ہاں اگر خیار عیب کیوجہ سے واپسی بلا قضاء قاضی ہو یا بحکم اقالہ ہو تو شفعہ واجب ہوگا کیونکہ عیب کی وجہ سے بلا قضاء قاضی واپس کرنا ابتداء بیع کے درجہ میں ہوتا ہے اور اقالہ شخص ثالث کے حق میں بیع ہوتا ہے[للعہ]۔

عہ...... بزار عن جابر ۱۲۔ سقوط حق فسخ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً مشتری اس میں کوئی عمارت بنالے ۱۲۔ للعہ...... وعند زفر والشافعی واحمد لاتجب فی ہذہ الصورۃ ایضاً ۱۲۔

باب ماتبطل به الشفعة

باب ان چیزوں میں جن سے شفعہ باطل ہوجاتا ہے

وَتَبطُلُ بِتَرکِ طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ اَوِ التَّقرِيرِ وَبِالصُّلحِ مِنَ الشُّفعَةِ عَلٰى عِوَضٍ وَعَلَيهِ رَدُّهٗ

اور باطل ہوجاتا ہے طلب مواثبت وطلب تقریر ترک کرنے سے اور صلح کر لینے سے کسی عوض پر اور شفیع پر واجب ہے عوض واپس کرنا

وَبِمَوتِ الشَّفِيعِ لاَالْمُشتَرِیْ وَبِبَيعِ مَايَشفَعُ بِهٖ قَبلَ الْقَضَاءِ بِالشُّفعَةِ

اور شفیع کے مرجانے سے نہ کہ مشتری کے مرنے سے اور اس چیز کے بیچ دینے سے جس کے باعث شفعہ کررہا ہے حکم شفعہ ہونے سے پہلے

وَلاَ شُفعَةَ لِمَنْ بَاعَ اَوْ بِيعَ لَهٗ اَوْ ضَمِنَ الدَّرکَ عَنِ الْبَائِعِ وَمَنْ ابْتَاعَ اَوِ ابْتِيعَ لَهٗ

اور شفعہ نہیں اس کیلئے جو بیچے یا بیچا جائے اس کے لئے یا ضامن ہو درک کا بائع کی طرف سے اور جو خریدے یا اسکے لئے خریدا جائے

فَلَهُ الشُّفعَةُ وَاِنْ قِيلَ لِلشَّفِيعِ اِنَّهَا بِيعَتْ بِاَلفٍ فَسَلَّمَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهَا بِيعَتْ بِاَقَلَّ اَوْ بِبُرٍّ اَوْ شَعِيرٍ

تو اس کے لئے شفعہ ہے اگر کہا گیا شفیع سے کہ مکان بیچا گیا ہے ہزار میں اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر معلوم ہوا کہ وہ بیچا گیا ہے کم میں یا گیہوں یا جو کے عوض

قِيمَتُهٗ اَلفٌ اَوْ اَكثَرَ فَلَهُ الشُّفعَةُ وَلَوْ بَانَ اَنَّهَا بِيعَتْ بِدَنَانِيرَ قِيمَتُهَا اَلفٌ فَلاَ شُفعَةَ وَاِنْ قِيلَ لَهٗ اِنَّهُ اشْتَرٰی

جس کی قیمت ہزار یا اس سے زائد ہے تو اس کے لئے شفعہ ہے اور اگر ظاہر ہوا کہ وہ بیچا گیا ہے اشرفیوں میں جن کی قیمت ہزار ہے تو شفعہ نہیں

فُلاَنٌ فَسَلَّمَ فَبَانَ اَنَّهٗ غَيرُهٗ فَلَهُ الشُّفعَةُ.

اگر کہا گیا شفیع سے کہ مکان فلاں نے خریدا ہے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر ظاہر ہوا کہ مشتری غیر ہے تو اس کے لئے شفعہ ہے۔

تشریح الفقہ: قوله وتبطل الخ اگر شفیع نے طلب مواثبہ اور طلب تقریر کو ترک کردیا تو حق شفعہ باطل ہوجائے گا۔ کیونکہ یہ اعراض کی دلیل ہے۔ اگر شفیع نے مشتری سے کچھ عوض لیکر شفعہ کیطرف سے صلح کرلی تو حق شفعہ باطل ہوجائیگا اور عوض واپس کرنا پڑے گا کیونکہ شفعہ بلا ملک حق تملک کو کہتے ہیں تو اس کا عوض لینا صحیح نہیں' اگر شفیع شفعہ لینے سے پہلے مرجائے تو شفعہ باطل ہوجائے گا امام شافعی کے یہاں باطل نہیں ہوتا بلکہ موروث ہوتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ شفعہ تو محض حق تملک کا نام ہے۔ جو صاحب حق کے مرجانے کے بعد باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا اس میں وارثت جاری نہیں ہوسکتی۔ لیکن مشتری کے مرنے سے شفعہ باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ مستحق شفعہ شفیع ہے تو اسی کی بقا معتبر ہوگی' جس زمین یا مکان کے سبب سے شفیع شفعہ پانے والا تھا اگر وہ اس کو ثبوت شفعہ کے حکم سے پہلے فروخت کردے تو شفعہ باطل ہوجائے گا۔ کیونکہ تملک سے پہلے ہی سبب استحقاق یعنی اتصال بالملک زائل ہوگیا۔

قوله ولا شفعه الخ ایک مکان تین آدمیوں میں مشترک ہے ان میں سے ایک نے دوسرے کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا وکیل بنایا وکیل نے فروخت کردیا تو نفس مبیع میں شرکت کا حق شفعہ نہ وکیل کیلئے ہوگا نہ مؤکل کیلئے بلکہ شریک ثالث کیلئے ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں پہلا شخص بائع ہے ور دوسرا شخص مبیع لہ اور بائع شفعہ کے ذریعہ سے مکان لیکر اس عقد بیع کو توڑنا چاہتا ہے جو اس کی جانب سے تام ہوچکا۔ کیونکہ وہ شفعہ کے ذریعہ سے لے لینے کے بعد مشتری کہلائے گا نہ کہ بائع۔ حالانکہ وہ بائع تھا' اسی طرح اگر کوئی شخص بائع کی طرف سے درک کا ضامن ہوجائے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے بھی حق شفعہ نہ ہوگا **لان البيع تم بضمانه حيث لم يرض المشتری الا بضمانه۔**

قولہ ومن ابتاع الخ ایک مکان تین آدمیوں میں مشترک ہے ان میں سے ایک نے دوسرے کو تیسرے حصہ خریدنے کیلئے وکیل بنایا تو وکیل اور مؤکل دونوں کے لئے حق شفعہ ہوگا اور شریک حق مبیع اور جار ملاصق پر مقدم ہوں گے۔ وجہ یہ ہے کہ شفعہ اظہار اعراض سے باطل ہوتا ہے۔ نہ کہ اظہار رغبت سے اور شراء کی صورت میں اظہار رغبت ہے نہ کہ اظہار اعراض **وفی البیع عکس ذلک۔**

قولہ وان قیل الخ شفیع سے کہا گیا کہ مکان ایک ہزار روپیہ میں فروخت ہوا ہے شفیع نے بیع کو برقرار رکھا یعنی شفعہ طلب نہیں کیا پھر معلوم ہوا کہ مکان اس سے کم میں یا اتنے گیہوں وغیرہ کے عوض میں فروخت ہوا ہے۔ جن کی قیمت ایک ہزار روپیہ یا اس سے زائد ہے تو اس صورت میں شفیع کے لئے حق شفعہ ہوگا' اور اگر یہ معلوم ہوا کہ اتنی اشرفیوں کے عوض میں فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے۔ تو امام ابویوسف کے نزدیک حق شفعہ نہ ہوگا۔ مگر استحساناً قیاس کی رو سے یہاں بھی حق شفعہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ امام زفر کا قول یہی ہے کیونکہ جنس یہاں بھی مختلف ہے۔ حقیقۃً بھی اور حکماً بھی **حتی جاز التفاضل بینهما فی البیع**۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں شفعہ طلب نہ کرنا کثرت ثمن یا تعذر جنس کی وجہ سے تھا بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوا تو وہ شفعہ کا حقدار ہوگا۔ کیونکہ اختلاف ثمن کی وجہ سے رغبت میں اختلاف ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت میں اختلاف صرف درہم و دینار کا ہے۔ جس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ثمنیت میں دونوں جنسیں متحد ہیں۔

قولہ وان قیل لہ الخ شفیع سے کہا گیا کہ مکان فلاں شخص نے خریدا ہے۔ شفیع نے بیع تسلیم کر لی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کسی اور نے خریدا ہے۔ تو شفیع کو شفعہ کا حق ہوگا۔ کیونکہ اخلاق و عادات کے لحاظ سے آدمی مختلف ہوتے ہیں بعضوں کی ہمسائیگی گوارا ہوتی ہے اور بعضوں کی ناگوار۔ تو ایک کے متعلق بیع تسلیم کرنا دوسرے کے متعلق بیع تسلیم کرنے کو مستلزم نہیں۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَاِنْ بَاعَهَا اِلَّا ذِرَاعاً فِیْ جَانِبِ الشَّفِیْعِ فَلاَ شُفْعَةَ لَهٗ وَاِنْ ابْتَاعَ مِنْهَا سَهْماً بِثَمَنٍ ثُمَّ ابْتَاعَ بَقِیَّتَهَا فَالشُّفْعَةُ

اگر بیچا مکان مگر ایک گز شفیع کی جانب میں تو اس کے لئے شفعہ نہیں اگر خریدا کچھ مکان کسی ثمن کے عوض میں پھر خریدا باقی تو شفعہ پڑوسی کے لئے

لِلْجَارِ فِی السَّهْمِ الاَوَّلِ فَقَطْ وَاِنْ ابْتَاعَهَا بِثَمَنٍ ثُمَّ دَفَعَ ثَوْباً عَنْهُ فَالشُّفْعَةُ بِالثَّمَنِ لاَ الثَّوْبِ وَلاَ یُکْرَهُ الْحِیْلَةُ

صرف پہلے حصہ میں ہوگا اگر خریدا مکان ثمن کے عوض میں پھر دیدیا اس کی طرف سے کپڑا تو شفعہ ثمن سے ہوگا نہ کہ کپڑے سے مکروہ نہیں حیلہ

لِاِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ وَالزَّکٰوةِ وَاَخْذُ حَظِّ الْبَعْضِ بِتَعَدُّدِ الْمُشْتَرِیْ لاَ بِتَعَدُّدِ الْبَائِعِ وَاِنْ اشْتَرٰی نِصْفَ دَارٍ غَیْرَ

شفعہ اور زکوۃ ساقط کرنے کے لئے اور لینا بعض کے حصہ کا تعدد مشتری سے ہے نہ کہ تعدد بائع سے اگر خریدا نصف مکان غیر مقسوم

مَقْسُوْمٍ اَخَذَ الشَّفِیْعُ حَظَّ الْمُشْتَرِیْ بِقِسْمَتِهٖ وَلِلْعَبْدِ الْمَاذُوْنِ الْمَدْیُوْنِ الاَخْذُ بِالشُّفْعَةِ مِنْ سَیِّدِهٖ

تو لے شفیع مشتری کا حصہ اس کی تقسیم کے ساتھ عبد ماذون مقروض کے لئے حق ہے بذریعہ شفعہ لے لینے کا اپنے آقا سے

کَعَکْسِهٖ وَصَحَّ تَسْلِیْمُ الشُّفْعَةِ مِنَ الاَبِ وَالْوَصِیِّ وَالْوَکِیْلِ.

جیسے اس کا عکس اور صحیح ہے شفعہ سے دست بردار ہونا باپ اور وصی اور وکیل کا۔

تدابیر سقوط حق شفعہ کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ وان باعها الخ ایک شخص نے اپنی زمین یا مکان فروخت کیا اور جو حصہ شفیع کی جانب ہے اس میں سے گز بھر یا ہاتھ بھر یا بالشت بھر ٹکڑا فروخت نہیں کیا تو شفیع اس میں شفعہ کا دعوی نہیں کر سکتا (بشرطیکہ طول مستثنیٰ شفیع کے تمام گھر سے ملاصق ہو) اس واسطے کہ شفعہ کا سبب مبیع کے ساتھ شفیع کی ملک کا متصل ہونا تھا۔ اور صورت مذکورہ میں اتصال ملک بالمبیع موجود نہیں۔

قولہ وان ابتاع منھا الخ مشتری نے اول مکان کا کچھ حصہ (مثلاً دسواں حصہ) ایک معین ثمن (مثلاً پانچسو روپیہ) دیکر خریدا اس کے بعد باقی مکان خرید لیا تو پڑوسی کا حق شفعہ صرف پہلے حصہ میں ہوگا اور باقی مکان مشتری کا ہوگا کیونکہ مشتری خرید اول سے بائع کا شریک ہوگیا اور شریک حق شفعہ میں ہمسایہ پر مقدم ہوتا ہے۔

قولہ وان ابتاعھا بثمن الخ ایک مکان کی قیمت سو روپیہ ہے۔ مشتری نے اس کو ہزار روپیہ میں خرید لیا تو پھر ثمن کے عوض میں بائع کو اس کی رضا مندی کیساتھ کپڑے کا ایک تھان دیدیا تو شفیع اگر چاہے تو ہزار کے عوض میں لینا پڑے گا نہ کہ اس تھان کے عوض میں کیونکہ مکان کا عوض وہی ہزار درہم ہیں اور ہزار کے عوض میں تھان دینا دوسرا عقد ہے۔

قولہ ولا یکرہ الخ ایسی تدبیر کرنا جس سے شفیع مشفوع کو نہ لے سکے دو قسم پر ہے ایک حیلۂ اسقاط شفعہ اور ایک حیلہ دفع ثبوت شفعہ سو ثبوت شفعہ کے بعد اس کو ساقط کرنے کیلئے حیلہ کرنا صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔ مثلاً مشتری نے ایک مکان خرید کر شفیع سے کہا کہ تو یہ مکان مجھ سے خرید لے اور یہ اس لئے کہا کہ اگر وہ خرید کا ارادہ کرے گا تو شفعہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ خرید پر اقدام کرنا شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے۔ تو یہ حیلہ اسقاط شفعہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ دوسری صورت میں یعنی ایسا حیلہ کرنا جس سے شفعہ ثابت ہی نہ ہو امام محمد کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں اور باب شفعہ میں فتوی امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ سراجیہ میں ہے کہ حیلہ کا جواز اس وقت ہے جب ہمسایہ کو اس کی ضرورت نہ ہو۔ **واستحسنہ محشی الاشباہ** شرح وقایہ میں ہے کہ شفعہ کی مشروعیت دفع ضرر جوار کیلئے ہے۔ تو اگر مشتری ایسا شخص ہو کہ اس سے پڑوسیوں کو ضرر ہو تو اسقاط شفعہ کا حیلہ کرنا حلال نہیں۔ اور اگر مشتری نیک مرد ہو اور شفیع متعنت ہو جس کی ہمسائیگی ناپسند ہو تو حیلہ حلال ہے۔ منع زکوٰۃ کے حیلہ کی صورت یہ ہے کہ جس مال میں زکوٰۃ واجب ہو وہ سال گزرنے سے پہلے چھوٹے فرزند کو ہبہ کر دے یا سال گزرنے سے پہلے اتنی مقدار خیرات کر دے جس سے پورا نصاب باقی نہ رہے۔ امام محمد کے نزدیک یہ حیلہ مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں۔ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔ شرح وقایہ میں ہے کہ یہ حیلہ نہایت قبیح ہے کیونکہ اس میں بخل اختیار کرنا اور فقیروں کا رزق قطع کرنا ہے اور وعید عدم انفاق میں داخل ہونا ہے۔

قولہ واخذ حظ البعض الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ چند لوگوں نے ایک زمین خریدی اور فروخت کرنے والا ایک ہے تو خریداروں کے شمار کے موافق اخذ شفعہ ہوگا اور شفیع کے لئے جائز ہوگا کہ کسی ایک خریدار کا حصہ لے اور باقی چھوڑ دے۔ اور اگر فروخت کرنے والے چند لوگ ہوں اور خریدار ایک ہو تو اخذ شفعہ متعدد نہ ہوگا بلکہ شفیع یا تو پوری زمیں لے گا یا پوری کو چھوڑ دیگا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ اس صورت میں خریدار پر عقد کی تفریق لازم آتی ہے۔ بخلاف پہلی صورت کے کیونکہ اس میں شفیع ایک مشتری کے قائم مقام ہے۔

قولہ وان اشتری الخ ایک شخص نے غیر مقسوم مکان کا نصف حصہ خریدا پھر بائع سے تقسیم کرالیا تو شفیع دوبارہ تقسیم کرانے کا حقدار نہیں بلکہ مشتری سے وہ حصہ لے گا جو اس کو تقسیم سے حاصل ہوا ہے۔ خواہ تقسیم بطریق رضا ہو یا بذریعہ قضا۔ نیز وہ حصہ شفیع کی جانب میں پڑا ہو یا نہ پڑا ہو البتہ امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ شفیع وہی حصہ لیگا جو اس کی جانب میں پڑا ہے مگر پہلی صورت روایت اصح ہے۔

کتاب القسمة

هِیَ	جَمْعُ	نَصِیْبٍ	شَائِعٍ	فِیْ	مُعَیَّنٍ
وہ یکجا کردینا ہے	اس حصہ کو	جو شائع ہو	معین چیز میں		

تشریح الفقہ: **قولہ کتاب الخ** قسمت اور شفعہ دونوں حصہ شائعہ کے نتائج میں سے ہیں۔ کیونکہ شفعہ کا قوی ترین سبب شرکت ہے۔ اور شریکین میں سے ہر ایک یا تو بلا بقاء ملک دوسرے سے جدا ہوتا ہے تو وہ اپنا حصہ فروخت کرڈالتا ہے جس کے سبب سے شفعہ واجب ہوتا ہے یا اپنی ملک باقی رکھتے ہوئے دوسرے سے جدا ہوتا ہے تو وہ فروخت کئے بغیر اپنا حصہ لیتا ہے تو تقسیم کی ضرورت واقع ہوتی ہے۔ اس مناسبت سے شفعہ کے بعد قسمت کے مسائل ذکر کررہا ہے۔ **و قدم الشفعة لان بقاء ما کان علی ما کان اصل۔**

قولہ ہی الخ لفظ قسمۃ (بالکسر) لغۃً بقول صاحب مغرب اقتسام سے اور بقول صاحب قاموس تقسیم سے اسم ہے۔ جیسے قدوۃ اقتداء سے اور اسوۃ ائتساء سے اسم ہے۔ لغت میں تقسیم کرنے اور بانٹ لینے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شرع میں قسمت ایک شخص کے حصہ شائعہ کو ایک معین حصے میں جمع کرنے کو کہتے ہیں مثلاً ایک مکان تین شریکوں میں مشترک ہے تو ہر شخص کا حصہ بلا تعیین اس مکان کے ہر جزء میں شائع ہے۔ اور جب بذریعہ تقسیم اس کے تین حصے کردیئے گئے تو ہر شخص کا حصہ اس مکان کے خاص خاص اجزاء میں مجتمع ہوگیا اسی تعیین حق شائع کا نام قسمت ہے۔

وَتَشْتَمِلُ عَلَی الاِفْرَازِ وَالْمُبَادِلَةِ وَهُوَ الظَّاهِرُ فِی الْمِثْلِیِّ فَیَاْخُذُ حَظَّهٗ حَالَ غَیْبَةِ صَاحِبِهٖ

اور مشتمل ہوتی ہے حصہ کے جدا کرنے پر اور مبادلہ پر اور افراز غالب ہوتا ہے مثلی چیزوں میں پس لے سکتا ہے اپنا حصہ دوسرے کی عدم موجودگی میں

وَهِیَ فِیْ غَیْرِهٖ فَلاَ یَاْخُذُ وَیُجْبَرُ فِی مُتَّحِدِ الْجِنْسِ عِنْدَ طَلَبِ اَحَدِ الشُّرَکَاءِ لاَفِی غَیْرِهٖ

اور مبادلہ غالب ہوتا ہے غیر مثلی میں پس نہیں لے سکتا اور جبر کیا جائیگا متحد الجنس میں ایک شریک کی طلب پر نہ کہ غیر متحد الجنس میں

وَنُدِبَ نَصْبُ قَاسِمٍ رِزْقُهٗ مِنْ بَیْتِ الْمَالِ لِیَقْسِمَ بِلاَ اَجْرٍ وَاِلاَّ فَیُنْصَبُ قَاسِمٌ یَقْسِمُ بِاَجْرٍ بِعَدَدِ الرُّؤُسِ

مستحب ہے قاسم مقرر کرنا جس کا روزینہ بیت المال سے ہوتا کہ وہ تقسیم کرے بلا اجرت ورنہ مقرر کیا جائیگا قاسم جو تقسیم کریگا اجرت پر شریکوں کی شمار

وَیَجِبُ اَنْ یَکُوْنَ عَدْلاً اَمِیْنًا عَالِمًا بِالْقِسْمَةِ وَلاَ یَتَعَیَّنُ قَاسِمٌ وَاحِدٌ وَلاَ یَشْتَرِکُ الْقُسَّامُ

کے موافق اور ضروری ہے قاسم کا عادل امانت دار اور علم تقسیم سے واقف ہونا اور متعین نہ ہونا چاہئے ایک ہی قاسم اور شریک نہ ہونے پائیں قسمت

وَلاَ یُقْسَمُ الْعَقَارُ بَیْنَ الْوَرَثَةِ بِاِقْرَارِهِمْ حَتّٰی یُبَرْهِنُوْا عَلَی الْمَوْتِ وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ

کرنے والے اور تقسیم نہ کیجائے زمین ورثہ کے درمیان صرف ان کے اقرار سے یہاں تک کہ وہ ثبوت پیش کریں موت پر اور ورثہ کی شمار پر

وَیُقْسَمُ فِی الْمَنْقُوْلِ وَالْعَقَارِ الْمُشْتَرٰی وَدَعْوَی الْمِلْکِ

اور تقسیم کیاجائے مال منقول اور خرید کردہ زمین اور ملک مطلق کے دعوے میں

وَلَوْ بَرْهَنَا اَنَّ الْعِقَارَ فِی اَیْدِیْهِمَا لَمْ یُقْسَمْ حَتّٰی یُبَرْهِنَا اَنَّهٗ لَهُمَا.

اگر دو شریک دعوی کریں کہ زمین ہمارے تصرف میں ہے تو تقسیم نہ کیجائے یہاں تک کہ وہ ثابت کردیں کہ زمین ان کی ملک ہے۔

احکام تقسیم کی تفصیل

تشریح الفقہ: **قولہ وتشمل الخ** لفظ قسمۃ علی الاطلاق (یعنی مثلی اور قیمتی دونوں میں) یعنی افراز اور معنی مبادلہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ کیونکہ شریکین میں سے ہر ایک جو حصہ لیتا ہے اس کے اجزاء میں سے ہر جزء نصفین کو شامل ہوتا ہے۔ اب ان میں سے ایک مصنف تو اسی شریک کا ہے تو اس کا حاصل کرنا افراز ہوا یعنی اس نے اپنا حق بعینہ پالیا اور دوسرا نصف اس کے شریک کا ہے اس کو لینا اس حصہ کا عوض ہوا جو اس کے حصہ میں سے شریک ثانی کے قبضہ میں ہے تو یہ مبادلہ ہوا لیکن مثلی اشیا (مکیل وموزون اور عددی متقارب) میں معنی افراز غالب ہوتے ہیں اور غیر مثلی (یعنی قیمتی) اشیا حیوانات اور اسباب وغیرہ میں معنی مبادلہ غالب ہوتے ہیں جسکی وجہ یہ ہیکہ مثلی اشیا کے ابعاض وافراد میں تفاوت نہیں ہوتا۔ اس واسطے کے گیہوں اور جو میں سے جو ایک شریک لیتا ہے وہ ظاہر وباطن ہر اعتبار سے اس کے مثل ہوتا ہے جو دوسرا شریک لیتا ہے بخلاف غیر مثلی اشیا کے کہ ان کے افراد میں تفاوت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک گائے سو روپے کی ہوتی ہے تو دوسری دوسو کی، ایک گھوڑا پانچ سو روپے کا ہوتا ہے تو دوسرا ہزار کا پس یہاں کسی کے ایک حصہ کو عین حق قرار دینا ممکن نہیں۔

قولہ فیا خذ الخ مثلیات میں معنی افراز کے ظہور پر متفرع ہے یعنی جب یہ ثابت ہو گیا کہ مثلیات میں معنی افراز غالب ہوتے ہیں۔ اور غیر مثلیات میں معنی مبادلہ تو مثلیات میں ایک شریک اپنا حصہ دوسرے شریک کی عدم موجودگی میں لے سکتا ہے۔ کیونکہ مثلیات کے افراد میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا بخلاف غیر مثلیات (ثیاب وعقار اور حیوان وغیرہ) کے کہ ان میں اپنا حصہ دوسرے کی عدم موجودگی میں نہیں لے سکتا کیونکہ افراد متفاوت ہوتے ہیں۔

قولہ ویجبر الخ ایک وہم کا ازالہ ہے۔ وہم یہ ہوتا ہے کہ بقول شما غیر مثلیات میں معنی مبادلہ غالب ہوتے ہیں اسکے باوجود متحد الجنس غیر مثلی اشیا میں قسمت پر جبر کیا جاتا ہے حالانکہ مبادلات میں جبر نہیں ہوتا پھر اسکی کیا وجہ؟ وجہ ازالہ یہ ہے کہ قسمت پر جبر کا ہونا معنی افراز کے اعتبار سے ہے کہ اس میں منفعت کی تکمیل ہے۔ اور متحد الجنس میں مقاصد متقارب ہوتے ہیں اس لئے اس پر جبر جائز ہے۔ تاکہ ضرر دور ہو جائے۔ کیونکہ طالب قسمت یہی چاہتا ہے کہ میرا انتفاع میرے حصہ کے ساتھ مخصوص ہو جائے اور میری ملک میں دوسرے کا تصرف نہ رہے۔

قولہ ولا یقسم العقار الخ کچھ لوگوں نے ایک زمین کے متعلق دعویٰ کیا کہ ہم کو زید کی طرف سے وراثت میں ملی ہے۔ اور انہوں نے اس زمین کو تقسیم کرانا چاہا تو امام صاحب کے نزدیک صرف انکے دعوی پر زمین تقسیم نہیں کی جائے گی جب تک کہ وہ گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ کر دیں کہ زید کا انتقال ہو چکا ہے اور ہم اتنے آدمی اس کے وارث ہیں، صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک ورثہ کے اعتراف واقرار کے بعد زمین تقسیم کر دی جائے گی۔ امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ورثہ مال منقول کی وراثت کا یا اس کے ملک مطلق کا یا اس کی خریداری کا دعوی کرے تو جیسے ان صورتوں میں بالاتفاق گواہوں کے ذریعہ مزید تحقیق کی ضرورت نہیں اسی طرح غیر منقول کے دعوی میں بھی اس کی ضرورت نہیں۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ تقسیم کرنا قضا علی المیت ہے اور اقرار حجت قاصرہ ہے۔ یعنی اس کی حجیت مقر تک محدود ہے۔ غیر مقر کے حق میں حجت نہیں لہذا بینہ کا ہونا ضروری ہے تاکہ انکا اقرار میت کے خلاف حجت ہو سکے۔ نیز زمین بذات خود محفوظ ہے اس لئے اس کی تقسیم کی ضرورت نہیں بخلاف منقول کے کہ وہ معرض تلف میں ہوتی ہے تو اس کو تقسیم کرنے میں اس کی حفاظت ہے۔ اور حقدار کو اس کا حق پہونچانا ہے۔ پھر قبضہ دلیل ملک ہے اور اقرار دلیل صدق۔ اور دوسرا کوئی منازع موجود نہیں اس لئے مال منقول کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ جب تک کہ وہ بینہ سے ثابت نہ کر دیں۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

---

(۱) لانہا من جنس عمل القضاۃ من حیث انہا یتم بہا قطع المنازعۃ فاشبہ رزق القاضی ۱۲ (۲) عند الامام وعند ہما علیٰ قدر الانصبا وبہ قال الشافعی واحمد واصبغ المالکی ۱۲ مجمع الانہر (۳) ای یمنعہم القاضی من الاشتراک کیلا یتضرر الناس لان الاجرۃ تصیر بذلک غالیۃ لانہم اذا شترکوا یتواکلون وعند عدم الشرکۃ یتبادرون الیہا خشیۃ الفوت فیرخص الاجر بسبب ذلک ۱۲ زیلعی۔ (۴) ہذہ عبارۃ الجامع الصغیر وماتقدم روایۃ القدوری وکلاہما فی دعوی الملک المطلق ومثل ہذا لایلیق المختصر ۱۲ تکملہ واجاب عن ہذا بعض المتحققین بما لست احصلہ ۱۲ حاشیہ۔

وَلَوْ بَرْهَنَا عَلَى الْمَوْتِ وَعَدَدِالْوَرَثَةِ وَالدَّارُ فِي اَيْدِيْهِمَا وَمَعَهُمَا وَارِثٌ غَائِبٌ اَوْ صَبِيٌّ

اگر دوشریک گواہ لائیں موت پر اور ورثہ کی شمار پر اور مکان ان کے قبضہ میں ہو اور ان کے ساتھ ایک وارث ہو جو موجود نہ ہو یا بچہ ہو

قُسِمَ بِطَلَبِهِمَا وَنُصِبَ وَكِيْلٌ اَوْ وَصِيٌّ بِقَبْضِ نَصِيْبِهِ وَلَوْ كَانُوْا مُشْتَرِيْنَ وَغَابَ اَحَدُهُمْ

تو تقسیم کردیا جائے انکی طلب پر اور مقرر کردیا جائے وکیل یا وصی جو قبضہ میں رکھے انکا حصہ اور اگر وہ خریدار ہوں اور ان میں سے ایک غائب ہو

اَوْ كَانَ الْعِقَارُ فِيْ يَدِ الْوَارِثِ الْغَائِبِ اَوِ الطِّفْلِ اَوْ حَضَرَ وَارِثٌ وَاحِدٌ لَمْ يُقْسَمْ وَقُسِمَ بِطَلَبِ اَحَدِهِمْ

یا زمین، وارث غائب یا بچہ کے قبضہ میں ہو یا صرف ایک وارث حاضر ہو تو تقسیم نہیں کیا جائیگا اور تقسیم کردیا جائیگا ایک شریک کی طلب پر

لَوْ اِنْتَفَعَ كُلٌّ بِنَصِيْبِهِ وَاِنْ تَضَرَّرَ الْكُلُّ لَمْ يُقْسَمْ اِلَّا بِرِضَائِهِمْ وَاِنِ انْتَفَعَ الْبَعْضُ وَتَضَرَّرَ الْبَعْضُ

اگر نفع اٹھا سکتا ہو ایک اپنے حصہ سے اور اگر سب کا نقصان ہو تو تقسیم نہ کیا جائیگا مگر سب کی رضا سے اور بعض منتفع ہوں اور بعض کا نقصان ہو

لِقِلَّةِ حَظِّهِ قُسِمَ بِطَلَبِ ذِي الْكَثِيْرِ فَقَطْ وَيُقْسَمُ الْعُرُوْضُ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ

اس کا حصہ کم ہونے کی وجہ سے تو تقسیم کیا جائیگا زائد حصہ والے کی طلب پر اور تقسیم کیا جائیگا اسباب جو ایک جنس کا ہو

وَلَا يُقْسَمُ الْجِنْسَانِ وَالْجَوَاهِرُ وَالرَّقِيْقُ وَالْحَمَّامُ وَالْبِيْرُ وَالرَّحٰى اِلَّا بِرِضَائِهِمْ

اور تقسیم نہیں کیا جائیگا وہ اسباب جو دو جنسوں کا ہو اور جواہر اور غلام اور حمام اور کنواں اور پن چکی مگر سب کی رضا سے

دُوْرٌ مُشْتَرَكَةٌ اَوْ دَارٌ وَضَيْعَةٌ اَوْ دَارٌ وَحَانُوْتٌ قُسِمَ كُلٌّ عَلٰحِدَةً

چند مشترک مکان ہیں یا مکان اور زمین ہے یا مکان اور دکان ہے تو تقسیم ہوگی ہر ایک کی جدا جدا۔

توضیح اللغۃ: حظ حصہ، عروض جمع عرض سامان، رقیق خالص غلام، حمام گرم آبہ، بیر کنواں، رحی پن چکی۔ دور جمع دار گھر، ضیعۃ زمین۔ حانوت دکان۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو برھنا الخ دوشریکوں نے مورث کی موت پر اور ورثہ کی تعداد پر گواہ قائم کئے اور زمین انہی دو کے قبضہ میں ہے۔ اور وارثوں میں صبی صغیر حاضر ہے۔ یا ایک وارث کبیر غائب ہے اور ورثہ حاضرین نے تقسیم طلب کی تو ان کے درمیان زمین تقسیم کر دیجائیگی۔ اور وارث غائب وصبی صغیر کے لئے ایک وکیل یا وصی مقرر کردیا جائیگا جو ان کے حصہ پر قبضہ کریگا تاکہ انکی حق تلفی نہ ہو۔ مگر یہاں بھی امام صاحب کے نزدیک اصل میراث پر شہادت ضروری ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ زمین ان کے باپ کی جانب سے انکی میراث ہے۔ صاحبین کے نزدیک ضروری نہیں۔

قولہ ولو کانوا الخ اور اگر شرکا خریدار ہوں یعنی انکی شرکت بطریق میراث نہ ہو بلکہ بذریعہ خرید ہو اور ان میں سے ایک شریک غائب ہو یا (صورت میراث ہی کی ہو جو اوپر مذکور ہوئی مگر) زمین وارث صغیر یا وارث غائب کے قبضہ میں ہو یا ورثہ میں سے صرف ایک وارث حاضر ہو تو ان تینوں صورتوں میں تقسیم نہ ہوگی۔ پہلی صورت میں تو اس لئے نہ ہوگی کہ جو ملک بذریعہ خرید ثابت ہوئی ہے وہ ملک جدید ہے۔ پس شریک حاضر غائب کی جانب سے خصم نہیں ہوسکتا۔ دوسری صورت میں تقسیم اس لئے نہ ہوگی کہ اس صورت میں قضا علی الغائب ہے اور قضا علی الغائب جائز نہیں۔ تیسری صورت میں تقسیم اسلئے نہ ہوگی کہ شخص واحد مخاصم اور مخاصم نہیں ہوسکتا۔ تو مقاسم اور مقاسم بھی نہیں ہوسکتا اور یہاں صرف ایک ہی وارث حاضر ہے۔

(جن صورتوں میں تقسیم ہوتی ہے اور جن میں نہیں ہوتی انکا بیان)

قولہ وقسم بطلب احد ھم الخ اگر مشترک چیز ایسی ہو کہ تقسیم کے بعد ہر شخص اپنے اپنے حصے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور شرکاء میں سے کوئی ایک تقسیم طلب کرے تو تقسیم کردی جائیگی اور اگر ایسی چیز ہو کہ تقسیم کرنے سے سب کا نقصان ہوتا ہو جیسے پن چکی، کنواں حمام وغیرہ تو تقسیم نہیں کی جائیگی جب تک کہ سب راضی نہ ہوں۔ کیونکہ تقسیم کا مقصد یہ ہیکہ ہر شریک اپنی ملک خاص سے منتفع ہو اور یہاں تقسیم کی صورت میں یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ لہذا تقسیم نہ کی جائیگی۔ اور اگر تقسیم کے بعد بعض منتفع ہو سکتے ہوں اور بعض کا نقصان لازم آتا ہو تو جس شریک کا حصہ زائد ہو اسکی طلب پر تقسیم کی جائیگی۔ یہ شمس الائمہ سرخسی اور امام خصاف نے ذکر کیا ہے۔ عنایہ، نہایہ، کفایہ، معراج الدرایہ اور عام متون میں یہی ہے۔ کافی اور ہدایہ میں ہے کہ یہی اصح ہے اور ذخیرہ میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔ امام بصاص نے اسکے برعکس ذکر کیا ہے یعنی یہ کہ کم والے کی طلب پر تقسیم کیجائے گی نہ کہ زائد والے کی طلب پر۔ اور حاکم شہید نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے کہ صاحب قلیل وصاحب کثیر ہر ایک کی طلب پر تقسیم کردی جائے گی۔ خانیہ میں ہے کہ خواہر زادہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ **وفی المنح ینبغی ان یعول علی ماجزم به عامة اصحاب المتون والشروح لا نهاهی الموضوعة لنقل المذهب۔**

قولہ ویقسم العروض الخ ایک مشترک اسباب ایک ہی جنس کا ہو مثلاً کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی متقارب ہو یا سونا چاندی ہو تو ایک شریک کے طلب کرنے سے قاضی تقسیم پر مجبور کر سکتا ہے۔ پس وہ تقسیم کر کے کچھ ایک کو دیدیگا اور کچھ دوسرے کو۔ کیونکہ یہاں دونوں کا مقصود برابر ہے۔ تو یہ تقسیم تقسیم تمیز ہوئی جس میں قاضی کو جبر کا اختیار ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسباب مختلف الجنس ہوں تو قاضی باختیار خود تقسیم پر مجبور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہاں اختلاف جنس کی وجہ سے اختلاط واتحاد نہیں ہے۔ تو یہ تقسیم تقسیم تمیز نہ ہوگی۔ بلکہ معاوضہ ہوگی۔ اور قاضی کو جبر کا اختیار وہیں ہوتا ہے۔ جہاں تقسیم بمعنی تمیز ہو اسلئے یہاں شرکا کی رضا پر اعتماد ہوگا نہ کہ قاضی کے جبر پر۔

قولہ دور مشترکۃ الخ کچھ لوگوں کے درمیان چند مکان مشترک ہیں یا ایک مکان اور ایک زمین مشترک ہے یا ایک مکان اور ایک دوکان مشترک ہے تو امام صاحب کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا جائیگا۔ باہم متصل ہوں یا ایک شہر کے دو محلوں میں ہوں۔ صاحبین کے نزدیک علیحدہ علیحدہ تقسیم ضروری نہیں بلکہ اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ ایک مکان ایک شریک لے لے۔ اور دوسرا مکان دوسرا شریک لے لے۔ اس واسطے کہ یہ چیزیں اسم وصورت اور رہائش کے لحاظ سے اجناس مختلفہ ہیں تو ان کا معاملہ قاضی کی رائے پر چھوڑا جائے گا۔ کہ شرکا کے حق میں جو صورت بہتر ہو اس پر عمل کرے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ محلوں اور پڑوسیوں کے اچھے برے ہونے کے لحاظ سے اور مسجد اور پانی وغیرہ سے نزدیک اور دور ہونے کے اعتبار سے مکانوں کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں جن میں برابری ناممکن ہے اس لئے ایک مکان میں ایک شریک کا حصہ آپس کی رضامندی کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔

وَيُصَوِّرُ الْقَاسِمُ مَايَقْسِمُهُ وَيَعْدِلُهُ وَيَذْرَعُهُ وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ وَيُفْرِزُ كُلَّ نَصِيْبٍ

اور نقشہ کھینچ لے قاسم اس کا جس کو تقسیم کرنا ہے اور حصے برابر کرے اور پیمائش کرے اور ملبے کی قیمت لگالے اور جدا کردے ہر ایک کا حصہ اس کے

بِطَرِيْقِهِ وَشِرْبِهِ وَيُلَقِّبُ الاَ نَصِبَاءَ بِالاَوَّلِ وَالثَّانِىْ وَالثَّالِثِ وَيَكْتُبُ اَسَامِيْهِمْ وَيُقْرِعُ فَمَنْ خَرَجَ اِسْمُهُ اَوَّلاً

راستہ اور پانی کے حق کے ساتھ اور نشان لگادے حصوں پر اول دوم سوم اور لکھدے شرکاء کے نام پھر قرعہ ڈالے پس جس کا نام نکلے پہلے

فَلَهُ السَّهْمُ الاَوَّلُ وَمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا فَلَهُ الثَّانِي وَلاَ يُدْخِلُ فِي الْقِسْمَةِ الدَّرَاهِمَ اِلَّا بِرِضَائِهِمْ

اس کے لئے پہلا حصہ ہوگا اور جس کا نام دوسری بار نکلے اس کے لئے دوسرا حصہ ہوگا اور داخل نہ کرے تقسیم میں دراہم مگر ان کی رضا سے

فَاِنْ قُسِمَ وَلِاَحَدِهِمْ مَسِيْلٌ اَوْ طَرِيْقٌ فِي مِلْكِ الآخَرِ لَمْ يُشْتَرَطْ فِي الْقِسْمَةِ

اگر مکان تقسیم ہو اور کسی کے پانی بہنے یا آنے جانے کا راستہ دوسرے کی ملک میں رہا حالانکہ بوقت تقسیم اس طرح نہیں ٹھہرا تھا

صُرِفَ عَنْهُ اِنْ اَمْكَنَ وَاِلَّا فُسِخَتِ الْقِسْمَةُ.

تو ہٹا دیا جائیگا ادھر سے اگر یہ ممکن ہو ورنہ تقسیم توڑ دیجائیگی

طریق تقسیم و کیفیت قسمت کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ویصور الخ یہاں سے تقسیم کا طریقہ بیان کر رہا ہے۔ تقسیم کا طریقہ یہ ہے کہ جب مکان یا زمین وغیرہ کو تقسیم کرنا چاہے تو قاسم ایک کاغذ پر اس کا نقشہ بنالے اور سہام قیمت پر برابر تقسیم کرے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ سب سے کمتر سہم کو دیکھے اور مقسوم کو اسی پر جاری کرے۔ مثلاً اگر اقل سہام ثلث ہو تو تقسیم بطریق اثلاث کرے اور سدس ہو تو بطریق اسداس۔ نیز گز سے اس کی پیائش کرے کیونکہ مساحت کی مقدار گز ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر کسی شریک کے حصہ میں عمارت واقع ہو تو اس کی قیمت لگائے۔ اور قیمت دوسرے شریک کو دیدے۔ اور ہر شریک کے حصہ کو اس کی آبچک اور اس کے راستے کے ساتھ جدا کر دے۔ تاکہ کسی کا حصہ دوسرے کے حصہ سے متعلق نہ رہے۔ پھر ہر ایک کے حصہ کو بقدر ضرورت اول' ثانی' ثالث' رابع' خامس کے ساتھ موسوم کر کے گولیاں بنا کر قرعہ اندازی کرے۔ اور جس گولی پر جس کا نام نکلے وہ اس کو دیدے' جوہرہ میں ہے کہ قرعہ اندازی ضروری نہیں صرف تسلی کیلئے ہے تاکہ کسی کی جانبداری کا وہم نہ ہو۔

قولہ ولا ید خل الخ زمین اور مکان کی تقسیم میں آپس کی رضا کے بغیر دراہم داخل نہیں ہوتے۔ مثلاً ایک مکان چند شریکوں میں مشترک ہے۔ اور ایک جانب عمارت زیادہ ہے۔ شرکا نے تقسیم کا ارادہ کیا اب ایک شریک چاہتا ہے کہ عمارت کے عوض میں درہم دیدے۔ دوسرا شریک چاہتا ہے کہ اس کے عوض میں زمین دے تو صاحب عمارت سے درہم نہیں دلائے جائیں گے بلکہ زمیں ہی دلائی جائے گی۔ الا یہ کہ زمین کا عوض متعذر ہو۔ وجہ یہ ہے کہ قسمت حقوق ملک میں سے ہے اور شرکاء کی شرکت مکان میں ہے نہ کہ دراہم میں لہٰذا دراہم تقسیم میں داخل نہ ہوں گے۔

قولہ فان قسم الخ ایک مشترک مکان کی تقسیم ہوئی اور ایک شریک کا نابدان اور راہ آمد و رفت دوسرے کی ملک میں واقع ہوئی حالانکہ تقسیم کے وقت اشتراک مسیل اور اشتراک طریق کی شرط نہیں تھی تو اس کا نابدان اور راہ آمد و رفت اس طرف سے ہٹا کر دوسری طرف پھرا دیں گے بشرطیکہ یہ ممکن ہوتا کہ اشتراک ختم ہو جائے۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پہلی تقسیم ختم کر کے دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔ تاکہ کسی قسم کا خلجان باقی نہ رہے۔

سِفْلٌ لَهُ عِلْوٌ وَسِفْلٌ مُجَرَّدٌ وَعِلْوٌ مُجَرَّدٌ قُوِّمَ كُلٌّ عَلَيحِدَةٍ وَقُسِمَ بِالْقِيْمَةِ وَيُقْبَلُ شَهَادَةُ الْقَاسِمَيْنِ

نیچے والے مکان پر بالا خانہ ہے اور ایک صرف نیچے والا ہے اور ایک صرف بالا خانہ ہے تو ہر ایک کی علیحدہ قیمت لگا کر تقسیم ہوگی اور گواہی قبول ہوگی

اِنْ اِخْتَلَفُوْا وَلَوْ اِدَّعیٰ اَحَدُھُمْ اَنَّ مِنْ نَصِیْبِہٖ شَیْئًا فِیْ یَدِ صَاحِبِہٖ وَقَدْ اَقَرَّ بِالْاِسْتِیْفَاءِ

دو قاسموں کی اگر شرکاء اختلاف کریں اگر ایک شریک دعوی کرے کہ میرا کچھ حصہ دوسرے کے قبضے میں ہے حالانکہ وہ اقرار کر چکا تھا پورا حق پالینے کا

لَمْ یُصَدَّقْ اِلَّا بِبَیِّنَۃٍ وَاِنْ قَالَ اِسْتَوْفَیْتُ وَاَخَذْتَ بَعْضَہٗ صُدِّقَ خَصْمُہٗ بِحَلْفِہٖ

تو اس کی تصدیق نہ ہوگی مگر بینہ کے ساتھ اور اگر یہ کہا کہ میں پورا لے چکا تھا مگر تو نے کچھ حصہ دبالیا تو تصدیق کی جائیگی اس کے مقابل کی قسم کے

وَاِنْ لَمْ یُقِرَّ بِالْاِسْتِیْفَاءِ وَادَّعیٰ اَنَّ ذَا حَظُّہٗ وَلَمْ یُسَلِّمْ اِلَیَّ وَکَذَّبَہٗ شَرِیْکُہٗ تَحَالَفَا

ساتھ اور اگر پورا حق لینے کا اقرار نہیں کیا اور دعویٰ کیا کہ یہ میرا حصہ ہے جو مجھے نہیں دیا گیا اور شریک نے اسکی تکذیب کی تو دونوں قسم کھائیں گے

وَفُسِخَتِ الْقِسْمَۃُ وَلَوْ ظَھَرَ غَبْنٌ فَاحِشٌ فِی الْقِسْمَۃِ تُفْسَخُ وَلَوْ اِسْتَحَقَّ بَعْضٌ شَائِعٌ مِنْ حَظِّہٖ رَجَعَ بِقِسْطِہٖ

اور تقسیم توڑ دی جائیگی اگر ظاہر ہو بہت سا غبن تقسیم میں تو توڑ دی جائے گی اگر حقدار نکل آئے اس کے کچھ حصہ کا تو رجوع کرے اسی کے مطابق

فِیْ حَظِّ شَرِیْکِہٖ وَلَا تُفْسَخُ الْقِسْمَۃُ وَلَوْ ظَھَرَ فِی التَّرِکَۃِ دَیْنٌ رُدَّتْ.

شریک کے حصہ میں اور نہ توڑی جائے تقسیم اگر ظاہر ہو تو ترکہ میں قرضہ تو رد کردی جائے گی تقسیم۔

دو منزلہ مکانوں کی تقسیم کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ سفل الخ نیچے اوپر کا ایک مکان دو آدمیوں میں مشترک ہے اور ایک نیچے والا دو میں مشترک ہے اور اوپر والا کسی اور کا ہے۔ اور ایک اوپر والا دو میں مشترک ہے۔ اور نیچے والا کسی اور کا ہے۔ تو امام محمد کے نزدیک ایسے مشترک مکانوں کی تقسیم علیحدہ علیحدہ قیمت لگا کر کی جائے گی۔ شیخین کے نزدیک تقسیم پیمائش سے ہوگی۔ کیونکہ تقسیم میں اصل یہی ہے۔ نیز شرکا کی شرکت مذروع میں ہے نہ کہ قیمت میں۔ پھر امام صاحب کے نزدیک نیچے والے مکان کے ایک گز کے مقابلہ میں اوپر والے مکان کے دو گز ہوں گے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ایک گز کے مقابلہ میں ایک ہی گز ہوگا۔ لیکن فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔ کیونکہ نیچے والے مکان میں کنواں کھودنا' تہ خانہ اور اصطبل بنانا وغیرہ امور کی صلاحیت ہوتی ہے اوپر والے میں نہیں ہوتی پس دونوں مکان بمنزلہ دو جنسوں کے ہوئے۔ اس لئے شرکاء کے حصوں میں برابری قیمت ہی کے اعتبار سے ہو سکتی ہے۔

قولہ ویقبل الخ تقسیم ہو چکنے کے بعد کسی شریک نے کہا کہ مجھے میرا پورا حق وصول نہیں ہوا اور دو قاسموں نے گواہی دی کہ وہ اپنا پورا حق وصول کر چکا تو شیخین کے نزدیک ان کی گواہی مقبول ہوگی۔ گو انہوں نے اجرت لیکر تقسیم کی ہو' امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے۔ کیونکہ ان کی یہ گواہی خود اپنے فعل پر ہے جس میں تہمت کا امکان ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ان کا فعل تقسیم کرنا ہے۔ اور گواہی استیفاء حق پر ہے جو دوسرے کا فعل ہے۔

قولہ لم یصدق الخ کسی شریک نے کہا کہ تقسیم میں غلطی ہوئی ہے اور میرا کچھ حصہ دوسرے حصہ کے قبضہ میں ہے۔ حالانکہ وہ پہلے اپنا حصہ وصول کر لینے کا اقرار کر چکا تھا تو بینہ کے بغیر اس کی تصدیق نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ تمامیت قسمت کے بعد اس کے فسخ کا مدعی ہے فلا یصدق الا ببینۃ۔

قولہ وان لم یقر بالا ستیفاء الخ اور اگر حصہ دار اپنا پورا حصہ لینے کا اقرار کرنے سے پہلے یہ کہے کہ میرا حصہ فلاں جگہ تک ہے اور وہاں تک میرے حصہ دار نے مجھے نہیں دیا۔ اور دوسرا حصہ دار اس کی تکذیب کرے تو اس صورت میں یہ دونوں قسم کھائیں گے اور قسمت فسخ

ہو جائیگی۔ کیونکہ مقدار ماحصل میں اختلاف ہونے کی وجہ سے عقد تام نہیں ہوا۔

قولہ ولو استحق الخ ایک مکان دو آدمیوں میں مشترک تھا دونوں نے تقسیم کرا کے اپنا اپنا حصہ لے لیا۔ اس کے بعد ایک شریک کا کچھ حصہ کسی دوسرے مستحق کا نکل آیا تو طرفین کے نزدیک اس کو اختیار ہے چاہے بقدر مستحق اپنے شریک سے لے لے چاہے باقی ماندہ کو واپس کر کے دوبارہ تقسیم کرالے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دوبارہ ہی تقسیم ہوگی کیونکہ اب تیسرا شریک نکل آیا اور وہ راضی نہیں۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ کسی ایک شریک کے حصے میں سے جزء شائع کے مستحق نکل آنے سے معنی افراز معدوم نہیں ہوتے۔ اس لئے اسکو اختیار ہوگا۔

قولہ ولو ظهر الخ ورثہ نے میت کا ترکہ اپنے اپنے حصہ کے مطابق تقسیم کرلیا اس کے بعد مقسومہ ترکہ میں لوگوں کا دین ظاہر ہوا تو قسمت فسخ ہو جائے گی کیونکہ دین وراثت پر مقدم ہے۔ ہاں اگر ورثہ دین چکادیں یا ارباب دیون ورثہ کو بری کر دیں تو قسمت فسخ نہ ہوگی۔ کیونکہ جو چیز قسمت سے مانع تھی وہ زائل ہوگئی۔

(تنبیہ): **ولو ظهر في التركة دين ردت**'' عبارت کنز الدقائق کے معتبر و معتمد نسخوں میں نہیں ہے۔

وَلَوْتَهَايَنَا فِي سُكْنىٰ دَارٍ اَوْ دَارَيْنِ وَخِدْمَةِ عَبْدٍ اَوْ عَبْدَيْنِ اَوْ غِلَّةِ دَارٍ اَوْ دَارَيْنِ صَحَّ وَفِي غِلَّةِ عَبْدٍ

اگر باری مقرر کی ایک یا دو مکانوں کی رہائش میں یا ایک یا دو غلاموں کی خدمت میں یا ایک یا دو مکانوں کی آمدنی میں تو صحیح ہے اور ایک

اَوْ عَبْدَيْنِ اَوْ بَغْلٍ اَوْ بَغْلَيْنِ اَوْ رُكُوْبِ بَغْلٍ اَوْ بَغْلَيْنِ اَوْ ثَمْرَةِ شَجَرٍ اَوْ لَبَنِ غَنَمٍ لاَ.

یا دو غلاموں کی یا ایک یا دو خچروں کی آمدنی میں یا ایک یا دو خچروں کی سواری میں یا درخت کے پھل یا بکری کے دودھ میں صحیح نہیں۔

باری مقرر کر لینے کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ تھایئا الخ تہایؤ و مہایاۃ ہیئت سے تفاعل و مفاعلت ہے۔ ہیئت لغت میں اس شخص کی ظاہری حالت کو کہتے ہیں جو کسی کام کیلئے تیار ہو۔ اصطلاح فقہا میں مہایاۃ قسمت منافع کو کہتے ہیں۔ یہ از روئے قیاس ناجائز ہے۔ کیونکہ اس میں منفعت کا تبادلہ اسی کے ہم جنس سے ہوتا ہے لیکن استحساناً جائز ہے۔ اور دلیل یہ آیت ہے ''**لها شرب ولكم شرب يوم معلوم**'' یہ حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ کی بارے میں ہے کہ ایک دن وہ پانی پیتی تھی اور ایک دن دوسرے مویشی۔ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر میں ہر تین صحابہ کو ایک ایک اونٹ عنایت فرمایا تھا اور صحابہ باری باری سوار ہوتے جاتے تھے۔

قولہ في سكنى الخ مہایاۃ یا تو زمانہ کے اعتبار سے ہوگی یا جگہ کے لحاظ سے اور موضوع مسئلہ تین چیزیں ہیں تو پیش نظر مسئلہ کی چھ صورتیں ہوئیں۔ (۱) زید و عمرو ایک مشترک مکان میں رہنے کی باری مقرر کریں کہ ایک ماہ تک زید رہے گا اور ایک ماہ تک عمرو (۲) دو مشترک مکانوں میں باری مقرر کریں کہ ایک میں زید رہے گا دوسرے میں عمرو (۳) ایک مشترک غلام کی خدمت میں باری مقرر کریں کہ ایک روز زید کی خدمت کرے گا اور ایک روز عمرو کی (۴) دو مشترک غلاموں کی خدمت میں باری مقرر کریں کہ یہ غلام زید کی خدمت کرے گا اور یہ عمرو کی (۶) ایک مکان کی آمدنی میں باری مقرر کریں کہ ایک ماہ کی زید لے گا اور ایک ماہ کی عمرو (۶) دو مکانوں کی آمدنی میں باری مقرر کریں۔ یہ کل صورتیں استحساناً بالاتفاق صحیح ہیں۔

قولہ وفي غلة الخ زید و عمرو نے ایک غلام یا دو غلاموں کی اجرت میں ایک خچر یا دو خچروں کے کرایہ میں یا ایک خچر یا دو خچروں کی سواری میں یا ایک درخت کے پھل میں یا بکری کے دودھ میں باری مقرر کی تو یہ درست نہیں (۱) میں بالاتفاق کیونکہ باری

دو زمانوں میں ہوگی تو آمدنی میں کمی بیشی کا احتمال ہے بخلاف خدمت عبد کے کہ اس میں تسامح رائج ہے۔(۲) میں امام صاحب کے نزدیک کیونکہ جواز مہایاۃ برائے ضرورت ہے۔اور اجرت میں اسکی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تقسیم ہو سکتی ہے صاحبین کے نزدیک امکان مساوات کیوجہ سے جائز ہے۔(۳) میں بالاتفاق (۴) میں بالاختلاف اسی طرح (۵) میں بالاتفاق (۶) میں بالاختلاف اور (۷) و (۸) میں بالاتفاق۔کیونکہ پھل اور دودھ کو تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

کتاب المزارعة

هِيَ عَقْدٌ عَلَى الزَّرْعِ بِبَعْضِ الْخَارِجِ وَتَصِحُّ بِشَرْطِ صِلاَحِيَّةِ الاَرْضِ لِلزِّرَاعَةِ وَاَهْلِيَّةِ الْعَاقِدَيْنِ وَبَيَانِ الْمُدَّةِ

وہ عقد ہے کاشت پر کچھ پیداوار کے عوض اور یہ صحیح ہے بشرطیکہ قابل ہو زمین کاشت کے اور اہل ہوں عاقدین اور بیان ہو مدت

وَرَبِّ الْبَذْرِ وَجِنْسِهٖ وَحَظِّ الاٰخَرِ وَالتَّخْلِيَةِ بَيْنَ الاَرْضِ وَالْعَامِلِ وَالشَّرِكَةِ فِي الْخَارِجِ وَاَنْ تَكُوْنَ الاَرْضُ

اور بیج والا اور کاشت کی جنس اور دوسرے کا حصہ اور تخلیہ ہو زمین اور عامل کے درمیان اور شرکت ہو پیداوار میں اور یہ کہ ہو زمین اور بیج ایک کا

وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لاٰخَرَ اَوْ يَكُوْنَ الاَرْضُ لِوَاحِدٍ وَالْبَاقِي لاٰخَرَ او يكون العمل من واحد والباقى لاٰخر.

اور بیل اور کام دوسرے کا یا ہو زمین ایک کی اور باقی دوسرے کا یا ہو کام ایک کا اور باقی دوسرے کا

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کھیت میں جو اناج وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔وہ کاشتکار اور زمین والے کے درمیان تقسیم کرنا ہے اس لئے کتاب القسمۃ کے بعد کتاب المزارعۃ لا رہا ہے۔مزارعۃ لغۃً زرع سے مفاعلت ہے۔بمعنی بونا۔اس کو مخابرہ اور محاقلہ بھی کہتے ہیں۔اہل عراق اس کو قراح بولتے ہیں۔اصطلاح شرع میں مزارعۃ اس عقد کو کہتے ہیں جو پیدا ہونے والے اناج کی تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر منعقد ہو۔امام صاحب کے یہاں عقد مزارعت فاسد ہے۔کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔اور مخابرہ مزارعت ہی کو کہتے ہیں۔صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے۔کیونکہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کا نخلستان وہاں کے لوگوں کو بطریق معاملہ اور اس کی زمین بطور مزارعت عنایت فرمائی تھی۔" اسی پر صحابہ اور تابعین کا عمل رہا جو آج تک مسلمانوں میں جاری ہے اور ایسی صورت میں خبر واحد اور قیاس متروک ہو جاتا ہے۔

قولہ بشرط الخ صاحبین کے یہاں صحت مزارعت کیلئے نو شرطیں ہیں (۱) زمین کاشت کے قابل ہو۔شور اور ریگستان نہ ہو کیونکہ اس سے مزارعت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا (۲) عاقدین (مالک ارض و مزارع) میں اہلیت ہو۔یعنی آزاد عاقل بالغ ہوں (۳) مزارعت کی ایسی مدت کا بیان کرنا جو کاشتکاروں میں معروف ہو مثلاً ایک سال یا دو سال (۴) صاحب تخم کا مذکور ہونا۔اس واسطے کہ اگر بیج مالک ارض کی طرف سے ہو تو عامل مزدور ٹھہریگا۔اور اگر عامل کی طرف سے ہو تو زمین کرایہ پر ٹھہریگی اور دونوں کے احکام بھی مختلف ہیں تو بلا ذکر صاحب تخم معقود علیہ مجہول ہوگا۔(۵) جنس تخم یعنی گیہوں، جو، جوار وغیرہ کو بیان کرنا (۶) جس کی طرف سے بیج نہیں ہے اس کا حصہ بیان کرنا کیونکہ حصہ عمل یا زمین کی اجرت ہے تو اس کا معین ہونا ضرور یہ ہے (۷) زمین اور عامل کے درمیان تخلیہ کر دینا۔اگر صاحب ارض کا یا دونوں کا عمل مشروط ہو تو عقد صحیح نہ ہوگا۔(۸) پیداوار میں دونوں کا شریک ہونا۔اگر ایک کیلئے غلہ شرط کر لیا گیا تو عقد صحیح نہ ہوگا (۹) مذکورہ ذیل تین صورتوں میں سے کسی ایک کا ہونا۔زمین اور بیج ایک کا ہو اور بیل اور عمل دوسرے کا ہو، زمین ایک کی ہو اور باقی (بیج، بیل، عمل) دوسرے کا ہو۔عمل ایک کا ہو اور باقی دوسرے کا ہو۔

فَاِنْ كَانَتِ الاَرْضُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَذْرُ وَالْعَمَلُ لاٰخَرَ اَوْ كَانَ الْبَذْرُ لاَحَدِهِمَا وَالْبَاقِي لاٰخَرَ اَوْكَانَ الْبَذْرُ

پس اگر ہو زمین اور بیل ایک کا اور بیج اور کام دوسرے کا یا بیج ایک کا اور باقی دوسرے کا یا ہو بیج اور بیل ایک کا

وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَاقِي لاٰخَرَ اَوْ شَرَطَا لاَحَدِهِمَا قُفُزَانًا مُسَمَّاةً اَوْ عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَالسَّوَاقِي

اور باقی دوسرے کا یا شرط کرلے ایک کے لئے چند معین پیانے یا نالیوں اور گولوں کے قریب کی پیداوار

اَوْ اَنْ يَّرْفَعَ رَبُّ الْبَذْرِ بَذْرَهٗ اَوْ اَنْ يَّرْفَعَ الْخَرَاجَ وَالْبَاقِي بَيْنَهُمَا فَسَدَتْ فَيَكُوْنُ الْخَارِجُ لِرَبِّ الْبَذْرِ وَلِلاٰخَرِ

یا یہ کہ لے لے بیج والا اپنا بیج یا مجرا ہو جائے خراج اور باقی دونوں میں مشترک رہے تو فاسد ہوگی پس پیداوار بیج والے کی ہوگی اور دوسرے کے لئے

اَجْرُ مِثْلِ عَمَلِهٖ اَوْ اَرْضِهٖ وَلَمْ يُزَدْ عَلٰى مَا شَرَطَا وَاِنْ صَحَّتْ فَالْخَارِجُ عَلَى الشَّرْطِ

اس کے عمل کی مزدوری یا زمین کی اجرت ہوگی اور زائد نہیں دیجائیگی اس مقدار سے جو طے کر چکے تھے اگر مزارعت صحیح ہو تو پیداوار شرط کے موافق ہوگی

فَاِنْ لَمْ يَخْرُجْ شَيْءٌ فَلاَشَيْءَ لِلْعَامِلِ وَمَنْ اَبٰى عَنِ الْمُضِيِّ اُجْبِرَ اِلاَّ رَبُّ الْبَذْرِ وَتَبْطُلُ

اور اگر کچھ نہ اُگے تو عامل کیلئے کچھ نہ ہوگا اور جو انکار کرے شرط کے بموجب کام کرنے سے تو اس کو مجبور کیا جائیگا مگر بیج والے کو اور باطل ہو جاتی ہے

بِمَوْتِ اَحَدِهِمَا فَاِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ وَالزَّرْعُ لَمْ يُدْرِكْ فَعَلَى الْمُزَارِعِ اَجْرُ مِثْلِ اَرْضِهٖ حَتّٰى يُدْرِكَ وَنَفَقَةُ

کسی کے مرنے سے اگر مدت گزر جائے اور کھیتی نہ پکی ہو تو کسان پر زمین کی اجرت ہوگی یہاں تک کہ کھیتی تیار ہو جائے اور کاشت کا صرفہ دونوں پر

الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا بِقَدْرِ حُقُوْقِهِمَا كَاَجْرِ الْحَصَادِ وَالرَّفَاعِ وَالدِّيَاسَةِ وَالتَّذْرِيَةِ فَاِنْ شَرَطَاهُ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ.

ہوگا ان کے حقوق کے موافق جیسے کاٹنے اٹھانے گاہنے اور سیلانے کی اجرت اگر شرط کرلیں کہ صرفہ کسان کے ذمہ ہوگا تو مزارعت فاسد ہو جائیگی۔

توضیح اللغۃ: بذر بیج، قفزان جمع قفیز آٹھ مک کا ایک پیانہ، ماذیانات جمع ماذیان نہر کبیر، سواقی جمع ساقیہ نہر صغیر، خراج ٹیکس، ابی اباء انکار کرنا۔ حصاد کھیتی کاٹنا، رفاع کھیتی اٹھا کر کھلیان کی طرف لانا، دیاسہ کھیتی گاہنا، تذریہ غلہ صاف کرنا۔

تشریح الفقہ: قولہ فان کانت الخ یہاں سے فسدت تک سات صورتیں ہیں (۱) زمین اور بیل ایک کا ہو اور بیج اور عمل دوسرے کا ہو (۲) بیج ایک کا ہو اور باقی دوسرے کا ہو (۳) بیج اور بیل ایک کا ہو اور زمین اور عمل دوسرے کا ہو (۴) متعاقدین میں سے کسی ایک کیلئے معین غلہ مشروط ہو (۵) پانی کی نالیوں اور گولوں کے قریب اگنے والی کھیتی کسی ایک کیلئے مشروط ہو (۶) بیج والا اپنا بیج لیکر باقی میں شریک رہے ۔ (۷) پیداوار میں سے خراج مجرا کر کے باقی مشترک رہے۔ ان ساتوں صورتوں میں مزارعت فاسد ہے۔ پس پیداوار بیج والے کی ہوگی اور کام کرنیوالے کو دستور کے موافق اس کے عمل کی مزدوری ملے گی اور اگر زمین بھی اسی کی ہو تو زمین کا کرایہ بھی ملے گا۔ لیکن مزدوری اور کرایہ اس مقدار سے زائد نہیں دیا جائے گا جو آپس میں طے ہو چکا تھا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

کتاب المساقاة

هِیَ مُعَاقَدَةُ دَفْعِ الاَشْجَارِ اِلٰی مَنْ یَّعْمَلُ فِیْهَا عَلٰی اَنَّ الثَّمَرَ بَیْنَهُمَا وَهِیَ کَالْمُزَارِعَةِ وَتَصِحُّ فِی النَّخْلِ

وہ باہم عقد ہے درخت دینے کا اس کو جوان کی پرورش کرے اس شرط پر کہ پھل دونوں میں مشترک ہوں گے اور مزارعت کی طرح ہے اور صحیح ہے

وَالشَّجَرِ وَالْکَرْمِ وَالرِّطَابِ وَاُصُوْلِ الْبَاذِنْجَانِ فَاِنْ دَفَعَ نَخْلاً فِیْهِ ثَمَرَةٌ مُسَاقَاةً وَالثَّمَرَةُ تَزِیْدُ

کھجور میں میوہ دار درخت میں انگور میں رطبہ گھاس میں بینگنوں کی جڑوں میں اگر دیا کھجور کا درخت جس میں پھل ہے مساقات پر اور پھل بڑھنے

بِالْعَمَلِ صَحَّتْ وَاِنْ اِنْتَهَتْ لاَ کَالْمُزَارَعَةِ وَاِذَا فَسَدَتْ فَلِلْعَامِلِ اَجْرُ مِثْلِهٖ

والے ہیں عمل سے تو صحیح ہے اور اگر ان کا بڑھنا پورا ہو گیا ہو تو صحیح نہیں جیسے مزارعت اگر مساقات فاسد ہو تو عامل کے لئے اس کے کام کے مطابق

وَتَبْطُلُ بِالْمَوْتِ وَ تَفْسَخُ بِالْعُذْرِ کَالْمُزَارَعَةِ

مزدوری ہوگی یہ عقد باطل ہو جاتا ہے کسی ایک کے مرنے سے اور فسخ ہو جاتا ہے عذر کی وجہ سے مزارعت کی طرح

بِاَنْ یَکُوْنَ الْعَامِلُ سَارِقًا اَوْ مَرِیْضًا لاَ یَقْدِرُ عَلَی الْعَمَلِ.

جیسے عامل کا چور ہونا یا اتنا بیمار ہونا کہ کام کرنے پر قادر نہ ہو۔

تشریح الفقہ: **قولہ کتاب الخ** مزارعت و مساقات میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں تحصیل منفعت کے شرعی عقد ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مزارعت میں سینچائی وغیرہ کے ذریعہ کھیت کی خبر گیری ہوتی ہے اور مساقات میں درختوں کی اصلاح وغیرہ ہوتی ہے۔ پھر ترتیب کا حق تو یہ تھا کہ مساقاۃ کو مزارعت سے پیشتر لاتا کیونکہ فقہا کی کثیر تعداد مساقات کے جواز کی قائل ہے۔ بخلاف مزارعت کے کہ اس کے جواز میں بہت سے فقہا کو کلام ہے۔ اسی وجہ سے امام طحاوی نے اپنی مختصر میں مساقات کو مقدم کیا ہے۔ مگر کثرت وقوع و کثرت مسائل مزارعت کی وجہ سے اس کے احکام کی معرفت کی زیادہ احتیاج ہے۔ اسی لئے مصنف نے مزارعت کو مقدم کر دیا۔

قولہ ھی الخ زیلعی، عینی، مسکین، درر وغیرہ میں ہے کہ مساقات لغۃً سقی سے مفاعلت ہے بمعنی سینچنا اور سیراب کرنا۔ لیکن نہایہ وغیرہ معلوم سے ہوتا ہے کہ مساقات کے لغوی اور شرعی معنی میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ اہل مدینہ مساقات کو معاملہ کہتے ہیں۔ پس مساقات اس کو کہیں گے کہ کوئی شخص اپنا باغ دوسرے کو اس لئے دیدے کہ وہ درختوں کی پرورش، ان کی اصلاح اور باغ کی دیکھ بھال کرتا رہے اور ان میں جو پھل لگیں وہ ان میں مشترک ہوں۔

قولہ وھی کالمزارعۃ الخ حکم اور اختلاف کے اعتبار سے مساقات مزارعت کی طرح ہے۔ کہ امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں صاحبین کے نزدیک جائز ہے نیز صحت مساقات کی شرطیں بھی وہی ہیں جو مزارعت کی ہیں۔ فرق صرف چار چیزوں میں ہے (۱) اگر متعاقدین میں سے کوئی اس سے باز رہے تو اس کو مساقات پر مجبور کیا جائیگا۔ بخلاف مزارعت کے کہ اس میں اگر صاحب تخم انکار کرے تو اس پر جبر نہیں۔ (۲) اگر مساقات کی مدت گزر جائے اور پھل خام ہوں تو مزارع کی طرح عامل بھی پھل پختہ ہونے تک باغ کی خبر گیری کرتا رہے گا۔ لیکن یہاں نہ زمین کا کرایہ ہوگا۔ اور نہ عامل کے عمل کی اجرت بخلاف مزارعت کے کہ اس میں یہ دونوں چیزیں واجب ہیں (۳) اگر باغ میں کسی کا استحقاق ثابت ہو جائے تو عامل اپنی اجرت مثل لے گا اور مزارعت کی صورت میں یہ کھیتی کی قیمت لے گا (۴) مساقات میں مدت کا بیان ہونا شرط نہیں اور مزارعت میں شرط ہے۔

قولہ وتصح الخ کھجور انگور کی بیل رطبہ اور بینگن کی جڑوں میں عقد مساقات صحیح ہے۔ امام شافعی کے قول جدید پر مساقات انگور اور کھجور کے ساتھ خاص ہے کیونکہ خلاف قیاس ہونے کے باوجود جواز مساقات حدیث خیبر کی وجہ سے ہے۔ اور حدیث خیبر میں انہی دو کا تذکرہ ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حدیث "**ان النبی ﷺ عامل اهل خیبر بشطر مایخرج من تمر اوزرع**عہ" مطلق ہے۔ لہٰذا اپنے اطلاق پر رہے گی۔

قولہ فان دفع الخ ایک شخص نے کھجور کا باغ مساقات پر دیا جس میں کچے پھل لگے ہوئے تھے جو عامل کی محنت سے اور بڑھنے والے ہیں تو مساقات صحیح ہے اور اگر پھل پک چکے ہوں اور ان کی بڑھوتری ختم ہو چکی ہو تو مساقات صحیح نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ عامل اپنے عمل کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے اور جب پھل پک چکا تو اس کے عمل کو کوئی دخل نہیں رہا۔ پس اگر پکنے کے بعد بھی مساقات کا جائز رکھا جائے تو عامل کا بلا عمل مستحق ہونا لازم آئے گا **ولم یرد بہ الشرع**۔

قولہ وتفسخ الخ مزارعت کی طرح عقد مساقات بھی عذر کی وجہ سے فسخ ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اجارہ کے معنی میں ہے جو عذر کی وجہ سے فسخ ہو جاتا ہے۔ اعذار فسخ جیسے عامل کا عاجز ہو جانا، بیمار ہونا، چور ہونا وغیرہ۔

عہ.....ایک نرم گھاس ہے جو خوید کی طرح جانوروں کو کھلاتے ہیں۔

کتاب الذبائح

هِیَ جَمْعُ ذَبِیْحَةٍ وَهِیَ اِسْمٌ لِمَا یُذْبَحُ وَالذَّبْحُ قَطْعُ الاَوْدَاجِ

وہ جمع ہے ذبیحہ کی اور وہ نام ہے اس کا جو ذبح کیا جائے اور ذبح رگیں کاٹنا ہے۔

تشریح الفقہ: **قوله کتاب الخ** مزارعت اور ذبائح دونوں میں اتلاف فی الحال اور انتفاع فی المآل ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح کاشتکار زمین میں بیج ڈال کر اپنا مال فنا کرتا ہے تاکہ بعد میں اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھائے اسی طرح ذابح جانور کی روح ختم کر کے اپنا مال فنا کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس کے گوشت سے نفع حاصل کرے۔ سوال یہ مناسبت تو کتاب المزارعۃ اور کتاب الذبائح میں ہوتی حالانکہ مناسبت کتاب المساقات کے ساتھ ہونی چاہیے۔ جواب تقریباً جملہ شروط واحکام میں مساقات کا حکم مزارعۃ کا سا ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا تو جو مناسبت مزارعۃ وذبائح میں ہے وہی مساقات وذبائح میں ہے۔

قوله هی الخ ذبائح ذبیحۃ کی جمع ہے۔ ذبیحہ اور ذبح اصل مذبوح جانور کو کہتے ہیں لیکن مجازاً۔ (بطریق ما یؤل) اس جانور کو بھی کہتے ہیں جو عنقریب ذبح کیا جائے گا۔ پس لفظ ذبیحہ وصفیت سے اسمیت کی طرف منقول ہے (قہستانی) ذبح بالفتح مصدر ہے بمعنی: ذبح کرنا شریعت میں قطع اوداج یعنی چار مخصوص رگیں (جن کی تشریح آگے آرہی ہے) کاٹ دینا ذبح کہلاتا ہے۔

وَحَلَّ ذَبِیْحَةُ مُسْلِمٍ وَکِتَابِیٍّ وَصَبِیٍّ وَامْرَأَةٍ وَاَخْرَسٍ وَاَقْلَفٍ لَا مَجُوْسِیٍّ وَوَثَنِیٍّ وَمُرْتَدٍّ وَمُحْرِمٍ وَتَارِکِ

اور حلال ہے مسلمان کتابی بچہ عورت گونگے غیر مختون کا ذبیحہ نہ کہ آتش پرست بت پرست مرتد محرم اور قصداً بسم اللہ ترک کرنے والے کا ذبیحہ

تَسْمِیَةٍ عَمَدًا وَحَلَّ لَوْ نَاسِیًا وَکُرِهَ اَنْ یَذْکُرَ مَعَ اِسْمِ اللّٰهِ غَیْرَهُ وَاَنْ یَقُوْلَ عِنْدَ الذَّبْحِ

اور حلال ہے اگر بھول کر ہو مکروہ ہے یہ کہ لے اللہ کے نام کیساتھ دوسرے کا نام یا کہے ذبح کرتے وقت

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فُلَانٍ وَاِنْ قَالَ قَبْلَ التَّسْمِیَةِ وَالاِضْجَاعِ جَازَ.

کہ اے اللہ قبول کر فلاں کی طرف سے اور اگر کہا لٹانے اور بسم اللہ کہنے سے پہلے تو جائز ہے۔

کس کا ذبیحہ حلال ہے اور کس کا حلال نہیں

تشریح الفقہ: **قوله وحل الخ** مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے مرد ہو یا عورت کیونکہ آیت ''الا ماذکیتم'' میں خطاب مسلمانوں کو ہے۔ اہل کتاب کا ذبیحہ بھی حلال ہے یا حربی، تغلبی ہو یا بشرطیکہ اس نے بوقت ذبح غیر اللہ کا نام نہ لیا ہو کیونکہ آیت وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم میں طعام سے مراد ان کا ذبح کیا ہوا جانور ہے۔ ورنہ طعام غیر مذبوح میں تو مسلم وکافر کی کوئی تخصیص ہی نہیں قال البخاری قال ابن عباسؓ ذبائحھم۔

قوله لا مجوسی الخ آتش پرست کا ذبیحہ حلال نہیں کیونکہ روایت میں ہے، غیر ناکحی نسائھم ولا آکلی ذبائحھم ،، بت پرست کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔ کیونکہ وہ ملت کا معتقد نہیں۔ نیز مرتد کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔ کیونکہ اسکا کوئی مذہب ہی نہیں۔ اگر محرم شکار ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں کیونکہ ذکاۃ وذبح فعل مشروع ہے۔ اور احرام کی حالت میں محرم کا یہ فعل غیر مشروع ہے۔

قوله وتارک تسمیة الخ جو شخص ذبح کرتے وقت خدا کا نام ترک کر دے اس کا ذبیحہ حلال نہیں اور اگر بھول کر ترک کر دے تو

حلال ہے امام شافعی کے یہاں دونوں صورتوں میں حلال ہے۔امام مالک کے یہاں دونوں صورتوں میں حرام ہے۔امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے سوال کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی ذبح کرتا ہے اور اللہ کا نام بھول جاتا ہے، آپ نے فرمایا: **اسم اللہ علی کل مسلم**،، نیز حدیث میں ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اللہ کا نام لے یا نہ لے، ہماری دلیل یہ ہے کہ ''آیت **و لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ و انہ لفسق**،، میں لاتاکلوا نہی مطلق ہے جس کا مقتضی تحریم ہے اور فسق سے مراد حرام ہے۔ نیز حضرت عدی بن حاتم کی روایت میں آپکا ارشاد ہے کہ اس کو مت کھا کیونکہ تو نے اپنے کتے پر اللہ کا نام لیا ہے نہ کے دوسرے کتے پر امام شافعی کے پہلے مستدل کا جواب یہ ہے کے اس کی سند مروان بن غفاری راوی بقول حافظ دار قطنی ضعیف ہے۔اسی وجہ سے ابن القطان نے روایت کو معلول کہا ہے ابن عدی نے کامل امام احمد اور امام نسائی سے اس کی تضعیف نقل کی ہے۔اور کہا ہے کہ عامۃ ما یرویہ لا یتابعہ الثقات علیہ اور دوسری حدیث میں ارسال کے ساتھ ساتھ صلت سدوسی مجہول الحال ہے جسکی کوئی راویت اس کے سوا معروف نہیں اور نہ کوئی روای ثور ی یزید کے علاوہ اس سے روایت کرتا ہے۔علاوہ ازیں عمداً متروک التسمیہ کی حلت کا قول خلاف اجماع ہے کیونکہ اس کی حرمت میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں اختلاف تو صرف ناسیاً متروک التسمیہ کی حلت میں ہے۔حضرت ابن عمر کا مذہب یہ ہے کہ حرام ہے۔اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کا مذہب یہ ہے کہ حلال ہے اسی لئے امام ابو یوسف اور دیگر مشائخ نے کہا ہے کہ عمداً متروک التسمیہ کے متعلق تو اجتہاد کی بھی گنجائش نہیں، امام مالک ظاہر الروایات پر عمل کرتے ہیں **وقد حصل الجواب عنہ بماذ کرنا**۔

وَالذَّبحُ بَینَ الحلقِ وَاللَّبَّةِ وَالمَذبَحُ المَرِئُ وَالحَلقُومُ وَالوَدَجَانِ وَقَطعُ الثُّلُثِ کَافٍ وَلَو بِظُفرٍ وَقَرنٍ

اور ذبح کا مقام گلے اور سینہ کے اوپر کی ہڈی کے درمیان ہے اور مذبح مرء حلقوم اور دو شہ رگیں ہیں اور تین کا کٹ جانا کافی ہے گو ناخن سینگ

وَ عَظمٍ وَ سِنٍّ مَنزُوعٍ وَلِیطَةٍ وَمَروَةٍ وَمَا اَنهَرَ الدَّمَ اِلَّا سِنًّا وَظُفرًا قَائِمَینِ

ہڈی دانت کے ذریعہ ہو جو اکھڑے ہوئے ہوں یا نرکل کے چھلکے یا تیز پتھر یا ایسی چیز سے ہو جو خون بہادے بجز دانت اور ناخن کے جو لگے ہوئے ہوں

وَنَدَبَ حَدُّ الشَّفرَةِ وَکُرِهَ النَّخعُ وَقَطعُ الرَّاسِ وَالذَّبحُ مِنَ القَفَا وَذَبحُ صَیدٍ

اور مستحب ہے چھری تیز کر لینا اور مکروہ ہے ہڈی کے گودے تک کاٹنا اور سر علیحدہ کرنا اور گدی کی طرف سے ذبح کرنا اور ذبح کیا جائے وہ شکار جو پل

اِستَانَسَ وَجُرِحَ نَعَمٌ تَوَحَّشَ اَو تَرَدّٰی فِی بِیرٍ وَسُنَّ نَحرُ الاِبلِ وَذَبحُ البَقَرِ وَالغَنَمِ

گیا ہو اور زخم لگایا جائے وہ چوپایہ جو وحشی ہو جائے یا کنویں میں گرجائے اور مسنون ہے نحر اونٹ کیلئے اور ذبح گائے اور بکری کے لئے

وَکُرِهَ عَکسُہٗ وَحَلَّ وَلَم یَتَذَکَّ جَنِینٌ بِذَکوٰةِ اُمِّہٖ.

اور مکروہ ہے اس کا عکس مگر حلال ہوجائیگا اور ذبح نہ ہوگا پیٹ کا بچہ اس کی ماں کے ذبح ہونے سے

توضیح اللغۃ: لبہ سینہ کے اوپر کی ہڈی، مری کھانے پینے کی راہ، حلقوم سانس آنے جانے کی راہ، ودجان دو شہ رگیں جو حلقوم اور مری کے چپ و راست میں واقع ہیں جن میں خون کا دوران رہتا ہے۔ظفر ناخن، قرن سینگ، عظم ہڈی، سن دانت، منزوع اکھڑا ہوا، لیطہ پوست نرکل، مروۃ تیز پتھر، انہر بہادے، حد تیز کرنا، شفرہ چھری، نخع گلے کی ہڈی کے گودے تک کاٹ دینا، قفا گدی، نعم چوپایہ، نحر سینہ کے اوپر گردن کے نیچے نیزہ مارنا، جنین جو بچہ پیٹ میں ہو۔

عہ...... عبد الرزاق، ابن ابی شیبہ (مرسلا) ۱۲۔عہ...... دار قطنی، طبرانی (فی مرالاوسط) عن ابی ہریرہ وفی روایۃ علی فم مسلم ۱۲۔

للعہ...... ابو داؤد عن الصلت (فی مراسلیہ) ۱۲۔للعہ...... ائمہ ستہ عن عدی بن حاتم ۱۲

تشریح الفقہ: **قوله والذبح الخ** ذبح کی دوقسمیں ہیں ذبح اختیاری ذبح اضطراری کیلئے بدن کا کوئی حصہ معین نہیں بلکہ صرف زخم لگانا اور خون بہانا کافی ہے جس حصہ میں بھی ہولیکن ذبح اختیاری کے لئے جگہ معین ہے یعنی حلق اور لبہ کا درمیانی حصہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے" **الا ان الذکاة فی الحلق واللبة**" ذبح کرتے وقت جورگیں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں مری حلقوم ودجان یہ چار رگیں اس لئے متعین ہیں کہ شہ رگ کٹ جانے سے خون نکل جاتا ہے۔اور حلقوم ومری کٹ جانے سے جان جلدی نکل جاتی ہے۔امام شافعی کے یہاں حلقوم اور مری کا کٹ جانا کافی ہے۔ہماری دلیل یہ حدیث ہے" **افرالاوداج بما شئت**"اس میں اوداج جمع ہے جس کا اقل عدد تین ہے تو یہ مری اور ودجین تینوں کو شامل ہوا اور ان کا قطع قطع حلقوم کے بغیر ناممکن ہے تو اقتضاء قطع حلقوم بھی ثابت ہوا۔

قوله وقطع الثلاث الخ امام صاحب کے نزدیک عروق اربعہ میں سے لاعلی التعیین تین رگوں کا کٹ جانا حلت ذبیحہ کے لئے کافی ہے۔امام ابو یوسف بھی اولاً اسی کے قائل تھے بعد میں آپ نے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ قطع حلقوم ومری اور قطع احد الودجین شرط ہے۔ امام محمد کے نزدیک عروق اربعہ میں سے ہر رگ کا اکثر حصہ کٹنا ضروری ہے۔یہ ایک روایت امام صاحب سے بھی ہے کہ کیونکہ عروق اربعہ میں سے ہر رگ اصل بنفسہ ہے۔اور ہر ایک کو کاٹنے کا حکم ہے۔امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ قطع ودجین کا مقصد خون بہانا ہے۔تو ودجین میں سے ایک رگ دوسری رگ کے قائم مقام ہوسکتی ہے۔امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔اور عروق اربعہ میں سے لاعلی التعیین تین رگوں سے انہار دم حاصل ہوجاتا ہے۔لہٰذا تین کا کٹ جانا کافی ہے۔ **وفبه ان اکثر الشئی یقوم مقام کله لااکثر الاشیاء و بهذاتبین ان الاظهر قول محمد۔**

قوله ولو بظفر الخ اگر ناخن اور دانت اکھڑے ہوئے ہوں تو ہمارے نزدیک ان سے ذبح کرنا حلال ہے مگر مکروہ ہے۔امام شافعی کے نزدیک ان سے ذبح کیا ہوا جانور حلال نہیں۔کیونکہ حدیث میں ان کا استثنا موجود ہے۔ **قال علیه الصلوة والسلام کل ماافری الاوداج الاسنا او ظفراً**"بعض روایت میں ہے کہ یہ حبشیوں کی چھریاں ہیں یعنی وہ لوگ دانت اور ناخن سے ذبح کرتے ہیں ہماری دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے" **امرر الدم بما شئت عه**"اور حدیث مذکور ظفر غیر منزوع پر محمول ہے۔اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جانور کو تکلیف دینا ہے جیسے کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

قوله وندب الخ جانور لٹانے سے پہلے چھری تیز کرلینا مستحب ہے۔کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ" حق تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا ضروری فرمایا ہے۔تو جب قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور چاہئے کہ اپنی چھری تیز کرلے اور اپنے ذبیحہ کو آرام دے۔"

قوله وکره النخع الخ نخع یعنی ذبح شدید بھی مکروہ ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔حدیث کے الفاظ ہیں" نہی عن الذبیحہ ان تفرس" ابراہیم حربی نے" غریب الحدیث" میں فرس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جانور کو اس طرح ذبح کیا جائے کہ چھری نخاع تک پہونچ جائے۔نخاع حرام مغز کو کہتے ہیں جو گردن اور پیٹھ کی گریوں میں دنبالہ کی مانند واقع ہے۔ابن الاثیر نے نہایہ میں اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ جانور ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی گردن توڑ دی جائے۔بہر کیف یہ سب افعال مکروہ ہیں ان میں بلا فائدہ تعذیب ہے۔

قوله ولم یتذک الخ بکری وغیرہ ذبح کی گئی اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلا تو امام صاحب، امام زفر اور حسن بن زیاد کے نزدیک بچہ ماں کا تابع ہوکر حلال نہ ہوگا بلکہ اس کو علیحدہ سے ذبح کیا جائے گا۔صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کی خلقت پوری ہوچکی ہو تو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ" **ذکاة الجنین ذکاة امه**" نیز بچہ ماں کا جزو ہوتا ہے حقیقۃً بھی اور حکماً بھی۔حقیقۃً تو اس لئے کہ وہ اس کے ساتھ متصل ہوتا ہے اس کی غذا سے غذا پاتا ہے۔اسی کے سانس سے دم لیتا ہے اور حکماً اس لئے کہ ماں کی بیع میں بچہ داخل ہوتا ہے۔اور اس کے آزاد ہونے سے وہ بھی آزاد ہوجاتا ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ بچہ کی زندگی مستقل

زندگی ہے۔ چنانچہ وہ ماں کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ نیز غرہ واجب ہونے میں بھی وہ مستقل ہے۔ اسی طرح اس کے لئے وصیت کی جا سکتی ہے۔ پھر وہ بھی ایک خون دار جانور ہے۔ اور ذبح کرنے کا مقصد خون ہی زائل کرنا ہے۔ اور یہ مقصد ماں کے ذبح ہو جانے کے بعد حاصل نہیں ہوتا' رہی حدیث سو وہ تشبیہ محمول ہے۔ یعنی ذکاۃ جنین ذکاۃ ام کی مانند ہے۔ وجہ یہ ہے کہ روایت میں لفظ ذکاۃ امہ مرفوع و منصوب دونوں طرح مروی ہے۔ بصورت نصب تو تشبیہ ہونے میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ لیکن اگر مرفوع ہو تب بھی تشبیہ میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ تشبیہ میں رفع نصف سے قوی تر ہے۔ قال الشاعر

وعیناک عینا ھا وجیدک جید ھا　　　سوی ان عظم الساق منک دقیق

فَصْلٌ فِيمَا يَحِلُّ اَكْلُهُ وَمَا لاَ يَحِلُّ　لاَ يُؤْكَلُ ذُوْنَابٍ وَمِخْلَبٍ مِنَ السَّبُعِ وَالطَّيْرِ وَحَلَّ غُرَابُ الزَّرْعِ لاَ الاَبْقَعُ

(فصل) ان میں جن کا کھانا حلال ہے اور جن کا حلال نہیں نہ کھایا جائے کچلی اور پنجہ والا درندوں اور پرندوں سے اور حلال ہے کھیتی کا کوا

الَّذِىْ يَاْكُلُ الْجِيَفَ وَالضَّبُعُ وَالضَّبُّ وَالزُّنْبُوْرُ وَالسُّلْحَفَاةُ وَالْحَشَرَاتُ وَالْحُمُرُ الاَهْلِيَّةُ وَالْبَغْلُ وَالْخَيْلُ وَحَلَّ الاَرْنَبُ.

نہ کہ چتکبرا جو مردار کھاتا ہے اور بجو گوہ بھڑ کچھوا زمین میں رہنے والے جانور یا پالتو گدھے خچر گھوڑے اور حلال ہے خرگوش

توضیح اللغۃ: ناب کچلی کے دانت' مخلب پنجہ' سبع درندہ' غراب کوا' ابقع چتکبرا' جیف جمع جیفہ مردار' ضبع بجو' ضب گوہ' زنبور بھڑ' سلحفاۃ کچھوا' حمر جمع حمار' ارنب خرگوش

تشریح الفقہ: قولہ لا یو کل الخ کچلیوں والے درندے یعنی ٹیڑھے دانت والے جانور جو دانتوں سے شکار کر کے کھاتے ہیں اور پنجہ گیر پرندے جو اپنے چنگل سے شکار کرتے ہیں' ان کا کھانا جائز نہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ہر کچلیوں والے درندے اور ہر پنجہ والے پرندے سے منع فرمایا ہے' اور جو کوا دانہ کھاتا ہے ناپاکی نہیں کھاتا وہ حلال ہے۔ اور ابلق یعنی دیسی کوا جو مردار اور ناپاکی کھاتا ہے جس کی گردن کا رنگ پیروں کی بہ نسبت سفید ہوتا ہے اس کا کھانا حرام ہے۔ کیونکہ وہ حیوانات خبیثہ کے ساتھ ملحق ہے۔ اور عقعق کوا جو ناپاکی اور دانہ دونوں کھاتا ہے امام صاحب کے نزدیک وہ کھایا جا سکتا ہے۔ لیکن امام ابو یوسف سے اس کی کراہت مروی ہے کیونکہ اس کی اکثر غذا ناپاکی ہوتی ہے۔

فائدہ: عقعق بروزن قنفذ ابلق (سیاہ و سفید) پرندہ ہے جس کی آواز میں عین اور قاف معلوم ہوتا ہے۔ (قاموس) بعض لوگ اس کو مہوکھا کہتے ہیں' علامہ طحاوی نے حاشیہ مکی سے نقل کیا ہے کہ عقعق بروزن جعفر کبوتر کی مانند ایک پرندہ ہے' لمبی دم والا جس میں سفیدی اور سیاہی ہوتی ہے' یہ از قسم غراب ہے۔ اور اس سے بدشگونی لیتے ہیں۔) (انتہیٰ) امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ میں نے امام صاحب سے عقعق کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا: اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں' میں نے کہا: وہ تو نجاست کھاتا ہے فرمایا: وہ نجاست کو دوسری چیز کے ساتھ ملا کر کھاتا ہے۔

عہ...... دار قطنی عن ابی ہریرہ' عبد الرزاق (موقوفا علی ابن عباس و عمر ولفظہ "الذکاۃ فی الحلق واللبۃ" ۱۲
عہ...... ابن ابی شیبہ عن رافع ۱۲۔ عہ...... ابو داؤد' نسائی' ابن ماجہ' احمد' طبرانی عن عدی ولفظ النسائی واحمد "انہر" ولفظ ابن حبان والحاکم "امر" ولفظ النسائی فی سننہ الکبریٰ "اہرق" ۱۲۔ عہ...... الجماعۃ الا البخاری عن شداد بن اوس ۱۲۔ للعہ...... طبرانی' ابن عدی عن ابن عباس ۱۲۔ عہ...... ابو داؤد' ترمذی' ابن ماجہ' ابن حبان' احمد' دار قطنی' احمد' دار قطنی عن الخدری' ابو داؤد' حاکم' دار قطنی' ابو یعلیٰ' عن جابر' حاکم' دار قطنی عن ابی ہریرہ او بن عمر وابی ایوب' دار قطنی' عن ابن مسعود وابن عباس' وعلی طبرانی عن کعب بن مالک' بزار' طبرانی' عن ابی امامہ وابی الدرداء ۱۲۔
عہ...... مسلم' ابو داؤد' بزار عن ابن عباس' ابو داؤد عن خالد بن الولید' احمد عن علی ۱۲۔

قوله والضبع الخ ہمارے نزدیک الضبع (بجو) کا کھانا حرام ہے۔ یہی سعید بن المسیب اور امام ثوری کا قول ہے ائمہ ثلاثہ کے یہاں حلال ہے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابی عمار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے ضبع کے متعلق سوال کیا: کیا وہ شکار ہے؟ فرمایا: ہاں میں نے کہا: کھا سکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں، میں نے کہا: آپ نے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ فرمایا: ہاں، ہماری دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے جس میں ذی ناب درندوں کے کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور ضبع بھی ذی ناب ہے۔ نیز حضرت خزیمہ بن جزء فرماتے ہیں کہ "میں نے آنحضرت ﷺ سے بجو کھانے کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا کوئی بھلا آدمی بجو بھی کھاتا ہے، عبداللہ بن سعدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن المسیب سے عرض کیا: میری قوم کے کچھ لوگ بجو بھی کھاتے ہیں، آپ نے فرمایا: اس کا کھانا حلال نہیں، آپ کے پاس ایک سفید ریش بزرگ تشریف فرما تھے انہوں نے کہا: عبداللہ! میں نے جو اس کے متعلق حضرت ابوالدرداءؓ سے سنا ہے۔ وہ تجھ کو بتاؤں؟ میں نے کہا: ضرور، فرمایا: **سمعت اباالدرداء یقول : نهی رسول الله ﷺ عن اکل کل ذی خطفة ونهبة و مجثمة و کل ذی ناب من السباع**[عہ]" رہا امام شافعی کا مستدل سو اس کو امام ابوداؤد نے بھی اصحاب سنن ہی کی سند سے روایت کیا ہے لیکن اس میں اکل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

قوله والضب الخ ہمارے یہاں گوہ بھی حلال نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں حلال ہے۔ کیونکہ حضرت خالد بن الولید فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت میمونہ کے یہاں حاضر ہوا ان کے پاس بھنی ہوئی گوہ تھی آپ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ایک عورت نے دوسری عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا: تم نے جو کچھ پیش کیا ہے اس سے آنحضرت ﷺ کو آگاہ بھی کر دیا؟ تو عورتوں نے کہا: یارسول اللہ یہ گوہ ہے۔ آپ نے دست مبارک کھینچ لیا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا گوہ حرام ہے؟ فرمایا نہیں۔ لیکن یہ ہم لوگوں کے یہاں نہیں ہوتی پس مجھے یہ ناپسند ہے۔ حضرت خالد فرماتے ہیں کہ میں کھاتا رہا اور آنحضرت ﷺ مجھے دیکھتے رہے منع نہیں فرمایا" نیز حدیث میں ہے کہ حضرت ام حفید نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پنیر، گھی اور گوہ پیش کی۔ آپ نے گھی اور پنیر تناول فرمایا اور گوہ کو ناپسند کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی اگر حرام ہوتی تو نہ کھائی جاتی۔ ہماری دلیل ابوداؤد کی روایت ہے "**ان رسول الله ﷺ نهی عن اکل لحم الضب**" اور احادیث مذکورہ ابتداء اسلام پر محمول ہیں۔

قوله والحمر الاهلية الخ پالتو گدھا حرام ہے گو وہ وحشی ہو جائے اور گورخر حلال ہے گو وہ مانوس ہو جائے۔ اور وہ خچر بھی حرام ہے جو گدھی کے پیٹ سے ہو (اگر گھوڑی کے پیٹ سے ہو تو امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے، صاحبین کے نزدیک حلال) بشر مریسی کے یہاں گورخر کی طرح پالتو گدھا بھی حلال ہے۔ امام مالک سے بھی یہی منقول ہے۔ کیونکہ حضرت غالب بن ابجر کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں واقعہ قحط ذکر کرنے کے بعد عرض کیا یارسول اللہ! میرے پاس گھر والوں کو کھلانے کے لئے گدھوں کے علاوہ کچھ نہیں اور آپ ان کو حرام فرما چکے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: تو اپنے گھر والوں کو اپنے گدھے کھلا" ہماری دلیل حضرت خالد بن ولید کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ خیبر میں پالتو گدھوں اور گھوڑوں (کا گوشت کھانے) سے ممانعت فرمائی تھی، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن متعہ سے اور پالتو گدھے کھانے سے منع فرمایا تھا" اور امام مالک کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس روایت کی سند اور متن ہر دو میں سخت ترین اضطراب ہے۔ جس کی تفصیل معجم طبرانی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، مسند بزار وغیرہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ دوم یہ کہ میں جو اجازت ہے وہ ضرورت کی حالت میں ہے جس میں مردار بھی حلال ہو جاتا ہے۔

عہ..... ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم عن جابر ۱۲۔ عہ..... ترمذی، ابن ماجہ عن خزیمہ ۱۲۔ عہ..... احمد، ابن راہویہ، ابویعلیٰ الموصلی ۱۲۔ عہ..... صحیحین عن خالد ۱۲
عہ..... صحیحین عن ابن عباس ۱۲۔ عہ..... ابوداؤد، عن عبدالرحمٰن بن شبل ۱۲۔ للعہ..... ابوداؤد، طبرانی، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، بزار عن غالب بن ابجر ۱۲
للعہ..... ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، واقدی، احمد، دارقطنی عن خالد ۱۲۔ للعہ..... صحیحین عن علی ۱۲۔ عہ..... صحیحین عن جابر ۱۲۔

قولہ والخیل الخ امام صاحب کے یہاں گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے یہی امام مالک فرماتے ہیں، صاحبین، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک حلال ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھوں سے منع فرمایا اور گھوڑوں کی اجازت دی، امام صاحب کا استدلال حضرت خالد کی حدیث سے ہے جو اوپر مذکور ہو چکی۔

تنبیہ: امام صاحب کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے۔ جس کو صاحب محیط نے صحیح اور صاحب خلاصہ وصاحب ہدایہ نے اصح کہا ہے لیکن صاحب درر نے بقول فخر الاسلام وابو المعین کراہت تنزیہہ کو اصح کہا ہے۔ مواہب وبرہان میں ہے کہ ظاہر الراویہ یہی ہے۔ تو درصورت کراہت تنزیہہ امام صاحب اور صاحبین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ کیونکہ صاحبین گو حلت کے قائل ہیں مگر ان کے یہاں بھی مکروہ تنزیہی ہے۔ اور کفایۃ البیہقی میں ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی موت سے تین دن پہلے حرمت سے حلت کی طرف رجوع کر لیا تھا اور اسی پر فتوی ہے۔ **کذافی العمادیۃ۔**

وَذَبْحُ مَالَايُؤكَلُ يُطَهِّرُ لَحْمَهُ وَجِلْدَهُ اِلَّا الْاٰدَمِيَّ وَالْخِنْزِيْرِ وَلَا يُؤكَلُ مَائِيٌّ اِلَّا السَّمَكُ

اور ذبح کر لینا غیر ماکول کا پاک کر دیتا ہے اس کے گوشت اور چمڑے کو سوائے آدمی اور خنزیر کے اور نہ کھایا جائے دریائی جانور بجز مچھلی کے

غَيْرُ طَافٍ وَحَلَّ بِلَاذَكوٰةٍ كَالْجَرَادِ وَلَوْ ذَبَحَ شَاةً وَتَحَرَّكَتْ اَوْ خَرَجَ الدَّمُ حَلَّ وَاِلَّا لَا

جو نہ تیراتی ہو پانی پر اور حلال ہے بلا ذبح ٹدی کی طرح اگر ذبح کی بکری اور اس نے حرکت کی یا خون نکلا تو حلال ہے ورنہ نہیں

اِنْ لَمْ يُدْرَ حَيٰوتُهُ وَاِنْ عَلِمَ حَلَّ وَاِنْ لَمْ يَتَحَرَّكْ وَلَمْ يَخْرُجِ الدَّمُ.

اگر نہ معلوم ہو اس کی زندگی اور اگر معلوم ہو تو حلال ہے گو حرکت نہ کرے اور نہ خون نکلے۔

توضیح اللغۃ: سمک مچھلی، طاف مردہ مچھلی جو پانی کی سطح پر آجائے، جراد ٹڈی۔

تشریح الفقہ: قولہ وذبح الخ جو جانور غیر ماکول اللحم ہیں ان کو ذبح کر لینے سے ان کا گوشت اور چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انکا چمڑا یا چربی وغیرہ رقیق وسیال چیزوں میں گر جائے تو وہ چیز ناپاک نہ ہوگی۔ امام شافعی کے یہاں ذبح کرنے سے گوشت اور چمڑا پاک نہیں ہوتا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ ذبح کا اثر اباحت لحم میں اصل ہے اور طہارت لحم وطہارت جلد میں تابع ہے اور تابع اصل کے بغیر نہیں ہوتا۔ پس جب ذبح کرنے سے ان کے گوشت کی اباحت ثابت نہیں ہوتی تو گوشت اور چمڑے کی طہارت بھی ثابت نہ ہوگی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جس طرح دباغت دینے سے رطوبات نجسہ زائل ہو جاتی ہیں اسی طرح ذبح کرنے سے بھی زائل ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا دباغت کی طرح ذبح کرنے سے بھی یہ چیزیں پاک ہو جائیں گی۔

قولہ ولا یوکل مائی الخ دریائی جانور جن کا رہنا سہنا، مرنا جینا، پانی میں ہو وہ سب حرام ہیں سوائے مچھلی کے کہ وہ حلال ہے۔ امام مالک اور ایک جماعت کے نزدیک دریائی جانور علی الاطلاق حلال ہیں۔ امام شافعی سے بھی اطلاق ہی مروی ہے۔ بعض حضرات نے دریائی خنزیر اور کتے اور انسان کا استثنا کیا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ آیت "**احل لکم صید البحر**" اور حدیث "**ھو الطھور ماء ہ والحل میتتہ**" مطلق ہے جس میں کسی مخصوص جانور کی تعیین نہیں۔ ہماری دلیل یہ آیت ہے "**ویحرم علیھم الخبائث**" مچھلی کے علاوہ دیگر جانوروں کو طبائع سلیمہ مکروہ جانتی ہیں اور ان سے گھناتی ہیں۔ نیز بہت سے دریائی جانوروں کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمن بن عثمان قرشی کی حدیث میں ہے کہ ایک طبیب نے دوا میں ڈالنے کے لئے مینڈک کے متعلق آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے مینڈک مارنے سے منع فرمادیا" **قال المنذری فی حواشیہ فیہ دلیل علی تحریم اکل الضفدع**" رہی آیت مذکورہ سو وہ شکار کرنے پر محمول ہے اور حدیث مچھلی پر محمول ہے۔

قولہ غیر طاف الخ جو مچھلی کسی آفت کے سبب مرگئی ہو وہ حلال ہے۔اور جو مچھلی بلا آفت اپنی موت مر کر پانی کی سطح پر آ گئی ہو اور اس کا پیٹ آسمان کی طرف ہو جس کو سمک طافی کہتے ہیں وہ حلال نہیں' ابن ابی شیبہ وعبد الرزاق نے اپنے اپنے مصنف میں حضرت جابر بن عبد اللہ' حضرت علی' حضرت ابن عباس' ابن المسیب' ابو الشعثاء' نخعی' طاؤس' زہری' رحمہم اللہ سے سمک طافی کا مکروہ ہونا روایت کیا ہے۔امام مالک اور امام شافعی کے یہاں حلال ہے حافظ دار قطنی نے حضرت ابو بکر وحضرت ابو ایوب سے اباحت نقل کی ہے۔ہماری دلیل ہے حضرت جابر کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جس مچھلی کو دریا پھینک دے اس کو کھا۔اور جو اس میں مرجائے اور پانی کی سطح پر آ جائے اس کو مت کھا۔

(فائدہ اولی): اگر کسی دریائے پرندے نے مچھلی کو مار ڈالا یا مچھلی پانی کے گڑھے میں مرگئی یا پانی میں کوئی دوا ڈالی گئی اور مچھلی اس کو کھا کر مرگئی تو ایسی مچھلی حلال ہے۔اور اگر پانی کی گرمی یا سردی کی وجہ سے مرگئی تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ایک روایت حلال ہے اور ایک حرام ہے۔

(فائدہ ثانیہ): جریث بکسر جیم وتشدید را مکسورہ جو ڈھال کی طرح مدور اور سیاہ قسم کی مچھلی ہوتی ہے جس کو بعض اہل ہند سچکی بولتے ہیں اور مار ماہی جو سانپ جیسی ہوتی ہے جس کو اہل ہند بام کہتے ہیں یہ دونوں مچھلیاں حلال ہیں۔امام محمد سے جو یہ روایت ہے کہ جریث اور مار ماہی کے علاوہ باقی مچھلیاں حلال ہیں۔یہ قول ضعیف ہے' غایۃ البیان میں ہے۔کہ بعض روافض اور اہل کتاب جریث مچھلی کھانے کو حرام سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک دیوث لوگوں کو اپنی بیوی کے پاس بلا لاتا تھا اور وہ مسخ ہو کر جریث ہو گیا۔یہ قول بالکل باطل ہے۔کیونکہ جو مسخ ہو جائے وہ تین دن بعد مر جاتا ہے۔اور اس کی نسل باقی نہیں رہتی۔(غایۃ الاوطار)۔

قولہ وحل بلاذ کا ۃ الخ مچھلی کی جتنی قسمیں ہیں وہ سب اور ٹڈی ذبح کئے بغیر حلال ہے۔کیونکہ حدیث میں ہے کہ "ہمارے لئے دو مردے حلال ہوئے مچھلی اور ٹڈی اور دو خون حلال ہوئے کلیجہ اور تلی' نیز طبرانی نے معجم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے "عن النبی ﷺ **قال کل دابۃٍ من دواب البر والبحر لیس لھادم ینعقد فلیس لھا ذکاۃ**" اسی طرح حافظ عبد الرزاق نے مصنف نے حضرت علی کا قول "**الحیتان والجراد ذکی کلہ**" اور حضرت عمر کا قول "**الحوت ذکی کلہ والجراد ذکی کلہ**" روایت کیا ہے۔پس امام مالک جو یہ فرماتے ہیں کہ ٹڈی کا سر توڑنا ضروری ہے احادیث وآثار مذکورہ ان پر حجت ہے۔

(تنبیہ): مچھلی اور ٹڈی کو ذبح کئے بغیر حلال ہے مگر دونوں میں فرق ہے۔اور وہ یہ کہ اگر ٹڈی اپنی موت مر جائے تب بھی ماکول ہے بخلاف مچھلی کے کہ وہ ماکول نہیں۔امام مالکؒ کے یہاں ٹڈی کا کسی سبب سے مرنا ضروری ہے۔امام احمد کا بھی ایک قول ہی ہے۔

(فائدہ اولیٰ): اونٹ' اونٹنی' گائے' بیل' بھینس' بھیڑ' بکری' دنبہ کی طرح جو جانور درندے نہیں جیسے ہرن' گورخر' خرگوش' نیل گائے اور جو پرندے چنگل سے شکار نہیں کرتے جیسے مرغ' مرغی' کبوتر' بط' غراب الزرع (جو صرف دانہ کھاتا ہے) ابابیل' قمری' سودانی' زرررد' فاختہ' ٹڈی' اور تمام چڑیاں حلال ہیں۔اور جو درندے دانتوں سے پھاڑ کر شکار کر کے کھاتے ہیں یا نیشدار ہیں جیسے شیر' بھیڑیا' تیندوا' چیتا' لومڑی' بجو' کتا' بلی (جنگلی ہو یا پالتو) سنجاب' سمور' بندر' جنگلی چوہا' گوہ' نیولا' گیدڑ' ہاتھی' مور' سانپ اور جن جانوروں میں خون نہیں ہوتا جیسے بھڑ' مکھی' مچھر' پسو' جوں' چچڑی' گبریلا' بچھو اور پنجہ گیر پرندے جو شکار کرتے ہیں جیسے صقر' باز' گدھ' عقاب' شاہین' بغاث' چیل اور جو مردار کھاتے ہیں جیسے ابلق کوا سب حرام ہیں (قاضی خاں)

(فائدہ ثانیہ): مردار کی آٹھ چیزوں سے انتفاع درست ہے خواہ وہ ماکول جانوروں میں سے ہوں یا غیر ماکول میں سے سینگ' کھر' اون' پٹھا' روئیں' بال' پر' ہڈی' (طحاوی عن زواہر الجواہر)۔

عہ...... ابوداؤد' ترمذی' نسائی (وقد تقدم فی الطہارۃ) ۱۲۔ عہ...... ابوداؤد' نسائی' احمد' ابن راہویہ' ابوداؤد طیالسی' حاکم' بیہقی۔

عہ ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' طحاوی (فی احکام القرآن) دارقطنی' ابن عدی عن جابر (بعضہم موقوفاً بعضہم مرفوعاً بالفاظ مختلفۃ ۱۲۔ عہ...... ابن ماجہ' احمد' شافعی' بن حمید' ابن حبان' دارقطنی' ابن عدی عن ابن عمر ۱۲۔

کتاب الاضحیۃ

تَجِبُ	عَلیٰ	حُرٍّ	مُسْلِمٍ	مُقِیْمٍ	مُوْسِرٍ	عَنْ	نَفْسِهٖ	لاَ	عَنْ	طِفْلِهٖ
واجب ہے	آزاد	مسلمان	مقیم	مالدار	پر	اپنی	طرف سے	نہ کہ	اس کے	لڑکے کی طرف سے

شَاةٌ	اَوْ	سُبُعُ	بُدْنَةٍ	فَجْرَ	يَوْمِ	النَّحْرِ	اِلٰى	اٰخِرِ	اَيَّامِهٖ.
ایک بکری	یا	اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ		بقر عید کی صبح		سے	ایام نحر	کے آخر	تک۔

تشریح الفقہ: **قولہ کتاب الخ** کتاب الذبائح کے بعد کتاب الاضحیہ لا رہا ہے۔ کیونکہ ذبیحہ عام ہے اور اضحیہ خاص اور خاص عام کے بعد ہی ہوتا ہے۔ سوال اگر **کون الخاص بعدا لعام** سے مراد یہ ہو کہ خاص کا وجود عام کے بعد ہوتا ہے تو قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ عام کا وجود خاص ہی کے ضمن میں ہوتا ہے۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ خاص کا تعقل تعقل عام کے بعد ہوتا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب عام خاص کے لئے ذاتی ہو اور خاص معقول بالکنہہ ہو اور یہاں یہ بات نہیں۔ جواب امور وضعیہ اور امور اعتباریہ میں جس چیز کو شئی کے مفہوم میں داخل مان لیا جائے وہ اس شئی کے لئے ذاتی ہی ہوتی ہے اور جو امور اس شئی کے مفہوم میں داخل ہوں ان کے ساتھ اس شئی کا تصور تصور بالکنہہ ہوتا ہے۔ اور یہ چیز یہاں موجود ہے۔ کیونکہ معنی ذبح اضحیہ میں داخل ہیں لغۃً بھی اور شرعاً بھی پس تعقل اضحیہ تعقل معنی ذبح پر موقوف ہے۔ فیتم التقریب۔

قولہ الاضحیۃ الخ اضحیہ افعول کے وزن پر ہے اصل میں اضحویہ تھا۔ واؤ اور یاء جمع ہوئے اور یاء سابق بالسکون ہے اس لئے واؤ کو یاء کر کے یاء کا یاء میں ادغام ہو گیا اور حاء کو یاء کی مناسبت سے کسرہ دیدیا گیا۔ لفظ اضحیہ میں بقول امام اصمعی چار لغتیں ہیں اضحیہ۔ شیخ الادب صاحب نے حاشیہ میں چار اور ذکر کی ہیں۔ ضحیۃ (وتجمع علی ضحایا کہدیۃ وہدایا) اضحاۃ وجمعہ اضحیٰ کارطاۃ وارطی' فراء نے کہا ہے کہ اضحیٰ مذکر و مؤنث دونوں طرح آتا ہے۔ اضحیہ لغت میں بکری یا اس کے مثل جانور کو کہتے ہیں جو ایام اضحیٰ میں ذبح کیا جائے' یہ چونکہ وقت ضحیٰ یعنی دن چڑھے ذبح کیا جاتا ہے اسلئے اس کو اضحیہ کہتے ہیں۔ گویا یہ ازقبیل **تسمیہ شئی باسم وقتہ** ہے' اصطلاح شرع میں اضحیہ اس مخصوص جانور کو کہتے ہیں جو بہ نیت قربت ایک خاص وقت میں ذبح کیا جائے۔ حیوان مخصوص سے مراد گائے' بیل' بھیڑ' بکری یا اونٹ ہے۔ اور وقت خاص سے مراد ایام نحر ہیں۔

قولہ تجب الخ امام ابوحنیفہ' امام محمد' زفر' حسن بن زیاد اور ایک روایت میں امام ابو یوسف کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ دوسری روایت میں سنت مؤکدہ ہے' امام طحاوی نے سنت ہونا صاحبین کا قول بتایا ہے۔ یہی امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے۔ سنیت کی دلیل چند روایتیں ہیں۔ (۱) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن رو کے رکھے'' یعنی نہ کٹائے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں قربانی کرنا ارادہ پر معلق ہے اور تعلیق بالارادہ وجوب کے منافی ہے'' (۲) آپ کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لئے نفل ہیں۔ وتر' قربانی' صلوٰۃ ضحیٰ'' (۳) آپ کا ارشاد ہے کہ ''قربانی کرو کیونکہ یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے''۔ (۴) حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ ایک ایک سال دو دو سال قربانی نہیں کرتے تھے۔ اگر واجب ہوتی تو ترک نہ کرتے''۔ وجوب کی دلیل بھی چند احادیث ہیں۔ (۱) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کشائش پائے اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے'' ظاہر ہے کہ اس قسم کی وعید ترک واجب پر ہی ہوتی ہے۔ (۲) حضرت ابو بردہ بن نیاز نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس جذعہ ہے۔ آپ نے فرمایا: اسی کو ذبح کر لے اور تیرے بعد کسی کی طرف سے جذعہ کافی نہ ہوگا'

و مثل هذا لا يستعمل الا في الوجوب۔ (۳) آپ کا ارشاد ہے کہ ''زکوۃ نے ہر صدقہ کو، رمضان کے روزے نے ہر روزے کو، غسل جنابت نے ہر غسل کو اور قربانی نے ہر ذبیحہ کو منسوخ کر دیا''۔

قولہ شاة الخ تجب کا فاعل یا اس کی ضمیر مرفوع سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بھیڑ بکری یا گائے اور اونٹ کی قربانی واجب ہے۔ بھیڑ بکری کی قربانی صرف ایک شخص کی طرف سے ہو گی۔ اور گائے اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ امام مالک کے یہاں گائے اور اونٹ ایک گھرانہ کی طرف سے ہو سکتے ہیں گو اس کے افراد سات سے زائد ہوں۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ قیاس کے اعتبار سے تو اونٹ اور گائے کی قربانی بھی ایک ہی کی طرف سے ہونی چاہئے کیونکہ خونریزی قربت واحدہ ہے جس میں تجزی نہیں مگر یہ چونکہ حدیث جابرؓ سے ثابت ہے اس لئے ہم نے قیاس کو ترک کر دیا۔ اور بھیڑ بکری میں کوئی نص موجود نہیں اس لئے بھیڑ بکری اصل قیاس پر باقی رہی۔ حدیث یہ ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ''ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ گائے کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے اور اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے کی'' رہی حدیث مذکور سو وہ قیم اہل بیت پر محمول ہے۔ سوال حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے قربانی کا وقت آ گیا تو ہم لوگ گائے میں سات آدمی اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے'' پھر سات سے زیادہ کی طرف سے اونٹ کی قربانی نہ ہونے کے کیا معنی؟ جواب حافظ بیہقی نے سنن میں کہا ہے کہ حضرت سفیان سے جو یہ مروی ہے کہ اونٹ دس کی طرف سے کافی ہے یہ وہم ہے کیونکہ فریابی نے امام ثوری سے اور مالک بن انس، جریج، زبیر بن معاویہ وغیرہم نے بواسطہ ابوالزبیر اور حضرت عطا ابن ابی رباح نے حضرت جابرؓ سے یہی روایت کیا ہے کہ اونٹ کی قربانی بھی سات ہی کی طرف سے تھی، امام مسلم نے انہی کی روایت کو ترجیح دی ہے، نیز امام واقدی نے مغازی میں کہا ہے کہ سات کیطرف سے روایت کرنے والوں کی روایت ان لوگوں کی روایت کے مقابلہ میں اثبت ہے جو دس کی طرف سے روایت کرتے ہیں۔

قولہ فجر الخ تجب کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی قربانی کرنا واجب ہے۔ یوم نحر کی فجر سے ایام نحر کے آخری دن تک ایام نحر تین ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ اور ایام تشریق بھی تین ہیں ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ پس دسویں تاریخ یوم نحر ہے یوم تشریق نہیں اور تیرھویں تاریخ اس کے برعکس ہے اور گیارھویں اور بارھویں تاریخیں ایام نحر بھی ہیں اور ایام تشریق بھی ہیں۔ تو ہمارے نزدیک بارھویں تاریخ میں غروب آفتاب سے پہلے تک قربانی کی جا سکتی ہے۔ امام شافعی کے یہاں تیرھویں تاریخ میں بھی جائز ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایام تشریق کل کے کل ذبح کے دن ہیں'' ہماری دلیل حضرت ابن عمر و حضرت علی کا اثر ہے ''**الا ضحى يومان بعد يوم الاضحى**''۔

....

عه...... الجماعة الا البخاری عن ام سلمه ۱۲ . عه...... والجواب عنه بان المراد بالا رادة ماهو ضد السهو لا التخيير فمعنى الحديث من اراد من قصد التضيحة على ان التعليق لاينافي الوجوب كقول من قال من ارادا لصلوة فليتوضأ ۱۲

احمد، حاكم، دارقطنی عن ابن عباس، والجواب ان الحديث عند احمد و الحاكم عن ابی جناب الكلبی وقد ضعفه النسائی والدارقطنی وعنده عن جابر الجعفی وهوا يضا ضعيف قال صاحب التنقيح وروى من طرق اخرى وهو ضعيف على كل حال ۱۲ . للعه...... والجواب منه بان قوله في الحديث "ضحوا" امر فيفيد الوجوب وقوله" لانها سنة ابيكم " لاينفي الوجوب لان السنة هي الطريقة في الدين واجبة كانت اوغير واجبة ۱۲ .

عه...... والجواب عنه بانهما كا نالا يضحيان فی حالة الا عسار مخافة ان يراها الناس واجبة على المعسرين ۱۲

عه ...... ابن ماجه، احمد، ابن ابی شيبه، ابن راهويه، ابويعلیٰ الموصلی، دارقطنی، حاكم عن ابی هريره ۱۲ .

معه...... قال ابن الجوزی فی '' التحقيق'' وهذا الحديث لايدل على الوجوب كمافي حديث '' من اكل الثوم فلا يقربن مصلانا'' ۱۲

له...... صحيحين عن ابی هريره ۱۲

لعه...... قال ابن الجوزی ومعناه " يجزعه فی اقامة السنة" بدليل انه ورد فی الحديث" فمن فعل ذلک اصاب سنتنا'' ۱۲ .

(۱) دارقطنی، بيهقی (مرفوعا) عبدالرزاق (مرفوعا) ۱۲ . (۲) ائمه اربعه، ابن ابی شيبه، ابو يعلی الموصلی، بزار، بيهقی، طبرانی، عبدالرزاق عن مخنف بن سليم ۱۲ . (۳) الجماعة لا البخاری عن جابر ۱۲ . (۴) حاكم عن جابر، ترمذی، نسائی، احمد، ابن حبان عن ابن عباس ۱۲ . (۵) احمد، ابن حبان، بزار، بيهقی (فی المعرفة) دارقطنی عن جبير بن مطعم، ابن عدی الحذری ۱۲ . مالک عن ابن عمر ۱۲ .

وَلاَ يَذْبَحُ مِصْرِيٌّ قَبْلَ الصَّلٰوةِ وَذَبَحَ غَيْرُهٗ وَيُضَحّٰى بِالْجَمَّاءِ وَالْخَصِيِّ وَالثَّوْلاَءِ لاَ بِالْعَمْيَاءِ وَالْعَوْرَاءِ

اور ذبح نہ کرے شہری نماز عید سے پہلے غیر شہری کرسکتا ہے قربانی کرسکتا ہے بے سینگ خصی اور دیوانہ کی نہ کہ اندھے کانے کمزور لنگڑے

وَالْعَجفَاءِ وَالْعَرْجَاءِ وَمَقْطُوْعِ اَكْثَرِ الاُذُنِ اَوِ الذَّنَبِ اَوِ السِّنِّ اَوِ الْعَيْنِ اَوِ الاَلْيَةِ وَالاُضْحِيَّةُ مِنَ الاِبِلِ وَالْبَقَرِ

اکثر کان یا دم یا دانت یا آنکھ یا سرین کٹے ہوئے کی اور قربانی اونٹ گائے

وَالْغَنَمِ وَجَازَ الثَّنِيُّ مِنَ الْكُلِّ وَالْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ وَاِنْ مَاتَ اَحَدُ السَّبْعَةِ وَقَالَتِ الْوَرَثَةُ

اور بھیڑ بکری ہی کی ہوتی ہے اور جائز ہے دو دانت سب سے اور چھ ماہ کا پٹھا بھیڑ سے اگر مرگیا سات شریکوں میں سے ایک اور کہا ورثہ نے

اِذْبَحُوْهَا عَنْهُ وَعَنْكُمْ صَحَّ وَاِنْ كَانَ شَرِيْكُ السِّتَّةِ نَصْرَانِيًّا اَوْ مُرِيْدًا اللَّحْمَ لَمْ يَجُزْ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ

کہ ذبح کرلو اس کو اس کی اور اپنی طرف سے تو صحیح ہے اور اگر ہو ساتواں شریک نصرانی یا صرف گوشت چاہنے والا تو جائز نہ ہوگی کسی کی طرف سے

وَيَاْكُلُ مِنْ لَحْمِ الاُضْحِيَّةِ وَيُوْكِلُ غَنِيًّا وَيَدَّخِرُ وَنَدَبَ اَنْ لاَيَنْقُصَ الصَّدَقَةَ مِنَ الثُّلُثِ وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا

اور کھاسکتا ہے قربانی کا گوشت اور کھلاسکتا ہے مالدار کو اور رکھ سکتا ہے اور مستحب ہے یہ کہ کم نہ کرے خیرات تہائی سے اور خیرات کردے اس کی کھال

اَوْ يَعْمَلَ مِنْهُ نَحْوَ جِرَابٍ وَغِرْبَالٍ وَنَدَبَ اَنْ يَّذْبَحَ بِيَدِهٖ اِنْ عَلِمَ ذٰلِكَ وَكُرِهَ ذَبْحُ الْكِتَابِيِّ

یا بنالے اس کا تھیلا یا چھلنی وغیرہ اور مستحب ہے یہ کہ ذبح کرے اپنے ہاتھ سے اگر ذبح کرنا جانتا ہو اور مکروہ ہے کتابی سے ذبح کرانا

وَلَوْ غَلَطاً وَذَبَحَ كُلٌّ اُضْحِيَّةَ صَاحِبِهٖ صَحَّ عَنْهُمَا وَلاَ يَضْمَنَانِ.

اگر دو شخص غلطی سے ایک دوسرے کی قربانی کو ذبح کردیں تو دونوں کی طرف سے ہوجائیگی اور کسی کو قیمت دینی نہ پڑیگی۔

تفصیل احکام اضحیہ

تشریح الفقہ: قولہ وجاز الثنی الخ ثنی یعنی پنجسالہ اونٹ اور دوسالہ گائے، بیل، بھینس، اور یکسالہ بھیڑ بکری کی قربانی درست ہے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے کہ "**لاتذبحوا الا مسنة الاان یعسر علی احد کم فلتذبحوا الجذعة من الضان**" البتہ دنبہ میں جذع یعنی چھ ماہ کا پٹھا بھی جائز ہے بشرطیکہ فربہ اور قدآور ہو کہ اگر سال بھر والوں میں چھوڑ دیا جائے تو دوسرے سے اس کی تمیز نہ ہوسکے۔ **لقولہ یجوز الجذع من الضان اضحیة**"۔

قولہ وان مات الخ سات شریکوں میں سے ایک کے انتقال پر ورثہ نے کہا کہ تم اپنی اور میت کی طرف سے اس کی قربانی کرلو تو قربانی درست ہوجائے گی۔ اور اگر ان میں سے کوئی نصرانی ہو یا صرف گوشت کھانے کا ارادہ رکھتا ہو تو کسی کی بھی قربانی نہ ہوگی۔ وجہ فرق یہ ہے کہ سب شریکوں کی نیت ادائیگی قربت کی ہونی چاہئے گو جہت قربت مختلف ہو مثلاً جزاء صید، ہدی احصار، کفارہ احرام، ہدی تطوع، دم متعہ، دم قرآن یا عقیقہ کی نیت ہو۔ اور پہلی صورت میں نیت قربت موجود ہے کیونکہ غیر کی طرف سے اضحیہ کا قربت ہونا حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی تمام امت کی جانب سے قربانی کی "دوسری صورت میں سب کی طرف سے نیت قربت نہیں پائی گئی کیونکہ نصرانی اس کا اہل نہیں ہے۔

عہ...... مسلم عن جابر ۱۲۔ صہ...... ابن ماجہ عن ہلال الاسلمی ۱۲

كتاب الكراهية

اَلْمَكْرُوْهُ	اِلَى	الْحَرَامِ	اَقْرَبُ	وَنَصَّ	مُحَمَّدٌ	اَنَّ	كُلَّ	مَكْرُوْهٍ	حَرَامٌ.
مکروہ چیز	حرام	کے	قریب ہے	اور تصریح کی ہے	امام محمد	نے کہ	ہر	مکروہ	حرام ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ کتاب الضحیہ کے بعد کتاب الکراھیۃ لا رہا ہے۔ مناسبت ظاہر ہے اس واسطے کہ ان میں سے ہر ایک کی کوئی اصل وفرع خالی نہیں جس میں کراہت وارد نہ ہو چنانچہ ایام نحر کی راتوں میں قربانی کرنا مکروہ ہے دن میں مکروہ نہیں اسی طرح اضحیہ میں تصرف کرنا مثلاً اس کی اون کاٹنا اس کا دودھ دوہنا اس کی جگہ دوسرا جانور بدلنا وغیرہ امور مکروہ ہیں یہی حال کتاب الکراھیۃ کا ہے۔ پھر کتب فقہیہ میں اس کو مختلف عنوانات کے ساتھ معنون کیا گیا ہے' امام محمد نے جامع صغیر میں اور امام طحاوی نے اپنی مختصر میں کتاب الکراھیۃ کے ساتھ موسوم کیا ہے۔ مصنف نے انہی کی پیروی کی ہے۔ اور امام محمد نے اصل میں استحسان کیساتھ موسوم کیا ہے۔ بہت سے مشائخ نے اس کی پیروی کی ہے۔ چنانچہ کافی مبسوط' محیط' ذخیرہ' مغنی وغیرہ میں یہی عنوان ہے۔ امام کرخی نے اپنی مختصر کتاب الخظر والاباحۃ کے ساتھ موسوم کیا ہے۔ امام قدوری نے اپنی مختصر میں اور علامہ قاضی خاں نے اپنے فتاوی میں اسی کو اختیار کیا ہے تحفہ' تتمہ' ایضاح وغیرہ میں بھی یہی ہے **ولکل وجھۃ**۔

قولہ الکراھیۃ الخ کراھیۃ لغۃً مصدر ہے **یقال کرہ الشئی کرھا وکراھیۃ**۔ واکراھیۃ بمعنی ناپسند کرنا تو یہ محبت ورضا کی ضد ہے۔ **قال تعالٰی "عسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئاوھو شر لکم"** پس مکروہ لغۃً خلاف مندوب وخلاف محبوب کو کہیں گے۔ معتزلہ جو یہ کہتے ہیں کہ کراہت ارادہ کی ضد ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ حق تعالی کفر ومعاصی کو ناپسند فرماتے ہیں۔ حالانکہ کفر ومعاصی بھی ارادہ ومشیت ایزدی سے ہوتے ہیں۔ کراہت کے شرعی معنی کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

قولہ المکروہ الخ پہلے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ ادلۂ شرعیہ چار قسم پر ہیں (۱) جس کا ثبوت اور دلالت مطلب دونوں قطعی اور یقینی ہوں جیسے آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ صریحہ جن میں کسی طرح تاویل کا احتمال نہ ہو۔ یہ دلیل مفید یقین ہوتی ہے اور اس سے فرض اعتقادی اور حرام ثابت ہوتا ہے۔ (۲) جس کا ثبوت قطعی ہو اور دلالت ظنی جیسے وہ آیات اور احادیث جن میں تاویل کا احتمال ہو یہ مفید ظن ہوتی ہے۔ اور اس سے فرض عملی ثابت ہوتا ہے۔ (۴) جس کا ثبوت اور دلالت دونوں ظنی ہوں۔ جیسے اخبار آحاد محتمل المعانی۔ یہ مفید سنیت واستحباب ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حرام وہ ہے جو بدلیل قطعی یقینی ممنوع ہو جیسے شرب خمر۔ اور مکروہ تحریمی وہ ہے جو بدلیل ظنی ممنوع ہو جیسے سوسمار کا کھانا اور شطرنج کھیلنا۔ اب امام محمد مکروہ تحریمی کو حرام کی ایک قسم مانتے ہیں حلال نہیں کہتے۔ کیونکہ اس کی حلت پر دلیل قاطع نہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنی کتابوں میں کراہت بولتے ہیں تو اس سے حرام مراد لیتے ہیں لیکن مکروہ تحریمی کو حرام قطعی بھی نہیں کہتے۔ کیونکہ اس کی دلیل قطعی نہیں جو حرمت پر دلالت کرے۔ شیخین کے نزدیک مکروہ تحریمی حلال غیر قطعی میں داخل ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں اس میں حلت وحرمت کے دلائل متعارض ہوتے ہیں لیکن جانب حرمت غالب ہوتی ہے۔ پس شیخین کے نزدیک مکروہ تحریمی نہ حرام ہے نہ از قسم حرام بلکہ قریب بحرام ہے۔ جواہر الفتاوی میں ہے کہ صحیح ومختار قول شیخین کا ہے۔ **فلذا قدمہ المصنف**۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

فَصْلٌ فِی الاَکْلِ وَالشُّرْبِ: کُرِهَ لَبَنُ الاَتَانِ وَالاَکلُ وَالشُّرْبُ وَالاِدِّهَانُ وَالتَّطَیُّبُ مِنْ اِنَاءِ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ

(فصل) کھانے پینے کی چیزوں میں مکروہ ہے گدھی کا دودھ اور کھانا پینا اور تیل لگانا اور خوشبو لگانا سونے چاندی کے برتن سے

لِلرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ لاَ مِنْ رُصَاصٍ وَزَجَاجٍ وَبِلُّوْرٍ وَعَقِیْقٍ وَحَلَّ الشُّرْبُ مِنْ اِنَاءٍ مُفَضَّضٍ وَالرُّکُوْبُ عَلٰی سَرْجٍ

مرد وعورت دونوں کے لئے نہ کہ رانگ اور کانچ اور بلور اور عقیق کے برتن سے اور حلال ہے پینا چاندی چڑھے برتن سے اور سوار ہونا چاندی چڑھی

مُفَضَّضٍ وَالْجُلُوْسُ عَلٰی کُرْسِیٍّ مُفَضَّضٍ وَیَتَّقِی مَوْضَعَ الْفِضَّةِ وَیُقْبَلُ قَوْلُ الْکَافِرِ فِی الْحِلِّ وَالْحُرْمَةِ

زین پر اور بیٹھنا چاندی چڑھی کرسی پر بشرطیکہ دور رہے چاندی کی جگہ سے اور قبول کیا جائیگا کافر کا قول حلت اور حرمت میں

وَالْمَمْلُوکِ وَالصَّبِیِّ فِی الْهَدْیَةِ وَالاِذْنِ وَالْفَاسِقِ فِی الْمُعَامَلاَتِ لاَ فِی الدِّیَانَاتِ

اور غلام اور بچہ کا قول ہدیہ میں اور اجازت میں اور فاسق کا قول معاملات میں نہ کہ دیانات میں

وَمَنْ دُعِیَ اِلٰی وَلِیْمَةٍ وثَمَّهُ لَعِبٌ وَغِنَاءٌ یَقْعُدُ وَیَاْکُلُ.

جو شخص مدعو ہو ولیمہ کے لئے اور وہاں راگ ورنگ ہو تو بیٹھ جائے اور کھالے

مکروہات خورد ونوش کا بیان

توضیح اللغۃ: لبن دودھ، اتان گدھیا، ادھان تیل لگانا، اناء برتن، رصاص رانگ، زجاج کانچ، مفضض جس پر چاندی چڑھی ہو، سرج زین، لعب کھیل، غناء گانا۔

تشریح الفقہ: **قولہ والا کل الخ** سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا ان سے تیل اور خوشبو لگانا مرد اور عورت دونوں کے حق میں مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ نیز حضرت حذیفہ نے اپنی پانی طلب کیا ایک مجوسی نے چاندی کے برتن میں پانی پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ حریر اور دیباج نہ پہنو اور سونے چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو اور نہ ان کی رکابیوں میں کھاؤ۔ کیونکہ یہ برتن کافروں کے لئے ہیں دنیا میں اور تمہارے لئے ہیں آخرت میں' اور جب ان کے برتنوں میں کھانا پینا منع ہے تو ان سے تیل اور خوشبو لگانا بھی ممنوع ہوگا **لانہ فی معناہ**۔

قولہ وحل الشرب الخ منح الغفار میں مفضض کی تفسیر مزوق ہے اور شمنی میں مرصع اور قہستانی میں مزین بہر کیف جو برتن چاندی سے مزین ومنقش اور مرصع ہو جس کو فارسی میں سیم کوب اور ہندی میں بدر اور جڑاؤ کہتے ہیں اس میں پینا حلال ہے اسی طرح اس قسم کی زین اور کرسی بیٹھنا بھی حلال ہے بشرطیکہ منہ اور موضع جلوس چاندی کی جگہ سے علیحدہ رہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔ امام محمد سے دونوں روایتیں ہیں امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ برتن کے کسی ایک جزء کو استعمال کرنے والا گویا کل کو استعمال کرنیوالا ہے۔ تو جیسے کل کا استعمال جائز نہیں ایسے ہی جزء کا بھی استعمال جائز نہ ہوگا' **ولابی حنیفة ان ذلک تابع ولا معتبر بالتوابع**۔

قولہ ویقبل الخ معاملات میں ایک شخص کا قول بالاجماع مقبول ہے خواہ وہ متقی ہو یا فاسق' آزاد ہو یا غلام' مرد ہو یا عورت مسلمان ہو یا کافر بشرطیکہ صدق خبر کا گمان غالب ہو لیکن دیانات میں مقبول نہیں۔ مصنف کے قول فی الحل والحرمۃ کا مطلب بھی یہی ہے۔ یعنی کافر کا قول اس حلت وحرمت میں جو بضمن معاملات ہو مقبول ہے۔ معاملات سے مراد وہ ہیں جو فیما بین الناس جاری رہتے ہیں جیسے بیع وشراء وکالت ومضاربت' اذن وتجارت وغیرہ اور دیانات سے مراد وہ امور ہیں جو بین اللہ وبین العباد ہوتے ہیں جیسے عبادات' حلت و

حرمت وغیرہ پس اگر کوئی کافر یہ کہے کہ میں نے یہ گوشت یہودی یا نصرانی سے خریدا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اور اگر وہ یہ کہے کہ مجوسی سے خریدا ہے تو اس کا کھانا حرام ہے۔

قولہ ومن دعی الخ اگر کوئی شخص شادی کی دعوت میں بلایا جائے تو اسے چاہئے کہ دعوت قبول کرے اور داعی کے یہاں حاضر ہو کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جس نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی''، لیکن اس کے لئے چند شرطیں ہیں (۱) اس کے حاضر ہونے سے پہلے لہو ولعب نہ ہو ورنہ دعوت میں نہ جائے (۲) مدعو شخص پیشوا نہ ہو اگر وہ پیشوا ہو اور داعی کے یہاں راگ ورنگ ہو تو نہ جائے اور چلا گیا ہو تو واپس ہو جائے تاکہ دوسروں پر اس کا برا اثر نہ پڑے (۳) جہاں دستر خوان ہے وہاں لہو ولعب نہ ہو ورنہ دستر خوان پر نہ بیٹھے **لقولہ تعالیٰ'' فلا تقعد بعدالذکری مع القوم الظلمین''**۔

فَصْلٌ فِي اللُّبْسِ: حُرِمَ لِلرَّجُلِ لاَ لِلْمَرْأَةِ لُبْسُ الْحَرِيْرِ اِلَّا قَدْرَ اَرْبَعَةِ اَصَابِعَ وَحَلَّ تَوَسُّدُهٗ وَاِفْتِرَاشُهٗ

(فصل) پہننے میں حرام ہے مرد کے لئے نہ کہ عورت کیلئے ریشمی کپڑا مگر بقدر چار انگشت اور حلال ہے ریشم کا تکیہ اور اس کا بچھونا

وَلُبْسُ مَاسُدَاهُ حَرِيْرٌ وَلَحْمَتُهٗ قُطْنٌ اَوْ خَزٌّ وَعَكْسُهٗ حَلَّ فِي الْحَرْبِ وَلاَ يَتَحَلّٰى الرَّجُلُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

اور اس کپڑے کا پہننا جس کا تانا ریشم ہو اور بانا روئی یا اون کا ہو اور اس کا عکس حلال ہے لڑائی میں اور زینت حاصل نہ کرے مرد سونے اور چاندی سے

اِلَّا بِالْخَاتَمِ وَالْمِنْطَقَةِ وَحِلْيَةِ السَّيْفِ مِنَ الْفِضَّةِ وَالاَفْضَلُ لِغَيْرِ السُّلْطَانِ وَالْقَاضِي تَرْكُ التَّخَتُّمِ.

مگر انگوٹھی پٹکے اور تلوار کے ساز سے جو چاندی کے ہوں اور افضل ہے بادشاہ اور قاضی کے علاوہ کے لئے انگوٹھی نہ پہننا

مکروہات لباس کا بیان

توضیح اللغۃ: لبس پہننا، حریر ریشم، توسد تکیہ لگانا، سدا تانا، لحمۃ بانا، قطن روئی، حرب لڑائی، تحلی تحلیاً۔ زینت حاصل کرنا، خاتم انگوٹھی، منطقہ پٹکا، حلیہ زیور، سیف تلوار، تختم انگوٹھی پہننا۔

تشریح الفقہ: قولہ حرم للرجل الخ حریر یعنی تانے بانے والا ریشمی کپڑا اگلبدن، تافتہ اطلس، کمخاب وغیرہ عورتوں کے لئے حلال ہے۔ مردوں کے لئے حرام خواہ وہ بدن سے متصل ہو یا منفصل۔ طحاوی نے شمس الائمہ حلوائی سے نقل کیا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''دنیا میں حریر وہی پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں''، اور عورتوں کیلئے اجازت اس حدیث سے ہے کہ آپ نے داہنے ہاتھ میں ریشمی کپڑا لیا اور بائیں ہاتھ میں سونا اور فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ نیز حدیث میں ہے کہ ''حریر اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہے اور ان کی عورتوں کے لئے حلال ہے''، البتہ بقدر چار انگل حرام نہیں کیونکہ حدیث میں اس کا استثناء موجود ہے۔

قولہ وحل توسدہ الخ ریشمی کپڑے کا تکیہ بنانا اور اس کا فرش بچھانا حلال ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک حرام ہے مواہب میں ہے کہ یہی صحیح ہے لیکن شرنبلالیہ میں ہے کہ یہ تصحیح متون معتبرہ مشہورہ اور شروح کے خلاف ہے، فقیہ ابو اللیث نے امام ابو یوسف کو امام صاحب کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک بھی حلال ہے چنانچہ جامع صغیر میں حرمت کا قول صرف امام محمد کا مذکور ہے، جو لوگ حرمت کے قائل ہیں ان کا استدلال روایت کے عموم سے ہے امام صاحب کی دلیل راشد کی روایت سے ہے کہ ''میں ابن عباس کے

ـــــــــــــــــ

نہ..... صحیحین عن ام سلمۃ دار قطنی عن ابن عمر ۱۲۔ عہ..... ائمہ ستہ عن حذیفہ ۱۲۔

فرش پر مرفقہ حریر دیکھا ہے اور جس کپڑے کا تانا ریشمی ہو اور بانا کتان، السی کی چھال، روئی، خز یعنی دریائی جانوروں کی روم وغیرہ کا ہو تو اس کا پہننا حلال ہے' لڑائی کے مواقعہ پر بھی اور اس کے علاوہ بھی' وجہ یہ ہے کہ کپڑا بناوٹ سے ہوتا ہے اور بناوٹ بانے سے ہوتی ہے۔ تو کپڑے کی حقیقت میں بانا ہی معتبر ہوگا۔ نیز خز کا استعمال متعدد صحابہؓ سے ثابت ہے۔''

قولہ وعکسہ الخ ماقبل کا عکس یعنی وہ کپڑا جس کا تانا روئی وغیرہ کا ہو اور بانا ریشم کا وہ صرف جنگ کے موقعہ پر پہنا جا سکتا ہے بشرطیکہ گاڑھا ہو جس کے ذریعہ صدمات دشمن سے بچاؤ ہو اگر باریک ہو تو بالاتفاق حرام ہے۔ اور جس کا تانا بانا دونوں ریشم ہوں امام صاحب کے نزدیک اس کا استعمال جنگ کے موقعہ پر بھی حرام ہے' صاحبین' امام مالک' امام شافعی کے نزدیک حلال ہے کیونکہ اس سے دشمن پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ نصوص حرمت میں جنگ وغیرہ کی کوئی تعلیل نہیں۔

قولہ ولا یتحلی الخ مرد کے لئے سونے چاندی سے زینت حاصل کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا البتہ انگوٹھی' پٹکے اور چاندی کی تلوار سے تزین جائز ہے بشرطیکہ بقصد تکبر نہ ہو۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس کا نگینہ حبشی تھا اور اسمیں رسول اللہ کندہ تھا'' نیز حدیث میں ہے کہ آپ کی تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔''

وَحَرُمَ التَّخَتُّمُ بِالْحَجَرِ وَالْحَدِيْدِ وَالصُّفْرِ وَالذَّهَبِ وَحَلَّ مِسْمَارُ الذَّهَبِ يُجْعَلُ فِي حَجَرِ الْفَصِّ وَشَدُّ السِّنِّ

اور حرام ہے انگوٹھی پہننا پتھر اور لوہے اور پیتل اور سونے کی اور حلال ہے سونے کی کیل جو لگائی جائے نگینے کے سوراخ میں اور باندھنا دانت کو چاندی کے

بِالْفِضَّةِ لاَ بِالذَّهَبِ وَكُرِهَ اِلْبَاسُ ذَهَبٍ وَحَرِيْرٍ صَبِيًّا لاَ الْخِرْقَةُ لِوُضُوْءٍ وَمُخَاطٍ وَالرَّتَمُ

تار سے نہ کہ سونے سے اور مکروہ ہے سونا اور ریشم پہنانا بچہ کو نہ کہ رومال وضو کا پانی خشک کرنے کے لئے یا ناک صاف کرنے کے لئے اور دھاگا بات یاد رکھنے کے لئے

توضیح اللغۃ: صفر پیتل' مسمار کیل' فص نگینہ' مخاط رینٹ' رتم دھاگا جو کسی مقصد کے یاد رکھنے کیلئے انگلی پر لپیٹ لیا جائے۔

تشریح الفقہ: قولہ وحرم الخ چاندی کے علاوہ کسی اور چیز کی انگوٹھی پہننا حرام ہے۔ جیسے سونا' پتھر' لوہا' پیتل' رانگ' سیسہ وغیرہ علامہ سرخسی نے یشب اور عقیق کے جواز کی تصحیح کی ہے۔ یہ گفتگو انگوٹھی کے حلقہ کے بارے میں ہے۔ رہا نگینہ سو وہ بالاتفاق درست ہے۔ حرمت کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں لوہے کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا ''**مالی اری علیک حلیۃ اھل النار**'' اور پیتل کی انگوٹھی دیکھ کر فرمایا: **مالی اجد منک ریح الاصنام**'' ترمذی کی روایت میں ہے کہ پھر سونے کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا ''**مالی اری علیک حلیۃ اھل الجنۃ**''۔

قولہ وشد السن الخ اپنے ہلتے دانت کو چاندی کے تار سے باندھنا جائز ہے۔ سونے کے تار سے جائز نہیں۔ امام محمد کے نزدیک دونوں سے جائز ہے۔ ائمہ ثلاثہ بھی یہی فرماتے ہیں' امام ابو یوسف سے دونوں روایتیں ہیں' امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عرفجہ بن اسعد کنانی کی ناک پر ایک کاری ضرب لگ گئی تھی تو آپ نے چاندی کی ناک لگائی تھی اس میں بدبو پیدا ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے سونے کی

عہ...... صحیحین' نسائی عن عمر ۱۲۔ عہ...... ائمہ ستہ الا الترمذی' عن ابی ہریرہ' ابوداؤد' ابویعلی عن ابن عمر ۱۲۔

عہ...... ابوداؤد' نسائی ابن ماجہ' احمد' ابن حبان عن علی' ابن راہویہ' بزار' ابن ابی شیبہ' طبرانی عن ابن عمر' بزار عن عمر و ابن عباس ۱۲۔ عہ...... ابن ابی شیبہ عن زید بن ارقم' طبرانی عن۔

عہ...... ابن ابی شیبہ عن زید بن ارقم' طبرانی عن واثلۃ ۱۲۔ للعہ...... مسلم عن عمر' الجماعۃ الا الترمذی عن ابن عثمان النہدی ۱۲۔ للعہ...... ابن سعد ۱۲۔ عہ...... بخاری (فی کتاب المفرد) عن عمران بن حصین' ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق' بیہقی (فی شعب الایمان) عن انس ابن ابی شیبہ) طبرانی عن حسین بن علی' حاکم عن ابن عامر' عبدالرزاق' بیہقی عن سعد بن ابی وقاص وابن عمر و جابر وابی سعید وابی ہریرہ وانس' طبرانی عن زید بن ثابت وابن عباس وابی قتادہ وابی ہریرہ' ابن راہویہ عن سائب بن یزید' نسائی (فی الکنی) عن لبی بن لبا' ابن سعد عن عثمان بن عفان ۱۲۔ عہ...... ائمہ ستہ عن انس ۱۲۔ معہ...... ابوداؤد' ترمذی' نسائی عن انس ۱۲۔

ناک کی اجازت مرحمت فرمائی"۔ نیز دانت کو سونے کے تار سے باندھنے کی مرفوع روایات بھی ہیں اور آثار بھی ہیں" امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ سونے میں اصل حرمت ہے اور اباحت برائے ضرورت ہے اور ضرورت چاندی سے پوری ہوسکتی ہے پس سونا حرمت پر باقی رہے گا۔ **والضرورة فیما روی لم تندفع فی الانف دونه حیث انتن۔**

فَصْلٌ فِی النَّظَرِ وَاللَّمْسِ لَا يَنْظُرُ اِلٰى غَيْرِ وَجْهِ الْحُرَّةِ وَكَفَّيْهَا وَلَا يَنْظُرُ مَنِ اشْتَهٰى اِلٰى وَجْهِهَا اِلَّا الْحَاكِمُ

(فصل) دیکھنے اور ہاتھ لگانے میں نہ دیکھے آزاد عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ کو اور نہ دیکھے وہ جس کو شہوت ہو اس کا چہرہ مگر حاکم

وَالشَّاهِدُ وَيَنْظُرُ الطَّبِيْبُ اِلٰى مَوْضَعِ مَرَضِهَا وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ اِلَّا الْعَوْرَةَ وَالْمَرْأَةُ لِلْمَرْأَةِ وَالرَّجُلِ

اور گواہ اور دیکھ سکتا ہے طبیب اسکی بیماری کی جگہ اور دیکھ سکتا ہے مرد دوسرے مرد کا بدن سوائے ستر کے اور عورت عورت و مرد کے حق میں

كَالرَّجُلِ لِلرَّجُلِ وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى فَرْجِ اَمَتِهٖ وَزَوْجَتِهٖ وَوَجْهِ مَحْرَمَتِهٖ وَرَاْسِهَا وَصَدْرِهَا وَسَاقَيْهَا وَعَضُدَيْهَا

مثل مرد کے ہے مرد کے حق میں اور دیکھ سکتا ہے آدمی اپنی باندی اور بیوی کا مکان مخصوص اور اپنی محرم کا چہرہ اور سر اور سینہ اور پنڈلیاں اور بازو

لَا اِلٰى ظَهْرِهَا وَبَطْنِهَا وَفَخِذِهَا وَيَمُسُّ مَا حَلَّ النَّظَرُ اِلَيْهِ وَاَمَةِ غَيْرِهٖ كَمَحْرَمَةٍ وَلَهٗ مَسُّ ذٰلِكَ

نہ کہ اس کی پیٹھ اور پیٹ اور ران اور چھو سکتا ہے وہ عضو جو دیکھ سکتا ہے اور غیر کی باندی مثل محرم کے ہے اور اس کے اعضاء کو چھو سکتا ہے

اِذَا اَرَادَ الشِّرَاءَ وَاِنِ اشْتَهٰى وَلَا تُعْرَضُ الْاَمَةُ اِذَا بَلَغَتْ فِیْ اِزَارٍ وَاحِدٍ وَالْخَصِیُّ وَالْمَجْبُوْبُ وَالْمُخَنَّثُ

جب اس کو خریدنا چاہے گو شہوت ہو اور سامنے نہ آنے دی جائے باندی بالغ ہونے کے بعد صرف ایک تہبند میں اور خصی اور آلہ کٹا ہوا اور ہیجڑا

كَالْفَحْلِ وَعَبْدُهَا كَالْاَجْنَبِیِّ وَيَعْزِلُ عَنْ اَمَتِهٖ بِلَا اِذْنِهَا وَعَنْ زَوْجَتِهٖ بِاِذْنِهَا.

مثل مرد کے ہے اور عورت کا غلام مثل اجنبی کے ہے اور عزل کرسکتا ہے باندی سے بلا اجازت اور بیوی سے اجازت کے ساتھ

عورت کو دیکھنے اور چھونے کے احکام

تشریح الفقہ: قوله لاینظر الخ غیر محرم عورت کا کل بدن ستر ہے بجز چہرہ اور ہتھیلیوں کے کہ بوقت ضرورت ان کو دیکھنا جائز ہے۔ کیونکہ آیت "ولا یبدین زینتهن الاماظهر منها" میں الاماظہر منہا کی تفسیر حضرت عائشہ سے الوجہ والکفان مروی ہے۔ حضرت ابن عباس سے الکحل والخاتم مروی ہے جس سے مراد موضع کحل و موضع خاتم ہے وھو الوجه و الکف۔

(فائدہ): اجنبیہ عورت کے قدمین ستر میں داخل ہیں یا نہیں اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ ہدایہ میں اور قاضیخاں کی شرح جامع صغیر میں تصریح ہے کہ قدم ستر نہیں محیط میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے لیکن اقطع نے اور قاضیخاں نے اپنے فتاوی میں ان کے ستر ہونے کی تصریح کی ہے۔ اسبیجابی اور مرغینانی نے اسی کو پسند کیا ہے صاحب اختیار نے اس کی تصحیح کی ہے کہ اجنبیہ کے قدم نماز میں ستر نہیں اور خارج نماز ستر میں داخل ہیں، شرح عینہ میں علی الاطلاق ستر ہونے کو ترجیح دی ہے۔

عہ ...... ابوداؤد' ترمذی' نسائی' احمد' بزار' ابویعلی' ابن حبان عن بریدہ ۱۲۔ عہ ...... ابوداؤد' ترمذی' نسائی' احمد' ابن حبان' طیالسی ۱۲۔ للعہ ...... طبرانی عن ابن عمر' بن قانع (فی معجم الصحابہ) عن عبداللہ بن ابی ۱۲۔ للعہ ...... طبرانی عن انس احمد عن موسی بن طلحہ' ابن سعد عن عبدالملک بن مروان ۱۲

عہ ...... بیہقی عن عائشہ ۱۲۔ عہ ...... طبری' بیہقی عن ابن عباس ۱۲۔

فَصْلٌ فِی الاِسْتِبْرَاءِ وَغَیْرِہٖ مَنْ مَلَکَ اَمَۃً حَرُمَ وَطْیُھَا وَلَمْسُھَا وَالنَّظْرُ اِلٰی فَرْجِھَا بِشَھْوَۃٍ

(فصل) استبراء رحم وغیرہ میں جو شخص مالک ہو جائے باندی کا تو حرام ہے اس سے وطی کرنا اور اس کو چھونا اور دیکھنا اس کی شرمگاہ کو شہوت کیساتھ

حَتّٰی تَسْتَبْرِئَ لَہٗ اَمَتَانِ اُخْتَانِ قَبَّلَھُمَا بِشَھْوَۃٍ حَرُمَ وَطْیُ وَاحِدَۃٍ مِنْھُمَا

یہاں تک کہ اس کو ایک حیض آچکے ایک شخص کے پاس دو بہنیں اس کی باندیاں ہیں جن کا اس نے شہوت سے بوسہ لے لیا تو ان سے وطی

وَدَوَاعِیْہِ حَتّٰی یُحَرِّمَ فَرْجَ الاُخْرٰی بِمِلْکٍ اَوْ نِکَاحٍ اَوْ عِتْقٍ

اور لوازم وطی حرام ہے یہاں تک کہ کسی ایک کی شرمگاہ اپنے اوپر حرام کردے بذریعہ ملک یا بذریعہ نکاح یا بذریعہ عتق

وَکُرِہَ تَقْبِیْلُ الرَّجُلِ وَمُعَانَقَتُہٗ فِیْ اِزَارٍ وَاحِدٍ وَاِنْ کَانَ عَلَیْہِ قَمِیْصٌ جَازَ کَالْمُصَافَحَۃِ

اور مکروہ ہے مرد کا بوسہ لینا اور معانقہ کرنا صرف ایک تہبند میں اور اگر اس پر قمیص بھی ہو تو جائز ہے جیسے ہاتھ ملانا

استبراء رحم وغیرہ کے احکام

تشریح الفقہ: قولہ فی الاستبراء الخ استبراء لغۃً مطلق براءت وصفائی طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں ملک جاریہ کے بعد ایک حیض تک انتظار کرنے کو کہتے ہیں۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں۔ اگر حاملہ نہ ہو تو اسی وقت تصرف ہو سکتا ہے اور اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک تصرف نہیں کر سکتا۔

قولہ من ملک الخ جو شخص باندی سے استمتاع کا مالک ہو تو جب تک اس کے رحم کی صفائی معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر اس کے ساتھ وطی کرنا اسی طرح دواعی وطی یعنی بوس و کنار وغیرہ امور حرام ہیں خواہ اس کی ملک باندی خریدنے سے حاصل ہوئی ہو یا میراث میں پانے سے جہاد میں پکڑ لانے سے یا بعد القبض بیع کے فسخ ہو جانے سے یا ہبہ یا رجوع عن الہبہ یا خلع یا صلح یا صدقہ یا وصیت یا بعوض اجارہ یا کتابت یا عتق غلام سے نیز باندی باکرہ ہو یا صغیرہ غلام یا عورت سے خریدی ہوئی ہو یا باندی کے محرم یا غیر نسبی یا صبی صغیر کے مال سے۔ اب اگر باندی ذوات الحیض میں سے ہے تو ایک حیض آنے تک انتظار کرے۔ اور اگر ذوات الاشہر میں سے ہو تو ایک ماہ گزرنے تک انتظار کرے وجوب استبراء رحم کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ اوطاس کی گرفتار شدہ باندیوں کے حق میں ارشاد فرمایا تھا کہ حاملہ سے وضع حمل تک اور غیر حاملہ سے ایک بار حیض آنے تک جماع نہ کیا جائے[ع]۔"

قولہ لہ امتان الخ ایک شخص کے پاس دو باندیاں ہیں جو آپس میں بہنیں ہیں' اس نے ان کا بوسہ لے لیا تو وہ دونوں اس پر حرام ہو گئیں نہ ان میں سے کسی کے ساتھ وطی کر سکتا ہے اور نہ بوس و کنار جبتک کہ وہ ان میں سے کسی ایک کی شرمگاہ خود پر حرام نہ کر دے بایں طور کہ ان میں سے کوئی فروخت کر دے یا کسی کو ہبہ کر دے یا کسی کیساتھ نکاح صحیح کر دے۔ وجہ یہ ہے کہ جس طرح جمع بین الاختین بعقد نکاح بالاجماع ناجائز ہے۔ **لقولہ تعالیٰ وان تجمعو ابین الاختین**" اسی طرح جمع بین الاختین بملک یمین بھی جمہور صحابہ[ع] کے نزدیک ناجائز ہے اور دواعی وطی چونکہ بمنزلہ وطی کے ہیں اس لئے دواعی وطی میں بھی جمع بین الاختین جائز نہیں۔

ع..... ابوداؤد' حاکم' بیہقی (فی المعرفۃ) عن ابی سعید الخدری (مرفوعاً) ابن ابی شیبۃ' عبد الرزاق (مرسلاً) ابوداؤد' ابن حبان عن رویفع بن ثابت' ابن ابی شیبۃ عن علی' دارقطنی عن ابن عباس (فی معناہ) ۱۲۔ ع..... مقصد یہ ہے کہ ایسی دو باندیاں ہیں جو نکاح میں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں عام ازیں کہ وہ دونوں بہنیں ہوں یا بہنیں نہ ہوں۔ خالہ بھانجی یا پھوپھی بھتیجی ہوں ۱۲۔

قولہ و کرہ الخ ایک مرد کو دوسرے مرد کے ہاتھ منہ یا کسی عضو کا بوسہ لینا نیز عورت کا بوسہ لینا اسی طرح صرف تہبند میں معانقہ کرنا طرفین کے نزدیک مکروہ ہے۔ گو بلاشہوت ہو۔ امام ابو یوسف کے نزدیک بلاشہوت بوسہ لینے اور معانقہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ حضرت جعفر بن ابی طالب سے آنحضرت ﷺ کا معانقہ کرنا اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دینا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکامعہ (یعنی معانقہ) اور مکاعمہ (یعنی تقبیل) سے منع فرمایا ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ ”ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے ایک دوسرے کے لئے جھکے؟ فرمایا: نہیں! اس نے عرض کیا: ایک دوسرے سے معانقہ کرے؟ فرمایا: نہیں! اس نے عرض کیا ایک دوسرے سے مصافحہ کرے؟ فرمایا: ہاں“ مگر یہ اختلاف اس وقت ہے جب بدن پر کرتہ وغیرہ نہ ہو صرف تہبند ہو ورنہ بلا کراہت باجماع ائمہ ثلاثہ جائز ہے۔ صاحب ہدایہ نے اسی کو صحیح کہا ہے اور عام متون میں بھی یہی ہے۔

فَصْلٌ فِی الْبَیْعِ وَالاِحْتِکَارِ وَالاِجَارَۃِ وَغَیْرِھا کُرِہَ بَیْعُ العذرَۃِ لاَ السِّرْقِیْنِ لَہٗ شِرَاءُ اَمَۃِ زَیْدٍ قَالَ بَکْرٌ

(فصل) بیع اور غلہ بھرنے اور اجارہ وغیرہ میں مکروہ ہے پاخانہ کی بیع نہ کہ گوبر کی جائز ہے زید کی باندی خریدنا جس کے متعلق بکر نے کہا

وَکَّلَنِی زَیْدٌ بِبَیْعِھا وَکُرِہ لربَ الدَّیِن اَخْذُ ثَمَنِ خمرٍ باعَھَا مُسْلِمٌ لاَکَافِرٌ.

کہ زید نے مجھے اس کے بیچنے کا وکیل بنایا ہے مکروہ ہے قرض خواہ کے لئے اس شراب کا ثمن لینا جس کو مسلمان نے بیچا ہو اگر کافر نے بیچا ہو تو جائز ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ کرہ الخ امام صاحب کے نزدیک خالص پاخانہ کی بیع مکروہ ہے۔ بلکہ برجندی نے خزانہ سے نقل کیا ہے کہ بیع باطل ہے اور اگر اس میں مٹی وغیرہ ملی ہو تو جائز ہے۔ لیکن زیلعی میں ہے کہ امام صاحب سے صحیح قول پر خالص پاخانہ سے بھی انتفاع جائز ہے۔ سرقین یعنی گوبر لید اور میں گنی کی بیع بھی جائز ہے۔ کیونکہ یہ کھیت میں ڈالنے کے کام میں آتی ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے یہاں جائز نہیں۔

قولہ و شراء الخ زید کی ایک باندی ہے بکر اس کو یہ کہہ کر فروخت کر رہا ہے کہ زید نے مجھ کو اس کے فروخت کرنے کا وکیل بنایا ہے تو باندی کو خرید لینا اور اس سے وطی کرنا جائز ہے۔ کیونکہ مخبر نے ایک معاملہ کی خبر دی ہے اور معاملات میں مخبر واحد کی خبر مقبول ہوتی ہے۔

قولہ و کرہ الخ ایک مسلمان کا دوسرا مسلمان پر کچھ قرض تھا۔ مقروض نے شراب فروخت کر کے ثمن وصول کیا اور اسی سے قرض خواہ کا دین چکایا۔ تو قرض خواہ کیلئے اپنے قرض کے عوض اس ثمن کا لینا جائز نہیں اور اگر فروخت کنندہ کافر ہو تو جائز ہے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں بیع باطل ہے کیونکہ مسلمان کے حق میں شراب مال متقوم نہیں تو ثمن مشتری کی ملک پر باقی رہا اس لئے قرض خواہ بائع سے نہیں لے سکتا اور دوسری صورت میں بیع صحیح ہے۔ کیونکہ کافر کے حق میں شراب مال متقوم ہے لہٰذا بائع ثمن کا مالک ہو گیا۔ اس لئے قرضخواہ اس سے لے سکتا ہے۔

وَاحْتِکَارُ قُوْتِ الاٰدَمِیِّ وَالْبَھِیْمَۃِ فِی بَلَدٍ یَضُرُّ بِاَھْلِہٖ لاَغَلَّۃُ ضَیْعَتِہٖ وَمَاجَلَبَہٗ مِنْ بَلَدٍ اٰخَرَ

مکروہ ہے آدمی اور چوپائے کی غذا کو روک رکھنا ایسے شہر میں جہاں لوگوں کو اس سے تکلیف ہو نہ کہ اپنی زمین کا غلہ اور وہ غلہ جو دوسرے شہر سے

وَلاَ یُسَعِّرُ السُّلْطَانُ اِلاَّ اَنْ یَّتَعَدّٰی اَرْبَابُ الطَّعَامِ عَنِ الْقِیْمَۃِ تَعَدِّیًا فَاحِشًا وَجَازَ بَیْعُ الْعَصِیْرِ مِنْ خَمَّارٍ

لایا ہو، نرخ مقرر نہ کرے حاکم مگر یہ کہ حد سے زیادہ گراں کر دیں غلہ فروش جائز ہے شیرہ بیچنا شراب بنانے والے کے ہاتھ

لـہ ... حاکم عن ابن عمر (فی المستدرک) وعن جابر (فی الفضائل) بیہقی (فی دلائل النبوۃ) عن جابر طبرانی عن ابی جحیفہ دارقطنی ابن عدی بیہقی (فی شعب الایمان) عن عائشہ (کلہم مرفوعاً) ابوداؤد ابن ابی شیبہ طبرانی عن الشعبی بزار عن عبداللہ بن جعفر (مرسلا) ۱۲۔ عـہ ... فی دیوان الادب کامع امرأتہ ضاجعہا وکاعم المرأۃ قبلہا فی الفائق نہی عن المکامعۃ ای ... ثمۃ الرجل الرجل ومضاجعۃ ایاہ لاسترۃ بینہما“ وہکذا فی المغرب للمطرزی وہکذا حکاہ الازہری والجوہری ۱۲۔ للعہ ... ابن ابی شیبہ ابوداؤد نسائی ابن ماجہ احمد عن ابی ریحانۃ ۱۲۔ ترمذی بیہقی عن انس ۱۲۔

وَاِجَارَةُ بَيْتٍ لِيَتَّخِذَ فِيْهِ بَيْتَ نَارٍ وَبِيْعَةً اَوْ كَنِيْسَةً اَوْ يُبَاعُ فِيْهِ خَمْرٌ بِالسَّوَادِ وَحَمْلُ الْخَمْرِ لِذِمِّيٍّ بِاَجْرٍ

اور گھر کرایہ پر آتشکدہ یا بت کدہ یا کلیسہ مقرر کرنے کے لئے یا اس میں شراب بیچنے کے لئے نواح شہر میں اور ذمی کی شراب اٹھانا اجرت پر

وَبَيْعُ بِنَاءِ بُيُوْتِ مَكَّةَ وَاَرْضِهَا وَتَعْشِيْرُ الْمُصْحَفِ وَنُقَطُهُ وَتَحْلِيَتُهُ وَدُخُوْلِ ذِمِّيٍّ فِيْ مَسْجِدٍ

اور مکہ کے مکانوں کی عمارت اور زمین کو بیچنا اور قرآن کی ہر دس آیت پر نشان لگانا اور نقطے اور اعراب لگانا اور اس کو مزین کرنا اور ذمی کا مسجد میں

وَعِيَادَتُهُ وَخِصَاءُ الْبَهَائِمِ وَاِنْزَاءُ الْحُمُرِ عَلَى الْخَيْلِ وَقَبُوْلُ هَدِيَّةِ الْعَبْدِ التَّاجِرِ وَاِجَابَةُ دَعْوَتِهِ

داخل ہونا اور اس کی بیمار پرسی کرنا اور چوپاؤں کو بدھیا کرنا اور گدھوں کو گھوڑیوں پر ڈالنا اور تاجر غلام کا ہدیہ اور اس کی دعوت قبول کرنا

وَاسْتِعَارَةُ دَابَّتِهِ وَكُرِهَ كِسْوَتُهُ الثَّوْبَ وَهَدِيَّتُهُ النَّقْدَيْنِ وَاسْتِخْدَامُ الْخَصِيِّ.

اور اس کی سواری مانگ لینا مکروہ ہے تاجر غلام کا کپڑا پہنانا اور روپیہ ہدیہ کرنا اور خصی سے خدمت لینا

توضیح اللغۃ: احتکار مہنگا بیچنے کیلئے روکنا' قوت غذا' بہیمۃ چوپایہ' غلۃ اناج' ضیعۃ زمین' جلبہ (ن۔ض) جلباً۔ باہر سے لانا' یسعر تسعیراً بھاؤ مقرر کرنا' عصیر شیرہ' خمار شراب فروش' سواد شہر کے اردگرد کی آبادیوں' تحلیۃ مزین کرنا خصاء خصی کرنا' بہائم جمع بہیمۃ' انزاء نر کو مادین پر ڈالنا' حمر جمع حمار۔

تشریح الفقہ: قولہ واحتکار الخ یعنی آدمیوں کی غذا' گیہوں' جو' چاول وغیرہ اور چوپاؤں کی غذا بھوسہ اور خشک یا تر چارہ کو گرانی کے انتظار میں روکے رکھنا اور فروخت نہ کرنا' امام صاحب کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے جبکہ اہل شہر کو اس سے نقصان ہوتا ہو اسی پر فتوی ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جالب (یعنی باہر سے غلہ خرید کر شہر میں فروخت کرنے کیلئے لانے والا) مرزوق ہے۔ (یعنی اس کی روزی میں برکت ہے) اور محتکر (یعنی گرانی کے انتظار میں غذا روکنے والا) ملعون ہے۔ پھر احتکار کا ثبوت چالیس روز یا اس سے زیادہ تک روکنے سے ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جس شخص نے چالیس رات تک غذا کو روکا تو وہ اللہ سے اور اللہ اس سے بری ہے" ہاں اگر اپنی زمین کا غلہ ہو یا دوسرے شہر سے لایا ہو تو اس کا روکنا احتکار میں داخل نہیں' امام محمد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر وہ ایسی جگہ سے لایا ہے جہاں سے اہل شہر لاتے ہیں تو مکروہ ہے اور اگر دوسرے شہر سے لایا جہاں سے اہل شہر نہیں لاتے تو مکروہ نہیں۔

(**تنبیہ**): فقیہ ابواللیث نے شرح جامع صغیر میں کہا ہے کہ احتکار کی تین صورتیں ہیں۔ ایک درست دوسری مکروہ تیسری مختلف فیہ' مکروہ صورت یہ ہے کہ غلہ شہر میں خریدے اور نہ بیچے۔ اور اہل شہر کو اس سے تکلیف ہو' صحیح صورت یہ ہے کہ اپنی زمین کا غلہ ہو یا دوسرے شہر سے لایا ہوا ہو یا شہر ہی میں خریدا ہو لیکن اس کا روکنا لوگوں کیلئے تکلیف دہ نہ ہو' مختلف فیہ صورت یہ ہے کہ شہر سے متصل دیہات سے غلہ خریدے اور شہر میں لا کر روک لے تو یہ امام صاحب کے نزدیک درست ہے۔ امام محمد کے نزدیک مکروہ پس صاحب ہدایہ نے جو مجلوب کو امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ کہا ہے یہ غیر مسلم ہے۔ کیونکہ فقیہ ابواللیث نے اس کو متفق علیہ قسم میں داخل مانا ہے۔ نیز قدوری نے کتاب التقریب میں امام ابو یوسف کا قول روایت کیا ہے اگر غلہ نصف میل سے لائے تو وہ احتکار نہیں' پس دوسرے شہر سے لایا ہوا غلہ امام

(۱) اِنَّ المعصیۃ لاتقوم بعینہ بل بعد تسعیرہ ۱۲۔ (۲) لما صح انہ علیہ السلام عاد یہودیا مرض بجوارہ ۱۲۔ (۳) لانہ فیہ منفعۃ البہیمۃ والناس فان فیہ سمنہا وطیب لحمہا وقد ضحیٰ علیہ السلام بکبشین اخصیین موجورین ۱۲۔ (۴) لما صح انہ علیہ السلام رکب البغلۃ ولو کان ہذا الفعل حراما لما رکبہا ۱۲۔ (۵) لان ہذہ الامور من ضرورات التجارۃ وقد صح ان سلمان الفارسی اہدی الی النبی ﷺ ہدیۃ قبل ان یعتق فقبلہا وکان علیہ السلام یجیب دعوۃ المملوک ۱۲۔ (۶) لان الرغبۃ فی استخدامہ حث الناس علی ہذا الصنیع ۱۲۔ عہ...... بخاری' حاکم' احمد ابن حبان عن انس ۱۲۔ عہ...... صحیحین عن البراء بن عازب ۱۲۔

ابو یوسف کے نزدیک کیسے احتکار ہوسکتا ہے۔

قولہ ولا یسعر الخ نرخ مقرر نہ کرے۔ کیونکہ روایت میں ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! نرخ گراں ہوگیا۔ سو ہمارے لئے نرخ مقرر کردیجئے۔ آپ نے فرمایا: بالتحقیق اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا قابض و باسط اور رزاق ہے للعہ۔ یعنی اناج کی تنگی وکشائش اسی کی طرف سے ہے، ہاں اگر غلہ فروش قیمت میں حد سے زیادہ گرانی کرنے لگیں تو حاکم اہل رائے کے مشورہ سے نرخ مقرر کردے۔ امام مالک کے یہاں اس صورت میں حاکم پر نرخ مقرر کرنا واجب ہے۔

قولہ واجارۃ الخ دیہاتوں میں آتش خانہ یا کنشت یا کلیسا بنانے کے لئے مکان کرایہ پر دینا امام صاحب کے نزدیک درست ہے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مناسب نہیں کیونکہ یہ معصیت پر اعانت کرنا ہے، فخر الاسلام اور شمس الائمہ سرخسی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ وقد قال تعالیٰ "ولا تعاونوا علی الاثم والعدون" امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ عقد اجارہ مکان کی منفعت پر ہے، جس میں کوئی معصیت نہیں معصیت تو مستاجر کے فعل میں ہے اور وہ اس میں مختار ہے۔

قولہ وبیع بناء الخ مکہ معظمہ کی عمارت فروخت کرنا تو بالاجماع جائز ہے لیکن صاحبین کے نزدیک وہاں کی زمین کی بیع جائز ہے۔ امام صاحب سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ عینی شرح کنز میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے' کیونکہ مکانات کی طرح زمین بھی وہاں کے لوگوں کی مملوک ہے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "وھل ترک لنا عقیل من ربع عہ" اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہاں کی آراضی بھی ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف منتقل ہونے کے قابل ہے چنانچہ وہاں کے مکانات اور اس کی آراضی کی بیع وہان کے باشندگان میں عام طور سے بلانکیر مشہور ومعروف ہے۔ امام صاحب کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "مکۃ مناخ لایباع رباعھا ولا یواجر بیوتھا" عہ۔

قولہ و تعشیر الخ صاحب برہان نے ذکر کیا ہے۔ کہ اصل تو یہی ہے کہ تعشیر یعنی قرآن پاک کی ہر دس آیتوں پر علامت لگانا اور نقط یعنی اس کے اعراب کو کتابت میں ظاہر کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "قرآن کو مجرد رکھو اور اس میں وہ چیز شامل نہ کرو جو قرآن میں داخل نہیں' لیکن متاخرین نے بغرض تسہیل اظہار اعراب کو مستحسن جانا ہے۔ کیونکہ عجم کے حق میں یہ چیز ضروری ہے۔

قولہ ودخول ذمی الخ امام صاحب کے نزدیک ذمیوں کا مساجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ مسجد حرام ہو یا غیر مسجد حرام۔ امام مالک کے یہاں کسی مسجد میں بھی ذمی کا داخل ہونا ناجائز نہیں۔ امام محمدؒ امام شافعیؒ امام احمد کے یہاں مسجد حرام کے سوا دیگر مساجد میں اس کی اجازت ہے' عدم جواز کی دلیل یہ آیت ہے "انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا" امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ "ماہ رمضان میں وفد ثقیف آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا اور انکے لئے مسجد کے پچھلے حصہ میں قبہ لگایا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو مشرک ہیں' آپ نے فرمایا: ان الارض لاتنجس انما ینجس ابن آدم' اور آیت کا جواب یہ ہے کہ لا یقربوا نھی نھی تکوینی عہ ہے۔ نہ کہ نہی تکلیفی۔ پس مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ مشرکین میں مسجد حرام کی نزدیکی پیدا نہ کریگا۔

عہ...... ابن ماجہ' ابن راھویہ' دارمی' عبد بن حمید' ابو یعلی الموصلی' بیھقی (فی شعب الایمان) عن عمرؓ ۱۲ . عہ...... احمد' ابن ابی شیبہ' بزار' ابویعلی' حاکم' دارقطنی طبرانی (فی الحلیہ) عن ابن عمر ۱۲ . للعہ...... ابو دائود' ترمذی' ابن ماجہ' دارمی' بزار' ابو یعلی' ابن حبان عن انس' طبرانی عن ابی حجیفہ (فی الکبیر) و ابن عباس (فی الصغیر) والحذری (فی الواسطہ) ۱۲ .

للعہ...... طحاوی عن اسامہ بن زید ۱۲ حاکم' دارقطنی' ابن عدی' عقیلی عن عبداللہ بن عمرو ۱۲ . للعہ...... ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق' طبرانی' بیھقی عن ابن مسعود ۱۲ . للعہ...... ابو دائود' احمد' طبرانی' عن عثمان بن ابی العاص (بزیادۃ ونقص) ۱۲

عہ...... تکوینی تکون کی طرف نسبت ہے۔ تکوین ماتریدیوں کے یہاں وہ صفت قدیمہ ہے' جس کی طرف افعال کی صفات راجع ہوتی ہیں۔ تکوینی و تکلیفی میں فرق ہے کہ امر تکوینی سے امتثال عقلاً متخلف نہیں ہوتا اور امر تکلیفی سے ہوسکتا ہے۔ امر تکوینی کی مثال "ائتیا طوعاً او کرھاً" ہے اور امر تکلیفی کی مثال "اقیموا الصلوۃ" وغیرہ ہے ۱۲

وَالدُّعَاءُ بِمَعْقَدِ العِزِّ مِنْ عَرْشِکَ وَبِحَقِّ فُلَانٍ وَاللَّعِبُ بِالشَّطْرَنجِ وَالنَّرْدِ وَکُلُّ لَهْوٍ وَجَعْلُ الرَّايَةِ

اورعرش پرعزت بارے کے موضع انعقاد یا کسی کے حق کے طفیل سے دعاء مانگنا اور کھیلنا شطرنج اور نردشیر اور دیگر کھیلوں سے اور غلامی کا نشان ڈالنا

فِي عُنُقِ الْعَبْدِ وَحَلَّ قَيْدُهُ وَالْحُقْنَةُ وَرِزْقُ الْقَاضِي وَسَفَرُ الامَةِ وَاُمِّ الْوَلَدِ بِلامَحْرِمٍ وَشِرَاءُ مَالاَ بُدَّ لِلصَّغِيْرِ

غلام کے گلے میں اور حلال ہے غلام کو قید کرنا اور حقنہ کرنا اور قاضی کا روزینہ مقرر کرنا اور باندی اور ام ولد کا بلامحرم سفر کرنا اور بچہ کے لئے ضروری

مِنْهُ وَبَيْعُهُ لِلْعَمِّ وَالامِّ وَالْمُلْتَقِطِ لَوْ فِي حَجْرِهِمْ وَتُوجِرُهُ اُمُّهُ فَقَطْ.

چیزوں کا خریدنا اور فروخت کرنا چچا اور ماں اور پڑا ہوا بچہ پانے والے کے لئے اگر وہ ان کی پرورش میں ہو اور بچہ کو مزدوری پر دے سکتی ہے بچہ کی ماں

توضیح اللغۃ: نرد ایک کھیل ہے جو اردشیر بن بابک نے نکالا تھا اسی لئے اس کو نردشیر کہتے ہیں (قاموس) قہستانی میں ہے کہ یہ کھیل شاپور بن اردشیر کی موضوعات میں سے ہے۔ جو ملوک ساسانیہ میں سے ایک اور بادشاہ ہے۔ رایہ غلامی کا نشان جیسے لوہے کا طوق وغیرہ' عنق گردن' حجر گود۔

تشریح الفقہ: **قولہ والدعا الخ** اس لفظ کیساتھ دعا کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مقعد بتقدیم قاف برعین ذکر کرے دوم یہ کہ معقد بتقدیم عین ذکر کرے۔ دونوں صورتیں مکروہ ہیں۔ کیونکہ مقعد قعود سے مشتق ہے تو اس صورت میں تمکن عرش پر ثابت ہوا جو مجسمہ کا قول ہے اور سراسر باطل ہے۔ دوسری صورت اس لئے مکروہ ہے کہ عرش کو موضع عقد عزت کہنا وہم حدوث ہے۔ کیونکہ عرش قدیم نہیں حادث ہے۔ تو عزت متعلق بعرش بھی حادث ٹھہری۔ حالانکہ عزت رب العالمین قدیم ہے۔ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بارہ رکعت نماز ادا کر اور اس کے آخر میں ہے کہ یہ دعاء کر **اللھم انی اسألک بمعاقد العزمن عرشک**" جواب یہ ہے کہ اول تو یہ روایت بقول ابن الجوزی بالکل موضوع ہے' ابن معین وابن حبان نے اس کی تکذیب کی ہے۔ دوسرے یہ کہ خبر واحد ہے۔ پس احتیاط باز رہنے ہی میں ہے۔

قولہ واللعب الخ اگر شطرنج کھیلنا جوئے کے طور پر ہے تب تو یہ میسر ہے جس کی حرمت نص قرآنی "**انما الخمر والمیسر** اھ" سے ثابت ہے۔ اور اگر جوئے کے طور پر نہیں ہے تو یہ لہو ولعب ہے جو ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے کہ مسلمان کا ہر کھیل حرام ہے۔ سوائے تین کے۔ ایک بیوی سے ملاعبت کرنا دوم اپنے گھوڑی کو تعلیم دینا سوم بغرض سبقت تیر اندازی کرنا" امام شافعی اور امام ابو یوسف سے اباحت مروی ہے۔ بشرطیکہ قمار بازی اور دوام وہمیشگی کے طور پر نہ ہو اور اداء واجب مثلاً جمعہ وجماعات پنجگانہ میں خلل انداز نہ ہو۔ ورنہ سب کے نزدیک حرام ہے۔ نرد کھیلنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص نردشیر سے کھیلا اس نے اپنا ہاتھ سور کے خون میں رنگ لیا۔

---

(۱) لہ عبارتان بمعقدو بمقعد فالاولیٰ من العقد والثانیہ من العقود ۱۲. (۲) لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق ۱۲. (۳) لانہ عقوبة الکفار فیحرم کا لاحراق بالنار ۱۲. (۴) فی الکافی قالو اھذافی زمانھم لغلبة اھل الصلاح فیہ واما فی زماننا فلا لغلبة اھل الفساد فیہ ومثلہ فی النھایہ معزیا الی شیخ الاسلام ۱۲ (۵) وقال الشافعی ومالک لایجوز شرا [illegible] الا بامر الحاکم ۱۲.

کتاب احیاء الموات

هِيَ اَرْضٌ تَعَذَّرَ زَرْعُهَا لِاِنْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْهُ اَوْ لِغَلَبَتِهٖ عَلَيْهِ غَيْرُ مَمْلُوْكَةٍ بَعِيْدَةٌ مِنَ الْعَامِرِ وَمَنْ اَحْيَاهُ

وہ زمین ہے جس کی کاشت دشوار ہو پانی کے نہ ہونے یا اس کے غلبہ کی وجہ سے اور وہ کسی کی مملوک نہ ہو اور آبادی سے دور ہو جو شخص ایسی زمین کو زندہ کرلے

بِاِذْنِ الْاِمَامِ مَلَكَهٗ وَاِنْ حَجَّرَ لَا وَلَا يَجُوْزُ اِحْيَاءُ مَاقَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ.

امام کی اجازت سے تو وہ اس کا مالک ہو جائیگا اور اگر پتھروں کی مینڈھ باندھ دی تو مالک نہ ہوگا اور جائز نہیں زندہ کرنا اس زمین کا جو قریب ہو آبادی سے۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ اس کتاب میں بھی بہت سے احکام مکروہ اور بہت سے غیر مکروہ ہیں اس مناسبت سے کتاب الکراھیۃ کے بعد لا رہا ہے۔

قولہ الموات الخ موات کغراب وسحاب لغت میں اس زمین کو کہتے ہیں جس کا کوئی مالک نہ ہو" فی الصحاح " الموات بالفتح مالا روح فیہ والموات ایضاً الارض التی لامالک لھا من الا دمیین عہ" احیاء حیات سے ہے اس کی دو قسمیں ہیں حاسہ نامیہ حیات حاسہ جس سے حس وحرکت حاصل ہو حیات نامیہ جس سے نشوونما حاصل ہو۔ یہاں نامیہ مراد ہے یعنی زمین میں ایسی قوت کا آجانا جس سے وہ قابل کاشت ہو جائے اصطلاح میں ارض موات وہ غیر مملوک زمین ہے جو آبادی سے دور ہو اور پانی کے غالب آجانے یا منقطع ہو جانے کی وجہ سے اس میں کاشت کرنا دشوار ہو، امام محمد کے یہاں ارض موات ہونے کے لئے اہل قریہ کا منتفع نہ ہونا معتبر ہے خواہ زمین بستی سے دور ہو یا قریب ہو۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے، فتاوی کبری، قہستانی، برجندی وغیرہ میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔

قولہ ومن اعیاہ الخ جو شخص مردہ زمین کو حاکم کی اجازت سے قابل زراعت بنالے تو امام صاحب کے نزدیک وہ اس کا مالک ہو جائیگا۔ صاحبین کے نزدیک حکم حاکم کے بغیر ہی مالک ہو جاتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث "من احیا ارضا میتۃ فھی لہ عہ"، میں اذن وعدم اذن کی کوئی قید نہیں۔ امام صاحب کی دلیل حضور صلعم کا ارشاد ہے "لیس للمرء الاما طابت بہ نفس امامہ للعہ" اور اگر کسی نے ایسی زمین میں صرف پتھر وغیرہ کی مینڈھ باندھ دی تو اس سے وہ اس کا مالک نہ ہوگا۔

وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِيْ مَوَاتٍ فَلَهٗ حَرِيْمُهَا اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعاً مِنْ كُلِّ جَانِبٍ وَحَرِيْمُ الْعَيْنِ خَمْسُ مِائَةٍ مِنْ كُلِّ

جو شخص کنواں کھودے ویران زمین میں اس کیلئے اس کا حریم ہے چالیس گز ہر جانب سے اور چشمہ کا حریم پانچ سو گز ہے ہر طرف سے

فَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِيْ حَرِيْمِهَا مُنِعَ مِنْهُ وَلِلْقَنَاةِ حَرِيْمٌ بِقَدْرِ مَايُصْلِحُهٗ وَمَا عَدَلَ عَنْهُ الْفُرَاتُ

تو جو کنواں کھودے اس کے حریم میں اس کو روکا جائیگا اور برہے کا حریم اس قدر ہے جو اس کے مناسب ہو جس زمین سے ہٹ جائے فرات

وَلَمْ يَحْتَمِلْ عَوْدُهٗ اِلَيْهِ فَهُوَ مَوَاتٌ وَاِنِ احْتَمَلَ لَا وَلَا حَرِيْمَ لِلنَّهْرِ.

اور پھر آنے کا احتمال نہ ہو تو وہ موات ہے اور اگر اس کے آنے کا احتمال ہو تو موات نہیں اور نہر کا کچھ حریم نہیں۔

عہ...... ومثلہ فی القاموس ۱۲۔ عہ...... الا ان عند مالک لوتشاحا اہل العامر یعتبر الاذن والا لا ۱۲۔ للعہ...... بخاری (بغیر لفظہ) ابویعلی الموصلی، طیالسی، دارقطنی، ابن عدی عن عائشہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، بزار عن سعید بن زید، ترمذی، نسائی، ابن حبان، ابن ابی شیبہ عن جابر، طبرانی عن ابن عمرو وفضالہ ومروان بن الحکم، ابن ابی شیبہ، بزار، طبرانی، ابن عدی عن عمرو بن عوف، طبرانی، ابن عدی عن ابن عباس ۱۲۔ للعہ...... طبرانی عن معاذ ۱۲۔ سنن اربعہ عن عقبہ بن عامر، نسائی، ابن راہویہ، طبرانی، بزار عن جابر، حاکم عن ابی ہریرۃ، طبرانی، ابن حبان عن عمر ۱۲۔ عہ...... مسلم عن بریدہ ۱۲۔

کنویں چشمے وغیرہ کے حریم کا بیان

توضیح اللغۃ: حفر حفر کھودنا، حریم اردگرد کی وسیع جگہ، عین چشمہ، قناۃ برہ۔

تشریح الفقہ: **قولہ ومن حضر الخ** ایک شخص نے غیر آباد میں باجازت حاکم (بالاتفاق) یا بلا اجازت حاکم (صاحبین کے نزدیک) کنواں کھودا تو اسکے اردگرد ہر جانب سے اس کا حریم چالیس گز ہے۔ کہ اتنے حصہ میں کوئی دوسرا شخص کنواں نہیں کھود سکتا۔ خواہ اس کا کنواں بیر عطن ہو یا بیر ناضح۔ صاحبین کے نزدیک بیر عطن کا حریم چالیس گز ہے اور بیر ناضح کا ساٹھ گز، چشمہ کا حریم بالاتفاق پانچسو گز ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کے یہاں حریم کے سلسلہ میں عرف کا اعتبار ہے صاحبین کی دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ چشمہ کا حریم پانچسو گز ہے اور بیر عطن کا چالیس گز اور بیر ناضح کا ساٹھ گز'' امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ حدیث **من حفر بیرًا فلہ مما حولھا اربعون ذراعًا** عام ہے جس میں بیر عطن و بیر ناضح کی کوئی تفصیل نہیں **و العمل علی العام المتفق اولیٰ عندہ من الخاص المختلف۔**

قولہ ولا حریم الخ جو نہر دوسرے کی ملک میں واقع ہو امام صاحب کے نزدیک اس کا کوئی حریم نہیں۔ صاحبین کے نزدیک بقدر ضرورت حریم ہے یعنی اتنا کہ نہر کی مینڈھ پر چل سکے اور اگر نہر مٹی سے پٹ جائے تو اس کے اندر سے مٹی نکال کر مینڈھ پر ڈالی جا سکے۔ قہستانی میں تتمہ سے شرح مجمع میں محیط سے شرنبلالیہ میں اختیار سے منقول ہے کہ یہی صحیح ہے۔ **وفی السراجیہ قال حسام الدین والصحیح انہ یستحق الحریم** پھر امام محمد کے نزدیک مینڈھ کا اندازہ بقدر عرض نہر ہے (ہر طرف سے) اور امام ابو یوسف کے نزدیک بقدر نصف بطن نہر ہے قہستانی میں کرمانی سے اور برجندی میں نوازل سے منقل ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ **وفی الکبری ایضاً ان الفتوی علی قول ابی یوسف۔**

تنبیہ: شرح مجمع میں کفایہ سے منقول ہے کہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف نہر کبیر میں ہے۔ جس کی مٹی صاف کرنے کی ہر وقت ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اگر نہر صغیر ہو۔ جس کی مٹی صاف کرنے کی ہر وقت ضرورت ہو۔ تو اسکا حریم بالاتفاق ثابت ہے۔ قہستانی میں کرمانی سے منقول ہے کہ اختلاف نہر مملوک ہے جس کی مینڈھ درخت وغیرہ سے خالی ہو اور اسکے بازو میں صاحب نہر کے سوا کسی دوسرے کی زمین ہو کہ اس صورت میں صاحبین کے نزدیک مینڈھ صاحب نہر کے مملوک ہے اور امام صاحب کے نزدیک صاحب ارض کی مملوک ہے اور اگر مینڈھ خالی نہ ہو بلکہ اس میں صاحب نہر یا صاحب ارض کے درخت وغیرہ ہوں تو بالاتفاق درختوں کا مالک مینڈھ کا بھی مالک ہے (طحطاوی عن الدرر) عینی میں قاضی خاں سے منقول ہے کہ اگر مینڈھ زمین کے برابر نہ ہو اونچی ہو تو وہ صاحب نہر کی مملوک ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس کی اونچائی نہر کی مٹی سے ہے۔

فَصْلٌ فِي الشِّرْبِ هُوَ نَصِيبُ الْمَاءِ الْاَنْهَارُ الْعِظَامُ كَدِجْلَةَ وَالْفُرَاتِ غَيْرُ مَمْلُوْكَةٍ وَلِكُلٍّ اَنْ يَسْقِىَ اَرْضَهٗ

(فصل گھاٹ کے بیان میں) شرب پانی کی باری ہے بڑی بڑی نہریں جیسے دجلہ اور فرات کسی کی مملوک نہیں ہر شخص اپنی زمین کو پانی دے سکتا ہے

بیر عطن وہ کنواں ہے جس سے پانی اونٹوں کو پلانے کے لئے بھرا جاتا ہے۔ اور ناضح وہ ہے جس سے پانی اونٹوں کے ذریعے کھیت سینچنے کے لئے بھرا اور نکالا جاتا ہے

۱۲۔ عہ...... رواہ ابو یوسف فی الکتاب الخراج عن الزہری ۱۲۔

لہ...... ابن ماجہ، ابن راہویہ، طبرانی، عن عبداللہ بن مغفل، احمد عن ابی ہریرہ ۱۲۔

وَيَتَوَضَّأُ بِهٖ وَيَشْرَبُهٗ وَيَنْصِبُ الرَّحٰى عَلَيْهِ وَيَكْرِيْ مِنْهَا نَهْرًا اِلٰى اَرْضِهٖ اِنْ لَمْ يُضِرَّ بِالْعَامَّةِ وَفِى الْاَنْهَارِ

وضو کر سکتا ہے پی سکتا ہے پن چکی قائم کر سکتا ہے اور اس سے نہر کھود کر لا سکتا ہے اپنی زمین میں اگر لوگوں کا نقصان نہ ہو اور جو نہریں کسی کی ملک ہیں

الْمَمْلُوْكَةِ وَالْاٰبَارِ وَالْحِيَاضِ لِكُلٍّ شِرْبُهٗ وَسَقْىُ دَابَّتِهٖ لَا اَرْضِهٖ وَاِنْ خِيْفَ تَخْرِيْبُ النَّهْرِ لِكَثْرَةِ الْبُقُوْرِ

اور کنوؤں اور حوضوں سے ہر شخص پی سکتا ہے اور جانوروں کو پلا سکتا ہے مگر زمین نہیں سینچ سکتا اور اگر خوف ہو نہر کے خراب ہونے کا بیلوں کی کثرت سے

يُمْنَعُ وَالْمُحْرَزُ فِى الْكُوْزِ وَالْجُبُّ لَا يَنْتَفِعُ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَأْذَنَ صَاحِبُهٗ وَكَرْيُ نَهْرٍ غَيْرِ مَمْلُوْكَةٍ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ

تو منع کیا جائیگا اور جو محفوظ ہو مٹکے اور گڑھے میں اسے کام میں نہ لایا جائے مگر اس کے مالک کی اجازت سے اور غیر مملوک نہر کی صفائی بیت المال سے

فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شَيْءٌ يُجْبَرُ النَّاسُ عَلٰى كَرْيِهٖ وَكَرْيُ مَا هُوَ مَمْلُوْكٌ عَلٰى اَهْلِهٖ فَيُجْبَرُ الْاٰبِىْ عَلٰى كَرْيِهٖ.

ہوگی اور اگر اس میں کچھ نہ ہو تو مجبور کیا جائیگا لوگوں کو اس کی صفائی پر اور مملوک نہر کی صفائی اس کے مالک کے ذمہ ہے پس مجبور کیا جائیگا انکار کرنے والے کو اس کی صفائی پر۔

گھاٹ کے احکام

توضیح اللغۃ: شرب پانی کی باری، رحی پن چکی، یکری کری نہر کھودنا، ابار جمع بیر کنواں، حیاض جمع حوض۔ بقور بقر سے ہے کھودنا، پھاڑنا۔ محرز جمع کردہ شدہ، کوز آب محورہ، جب گڑھا۔ آبی انکار کنندہ

تشریح الفقہ: قولہ الانہار الخ بڑی بڑی نہریں (نہر بغداد) فرات (نہر کوفہ) نیل (دریائے مصر) گنگا جمنا (دریائے ہند) وغیرہ کسی کی مملوک نہیں تو آفتاب و مہتاب کی طرح ان سے بھی ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مثلاً پانی پینا، وضو کرنا، مویشیوں کو سیراب کرنا، زمین سینچنا، پن چکی قائم کرنا وغیرہ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا "جملہ مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں گھاس، پانی، آگ نیز بڑے دریا سے نہر کھود کر اپنی زمین سینچنے کیلئے آنا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ نہر کھودنے سے عام مخلوق کو نقصان نہ پہونچتا ہو اور اگر نہر کھودنے سے خلق کا ضرر ہو مثلاً پانی کے ریلے سے کنارہ ٹوٹ کر دیہات اور اراضی کے غرق ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں نہر کھودنا درست نہ ہوگا کیونکہ دفع ضرر عوام ضروری ہے۔

وَمُؤْنَةُ كَرْيِ النَّهْرِ الْمُشْتَرَكِ عَلَيْهِمْ مِنْ اَعْلَاهُ فَاِنْ جَاوَزَ اَرْضَ رَجُلٍ بَرِئَ

اور مشترک نہر کی صفائی کا خرچ شریکوں پر ہے نہر کے اوپر کی جانب سے پس جب بڑھ جائے نہر کسی کی زمین سے تو وہ بری ہو جائیگا

وَلَا كَرْيَ عَلٰى اَهْلِ الشُّفَّةِ وَيَصِحُّ دَعْوَى الشِّرْبِ بِغَيْرِ اَرْضٍ نَهْرٍ بَيْنَ قَوْمٍ اِخْتَصَمُوْا فِى الشِّرْبِ فَهُوَ بَيْنَهُمْ

اور پانی پینے والوں پر صفائی لازم نہیں صحیح ہے پانی کی باری کا دعوی بلا زمین بھی ایک نہر چند لوگوں میں مشترک ہے انہوں نے پانی کی باری میں جھگڑا

---

(۱) لما فرغ من احیاء الموات ذکر ما یتعلق من مسائل الشرب لان احیاء الموات یحتاج الیہ ۱۲۔ مجمع (۲) قال العینی بضم الحاء المہملۃ وتشدید الباء الموحدۃ وہی الخابیۃ وفی الطائی بضم الجیم وہو الصہر تح وفی بعض النسخ بالحاء المہملۃ ۱۲۔

(۳) لانہ صار ملکا لہ بالاحراز (۴) ای مال الخراج والجزیۃ لانہ لنوائب المسلمین لا بال الصدقات لانہ للفقراء ۱۲۔

ابو داؤد، احمد، ابن ابی شیبہ عن رجل من الصحابۃ، ابن ماجہ عن ابن عباس، طبرانی عن ابن عمر ۱۲

عَلٰی قَدْرِ اَرَاضِیْهِمْ وَلَیْسَ لِاَحَدِهِمْ اَنْ یَّشُقَّ مِنْهُ نَهْرًا اَوْ یَنْصِبَ عَلَیْهِ رَحیً اَوْ دَالِیَةً

کیا تو وہ ان کے درمیان ان کی اراضی کے بقدر ہوگی اور کسی شریک کو اختیار نہ ہوگا کہ اس میں سے نہر نکالے یا اس پر پن چکی قائم کرے یا رہٹ

اَوْ جِسْرًا اَوْ یُوَسِّعَ فَمَ النَّهْرِ اَوْ یَقْسِمَ بِالْاَیَّامِ وَقَدْ وَقَعَتِ الْقِسْمَةُ بِالْکِوٰی

لگائے یا پل باندھے یا نہر کا دہانہ چوڑا کرے یا پانی کی تقسیم دلوں کے اعتبار سے کرے جبکہ ہو چکی ہو تقسیم قلابوں کے اعتبار سے

اَوْ یَسُوْقَ شِرْبَهٗ اِلٰی اَرْضٍ لَهٗ اُخْرٰی لَیْسَ لَهَا فِیْهِ شِرْبٌ بِلَا رِضَائِهِمْ وَیُوْرَثُ الشِّرْبُ

یا اپنی باری اپنی دوسری زمین میں لیجائے جس کے لئے اس نہر سے پانی کا حق نہیں ہے بلا رضاء شرکاء وارث کو میراث میں پہنچتا ہے پانی دینے کا حق

وَیُوْصٰی بِالْاِنْتِفَاعِ بِعَیْنِهٖ وَلَا یُبَاعُ وَلَا یُوْهَبُ وَلَوْ مَلَأَ اَرْضَهٗ مَاءً فَنَزَّتْ اَرْضُ جَارِهٖ اَوْ غَرِقَتْ لَمْ یَضْمَنْ.

اور وصیت کی جاسکتی ہے بعینہ اس سے نفع اٹھانے کی مگر بیچا نہیں جائیگا نہ ہبہ کیا جائیگا کسی نے اپنی زمین پانی سے بھری پس نقصان پہنچا اس کے ہمسایہ کی زمین کو یا وہ ڈوب گئی تو اس کا ضامن نہ ہوگا۔

گھاٹ کے باقی احکام

تشریح الفقہ: قولہ ومونة الخ امام صاحب کے نزدیک نہر مشترک کی صفائی کا صرفہ سب شریکوں پر نہر کی اوپر کی جانب سے ہے پس جب نہر ایک شریک کی زمین سے متجاوز ہو جائے تو وہ نہر کی صفائی کے خرچے سے بری ہو جائے گا، صاحبین کے نزدیک صرفہ سب شریکوں پر اول سے آخر تک بقدر حصص ہے۔ اس کو یوں سمجھ لو کہ اگر نہر میں دس شریک ہوں تو صرف بطریق اعشار ہوگا یعنی ہر شخص پر خرچ کا دسواں حصہ ہوگا اور جب صفائی ایک شریک کی زمین سے آگے بڑھ جائے تو باقی شرکا پر خرچ بطریق اتساع ہوگا وہکذا، صاحبین کے نزدیک اول سے آخر تک سب پر بطریق اعشار ہوگا۔ قاضی خاں میں ہے کہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔

قولہ ویصح الخ زمین کے بغیر باری کا دعویٰ استحساناً صحیح ہے کیونکہ باری امر مرغوب فیہ اور قابل انتفاع ہے اور یہ ممکن ہے کہ آدمی زمین کے بغیر بطریق میراث یا بطریق وصیت باری کا مالک ہو گیا ہو کیونکہ بعض اوقات زمین فروخت ہو جاتی ہے۔ باری فروخت نہیں ہوتی۔

قولہ نہر بین قوم الخ ایک نہر چند آدمیوں میں مشترک ہے انمیں باری کی کمی بیشی کے متعلق جھگڑا ہوا تو باری ان کی اراضی کے مطابق ہوگی۔ کیونکہ باری کا مقصد زمین سینچنا ہوتا ہے اور پانی کی ضرورت اختلاف اراضی کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے تو ہر شخص کا حق اس کی زمین کی ضرورت کے مطابق ہوگا۔

کوی بکسر کاف کوہ بفتح کاف کی جمع ہے بمعنی نقب یہاں مفاتیح آب کشت زار مراد ہے۔ کبھی مفرد میں کاف کو مضموم بولتے ہیں اس وقت اس کی جمع کوی آتی ہے جیسے عروہ اور عری اس میں مد اور قصر دونوں جائز ہیں ۱۲

(۱)......لانہ مسبب ولیس بمتعد فیہ فلا یضمن وفی لقسمة اذا سقی غیر معتاد فتعدی ضمن وعلیہ الفتوی ۱۲ مجمع بحذف

کتاب الاشربة

تشریح الفقہ: **قوله کتاب الخ** اشربہ اور شرب دونوں لفظ و معنی ہر دو حیثیت سے ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔ کیونکہ اشربہ شراب کی جمع ہے۔ اور شراب و شرب دونوں معنی اصل اور حروف اصلی میں مشترک ہیں اس لئے شرب کے بعد کتاب الاشربہ لا رہا ہے۔ شراب لغت عرب میں اس رقیق سیال چیز کو کہتے ہیں جو پی جاسکے حرام ہو یا حلال جیسے پانی' رس' شربت وغیرہ اصطلاح شرع میں شراب وہ حرام مشروب ہے جو نشہ لائے اور مست و بیہوش کر دے' چونکہ اس کتاب میں شرابوں کے احکام مذکور ہیں۔ جیسے کتاب الحدود میں احکام حدود اور کتاب البیوع میں احکام بیوع مذکور ہیں اس لحاظ سے اس کو کتاب الاشربہ کے ساتھ موسوم کر دیا گیا۔ **وفی التلویح فی اوائل القسم الثانی ان اضافة الحل و الحرمة الی الاعیان کحرمة المیتة والخمر والا مهات ونحوذلک مجاز عند کثیر من المحققین من باب اطلاق اسم المحل علی الحال او هو مبنی علی حذف المضاف ای حرم اکل المیتة وشرب الخمر ونکاح الا مهات۔**

فائدہ: اصول اشربہ چار چیزیں ہیں' (۱) خمار یعنی پھل جیسے انگور' کھجور' مویز یعنی خشک انگور جس کو اہل ہند منقی کہتے ہیں (۲) حبوب جیسے گیہوں' جو' جوار (۳) شیریں چیزیں جیسے شکر' شہد' گڑ وغیرہ (۴) البان جیسے اونٹ کا دودھ' گھوڑی کا دودھ' سو انگور سے پانچ چھ شرابیں بنتی ہیں یعنی خمر' باذق' منصف' مثلث' بختج (یعنی پختہ) اور منقی سے دو شرابیں بنتی ہیں' نقیع اور نبیذ۔ اور کھجور سے تین شرابیں بنتی ہیں سکر' فضیح' نبیذ اور حبوب و فواکہ اور شہد وغیرہ سے ہوتی ہے گو اس کے نام متعدد ہیں۔ اشربہ انگوری کی تفصیل یہ ہے کہ جب انگور کا عرق نچوڑ لیا گیا تو اس کو عصیر کہتے ہیں جب تک کہ وہ شیریں رہے اور جب وہ جوش کھا کر جھاگ لانے لگے اور کڑوا ہو جائے تو اس کا نام خمر ہے اور جب وہ کھٹا ہو جائے تو وہ سرکہ انگوری ہے۔ اور اگر انگور کے عرق کو قدرے آگ پر پکایا گیا جس سے اس کا دو ثلث سے کمتر حصہ جل گیا اور وہ جوش کھا کر جھاگ لانے لگا تو اس کا نام باذق (بادہ) ہے بعض اس کو طلا بھی کہتے ہیں۔ اور اگر اتنا پکایا گیا کہ نصف جل گیا اور نصف باقی رہ گیا تو وہ منصف ہے اور اگر دو تہائی جل گیا تو اس کا نام مثلث ہے۔ اور اگر مثلث کو پانی ڈال کر پتلا کر کے پکایا گیا تو اس کا نام بختج یعنی پختہ ہے جس کو یعقوبی' ابا یوسفی' جمہوری' حمیدی بھی کہتے ہیں۔ منقی سے نقیع اور نبیذ بناتے ہیں' نقیع کی صورت یہ ہے کہ منقی کو چند روز تک پانی میں تر رکھا جائے یہاں تک کہ پانی شیریں ہو جائے۔ اور اگر منقی کا پانی قدرے پکا لیا جائے تو اس کو نبیذ کہتے ہیں۔ کھجور سے سکر' فضیح اور نبیذ بناتے ہیں۔ سکر پختہ خرما کا کچا پانی ہوتا ہے اور فضیح گدر کھجور کا کچا پانی اور نبیذ پختہ یا گدر کھجور کا پانی جو قدرے پکا لیا جائے۔
(عینی اور قاضی خاں)۔

اَلشَّرَابُ مَا يُسْكِرُ وَالْمُحَرَّمُ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ اَلْخَمرُ وَهِيَ النِّيُّ مِنْ مَاءِ الْعِنَبِ اِذَا غَلاَ وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ

شراب وہ ہے جو نشہ لائے حرام ان میں سے چار ہیں اول خمر اور وہ انگور کا کچا پانی ہے جب جوش مارے اور گاڑھا ہو جائے اور جھاگ پھینکے

وَحَرُمَ قَلِيْلُهَا وَكَثِيْرُهَا وَالطِّلاَءُ وَهُوَ الْعَصِيْرُ اِنْ طُبِخَ حَتّٰى ذَهَبَ اَقَلَّ مِنْ ثُلُثَيْهِ.

تو اس کا تھوڑا اور بہت سا حرام ہے دوم طلاء اور وہ شیرۂ انگور ہے۔ جب پکا لیا جائے اتنا کہ دو تہائی سے کم جل جائے۔

حرام شرابوں کا بیان

توضیح اللغۃ: نی بکسر نون و تشدید یاء تحتانیہ کچا پانی' زبد رغوہ جس کو ہندی میں جھاگ اور پھینا کہتے ہیں۔

تشریح الفقہ: **قولہ والمحرم الخ** شرابوں میں سے چار قسم کی شرابیں حرام ہیں خمر، طلا، سکر، نقیع زبیب، خمر انگور کے کچے پانی کو کہتے ہیں جب وہ جوش کھا کر ابلنے لگے اور اشتداد پکڑ جائے اور جھاگ پھینکنے لگے۔ جوش سے مراد کامل جوش ہے۔ اس طرح نیچے کا پانی اوپر اور اوپر کا نیچے ہو جائے، اشتداد سے مراد جوش کی کثرت ہے جس سے مست کر دینے کی قوت حاصل ہو جائے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "**کل مسکر خمر**" اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ "**الخمر من ھاتین الشجرتین النخلۃ والعنبۃ**" نیز حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ "**الخمر من ماخامر العقل**" یعنی خمر مخامرت سے ہے چونکہ یہ عقل کو چھپا دیتی ہے اس لئے اس کو خمر کہتے ہیں اور مخامرت ہر مسکر چیز میں پائی جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ خمر صرف انگور کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ جو کھجور، شہد، گیہوں، جو سے بنے اور نشہ آور ہو وہ بھی خمر ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظ خمر باجماع اہل لغت معنی مذکور۔ النی من ماء العنب) کیلئے اسم خاص ہے۔ اسی لئے اس کا استعمال اسی معانی میں مشہور ہے۔ اس کے علاوہ دیگر معانی کیلئے دوسرے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جیسے مثلث، طلا، باذق، منصف وغیرہ۔ نیز خمر کی حرمت قطعیہ ہے جو بالاجماع ثابت ہے۔ لہٰذا اسکی حرمت اس شئی کی جانب منصرف ہوگی جس میں حرمت قطعی اور یقینی ہو اور انگوری شراب کے علاوہ دیگر شرابوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی کیونکہ وہ مجتہد فیہا ہیں چنانچہ طلاء ہمارے نزدیک حرام ہے۔ امام اوزاعی کے نزدیک مباح اسیطرح نقیع تمر ہمارے یہاں حرام ہے اور شریک بن عبداللہ کے یہاں مباح نیز نقیع زبیب جوش واشتداد کے بعد ہمارے یہاں حرام ہے، امام اوزاعی کے یہاں مباح اور خمر کو بایں معنی خمر کہنا کہ وہ عقل کو چھپا لیتی ہے اول تو ہمیں تسلیم نہیں کیونکہ یہ اتفاق اہل لغت کے خلاف ہے۔ چنانچہ امام لغت علامہ ابن الاعرابی فرماتے ہیں کہ خمر کو خمر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ متخمر ہے یعنی اس میں شدت وقوت ہے جو دوسری شرابوں میں نہیں اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خمر مخامرۃ العقل سے ہے اور ہر مسکر کو شامل ہے جیسا کہ قاموس کی عبارت "**الخمر مااسکر من عصیر العنب او ھو عام والعموم اصح**" اور حضرت عمر کے قول "**الخمر ماخامر العقل**" اور حدیث ابن عمر وابی ہریرہ وانسؓ سے معلوم ہوتا ہے جن میں خمر کا اطلاق انگوری شراب کے علاوہ دیگر مسکرات پر بھی موجود ہے۔ تو اس سے لفظ خمر کے اسم خاص ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ بعض الفاظ اصل معنی کے لحاظ سے عام ہوتے ہیں لیکن غلبہ استعمال کیوجہ سے خاص ہو جاتے ہیں۔ مثلاً لفظ نجم باعتبار اصل بخوم بمعنی ظہور سے مشتق ہے جو ہر ظاہر ہونیوالی چیز کو شامل ہے پھر ظاہر مخصوص (جنس کوکب) کیلئے اسم خاص ہو گیا۔ اس کے بعد غلبہ استعمال کی وجہ سے ستارہ خاص (ثریا) کا نام ہو گیا۔ اور یہ عربی ہی کے ساتھ نہیں بلکہ اس کی نظیر ہر زبان میں موجود ہیں۔ مثلاً تنزیب کے حقیقی معنی ہر اس چیز کے ہیں جو بدن کو زیب دے حالانکہ یہ ایک خاص کپڑے کا نام ہے، ہمارے اس دعوی کی تائید حضرت ابن عمر کی روایت "**لقد حرمت الخمر وما بالمدینۃ منھا شئی**" سے بھی ہوتی ہے۔ جس کے متعلق علامہ ابن جوزی جیسا شخص بھی "تحقیق" میں یہ کہنے پر مجبور ہے۔ **یعنی بہ ماء العنب" فانہ مشھور باسم الخمر ولا یمنع ھذا ان یسمی غیرہ خمرا**" رہا احادیث مذکورہ سے استدلال سو حدیث "**کل مسکر خمر**" کا جواب یہ ہے کہ یہ مجاز پر محمول ہے۔ یعنی خمر تو درحقیقت انگوری شراب ہی کو کہتے ہیں لیکن کبھی غیر خمر کو بھی بطریق مجاز خمر کہہ دیتے ہیں۔ اگر مجاز پر محمول نہ کیا جائے تو لازم آئے گا کہ بھنگ اور تاڑی وغیرہ بھی خمر ہو۔ کیونکہ مسکر کے افراد میں یہ بھی داخل ہیں۔ حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ صاحب ہدایہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں امام جرح وتعدیل حضرت یحییٰ بن معین نے طعن کیا ہے۔ دیگر اصحاب کتب فقہیہ نے بھی انہی کی پیروی کی ہے بلکہ صاحب عنایہ نے تو موقوف سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے تین حدیثیں ثابت نہیں۔ ایک "**لانکاح الا بولی وشاھدی عدل**" من مس ذکرہ فلیتوضاء" **سوم حدیث مذکورہ کل مسکر خمر**" مگر یہ جواب کچھ مناسب نہیں۔ کیونکہ علامہ عینی اور محدث کبیر علامہ جمال الدین زیلعی مخرج احادیث ہدایہ نے تصریح کی ہے کہ ہم نے حدیث کی کسی کتاب میں یہ طعن نہیں پایا" اور طعن کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ امام مسلم نے اس کو صحیح میں روایت کیا ہے۔ روایت مع سند ملاحظہ ہو **قال الامام حدثنا ابو**

الربیع العتکی وابو کامل قال ناحماد بن زید قال نا ایوب عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ کل مسکر خمر اھ'' پس حدیث صحیح ہے اور طعن غیر مسلم دوسری حدیث ''**الخمر من ھاتین الشجر تین**'' کا جواب یہ ہے کہ اس سے اطلاق خمر مراد نہیں بلکہ بیان حکم مقصود ہے جو منصب رسالت کے لائق ہے۔ کیونکہ آپ بیان احکام کیلئے تشریف لائے تھے نہ کہ بیان لغت کیلئے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جو شراب انگور کے درخت سے ہو وہ حرام ہے اور جو درخت خرما سے ہو وہ بھی حرام ہے۔ اس کی تائید حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہوتی ہے۔ کہ آپ سے نبیذ کے متعلق دریافت کیا گیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے خمر واس کے نام کی وجہ سے حرام نہیں کیا بلکہ اس کے انجام کی وجہ سے حرام کیا ہے۔ تو جس شراب کا انجام خمر کے مثل ہو یعنی مسکر ہو وہ خمر کی طرح حرام ہے'' معلوم ہوا کہ خمر تو انگوری شراب ہی کا نام ہے لیکن جو شراب مسکر ہو اس کا حکم خمر کی طرح ہے یعنی سب مسکرات خمر کے حکم میں داخل ہیں۔

قولہ وقذف الخ خمر کی تعریف مذکور امام صاحب کے نزدیک ہے' صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جھاگ لانا شرط نہیں بلکہ جوش کھانے اور گاڑھی ہو جانے سے ہی خمر کہا جائیگا۔ گو جھاگ نہ لائے' امام ابو حفص کبیر نے اسی کو لیا ہے' اور یہی ظاہر تر ہے۔ جیسا کہ شرنبلالیہ میں مواہب سے منقول ہے کیونکہ لذت مطربہ وقوت مسکرہ اشتداد ہی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اور یہی صفت ایقاع عداوت اور یاد الٰہی سے غافل کرنے میں مؤثر ہے تو جھاگ لانا وصف زائد ہوگا' امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ غلیان (جوش لانا) تو اشتداد کی ابتداء ہے۔ اور خمر جو تخمر بمعنی شدت سے ماخوذ ہے' اس میں کامل شدت سے مراد ہے تو ابتداء جوش کی حالت میں اس کو خمر نہ کہیں گے۔ بلکہ وہ جھاگ لانے لگیں گے تب خمر ہوگی۔ کیونکہ مکدر سے صافی کا امتیاز اسی سے ہوتا ہے نیز خمر سے جو شرعی احکام متعلق ہے جیسے اجراء حد' تکفیر مستحل' حرمت بیع وغیرہ وہ سب قطعی ہیں اس لئے احکام خمر کا مدار کمال اشتداد پر ہوگا۔

قولہ وحرم الخ جب کوئی حکم کسی نص سے ثابت ہو تو اس کیلئے علت تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ خود وہ نص ہی اس حکم کیلئے علت ہوتی ہے' ہاں اگر وہی حکم کسی فرعی مسئلہ میں قیاس سے ثابت کیا جائے تو فرع کیلئے علت کا ہونا ضروری ہے مثلاً اگر خمر پر قیاس کر کے تاڑی کا حکم نکالا جائے تو علت سکر و نشہ ہے پس اس فرعیہ کے لئے خمر میں علت سکر نکالی جائے گی رہی ذات خمر سو وہ نص کی وجہ سے حرام رہے گی اس کی حرمت کے لئے علت سکر کی ضرورت نہیں جب یہ بات ذہن نشین ہوگی تو اب سمجھو کہ خمر کی حرمت علت سکر کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ نص کی وجہ سے ہے گو اس میں نشہ موجود ہے۔ پس جس طرح کثیر مقدار میں شراب پینا حرام ہے اسی طرح شراب کا ایک قطرہ بھی حرام ہے گو نشہ نہ ہو۔ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ قلیل مقدار حرام نہیں کیونکہ وہ مسکر نہیں یہ محض نفس پرستی اور شیطانی دھوکا ہے۔

قولہ والطلاء الخ اشربہ محرمہ میں سے دوسری حرام شراب طلاء ہے۔ جس کو باذق (بادہ) کہتے ہیں۔ (ہدایہ) اور وہ یہ ہے کہ انگور کہ رس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم جل جائے۔ اور مسکر ہو جائے' امام اوزاعی کے یہاں یہ مباح ہے۔ بعض معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں۔ کیونکہ طلاء ایک پاکیزہ شربت ہے خمر نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ طلاؑ لذت دار سرور پیدا کرنے والی رقیق شراب ہے۔ اس لئے فاسق اور فاجر لوگ اس کو خوب پیتے ہیں تو اس کا پینا بھی حرام ہوگا۔ تاکہ فساد کا سد باب ہو۔

فائدہ: طلاؑ کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ انگور کے رس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور مسکر ہو جائے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ طلاء درحقیقت یہی ہے' صاحب محیط وغیرہ نے اسی کو لیا ہے۔ یہ حرام نہیں کیونکہ صحابہ سے اس کا پینا ثابت ہے۔ (شرنبلالیہ)۔

عہ..... قطران کو کہتے ہیں جو خارشتی اونٹ پر ملا جاتا ہے۔ مثلث غنی چونکہ غلظت قوام میں طلاؑ کے مشابہ ہوتا ہے اس لئے فاروق اعظم نے اس کو طلاؑ سے تعبیر کیا ۱۲۔

عہ..... مسلم' احمد' ابن حبان' عبد الرزاق' دار قطنی عن ابی عمر ۱۲۔ الجماعۃ الا البخاری عن ابی ہریرہ ۱۲۔ للعہ..... بخاری ۱۲۔

عہ..... بخاری ۱۲۔ علہ..... دار قطنی عن جعفر عن محمد ۱۲۔

عہ..... جھاگ پھینکنے کی شرط ہونے اور نہ ہونے میں وہی اختلاف ہے جو خمر میں مذکور ہو چکا ۱۲۔

وَالسُّكْرُ وَهُوَالنَّيُّ مِنْ مَاءِ الرُّطَبِ وَنَقِيْعُ الزَّبِيْبِ وَهُوَ النَّيُّ مِنْ مَاءِ الزَّبِيْبِ وَالْكُلُّ حَرَامٌ اِذَا غلا وَاشْتَدَّ

سوم سکر اور وہ کچا پانی ہے تر چھوارے کا چہارم نقیع زبیب اور وہ کچا پانی ہے کشمش کا یہ سب حرام ہیں جب ابھن جائیں اور کڑی ہو جائیں

وَحُرْمَتُهَا دُوْنَ حُرْمَةِ الْخَمرِ فَلاَ يُكَفَّرُ مُسْتَحِلُّهَا بِخِلاَفِ الْخَمرِ.

مگر ان کی حرمت خمر سے کم ہے پس کافر نہ کہا جائیگا ان کے حلال جاننے والے کو بخلاف خمر کے۔

تشریح الفقہ: قوله والسكر الخ تیسری حرام شرب سکر (نقیع تمر) ہے یعنی پختہ تر کھجور کا کچا رس جو جوش کھانے کے بعد جھاگ لانے لگے اور مسکر ہو جائے۔ شریک بن عبداللہ کے نزدیک یہ مباح ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کو آیت "تتخذون منه سكرا ورزقاحسناً" میں بطریق امتنان ذکر فرمایا ہے۔ یعنی ہم نے تمہارے لئے درخت خرما و انگور پیدا کیے۔ جس سے تم سکر بناتے ہو اور بہترین رزق حاصل کرتے ہو ظاہر ہے کہ حرام چیز سے امتنان نہیں ہوتا ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کی حرمت پر صحابہ کا اجماع ہے۔ اور روایت "الخمر من هاتين الشجر تين" سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ رہی آیت سو وہ ابتداء اسلام پر محمول ہے کہ شروع میں تمام شرابیں حلال تھیں بعد میں حرام ہو گئیں۔ امام شعبی و امام نخعی کا مذہب یہی ہے۔ ابن ابی شیبہ میں حضرت ابراہیم سے مروی ہے قال قال عبدالله السكر خمر، شیخ ابو منصور ماتریدی نے آیت کو ملامت پر محمول کرتے ہوئے یہ معنی کئے ہیں کہ "تم ان سے سکر شراب بناتے ہو اور رزق حسن کو چھوڑتے ہو؟ مگر یہ تاویل اس لئے صحیح نہیں کہ آیت مکی ہے اور شراب کی حرمت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ تو جو چیز ابھی حرام نہیں ہوئی اس پر کیسے ملامت کیجا سکتی ہے۔

قوله ونقيع الخ چوتھی حرام شراب نقیع زبیب ہے اور وہ یہ ہے کہ خشک انگور (کشمش) کو چند روز پانی میں بھگو کر اس کا کچا پانی لیا جائے اس کا پینا بھی حرام ہے بشرطیکہ (آگ پر پکائے بغیر) جوش کھائے اور گاڑھی ہو جائے۔ یہ تینوں شرابیں یعنی طلا، سکر، نقیع زبیب حرام ہیں۔ لیکن انکی حرمت حرمت خمر کے مقابلہ میں کم ہے۔ تو ان کے حلال جاننے والے کو کافر نہ کہا جائیگا۔ اور ان کے پینے والے کو حد نہ لگائی جائے گی۔ جب تک کہ نشہ نہ ہو اور ان کی بیع بھی جائز ہو گی اس واسطے کہ ان کی حرمت اجتہادی ہے۔ اور خمر کی حرمت قطعی ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالْحَلاَلُ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ نَبِيْذُ التَّمرِ وَالزَّبِيْبِ اِنْ طُبِخَ اَدْنىٰ طَبْخَةٍ وَاِنْ اشْتَدَّ اِذَا شَرِبَ مَالاَ يَسْكُرُ

اور حلال ان میں سے چار ہیں اول نبیذ تمر و نبیذ زبیب اگر اسکو قدرے پکا لیا جائے اگرچہ گاڑھا ہو جائے جب پئے اتنی کہ نشہ نہ لائے کھیل

بِلاَ لَهْوٍ وَطَرَبٍ وَالْخَلِيْطَانِ وَنَبِيْذُ الْعَسَلِ وَالتِّيْنِ وَالْبُرِّ وَالشَّعِيْرِ وَالذُّرَةِ طُبِخَ اَوْلاَ

اور مستی کے بغیر دوم خلیطان سوم شہد انجیر گیہوں جو جوار کی نبیذ پکائی جائے یا نہ پکائی جائے

مباح مشروبات کا بیان

توضیح اللغۃ: زبیب منقی طبخۃ پکانا، طرب مستی، خلیطان چھوارے اور منقی کا مخلوط پانی، عسل شہد، تین انجیر، بر گیہوں، شعیر جو۔ ذرہ جوار۔

تشریح الفقہ: قوله والحلال الخ چار قسم کی شرابیں حلال ہیں (۲) نبیذ تمر و نبیذ زبیب یعنی بھیگے ہوئے چھوارے اور منقی کا پانی جس کو قدرے

ع...... فی المغرب السکر بفتحتین عصیر الرطب اذا اشتد، وفی الطلبۃ السکر بفتح السین والکاف ہوالنی من ماء التمر، وفی دیوان الادب ہو خمر التمر ۱۲۔

پکالیا جائے۔ یہ شیخین کے نزدیک حلال ہے گو گاڑھے ہو کر جوش سے جھاگ لے آئے بشرطیکہ لہو وطرب کی نیت سے نہ ہو بلکہ حصول تقویت کیلئے ہو اور اتنی مقدار پیئے جس سے غالب اوقات نشہ نہ رہتا ہو' امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک بہر صورت حرام ہے کم ہو یا زیادہ۔ یہی اختلاف مثلث عنبی میں ہے' جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔ ہم جانبین کی ادلہ وہیں ذکر کریں گے۔

قولہ والخلیطان الخ (۲) خلیطین یعنی چھوارے اور منقی کو جدا جدا تر کر کے دونوں کا پانی قدرے پکالیا جائے۔ اگر چہ وہ جوش کھا کر اشتد اد پکڑ جائے یہ بھی حلال ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''ہم مٹھی بھر چھوارے اور مٹھی بھر حضور ﷺ کے لئے برتن میں رکھتے اور اس پر پانی ڈالتے تھے تو جو ہم علی الصباح تر رکھتے تھے اس کو آپ شام کے وقت نوش فرماتے تھے اور جو شام کو بھگو رکھتے تھے اس کو آپ علی الصباح نوش فرماتے تھے' نیز حضرت ابن زیاد سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر کے یہاں افطار کی تو آپ نے مجھے ایک شربت پلایا قریب تھا کہ میں اپنے گھر نہ پہونچ سکوں' دوسرے روز میں حضرت ابن عمر سے وہ کیفیت بیان کی آپ نے فرمایا: میں نے عجوہ (تمر) اور خشک انگور کے سوا اور کوئی چیز نہیں پلائی' سوال آنحضرت ﷺ نے تو چھوارے و منقی اور گدر و پختہ کھجور ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے'' جواب جن احادیث میں خلیطین سے نہی وارد ہے وہ حالت قحط پر محمول ہیں۔ تا کہ دو نعمتوں کا اجتماع نہ ہو جبکہ اس کا پڑوسی محتاج ہے۔ اور اباحت خوشحالی پر محمول ہے۔ یہ توجیہ حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے۔ سوال حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ میں ابن زیاد کو نہیں جانتا اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کا نام بتایا ہے' جواب علامہ عینی نے کہا ہے کہ ''یہ عبداللہ بن زیاد ہے'' اور شیخ مرتضی حسینی نے کہا ہے کہ ظاہرًا یہ محمد بن زیاد ہے جو شعبہ کے شیوخ میں سے ہے۔ اس نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے اور یہ ابن سیرین کے ہمعصروں میں سے ہے'' بہر کیف یہ شخص ثقہ ہے۔

قولہ ونبیذ العسل الخ (۳) شہد' انجیر' گیہوں' جو اور جوار کی نبیذ بھی شیخین کے نزدیک حلال ہے خواہ اس کو پکالیا گیا ہو یا نہ پکایا گیا ہو' ائمہ ثلاثہ' امام محمد' داؤد ظاہری کے نزدیک مطلقاً حرام ہے قلیل ہو یا کثیر' زیلعی' کفایہ' حموی' بزازیہ اور شرح وہبانیہ وغیرہ میں ہے کہ فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔ مگر یہ اختلاف اسی وقت ہے جب قوت عبادت حاصل کرنے کی نیت سے پیتا ہو۔ ورنہ بالاتفاق حرام ہے۔

والمثلث العنبی

چہارم مثلث عنبی

مثلث عنبی کا تحقیقی بیان

قولہ والمثلث الخ (۴) مثلث عنبی انگور کا وہ رس جس کو اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے شیخین کے نزدیک بشرط مذکور حلال ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک حرام ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''**کل مسکر حرام**[ع]'' نیز حدیث میں ہے کہ ''**ماسکر کثیر فقلیلہ حرام**[ع]'' شیخین کی دلیل چند احادیث ہیں (۱) حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''میں تم کو چمڑے کے برتنوں کے علاوہ دیگر برتنوں (میں شراب بنا کر پینے) سے منع کرتا تھا سو تم ہر برتن میں پیو بجز اس کے کہ مسکر نہ پیو'' (۲) آنحضرت ﷺ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اثناء طواف میں آپ کو پیاس لگی (آپ نے پانی طلب فرمایا) تو نبیذ پیش کی گئی'' آپ نے ناپسند فرمائی' ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں اچھا آب زمزم کا ایک ڈول لاؤ' پس آپ نے

عہ.....ابن ماجہ عن عائشہ ۱۲۔ عہ..... محمد فی کتاب الآثار ۱۲۔ عہ..... الجماعۃ عن جابر' الجماعۃ الا الترمذی عن ابی قتادہ' مسلم عن ابی ... وابن عباس وابن عمر ... الخدری (بالفاظ مختلفہ) ۱۲۔ للعہ..... محمد فی الآثار ۱۲۔

اس پر پانی چھینٹا دیکر نوش فرمائی'' (۳) ایک طویل حدیث کے آخر میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''حرام کی گئی خمر بذات خود اس کا قلیل و کثیر سب اور دیگر شرابوں سے حرام کیا گیا سکر'' (۴) نسائی میں روایت ہے کہ ''تم اپنے مشروب کو پکاؤ یہاں تک کہ شیطان کا حصہ جاتا رہے سو شیطان کے دو حصے ہیں اور تمہارا ایک حصہ ہے (۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اور حضرت معاذ کو یمن بھیجا ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہاں دو مشروب ہیں جو گیہوں اور جو سے بنائے جاتے ہیں ایک کو مزر اور دوسرے کو تبع کہتے ہیں۔ تو ہم ان میں سے کونسا پئیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اشربا و لا تسکر اعہ'' (۶) حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں کہ ہم نے فاروق اعظم کا وہ مکتوب پڑھا جو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا تھا اس میں یہ تھا کہ ''شام کا قافلہ طلاء ابل کی مانند سیاہ رنگ اور گاڑھا مشروب لایا میں نے ان سے پوچھا کہ تم اس کو کتنا پکاتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم اس کے دو مثلث جلا ڈالتے ہیں سو اس کے دو اخبث ثلث جاتے رہے ایک ثلث بدبو کا اور ایک ثلث اشتداد کا دو سکر کا' سو اپنے آدمیوں کو حکم کرو کہ وہ اس کو پیا کریں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن سے نبیذ کی حلت ثابت ہوتی ہے۔ (۱)

---

(۱) منہا ماقال ابن عمر ''رأیت رجلاً جاء الی رسول اللہ ﷺ فدفع الیہ قد حافیہ نبیذ فوجدہ شدید افردہ علیہ فقال رجل من القوم: یارسول اللہ احرام ہو؟ فعادفاخذ منہ القدح ثم دعا بماء فصبہ علیہ ثم رفعہ الی فیہ فقطب ثم دعا بماء آخر فصبہ علیہ ثم قال اذا اغتـلت علیکم ہذہ الاوعیۃ فاکسروامتونـہا بالماء'' ومنہا ماروی عن ابی بردۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ''اشربو افی الظروف ولا تسکروا'' ومنہا ماروی عن ابن عباس قال ''مررسول اللہ ﷺ علی قوم بالمدینۃ فقالو ایارسول اللہ: ان عندنا شرابا لنافلا نسقیک منہ قال بلی فاتی بقعب او قدح فیہ نبیذ فلما اخذہ النبی ﷺ وقربہ الی فیہ قطب ثم دعاالذی جاء بہ فقال خذہ فاہرفہ فقال: یارسول اللہ ہذا شرابنا ان کان حراماً لم نشربہ فاخذہ ثم دعابماء فشنہ علیہ ثم شرب فقال اذاکان ہکذا فاصنعو ابہ ہکذا۔ ومنہا ماروی عن قیس بن حر قال سالت ابن عباس عن الحجر الاخضر والحجر الاحمر فقال ان اول من سال النبی ﷺ عن ذلک وفد عبدالقیس فقال لا تشربو افی الدباء ولا فی النقیرو اشربو افی الا سقیۃفقالوا: یا رسول اللہ! فان اشتدت فی الاسقیۃ فقال صبوا علیہ من الماء فقال لہم فی الثالثہ اوالرابعۃ فاہر یقوہ'' وذکر ابن قتیبۃ فی کتاب الاشربہ ان اللہ حرم علینا الخمر بالکتاب والمسکر بالسنۃ فکان فیہ فسحۃ اوبعضہ کالقلیل من الدیباج والحریر یکون فی الثوب والحریر محرم بالسنۃ کالتفریط فی صلوۃ الوترور کعتی الفجرو ہما سنتہ فلا نقول ان تارکہما کتارک الفرائض من الظہر و العصر وقد جعل اللہ فیما احل عوضا مما حرم فحرم الربواواحل البیع وحرم السفاح واحل النکاح وحرم الدیباج واحل الوشی وحرم الخمر واحل النبیذ غیر المسکر والسکرمنہ مااسکرک ورد صاحب العقد الفرید علی المحرمین واید قول المحلین للنبیذ فقال ینـبغی ان یکون قلیل النبیذ الذی یسکر حلالا وکثیرہ حراماً وان الشربۃ الاخیرۃ ہی المحرمۃ ومثل الا ربعۃالا قداح التی یسکر منہا القدح الرابع مثل اربعۃ رجال اجتمعوا علی رجل فشجہ احد ہم موضحۃ ثم شجہ الثانی منقلۃ ثم شجہ الثالث مأ مومۃ ثم اقبل الرابع فاجہز علیہ فلا نقول ان الاول ہوالقاتل والثانی والثالث وانما قتلہ الرابع الذی اجہزعلیہ وعلیہ القود' ولنعم ما قال الشاعر۔

من ذایحرم ماء المزن خالطہ فی جوف خابیۃ ماء العناقید

انی لاکرہ تشدید الرواۃ لنا فیہ ویعجبنی قول ابن مسعود

(تعلیق نصب الرایہ مختصراً)

عہ...... مسلم' احمد' ابن حبان' عبدالرزاق' دارقطنی' طحاوی عن ابن عمر' طحاوی' عن ابن عباس وابی موسیٰ الاشعری ۱۲۔ عہ...... نسائی' ابن ماجہ' طحاوی' عبدالرزاق عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ' ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' ابن حبان عن جابر' نسائی' ابن حبان' طحاوی عن سعد بن ابی وقاص' دارقطنی عن علی' ابوداؤد' ترمذی' ابن حبان' دارقطنی عن عائشہ' ابن راہویہ' طبرانی عن ابن عمر' طبرانی' دارقطنی عن خوات بن جبیر' طبرانی عن زید بن ثابت ۱۲۔ عہ...... الجماعۃ الا البخاری عن بریدہ ۱۲۔ للعہ...... نسائی عن ابن مسعود الانصاری ۱۲ اصہ...... عقیلی عن علی' طبرانی عن ابن عباس (مرفوعاً) نسائی' بزار' طبرانی' دارقطنی عن ابن عباس (مرفوعاً) ۱۲۔ عہ...... طحاوی عن ابی موسیٰ الاشعری ۱۲۔ (۱) نسائی عن سوید بن غفلہ ۱۲۔ (۲) نسائی عن ابن عمر ۱۲۔ (۳) نسائی' طحاوی عن ابن عمر ۱۲۔ عہ...... دارقطنی عن ابن عباس ۱۲۔ عہ...... طحاوی ۱۲۔

رہی احادیث حرمت سووہ حضرت جابر سعد بن ابی وقاص علی عائشہ عمر ابن عمر خوات بن جبیر زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں۔ اوران حضرات میں سے ہر ایک سے اس کے خلاف بھی مروی ہے جس کی تفصیل طحاوی میں موجود ہے۔ پس یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آنکھیں بند کر کے تمام احادیث حلت کو ترک کر دیا جائے بلکہ تمام احادیث میں تطبیق دی جائے گی۔ اور وہ یوں کہ جن روایات میں حرمت وارد ہے وہ اس مقدار پر محمول ہیں جو نشہ آور ہو یعنی اتنی مقدار پینا حلال نہیں جس سے نشہ آجائے جس پر حضرت ابن مسعودؓ کا قول "**شهدنا التحريم و شهد نا التحليل وغبتم**" شاہد عدل ہے۔

تنبیہ: یہ یادر ہنا چاہئے کہ شیخین گو مثلث عنبی کی حلت کے قائل ہیں لیکن اول تو انکے یہاں یہ شرط ہے کہ پینا بطریق لہو وطرب نہ ہو بلکہ ہضم طعام دوا حق تعالیٰ کی طاعت پر قوت حاصل کرنا مقصود ہو ورنہ بالاتفاق حرام ہے۔ دوم یہ کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کہ علی الاطلاق حرام ہے خواہ کسی نوع سے ہو نیز قلیل ہو یا کثیر عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ ابو حفص کبیر سے مثلث کا سوال ہوا آپ نے جواب دیا کہ اس کا پینا حلال نہیں۔ سائل نے کہا کہ امام اعظم اور ابو یوسف کے خلاف کرتے ہو: فرمایا: وہ ہضم طعام کیلئے حلال کہتے تھے۔ اور ہمارے زمانہ میں لوگ لہو ولعب اور فسق وفجور کیلئے پیتے ہیں۔ خود امام ابو یوسف سے امالی میں روایت ہے کہ اگر مستی کے لئے مثلث پئے تو قلیل اور کثیر سب حرام ہے۔ وہاں بیٹھنا اور اس طرف چلنا بھی حرام ہے۔

وَحَلَّ الانْتِبَاذُ فِي الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيْرِ وَخَلُّ الْخَمْرِ سَوَاءٌ خُلِّلَتْ اَوْ تَخَلَّلَتْ

حلال ہے نبیذ بنانا تونبے ٹھلیا اور لکڑی کے کھدے ہوئے برتن میں اور شراب کا سرکہ خواہ بنایا گیا ہو یا بن گیا ہو

وَكُرِهَ شُرْبُ دُرْدِيِّ الْخَمْرِ وَالامْتِشَاطُ بِهٖ وَلاَ يُحَدُّ شَارِبُهٗ بِلاَ سُكْرٍ.

اور مکروہ ہے شراب کی تلچھٹ پینا اور اس میں تر کر کے کنگھی کرنا اور حد نہیں لگائی جائیگی تلچھٹ پینے والے کو نشہ کے بغیر

تشریح الفقہ: **قوله وحل الخ** دباء (کدو کے برتن۔ حنتم (سبز ٹھلیا) نقیر (لکڑی کے کھدے ہوئے برتن) اور مزفت یعنی اس برتن میں نبیذ بنانا حلال ہے جس پر روغن قیر ملا ہو۔ بعض حضرات کے یہاں اس کی اجازت نہیں۔ کیونکہ حضرت علی ابن عمر سعید بن جبیر ابن عباس عائشہ جابر خدری انس عبداللہ بن ابی اوفی عمران بن حصین ابو ہریرہ اور سمرہ بن جندب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات ہیں ان کی ممانعت وارد ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت حضور ﷺ کے ارشاد ہے "**كنت نهيتكم عن الاشربة" الافی ظروف الادم فاشربوا فی كل وعاء غيران لا تشربوا مسكراعه**" سے منسوخ ہے۔ نیز امام محمد نے کتاب الآثار میں مرفوع روایت نقل کی ہے کہ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا سو اب زیارت کیا کرو کیونکہ محمد ﷺ کو اپنی ماں کی زیارت کا حکم ہوا ہے۔ اور میں نے تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع کیا تھا سو اب جتنے وقت تک چاہو رکھو۔ کیونکہ منع اس لئے کیا تھا کہ مالدار فقیر پر کشائش کرے یا دباء و حنتم اور مزفت میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا سو اب پیو ہر برتن میں کیونکہ برتن کسی چیز کو حلال اور حرام نہیں کرتا لیکن نشہ والی چیز نہ پیو حضرت علی ابن مسعود ابن عمر جابر خدری ابو بردہ بن نیار عبداللہ بن مغفل ابو ہریرہؓ کی روایات سے حرمت کا نسخ روز روشن کی طرح واضح ہے۔

لانہ فیہ اجزاء الخمر فکان حراما نجسا والانتفاع بمثلہ حرام ۱۲۔ (۲) لان وجوب الحد للزجر والزجر انما یشرع فیما تمیل الطباع الیہ والاتمیل الی شرب الدردی ۱۲۔ عہ...... الجماعۃ الا البخاری عن بریدہ ۱۲۔ عہ...... مسلم عن انس ۱۲۔ عہ...... مسلم طبرانی عن ابی طلحہ ۱۲۔ للعہ...... طبرانی دار قطنی ۱۲۔ صہ...... احمد عن ابن عمر ۱۲۔ صہ...... ابن سعد ۱۲۔ (۱) عہ...... ابو یعلی الموصلی عن جابر ۱۲۔

قولہ و خل الخ ہمارے یہاں خمر کا سرکہ حلال ہے خواہ بذات خود سرکہ بن گئی ہو یا اس میں کوئی چیز ڈالنے سے سرکہ ہوئی ہے ائمہ ثلاثہ کے یہاں خمر کا سرکہ حلال نہیں اور اگر دھوپ کے ذریعہ ہو یا نمک وغیرہ ڈالنے سے ہو اگر خمر میں کوئی چیز ڈالکر سرکہ بنایا گیا تو امام شافعی کے یہاں وہ سرکہ حلال نہیں اور اگر دھوپ وغیرہ کی گرمی سے بن گیا تو اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ حلال ہے دوم یہ کہ حلال نہیں امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا: خمر کا سرکہ بنایا جائے؟ فرمایا: نہیں' نیز حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اپنی پرورش کے یتیموں کے لئے خمر خریدی تھی اور اب اس کی حرمت نازل ہوگئی۔ تو کیا میں اس کو سرکہ بنالوں؟ فرمایا: نہیں بلکہ اس کو بہادے" اگر سرکہ بنانا جائز ہوتا تو آپ بہانے کا حکم نہ فرماتے بالخصوص جبکہ وہ یتیموں کا مال تھا۔ جواب یہ ہے کہ یہ حکم بطور تشدد تھا کیونکہ ابتدأ میں شراب کے متعلق تشدد ہی اختیار کیا گیا تھا۔ حالانکہ آپ نے مٹکوں کو توڑ دینے کا حکم فرمایا۔ اور مدینہ کے بازاروں میں آپ نے بدست خود شراب کے مشکیزے پھاڑ ڈالے۔ حالانکہ صرف خمر کو بہادینا کافی تھا۔ حضرت عمر نے تو ایک شراب فروش کا گھر ہی جلا ڈالا تھا" بہر کیف یہ سب بطریق تشدد ہی تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔ چنانچہ حضرت جابر کی روایت میں ہے کہ آپ نے یتیموں کو انکی خمر کے عوض میں مال عطا کیا۔

كتاب الصيد

هُوَ الاصْطِيَادُ وَيَحِلُّ بِالْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ وَالْفَهْدِ وَالْبَازِيّ وَسَائِرِ الْجَوَارِحِ الْمُعَلَّمَةِ وَلاَ بُدَّ مِنَ التَّعْلِيمِ وَذَا

وہ شکار کرنا ہے اور حلال ہے تعلیم یافتہ کتے اور سکھائے ہوئے چیتے اور باز سب شکاری جانوروں سے اور ضروری ہے تعلیم اور یہ کھانا چھوڑنے سے ہے

بِتَرْكِ الاكْلِ ثَلاَثاً فِي الْكَلْبِ وَالرُّجُوْعِ اِذَا دَعَوْتَهُ فِي الْبَازِيّ وَمِنَ التَّسْمِيَةِ عِنْدَ الارْسَالِ وَمِنَ الْجَرْحِ

تین بار کتے کے حق میں اور بلانے پر واپس آجانے سے ہے باز میں اور بسم اللہ کہنا چھوڑتے وقت اور زخم لگادینا کسی جگہ پس اگر کھانے لگے

فِي اَيِّ مَوْضَعٍ كَانَ فَاِنْ اَكَلَ مِنْهُ الْبَازِيُّ اُكِلَ وَاِنْ اَكَلَ الْكَلْبُ اَوِ الْفَهْدُ لاَ وَاِنْ اَدْرَكَهُ حَيًّا ذَكَّاهُ.

اس سے باز تو شکار کھایا جاسکتا ہے اور اگر کھانے لگے کتا یا چیتا تو نہیں اگر شکاری شکار کو زندہ پائے تو اس کو ذبح کرے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ خمر و نبیذ اشربہ میں سے ہیں اور صید اطعمہ میں سے اور اشربہ و اطعمہ کی مناسبت ظاہر ہے۔ پھر جس طرح اشربہ باعث سرور و نشاط ہوتی ہیں اسی طرح شکار باعث فرح و انبساط ہوتا ہے اسلئے کتاب الاشربہ کے بعد کتاب الصید لا رہا ہے۔

(فائدہ) شکار کرنا حلال بھی ہے۔ اور حرام بھی۔ اگر شکار کنندہ محرم ہو تو حرام ہے۔ اور محرم نہ ہو تو دو حال سے خالی نہیں شکار حرم میں کرے گا یا غیر حرم میں اول حرام ہے اور ثانی حلال مگر پندرہ شرطوں کیساتھ (۱) شکاری کا مسلمان یا کتابی ہونا (۲) کتے یا باز کو چھوڑنا (۳) اس کے چھوڑنے میں غیر مسلم یا غیر کتابی کا شریک نہ ہونا (۴) تسمیہ کی عمداً ترک نہ کرنا (۵) چھوڑنے اور شکار پکڑنے کے درمیان دوسرے کام میں مشغول نہ ہونا (۶) شکاری جانور کا تعلیم یافتہ ہونا (۷) چھوڑنے کے طریقہ پر چلا جانا (۸) غیر معلم کا شریک نہ ہونا (۹) شکار کو زخم لگا کر قتل کرنا (۱۰) شکار کو نہ کھانا (۱۱) شکار کی خورش غیشد ار دانت اور چنگل سے نہ ہو (۱۲) حشرات ارض سے نہ ہو (۱۳) مچھلی کے علاوہ آبی جانور نہ ہو (۱۴) اپنے پروں یا پاؤں سے خود کو بچانے پر قادر ہو (۱۵) شکار کرنے سے شکار کا مر جانا (ذبح کرنے سے پہلے)۔

قولہ ھو الاصطیا د الخ صید لغۃً مصدر ہے یعنی اصطیاد بمعنی شکار کرنا۔ جیسے احتطاب لکڑیاں چننا اور مجازاً مفعول پر بھی بولا جاتا ہے جیسے صید الامیر ای مصیودہ قہستانی نے مطرزی سے نقل کیا ہے۔ کہ "صید ہر وہ ممتنع وہ متوحش جانور ہے جس کو حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن نہ ہو" پس

یہ عام ہے ماکول ہو یا غیر ماکول قال قائلھم

صیدا لملوک ارانب وثعالب
واذا رکبت فصیدی الابطال

قولہ وذابترک الاکل الخ شکار حلال ہونے کیلئے شکاری جانور کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔اب اگر وہ کتا ہے تو اس کے معلم ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب وہ تین بار شکار پکڑ چکے اور اس کی کھال' گوشت' ہڈی وغیرہ کچھ نہ کھائے تو وہ معلم ہے اور باز وغیرہ کے معلم ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کو بلایا جائے تو فوراً واپس آ جائے۔ وجہ یہ ہے کہ کتے کی عادت لے بھاگنا اور غارتگری ہے اور باز وغیرہ کی عادت وحشت ہے۔پس جب دونوں نے اپنی عادت چھوڑ دی تو تعلیم یافتگی ثابت ہوگئی۔

وَاِنْ لَمْ يُذَكِّهٗ اَوْ خَنِقَهُ الْكَلْبُ وَلَمْ يُجرِحُهُ اَوْ شَارَكَهٗ كَلْبٌ غَيْرُ مُعَلَّمٍ اَوْ كَلْبُ مَجُوْسِيٍّ اَوْ كَلْبٌ لَمْ يُذْكَرْ

اگر اس کو ذبح نہیں کیا یا اس کا گلا گھونٹ دیا کتے نے اور زخم نہیں لگایا یا شریک ہو گیا اس کے ساتھ غیر تعلیم یافتہ کتا مجوسی کا کتا یا ایسا کتا جس پر

اِسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ عَمَدًا حُرِمَ وَاِنْ اَرْسَلَ كَلْبَهٗ فَزَجَرَهٗ مَجُوْسِيٌّ فَانْزَجَرَ حَلَّ وَلَوْ اَرْسَلَهٗ مَجُوْسِيٌّ

بسم اللہ نہیں کہی گئی تو شکار حرام ہے اگر چھوڑا اپنا کتا پھر للکارا اس کو مجوسی نے پس وہ تیز ہو گیا تو شکار حلال ہے اور اگر چھوڑا اس کو مجوسی نے

فَزَجَرَهٗ مُسْلِمٌ فَانْزَجَرَ حَرُمَ وَاِنْ لَمْ يُرْسِلْهُ اَحَدٌ فَزَجَرَهٗ مُسْلِمٌ فَانْزَجَرَ حَلَّ وَاِنْ رَمٰى

پھر للکارا اس کو مسلمان نے پس وہ تیز ہو گیا تو حرام ہے اور اگر اس کو کسی نے نہیں چھوڑا اور مسلمان نے للکارا پس وہ تیز ہو گیا تو حلال ہے تیر مارا

وَسَمّٰى وَجَرَحَ اَكَلَ وَاِنْ اَدْرَكَهٗ حَيًّا ذَكَّاهُ وَاِنْ لَمْ يُذَكِّهٗ حَرُمَ وَاِنْ وَقَعَ سَهْمٌ بِصَيْدٍ فَتَحَامَلَ وَغَابَ

اور بسم اللہ کہی اور زخمی کیا تو کھایا جائے اور اگر اس کو زندہ پائے تو ذبح کرے اگر ذبح نہ کیا تو حرام ہو گا اگر شکار کے تیر لگا اور وہ اٹھائے ہوئے

وَهُوَ فِي طَلَبِهٖ فَوَجَدَهٗ مَيِّتًا حَلَّ وَاِنْ قَعَدَ عَنْ طَلَبِهٖ ثُمَّ اَصَابَهٗ مَيِّتًا لَا وَاِنْ رَمٰى صَيْدًا

غائب ہو گیا شکاری ڈھونڈھتا رہا یہاں تک کہ اس کو مرا ہوا پایا تو حلال ہے اور اگر بیٹھ رہا اس کی طلب سے پھر مرا ہوا پایا تو نہیں اگر تیر مارا شکار کے

فَوَقَعَ فِي مَاءٍ اَوْ عَلٰى سَطْحٍ اَوْ جَبَلٍ ثُمَّ تَرَدّٰى مِنْهُ اِلَى الْاَرْضِ حَرُمَ وَاِنْ وَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِبْتِدَاءً حَلَّ

اور وہ گر گیا پانی میں یا چھت پر یا پہاڑ پر پھر گر گیا وہاں سے زمین پر تو وہ حرام ہے اور اگر گرا ہو زمین پر ابتداء ہی تو حلال ہے

وَمَا قَتَلَهُ الْمِعْرَاضُ بِعَرْضِهٖ اَوِ الْبُنْدُقَةُ حَرُمَ وَاِنْ رَمٰى صَيْدًا فَقَطَعَ عُضْوًا مِنْهُ اُكِلَ الصَّيْدُ

اور جس جانور کو ختم کر دای معراض تیر نے عرض کی جانب سے یا غلیلہ نے تو وہ حرام ہے اگر تیر مارا شکار کے اور جدا ہو گیا اس کا کوئی عضو تو کھایا جائے

لَا الْعُضْوُ وَاِنْ قَطَعَهٗ اَثْلَاثًا وَالْاَكْثَرُ مِمَّا يَلِي الْعَجْزَ اُكِلَ كُلُّهٗ وَحَرُمَ صَيْدُ الْمَجُوْسِيِّ وَالْوَثَنِيِّ وَالْمُرْتَدِّ

شکار نہ کہ عضو اور اگر جدا کر دیا تین تہائی اور اکثر حصہ دھڑ کی طرف ہے تو کھایا جائے کل شکار حرام ہے مجوسی بت پرست اور مرتد کا شکار

---

(۱)......وعن الثانی یحل بلا جرح وبہ قال الشافعی ۱۲۔ (۲)......لان تعلمہ بالا جابۃ لا بترک اکلہ بالا جماع ۱۲۔ (۳)......ای ذبحہ وجوبا بالقولہ علیہ السلام "وان امسک علیک فادرکتہ حیا فاذبحہ ۱۲۔

عہ......بروزن محراب بلاپرکا تیر ہوتا ہے جس کے دونوں کنارے باریک اور درمیانی حصہ باریک ہوتا ہے۔ یہ نشانہ پر عرض کی جانب سے لگتا ہے ۱۲۔

عہ......مٹی کا گول ڈھیلہ جس کو جلاہق کہتے ہیں (مغرب) ہندی میں اس کو غلولہ اور غلیلہ کہتے ہیں جس کو غلیل سے چلاتے ہیں ۔۱۲

وَاِنْ رَمیٰ صَیْدًا فَلَمْ یُثْخِنْہُ فَرَمَاہُ اٰخَرُ فَقَتَلَہٗ فَھُوَ لِلثَّانِی وَحَلَّ وَاِنْ اَثْخَنَہٗ فَلِلْاَوَّلِ وَحَرُمَ

اگر تیر مارا شکار کے اور وہ سست نہ ہوا کہ دوسرے نے تیر مار کر قتل کر دیا تو شکار دوسرے کا ہوگا اور حلال ہوگا اور اگر سست کر چکا تھا تو اول کا ہوگا

وَضَمِنَ الثَّانِی لِلْاَوَّلِ قِیْمَتَہٗ غَیْرَ مَا نَقَصَتْ جَرَاحَتُہٗ

اور حرام ہوگا اور ضمان دیگا ثانی اول کو اس کی قیمت کا سوائے اس کے جو کم کردی ہے اس کے زخم نے

وَحَلَّ اصْطِیَادُ مَایُؤْکَلُ لَحْمُہٗ وَمَا لَا یُؤْکَلُ.

حلال ہے شکار کرنا اس کا جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور جس کا نہیں کھایا جاتا۔

تفصیل احکام صید

قولہ وان وقع سھم الخ۔ایک شخص نے شکار پر تیر چلایا اور وہ اس کو اٹھائے ہوئے غائب ہو گیا شکاری اس کو تلاش کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے اسکو پا لیا مگر اس وقت وہ مردہ ہو چکا تھا تو اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت ابو ثعلبہ سے فرمایا تھا کہ جب تو نے تیر مارا اور شکار تجھ سے تین دن تک غائب رہا پھر تو نے اس کو پا لیا تو اس کو کھا جب تک کہ وہ گندہ نہ ہو گیا ہو اور اگر وہ تلاش کرنے سے بیٹھ رہا تو حلال نہ ہوگا کیونکہ ممکن ہے شکار کی موت تیر سے نہ ہوئی ہو کسی اور سبب سے ہوئی ہو جیسا کہ روایت میں وارد ہے" **لعل ھو ام الارض قتلتہ**"۔

قولہ وان رمی صیداً الخ۔ایک شخص نے شکار کے تیر مارا وہ پانی میں گر کر مر گیا تو وہ حرام ہے کیونکہ "حضور ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم سے فرمایا تھا کہ اگر تیرا تیر پانی میں واقع ہو تو اس کو نہ کھا کیونکہ معلوم نہیں کہ اس کو تیرے تیر نے مارا ہے یا پانی نے" اسی طرح اگر چھت یا پہاڑ پر گرنے کے بعد زمین پر گرا تب بھی حرام ہے کیونکہ وہ متردّیہ ہے جس کی حرمت نص کتاب سے ثابت ہے، ہاں اگر وہ ابتداءً ہی زمین پر گرا ہو تو حلال ہے کیونکہ زمین پر گرنے سے تو احتراز ممکن ہی نہیں۔

قولہ وما قتلہ المعراض الخ۔جس شکار کو معراض نے اپنے عرض کی جانب سے قتل کیا ہو یا غلیلہ نے قتل کیا ہو تو وہ حرام ہے کیونکہ وہ بوجھ اور گرانی کی وجہ سے مرا ہے نہ کہ زخم اور دھار دار چیز سے، فتاویٰ قاضیخان میں ہے کہ غلیلہ، پتھر، معراض، لاٹھی وغیرہ سے شکار حلال نہیں ہوتا گو وہ زخمی ہو گیا ہو کیونکہ یہ چیزیں شکار کو چیرتی پھاڑتی نہیں بلکہ اسکے اعضاء کو توڑتی ہیں ہاں اگر اس کو تیر کی مانند دراز اور نوکدار کر کے مارا ہو اور زخمی ہو گیا ہو تو حلال ہے۔

قولہ فقطع عضواً الخ۔ایک شخص نے تیر مار کر شکار کا کوئی عضو قطع کر دیا اور وہ مر گیا تو شکار کھایا جائے عضو نہ کھایا جائے جبکہ وہ عضو ایسا ہو کہ اسکے بعد زندگی متصور ہو، امام شافعی کے نزدیک دونوں کھائے جا سکتے ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ عضو ذکاۃ اضطراری سے جدا کیا گیا ہے تو ایسا ہو گیا جیسے ذبح اختیاری سے جانور کا سر جدا کر دیا جائے کہ سر اور جانور دونوں کا کھانا حلال ہے، ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے" **ماقطع من البھیمۃ وھی حیۃ فھو میت**" یعنی چوپایہ کا عضو کاٹا گیا درانحالیکہ وہ زندہ ہے تو وہ عضو مردار ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث میں لفظ حیۃ مطلق ہے تو یہ زندہ حقیقی و حکمی دونوں کی طرف راجع ہوگا اور ظاہر ہے کہ جس وقت اس سے عضو قطع ہوا ہے اس وقت وہ حقیقۃً بھی زندہ ہے کیونکہ اس میں حیات موجود ہے اور حکماً بھی زندہ ہے کیونکہ اس زخم کے بعد اس کا سلامت رہنا متصور ہے۔

قولہ وان قطع اثلاثا الخ۔اور اگر تیر انداز نے شکار کو تین تہائی قطع کر دیا اور اس کا اکثر بدن ڈھڈی اور دم کیساتھ رہا یعنی ایک تہائی

سر کی طرف اور دو تہائی دم کی طرف تو کل شکار حلال ہے کیونکہ اس صورت میں اسکی زندگی مذبوح کی زندگی سے زیادہ ممکن نہیں تو حدیث مذکور اس کو شامل نہ رہی کیونکہ اس صورت میں حکمی حیات صادق نہیں تو فی الحال اسکی ذکاۃ واقع ہوگئی اسلئے کل حلال ٹھہرا۔

قولہ وان رمی صیداً الخ۔ ایک شخص نے شکار کے تیر مارا مگر اس کو کاری زخم نہیں لگا پھر دوسرے نے تیر مار کر قتل کر دیا تو شکار شخص ثانی کا ہوگا اور حلال ہوگا کیونکہ اس نے اس کو زخم لگا کر حیز امتناع سے خارج کر دیا، اور اگر پہلا شخص کاری زخم لگا چکا ہو جس کی وجہ سے شکار بھاگ نہ سکتا ہو اور اس میں اتنی حیات ہو جس سے وہ زخم کے بعد زندہ رہ سکے اور پھر دوسرا شخص تیر مار کر قتل کر دے تو شکار شخص اول کا ہوگا اور حرام ہوگا کیونکہ وہ کاری زخم لگانے کے بعد ذبح اختیاری پر قادر ہو گیا تھا اور اس نے ذبح کیا نہیں تو شکار حرام ہوگا، اور جب شکار شخص اول کا ہو چکا تو دوسرا شخص غیر کے مملوک شکار کو تلف کرنے والا ہوا لہذا اس پر شکار کی قیمت کا تاوان ہوگا مگر پہلے زخم کی وجہ سے جتنی قیمت کم ہوگئی ہے اتنی قیمت وضع کر دی جائے گی۔

کتاب الرھن

هُوَحَبْسُ شَيْءٍ بِحَقٍّ يُمْكِنُ اِسْتِيْفَاؤُهٗ مِنْهُ كَالدَّيْنِ وَلَزِمَ بِاِيْجَابٍ وَقَبُوْلٍ وَقَبْضِهٖ.

وہ بعوض حق ایسی چیز کو روک لینا ہے جس سے حق وصول کر لینا ممکن ہو جیسے قرض اور لازم ہو جاتا ہے ایجاب وقبول اور مرتہن کے قبضہ سے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ جس طرح شکار کرنا تحصیل مال کا سبب ہے اسی طرح رہن بھی تحصیل مال کا سبب ہے۔ اس مناسبت سے کتاب الصید کے بعد کتاب الرہن لا رہا ہے۔ رہن کی مشروعیت قرآن وحدیث ہر دو سے ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**وان کنتم علی سفرٍ و لم تجدوا کاتباً فرھان مقبوضۃ**" حدیث میں ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے ابو الشحم یہودی سے تین صاع جو خریدے اور اس کے عوض میں اپنی لوہے کی ایک زرہ رہن رکھی۔

قولہ ھو حبس الخ رہن لغۃً حبس شئی یعنی کسی چیز کو روک لینے کو کہتے ہیں خواہ وہ چیز مال ہو یا غیر مال ہو، شرع میں رہن کی تعریف یہ ہے "**ھو حبس شئی (مالی ای جعل الشئی محبوسا) بحق یمکن استیفاء ہ منہ (کلاً او بعضا) کالدین (حقیقۃً او حکما)**" یعنی رہن ایسی مالی چیز کو کسی حق کے عوض میں روک لینے کو کہتے ہیں جس سے حق وصول کر لینا ممکن ہو خواہ پورا حق وصول کر لینا ممکن ہو یا بعض حق جیسے مرہون سے دین کا وصول کر لینا خواہ دین حقیقۃً ہو یا حکماً، ہم نے تعریف میں حبس شئی کی تفسیر جعل الشئی محبوساً سے اسلئے کی تاکہ راہن حابس نہ ٹھہرے۔ کیونکہ حابس مرتہن ہے نہ کہ راہن، راہن تو شئی کو محبوس کرنیوالا ہے۔ پھر تعریف میں حبس مرتہن کا اس لئے اعتبار نہیں کہ گفتگو ارتہان میں نہیں ہے جو مرتہن کا فعل ہے بلکہ گفتگو اس رہن میں ہے جو راہن کا فعل ہے۔ امکان اخذ کی قید سے وہ چیز نکل گئی جو دیر پا نہ ہو جیسے برف وغیرہ بحق میں حق سے مراد دین ہے اس واسطے کہ مرہون شئی سے عین کا حاصل کرنا ممکن نہیں۔ مگر اس وقت جبکہ عین دین حکمی ہو جائے (جس کا بیان آگے آرہا ہے) کالدین میں کاف تمثیلی نہیں بلکہ کاف استقصاء ہے یعنی حق دین میں منحصر ہے تو دین کل حق ہے نہ کہ بعض حق۔ پھر دین سے مراد عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً۔ دین حقیقی وہ ظاہر وباطن ہر دو اعتبار سے یا صرف ظاہر کے اعتبار سے ذمہ پر واجب ہو جیسے اس غلام کا ثمن جو آزاد نکل آئے یا وہ سرکہ جو خمر ثابت ہو۔ دین حکمی جیسے وہ اعیان جن کا ضمان مثل یا قیمت سے ہوتا ہے، جس کی تشریح آگے آرہی ہے۔

فائدہ: گروی رکھنے والے کو راہن کہتے ہیں اور جس کے پاس گروی رکھی جائے اس کو مرتہن کہتے ہیں اور جو چیز گروی رکھی جائے اس کو مرہون کہتے ہیں۔ مثلاً زید نے خالد سے سو درہم لئے اور اس کے عوض میں اپنا باغ گروی رکھدیا تو زید راہن ہے۔ اور خالد مرتہن اور باغ

مرہون۔

قولہ ولزم الخ کنز کے بعض نسخوں میں یہی عبارت ہے جو پیش نظر نسخہ میں ہے یعنی ولزم بایجاب وقبول وقبضہ'' مگر یہ عبارت بقول علامہ زیلعی وصاحب تکملہ منہی بر سہو ہے اس واسطے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ رہن ایجاب وقبول سے منعقد تو ہوجاتا ہے لیکن لازم نہیں ہوتا لازم قبضہ کے بعد ہوتا ہے۔ پس تصحیح عبارت یوں ہے'' وینعقد بایجاب وقبول ویتم بقبضہ'' یعنی عقد رہن ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتا ہے مثلاً راہن یوں کہے'' رھنتک ھذا المال بدین لک علی'' اور مرتہن کہے ''قبلت'' تو عقد رہن منعقد ہوگیا اور جب راہن نے مرہون شئی مرتہن کے حوالے کردی اور مرتہن نے اس پر قبضہ کرلیا اس حالت میں کہ شئی مرہون مجتمع تھی نہ کہ متفرق۔ اور راہن کے حق کے ساتھ مشغول بھی نہیں تھی نیز وہ مقسوم تھی نہ کہ مشاع تو اب عقد رہن لازم ہوگیا۔

قولہ بایجاب الخ عقد رہن قبض مرہون جواز رہن کے لئے شرط ہے یا لزوم رہن کیلئے؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے شیخ الاسلام خواہر زادہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ رکن رہن صرف ایجاب ہے اور قبض مرہون لزوم رہن کیلئے شرط ہے نہ کہ جواز کیلئے۔ گویا رہن تو قبضہ کے بغیر ہوجاتا ہے لیکن لازم نہیں ہوتا۔ لازم قبضہ کے بعد ہوتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ عقد رہن ہبہ اور صدقہ کی طرح ایک عقد تبرع ہے اور عقد تبرع صرف متبرع کے ذریعہ سے صحیح ہوجاتا ہے اس لئے انعقاد رہن قبض مرہون پر موقوف نہ ہوگا لیکن یہ عام کتب کی روایت کے خلاف ہے۔ عام کتب فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جواز رہن کیلئے قبض مرہون شرط ہے'' چنانچہ امام محمد فرماتے ہیں۔ لایجوز الرھن الامقبوضاً حاکم شہید نے کافی میں کہا ہے'' لایجوز الرھن غیر مقبوض 'امام طحاوی نے بھی اپنی مختصر میں یہی کہا ہے۔'' لایجو زالرھن الامقبوضاً مفرغاً محوزًا'' امام کرخی کی مختصر میں بھی یہی ہے۔ قال ابو حنیفۃ و زفر وابو یوسف ومحمد والحسن بن زیاد لایجوز الرھن الا مقبوضا'' صاحب مجتبیٰ نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ کہ قبض مرہون جواز رہن کے لئے شرط ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ رہن نفس عقد ہی سے لازم ہوجاتا ہے۔ اس واسطے کہ رہن جانبین سے مال کیساتھ خاص ہوتا ہے۔ تو یہ ایسا ہوگیا جیسے عقد بیع کو نفس ایجاب وقبول سے لازم آجاتا ہے۔ ہماری دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے'' وان کنتم علیٰ سفر ولم تجدوا کاتباً فرھان مقبوضۃ وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں لفظ رہان بقول صاحب ہدایہ وشیخ علاؤ الدین اسیجابی شارح کافی مصدر ہے۔ جو مقرون بحرف الفاء ہے اور محل جزاء میں مصدر مقرون بحرف الفاء سے مراد امر ہوتا ہے۔ جیسے آیت ''فضرب الرقاب'' میں عزب مصدر سے مراد امر ہے ای فاضربوھا'' اسی طرح آیت'' فتحریر رقبۃ مومنۃ'' میں تحریر سے مراد امر ہے ای فلیحرو ۔ پس آیت مذکورہ میں بھی رہان مصدر سے مراد امر ہوگا ای فارھنو اوار تھنوا'' مگر یہاں موجب امر یعنی وجوب ولزوم نفس رہن کے حق میں معمول بہ نہیں۔ کیونکہ مدیون پر رہن رکھنا بالاجماع واجب نہیں۔ تو لامحالہ موجب امر کو رہن کی شرط کیجانب منصرف کیا جائیگا۔ اور شرط رہن قبض مرہون ہے۔ سوال لغت کی کتب متداولہ 'مغرب' دیوان الادب 'صحاح' قاموس وغیرہ میں تصریح ہے۔ کہ رہون اور رہن کی طرح رہان بھی رہن کی جمع ہے۔ نہ کہ مصدر جیسے نعال نعل کی اور جبال جبل کی جمع ہے۔ آیت میں مقبوضہ صفت کا تاء کیساتھ آنا بھی یہی بتاتا ہے۔ کہ رہان مصدر نہیں ہے جمع ہے پس آیت مذکورہ سے استدلال غلط ہے۔ جواب رہان باب مفاعلت کا مصدر ہے۔ جیسے قتال وضراب اور مقبوضہ موصوف محذوف کی صفت ہے۔ جس کو بتاویل سلعۃ یا بتاویل عین مؤنث لایا گیا ہے جیسے لفظ صوت کو بتاویل صیحہ مؤنث لے آتے ہیں ای فرھان مرھونۃ مقبوضۃ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں مصدر مقرون بالفاء محذوف ہے۔ اور رہان اس کا قائم مقام ہے ای فرھن رھان مقبوضۃ جیسے آیت'' فعدۃ من ایام آخر'' کی تقدیر فصوم عدۃ من ایام اخر ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

مُحَوَّزاً مُفَرَّغًا مُمَيَّزًا وَالتَّخْلِيَةُ فِيْهِ وَفِي الْبَيْعِ قَبْضٌ

عہ...... اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ لکھنے والا تو گرو قبضہ رکھنی چاہئے ۱۲۔ عہ...... صحیحین عن عائشہؓ بخاری عن انس' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ عن ابن عباس ۱۲۔

درانحالیکہ وہ چیز مجتمع ہو حق راہن سے خالی ہو اور مقسوم ہو اپنے تصرف سے خالی کر کے سامنے کر دینا باب رہن اور باب بیع میں مثل قبضہ کے ہے

وَلَهٗ اَنْ يَّرْجِعَ عَنِ الرَّهْنِ مَالَمْ يَقْبِضْهُ وَهُوَ مَضْمُوْنٌ بِاَقَلَّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنَ الدَّيْنِ

اور راہن رجوع کر سکتا ہے رہن سے جبتک کہ مرتہن نے اس پر قبضہ نہ کیا ہو اور وہ مضمون ہوتی ہے قیمت اور دین سے کمتر کے بدلے میں

فَلَوْ هَلَكَ وَقِيْمَتُهٗ مِثْلُ دَيْنِهٖ صَارَ مُسْتَوْفِيًا دَيْنَهٗ وَاِنْ كَانَتْ اَكْثَرَ مِنْ دَيْنِهٖ فَالْفَضْلُ اَمَانَةٌ

سو اگر وہ چیز ہلاک ہوگئی اور اس کی قیمت دین کے برابر ہے تو مرتہن اپنا دین وصول کرنے والا ہو گیا اور اگر قیمت زائد ہو دین سے تو زیادتی امانت ہے

وَ بِقَدْرِ الدَّيْنِ صَارَ مُسْتَوْفِيًا وَاِنْ كَانَتْ اَقَلَّ صَارَ مُسْتَوْفِيًا بِقَدْرِهٖ وَرَجَعَ الْمُرْتَهِنُ بِالْفَضْلِ

اور وہ بقدر دین وصول کرنے والا ہو گیا اور اگر قیمت کم ہو تو بقدر قیمت وصول کرنے والا ہو گیا اب وہ باقی قرضہ راہن سے وصول کرلے

وَلَهٗ اَنْ يُّطَالِبَ الرَّاهِنَ بِدَيْنِهٖ وَيَحْبِسَهٗ بِهٖ وَيُؤْمَرُ الْمُرْتَهِنُ بِاِحْضَارِ رَهْنِهٖ وَالرَّاهِنُ بِاَدَاءِ دَيْنِهٖ اَوَّلاً

اور مرتہن مطالبہ کر سکتا ہے راہن سے اپنے دین کا اور اس کی بابت قید کر سکتا ہے حکم کیا جائیگا مرتہن کو مرہون کے حاضر کرنے کا اور راہن کو اس کا دین

وَاِنْ كَانَ الرَّهْنُ فِيْ يَدِ الْمُرْتَهِنِ لاَ يُمَكِّنُهٗ مِنَ الْبَيْعِ حَتّٰى يَقْضِيَهُ الدَّيْنَ فَاِذَا قَضٰى سَلَّمَ الرَّهْنَ

ادا کرنے کا اگر مرہون شئی مرتہن کے پاس ہو تو وہ راہن کو بیچنے نہ دے یہاں تک کہ وہ اس کا قرض چکا دے جب وہ قرض چکا دے تو شئی مرہون

وَلاَ يَنْتَفِعُ الْمُرْتَهِنُ بِالرَّهْنِ اِسْتِخْدَامًا وَسُكْنٰى وَلُبْسًا وَاِجَارَةً وَاِعَارَةً وَيَحْفَظُهٗ بِنَفْسِهٖ

اس کے حوالہ کر دے فائدہ نہ اٹھائے مرتہن مرہون سے خدمت لینے رہنے پہننے مزدوری اور عاریت پر دینے کے طور سے اور حفاظت کرے مرہون کی

وَزَوْجَتِهٖ وَوَلَدِهٖ وَخَادِمِهِ الَّذِیْ فِیْ عِيَالِهٖ وَضَمِنَ بِحِفْظِهٖ بِغَيْرِهِمْ

خود یا حفاظت کرائے اپنی بیوی اور اولاد اور اپنے اس خادم سے جو اس سے متعلق ہے اور ضامن ہو گا ان کے علاوہ کے ذریعہ حفاظت کرانے

وَبِاِيْدَاعِهٖ وَتَعَدِّيْهِ قِيْمَتَهٗ وَاُجْرَةُ بَيْتِ حِفْظِهٖ وَحَافِظِهٖ عَلَى الْمُرْتَهِنِ

اور بطور ودیعت دینے اور کسی طرح کی زیادتی کرنے سے اس کی قیمت کا اور مرہون کی حفاظت کے گھر کا کرایہ اور محافظ کی تنخواہ مرتہن کے ذمہ ہے

وَاُجْرَةُ رَاعِيْهِ وَنَفَقَةُ الرَّهْنِ وَالْخَرَاجُ عَلَى الرَّاهِنِ.

اور اس کے چرواہے کی اجرت اور کھانے پینے کا خرچہ اور خراج راہن کے ذمہ ہے۔

تفصیل احکام رہن

قولہ محوزاً الخ محوز، مفرغ، ممیز تینوں قیود احترازی ہیں، محوز کا مطلب یہ ہے کہ شئی مرہون مجتمع اور مضموم ہو متفرق نہ ہو تو درخت کے بغیر پھل کو اور زمین کے بغیر کھیتی کو رہن رکھنا صحیح نہ ہوگا، مفرغ سے مراد یہ ہے کہ شئی مرہون حق راہن کیساتھ مشغول نہ ہو تو پھل کے درخت کو اور کھیتی کے بغیر زمین کو اور متاع راہن کے بغیر گھر کو رہن رکھنا جائز نہ ہوگا۔ ممیز کے یہ معنی ہیں کہ مرہون مقسوم ہو مشاع نہ ہو اگر چہ شیوع حکمی ہو بایں طور کہ شئی مرہون باعتبار پیدائش غیر مرہون کے ساتھ متصل ہو۔ جیسے زمین، مرہون کا اتصال درخت کے ساتھ۔ امام مالک اور امام شافعی کے یہاں رہن مشاع جائز ہے۔

قولہ وھو مضمون الخ ہمارے یہاں شئی ہر ہون مضمون ہوتی ہے۔یعنی اگر شئی مرہون مرتہن کے پاس اس کی تعدی کے بغیر ہلاک ہوجائے تو اس کا تاوان دینا ہوگا لیکن تاوان اقل قیمت دین کا ہوگا۔یعنی دین اور قیمت مرہون میں سے جو کمتر ہو اس کا ضمان آئے گا پس اگر مرہون کی قیمت دین کے برابر ہو تو معاملہ برابر سرابر ہوگیا۔اور اگر مرہون کی قیمت دین سے زیادہ ہو تو جس قدر زائد ہے وہ امانت ہے کہ اگر اس کے پاس سے ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان نہ ہوگا۔اور اگر مرتہن تعدی سے ہلاک ہو تو ضمان ہوگا۔اور اگر مرہون کی قیمت دین سے کم ہو تو بقدر قیمت دین ساقط ہوجائے گا۔اور باقی دین مرتہن سے لے لیگا۔یہ کل تفصیل ہمارے یہاں ہے۔امام شافعی کے یہاں شئی مرہون مرتہن کے پاس امانت ہوتی ہے۔تو انکے یہاں مرہون کے ہلاک ہوجانے سے تاوان نہ آئے گا۔انکی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "لایغلق الرهن ممن رهنه له غنمه وعلیه غرمه" جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ مرہون شئی مضمون بالدین نہیں ہوتی۔ہماری دلیل حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ جب مرہون شئی ہلاک ہوجانے کی بعد اس کی قیمت مشتبہ ہوجائے اور راہن مرتہن میں سے ہر ایک یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس کی کتنی قیمت تھی تو مرتہن اس قدر دین کا تاوان دے جتنے میں وہ شئی رہن تھی۔نیز حدیث میں ہے کہ "ایک شخص نے کسی کے پاس گھوڑا رہن رکھا اور وہ اس کے پاس ہلاک ہوگیا۔تو آنحضرت ﷺ نے مرتہن سے ارشاد فرمایا "ذهب حقک" پھر رہن کے مضمون ہونے پر صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہے۔گو کیفیت ضمان میں اختلاف ہے۔چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مضمون بالقیمة ہونا مروی ہے۔اور حضرت ابن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ حضرت علی سے مضمون بالاقل ہونا مروی ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مضمون بالدین ہونا مروی ہے۔

باب ما یجوز ارتهانه والارتهان به وما لایجوز

باب ان چیزوں میں جن کا رہن رکھنا اور جن کے عوض میں رہن رکھنا جائز ہے اور جن میں جائز نہیں

لایصحّ رَهنُ المشاعِ وَالثمرةِ [1] علی النخلِ دُونَها وزرعِ الاَرضِ دُونها ونخلٍ فِی ارضٍ دُونَها والحرّ [2]

صحیح نہیں رہن رکھنا غیر معیّن کا اور لگے ہوئے پھل کا درخت کے بغیر اور کھیتی کا زمیں کے بغیر اور زمین میں کے درخت کا زمیں کے بغیر اور آزاد

والمدبَّر وَالمکَاتَبِ وَاُمِّ الولدِ وَلَا بالاَمَانةِ

مدبّر، مکاتب اور ام ولد کا اور نہ رہن رکھنا امانت کے عوض میں

تشریح الفقہ: قولہ لایصح الخ ہمارے یہاں مشاع یعنی غیر مقسوم کا رہن صحیح نہیں خواہ شیوع عقد رہن سے متصل ہو یا بعد میں طاری ہوا ہو نیز اپنے شریک کے پاس رہن رکھے یا کسی اجنبی کے پاس، شئی مشاع قسمت پذیر ہو یا نہ ہو۔امام شافعی کے یہاں رہن مشاع ان چیزوں میں جائز ہے جن کی بیع صحیح ہے امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے، جانبین کی ادلّہ حکم رہن پر مبنی ہیں۔امام شافعی کے یہاں حکم رہن یہ ہے کہ شئی مرہون بیع کے لئے معین ہوتی ہے۔یعنی اگر راہن دین ادا نہ کر سکے تو مرتہن مرہون کو فروخت کر

[1] وجه عدم صحته رهن هذه الثلاثة ان المرهون متصل بما لیس بمرهون خلقة و کان فی معنی الشائع و کذا عکس الثلاثة لان الاتصال یقوم بالطرفین و عن ابی حنیفة انه یصح فی النخل ۱۲ کشف [2] وجه عدم صحته رهن هؤلا الاربعة ان حکم الرهن ثبوت یدالالستیفاء ولا. یتحققالاستیفاء من هؤلاء لعدم المالیة فی الحروقیام المانع فی الباقین ۱۲ کشف.

کے اپنا حق وصول کر لے گا، اور ظاہر ہے کہ شئی مشاع بھی ایک عین اور ذات ہے۔ جس کی فروختگی ممکن ہے تو شئی مشاع قابلِ حکم رہن ہوئی، لہٰذا عقد صحیح ہوگا۔ ہمارے یہاں رہن کا حکم یہ ہے کہ اس سے مرتہن کو ید استیفاء حق حاصل ہو جاتا ہے اور شئی مشاع میں ید استیفاء کا ثبوت متصور نہیں۔ اس لئے کہ ید کا ثبوت معین شئی میں ہوتا ہے۔ اور شئی مشاع غیر معیّن ہے۔ پس ید استیفاء کا ثبوت غیر مرہون میں ہوگا جس میں حکم رہن فوت ہو جاتا ہے اسلئے رہن مشاع کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

فائدہ: رہن مشاع کو بعض نے باطل کہا ہے اور بعض نے فاسد لیکن صحیح یہ ہے کہ باطل نہیں فاسد ہے قبضہ کر لینے سے مرتہن پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ انعقاد رہن کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مال ہو اور اس کے مقابلہ میں بھی مضمون مال ہو اگر یہ شرط پائی جائے تو رہن صحیح منعقد ہوگا۔ اور اگر شرط مفقود ہو تو رہن فاسد منعقد ہوگا۔ اور جہاں رہن مال ہی نہ ہو مثلاً آزاد ہو یا خمر ہو یا اس کے مقابلہ میں مال مضمون نہ ہو تو رہن بالکل منعقد نہ ہوگا اسی کا نام رہن باطل ہے۔ **قولہ ولا بالامانۃ الخ** امانت، عاریت، مال مضاربت، ودیعت، مال شرکت کے بدلہ میں رہن رکھنا جائز نہیں۔ اس واسطے کہ رہن کا موجب مرتہن کے لئے ید استیفاء کا حاصل ہونا ہے۔ پس رہن کا قبضہ لازم الضمان ہوگا۔ تو ضمان ثابت کا ہونا ضروری ہے تا کہ قبضہ مضمون واقع ہو اور اس سے دین کا استیفاء ہو سکے اور امانت کے قبضہ میں ضمان نہیں ہوتا لہٰذا اس کے بدلہ میں رہن رکھنا صحیح نہیں۔

وَبِالدَّرْکِ وَبِالْمَبِیْعِ وَاِنَّمَا یَصِحُّ بِدَیْنٍ وَلَوْ مَوْعُوْدًا وَبِرَاْسِ مَالِ السَّلَمِ

اور نہ رہن بالدرک اور نہ رہن بعوض مبیع اور صحیح ہے دین کے عوض میں گو وہ موعود ہو اور سلم کے راس المال کے عوض میں

وَثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِیْهِ فَاِنْ هَلَکَ صَارَ مُسْتَوْفِیاً

اور بیع صرف میں قیمت کے عوض میں اور مسلم فیہ کی قیمت کے بدلے میں سو اگر مرہون ہلاک ہو جائے تو مرتہن اپنا حق لے چکا

وَلِلْاَبِ اَنْ یَّرْهَنَ بِدَیْنٍ عَلَیْهِ عَبْدًا لِطِفْلِهٖ وَصَحَّ رَهْنُ الْحَجْرَیْنِ وَالْمَکِیْلِ وَالْمَوْزُوْنِ.

باپ اپنے ذمہ کے قرض میں اپنے بچہ کے غلام کو رہن رکھ سکتا ہے اور صحیح ہے رہن رکھنا چاندی سونے اور کیلی اور وزنی چیزوں کو۔

تشریح الفقہ: **قولہ وبالدرک الخ** رہن بالدرک کی صورت یہ ہے کہ کسی نے کوئی چیز فروخت کر کے ثمن لے لیا اب مشتری کو یہ اندیشہ ہے کہ ممکن ہے مبیع بائع کے علاوہ کسی اور کی نکلے اس لئے اس نے قبل از استحقاق ثمن کے بدلے میں بائع سے کوئی چیز رہن رکھالی تو یہ باطل ہے اگر مشتری کے پاس سے مرہون ضائع ہو جائے تو ضمان نہ ہوگا خواہ درک حاصل ہو یا نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ رہن استیفاء حق کیلئے ہوتا ہے اور وجوب سے پہلے استیفاء ہوتا نہیں۔ اور وجوب کی اضافت آئندہ زمانہ کی طرف جائز نہیں اس لئے رہن بالدرک جائز نہ ہوگا۔

قولہ وبالمبیع الخ بائع نے مشتری کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی اور مبیع بائع کے پاس رہی اب بائع نے مشتری کے پاس مبیع کے بدلہ میں کوئی چیز رہن رکھی تو یہ رہن باطل ہے اس واسطے کہ رہن دین کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ اور مبیع بائع کے پاس دین نہیں بلکہ اگر مبیع تلف ہوگی تو مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط ہوگا اور وہ بائع کا حق ہے جس میں ضمان نہیں۔

قولہ وبراس الخ ہمارے یہاں سلم کے راس المال، ثمن صرف اور مسلم فیہ کے بدلہ میں رہن رکھنا صحیح ہے۔ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں صحیح نہیں۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ رہن کا حکم استیفاء حق ہے اور ان چیزوں کے بدلے میں رہن رکھنا استیفاء نہیں استبدال ہے ہم یہ

کہتے ہیں کہ استبدال نہیں استیفاء ہی ہے۔ کیونکہ مالیت کی وجہ سے مجانست موجود ہے۔ اور رہن میں استیفاء حق مالیت ہی کے اعتبار سے ہوتا ہے واما عین الرھن فھو امانة عندہ۔

قولہ وللاب الخ باپ اپنے بیٹے کے غلام کو اس دین کے عوض میں رہن رکھ سکتا ہے جو دین باپ پر ثابت ہے اس واسطے کہ جب باپ کیلئے اس کے غلام کو ودیعت رکھنا جائز ہے۔ حالانکہ ودیعت امانت ہو کر بلا تاوان ہلاک ہوتی ہے تو رہن رکھنا بطریق اولی جائز ہوگا کیونکہ رہن مرتہن پر تاوان واجب ہو کر ہلاک ہوتا ہے پھر طرفین کے نزدیک وصی اس سلسلہ میں باپ کے حکم میں ہے یعنی وہ بھی چھوٹے بچے کے غلام کو رہن رکھ سکتا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام زفر کے یہاں وصی کیلئے اس کی اجازت نہیں۔

قولہ وصح رھن الحجرین الخ چاندی ہونے اور کیلی ووزنی چیزوں کو رہن رکھنا صحیح ہے کیونکہ یہ اشیاء محل استیفاء دین ہیں۔ اور اب ان چیزوں کو انہی کی جنس کے عوض میں رہن رکھا گیا اور شئی مرہون ہلاک ہوگئی تو وہ وزن یا کیل کے لحاظ سے بمقابلہ مثل دین ہلاک ہوگی اور مقابلہ جنس کی صورت میں مرہون کے جید اور عمدہ ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا کیونکہ اموال ربویہ میں بوقت مقابلہ جنس وصف جودة ساقط الاعتبار ہوتا ہے، صاحبین کے نزدیک ضمان بالقیمة ہوگا۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ دین اور مرہون کی جنس متحد ہونے کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک تاوان کیل اور وزن کے اعتبار سے ہوتا ہے صاحبین کے نزدیک وزن اور کیل کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ مرہون کی قیمت معتبر ہوتی ہے پس اگر دس درہم کے عوض میں دس درہم کے بقدر چاندی رہن رکھی اور وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہوگئی تو اگر چاندی کی قیمت دس درہم ہے تب تو دین بالاتفاق ساقط ہوگیا اور اگر اس کی قیمت دس درہم سے کم ہو تو امام صاحب کے نزدیک دین ساقط ہوگا اور صاحبین کے نزدیک مرتہن پر خلاف جنس سے اس کی قیمت کا ضمان واجب ہوگا وفی النھایہ والتبیین تفصیل فلیر اجعھما۔

فَاِنْ رُهِنَتْ بِجِنْسِهَا هَلَكَتْ بِمِثْلِهَا مِنَ الدَّيْنِ وَلَا عِبْرَةَ بِالْجُوْدَةِ وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰى اَنْ يَّرْهَنَ الْمُشْتَرِىْ

اگر رہن رکھی گئی اسی کی جنس سے عوض میں جو مجرا ہوگی اسی قدر دین سے اور کھرے کھوٹے کا کوئی اعتبار نہیں جس نے بیچا غلام اس شرط پر کہ رہن رکھے

بِالثَّمَنِ شَيْئًا بِعَيْنِهٖ فَامْتَنَعَ لَمْ يُجْبَرْ وَلِلْبَائِعِ فَسْخُ الْبَيْعِ اِلَّا اَنْ يَّدْفَعَ الْمُشْتَرِىْ الثَّمَنَ حَالًا

مشتری ثمن کے بدلے میں ایک معین چیز اور وہ رک گیا تو اس کو مجبور نہیں کیا جائیگا ہاں بائع کو فسخ بیع کا اختیار ہے الا یہ کہ دیدے مشتری ثمن فی الفور

اَوْ قِيْمَةَ الرَّهْنِ رَهْنًا وَاِنْ قَالَ لِلْبَائِعِ اَمْسِكْ هٰذَا الثَّوْبَ حَتّٰى اُعْطِيَكَ الثَّمَنَ فَهُوَ رَهْنٌ وَلَوْ رَهَنَ عَبْدَيْنِ

یا رہن کی قیمت رہن کے اعتبار سے اگر کہا بائع سے کہ روکے رکھ یہ کپڑا جب تک کہ میں تجھ کو دام دوں تو وہ رہن ہوگا اگر رہن رکھا دو غلاموں کو

بِاَلْفٍ لَا يَاْخُذُ اَحَدَهُمَا بِقَضَاءِ حِصَّتِهٖ كَالْمَبِيْعِ وَلَوْ رَهَنَ عَيْنًا عِنْدَ رَجُلَيْنِ صَحَّ

ہزار کے عوض میں تو نہیں لے سکتا ان میں سے ایک کو اس کا حصہ ادا کر کے مسئلہ مبیع کی طرح اگر رہن رکھی معین چیز دو آدمیوں کے پاس تو صحیح ہے

وَالْمَضْمُوْنُ عَلٰى كُلٍّ حِصَّةُ دَيْنِهٖ فَاِنْ قَضٰى دَيْنَ اَحَدِهِمَا فَالْكُلُّ رَهْنٌ عِنْدَ الْاٰخَرِ وَبَطَلَ بَيِّنَةُ كُلٍّ مِّنْهُمَا عَلٰى

اور مضمون ہر ایک پر اس کے دین کا حصہ ہوگا پس اگر چکا دیا ایک کا قرضہ تو کل شئی رہن رہیگی دوسرے کے پاس باطل ہے بینہ دونوں میں سے

رَجُلٍ اَنَّهٗ رَهَنَهٗ عَبْدَهٗ وَقَبَضَهٗ

ہر ایک کا ایک شخص پر اس بارے میں کہ اس نے رہن رکھا تھا اس کے پاس اپنا غلام اور اس پر اس نے قبضہ کر لیا تھا

ع...... لتحقق القبض حکما کما ھو الحکم فی باب الرھن عند الھلاک ۱۲۔ کشف

وَمَاتَ رَاهِنُهُ وَالْعَبْدُ فِي اَيْدِيْهِمَا فَرَهَنَ كُلٌّ عَلٰى مَا وَصَفْنَا كَانَ فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ نِصْفُهُ رَهْنًا بِحَقِّهٖ.

اور اگر مر جائے اس کا راہن اور غلام دونوں مرتہنوں کے قبضہ میں ہو اور ان میں سے ہر ایک حسب سابق بینہ قائم کرے تو غلام رہن ہوگا دونوں کے پاس آدھا آدھا دونوں کے حق کے عوض میں۔

تشریح الفقہ: قوله ومن باع الخ ایک شخص نے غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ مشتری اس کے ثمن کے عوض میں کوئی معین چیز رہن رکھے گا تو قیاس کی رو سے یہ بیع جائز نہیں کیونکہ یہ صفقہ در صفقہ ہے جو ممنوع ہے ہاں استحسانًا جائز ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شرط عقد کے مناسب ہے کیونکہ عقد کفالہ کی طرح عقد رہن بھی برائے استیثاق ہوتا ہے۔ اب اگر وہ مشتری وہ چیز رہن نہ رکھے تو امام زفرؒ کے نزدیک اس کو ایفاء وعدہ پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ جب عقد بیع میں رہن کی شرط لگائی جائے تو وہ منجملہ حقوق بیع کے ایک حق ہو جاتا ہے اس لئے اس کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔ ہمارے نزدیک مشتری کو ایفاء وعدہ پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس واسطے کہ رہن راہن کی طرف سے عقد تبرع ہوتا ہے اور تبرعات میں جبر نہیں ہوتا' ہاں عدم وفا کی صورت میں بائع کو فسخ بیع کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ وہ شرط مذکور کے ساتھ راضی ہوا تھا تو مذکورہ شرط پائے جانے کی صورت میں اس کی رضا تمام نہیں ہوتی لہٰذا اس کو فسخ بیع کا اختیار ہوگا۔ الا یہ کہ مشتری ثمن نقد دیدے یا مرہون مشروط کی قیمت رہن رکھدے کہ اس صورت میں فسخ بیع کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ مقصد یعنی استیفاء کا حق حاصل ہو چکا۔

قوله وان قال للبائع الخ ایک شخص نے دس روپے میں کپڑا خریدا اور بائع سے کہا کہ جب تک میں تجھ کو اس کا ثمن دوں اس وقت تک اس کو اپنے پاس روکے رکھ۔ تو امام زفرؒ' امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ کپڑا رہن نہ ہوگا بلکہ ودیعت ہوگا کیونکہ لفظ "امسک" میں رہن اور ایداع ہر دو کا احتمال ہے اور ایداع کا رتبہ کم ہے کہ اس میں ضمان واجب نہیں ہوتا تو ایداع پر محمول کیا جائے گا' ہمارے نزدیک صورت مذکورہ میں کپڑا رہن ہوگا کیونکہ مشتری نے ایسا لفظ بولا ہے جو مفید رہن ہے اور اعتبار معانی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا پھر اس نے "**حتی اعطیک الثمن**" کہہ کہ مدت بھی بیان کر دی لہٰذا رہن پر محمول ہوگا۔

قوله ولو رهن عينا الخ ایک شخص کے ذمہ دو آدمیوں کا دین تھا اس نے ان کے دین کے عوض میں کوئی چیز دونوں کے پاس رہن رکھ دی تو رہن صحیح ہے اور وہ چیز بتمامہ دونوں کے پاس مرہون ہوگی کیونکہ رہن بصفقہ واحدہ جمیع عین کی طرف مضاف ہے اور اس میں کوئی شیوع نہیں اور موجب رہن حبس بالدین ہے۔ جس میں تجزی نہیں اس لئے وہ چیز دونوں کے پاس محبوس ہوگی۔ اب اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے تو ہر مرتہن پر اس کے دین کے حصہ کے بقدر ضمان ہوگا۔ کیونکہ استیفاء متجزی ہے تو بوقت ہلاکت ہر مرتہن اپنے حصہ۔ کا مستوفی ہو گیا لہٰذا شئی مرہون ہر ایک کے دین کے بقدر مضمون ہوگی۔ اور راہن نے ایک مرتہن کا دین ادا کر دیا تو کل مرہون شئی دوسرے کے پاس رہن ہوگی۔

قوله وبطل الخ انہ کی ضمیر کا مرجع رجل ہے نہ کہ کل واحد اور رہنہ کی ضمیر مستتر کا مرجع رجل راہن ہے اور ضمیر ظاہر کا مرجع کل واحد ہے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام ایک شخص کے قبضہ میں ہے اس پر دو آدمیوں نے دعوی کیا اور ہر ایک نے یہ کہا کہ تو نے اپنا یہ غلام میرے پاس ایک ہزار میں رہن رکھا ہے۔ اور اس پر دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو دونوں بینے ساقط الاعتبار ہونگے۔ اس واسطے کہ یہاں نہ تو دونوں کے لئے غلام کا فیصلہ ہو سکتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے پاس کل غلام کا آن واحد میں رہن ہونا محال ہے اور نہ کسی ایک کیلئے کل غلام کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک بینہ کو دوسرے کے مقابلہ میں اولویت حاصل نہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ نصا نصف رہن قرار دیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں شیوع لازم آتا ہے اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہاں دونوں نے ایک ساتھ رہن رکھا ہوگا کیونکہ تاریخ مجہول ہے اس لئے دونوں بینے ساقط ہوں گے کیونکہ عمل کی کوئی صورت ممکن نہیں اور اگر راہن انتقال ہو جائے اور غلام ان کے قبضہ میں ہو اور پھر وہ دونوں مذکورہ بالا دعوی کریں تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جس طرح راہن کی زندگی کی حالت میں شیوع کی وجہ سے راہن کا فیصلہ نہ تھا

اسی طرح اب بھی نہ ہوگا۔ طرفین کے نزدیک اس صورت میں استحساناً نصف غلام انہیں سے ہر ایک کے حق کے عوض میں رہن ہوگا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ عقد لذاتہ مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے حکم کی وجہ سے مقصود ہوتا ہے۔ اور حکم رہن بحالت حیات حبس دائمی ہے اور شائع چیز اس حکم کے قابل نہیں۔ اور موت کے بعد رہن کا حکم یہ ہوتا ہے کہ مرہون کو فروخت کر کے اس کے ثمن سے حق کا استیفاء ہو اور شائع چیز اس حکم کے قابل ہے اس لئے موت کی صورت میں رہن صحیح ہو جائے گا۔

باب الرھن یوضع علی ید عدل

باب مرہون چیز کو کسی معتبر آدمی کے پاس رکھنے کے بیان میں

وَضَعَا الرَّهْنَ عَلٰى يَدِ عَدْلٍ صَحَّ وَلَا يَاخُذُهُ اَحَدُهُمَا مِنْهُ وَيَهْلُكُ فِي ضِمَانِ الْمُرْتَهِنِ فَاِنْ وَكَّلَ

رکھی دونوں نے مرہون چیز کسی معتبر آدمی کے پاس تو صحیح ہے اور نہ لے ان میں سے کوئی اس سے اور ہلاک ہوگی مرتہن کے ضمان میں اگر وکیل کر دیا

الْمُرْتَهِنَ اَوِ الْعَدْلَ اَوْ غَيْرَ هُمَا بِبَيْعِهِ عِنْدَ حُلُوْلِ الدَّيْنِ صَحَّ فَاِنْ شُرِطَتْ

راہن نے مرتہن کو یا اس معتبر شخص کو یا کسی اور کو شئ مرہون کے فروخت کرنے کا قرضہ کی میعاد پوری ہونے پر تو صحیح ہے اور اگر شرط کر لی گئی وکالت

فِي عَقْدِ الرَّهْنِ لَمْ يَنْعَزِلْ بِعَزْلِهِ وَبِمَوْتِ الرَّاهِنِ وَالْمُرْتَهِنِ وَلِلْوَكِيْلِ بَيْعُهُ بِغَيْبَةِ وَرَثَتِهِ

عقد رہن میں تو وکیل معزول نہ ہوگا راہن کے علیحدہ کرنے اور راہن اور مرتہن کے مرجانے سے اور وکیل کیلئے درست ہے مرہون کا بیچنا راہن کے

وَتَبْطُلُ بِمَوْتِ الْوَكِيْلِ وَلَا يَبِيْعُهُ الْمُرْتَهِنُ اَوِ الرَّاهِنُ اِلَّا بِرِضَاءِ الْاٰخَرِ فَاِنْ حَلَّ الْاَجَلُ

ورثہ کے پیٹھ پیچھے اور باطل ہو جائیگی وکیل کے مرجانے سے اور نہ بیچے مرہون کو مرتہن اور راہن مگر دوسرے کی رضامندی سے اگر مدت آجائے

وَغَابَ الرَّاهِنُ اُجْبِرَ الْوَكِيْلُ عَلٰى بَيْعِهِ كَالْوَكِيْلِ بِالْخُصُوْمَةِ اِذَا غَابَ مُؤَكِّلُهُ اُجْبِرَ عَلَيْهَا

اور راھن موجود نہ ہو تو مجبور کیا جائیگا وکیل مرہون کے بیچنے پر جوابدہی کے وکیل کی طرح جب اس کا مؤکل غائب ہو کہ اس کو جوابدہی پر مجبور کیا جائیگا

وَاِنْ بَاعَهُ الْعَدْلُ وَاَوْفٰى مُرْتَهِنَهُ ثَمَنَهُ فَاسْتُحِقَّ الرَّهْنُ وَضَمِنَ فَالْعَدْلُ يُضَمِّنُ الرَّاهِنَ قِيْمَتَهُ اَوِ الْمُرْتَهِنَ ثَمَنَهُ

اگر معتبر شخص نے مرہون بیچکر مرتہن کو اس کا ثمن دیدیا پھر مرہون کسی اور کی نکلی اور معتبر نے تاوان دیا تو وہ لے لے راہن سے اس کی قیمت یا مرتہن سے

وَاِنْ مَاتَ الرَّهْنُ عِنْدَالْمُرْتَهِنِ فَاسْتُحِقَّ وَضَمِنَ الرَّاهِنُ قِيْمَتَهُ مَاتَ بِالدَّيْنِ

اس کا ثمن اگر مرجائے مرہون مرتہن کے پاس اور وہ کسی اور کی نکلے اور تاوان دیدے راہن اس کی قیمت کا تو مرہون شئ دین کے عوض میں مرے گی

وَاِنْ ضَمَّنَ الْمُرْتَهِنَ رَجَعَ عَلَى الرَّاهِنِ بِالْقِيْمَةِ وَبِدَيْنِهِ.

اور اگر مالک نے مرتہن سے ضمان لیا تو لے لے مرتہن راھن سے قیمت اور اپنا قرض۔

....

عہ...... لانہ الرہن محبوس بکل الدین فیکون محبوسا بکل جزء من اجزائہ ۱۲۔ ہدایہ۔ عہ العبد قید اتفاقی حتی لولم یکن العبد فی ایدیہما واثبت کل واحد فیہ الرہن والقبض کان الحکم کذلک ۱۲۔
(۱) لان یدہ فی حق المالیۃ ید المرتہن وہی المضمونۃ ۱۲۔ (۲) لان الراہن مالک فلہ ان یوکل من شاء من الاہل بیع مالہ معلقا او منجز ۱۲ ازیلعی۔ (۳) لانہا لما شرطت فی ضمن عقد الرہن صار وصفا من اوصافہ فیلزم بلزوم اصلہ ۱۲۔ (۴) کما کان لہ حال حیوتہ ان یبیعہ بغیر حضورہ ۱۲۔ (۵) لان الوکالۃ لا یجری فیہا الارث ولانہ رضی برائہ لا برای غیرہ ۱۲
۔ (۶) لانہ ملکہ باداء الضمان فصح الایفاء ۱۲ ہدایہ۔ (۷) لانہ مغرور من جہۃ الراہن ۱۲ ہدایہ۔ (۸) لانہ انتقض اقتضائہ فیعود کما کان ۱۲ ہدایہ۔

تشریح الفقہ : قولہ باب الخ راہن اور مرتہن کے احکام بیان کرنے کے بعد ان کے نائب کے احکام بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ نائب کا حکم حکم اصل کے بعد ہی ہوتا ہے۔ یہاں عدل سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس مرہون رکھنے پر راہن اور مرتہن دونوں راضی ہو گئے صاحب نہایہ اور صاحب عنایہ وغیرہ نے ایک قید اور زائد کی ہے۔ اور وہ یہ کہ مدت آنے پر مرہون کی بیع سے راضی ہو گئے ہوں۔ مگر یہ قید لزومی نہیں بلکہ مبنی بر غالب ہے۔ یعنی عام طور سے لوگوں میں یہی دستور جاری ہے وعن هذاقال الحاكم الشهيد في الكافي" ليس للعدل بيع الرهن مالم يسلط عليه لانه مامور بالحفظ فحسب۔

قولہ وضعا الخ راہن اور مرتہن نے شئی مرہون کسی معتمد شخص کے پاس رکھدی تو ہمارے نزدیک رہن صحیح ہے۔ اب راہن یا مرتہن مرہون شئی کو اس معتمد شخص سے نہیں لے سکتا۔ کیونکہ مرہون کے ساتھ دونوں کے حق متعلق ہیں۔ راہ کا حق حفظ وامانت میں ہے۔ اور مرتہن کا حق استیفاء دین میں ہے۔ تو ایک دوسرے کے ابطال حق کا مال نہ ہوگا۔ امام زفر اور ابن ابی لیلٰی کے نزدیک رہن ہی صحیح نہیں کیونکہ شخص معتمد کا قبضہ گویا مالک ہی کا قبضہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بعد الہلاک بوقت استحقاق مالک پر رجوع کرتا ہے تو قبضہ معدوم ہوا لہٰذا رہن صحیح نہ ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حفاظت کے حق میں تو معتمد کا قبضہ مالک ہی کا قبضہ ہوتا ہے۔ لیکن مالیت کے حق میں اس کا قبضہ مرتہن کا قبضہ ہوتا ہے۔ فنزل منزلة الشخصين تحقيقاً لما قصداه من الرهن۔

قولہ وان باعه العدل الخ راہن اور مرتہن نے شئی مرہون کسی معتمد شخص کے پاس رکھدی تھی۔ شخص معتمد نے وہ شئی فروخت کر کے اس کا ثمن مرتہن کو دیدیا اس کے بعد وہ شئی مرہون کسی اور کی نکل آئی۔ تو اب دو صورتیں ہیں یا تو شئی مرہون ہلاک ہو گئی ہوگی یا ہلاک نہیں ہوئی ہوگی موجود ہوگی۔ سو اگر مبیع (یعنی شئی مرہون) مشتری کے پاس سے ہلاک ہو گئی ہو تو مالک (مستحق) کو اختیار ہے چاہے وہ راہن سے ضمان لے کیونکہ وہ اس کے حق میں غاصب ہے کہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر پرایا مال رہن رکھدیا۔ اور چاہے شخص معتمد سے ضمان لے۔ کیونکہ اس نے فروختگی اور تسلیم ثمن کے ذریعہ سے تعدی کی ہے (ان دونوں صورتوں میں بیع نافذ ہوگی) پھر شخص معتمد کو بھی اختیار ہے۔ چاہے وہ راہن سے مبیع مرہون کی قیمت لے لے کیونکہ وہ اس کی طرف سے وکیل ہے۔ اور چاہے مرتہن سے اس کا ثمن لے لے۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مرتہن نے ثمن بلاحق لیا ہے۔ اور اگر مبیع مشتری کے پاس موجود ہو تو مالک (مستحق) اس کو مشتری سے لیگا کیونکہ اس نے اپنا مال بعینہ موجود پالیا۔ اور مشتری اس کا ثمن شخص معتمد سے لیگا۔ کیونکہ شخص معتمد ہی عاقد تھا تو حقوق عقد اسی سے متعلق ہوں گے۔ اب شخص معتمد کو اختیار ہے چاہے راہن سے اس کی قیمت لے لے۔ کیونکہ شخص معتمد کو اس ذمہ داری میں راہن ہی نے ڈالا ہے۔ تو اس سے نجات بھی وہی دلائے گا۔ اور چاہے مرتہن سے لے لے۔ اس واسطے کہ جب استحقاق کی وجہ سے بیع ٹوٹ چکی تو ثمن باطل ہو گیا۔ حالانکہ اس نے اس پر ثمن جان کر قبضہ کیا تھا۔ اور جب ثمن باطل ہو گیا تو مرتہن پر نقض قبض ضروری ہو گیا۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

باب التصرف في الرهن والجناية عليه وجنايته على غيره

باب مرھون میں تصرف کرنے اور اسمیں نقصان ڈالنے اور دوسروں پر مرھون کی جنایت کے بیان میں

تَوَقُّفَ بَيْعُ الرَّاهِنِ عَلٰى اِجَازَةِ مُرْتَهِنِهٖ اَوْ قَضَاءِ دَيْنِهٖ وَنَفَذَ عِتْقُهٗ وَطُوْلِبَ بِدَيْنِهٖ لَوْ حَالًّا

موقوف ہوگی راہن کی بیع مرتہن کی اجازت پر یا اس کے دین کی ادائیگی پر اور نافذ ہوگا اس کا آزاد کرنا اور مطالبہ کیا جائیگا اس کے قرض کا اگر فوری ہو

وَلَوْ مُؤَجَّلًا اُخِذَ مِنْهُ قِيْمَةُ الْعَبْدِ وَجُعِلَتْ رَهْنًا مَكَانَهٗ وَلَوْ مُعْسِرًا سَعَى الْعَبْدُ فِي الْاَقَلِّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنَ الدَّيْنِ

اور اگر میعادی ہو تو اس سے غلام کی قیمت لیکر غلام کے عوض رہن رکھدی جائیگی اور اگر راھن نادار ہو تو سعایت کریگا غلام اپنی قیمت اور قرض سے کمتر میں

وَيَرْجِعُ بِهٖ عَلٰى سَيِّدِهٖ وَاِتْلَافُ الرَّاهِنِ كَاِعْتَاقِهٖ وَاِنْ اَتْلَفَهٗ اَجْنَبِيٌّ فَالْمُرْتَهِنُ يُضَمِّنُهٗ

اور پھر لیگا وہ اپنے آقا سے اور راھن کا مرہون کو تلف کرنا مثل اسکے آزاد کرنے کے ہے اور اگر اجنبی نے تلف کیا تو مرتہن اس سے قیمت کا

قِيْمَتَهٗ فَتَكُوْنُ رَهْنًا عِنْدَهٗ وَخَرَجَ مِنْ ضَمَانِهٖ بِاِعَارَتِهٖ مِنْ رَاهِنِهٖ

تاوان لے پس یہ قیمت اس کے پاس رہن رہیگی اور نکل جائیگی مرتہن کے ضمان سے راھن کو مانگی دینے پر

فَلَوْ هَلَكَ فِيْ يَدِ الرَّاهِنِ يَهْلِكُ مَجَّانًا وَبِرُجُوْعِهٖ عَادَ ضَمَانُهٗ.

کہ اگر وہ راھن کے پاس ہلاک ہو تو مفت میں جائیگی اور اگر وہ واپس دیدے تو ضمان لوٹ آئیگا۔

قولہ فوقف الخ اگر راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون شئی فروخت کردے تو بیع موقوف رہے گی۔ اگر اس نے اجازت دیدی یا راہن نے مرتہن کا دین ادا کردیا تو نافذ ہوجائے گی۔ ورنہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ رہن چھوٹنے تک صبر کرے یا قاضی کے پاس امر کا مرافعہ کرے تا کہ وہ بیع فسخ کردے امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ بیع نافذ ہوجائے گی۔ کیونکہ راہن نے خاص اپنی ملک میں تصرف کیا ہے تو ایسا ہوگیا جیسے وہ عبد مرہون کو آزاد کردے کہ آزادی نافذ ہوتی ہے۔ لیکن صحیح وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور وہی ظاہر الروایہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ راہن نے گو اپنی ملک میں تصرف کیا ہے تاہم اس کے ساتھ مرتہن کا حق وابستہ ہے۔ اس لئے اس کی اجازت کے بغیر بیع نافذ نہ ہوگی۔

قولہ وخرج الخ اگر مرتہن نے شئی مرہون راہن کو بطور عاریت دیدی۔ تو وہ مرتہن کے ضمان سے خارج ہوگئی کیونکہ ید رہن موجب ضمان ہے۔ اور ید عاریت غیر موجب ضمان۔ اگر اعارہ کے بعد مرتہن پر ضمان واجب کیا جائے تو ید عاریت اور ید رہن دونوں میں جمع کرنا لازم آتا ہے۔ حالانکہ ان میں منافات ہے۔ پس اگر وہ شئی راہن کے پاس ہلاک ہوجائے تو مفت ہلاک ہوگی یعنی مرتہن کا کچھ دین ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ موجب ضمان قبض مرتفع ہوگیا۔ اور اگر مرتہن پھر مرہون شئی واپس لیکر اپنے قبضہ میں کرلے تو مرتہن پر ضمان ثابت ہوجائیگا۔ کیونکہ عقد رہن باقی ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلَوْ اَعَارَهٗ اَحَدُهُمَا اَجْنَبِيًّا بِاِذْنِ الْاٰخَرِ سَقَطَ الضَّمَانُ وَلِكُلٍّ اَنْ يَّرُدَّهٗ رَهْنًا

اگر مانگی دی مرہون چیز ان میں سے کسی نے اجنبی کو دوسرے کی اجازت سے تو ساقط ہوجائیگا ضمان اور ہر ایک واپس لیکر رہن رکھ سکتا ہے

وَاِنْ اِسْتَعَارَ ثَوْبًا لِيَرْهَنَهٗ صَحَّ وَلَوْ عَيَّنَ قَدْرًا اَوْ جِنْساً اَوْ بَلَدًا فَخَالَفَ ضَمَّنَ الْمُعِيْرُ الْمُسْتَعِيْرَ

اگر مانگا کپڑا تا کہ اس کو رھن رکھے تو صحیح ہے اب اگر مالک نے مقدار اور جنس اور شہر کو معین کر دیا اور اس نے خلاف کیا تو تاوان لے معیر مستعیر سے

اَوِ الْمُرْتَهِنَ وَاِنْ وَافَقَ وَهَلَكَ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ صَارَ مُسْتَوْفِيًا وَوَجَبَ مِثْلُهٗ لِلْمُعِيْرِ

یا مرتہن سے اور اگر اس نے اس کے موافق کیا اور کپڑا جاتا رہا مرتہن کے پاس سے تو مرتہن حق پانے والا ہو گیا اب واجب ہوگا اتنا ہی معیر کے لئے

عَلَى الْمُسْتَعِيْرِ وَلَوْ اِفْتَكَّهُ الْمُعِيْرُ لَايَمْتَنِعُ الْمُرْتَهِنُ اِنْ قَضٰى دِيْنَهٗ

مستعیر پر اور اگر چھڑائے کپڑا معیر تو کپڑا دینے سے نہ رکے مرتہن اگر چکادیا ہو راھن نے اس کا قرض

وَجِنَايَةُ الرَّاهِنِ وَالْمُرْتَهِنِ عَلَى الرَّهْنِ مَضْمُوْنَةٌ وَجِنَايَتُهٗ عَلَيْهِمَا وَعَلٰى مَالِهِمَا هَدْرٌ.

اور جنایت راھن کی اور مرتہن کی مرہون پر مضمون ہے اور جنایت مرہون کی ان پر اور ان کے مال پر معاف ہے۔

تشریح الفقہ: **قولہ وان استعار الخ** ایک شخص نے کوئی چیز مثلاً کپڑا راہن رکھنے کے لئے عاریت پر لے لیا تو یہ صحیح ہے۔ اب وہ جتنا چاہے اور جس طرح چاہے کپڑا راہن رکھے بشرطیکہ معیر نے کسی چیز کی قید نہ لگائی ہو اور اگر معیر نے رہن میں دین کی مقدار یا اس کی جنس کی یا مرتہن کی یا خاص شہر کی قید لگائی مثلاً یوں کہا کہ اتنے دین کے عوض میں رہن رکھنا یا فلاں جنس کے بدلے میں یا فلاں شخص کے پاس یا فلاں شہر میں رہن رکھنا تو اب مستعیر اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ اگر خلاف کیا تو مستعیر یا مرتہن سے ضمان لے سکتا ہے۔ کیونکہ دونوں نے تعدی کی ہے۔ مستعیر کی تعدی تو یہ ہے کہ اس نے معیر کی تقیید کے خلاف کیا اور مرتہن کی یہ ہے کہ اس نے پرائی چیز پر مالک کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا اور اگر مستعیر نے معیر کی شرط کے مطابق کیا اور پھر مرتہن کے پاس سے مستعار شئی ہو گئی تو مرتہن اپنا دین پانے والا ہو گیا اگر اس کی قیمت دین کے برابر ہو اور کم ہو تو باقی راہن سے لے لیگا اب مستعیر یعنی راہن پر معیر کو دین کے برابر دینا واجب ہوگا۔ کیونکہ راہن کا جو دین ادا کرے گا وہ راہن سے وصول کریگا کیونکہ یہاں معیر متبرع نہیں ہے بلکہ وہ اپنی مملوک شئی چھڑانے کیلئے مضطر ہے۔ بخلاف اجنبی کے کہ وہ اداء دین میں متبرع ہوتا ہے۔

قولہ وجنایۃ الراھن الخ اگر راہن مرہون غلام کو قتل کر ڈالے یا اس کا کوئی عضو تلف کر دے تو راہن پر ضمان واجب ہوگا کیونکہ مرتہن کا حق محترم لازم ہے۔ اور اس کی ملک مالیت سے متعلق ہے۔ لہٰذا ضمان کے حق میں مالک کو اجنبی ٹھہرایا جائے گا' اسی طرح اگر مرتہن مرہون پر کوئی جنایت کرے تو اس پر بھی تاوان لازم ہوگا۔ کیونکہ اس نے غیر کی ملک کو تلف کیا ہے۔ اب اس نے جس قدر جنایت کی ہے اسی قدر دین ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر مرہون غلام راہن پر یا مرتہن پر یا ان کے مال پر کوئی جنایت کرے تو اس کی جنایت سے کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ جنایت موجب قصاص نہ ہو اگر موجب قصاص ہو تو قصاص لیا جائے گا عہ

وَاِنْ رَهَنَ عَبْدًا يُسَاوِيْ اَلْفًا بِاَلْفٍ مُؤَجَّلٍ فَرَجَعَتْ قِيْمَتُهٗ اِلٰى مِائَةٍ فَقَتَلَهٗ رَجُلٌ وَغَرِمَ مِائَةً وَحَلَّ الْاَجَلُ

اور اگر رہن رکھا ہزار روپیہ کا غلام میعادی ہزار کے عوض میں اور اس کی قیمت سو روپیہ ہو گئی پھر اس کو کسی نے قتل کر دیا اور سو کا تاوان آیا ادھر مدت بھی آ گئی

فَالْمُرْتَهِنُ يَقْبِضُ الْمِائَةَ قَضَاءً مِنْ حَقِّهٖ وَلَا يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِشَيْءٍ وَلَوْ بَاعَهٗ بِمِائَةٍ بِاَمْرِهٖ

تو مرتہن قبضہ کریگا سو روپیہ پر اپنا حق وصول کرنے کی رو سے اور نہ لیگا راہن سے کچھ اور اگر بیچ دے اس کو مرتہن سو روپیہ میں راہن کی اجازت سے

عہ ...... خلافاً لما في المرتهن فان عندهما جناية الرهن على المرتهن معتبرة وهو مذهب الائمة الثلاثة ۱۲ مجمع الانهر۔

يَقْبِضُ الْمِائَةَ قَضَاءً مِنْ حَقِّهٖ وَرَجَعَ بِتِسْعِمِائَةٍ وَاِنْ قَتَلَهٗ عَبْدٌ قِيْمَتُهٗ مِائَةٌ فَدُفِعَ بِهٖ

توقبضہ کرے سو پر حق لینے کی رو سے اور لے نوسو راہن سے اور اگر عبد مذکور کوسو روپیہ کی قیمت والا غلام مارڈالے اور قاتل غلام مقتول کے عوض میں

اِفْتَكَّهٗ بِكُلِّ الدَّيْنِ وَاِنْ مَاتَ الرَّاهِنُ بَاعَ وَصِيُّهُ الرَّهْنَ وَقَضَى الدَّيْنَ

دیدیا جائے تو راہن اس کو کل قرض کے عوض میں چھڑائے اگر راہن مرجائے تو اس کا وصی مرہون کو بیچکر قرض ادا کرے

فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ وَصِيٌّ نُصِبَ لَهٗ وَصِيٌّ وَاُمِرَ بِبَيْعِهٖ.

اور اگر اس کا کوئی وصی نہ ہو تو ایک وصی مقرر کیا جائیگا جس کو مرہون کے بیچنے کا حکم کیا جائیگا۔

تشریح الفقہ: قولہ وان رهن الخ زید کے ذمہ عمرو کے ایک ہزار روپے میعادی تھے۔ زید نے اس کے عوض عمرو کے پاس ایک ہزار کی قیمت کا غلام رہن رکھدیا اور غلام کی قیمت کم ہوکر ایکسو رہ گئی پھر کسی نے غلام کو قتل کردیا اور ایک سو روپیہ کا تاوان دیدیا ادھر مرتہن کے دین کی مدت آپہونچی تو مرتہن قضاء حق کے سبب سے سو روپیہ لیگا اس کے علاوہ راہن سے اور کچھ نہیں لیگا اس واسطے کہ ہمارے یہاں نرخ کا نقصان موجب سقوط دین نہیں ہوتا پھر مرتہن کا قبضہ قبضہ استیفاء ہے تو وہ ابتداء رہن ہی سے پورا دین پانیوالا ٹھہرا اور اگر مرتہن نے غلام مذکور کو رہن کے حکم سے ایکسو میں بیچ ڈالا تو مرتہن سو روپیہ پر بطریق قضاء حق قابض ہوگا۔ اور باقی نوسو روپیہ راہن سے لے لیگا کیونکہ مرتہن کا راہن کی اجازت سے فروخت کرنا راہن کا مرتہن سے مرہون کو واپس لیکر بذات خود فروخت کرنا ہے تو نوسو روپے راہن کے ذمہ لازم رہے اسلئے مرتہن باقی راہن سے وصول کرلیگا۔

قولہ وان قتلہ عبد الخ اگر ہزار روپے کی قیمت والے مرہون غلام کو کسی ایسے غلام نے قتل کردیا جس کی قیمت ایک سو روپیہ ہے۔ اور عبد قاتل مقتول عالم کے بدلے میں دیدیا گیا تو شیخین کے نزدیک راہن مرہون غلام کو راہن سے سے مرتہن کا کل دین یعنی ہزار روپے دیکر چھڑائیگا۔ امام محمد کے نزدیک یہ بھی اختیار ہے کہ وہ مرتہن کو اس کے دین کے عوض مین عبد مدفوع دیدے امام زفر کے یہاں غلام ایک سو میں رہن رہے گا کیونکہ یدر اہن ید استیفا ہے جو ہلاکت کی وجہ سے مستقر ہوچکا ہے مگر چونکہ اس نے اپنا بدل بقدر عشر چھوڑا ہے اس لیے دین اسی قدر باقی رہیگا۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ دوسرا غلام پہلے غلام کا قائم مقام ہے اور یہ پہلے ثابت ہوچکا کہ اگر پہلا غلام باقی ہو اور اس کا نرخ کم ہوجائے تو دین کی کوئی مقدار ساقط نہیں ہوتی۔ تو جب عبد مدفوع اس کا قائم مقام ہوگیا تب بھی دین ساقط نہ ہوگا۔ امام محمد کے یہاں اختیار ملنے کی وجہ یہ ہے کہ مرہون غلام مرتہن کے ضمان میں رہتا ہوا متغیر ہوا ہے۔ لہٰذا راہن کو اختیار ہوگا۔

فَصْلٌ: رَهَنَ عَصِيْرًا قِيْمَتُهٗ عَشَرَةٌ بِعَشَرَةٍ فَتَخَمَّرَ ثُمَّ تَخَلَّلَ وَهُوَ يُسَاوِيْ عَشَرَةً فَهُوَ رَهْنٌ بِعَشَرَةٍ

(فصل) رہن رکھا شیرہ جس کی قیمت دس روپیہ ہے دس کے عوض میں وہ شراب بنکر سرکہ ہوگیا جو دس روپیہ کا ہے تو وہ رہن رہیگا دس میں

وَاِنْ رَهَنَ شَاةً قِيْمَتُهَا عَشَرَةٌ بِعَشَرَةٍ فَمَاتَتْ فَدُبِغَ جِلْدُهَا وَهُوَ يُسَاوِيْ دِرْهَمًا فَهُوَ رَهْنٌ بِدِرْهَمٍ

اگر رہن رکھی بکری دس روپیہ کی دس کے عوض میں وہ مرگئی اور اس کی کھال پکائی جو صرف ایک درہم کی ہے تو کھال رھن رہیگی ایک درہم کے عوض میں

وَنَمَاءُ الرَّهْنِ كَالْوَلَدِ وَالثَّمَرِ وَاللَّبَنِ وَالصُّوْفِ لِلرَّاهِنِ وَهُوَ رَهْنٌ مَعَ الْاَصْلِ وَيَهْلِكُ مَجَّانًا وَاِنْ بَقِيَ

رہن کی بڑھوتری جیسے بچہ پھل دودھ اون سب راہن کی ہوگی اور رہن رہیگی اصل کے ساتھ اور ہلاک ہوگی مفت اگر بڑھوتری بچ رہی

وَهَلَكَ الْاَصْلُ فُكَّ بِحِصَّتِهٖ فَيُقْسَمُ الدَّيْنُ عَلٰى قِيْمَتِهٖ يَوْمَ الْفِكَاكِ وَقِيْمَةِ الْاَصْلِ يَوْمَ الْقَبْضِ

اور اصل جاتی رہی تو چھڑالیجائیگی اسکے حصہ کے موافق پس تقسیم کیا جائیگا دین اسکی قیمت پر جو چھڑانیکے دن ہے اور اصل کی قیمت پر جو قبضہ کے دن تھی

فَسَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ حِصَّةُ الْاَصْلِ وَفُكَّ النَّمَاءُ بِحِصَّتِهٖ وَيَصِحُّ الزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ لَا فِي الدَّيْنِ

پس ساقط ہو جائیگا دین سے اصل کا حصہ اور چھڑا لیجائیگی بڑھوتری اس کے حصہ کے عوض مرہون میں اضافہ جائز ہے نہ کہ قرض میں

وَاِنْ رَهَنَ عَبْدًا بِاَلْفٍ فَدَفَعَ عَبْدًا اٰخَرَ رَهْنًا مَكَانَ الْاَوَّلِ وَقِيْمَةُ كُلٍّ اَلْفٌ فَالْاَوَّلُ رَهْنٌ حَتّٰى

اگر رہن رکھا غلام ہزار میں پھر دیا دوسرا غلام اسکی جگہ اور قیمت ہر ایک کی ہزار ہے تو پہلا ہی غلام رہن ہوگا یہاں تک کہ مرتہن اس کو

يَرُدَّهٗ اِلَى الرَّاهِنِ وَالْمُرْتَهِنُ فِي الْاٰخَرِ اَمِيْنٌ حَتّٰى يَجْعَلَهٗ مَكَانَ الْاَوَّلِ.

راہن کے سپرد کردے اور مرتہن دوسرے غلام کے حق میں امین ہوگا یہاں تک کہ وہ رہن کرلے اس کو پہلے کی جگہ۔

رہن سے متعلق متفرق مسائل

تشریح الفقہ: قولہ رہن عصیرًا الخ دس روپے کا شیرۂ انگور دس میں رہن رکھا وہ شراب بن کر سرکہ ہوگیا جو دس روپے کا ہے تو رہن باطل ہو جانا چاہئے کیونکہ شیرہ خمر ہو جانے کیوجہ سے متقوم مال نہیں رہا۔ مگر اس وجہ سے کہ خمر میں سرکہ ہو جانے کی صلاحیت ہے رہن باطل نہ ہوگا۔ بلکہ دس میں رہن رہے گا۔ اور اگر دس کے بکری دس میں رہن رکھی اور وہ ذبح کئے بغیر مرگئی اور اس کی کھال مٹی یا دھوپ کے ذریعہ بنا لی گئی جو ایک روپے کی ہے تو وہ ایک روپے میں رہن رہے گی اس واسطے کہ رہن ہلاکت مرہون سے ثابت ہو جاتا ہے اور جب بعض محل میں صلاحیت آگئی تو اسی کے بقدر رہن کا حکم لوٹ آئے گا۔

قولہ وان بقی الخ اصل شئی جو مرہون تھی ہلاک ہوگئی اور بڑھوتری جو مرہون کی ذات سے برآمد ہوئی تھی جیسے پھل' دودھ' اون وغیرہ وہ باقی رہے گی تو اسکو بقدر حصہ دین چھڑایا جائے گا کیونکہ اب وہ تابع نہیں رہی بلکہ مقصود ہوگئی اور تابع جب مقصود جاتا ہے تو اس کے مقابلہ میں قیمت وغیرہ آجاتی ہے اب چھڑانے کی شکل یہ ہوگی کہ بڑھوتری میں اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن اس کو چھڑایا جا رہا ہے اور اصل میں اس دن کی قیمت کا لحاظ ہوگا جس دن اس پر قبضہ ہوا تھا مثلاً زید نے ایک بکری نو روپیہ میں رہن رکھی جس کی قیمت قبضہ کے دن دس روپیہ تھی اس کے ایک بچہ ہوا جس کی قیمت چھڑانے کے دن پانچ روپیہ ہے تو دونوں کی قیمت پندرہ روپے ہوئی۔ اب بکری مرگئی بچہ باقی رہ گیا تو دین کو ان دونوں کی قیمتوں پر اثلاثًا تقسیم کیا جائے گا۔ پس دین کے دو ثلث یعنی چھ روپے جو ماں کے دو حصے کے ہیں وہ ساقط ہو جائیں گے۔ اور دین کا ایک ثلث یعنی تین روپے راہن مرتہن کو دیکر بچہ چھڑا لے گا۔

قولہ و یصح الخ راہن نے ایک کپڑا دس روپے میں رہن رکھا تھا اس کے بعد اس نے ایک اور کپڑا رہن رکھدیا تو یہ اضافہ درست ہے۔ اب دونوں کپڑے دس میں رہن رہیں گے۔ اور اگر کپڑا دس روپیہ میں رہن تھا راہن نے مرتہن سے پانچ روپیہ لیکر وہی کپڑا پندرہ میں رہن رکھدیا تو طرفین کے نزدیک یہ صحیح نہیں امام ابو یوسف کے نزدیک یہ بھی درست ہے۔ کیونکہ باب رہن میں دین ایسا ہوتا ہے جیسے باب بیع میں ثمن اور رہن مثمن کی طرح ہوتا ہے جس طرح باب بیع میں ثمن اور بیع ہر دو میں اضافہ کرنا صحیح ہے اسی طرح باب رہن میں بھی صحیح ہوگا' امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک اضافہ جائز نہیں نہ رہن میں نہ دین میں۔ کیونکہ اضافہ سے شیوع لازم آتا ہے جو مفسد رہن ہے۔ طرفین کے یہاں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ زیادتی اصل عقد کیساتھ اسی وقت لاحق ہو سکتی ہے جب وہ معقود بہ (ثمن) میں ہو یا معقود علیہ (مبیع) میں ہو اور دین نہ معقود بہ ہے نہ معقود علیہ۔ لہٰذا دین میں اضافہ کرنا درست نہ ہوگا۔

قولہ یردہ الخ وجہ یہ ہے کہ پہلا غلام جو مرتہن کے ضمان میں داخل ہوا ہے وہ قبضہ اور دین کی وجہ سے ہوا ہے اور یہ دونوں باقی ہیں تو غلام اس کے ضمان سے خارج ہوگا۔ تاوقتیکہ مرتہن قبضہ کو نہ توڑ دے اور جب پہلا غلام اس کے ضمان میں باقی رہا تو دوسرا غلام اس کے ضمان میں داخل نہ ہوگا کیونکہ راہن و مرتہن صرف ایک غلام کے تحت الضمان ہونیسے راضی ہیں نہ کہ دونوں کے داخل ہونے سے۔

كتاب الجنايات

قوله كتاب الخ مشروعیت رہن حفاظت مال کیلئے ہے اور حکم جنایت یعنی قصاص یا دیت اور کفارہ وحرمان ارث حفاظت نفس کیلئے ہے۔ اور مال بقاء نفس کا ایک وسیلہ ہے۔ اور وسائل مقاصد پر مقدم ہوتے ہیں اس لئے مصنف نے رہن کو مقدم کیا اور جنایات کو مؤخر۔ جنایت لغت عرب میں برا کام کرنے کا نام ہے جو دراصل جنی علیه شراً جنایةً کا مصدر ہے۔ اور ہر امر قبیح کے لئے عام ہے۔ شریعت میں اس فعل حرام کا نام ہے جو مال یا جان پر واقع ہو تو اس میں چوری، قتل، غصب اور دیگر مالی وبدنی جرائم داخل ہیں لیکن اصطلاح فقہاً میں غصب اور سرقہ اس فعل حرام کیساتھ خاص ہے جو مال پر واقع ہو اور جنایت اس فعل ممنوع کے ساتھ جو جان اور اطراف یعنی ہاتھ، پاؤں، ناک، کان اور آنکھ پر واقع ہو۔ اول کو قتل کہتے ہیں اور ثانی کو قطع وجراحت، قتل وہ فعل ہے جو بندہ کی طرف مضاف اور زوال حیات کا سبب ہو اور زوال حیات بلا فعل عبد مسمی بموت ہے۔ (زیلعی وشمنی)۔

فائدہ: جس قتل سے احکام آئندہ متعلق ہیں وہ پانچ قسم پر ہے "قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطا، قتل جاری مجرائے خطا، قتل بالسبب، صاحب نہایہ نے ان پانچوں کو بطریق حصر یوں بیان کیا ہے کہ "جب انسان سے فعل قتل صادر ہو تو دو حال سے خالی نہیں۔ اس کا حصول ہتھیار سے ہوگا یا بلا ہتھیار، شق اول پھر دو حال سے خالی نہیں اس سے قتل کرنا مقصود ہوگا یا نہیں اول قتل عمد ہے، ثانی قتل خطا، شق ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں، اس سے ضرب وتادیب کا قصد ہوگا یا نہیں۔ اول شبہ عمد ہے اور ثانی پھر دو حال سے خالی نہیں۔ جاری مجرای خطا ہوگا یا نہیں۔ اول قتل جاری مجرای خطا ہے اور ثانی قتل بالسبب، اس حصر میں گو قدرے قصور ہے تاہم مفید ضرور ہے، چاہو تو چلتے چلتے ان اقسام کو نقشہ ذیل کی شکل میں ڈھال کر ذہن نشین کرلو۔
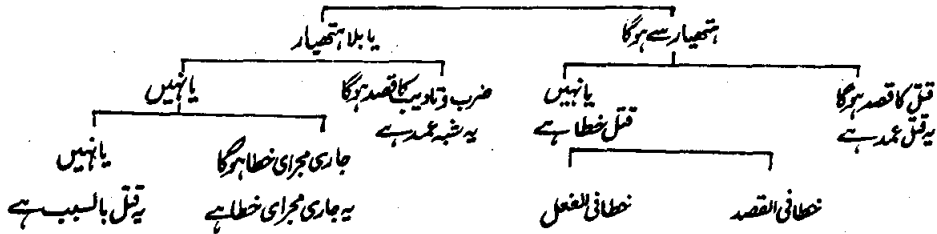
مُوجَبُ الْقَتْلِ عَمَدًا وَهُوَ مَا تَعَمَّدَ ضَرْبَهُ بِسِلَاحٍ وَنَحْوِهٖ فِي تَفْرِيْقِ الاَجْزَاءِ كَالْمُحَدَّدِ مِنَ الْخَشَبِ

حکم قتل عمد کا اور وہ یہ ہے کہ مارے جان بوجھ کر ہتھیار سے یا ایسی چیز سے جو ہتھیار کی طرح ہو بدن کے اجزاء جدا کرنے میں جیسے دھار دار لکڑی

وَالْحَجَرِ وَاللِّيْطَةِ وَالنَّارِ اَلاِثْمُ وَالْقَوَدُ عَيْنًا اِلَّا اَنْ يُعْفٰى لَا الْكَفَّارَةُ

یا پتھر یا بانس کی کھپچی اور آگ گناہ ہے اور معین قصاص الا یہ کہ معاف کردیا جائے نہ کہ کفارہ۔

قتل عمد کا بیان

توضیح اللغۃ: سلاح ہتھیار، محدد دھار دار، خشب لکڑی، لیطۃ پوست نرکل، قود قصاص۔

تشریح الفقہ: **قولہ موجب الخ** قتل کی پہلی قسم قتل عمد ہے جس میں آدمی کو مار ڈالنا مقصود ہو ہتھیار سے ہو جیسے چھری اور تلوار وغیرہ یا کسی ایسی نوکدار یا باڑھ والی چیز سے ہو جو تفریق اجزاء میں ہتھیار کا کام کرتی ہو جیسے تیز نوکدار لکڑی، پتھر اور بانس کا چھلکا، سیسہ، آگ وغیرہ اس قتل کا موجب گناہ ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "**ومن یقتل مومناً متعمدًا فجزائوہ جھنم**" حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں تو اس کا خون حلال نہیں بجز تین کے ایک شادی شدہ زنا کار دوم جان کو (ناحق) قتل کرنے والا سوم اپنے دین کو چھوڑنے والا اور جماعت سے علیحدہ رہنے والا" نیز آپ کا ارشاد ہے کہ "دنیا کا زوال عند اللہ آسان تر ہے مسلمان آدمی کے قتل سے" نیز حدیث میں ہے کہ "اگر اہل زمین و اہل آسمان کسی مومن کے خون میں شریک ہوں تو اللہ ان سب کو منہ کے بل آگ میں ڈال دے" دوسرا موجب عین قصاص ہے بلا لزوم مال امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قصاص متعین نہیں ہے بلکہ اولیاء مقتول قصاص اور خون بہا لینے میں مختار ہیں، ہماری دلیل حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "**کتب علیکم القصاص فی القتلی**" اس میں قتل عمد مراد ہے۔ کیونکہ قتل خطا میں دیت واجب ہے **لقولہ تعالیٰ" ومن قتل مومناً خطاء" فتحریر رقبة مومنةٍ ودیة مسلمة الیٰ اھلہ**" نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے "العمد القود" یعنی قتل عمد کا موجب قصاص ہے، علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے۔ اور جب خبر واحد مجمل آیت کیلئے مبین ہو سکتی ہے (جیسا کہ مقدار مسح راس میں مذکور ہے) تو حدیث مشہور بطریق اولیٰ ہوگی۔ پس ظاہر آیت قصاص میں گو قتل عمد اور قتل خطا کی تخصیص نہیں لیکن یہ حدیث مشہور اس کے لئے مخصص ہے۔

قولہ لا الکفارة الخ ہمارے یہاں قتل عمد کا موجب کفارہ نہیں ہے۔ امام شافعی کے یہاں ہے کیونکہ قتل خطا کی بہ نسبت اس میں کفارہ کی زیادت ضرورت ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ قتل عمد خالص گناہ کبیرہ ہے۔ اور کفارہ میں عبادت کے معنی ہیں تو قتل عمد مربوط بکفارہ نہیں ہوسکتا **ولقولہ علیہ السلام "خمس من الکبائر لا کفارة فیھن منھا قتل النفس بعمد۔"**

وَشِبْهُهُ وَهُوَ اَنْ يَتَعَمَّدَ ضَرْبَهُ بِغَيْرِ مَاذُكِرَ الاثْمُ وَالْكَفَّارَةُ وَدِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ عَلَى الْعَاقِلَةِ لاَ الْقَوَدُ وَالْخَطَاءُ

اور شبہ عمد کا حکم اور وہ یہ ہے کہ قصداً مارے مذکورہ چیزوں کے سوا سے گناہ ہے اور کفارہ ہے اور دیت مغلظہ ہے قبیلہ پر نہ کہ قصاص، اور قتل خطاء کا حکم

وَهُوَ اَنْ يَرْمِىَ شَخْصًا ظَنَّهُ صَيْدًا اَوْ حَرْبِيًّا فَاِذَا هُوَ مُسْلِمٌ اَوْ غَرَضًا فَاَصَابَ اٰدَمِيًّا وَمَاجَرٰى مَجْرَاهُ

اور وہ یہ ہے کہ تیر مارے کسی کو شکار جان کر یا حربی سمجھ کر اور وہ مسلمان نکلے یا نشانہ پر مارے اور وہ آدمی کے لگ جائے اور جاری مجرای خطاء کا حکم

كَنَائِمٍ اِنْقَلَبَ عَلٰى رَجُلٍ فَقَتَلَهُ الْكَفَّارَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَالْقَتْلُ بِسَبَبٍ كَحَافِرِ الْبِئْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ

جیسے سونے والا کروٹ لے کسی پر اور اس کو مار ڈالے کفارہ ہے اور دیت ہے کنبے پر اور قتل بالسبب کا حکم جیسے کنواں کھودنے والا اور پتھر رکھنے والا

فِي غَيْرِ مِلْكِهِ اَلدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ لاَ الْكَفَّارَةُ وَالْكُلُّ يُوْجِبُ حِرْمَانَ الاِرْثِ

دوسرے کی ملک میں دیت ہے قبیلہ پر نہ کہ کفارہ، یہ کل صورتیں واجب کرتی ہیں وراثت سے محرومی کو

اِلاَّ هٰذَا وَشِبْهُ الْعَمَدِ فِي النَّفْسِ عَمَدٌ فِيْمَا سِوَاهَا.

مگر آخری صورت اور شبہ عمد جان مارنے میں عمد ہے اس کے ماسوا میں۔

عہ...... جو قتل کرے مومن کو جان کر اس کا بدلہ جہنم ہے ۱۲۔ عہ...... ائمہ ستہ عن ابن مسعود ۱۲۔ للعہ...... ترمذی، نسائی، ابن ابی شیبہ، ابو یعلی الموصلی عن ابن ۱۲۔ للعہ...... ترمذی، حاکم عن الخدری، طبرانی عن ابی ہریرہ ۱۲۔ عہ...... تم پر قصاص لکھا گیا مقتولین میں ۱۲۔

او جو کوئی مار ڈالے تو مومن کو انجانی سے پس آزاد کرنا ہے ایک گردن مسلمان کا اور خونبہا اور سونپی ہوئی اس کے اہل کو ۱۲۔

(۱) ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ، دارقطنی، طبرانی عن ابن عباس ۱۲۔ (۲) کذا فی الھاشیۃ الاعزازیۃ ۱۲۔

قتل شبہ عمد، قتل خطا جاری مجرای خطا قتل بالسبب کا بیان

تشریح الفقہ : **قولہ وشبھہ الخ** قتل کی دوسری قسم شبہ عمد ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی ایسی چیز سے قتل کیا جائے جو اجزاء بدن کی تفریق نہ کرے گو سنگ عظیم اور عصاء کبیر ہو اس میں معنی عمد بھی ہوتے ہیں بایں اعتبار کہ فاعل مارنیکا ارادہ کرتا ہے اور معنی خطا بھی ہوتے ہیں بایں لحاظ کہ اس میں فاعل آلہ قتل استعمال نہیں کرتا اس لئے اس کو قتل شبہ عمد کہتے ہیں، صاحبین اور امام شافعی کے یہاں سنگ عظیم وعصا کبیر سے مارنا قتل عمد میں داخل ہے۔ اور شبہ عمد ان کے یہاں یہ ہے کہ ایسی چیز سے مارنے کا ارادہ کرے جس سے عموماً قتل نہیں کیا جاتا۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا شبہ عمد کیا ہے۔ قتل تو دو ہی ہیں قتل عمد اور قتل خطاء امام صاحب کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے **الا ان دیة الخطاء شبه العمد ما کان بالسوط و العصاء مائة من الابل منها اربعون فی بطونها اولادها۔**"

قولہ الاثم الخ شبہ عمد کا موجب گناہ اور کفارہ اور قاتل کی مددگار برادری پر دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹ میں ۲۵ یکسالہ ہوں۔ ۲۵ دوسالہ ۲۵ سہ سالہ ۲۵ چہار سالہ یہ کل مقدار تین سال میں وصول کی جائے گی۔ **وسیأتی فی کتاب الدیات۔**

قولہ والخطاء الخ تیسری قسم قتل خطا ہے اس کی دو قسمیں ہیں خطا فی القصد، خطا فی الفعل، خطا فی القصد یہ ہے کہ فاعل نے ایک شخص کے تیر مارا جس کو وہ شکار یا کافر حربی یا مرتد سمجھ رہا تھا مگر وہ مسلمان نکلا، خطا فی الفعل یہ ہے کہ فاعل نے نشانہ پر تیر مارا اور وہ کسی آدمی کے لگ گیا چوتھی قسم جاری مجرای خطا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی سو رہا تھا اس نے کروٹ لی اور کوئی دوسرا آدمی کروٹ میں آ کر مر گیا یا کسی بلند جگہ پر سو رہا تھا کروٹ بدلنے میں اوپر سے گر گیا اور نیچے کوئی اور آدمی تھا وہ مر گیا اس قسم کے قتل کا موجب کفارہ ہے اور عاقلہ پر دیت۔ پانچویں قسم قتل بالسبب ہے مثلاً کسی نے حاکم کی اجازت کے بغیر غیر ملک میں کنواں کھودا۔ یا کوئی پتھر رکھدیا اور کوئی آدمی اس میں گر کر یا الجھ کر مر گیا تو اس کا موجب اس کا عاقلہ پر دیت کا واجب ہونا ہے کفارہ نہیں ہے۔

قولہ وللکل الخ قتل کی جمیع اقسام مذکورہ موجب حرمان میراث ہیں یعنی اگر کوئی شخص اپنے مورث کو قتل کر دے تو قاتل اس کی میراث نہ پائے گا بشرطیکہ قاتل عاقل بالغ ہو سوائے قتل بالسبب کے کہ اس میں قاتل مقتول کی میراث سے محروم نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ موجب حرمان مباشرت قتل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل کا فعل مقتول کیساتھ متصل ہو اور یہ چیز قتل بالسبب میں نہیں پائی جاتی کیونکہ اس میں قاتل کا فعل زمین سے متصل ہے نہ کہ مقتول سے، امام شافعی کے یہاں قتل بالسبب تمام احکام مین قتل خطا کیساتھ ملحق ہے کیونکہ شریعت نے اس کو بھی قاتل مانا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے حقیقت قتل معدوم ہے اور ضمان کے حق میں اس کو قاتل کیساتھ لاحق کیا گیا ہے وہ خلاف قیاس ہے۔ تو غیر ضمان کے حق میں اپنی اصل پر باقی رہے گا۔

عہ...... ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد، شافعی، ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، طبرانی عن ابن عمر، ابن راہویہ، عن ابن عباس رض ۱۲

باب مایوجب القصاص وما لایوجب

باب موجب قصاص وغیر موجب قصاص امور کے بیان میں

یَجِبُ الْقِصَاصُ بِقَتْلِ کُلّ مَحْقُوْنِ الدَّمِ عَلٰی التَّابِیْدِ عَمَدًا

واجب ہوتا ہے قصاص ہر ایسے شخص کو قصداً مارڈالنے سے جو ہمیشہ کے لئے محفوظ الدم ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ یجب الخ اقسام قتل کے بیان سے فراغت کے بعد موجب قصاص وغیرہ موجب قصاص قتل کی تفصیل ذکر کررہا ہے جس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ قصاص ہر دائمی محفوظ الدم کو عمداً قتل کرنیسے واجب ہوتا ہے۔ وجوب سے مراد ثبوت استیفاء ہے۔ پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا کہ قصاص معاف کردینا نصاً مندوب ہے اور مندوب ہونا وجوب کے منافی ہے۔ محقون الدم کی قید سے مباح الدم نکل گیا جیسے زانی محصن، حربی کافر، اور پھر محقون الدم کا مطلب یہ ہے کہ وہ بطریق کمال محفوظ الدم ہو۔ تو اگر کوئی شخص دار الحرب میں اسلام لے آئے اور ہجرت سے قبل کوئی قتل کردے تو قاتل سے قصاص نہیں لیا جائیگا کیونکہ مقتول گو اسلام کی وجہ سے محفوظ الدم ہوگیا مگر اس میں کمال حقن نہیں ہے۔ سوال اگر قاتل کوئی ایسا شخص عمداً قتل کردے جو مقتول کے لحاظ سے اجنبی ہو یعنی اس کا وارث نہ ہو تو قاتل کے قاتل پر قصاص واجب ہے۔ حالانکہ قاتل محفوظ الدم نہیں ہے۔ جواب محفوظ الدم سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے قاتل کے لحاظ سے محفوظ الدم ہو اور قاتل اول گو اولیاء مقتول کے لحاظ سے غیر معصوم الدم ہے لیکن اجنبی شخص کے اعتبار سے وہ معصوم الدم ہے۔ لہٰذا قاتل اول کے بدلے میں اجنبی قاتل کو مارا جائے گا۔ تابید کی قید سے مستامن نکل گیا کیونکہ اس کا خون تا قیام دار الاسلام محفوظ ہے نہ کہ ہمیشہ کیلئے۔ سوال اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان فرزند کو عمداً قتل کردے تو باپ پر قصاص واجب نہیں۔ حالانکہ تعریف میں بھی وہ داخل ہے۔ جواب باپ پر قصاص کا واجب نہ ہونا عوارض میں سے ہے یعنی اصل میں تو یہاں بھی قصاص واجب تھا مگر ابوۃ جو قصاص کے ٹل جانے کا شبہ ہے اس کی وجہ سے قصاص منقلب بمال ہوگیا۔ اسی طرح عبد وقف کو عمداً قتل کرنے میں اصل کے اعتبار سے قصاص واجب ہے لیکن مراعات نفع وقف کیوجہ سے قصاص منقلب بدیت ہوگیا۔

وَیُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَبِالْعَبْدِ وَالْمُسْلِمُ بِالذِّمِّیِّ وَلاَ یُقْتَلاَنِ بِالْمُسْتَاْمِنِ وَالرَّجُلُ بِالْمَرْاَۃِ

اور مارا جائیگا آزاد آزاد اور غلام کے عوض میں اور مسلمان ذمی کے عوض میں اور نہیں مارے جائیں گے مستامن کے عوض میں اور مرد عورت کے عوض میں

وَالْکَبِیْرُ بِالصَّغِیْرِ وَالصَّحِیْحُ بِالاَعْمٰی وَبِالزَّمِنِ وَبِنَاقِصِ الاَطْرَافِ وَبِالْمَجْنُوْنِ وَالْوَلَدُ بِالْوَالِدِ

اور بالغ نابالغ کے عوض میں اور تندرست اندھے اپاہج ناقص الاعضاء اور دیوانے کے عوض میں اور بچہ باپ کے عوض میں

وَلاَ یُقْتَلُ الرَّجُلُ بِالْوَلَدِ وَالاُمُّ وَالْجَدُّ وَالْجَدَّۃُ کَالاَبِ وَبِعَبْدِہٖ وَبِمُدَبَّرِہٖ

اور نہیں مارا جائیگا باپ بچہ کے عوض میں اور ماں دادا دادی نانا نانی مثل باپ کے ہیں اور مالک اپنے غلام مدبر

وَبِمُکَاتَبِہٖ وَبِعَبْدِ وَلَدِہٖ وَبِعَبْدٍ مَلَکَ بَعْضَہٗ وَاِنْ وَرِثَ قِصَاصًا عَلٰی اَبِیْہِ سَقَطَ.

مکاتب اپنے بیٹے کے غلام اور ایسے غلام کے عوض میں جس کے بعض کا مالک ہے اگر وارث ہوجائے قصاص کا اپنے باپ پر تو ساقط ہوجائیگا۔

تفصیل احکام قصاص

تشریح الفقہ: قولہ ویقتل الخ قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا' مقتول آزاد ہو یا غلام' مرد ہو یا عورت' ائمہ ثلاثہ کے یہاں آزاد غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قاتل پر اس کی قیمت کا تاوان ہوگا۔ کیونکہ آیت ''الحر بالحر والعبدو بالعبد'' میں مقابلہ حر بالحر و مقابلہ عبد بالعبد مقابلہ جنس بالجنس ہے۔ جس کا مقتضی یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں نہ مارا جائے نیز بناء قصاص مساوات پر ہے اور آزاد و غلام میں کوئی مساوات نہیں کیونکہ آزاد مالک ہوتا ہے اور غلام مملوک اور مالکیت علامت قدرت ہے اور مملوکیت امارۂ عجز۔ ہماری دلیل نصوص کا اطلاق ہے۔ قال تعالیٰ النفس بالنفس' جان کو جان کے بدلے میں قتل کیا جائے اس میں آزاد غلام کی کوئی قید نہیں تو یہ آیت ''الحر بالحر اھ کے لئے ناسخ ہے جیسا کہ جلال الدین سیوطی شافعی نے تفسیر درر المنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح'' کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ میں قتلیٰ (مقتول) عام ہے اور ''ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا لولیہ سلطانا'' میں من قتل بصیغہ تعمیم ہے۔ احادیث صحیحہ الاباحدی ثلاث الثیب الزانی والنفس بالنفس اھ اور ''العمد القود'' وغیرہ میں بھی عموم ہے۔ رہا ائمہ ثلاثہ کا مقابلہ مذکورہ سے استدلال سو وہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں تخصیص ذکری ہے جو ماسوی کی نفی نہیں کرتی پس اس تخصیص سے غلام کے بدلے قتل آزاد کی نفی نہیں ہوتی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے کیونکہ آیت میں انثی کا مقابلہ انثی کے ساتھ ہے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں' سوال اگر ماعدا کی نفی مقصود نہیں ہے پھر تخصیص بالذکر کا کیا فائدہ؟ جواب اس میں ان لوگوں پر رد منظور ہے جو مقتول کے بدلے میں غیر قاتل کا ارادہ رکھتے تھے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عرب کے دو قبیلے تھے بنونضیر' بنو قریظہ' اور بنونضیر کے لوگ اپنی فضیلت کے مدعی تھے جب ان کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو کہتے کہ جب تک اپنی عورت کے بدلے ان کا مرد اور اپنے غلام کے بدلے ان کا آزاد نہ ماریں اس وقت تک ہم راضی نہ ہوں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آزاد کو آزاد' غلام کو غلام' عورت کو عورت کے بدلے میں مارا جائے اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ الحر اور العبد میں الف لام تعریف عہد کے لئے ہے نہ کہ تعریف جنس کیلئے اور مساوات کا مدار عصمت پر ہے۔ جس کا تحقق دین اور دار الاسلام کے ذریعہ ہوتا ہے اور اس میں آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں۔

قولہ والمسلم الخ مسلمان کو ذمی کے بدلے میں مارا جائے گا امام شافعی اسکے خلاف ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے ''لایقتل مؤمن بکافر'' ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ذمی کے بدلے میں قتل کیا۔ اور فرمایا'' انا اکرم من وفی زمتہ عہ''سوال اس حدیث کا مدار ابن البیلمانی پر ہے حافظ صالح بن محمد نے کہا ہے کہ اس کی حدیث منکر ہے۔ حافظ دار قطنی فرماتے ہیں کہ اس کی تو موصول روایت بھی قابل حجت نہیں تو مرسل کب حجت ہوسکتی ہے۔ جواب اول تو اصولی طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ طعن بالا رسال اور طعن مبہم مقبول نہیں۔ دوم یہ کہ ابن حبان وغیرہ نے اس کو ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے۔ سوم یہ کہ مضمون حدیث حضرت علیؓ و حضرت عمرؓ کے آثار سے مؤید ہے۔ اس لئے بے سوچے سمجھے ضعیف کہہ دینے سے کام نہیں چلتا' رہا امام شافعی کا مستدل سو اس میں کافر سے مراد حربی کافر ہے کیونکہ حدیث میں اس پر'' ولا ذو عہد فی عہدہ'' کا عطف ہے۔ اور عطف مقتضی مغایرت ہوتا ہے تو معنی یہ ہوئے۔ ''ولا یقتل ذو عہد بکافر'' اور ذمی کو ذمی کے بدلے میں قتل کرنا مجمع علیہ ہے۔ معلوم ہوا کہ کافر سے مراد حربی ہے۔

قولہ ولا یقتل الرجل الخ بچہ کے قتل میں باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ولد کے بدلے میں والد سے قصاص نہ لیا جائے'' امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر باپ نے اپنے بچہ کو قصداً قتل کیا تو قصاص لیا جائے گا اور اگر بلا ارادہ قتل تلوار یا چھری وغیرہ پھینک ماری تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔ مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے۔

(تنبیہ): جواہر مالکیہ میں حضرت اشہب کا قول ہے کہ والد کو ولد کے بدلے کسی حالت میں بھی قتل نہیں کیا جائے گا اس شبہ کی وجہ سے کہ حدیث میں وارد ہے" انت ومالک لابیک" اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے مذہب میں قصاص والد کی روایت معتمد نہیں ورنہ کتب مالکیہ میں علی العموم قصاص کی نفی مذکور نہ ہوتی (واللہ اعلم)۔

قولہ وان ورث الخ اگر بیٹا باپ پر قصاص کا وارث ہو جائے مثلاً باپ نے اپنے خسر کو قتل کر دیا اور اس کی بیٹی (جو قاتل کی زوجہ ہے) کے علاوہ اور کوئی اس کا وارث نہیں۔ اور وہ عورت بھی مرگئی تو اس عورت کا بیٹا جو قاتل کے نطفہ سے ہے اس قصاص کا وارث ہوا جو اس کے باپ پر واجب ہے۔ تو یہ قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ بیٹا باپ پر مستوجب عقوبت نہیں ہے۔

قولہ وانما یقتص الخ ہمارے یہاں قصاص صرف تلوار سے لیا جائیگا۔ گو قاتل نے مقتول کو تلوار کے علاوہ کسی اور ہتھیار سے قتل کیا ہو امام شافعی کے یہاں قاتل کیساتھ وہی فعل کیا جائے گا جو اس نے مقتول کیساتھ کیا ہے بشرطیکہ وہ فعل مشروع ہو امام مالک، امام احمد اور اصحاب ظاہر بھی یہی کہتے ہیں دلیل یہ آیت ہے" وان عاقبتم فعا قبو ابمثل ماعو قبتم بہ" نیز حدیث میں ہے کہ" ایک یہودی نے انصاری عورت کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا تھا۔ تو آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ یہودی کا سر بھی کچلا جائے" ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قصاص نہیں مگر تلوار سے" رہی آیت سو اس میں مماثلت فی العدد مراد ہے نہ کہ مماثلت فی الفعل دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ و حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت حمزہؓ کو مثلہ کر کے شہید کیا گیا تو آنحضرت ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ اگر میں قاتلین پر ظفریاب ہو گیا تو ان کے ستر آدمیوں کو مثلہ کرونگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے صبر کیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک کے بدلے میں ستر کو مثلہ کرنا جائز نہیں بلکہ ایک کا بدلہ ایک ہی سے لیا جائے گا۔ اور یہودی کا سر کچلوانا بطریق سیاست تھا نہ کہ بطریق قصاص کیونکہ یہ مشہور فسادی شخص تھا۔

وَاِ نَّمَا يُقْتَصُّ بِالسَّيْفِ مُكَاتَبٌ قُتِلَ عَمْدًا وَتَرَكَ وَفَاءً وَوَارِثُهُ سَيِّدُهُ فَقَطْ اَوْ لَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً

اور قصاص تلوار ہی سے لیا جاتا ہے مکاتب قتل کر دیا گیا عمداً اور اس نے مال چھوڑا اور اس کا وارث صرف اس کا مالک ہے یا اس نے مال نہیں چھوڑا

وَلَهُ وَارِثٌ يُقْتَصُّ وَاِنْ تَرَكَ وَفَاءً وَوَارِثًا لَا وَاِنْ قُتِلَ عَبْدُ الرَّهْنِ لَايُقْتَصُّ

مگر اس کا کوئی اور وارث ہے تو قصاص لیا جائیگا اور اگر چھوڑا مال بھی اور وارث بھی تو نہیں اگر قتل کر دیا گیا مرہون غلام تو قصاص نہیں لیا جائیگا

حَتّٰى يَجْتَمِعَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ وَلِاَبِ الْمَعْتُوْهِ اَلْقَوَدُ وَالصُّلْحُ لَاالْعَفُوْ بِقَتْلِ وَلِيِّهٖ

یہاں تک کہ جمع ہوں راہن اور مرتہن بے عقل آدمی کے باپ کے لئے قصاص ہے اور صلح نہ کہ معاف کرنا اس کے ولی کے قتل کرنے سے

وَالْقَاضِيْ كَالْاَبِ وَالْوَصِيُّ يُصَالِحُ فَقَطْ وَالصَّبِيُّ كَالْمَعْتُوْهِ وَلِلْكِبَارِ اَلْقَوَدُ قَبْلَ كِبَرِ الصِّغَارِ

اور قاضی باپ کی طرح ہے اور وصی صرف صلح کر سکتا ہے اور بچہ مثل بے عقل کے ہے اور بالغ ورثہ کے لئے قصاص ہے نابالغوں کے بالغ ہونے سے پہلے

عہ...... بخاری، ابوداؤد، نسائی عن علی، ابوداؤد، ابن ماجہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، بخاری (فی تاریخہ الکبیر) عن عائشہ ۱۲ دارقطنی، بیہقی، عن ابن عمر (مسنداً) ابوداؤد، عبدالرزاق، شافعی، دارقطنی عن عبدالرحمٰن بن البیلمانی، ابوداؤد عن عبداللہ بن عبدالعزیز بن صالح الحضرمی (مرسلاً) ۱۲۔ عہ...... ترمذی، ابن ماجہ، احمد، ابن حمید عن عمر، ترمذی، ابن ماجہ، بزار، حاکم، دارقطنی، بیہقی عن ابن عباس، ترمذی، دارقطنی عن سراقہ بن مالک (بالفاظ) ۱۲

عہ...... اور اگر بدلہ لو تم بدلہ برابر اس کے کہ ایذاء دیئے گئے ہو تم اس کیساتھ ۱۲۔ عہ...... صحیحین عن انس ۱۲۔ سہ...... ابن ماجہ، بزار، بیہقی، دارقطنی، ابن عدی عن ابی بکرہ (مرفوعاً) احمد، ابن ابی شیبہ عن الحسن، ابن ماجہ عن النعمان بن بشیر، طبرانی، دارقطنی، ابن عدی عن ابن مسعود، دارقطنی، ابن عدی عن ابی ہریرہ، دارقطنی عن علی ۱۲

وَاِنْ قَتَلَهٗ بِمَرٍّ يُقْتَصُّ اِنْ اَصَابَهُ الْحَدِيْدُ وَاِلَّا لَا كَالْخَنقِ وَالتَّغْرِيْقِ وَمَنْ جَرَحَ رَجُلاً عَمَدًا

اگر قتل کیا کسی کو کدال سے تو قصاص لیا جائیگا اگر لگی ہو اس کو دھار والی طرف ورنہ نہیں جیسے گلا دبانا اور ڈبا دینا جس نے زخمی کیا کسی کو جان کر

فَصَارَ ذَا فِرَاشٍ وَمَاتَ يُقْتَصُّ وَاِنْ مَاتَ بِفِعْلِ نَفْسِهٖ وَزَيْدٍ وَاَسَدٍ وَحَيَّةٍ ضَمِنَ زَيْدٌ ثُلُثَ الدِّيَةِ

وہ صاحب فراش رہا اور مرگیا تو قصاص لیا جائیگا اگر مرگیا اپنے فعل سے اور زید شیر اور سانپ کے فعل سے تو ضامن ہوگا زید تہائی دیت کا

وَمَنْ شَهَرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ سَيْفًا وَجَبَ قَتْلُهٗ وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهٖ وَمَنْ شَهَرَ عَلٰى رَجُلٍ سِلَاحًا لَيْلاً اَوْ نَهَارًا

جو سونتے تلوار مسلمانوں پر تو اس کا مارڈالنا واجب ہے اور کچھ نہیں اس کے مارڈالنے سے جس نے سونتا کسی پر ہتھیار رات میں یا دن میں شہر میں

فِي الْمِصْرِ اَوْ غَيْرِهٖ اَوْ شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا لَيْلاً فِيْ مِصْرٍ اَوْ نَهَارًا فِيْ غَيْرِهٖ فَقَتَلَهُ الْمَشْهُوْرُ عَلَيْهِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ.

یا غیر شہر میں یا اٹھائی گئی اس پر لاٹھی رات کو شہر میں یا دن کو غیر شہر میں اور مشہور علیہ نے اس کو مارڈالا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔

مسئلہ قتل مکاتب مع صور اربعہ ودیگر احکام قصاص)

توضیح اللغۃ: وفاء اتنا مال جس سے بدل کتابت ادا ہو سکے، معتوہ بے عقل، مر کدال، خنق گلا گھونٹنا، حیۃ سانپ۔

تشریح الفقہ: **قولہ مکاتب الخ** مسئلہ قتل مکاتب کی چار صورتیں ہیں (۱) مکاتب کو کسی نے عمداً قتل کیا اور وہ بدل کتابت اور آقا چھوڑ کر مرا (۲) اس نے آقا کے علاوہ کوئی اور وارث چھوڑا اور بدل کتابت نہیں چھوڑا (۳) آقا کے علاوہ نہ کوئی وارث چھوڑا اور نہ بدل کتابت (۴) بدل کتابت، وارث اور آقا سب چھوڑے۔ ان میں سے (۱) میں شیخین کے نزدیک قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ امام محمد کے نزدیک نہیں لیا جائے گا۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں سبب استحقاق مختلف ہے۔ اس واسطے کہ اگر مکاتب آزاد ہو کر مرا ہے۔ تب تو سبب استحقاق ولاء ہے اور اگر غلامی کی حالت میں مرا ہے تو ملک ہے پس اشتباہ حال کیوجہ سے آقا قصاص کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ اختلاف سبب اختلاف مستحق کے حکم میں ہوتا ہے۔ شیخین فرماتے ہیں کہ بہر دو تقدیر مستحق قصاص بالیقین آقا ہی ہے۔ اور حکم بھی متحد و معلوم ہے۔ اس لئے اختلاف سبب مضر نہیں۔ کیونکہ سبب لذاتہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کے حکم کی وجہ سے مقصود ہوتا ہے۔ (۲) و (۳) میں آقا بالاتفاق مستحق قصاص ہے۔ کیونکہ جب مکاتب بدل کتابت چھوڑنے بغیر مرگیا تو کتابت فسخ ہوگئی اور وہ غلامی کی حالت میں مرا لہٰذا اس کا آقا قصاص لیگا۔ (۴) میں بالاجماع قصاص نہیں۔ کیونکہ اس مکاتب کے آزاد یا غلام ہو کر مرنے میں صحابہ کا اختلاف ہے۔ حضرت علی و ابن مسعود ہو تو ولی قصاص وارث ہوگا اور ثانی صورت ہو تو ولی قصاص آقا ہوگا۔ پس اس اشتباہ کی بنا پر ولی متعین نہ ہونے کیوجہ سے قصاص مرتفع ہوگیا۔

قولہ وان قتل الخ جبتک راہن و مرتہن دونوں موجود نہ ہوں اس وقت تک مرہون غلام کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائیگا کیونکہ مرتہن تو اس کا مالک نہیں جو قصاص کا مستحق ہو اور راہن بذات خود قصاص لے تو مرتہن کا حق باطل ہوتا ہے اسلئے دونوں کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ مرتہن کا حق اس کی رضامندی سے ساقط ہو امام محمد کے یہاں عبد مرہون کے بدلے میں قصاص نہیں ہی نہیں گو راہن و مرتہن دونوں موجود ہوں **کذافی الجوھرۃ وفی الشر نبلالیۃ عن الظھیریۃ انہ اقرب الی الفقہ۔**

قولہ ولا ب للمعتوہ الخ بے عقل فرزند کے قرابتدار (یعنی اس کے اخیافی بھائی اور اس کی ماں اور بیٹے) کے قتل کے بدلے اس کے باپ کو تشفی صدر و تسکین دل کی خاطر قاتل سے قصاص لینا جائز ہے اور جب قصاص جائز ہے تو صلح بطریق اولیٰ جائز ہوگی کیونکہ یہ اس کے حق میں قصاص کی بہ نسبت نافع تر ہے۔ البتہ باپ کو معاف کردینے کا اختیار نہیں کیونکہ اس میں اس کے حق کو باطل کرنا ہے۔

قولہ وللکبار الخ جب قصاص صغار و کبار اولیاء کے درمیان مشترک ہو تو امام صاحب کے نزدیک صغیر ورثہ کے جوان ہونے سے پہلے مقتول کے عاقل بالغ وارثوں کو قصاص لینے کا اختیار ہے خواہ ان کے لئے مال صغیر میں تصرف کی ولایت ہو یا نہ ہو امام مالک لیث بن سعد، حماد بن سلیمان اور امام اوزاعی بھی یہی فرماتے ہیں کہ اور ایک روایت امام محمد سے بھی یہی ہے، صاحبین اور امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اگر ورثہ کبار مال صغیر میں تصرف کے ولی نہ ہوں تو جب تک صغیر وارث جوان نہ ہو جائیں اس وقت تک قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اس واسطے کہ قصاص کبیر و صغیر میں مشترک ہے اور کبیر کو صغیر پر ولایت نہیں جو وہ اس کا حق حاصل کرے اور عدم تجزی کی بنا پر بعض حق کا استیفا ممکن نہیں لہذا استیفاء حق بلوغ صغیر تک مؤخر کیا جائیگا امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی کے عوض میں ابن ملجم کو قتل کیا گیا آپ کے ورثہ میں جو صغیر وارث تھے مثلاً حضرت عباس کہ اس وقت ان کی عمر صرف چار سال کی تھی بالغ ہونے کا انتظار نہیں کیا گیا اور یہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا تو یہ بمنزلۂ اجماع کے ہو گیا۔

قولہ وان قتلہ بمر الخ اگر مقتول کو کدال اور پھاوڑے سے قتل کیا اور اسکو لوہے کی باڑھ یا اسکی پیٹھ لگی تو بالاتفاق قاتل سے قصاص لیا جائیگا اور اگر دستہ چوبی سے قتل کیا تو امام صاحب کے نزدیک قصاص نہ ہوگا جیسے کوئی کسی کو ڈباوے یا کسی کا گلا گھونٹ کر مار دے صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک قصاص ہوگا کیونکہ قتل تام حق موجود ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ قصاص کا تعلق عمد محض کے ساتھ ہے اور وہ یہ ہے کہ آلہ جارحہ سے قتل کرے اور یہ چیز یہاں نہیں پائی گئی لہذا قصاص نہ ہوگا۔

قولہ وان مات الخ عمرو نے اپنے سر میں خود زخم لگالیا اور زخم زید نے لگادیا پھر شیر نے پھاڑ ڈالا اور سانپ نے بھی ڈس لیا تو زید پر ثلث دیت کا تاوان ہوگا کیونکہ شیر اور سانپ کا فعل جنس واحد ہے کہ نہ اس پر دنیا میں کچھ واجب ہے نہ آخرت میں اور زید کا فعل دونوں جہاں میں معتبر ہے اور خود عمرو کا فعل دنیا کے لحاظ سے باطل ہے اور آخرت کے اعتبار سے بالاتفاق گنہگار ہے تو یہاں تین قسم کی جنایتیں جمع ہو گئیں جن میں سے ایک معتبر ہے اور دو غیر معتبر لہذا زید پر تہائی دیت واجب ہوگی امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر زید کا فعل عمداً ہو تو اس پر قصاص واجب ہوگا۔ امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔

قولہ ولاشئی علیہ الخ اگر کوئی شخص کسی پر رات میں یا دن میں شہر میں یا جنگل میں ہتھیار اٹھائے یا رات کو شہر میں یا دن کو جنگل میں لاٹھی اٹھائے اور جس پر اس نے ہتھیار اٹھایا ہے وہ اس کو مار ڈالے تو اس پر نہ قصاص ہے نہ دیت کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص بارادہ قتل کسی مسلمان کیطرف لوہے (ہتھیار) سے اشارہ کرے اس کا قتل واجب ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص ہم پر تلوار سونتے وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔

وَاِنْ شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا نَهَارًا فِي مِصْرٍ فَقَتَلَهُ الْمَشْهُوْرُ عَلَيْهِ قُتِلَ بِهٖ وَاِنْ شَهَرَ الْمَجْنُوْنُ عَلٰى غَيْرِهٖ سِلَاحًا

اور اگر اٹھائی اس پر لاٹھی دن کو شہر میں پس مشہور علیہ نے اس کو مار ڈالا تو اس کے عوض میں قتل کیا جائیگا اگر کھینچا دیوانے نے کسی پر ہتھیار

فَقَتَلَهُ الْمَشْهُوْرُ عَلَيْهِ عَمْدًا تَجِبُ الدِّيَةُ وَعَلٰى هٰذَا الصَّبِيُّ وَالدَّابَّةُ وَلَوْ ضَرَبَهُ الشَّاهِرُ فَانْصَرَفَ فَقَتَلَهُ الْاٰخَرُ

پس مشہور علیہ نے اس کو قتل کر دیا تو دیت واجب ہوگی اسی حکم پر ہے بچہ اور چوپایہ اگر مارا کسی کو تلوار کھینچنے والے نے اور چلا گیا پھر قتل کر دیا اس کو دوسرے نے

قُتِلَ الْقَاتِلُ وَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ لَيْلًا فَاَخْرَجَ السَّرِقَةَ فَاتَّبَعَهٗ فَقَتَلَهٗ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ.

تو قاتل کو قتل کیا جائیگا جس کے یہاں آیا کوئی رات میں اور نکالا اس نے چوری کا مال پس مالک نے اس کا پیچھا کیا اور مار ڈالا تو اس پر کچھ نہیں۔

احمد، حاکم عن عائشۃ ۱۲ ۔ مسلم عن سلمہ بن الاکوع ۱۲

باقی احکام قصاص

تشریح الفقہ: **قولہ وان شھر المجنون الخ** دیوانے یا چھوٹے بچہ نے کسی پر ہتھیار سونتا اور مشہور علیہ نے اس کا مار ڈالا یا کسی جانور نے حملہ کیا اور اس نے جانور کو مار ڈالا تو طرفین کے نزدیک مارنیوالے کے مال میں دیت واجب ہوگی اور جانور کی قیمت کا تاوان دینا ہوگا' امام مالک' امام شافعیؒ اور اکثر اہل علم کے نزدیک ان سب صورتوں میں کچھ واجب نہیں' امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ صرف جانور کی قیمت کا تاوان ہوگا یہ حضرات کہتے ہیں کہ مارنیوالے نے دفع شر کے واسطے مارا ہے اس لئے کچھ واجب نہ ہوگا۔ طرفین یہ فرماتے ہیں کہ صغیر ومجنون اور جانور کا فعل حرمت کیساتھ متصف نہیں تو بغاوت ثابت نہ ہوئی پس اختیار صحیح نہ ہونے کے سبب سے ان کے خون کی عصمت ساقط نہ ہوگی یہی وجہ ہے کہ اگر مجنون اور صغیر کسی کو قتل کردے تو قصاص نہیں ہوتا اسی طرح اگر جانور کسی کا نقصان کردے تو اس پر تاوان نہیں ہوتا پھر جب ان کا خون معصوم ہوا تو قصاص واجب ہونا چاہئے۔ مگر دفع شر نے خون مباح کردیا اس لئے قصاص نہ ہوگا دیت ہوگی۔

قولہ ومن دخل الخ کسی کے گھر میں رات کے وقت کوئی اجنبی آیا اور اس نے گھر میں سے چوری کا مال نکالا۔ صاحب خانہ نے اس کا پیچھا کیا اور اس کو مار ڈالا تو اس پر کچھ نہیں نہ قصاص نہ دیت کیونکہ حدیث میں ہے کہ "ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر کوئی شخص میرے پاس آئے اور میرا مال لینا چاہے (تو میں کیا کروں) آپ نے فرمایا: اس کو نصیحت کرو۔ اس نے کہا: اگر وہ نہ مانے؟ فرمایا: حاکم سے مدد مانگ اس نے کہا: اگر حاکم مجھ سے دور ہو؟ فرمایا: آس پاس کے مسلمانوں سے مدد چاہ۔ اس نے کہا: اگر میرے پاس کوئی نہ ہو؟ فرمایا: اپنے مال کے لئے مقاتلہ کر یہاں تک کہ تو اپنا مال بچائے یا شہداء میں سے ہو جائے۔"

---

(۱) لا مکان دفعه بالغوث نهارًا ۱۲ .(۲) لان الشاهر لما انصرف بعدا لضرب عاد معصوماً وا ندفع شره فاذا قتله بعد ذلک فقد قتل شخصاً معصوماً فیجب علیه القصاص ۱۲ . عه......نسائی ' ابن راهویه' ابن قانع(فی معجم الصحابة) ابراهیم الحربی (فی غریب الحدیث) عن ابی قابو س المخارق ' بخاری (فی تاریخه الوسط) سلم عن ابی هریرة (بالفاظ) ۱۲

باب القصاص فیما دون النفس

باب جان کے علاوہ کے قصاص کے بیان میں

يُقْتَصُّ بِقَطْعِ الْيَدِ مِنَ الْمَفْصَلِ وَاِنْ كَانَ يَدُ الْقَاطِعِ اَكْبَرُ وَكَذَا الرِّجْلُ وَمَارِنُ الْاَنْفِ وَالْاُذُنُ وَالْعَيْنُ

قصاص لیا جائیگا ہاتھ کو پہنچے سے کاٹ دینے میں گو کاٹنے والے کا ہاتھ بڑا ہو اسی طرح پاؤں ہے اور نتھنا اور کان اور آنکھ

اِنْ ذَهَبَ ضَوْءُهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ وَلَوْ قَلَعَهَا لاَ وَالسِّنُّ وَاِنْ تَفَاوَتَا وَكُلُّ شَجَّةٍ يَتَحَقَّقُ فِيْهَا الْمُمَاثَلَةُ

اگر جاتا رہے اس کا نور اور آنکھ قائم رہے اور اگر آنکھ نکال لی تو نہیں اور دانت گو متفاوت ہوں اور ہر وہ زخم جس میں مماثلت ہو سکتی ہو

وَلاَ قِصَاصَ فِي عَظْمٍ وَطَرَفَيْ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ وَحُرٍّ وَعَبْدٍ وَعَبْدَيْنِ وَطَرَفُ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ سِيَّانِ

اور نہیں ہے قصاص ہڈی میں اور مرد و عورت آزاد و غلام اور دو غلاموں کے ہاتھ پاؤں میں اور مسلم و کافر کے اعضاء یکساں ہیں

وَقَطْعُ يَدٍ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ وَجَائِفَةٍ بَرَأَ مِنْهَا وَلِسَانٍ وَذَكَرٍ اِلاَّ اَنْ تُقْطَعَ الْحَشَفَةُ وَخُيِّرَ

اور ہاتھ کاٹنے میں آدھے پہنچے سے اور پیٹ کے زخم میں جس سے اچھا ہو گیا ہو اور زبان اور عضو مخصوص میں الا یہ کہ کاٹ دی ہو سپاری اور اختیار

بَيْنَ الْقَوَدِ وَالاَرْشِ اِنْ كَانَ الْقَاطِعُ اَشَلَّ اَوْ نَاقِصَ الاَصَابِعِ اَوْ كَانَ رَاْسُ الشَّاجِّ اَكْبَرَ.

دیا جائیگا قصاص اور دیت میں اگر ہو کاٹنے والے کا ہاتھ سوکھا ہوا یا اسکی انگلیاں ناقص ہوں یا زخم لگانے والے کا سر بڑا ہو

تشریح الفقہ: **قولہ باب الخ** قصاص نفس کے احکام سے فراغت کے بعد قصاص مادون النفس (ہاتھ، پاؤں، کان، ناک، وغیرہ) کے احکام بیان کر رہا ہے کیونکہ جز حکم میں کل تابع ہوتا ہے قصاص مادون النفس کتاب و سنت اور اجماع سب سے ثابت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "**والجروح قصاص** "ای ذو قصاص" **وقال تعالیٰ والسن بالسن**" حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے جاریہ انصاریہ کا دانت توڑا تو آنحضرت ﷺ نے قصاص کا حکم فرمایا۔

قولہ یقتص الخ قصاص اطراف کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جہاں اعضا ظالم و مظلوم کے نقصان کی برابری ممکن ہو وہاں قصاص لیا جائے گا اور جہاں حفظ مماثلت ممکن نہیں وہاں قصاص نہ ہوگا تو اگر کسی نے دوسرے کا ہاتھ عمداً کہنی کے جوڑ سے کاٹ دیا تو کاٹنے والے کا ہاتھ بھی وہیں سے کاٹا جائے گا گو قاطع کا ہاتھ مقطوع کے ہاتھ سے بڑا ہو یعنی قصاص میں چھوٹے بڑے کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ منفعت میں دونوں عضو یکساں ہیں اور اگر دوسرے کا نرمہ بینی یا پاؤں یا کان جوڑ سے کاٹ دیا تو اس کا بھی کاٹا جائے گا اسی طرح اگر دوسرے کی آنکھ پر مارا جس سے اس کی روشنی جاتی رہی لیکن آنکھ بیٹھی نہیں قائم ہے تو اس میں بھی قصاص ہوگا کیونکہ رعایت مماثلت ممکن ہے جس کی صورت یہ ہے کہ ضارب کے منہ پر بھیگی ہوئی روئی رکھ کر اس کی آنکھ کے مقابل گرم آئینہ رکھا جائے یہاں تک کہ اس کی روشنی زائل ہو جائے یہ حکم خلافت عثمانی میں علی مرتضیٰ کی تجویز سے بحضور صحابہ کرام ہوا تھا ہاں اگر آنکھ گوشہ چشم سے نکال ڈالی تو اس میں قصاص نہ ہوگا۔ کیونکہ اب رعایت مساوات متعذر ہے۔

---

(۱) لقول عمرؓ "انا لا نقید من العظام" ونحوه عن الشعبی والحسن رواه ابن ابی شیبه ۱۲۔ (۲) ای لاقصاص عند نافی الطرف بین رجل وامرأة اه خلافاً للثلاثة وابن ابی لیلیٰ فی جمیع ذلک الا فی الحر ۱۲۔ (۳) لعدم امکان المماثلة ۱۲۔ (۴) وعن ابی یوسف انه اذاقطع من اصله یجب لانه یمکن اعتبار المساواة ولنا انه ینقبض وینبسط فلا یمکن اعتبار المساواة ۱۲۔

قولہ وخیر الخ اگر قاطع ید لنجا ہو یا ناقص الاطراف ہو یا سر زخمی کرنے والے کا سر مشجوج کے سر سے بڑا ہو تو مشجوج کو اختیار ہے چاہے قصاص لے چاہے دیت اس واسطے کہ ان صورتوں میں استیفاء حق علی وجہ الکمال متعذر ہے حموی نے ولوالجی سے نقل کیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب قاطع ید بوقت قطع لنجا ہو اور اگر بوقت قطع اس کا ہاتھ صحیح سالم ہو اور قطع کے بعد لنجا ہو جائے تو مقطوع الید قصاص لے گا نہ کہ دیت، شیخ برہان الدین نے ذکر کیا ہے کہ اختیار مذکور اس وقت ہے جب لنجے ہاتھ سے نفع حاصل ہوتا ہو، اگر اس سے فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو وہ محل قصاص نہیں لہذا مقطوع کے لئے بلا اختیار قصاص پوری دیت متعین ہوگی فتوی اسی پر ہے۔ کذا فی المجتبی۔

فَصْلٌ: وَاِنْ صُوْلِحَ عَلٰی مَالٍ وَجَبَ حَالًّا وَسَقَطَ الْقَوَدُ وَیُنَصَّفُ اِنْ اَمَرَ الْحُرُّ الْقَاتِلُ

(فصل) اگر صلح کرلی گئی مال پر تو واجب ہوگا مال اسی وقت اور ساقط ہو جائیگا قصاص اور آدھا آدھا لیا جائیگا اگر حکم کیا ہو آزاد قاتل

وَسَیِّدُ الْقَاتِلِ رَجُلًا بِالصُّلْحِ عَنْ دَمِهِمَا عَلٰی اَلْفٍ فَفَعَلَ

اور قاتل غلام کے مالک نے کسی کو صلح کرنے کا ان کے خون کی طرف سے ہزار پر اور اس نے صلح کرادی ہو

فَاِنْ صَالَحَ اَحَدُ الْاَوْلِيَاءِ مِنْ حَظِّهٖ عَلٰی عِوَضٍ اَوْ عَفٰی فَلِمَنْ بَقِیَ حَظُّهٗ مِنَ الدِّيَةِ.

اگر صلح کرلے کوئی وارث اپنے حصہ کی طرف سے مال پر یا اپنا حق معاف کردے تو باقی ماندگان کو حصہ دیت ہی سے ملیگا۔

موجب قتل کی طرف سے صلح کر لینے کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ وینصف الخ آزاد قاتل نے اور قاتل غلام کے آقا نے ایک شخص کو ہزار درہم پر اس خون کے بدلے میں صلح کرنے کا حکم کیا جس میں آزاد اور غلام دونوں شریک تھے شخص مامور نے دونوں کے مشترک خون سے ہزار درہم پر صلح کرلی تو ہزار درہم آزاد قاتل پر اور قاتل غلام کے آقا پر نصفا نصف ہوں گے اس واسطے کہ یہ ہزار درہم قصاص کا عوض ہے۔ اور قصاص دونوں پر واجب تھا تو قصاص کا بدل بھی دونوں پر برابر ہوگا۔

قولہ فان صالح الخ زید نے عمرو کو قتل کیا اور عمرو کے چند ورثہ ہیں جن میں سے بعض نے قصاص معاف کردیا یا اپنے حصہ کی جانب سے کچھ مال پر صلح کرلی تو سب کا حق قصاص ساقط ہو جائے گا اور باقی ورثہ کا حق مال دیت کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اور اب جن ورثہ نے نہ قصاص معاف کیا اور نہ صلح کی وہ اپنا حصہ دیت سے پائے گے۔

وَیُقْتَلُ الْجَمْعُ بِالْفَرْدِ وَالْفَرْدُ بِالْجَمْعِ اِكْتِفَاءً فَاِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ قُتِلَ لَهٗ

اور قتل کیجائیگی جماعت ایک کے بدلے اور ایک جماعت کے بدلے اکتفاء پس اگر آویں ایک مقتول کے وارث تو قتل کیا جائیگا اس کے لئے

وَسَقَطَ حَقُّ الْبَاقِیْنَ كَمَوْتِ الْقَاتِلِ وَلَا یُقْطَعُ یَدُ رَجُلَیْنِ بِیَدِ وَاحِدٍ وَضَمِنَا دِيَتَهَا

اور ساقط ہو جائیگا باقی ورثہ کا حق قاتل کے مرجانے کی طرح اور نہیں کاٹا جائیگا دو کا ہاتھ ایک کے ہاتھ کے بدلے بلکہ دونوں ہاتھ کی دیت کا تاوان

۱۔۔۔۔۔ عبدالرزاق عن حکم بن عیینہ ۱۲

وَاِنْ قَطَعَ وَاحِدٌ يَمِيْنَىْ رَجُلَيْنِ فَلَهُمَا قَطْعُ يَمِيْنِهٖ وَنِصْفُ الدِّيَةِ فَاِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ

دینگے اگر کسی نے دو آدمیوں کے داہنے ہاتھ کاٹ دیئے تو ان کے لئے اس کا ہاتھ کاٹنا اور آدھی دیت لینا ہے پس اگر ایک کی موجودگی میں

وَقُطِعَ يَدُهٗ فَلِلْاٰخَرِ عَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَاِنْ اَقَرَّ عَبْدٌ بِقَتْلِ عَمْدٍ يُقْتَصُّ بِهٖ وَاِنْ رَمٰى رَجُلاً عَمْدًا

اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو دوسرے کیلئے آدھی دیت ہے اگر اقرار کرلیا غلام نے قتل عمد کا تو قصاص لیاجائے گا اگر تیر مارا کسی کو قصدا

فَنَفَذَ السَّهْمُ مِنْهُ اِلٰى اٰخَرَ يُقْتَصُّ لِلْاَوَّلِ وَلِلثَّانِىْ الدِّيَةُ.

اور تیر پار ہوکر دوسرے کے لگ گیا تو اول کے لئے قصاص لیاجائے گا اور ثانی کے لئے دیت۔

تشریح الفقہ: قولہ ویقتل الخ اگر کسی ایک شخص کو پوری جماعت نے مل کر قتل کیا اور ہر ایک نے مہلک زخم لگایا تو اس کے بدلہ میں پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا ائمہ ثلاثہ اور اکثر اہل علم صحابہ کا یہی قول ہے ابن الزبیر اور زہری وغیرہ فرماتے ہیں کہ جماعت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ سب پر دیت واجب ہوگی کیونکہ آیت ''النفس بالنفس'' کا مفہوم یہی ہے کہ ایک کے بدلہ میں ایک سے زائد کو قتل نہ کیا جائے نیز قصاص میں مساوات ضروری ہے اور ایک اور دس میں کوئی مساوات نہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک کے بدلہ میں پانچ یا سات آدمیوں کو قتل کیا اور فرمایا کہ اگر اہل صنعا اس کے قتل پر متفق ہوتے اور مدد کرتے تو میں سب کو قتل کرتا۔

قولہ والفرد الخ اگر ایک شخص نے جماعت کو قتل کرڈالا تو پوری جماعت کے بدلہ میں اس کو قتل کیا جائے گا کیونکہ اس ایک کے قتل میں سب کی طرف سے کفایت ہوجاتی ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ قاتل جماعت اول مقتول کیلئے ہوگا اور باقیوں کے لئے مال واجب ہوگا اور اگر اول معلوم نہ ہو تو سب کیلئے قتل ہوگا اور دیات ان کے درمیان تقسیم ہوں گی پھر اگر مقتولین میں سے کسی ایک مقتول کے اولیاءٔ حاضر ہوئے تو قاتل ان کیلئے قتل کیا جائے گا اور باقی مقتولین کے اولیاءٔ کا حق قصاص ساقط ہوجائے گا جیسے قاتل کے اپنی موت مرجانے سے قصاص ساقط ہوجاتا ہے۔

قولہ ولا یقطع الخ دو آدمیوں نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا بایں طور کہ دونوں نے چھری پکڑ کر اس کے ہاتھ پر چلائی اور اس کا ہاتھ کٹ گیا تو ہمارے نزدیک ان میں سے کسی پر بھی قصاص نہ ہوگا البتہ دونوں پر ہاتھ کی دیت کا تاوان ہوگا امام ثوری وزہری اور حسن وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں ائمہ ثلاثہ اسحاق وابوثور کے نزدیک دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے یہ حضرات اس کو قتل نفس پر قیاس کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص کو چند آدمی قتل کردیں تو سب کو قتل کیا جاتا ہے پس اسطرح یہاں بھی دونوں سے قصاص لیا جائیگا ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں انمیں سے ہر ایک قاطع ہے کیونکہ قطع ید کا وقوع دونوں کی قوت سے ہوا ہے اور محل یعنی ہاتھ قسمت پذیر ہے، تو ہر ایک کی طرف بعض قطع مضاف ہوگا پس ایک ہاتھ اور دو ہاتھوں کے قطع میں مساوات نہیں ہوسکتی بخلاف قتل نفس کے کہ وہ ہر ایک کی طرف بطریق کمال مضاف ہے۔

فَصْلٌ: وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ ثُمَّ قَتَلَهٗ اُخِذَ بِالْاَمْرَيْنِ وَلَوْ عَمْدَيْنِ اَوْ خَطَائَيْنِ اَوْ مُخْتَلِفَيْنِ يَتَخَلَّلُ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ

(فصل) کسی نے ایک کا ہاتھ کاٹا پھر اس کو مارڈالا، تو اس سے دونوں قصوروں کا مواخذہ ہوگا دانستہ ہوں یا خطاء ہوں یا مختلف ہوں ان کے درمیان

اَوْ لَا اِلَّا فِىْ خَطَائَيْنِ لَمْ يَتَخَلَّلْ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ فَتَجِبُ دِيَةٌ وَاحِدَةٌ كَمَنْ ضَرَبَهٗ مِائَةَ سَوْطٍ

تندرستی ہوگئی ہو یا نہ ہوئی ہو مگر ان دو خطاؤں میں جنکے درمیان تندرستی نہ ہوئی ہو کہ اس میں ایک ہی دیت واجب ہوتی ہے جیسے کوئی کسی کے سو کوڑے

....

[illegible] مالک، محمد، [illegible] شافعی، ابن ابی شیبہ، دارقطنی، عبدالرزاق ۱۲

فَبرءَ مِنْ تِسْعِيْنَ وَمَاتَ مِنْ عَشْرَةٍ وَاِنْ عَفٰى الْمَقْطُوْعُ عَنِ الْقَطْعِ فَمَاتَ ضَمِنَ الْقَاطِعُ الدِّيَةَ

مارے اور وہ نوے سے چنگا ہوجائے اور دس سے مرجائے اگر مقطوع نے فعل قطع معاف کردیا پھر مرگیا تو ضامن ہوگا قاطع دیت کا

وَلَوْ عَفٰى عَنِ الْقَطْعِ وَمَا يَحْدُثُ عَنْهُ اَوْ عَنِ الْجِنَايَةِ لَا فَالْخَطَاءُ مِنَ الثُّلُثِ وَالْعَمَدُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ

اور اگر معاف کیا فعل قطع اور جو اس سے پیدا ہو یا تقصیر معاف کی تو نہیں پس خطاء کی صورت میں دیت ثلث سے معاف ہوگی اور عمد کی صورت میں کل

وَاِنْ قَطَعَتْ اِمْرَاَةٌ يَدَ رَجُلٍ عَمَدًا فَتَزَوَّجَهَا عَلٰى يَدِهٖ ثُمَّ مَاتَ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَالدِّيَةُ فِيْ مَالِهَا

مال سے اگر کاٹ دیا عورت نے مرد کا عورت عمداً مرد نے اس سے نکاح کرلیا اپنے ہاتھ پر پھر مرگیا تو عورت کو مہر مثل ملے گا اور دیت اسی کے مال

وَعَلٰى عَاقِلَتِهَا لَوْ خَطَاءً وَاِنْ تَزَوَّجَهَا عَلَى الْيَدِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهَا اَوْ عَلَى الْجِنَايَةِ فَمَاتَ مِنْهُ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا

سے دیجائیگی اور دیت اسکی قوم پر ہوگی اگر خطاء کاٹا ہو اور اگر نکاح کیا ہو ہاتھ پر اور اس پر جو اس سے پیدا ہو یا تقصیر پر پھر وہ مرجائے تو عورت کو مہر

وَلَا شَىْءَ عَلَيْهَا لَوْ عَمَدًا وَلَوْ خَطَاءً رَفَعَ عَنِ الْعَاقِلَةِ مَهْرُ مِثْلِهَا وَلَهُمْ ثُلُثُ مَاتَرَكَ وَصِيَّةً وَلَوْ قَطَعَ يَدَهٗ

مثل ملیگا اور اس پر کچھ نہ ہوگا اگر عمداً ہو اور اگر خطاء ہو تو رفع ہوجائیگا عاقلہ سے اسکا مہر مثل اور ان کے لیئے میت کے ترکہ کا ثلث ہوگا بطور وصیت اگر کسی کا

فَاقْتُصَّ لَهٗ فَمَاتَ الْاَوَّلُ قُتِلَ بِهٖ وَاِنْ قَطَعَ يَدَالْقَاتِلِ وَعَفٰى ضَمِنَ الْقَاطِعُ دِيَةَ الْيَدِ.

ہاتھ کاٹا اور اس سے قصاص لے لیا گیا پھر اول مرگیا تو قاطع کو قتل کیا جائیگا اگر قاتل کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور خون معاف کردیا تو قاطع ہاتھ کی دیت کا ضامن ہوگا

تعدد جنایات کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ومن قطع الخ ایک شخص نے اولاً کسی کا ہاتھ کاٹا پھر اسکو مار ڈالا تو اس سے دونوں فعلوں کا بدلہ لیا جائیگا دونوں فعل عمداً ہوں یا خطأ یا ایک عمداً ہو اور ایک خطأ، نیز دونوں فعلوں میں صحت واقع ہوگئی ہو یا نہ ہوئی ہو بہر کیف ان سب صورتوں میں بلا تداخل دونوں فعلوں کا مواخذہ ہوگا بجز ان دو خطاؤں کے جن کے درمیان صحت واقع نہ ہوئی ہو کہ وہ دونوں فعل متداخل ہوجائیں گے اور دونوں میں ایک ہی دیت واجب ہوگی جیسے کوئی کسی کو سو کوڑے مارے اور وہ نوے کوڑوں سے چنگا ہوجائے یعنی انکے زخم بھر جائیں اور نشانات مٹ جائیں اور دس کوڑوں کے صدمے سے مرجائے تو اس میں امام صاحب کے نزدیک ایک دیت واجب ہوتی ہے امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اس صورت میں عادل شخص کا فیصلہ معتبر ہوگا اور امام محمد کے نزدیک طبیب کی اجرت اور دواؤں کی قیمت واجب ہوگی۔

قولہ وان عفی الخ زید کا عمرو نے عمداً ہاتھ کاٹ دیا اور زید نے فعل قطع کو معاف کردیا پھر زید قطع ید کے صدمے سے مرگیا تو امام صاحب کے نزدیک عمرو اپنے مال سے اسکی دیت کا ضمان دیگا صاحبین کے نزدیک عمرو پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ فعل قطع کو معاف کرنا گویا نفس کو معاف کرنا ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ زید نے فعل قطع معاف کیا ہے اور قطع وقتل میں مغایرت ہے پس جب اسکی جان تک سرایت کرگیا تو معلوم ہوگیا کہ عمرو کا وہ فعل قتل تھا نہ کہ قطع تو یہاں ضمان قتل واجب ہونا چاہئے لیکن صورت عفو نے شبہ پیدا کردیا اس لئے استحساناً دیت واجب ہوگی اور فعل قطع اور جو اس سے پیدا ہو اسکو یا جنایت کو معاف کردیا تو بالاتفاق عمرو پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس امر کی صراحت ہے کہ اس نے نفس کو بھی معاف کردیا۔

قولہ فالخطاء الخ اگر ایک عورت نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا اور اس نے اپنے ہاتھ کی دیت کے بدلہ میں اس سے نکاح کرلیا پھر سرایت قطع کی وجہ سے اس کا انتقال ہوگیا تو امام صاحب کے نزدیک اس عورت کا مہر مثل واجب ہے۔ اور ہاتھ کی دیت عورت کے مال

میں واجب ہے۔ اگر اس نے عمداً کاٹا ہو تو وجہ یہ ہے کہ یہاں نکاح قصاص طرف پر ہوا ہے جو مال نہ ہونے کی وجہ سے مہر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو ہاتھ کی دیت مہر ٹھہری کیونکہ عورت اور مرد کے اطراف میں قصاص نہیں ہوتا۔ پھر جب وہ شخص قطع ید کے صدمہ سے مر گیا تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ہاتھ کی دیت واجب نہیں تھی۔ لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا۔ اور عورت پر دیت اسلئے لازم آئی کہ عمد کی صورت میں ضمان فاعل پر ہوتا ہے نہ کہ عاقلہ پر ہاں اگر ہاتھ خطأ کاٹا ہو تو عاقلہ پر واجب ہوگی۔

قوله و ان تزو جها الخ اور اگر دست بریدہ شخص نے ہاتھ کاٹنے والی عورت سے قطع ید پر یا اس قتل پر نکاح کیا جو قطع ید سے پیدا ہو یا جنایت کے بدلے میں نکاح کیا پھر سرایت قطع ید کی وجہ سے مر گیا تو عورت کا مہر مثل واجب ہوگا۔ اور عورت پر کچھ نہ واجب ہوگا اگر اس نے عمداً کاٹا ہو کیونکہ جب اس نے قصاص کو مہر قرار دیا ہے جو اس کی صلاحیت نہیں رکھتا تو قصاص اصل سے ساقط ہو گیا اور اگر خطأ کاٹا ہو تو عورت کے عاقلہ سے اس کا مہر مثل مرتفع ہو جائے گا۔ اور باقی دیت عاقلہ کے لئے وصیت ہوگی۔ اسواسطے کہ جنایت خطأ میں نکاح دیت پر ٹھہرا اور دیت میں مہر ہونے کی صلاحیت ہے تو اگر مہر مثل دیت کے برابر ہو اور دیت کے علاوہ مقتول کا کوئی مال نہ ہو تو عورت کے عاقلہ پر کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ نکاح کرنا حوائج اصلیہ میں سے ہے۔ اس لئے جمیع مال سے معتبر ہوگا۔ اور اگر مہر مثل دیت سے زیادہ ہوگا تو زائد مقدار واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ عورت مہر مثل سے کم پر راضی ہو چکی اور اگر مہر مثل دیت سے زیادہ ہو تو زائد مقدار عاقلہ کے لئے وصیت ہوگی اور یہ درست بھی ہوگی کیونکہ وہ لوگ قاتل نہیں ہیں۔

قوله ولو قطع يده الخ کسی نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا اس سے اس کا بدلہ لے لیا گیا پھر مقطوع اول مقطوع ثانی سے پہلے مر گیا تو مقطوع ثانی کو مقطوع اول کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ سرایت قطع کی وجہ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جنایت قتل عمد کی تھی اور مقتص لہ کا حق قصاص نفس تھا۔ **واستيفاء القطع لايوجب سقوط حقه فى القتل۔**

---

(۱) لان الثابت بالبينة كا لثابت معاينة وفى ذلك القصاص ولا يحتاج الشاهدان يقول مات من جراحته ۱۲.

(۲) اى استحساناً والقياس بطلان هذه الشهادة لان القتل يختلف باختلاف الآلة فجهل المشهود به وجه الاستحسان انهم شهدوا بقتل مطلق والمطلق ليس بمجمل فيجب اقل موجبه وهو الدية ۱۲ . كشف.

باب الشهادة فی القتل

باب قتل کے متعلق گواہی دینے کے بیان میں

وَلاَ یُقِیدُ حَاضِرٌ بِحُجَّتِهِ اِذَا اَخُوهُ غَابَ عَنْ خُصُومَتِهِ فَاِنْ یَعُدْ لاَبُدَّ مِنْ اِعَادَتِهِ لِیَقْتُلاَ

قصاص نہیں لے سکتا حاضر اپنی حجت پر جبکہ اس کا بھائی غائب ہو خصومت سے پھر جب وہ لوٹے تو ضروری ہے بینہ کا اعادہ تاکہ وہ دونوں قصاص لیں

وَلَوْ خطاءً اَوْ دَیْنًا لاَ فَاِنْ اَثْبَتَ الْقَاتِلُ عفوَالْغَائِبِ لَمْ یُقْتَلْ وَکَذَا لَوْقَتَلَ عَبْدُهُمَا وَاَحَدُهُمَا

اور خطاء یا قرض کا دعوی ہو تو نہیں پھر اگر ثابت کیا قاتل نے غائب کا معاف کرنا تو قتل نہیں کیا جائیگا اسی طرح اگر مارا جائے انکا غلام اور ایک ان میں سے

غَائِبٌ وَاِنْ شَهِدَ وَلِیَّانِ لِعَفْوِ ثَالِثِهِمَا لَغَتْ فَاِنْ صَدَّقَهُمَا الْقَاتِلُ فَالدِّیَةُ لَهُمْ اَثْلاَثًا

غائب ہو اگر گواہی دی دو ولیوں نے تیسرے کے معاف کرنیکی تو لغو ہوگی پھر اگر سچا کہا ان کو قاتل نے تو دیت ان کے لئے تہائی تہائی ہوگی

وَاِنْ کَذَّبَهُمَا فَلاَ شَیْئَ لَهُمَا وَلِلاٰخرِ ثُلُثُ الدِّیَةِ وَاِنْ شَهِدَا اَنَّهُ ضَرَبَهُ فَلَمْ یَزَلْ صَاحِبَ فِرَاشٍ

اور اگر ان کو جھوٹا بتایا تو ان کے لئے کچھ نہ ہوگا اور تیسرے کیلئے تہائی دیت ہوگی اگر دو نے گواہی دی کہ اس نے پیٹا تھا اس کو پس وہ صاحب فراش رہا

حَتّٰی مَاتَ یُقْتَصُّ وَاِنْ اِخْتَلَفَ شَاهِدَا الْقَتْلِ فِی الزَّمَانِ اَوِ الْمَکَانِ اَوْ فِیمَا بِهِ الْقَتْلُ اَوْ قَالَ اَحَدُهُمَا اِنَّهُ

یہاں تک کہ مر گیا تو قصاص لیا جائیگا اگر اختلاف کیا قتل کے دو گواہوں نے وقت میں یا جگہ میں یا آلہ قتل میں یا کہا ان میں سے ایک نے کہ

قَتَلَهُ بِعَصَا وَقَالَ الاٰخَرُ لَمْ اَدْرِ بِمَا ذَا قَتَلَهُ بَطَلَتْ وَاِنْ شَهِدَا اَنَّهُ قَتَلَهُ

قتل کیا ہے لاٹھی سے اور کہا دوسرے نے کہ مجھے معلوم نہیں کس چیز سے مارا ہے تو گواہی باطل ہوگی اگر دو نے گواہی دی کہ اس کو فلاں نے مارا ہے

وَقَالاَ لَمْ نَدْرِ بِمَاذَا قَتَلَهُ تَجِبُ الدِّیَةُ وَاِنْ اَقَرَّا اَنَّ کُلاًّ مِنْهُمَا قَتَلَهُ وَقَالَ الْوَلِیُّ قَتَلْتُمَاهُ

اور ہم نہیں جانتے کس چیز سے مارا ہے تو واجب ہوگی دیت اگر دو نے اقرار کیا کہ ہم میں سے ہر ایک نے قتل کیا ہے ولی نے کہا کہ تم دونوں نے

جَمِیعًا فَلَهُ قَتْلُهُمَا وَلَوْ کَانَ مَکَانَ الاِقْرَارِ شَهَادَةٌ لَغَتْ

ملکر قتل کیا ہے تو وہ ان دونوں کو قتل کرسکتا ہے اور اگر ہو اقرار کی جگہ گواہی تو لغو ہوگی۔

تشریح الفقہ: بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تحقق قتل کے بعد بھی اس کا انکار کر دیا جاتا ہے اور ولی قصاص کو بینہ اور شہادت کے ذریعہ سے ثابت کرنے کی احتیاج ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں شہادت فی القتل کو بیان کررہا ہے۔ اور یہ چونکہ قتل ہی سے متعلق ہے اس لئے حکم قتل کے بعد لا رہا ہے **لانه لما تعلق به صار كالتابع له۔**

قولہ ولا یفید الخ یہاں سے "من اعادتہ" تک پورا شعر اور ایک مصرعہ ہے جو مصنف نے برائے نشاط طبع و بغرض اختصار ذکر کر دیا ہے یہاں جو مسئلہ مذکور ہے وہ دو اصولوں پر مبنی ہے پہلا صاحبین اور امام شافعی کے یہاں ورثہ کیلئے قصاص کا ثبوت بطریق وراثت ہوتا ہے یعنی ملک پہلے مورث کیلئے ثابت ہوتی ہے پھر مورث سے ورثہ کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ امام صاحب کے یہاں اس کا ثبوت بطریق خلافت ہوتا ہے نہ کہ بطریق وراثت اس واسطے کہ مشروعیت قصاص تشفی صدر و مطالبہ خون کیلئے ہے اور میت اس کا اہل ہی نہیں جو وہ اس کا مالک ہو آیت "فقد جعلنا لولیہ سلطانا" کا مفہوم صریح بھی یہی ہے۔ کہ ثبوت قصاص بطریق خلافت ہے نہ کہ بطریق وراثت اور

یہاں خلافت کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کا فعل قائم کرنے میں قائم مقام ہے گویا حقیقی خلافت مرادنہیں بلکہ مجازی یعنی مقابلہ وراثت مراد ہے۔(۲)ورثہ جس چیز کے وارث بطریق وراثت ہوں اس میں ایک وارث باقی وارثوں کی طرف سے مخاصم اور خصومت میں ان کا قائم مقام ہوتا ہے۔اور جس چیز کے وارث بطریق وارثت نہ ہو تو اس میں ایک وارث باقی وارثوں کی طرف سے مخاصم نہیں ہوتا۔تو اگر ایک وارث سے متروکہ مال میں سے کسی چیز کا دعوی کریں اور گواہ لے آئے تو سب وارثوں کا حق ثابت ہو جائے گا باقی وارثوں کو تجدید دعوی کی ضرورت نہیں۔جب یہ اصول معلوم ہو گئے تو اب مسئلہ سمجھو۔مسئلہ یہ ہے کہ دو بھائی ہیں ایک حاضر دوسرا غائب حاضر نے دوسرے بھائی کی غیبت میں اپنے باپ کے قتل عمد پر مبینہ قائم کیا اور قاتل سے قصاص لینا چاہا تو حکم یہ ہے کہ جب تک غائب بھائی نہ آ جائے اس وقت تک حاکم بالاجماع قصاص نہیں لے سکتا۔امام صاحب کے نزدیک تو اس لئے کہ ان کے یہاں وارث کیلئے ثبوت قصاص بطریق خلافت ہے۔پس ایک وارث باقی وارثوں کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔اور صاحبین کے نزدیک اس لئے کہ غائب بھائی کے قصاص معاف کرنے کا احتمال ہے۔پھر اگر غائب بھائی آ جائے تو امام صاحب کے نزدیک بینہ کا اعادہ ضروری ہے۔صاحبین کے نزدیک ضروری نہیں وجہ وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی کہ انکے نزدیک ملک ورثہ بطریق وراثت ہے اور امام صاحب کے نزدیک بطریق خلافت۔

قولہ ولو خطا الخ اور اگر مذکورہ بالا مسئلہ میں قتل خطا یا دین کا دعوی ہو تو بالاتفاق اعادہ بینہ کی ضرورت نہیں۔کیونکہ قتل خطا اور دین کا موجب مال ہے۔اور مال میں ثبوت ملک بطریق وراثت ہوتا ہے تو ایک وارث باقی وارثوں کا قائم مقام ہو گیا۔اور اگر قاتل وارث غائب کے معاف کر دینے پر گواہ لے آئے تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔اور وارث حاضر مخاصم ٹھہرے گا۔کیونکہ درصورت عفو وارث حاضر کا حق قصاص سے ساقط ہو گیا اور قصاص منقلب بمال ہو گیا اور یہ بلا اثبات عفو غائب ممکن نہیں لہٰذا وارث حاضر وارث غائب کی طرف سے مخاصم ٹھہرا اور جب اس پر حکم ہو گیا تو تبعاً غائب پر بھی ہو گیا۔

قولہ وکذا لو قتل الخ اگر دو مالکوں کا غلام عمداً یا خطاءً قتل ہو اور مالکوں میں سے ایک حاضر ہو اور دوسرا غائب تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر مالک حاضر بینہ قائم کرے تو بلا اعادہ مالک غائب مقبول نہ ہوگا۔اور اگر قاتل مالک غائب کے معاف کر دینے پر گواہ لائے تو مالک حاضر مخاصم ٹھہرے گا اور قصاص ساقط ہو جائیگا۔

قولہ وان شہد الخ ایک مقتول کے تین وارث ہیں ان میں سے دو نے تیسرے کے متعلق گواہی دی کہ اس نے اپنا حق قصاص معاف کر دیا تو ان کی گواہی باطل ہوگی اور یہ خود ان ہی کی طرف سے عفو قصاص ہوگا کیونکہ وہ اس گواہی سے اپنے لئے نفع کی راہ نکال رہے ہیں۔بایں معنی کہ وہ قصاص کا منقلب بمال ہونا ثابت کر رہے ہیں۔تو ان کا زعم صرف انہیں کے حق میں معتبر ہوگا۔پھر اگر قاتل ان دونوں کی تصدیق کرے اور تیسرا وارث تکذیب کرے تو دیت ان تینوں ورثہ کے درمیان بطریق اثلاث ہوگی کیونکہ ان دونوں کی تصدیق کرنا دیت کے دوثلث کا اقرار کرنا ہے۔تو اس کا اقرار صحیح ہے۔مگر وہ مشہود علیہ کے حق کے سقوط کا مدعی ہے اور مشہود علیہ اس کا منکر ہے تو اس میں اس کی تصدیق نہ ہوگی اور اگر قاتل نے ان کی تکذیب کی اور تیسرے وارث نے بھی تکذیب کی تو ان دونوں وارثوں کو کچھ نہیں ملے گا۔کیونکہ انہوں نے گواہی دے کر اپنے حق قصاص کے بطلان کا اقرار کر لیا ہاں تیسرا وارث تہائی دیت پائے گا۔

قولہ وان اختلف الخ دو گواہوں نے قتل کی گواہی دی اور زمان قتل یا مکان قتل یا آلہ قتل میں اختلاف کیا مثلاً ایک نے کہا شوال میں قتل کیا ہے دوسرے نے کہا کہ ذیقعدہ میں قتل کیا ہے یا ایک نے کوفہ کو مقتل قرار دیا اور دوسرے نے شام کو یا ایک نے کہا لاٹھی سے مارا اور دوسرے نے کہا مجھے معلوم نہیں کس ہتھیار سے مارا ہے تو ان سب صورتوں میں شہادت باطل ہے۔اس واسطے کہ قتل دو مرتبہ نہیں ہو سکتا۔پس قتل کوفہ اور قتل شام جدا جدا قتل ہوئے۔اور ہر ایک قتل پر صرف ایک گواہ ہے۔

قولہ وان اقرار الخ دو آدمیوں میں سے ایک نے اقرار کیا کہ فلاں کو میں نے قتل کیا ہے۔ولی مقتول کہتا ہے کہ تم دونوں نے ملکر قتل کیا ہے تو ولی دونوں کو قتل کر سکتا ہے اور اگر دو آدمی گواہی دیں کہ اس کو فلاں نے قتل کیا ہے اور دوسرے دو گواہی دیں کہ فلاں نے قتل کیا ہے اور ولی کہے

کہ ان دونوں نے قتل کیا ہے تو ولی کیلئے ان کا قتل جائز نہ ہوگا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ شہود کے متعلق ولی کا یہ کہنا کہ ان دونوں نے قتل کیا ہے ایک قسم کی تکذیب ہے۔ جو فسق شہود کو مستلزم ہے کیونکہ انہوں نے مباشرت قتل بحالت انفراد کی گواہی دی ہے۔ اور ولی نے یہ کہہ کر کہ ان دونوں نے مشترکہ طور پر قتل کیا ہے ان کی تکذیب کردی۔ اور گواہوں کا فاسق ہونا مبطل شہادت ہے بخلاف اقرار کے کہ مقر کا فسق اس کے اقرار کو باطل نہیں کرتا۔

بابٌ فی اعتبار حالة القتل

باب قتل کی حالت کے معتبر ہونے میں

اَلْمُعْتَبَرُ حَالَةُ الرَّمْيِ فَتَجِبُ الدِّيَةُ بِرِدَّةِ الْمَرْمٰى اِلَيْهِ قَبْلَ الْوُصُوْلِ لَا بِاِسْلَامِهٖ وَ الْقِيْمَةُ

معتبر تیر اندازی کا وقت ہے تو واجب ہوگی دیت مرمی الیہ کے مرتد ہونے سے تیر لگنے سے قبل نہ کہ اس کے مسلمان ہونے سے اور قیمت

بِعِتْقِهٖ وَلَا يَضْمَنُ الرَّامِيْ بِرُجُوْعِ شَاهِدِ الرَّجْمِ بَعْدَ الرَّمْيِ وَحَلَّ الصَّيْدُ بِرِدَّةِ الرَّامِيْ

غلام کے آزاد ہونے سے اور ضامن نہ ہوگا پتھر پھینکنے والا شاہد رجم کے پھر جانے سے رمی کے بعد اور حلال ہوگا شکار تیر انداز کے مرتد ہوجانے سے

لَا بِاِسْلَامِهٖ وَوَجَبَ الْجَزَاءُ بِحِلِّهٖ لَا بِاِحْرَامِهٖ.

نہ کہ اس کے مسلمان ہوجانے سے اور واجب ہوگی جزاء حلال ہوجانے سے نہ کہ احرام باندھ لینے سے

تشریح الفقہ: **قولہ المعتبر الخ** شکار کے حلال و حرام ہونے اور دیت وضمان کے واجب ہونے اور نہ ہونے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک تیر اندازی کی حالت کا اعتبار ہے نہ کہ تیر لگنے کی حالت کا تو اگر کسی مسلمان کے تیر مارا اور مسلمان تیر لگنے سے پہلے مرتد ہوگیا تو امام صاحب کے نزدیک تیر انداز پر دیت واجب ہوگی صاحبین اور بقول علامہ کاکی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس پر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ تلف کا حصول محل غیر معصوم میں ہوا ہے اور اتلاف غیر معصوم رائیگاں ہوتا ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ضمان کا لزوم فعل کے سبب سے ہوتا ہے کیونکہ انسان کے بس میں صرف اس کا فعل ہی ہے اور وہ یہاں تیر مارنا ہے۔ رہا تیر کا لگ جانا سو وہ اس کے بس کی بات نہیں پس تیر اندازی کی حالت ہی سے قاتل ٹھہرا لہٰذا دیت واجب ہوگی۔ چنانچہ اگر کوئی کافر کو تیر مارے اور وہ تیر لگنے سے پہلے اسلام لے آئے تو صاحبین کے نزدیک بھی تیر انداز پر دیت واجب نہیں۔ کیونکہ تیر اندازی کی حالت میں اس کا خون مباح تھا نہ کہ معصوم۔ معلوم ہوا کہ تیر اندازی کی حالت ہی کا اعتبار ہے۔ اسی پر دوسرے مسائل کی تفریعات کو قیاس کرلو۔

قولہ والقیمة الخ ایک شخص نے غلام کو تیر مارا اور وہ تیر لگنے سے پہلے آزاد ہوگیا تو تیر انداز پر غلام کی قیمت واجب ہوگی نہ کہ دیت کیونکہ وہ تیر اندازی کی حالت میں غلام تھا۔ امام محمد کے نزدیک مرمی وغیرہ مرمی ہونے کی قیمتوں پر جو مقدار زائد ہو وہ واجب ہوگی مثلاً تیر اندازی سے پہلے اس کی قیمت ایک ہزار تھی اور تیر اندازی کے بعد آٹھ سو رہ گئی تو تیر انداز پر دو سو روپیہ واجب ہوگا۔ امام زفر کے نزدیک پوری دیت واجب ہوگی۔ (**و الفرق فی المطولات**)۔

قولہ ولا یضمن الرامی الخ ایک شخص کے متعلق گواہوں نے زنا کی گواہی دی حاکم نے اس کی سنگساری کا فیصلہ کردیا اس پر کسی نے پتھر مارا اور پتھر لگنے سے پہلے شہود رجم میں سے کسی نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا تو پتھر مارنے والے پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ وہ شخص اس وقت مباح الدم تھا۔

عہ...... قال الکاکی فی معراج الدرایہ وقال الشافعی واحمد یجب علیہ فی المرتد والحربی اذا اصابہما الرمیة بعد اسلامہما الدیة ۱۲

(۱) لما کانت الاحوال صفات لذویہا ذکرہا بعد ذکر نفس القتل وما یتعلق بہ ۱۲ عنایہ

کتاب الدیات

دِيَةُ شِبْهِ الْعَمَدِ مِائَةٌ مِنَ الابِلِ اَرْبَاعًا مِنْ بِنْتِ مَخَاضٍ اِلٰى جَذْعَةٍ وَلاَ تَغْلِيْظَ اِلَّا فِى الابِلِ

دیت شبہ عمد کی سو اونٹ ہیں بطریق ارباع یکسالہ سے چہار سالہ تک اور تغلیظ نہیں مگر اونٹ میں

تشریح الفقہ: انسان ایک دوسرے کی جان پر زیادتی نہ کر سکے اس کے لئے شریعت میں دو چیزیں مشروع ہیں دیت، قصاص، مصنف کتاب الجنایات میں قصاص کو ذکر کر چکا تو اب جنایات کے دوسرے موجب یعنی دیت کو ذکر کر رہا ہے۔

قولہ الدیات الخ دیات دیۃ کی جمع ہے اور تاء واؤ کے عوض میں ہے کیونکہ یہ ودی سے مشتق ہے اس کی ترکیب معنی جری وخروج پر دال ہے چنانچہ وادی کو وادی اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے پانی جاری ہوتا ہے۔ لغت میں دیۃ مصدر ہے **یقال ودی القاتل المقتول**۔ قاتل نے مقتول کے ولی کو اس کی جان کا بدل یعنی مال دیدیا۔ اصطلاح شرع میں دیت اس مال کا نام ہے جو جان کا بدلہ ہو یہ نہیں کہ دیت مصدر ہے بمعنی مفعول جیسا کہ زیلعی نے کہا ہے کیونکہ دیت منقولات شرعیہ میں سے ہے۔ یعنی فقہا کے نزدیک مال پر دیۃ کا اطلاق حقیقت عرفیہ ہے پھر لغت کی کتب متداولہ اور فقہی عام شروح سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ دیۃ اس مال کے ساتھ خاص ہے جو جان کا بدلہ ہو۔ چنانچہ قاموس میں ہے کہ دیت بالکسر حق مقتول کو کہتے ہیں اس کی جمع دیات ہے۔ صحاح میں ہے **ودیۃ القتل ادیہ دیتہ۔ اذا اعطیت دیۃ**۔ کافی میں ہے کہ دیت وہ مال ہے جو جان کا بدلہ ہو اور عرش اس مال کا نام ہے جو جان کے علاوہ (یعنی عضو آدمی) کا بدلہ ہو۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ دیۃ آدمی یا عضو آدمی کے عوض کا نام ہے۔ جیسا کہ علامہ عینی نے "تعلیل میں محقق سعد اللہ آفرندی نے حاشیہ عنایہ میں اور صاحب غایۃ البیان نے ذکر کیا ہے۔ اس واسطے کہ روایت **فی النفس الدیۃ فی اللسان الدیۃ وفی المارن الدیۃ**[عہ] میں دیت کا اطلاق مادون النفس کے عوض پر موجود ہے۔

قولہ دیۃ شبہ الخ شیخین کے نزدیک شبہ عمد کی دیت سو اونٹنیاں ہیں۔ بطریق ارباع یعنی ۲۵ بنت مخاض (یکسالہ) ۲۵ بنت لبون (دو سالہ) ۲۵ حقے (سہ سالہ) ۲۵ جذعہ (چہار سالہ) امام محمد، امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک بطریق اثلاث ہیں یعنی تیس حقے تیس جذعے چالیس ثنیے (چھ سالہ) جو حاملہ ہوں کیونکہ حدیث میں ہے کہ دیۃ خطا شبہ عمد سو اونٹ ہیں جن میں چالیس حاملہ ہوں۔ شیخین کی دلیل یہ حدیث ہے کہ شبہ عمد میں پچیس حقے پچیس جذعے پچیس بنت لبون پچیس بنت مخاض ہیں۔

وَالْخَطَاءُ مِائَةٌ مِنَ الابِلِ اَخْمَاسًا اِبْنُ مَخَاضٍ وَبِنْتُ مَخَاضٍ وَبِنْتُ لَبُوْنٍ وَحِقَّةٌ وَجِذْعَةٌ اَوْ اَلْفُ دِيْنَارٍ

اور دیت خطاء سو اونٹ ہیں پانچ طرح کے یعنی یکسالہ نر یکسالہ مادہ، اور دوسالہ مادہ اور سہ سالہ اور چار سالہ یا ہزار دینار

اَوْعَشْرَةُ الافِ دِرْهَمٍ وَكَفَّارَتُهُمَا مَاذُكِرَ فِى النَّصِّ وَلاَ يَجُوْزُ الاِطْعَامُ وَالْجَنِيْنُ وَيَجُوْزُ الرَّضِيْعُ لَوْاَحَدُ اَبَوَيْهِ

یا دس ہزار درہم ہیں، اور ان کا کفارہ وہ ہے جو مذکور ہے قرآن میں اور جائز نہیں کھانا کھلانا اور بچہ جو شکم مادر میں ہو اور جائز ہے دودھ پیتا بچہ اگر اس کے

مُسْلِمًا وَدِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ فِى النَّفْسِ وَفِيْمَا دُوْنَهَا وَدِيَةُ الْمُسْلِمِ وَالذِّمِّىِّ سَوَاءٌ.

ماں باپ میں سے کوئی مسلمان ہو اور عورت کی دیت آدھی ہے مرد کی دیت سے جان میں بھی اور اعضاء میں بھی اور مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔

ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو ۱۲۔ [عہ] ..... ابوداؤد عن علقمہ والاسود عن ابن مسعود ۱۲

دیت خطا وغیرہ کے احکام

تشریح الفقہ: **قولہ والخطاء الخ** احناف اور امام احمد کے یہاں قتل خطا کی دیت سو اونٹ ہیں۔ بطریق اخماس یعنی بیس حقے بیس جذعے بیس بنت مخاض بیس بنت لبون اور بیس بنی مخاض (یکسالہ اونٹ) امام مالک، امام شافعی، امام لیث اور ربیعہ کے یہاں یکسالہ بیس اونٹوں کی جگہ دو سالہ بیس اونٹ ہیں ان کی دلیل حضرت سہل بن ابی حثمہ کی روایت ہے اور ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود کی۔

قولہ اذا لف دینا رالخ اور سونے سے قتل خطا کی دیت (ایک ہزار دینار ہیں اور چاندی سے دس ہزار دراہم امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک چاندی سے بارہ ہزار درہم ہیں کیونکہ عہد نبوی میں ہے کہ بنو عدی کا ایک شخص مقتول ہوا تو آپ نے اس کی دیت بارہ ہزار درہم قرار دی ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر نے چاندی سے دس ہزار درہم مقرر فر ئے تھے جس کی تصریح بیہقی میں موجود ہے علاوہ ازیں عہد نبوی میں وزن خمسہ، وزن ستہ، وزن عشرہ مختلف اوزان رائج تھے پس اگر دیت مذکورہ کو وزن خمسہ پ ول کر لیا جائے اور روایت عمر کو وزن ستہ پر تو دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔

قولہ ودیت المسلم الخ ہمارے یہاں ذمی کی دیت برابر ہے امام شافعی کے یہاں یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے اور آتش پر ست کی آٹھ سو۔

امام مالک کے یہاں یہودی اور نصرانی کی دیت چھ ہزار درہم ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے **"عقل الکا فر نصف عقل المؤمن"** اور امام مالک کے یہاں مسلم کی دیت بارہ ہزار درہم ہیں تو نصف چھ ہزار درہم ہیں امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر مسلمان پر جو اہل کتاب کو قتل کرکے چار ہزار درہم مقرر فرمائے ہیں۔ نیز ابن المسیب نے حضرت عمر سے روایت کی ہے کہ آپ نے یہودی اور نصرانی کے بارے میں چار ہزار کا اور مجوسی کے بارے میں آٹھ سو کا فیصلہ کیا ہماری دلیل یہ حدیث ہے **"دیة کل ذی عهد فی عهده الف دنار** نیز عہد نبوی میں اور عہد خلفاء اربعہ میں مسلم، یہودی، نصرانی سب کی دیت برابر تھی۔ حضرت ابن عباس، ابن عمر، اسامہ بن زید، حضرت علی، سے بھی اس قسم کی روایت ہے حضرت نبی، حکم، حماد، نخعی، ابن عتبہ اسماعیل بن محمد صالح، عطاء، مجاہد، علقمہ، ثوری، عثمان البتی، حسن بن حیی، ابن شہاب زہری سب اسی کے قائل ہیں۔

عہ...... ائمہ ستہ۱۲. عہ......سنن اربعہ، ابن ابی شیبہ ' احمد، ابن راهویہ، دارقطنی بیہقی ۱۲. للعہ......سنن اربعہ ' دارقطنی عن ابن عباس ۱۲. للعہ...... سنن اربعہ، احمد ' ابن راهویہ، نجار عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ (والفظ للترمذی) طبرانی عن ابن عمر ۱۲. صہ...... عبدالرزاق ۱۲. صہ......شافعی ' بیہقی ' عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ ۱۲. ابو دائود، (فی المراسیل) ۱۲. ابن عدی (فی الکامل) ۱۲

(۱) وهو الاعتاق والصوم علی الترتیب متتابعاً ۱۲. زیلعی. (۲) وعند الشافعی فی قول واحمد فی روایته یجب ان لم یقدر علی الصیام ۱۲. (۳) لانه مسلم تبعاً والظاهر سلامة اطراف علی ماعلیه الـ ۱۲. زیلعی (۴) رواه البیهقی عن علی موقوفاً وعن.

فَصلٌ: فِی النَّفسِ وَالْمَارِنِ وَاللِّسَانِ وَالذَّکَرِ وَالْحَشْفَةِ وَالْعَقْلِ وَالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالشَّمِّ وَالذَّوْقِ وَاللِّحْیَةِ

(فصل) جان میں ناک میں زبان میں اور تناسل میں سپاری میں عقل وسمع اور بینائی میں اور سونگھنے اور چھکنے کی قوت میں ڈاڑھی میں

اِنْ لَمْ تَنْبُتْ وَشَعْرِ الرَّأْسِ وَالْعَیْنَیْنِ وَالْیَدَیْنِ وَالشَّفَتَیْنِ وَالْحَاجِبَیْنِ وَالرِّجْلَیْنِ وَالاُذُنَیْنِ وَالاُنْثَیَیْنِ وَثَدْیَی

اگر نہ جمے ، سر کے بالوں میں آنکھوں، ہاتھوں، ہونٹوں میں اور بھوؤں، پاؤں، کانوں، خصیوں، اور عورت کی پستانوں میں دیت ہے

الْمَرْأَةِ اَلدِّیَةُ وَفِی کُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هٰذِهِ الاَشْیَاءِ نِصْفُ الدِّیَةِ وَفِی اَشْفَارِ الْعَیْنَیْنِ دِیَةٌ وَفِی اَحَدِهِمَا رُبُعُهَا

اور ہرایک میں ان اعضاء سے آدھی دیت ہے اور آنکھوں کی پلکوں میں پوری دیت ہے اور ایک پلک میں چوتھائی

وَفِی کُلِّ اِصْبَعٍ مِنْ اَصَابِعِ الْیَدَیْنِ وَالرِّجْلَیْنِ عُشْرُهَا وَمَا فِیْهَا مَفَاصِلُ فَفِی اَحَدِهَا ثُلُثُ دِیَةِ اِصْبَعٍ

اور ہر انگلی میں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں سے دیت کا دسواں حصہ ہے اور جن میں کئی گرہیں ہیں ان سے ایک میں انگلی کی دیت کی تہائی ہے

وَنِصْفُهَا لَوْ فِیْهَا مَفْصَلانِ وَفِی کُلِّ سِنٍّ خَمْسٌ مِنَ الاِبِلِ اَوْ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ

اور آدھی ہے اگر اس میں دوگرہیں ہیں اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں یا پانچ سو درہم ہیں

وَکُلُّ عُضْوٍ ذَهَبَ نَفْعُهُ فَفِیْهِ دِیَةٌ کَیَدٍ شَلَّتْ وَعَیْنٍ ذَهَبَ ضُوْءُ هَا.

اور ہر وہ عضو جس کا نفع جاتا رہے اس میں دیت ہے جیسے ہاتھ سوکھ جائے اور آنکھ کی بینائی باقی رہے۔

اطراف یعنی اعضاء کی دیت کے احکام

تشریح الفقہ: **قولہ والمارن الخ** ناک اور زبان اور آلہ تناسل کاٹ ڈالنے میں پوری دیت ہے حدیث میں ہے "**فی الانف اذا قطع مار نہ الدیة**" نیز حدیث میں ہے "**وفی اللسان الدیة کاملة**" عہ اسی طرح آلہ تناسل کے متعلق ہے **فی الذکر الدیة** اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جب اعضا کی جنس منفعت یا آدمی کا حسن جمال علی وجہ الکمال زائل ہوجائے تو پوری دیت واجب ہوگی۔

قولہ اللحیة الخ اگر کوئی کسی کی ڈاڑھی یا سر کے بال اکھاڑ ڈالے اور پھر بال نہ جمے تو پوری دیت واجب ہے امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ایک عادل کا فیصلہ ہے کیونکہ چیزیں زائد از ضرورت ہیں یہی وجہ ہے کہ سر کے بال منڈوا دیئے جاتے ہیں اور بعض لوگ ڈاڑھی بھی رفع کروا دیتے ہیں پس یہ ایسے ہیں جیسے سینہ اور پنڈلی کے بال ہم یہ کہتے ہیں کہ ڈاڑھی اپنے وقت پر باعث حسن جمال ہے جس کے ازالہ سے حسن جاتا رہتا ہے اسی طرح سر کے بال ہیں چنانچہ جن کے سر پر خلقتاً بال نہیں ہوتے وہ بے تکلف اپنے سر کو چھپائے رہتے ہیں اس لئے ان کے ازالہ میں دیت واجب ہوگی۔

قولہ وفی کل واحد الخ انسان کے جو اعضا مفرد ہیں جیسے ناک، زبان آلہ تناسل ان میں پوری دیت ہے اور جو دو دو ہیں جیسے آنکھ کان بھوں ہاتھ پاؤں پستان خصیہ تو دونوں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک قطع میں آدھی اور جو چار ہیں جیسے پلک تو چاروں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک کے قطع میں چوتھائی اور جو دس ہیں جیسے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تو دسوں کے قطع میں پوری دیت ہے اور ایک کے قطع میں دسواں حصہ۔

عہ......عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ ۱۲۔ عہ...... ابن ابی شیبہ، ابن عدی، بیہقی (بالفاظ) ۱۲۔ صہ...... ابن ابی شیبہ، ابن عدی، بیہقی، ابوداؤد (فی مراسیلہ) ۱۲۔

(۱) کذافی للکتاب عمرو بن حزم علی عن النبی ﷺ ۱۲. (۲) وعند مالک والشافعی حکومت عدل وقدمر الکلام فیہ فی اللحیة ۱۲.

فَصْلٌ: فِي الشِّجَاجِ : فِي الْمُوْضِحَةِ نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ وَفِي الْهَاشِمَةِ عُشْرُهَا وَفِي الْمُنَقِّلَةِ عُشْرٌ وَنِصْفُ

(فصل زخموں میں) ہڈی کھولدینے والے زخم میں دیت کا بیسواں حصہ ہے اور توڑ دینے والے میں دسواں حصہ ہے اور سر کا دینیوالے میں دسواں اور

عُشْرٍ وَفِي الأُمَّةِ اَوِ الْجَائِفَةِ ثُلُثُهَا فَاِنْ نَفَذَتِ الْجَائِفَةُ فَثُلُثَاهَا وَفِي الْحَارِصَةِ

بیسواں حصہ ہے اور بھیجے اور پیٹ تک پہنچنے والے میں تہائی دیت ہے اگر جائفہ آر پار ہو جائے تو دو تہائی دیت ہے اور جس میں کھال چھل جائے،

وَالدَّامِعَةِ وَالدَّامِيَةِ وَالْبَاضِعَةِ وَالْمُتَلاحِمَةِ وَالسِّمْحَاقِ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ وَلاَ قِصَاصَ فِي غَيْرِ الْمُوْضِحَةِ

خون جھلکے، خون ہے، کھال کٹے، ہڈی کی جھلی کٹے، ان میں ایک عادل کا فیصلہ ہے اور نہیں ہے قصاص موضحہ کے علاوہ میں،

وَفِي اَصَابِعِ الْيَدِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَلَوْمَعَ الْكَفِّ وَمَعَ نِصْفِ السَّاعِدِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَحُكُوْمَةُ عَدْلٍ وَفِي قَطْعِ

ایک ہاتھ کی انگلیوں میں آدھی دیت ہے گو ہتھیلی کیساتھ ہو اور آدھے گٹے کے ساتھ آدھی دیت، اور ایک عادل کا فیصلہ ہے اور ہتھیلی کٹنے میں جبکہ

الْكَفِّ وَفِيْهَا اِصْبَعٌ اَوْ اِصْبَعَانِ عُشْرُهَا اَوْ خُمُسُهَا وَلاَ شَئَ فِي الْكَفِّ وَفِي الاِصْبَعِ الزَّائِدَةِ وَعَيْنِ الصَّبِيِّ

اس میں ایک انگلی یا دو انگلیاں ہوں دسواں یا پانچواں حصہ ہے اور ہتھیلی میں کچھ نہیں اور زائد انگلی میں اور بچہ کی آنکھ میں

وَذَكَرِهِ وَلِسَانِهِ اِنْ لَمْ يُعْلَمْ صِحَّتُهُ بِنَظَرٍ وَحَرْكَةٍ وَكَلاَمٍ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ شَجَّ رَجُلاً فَذَهَبَ عَقْلُهُ اَوْ شَعْرُ رَاْسِهِ

اور اس کے عضو خاص اور زبان میں اگر انکی صحت معلوم نہ ہو دیکھنے، ہلنے اور بولنے سے ایک عادل کا فیصلہ ہے کسی کو زخمی کیا اسکی عقل جاتی رہی یا بال

دَخَلَ اَرْشُ الْمُوْضِحَةِ فِي الدِّيَةِ وَاِنْ ذَهَبَ سَمْعُهُ اَوْ بَصَرُهُ اَوْ كَلاَمُهُ لاَ وَاِنْ شَجَّهُ مُوْضِحَةً فَذَهَبَ عَيْنَاهُ

نہ جمے تو داخل ہو جائیگا موضحہ کا تاوان دیت میں اور اگر اس کی سماعت، یا بینائی یا گویائی جاتی رہی تو نہیں، کسی کو موضح زخم لگایا اس کی دونوں

اَوْ قَطَعَ اِصْبَعَهُ فَشَلَّتْ اُخْرٰى اَوِ الْمَفْصَلِ الاَعْلٰى فَشَلَّ مَابَقِيَ اَوْ كُلُّ الْيَدِ اَوْ كَسَرَ نِصْفَ سِنِّهٖ فَاسْوَدَّ مَابَقِيَ

آنکھیں جاتی رہیں یا انگلی کاٹی پس دوسری بھی سوکھ گئی یا اوپر کی پور کاٹی پس باقی سوکھ گئی یا ہاتھ نکما ہو گیا، یا آدھا دانت توڑا پس باقی سیاہ پڑ گیا

فَلاَ قَوَدَ وَاِنْ قَلَعَ سِنَّهُ فَنَبَتَ مَكَانَهَا اُخْرٰى سَقَطَ [1] لاَرْشُ وَاِنْ اُقِيْدَ فَنَبَتَ سِنُّ الاَوَّلِ يَجِبُ

وقصاص نہیں اگر کسی کا دانت اکھاڑا اور اس کی جگہ دوسرا نکل آیا تو تاوان ساقط ہو گیا اگر قصاص لے لیا گیا پھر پہلے کا دانت جم آیا تو تاوان واجب ہے

وَاِنْ شَجَّ رَجُلاً فَالْتَحَمَ وَلَمْ يَبْقَ لَهُ اَثَرٌ اَوْ ضَرَبَ فَجَرَحَ فَبَرَأَ وَذَهَبَ اَثَرُهُ فَلاَ اَرْشَ وَلاَ قَوَدَ بِجَرْحٍ حَتّٰى يَبْرَأَ

کسی کو زخمی کیا اور زخم بھر گیا نشان بھی باقی نہ رہا یا مار کر مجروح کیا وہ اچھا ہو گیا نشان نہ رہا تو تاوان نہیں ہے اور قصاص نہیں زخم کا یہاں تک کہ اچھا ہو۔

وَكُلُّ عَمَدٍ سَقَطَ قَوْدُهُ بِشُبْهَةٍ كَقَتْلِ الاَبِ اِبْنَهُ عَمَدًا فَدِيَتُهُ فِي مَالِ الْقَاتِلِ وَكَذَا مَاوَجَبَ صُلْحًا اَوْ اِعْتِرَافًا

جس قتل عمد کا قصاص ساقط ہو جائے شبہ سے جیسے باپ کا بیٹے کو قصداً قتل کرنا تو اس کی دیت قاتل کے مال میں ہوگی اسی طرح جو واجب ہو صلح یا اقرار سے

اَوْ لَمْ يَكُنْ نِصْفَ الْعُشْرِ وَعَمَدُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ خَطَاءٌ وَدِيَتُهُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ

یا کم ہو بیسویں حصے سے بچہ اور دیوانے کا عمد بھی خطاء ہی ہے اور اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے

(۱) فصل احکام الشجاج بفصل علی حدة لکثر مسائل الشجاج اسماً و حکماً ۱۲۔ مجمع الانہر

وَلاَ تَكْفِيْرَ فِيْهِ وَلاَ حِرْمَانَ وَالْمَعْتُوْهُ كَالصَّبِي

اور اس میں نہ کفارہ ہے نہ میراث سے محرومی اور ناسمجھ کا حکم بچے کا سا ہے۔

زخموں کی دیت کے احکام

تشریح الفقہ: قوله فی الشجاج الخ شجاج جمع شجہ لغۃً وہ زخم ہے جو چہرہ اور سر پر ہو۔ اور جو زخم اس کے علاوہ باقی بدن میں ہو اس کو جراحت کہتے ہیں۔ اس میں دیت نہیں صرف حکومت عدل ہے شجاج حسب استقراء دس ہے۔ (۱) حارصہ جس میں کھال چھل جائے جس کو ہندی میں کھرونچ کہتے ہیں (۲) دامعہ جس میں آنسو کی مانند خون نمودار ہو جائے مگر بہے نہیں (۳) دامیہ جس میں خون بہہ جائے (۴) باضعہ جس میں کھال کٹ جائے (۵) متلاحمہ جس میں گوشت کٹ جائے (۶) سمحاق جس میں زخم اس باریک جھلی تک پہونچ جائے جو گوشت اور سر کی ہڈی کے درمیان ہے (۷) موضحہ جس میں ہڈی کھل جائے (۸) ہاشمہ جو ہڈی توڑ دے (۹) منقلہ جو ہڈی کو اسکی جگہ سے سرکا دے (۱۰) آمہ جو اس کھال تک پہنچ جائے جس کے اندر دماغ ہے ان میں سے سات میں دیت کا بیسواں حصہ ہے یعنی پانچ اونٹ یا پانچسو درہم (بشرطیکہ مجروح اصلع نہ ہو یعنی اسکے سر کے بال پیری کی وجہ سے نہ جھڑ گئے ہوں) اور آٹھ میں دسواں حصہ ہے یعنی دس اونٹ اور نو میں دسواں اور بیسواں حصہ ہے یعنی پندرہ اونٹ ہو دس میں تہائی دیت ہے روایات میں یہی حکم وارد ہے۔

قوله او الجائفه الخ زیلعی میں ہے کہ جائفہ وہ زخم ہے جو سر اور پیٹ میں ہو سراج میں ہے کہ وہ زخم ہے جو پیٹ یا پیٹھ یا سینہ کی طرف سے پیٹ کے اندر تک یا گردن کی طرف سے اس جگہ تک پہنچ جائے جہاں تک پانی جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس میں تہائی دیت ہے۔

قوله فان نفذت الخ اگر جائفہ یعنی پیٹ کا زخم پیٹھ کی طرف سے پھوٹ نکلا اور آر پار ہو گیا تو دیت کی دو تہائیاں واجب ہیں کیونکہ اب دو جائفے ہو گئے ایک پیٹ کی جانب سے دوسرا پیٹھ کی جانب سے' حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسی کا فیصلہ فرمایا تھا۔

قوله والاقصاص الخ سات میں تو بالاتفاق قصاص ہے اور آٹھ، نو، دس میں بالاتفاق قصاص نہیں ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱ میں بھی امام صاحب سے عدم قصاص کی روایت ہے لیکن امام محمد نے اصل میں ذکر کیا ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے کہ ان میں قصاص ہے ظاہر آیت والجروح قصاص بھی اسی کا موید ہے درر، مجتبیٰ، ابن الکمال، عینی اور کافی وغیرہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے۔

قوله ان لم یعلم صحته الخ اگر کوئی بچہ کی آنکھ پھوڑ دے یا اس کی زبان یا اس کا عضو تناسل کاٹ دے اور بچہ کے دیکھنے سے آنکھ کا حال اور بولنے سے زبان کا اور ہلنے سے ذکر کا حال معلوم نہ ہو کہ بچہ کے یہ اعضاء صحیح تھے یا نہیں؟ تو ایک عادل کا فیصلہ معتبر ہوگا کیونکہ ان اعضاء سے مقصود منفعت ہے اور جب ان کی بابت یہ معلوم نہیں کہ یہ قابل منفعت ہیں یا نہیں تو شک کیوجہ سے دیت نہ ہوگی (ہدایہ) اور اگر ان کی صحت کا حال معلوم ہو تو بچہ کا حال مثل بالغ کے اعضا کے ہوگا جن کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔

قوله شج رجلا الخ ایک شخص نے کسی کے زخم موضحہ لگا دیا اسکے صدمہ سے اس کی عقل یا سر کے بال جاتے رہے تو موضحہ کی دیت آدمی کی پوری دیت میں داخل جائے گی کیونکہ زوال عقل کیوجہ سے تمام اعضاء کی منفعت باطل ہو جاتی ہے تو گویا وہ مردہ ہو گیا اور اگر اس کی سماعت یا بصارت یا گویائی جاتی رہی تو موضحہ کی دیت پوری دیت میں داخل نہ ہوگی کیونکہ ان کی منفعت علیحدہ علیحدہ ہے تو یہ عضاء مختلفہ کے مانند ہوتے ہیں اس لئے موضحہ کی دیت علیحدہ اور سماعت کی دیت علیحدہ واجب ہوگی۔

عہ..... عبدالرزاق عن زید بن ثابت، ابن ابی شیبہ عن مکحول، ابوداود، ترمذی، نسائی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲

صہ..... عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، طبرانی، بیہقی ۱۲

قوله وان قلع الخ ایک شخص نے کسی کا دانت اکھاڑ دیا اس کی جگہ دوسرا جم آیا تو امام صاحب کے نزدیک دانت کی دیت ساقط ہوجائے گی۔ صاحبین کے نزدیک ساقط نہ ہوگی کیونکہ جنایت تو موجب دیت واقع ہوچکی رہا دوسرے دانت کا جم آنا سو وہ حق تعالیٰ کیطرف سے ایک نعمت جدیدہ ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہاں معنی جنایت زائل ہوگئی کیونکہ وجوب دیت فساد منبت کیوجہ سے تھا اور جب دوسرا دانت جم گیا تو منبت فاسد نہ ہوا پس نہ اسکی منفعت فوت ہوئی اور نہ زینت ختم ہوئی۔

قوله ولا قود الخ جب تک مجروح زخم سے اچھا نہ ہوجائے اس وقت تک زخم کا قصاص نہیں لیا جائے گا امام شافعی کے یہاں فی الفور لیا جائیگا اس لئے کہ جب موجب قصاص متحقق ہوچکا تو پھر تاخیر کس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ زخمی کے چنگا ہونے سے پہلے آپ نے قصاص لینے سے منع فرمایا[1] ہے نیز یہ بھی احتمال ہے کہ شاید زخم بگڑ جائے اور مجروح مرجائے تو اس صورت میں مدعا علیہ کو جان سے مارنا لازم ہوگا

قوله وكل عمد سقط الخ ہر وہ قتل عمد جس میں کسی شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہوجائے مثلاً باپ اپنے بیٹے کو قتل کردے یا دس آدمی ایک آدمی کو قتل کردیں جن میں سے ایک اس کا باپ ہو تو اس میں دیت قاتل کے مال میں ہوتی ہے جو تین سال میں ادا کی جائے گی۔ اور جو دیت صلح یا اقرار کرنے کے سبب سے واجب ہو وہ بھی قاتل ہی کے مال میں ہوتی ہے اور فی الفور ادا ہوتی ہے کیونکہ جو مال عقد کی وجہ سے واجب ہو اس میں اصل یہی ہے، کہ وہ فی الفور ہو، اور عاقد پر ہو اور اصل اس سلسلہ میں یہ حدیث ہے[2] "**لا يعقل العاقلة عمداً ولا عبدا ولا صلحا ولا اعترافا**" (جوہرہ)

قوله وعمد الصبي الخ اگر کوئی نابالغ بچہ یا دیوانہ کسی کو عمداً قتل کردے تو ان کا عمد بھی خطا ہی شمار ہوگا۔ اور قصاص واجب نہ ہوگا۔ بلکہ ان کے کہنے پر دیت واجب ہوگی اور یہ میراث سے بھی محروم نہ ہوں گے کیونکہ میراث سے محروم ہونا ایک عقوبت ہے اور یہ دونوں قابل عقوبت نہیں۔

محمد حنیف غفر گنگوہی

---

[1] عہ..... طحاوی، بزار، دار قطنی عن جابر ۱۲

[2] عہ..... روی ذلک عن ابن عباس مرفوعا وموقوفا ۱۲

باب فی الجنین
باب شکمی بچہ کے بیان میں

ضَرَبَ بَطْنَ اِمْرَأَةٍ فَاَلْقَتْ جَنِيْنًا مَيِّتاً تَجِبُ غُرَّةٌ وَهِيَ نِصْفُ عُشْرِالدِّيَةِ فَاِنْ اَلْقَتْهُ حَيًّا فَمَاتَ فَدِيَّةٌ

مارا عورت کے پیٹ پر پس ڈالا اس نے بچہ مردہ تو واجب ہوگا غرہ اور وہ دیت کا بیسواں حصہ ہے اور اگر ڈالا اس کو زندہ پھر وہ مر گیا تو پوری دیت ہے

وَاِنْ اَلْقَتْ مَيِّتًا فَمَاتَتِ الاُمُّ فَدِيَّةٌ وَغُرَّةٌ وَاِنْ مَاتَتْ فَاَلْقَتْ مَيِّتًا فَدِيَّةٌ فَقَطْ وَمَا يَجِبُ فِيْهِ

اور اگر مردہ ڈالا پھر ماں مر گئی تو دیت بھی ہے اور غرہ بھی اور اگر ماں مر گئی پھر اس نے مردہ ڈالا تو صرف دیت ہے جس بچہ میں غرہ واجب ہوتا ہے

يُوْرَثُ عَنْهُ وَلاَ يَرِثُ الضَّارِبُ فَلَوْ ضَرَبَ بَطْنَ اِمْرَأَتِهٖ فَاَلْقَتْ اِبْنَهٗ مَيِّتًا فَعَلٰى عَاقِلَةِ الاَبِ غُرَّةٌ وَلاَيَرِثُ مِنْهَا

اس سے وراثت لیجائیگی مگر ضارب وارث نہ ہوگا اگر مارا اپنی بی بی کے پیٹ پر پس ڈالا اس کے لڑکے کو مردہ تو باپ کے عاقلہ پر غرہ ہے اور وارث نہ ہوگا

وَفِيْ جَنِيْنِ الاَمَةِ لَوْذَكَرًا نِصْفُ عُشْرِ قِيْمَتِهٖ لَوْكَانَ حَيًّا وَعُشْرُ قِيْمَتِهٖ لَوْاُنْثٰى

باپ اس کا اور باندی کے بچے میں اگر وہ مذکر ہو اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے اگر زندہ ہو اور قیمت کا دسواں حصہ ہے اگر مؤنث ہو

فَاِنْ حَرَّرَهٗ سَيِّدُهٗ بَعْدَ ضَرْبِهٖ فَاَلْقَتْهُ فَمَاتَ فَفِيْهِ قِيْمَتُهٗ حَيًّا وَلاَ كَفَّارَةَ فِي الْجَنِيْنِ وَاِنْ شَرِبَتْ دَوَاءً

پھر اگر آزاد کر دیا اس کو آقا نے مارنے کے بعد اور باندی نے حمل گرا دیا اور وہ مر گیا تو زندہ ہونے کی قیمت ہوگی اور کفارہ نہیں جنین میں اگر عورت نے

لِتَطْرَحَهٗ اَوْ عَالَجَتْ فَرْجَهَا حَتّٰى اَسْقَطَتْهُ ضَمِنَ عَاقِلَتُهَا الْغُرَّةَ اِنْ فَعَلَتْ بِلاَ اِذْنٍ.

دوا پی حمل گرانے کی یا کچھ رکھ لیا اپنی شرمگاہ میں یہاں تک کہ اسکو گرا دیا تو ضامن ہوگا عورت کا کنبہ غرہ کا اگر اس نے بلا اجازت ایسا کیا ہو۔

توضیح اللغۃ: جنین بچہ جو ہنوز شکم مادر میں ہو، بطن پیٹ، القت القاء، ڈالنا غرہ عمدہ مال، عاقلہ کنبے قبیلے کے لوگ تطرحہ طرح ڈالنا۔

تشریح الفقہ: **قوله باب الخ** انسان کے اجزاء حقیقیہ (اعضاء) کے احکام بیان میں کرنے کے بعد جز حکمی یعنی جنین کے احکام بیان کر رہا ہے۔ **فان الجنین فی حکم الجزء من الام۔**

قوله ضرب الخ ایک شخص نے کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر مارا عورت نے ضرب کے صدمے سے پیٹ سے مردہ بچہ گرایا تو قاتل کے عاقلہ پر غرہ واجب ہوگا، غرہ اصل میں عمدہ مال کو کہتے ہیں جیسے گھوڑا اونٹ، غلام، باندی (مغرب) اصطلاح شرع میں غرہ بدل جنین کو کہتے ہیں کیونکہ اسمیں غلام کا دینا واجب ہے اور غلام کو غرہ کہتے ہیں نیز غرۃ الشہر اول ماہ کو کہتے ہیں اور یہ دیت جسکا نام غرہ ہے اول مقادیر دیات ہے پھر قیاس کی رو سے تو جنین ساقط میں کوئی چیز واجب نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ اسکی حیات متیقن نہیں وجہ استحسان حضور اکرم ﷺ کا

(۱)......لانه اتلف آدميا خطاء، اوشبه عمد فتجب فيه الديته كاملة ۱۲.

(۲)...... لانه عليه السلام قضى فى هذابالديته والمغرة رواه الطبرانى فى معجمه قاله ملاعلى القارى ۱۲ كشف.

(۳)...... لانه بدل نفسه فيرنه ورثته ۱۲ هداية.

(۴)...... لانه قاتل بغير حق مباشرة ولا ميراث للقاتل ۱۲ هدايه.

(۵)......لا نها اتلفته متعدية فيجب عليها ضمانه ۱۲.

ارشاد ہے کہ مردہ بچہ میں غرہ یعنی غلام یا باندی یا پانچسو درہم ہیں ؏۔

قولہ وھی نصف الخ ہمارے یہاں غرہ کی مقدار مرد کی دیت کا بیسواں حصہ ہے اگر جنین مذکر ہو اور عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے اگر مؤنث ہو، مرد کی دیت کے دس ہزار درہم ہیں تو اسکا بیسواں حصہ پانچسو درہم ہوئے اور عورت کی دیت پانچ ہزار درہم ہیں تو اسکا بھی دسواں حصہ پانچسو درہم ہوئے، امام مالک اور امام شافعی کے یہاں چھ سو درہم ہیں۔ مگر حدیث مذکور ان پر حجت ہے پھر ہمارے یہاں غرہ قاتل کے عاقلہ پر ہوتا ہے امام مالک کے یہاں قاتل کے مال پر ہوتا ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غرہ قاتل کے عاقلہ پر قرار دیا ہے نیز ہمارے یہاں غرہ ایک سال کے اندر وصول کیا جائے گا امام شافعی کے یہاں تین سال میں وصول ہوگا لنا ماروی عن محمد بن الحسن انه قال بلغنا ان رسول الله ﷺ جعله علی العاقله فی سنة۔

قولہ فدیة فقط الخ اگر پہلے ماں مرگئی پھر اسنے مردہ بچہ گرایا تو صرف ماں کی دیت واجب ہوگی امام شافعی کے یہاں غرہ بھی واجب ہوگا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ضرب کی وجہ سے مرا ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ ظاہراً اسکا مرنا موت جنین کا سبب ہے کیونکہ جنین کا سانس لینا ماں کے سانس لینے سے ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جنین صدمہ ضرب سے مرا ہو تو شک کی وجہ سے ضمان واجب نہ ہوگا۔

قولہ وفی جنین الامة الخ اگر باندی کا جنین مذکر ہو تو اسکی قیمت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا اگر وہ زندہ ہو اور اگر مؤنث ہو تو اسکی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا، امام شافعی کے یہاں اسکی ماں کی قیمت کا دسواں حصہ واجب ہوگا، کیونکہ جنین من وجہ ماں کا جزء ہے اور اجزاء کے ضمان کی مقدار میں اصل ہی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں مقدار واجب نفس جنین کا بدل ہے لہذا اسکا اندازہ اس کی ذات سے ہوگا۔

قولہ فان حررہ الخ کس نے حاملہ باندی کے پیٹ پر مارا اسکے بعد مالک نے جنین کو آزاد کر دیا پھر باندی نے زندہ بچہ گرایا اور وہ مرگیا تو مالک کیلئے زندہ بچہ کی قیمت واجب ہوگی نہ کہ اسکی دیت کیونکہ اسکی موت ضرب سابق کے ذریعہ ہوئی ہے اور ضرب کا وقوع اسکی رقیت کی حالت میں ہوا ہے اور اعتبار وقوع ضرب کے وقت ہی کا ہوتا ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جنین کی دیت واجب ہوگی نہ کہ قیمت یہ قول ہمارے بعض مشائخ سے بھی مروی ہے جیسا کہ فخر الاسلام بزدوی نے شرح جامع صغیر میں نقل کیا ہے۔

قولہ ولا کفارة الخ ہمارے یہاں قتل جنین میں کفارہ واجب نہیں امام شافعی کے یہاں واجب ہے، وہ یہ فرماتے ہیں: کہ جنین من وجہ نفس ہے لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ کفارہ واجب کیا جائے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کفارہ میں ایک قسم کی عقوبت ہے جسکا ثبوت شرعاً نفس کاملہ میں ہے پس یہ غیر تک متعدی نہ ہوگا۔

....

(عه......طبرانی فی معجمه)صحیحین عن ابی هریرة (ولیس فیهما ذکر الخمس مائه ،۱۲. عه......ابن ابی شیبه عن جابر ،دار قطنی ترمذی،ابو دائود عن المغیرة بن شعبه ۱۲..

باب مایحدث الرجل فی الطریق

باب جانب راہ کوئی نئی چیز بنانے کے بیان میں

مَنْ اَخْرَجَ اِلٰی طَرِیْقِ الْعَامَّۃِ کَنِیْفًا اَوْ مِیْزَابًا اَوْ جُرْصُناً اَوْ دُکَّانًا فَلِکُلٍّ نَزْعُہٗ وَلَہٗ التَّصَرُّفُ فِی النَّافِذِ اِلَّا اِذَا

جس نے نکالا شارع عام کیجانب سنڈاس یا پرنالہ یا چھجا یا دکان تو ہر شخص کو اس کے توڑنے کا حق ہے اس کو تصرف کا حق ہے کوچہ نافذہ میں الا یہ کہ

اَضَرَّ وَفِی غَیْرِہٖ لاَ یَتَصَرَّفُ اِلَّابِاِذْنِھِم فَاِنْ مَاتَ اَحَدٌ بِسُقُوْطِھَا فَدِیَّتُہٗ عَلٰی عَاقِلَتِہٖ کَمَا

مضر ہو اور غیر نافذہ میں تصرف نہ کرے مگر اہل کوچہ کی اجازت سے پس اگر مرگیا کوئی اس کے گرنے سے تو اس کی دیت اس کے کنبہ پر ہوگی جیسے

لَوْ حَفَرَ بِئْراً فِی طَرِیْقٍ اَوْ وَضَعَ حَجَرًا فَتَلَفَ بِہٖ اِنْسَانٌ وَلَوْ بَھِیْمَۃً فَضِمَانُھَا فِی مَالِہٖ وَمَنْ جَعَلَ بَالُوْعَۃً

کوئی کھودے کنواں راہ میں یا رکھ دے پس ہلاک ہوجائے اس سے کوئی آدمی اگر چوپایا ہو تو اس کا ضمان اسی کے مال میں ہوگا جس نے بنائی بدرو

فِی طَرِیْقٍ بِاَمْرِ سُلْطَانٍ اَوْ فِی مِلْکِہٖ اَوْ وَضَعَ خَشَبَۃً فِیْھَا اَوْ قَنْطَرَۃً بِلاَ اِذْنِ الاِمَامِ فَتَعَمَّدَ رَجُلٌ الْمُرُوْرَ عَلَیْھَا

راستے میں بادشاہ کی اجازت سے یا اپنی ملک میں یا رکھدی لکڑی راہ میں یا پل بنایا بلا اجازت اور اس پر کوئی قصدا گذرا

لَمْ یَضْمَنْ وَمَنْ حَمَلَ شَیْئًا فِی الطَّرِیْقِ فَسَقَطَ عَلٰی اِنْسَانٍ ضَمِنَ وَلَوْکَانَ رِدَاءً قَدْ لَبِسَہٗ فَسَقَطَ لاَ

تو ضامن نہ ہوگا جس نے اٹھایا بوجھ راہ میں اور وہ گر پڑا کسی آدمی پر تو ضامن ہوگا اور اگر چادر تھی جو پہنے ہوئی تھا اور وہ گرگئی تو ضامن نہ ہوگا

مَسْجِدٌ لِعَشِیْرَۃٍ فَعَلَّقَ رَجُلٌ مِنْھُمْ قِنْدِیْلاً اَوْ جَعَلَ فِیْہِ بَوَارِیَ اَوْ حَصَاۃً فَعَطَبَ بِہٖ رَجُلٌ لَمْ یَضْمَنْ وَاِنْ کَانَ

مسجد ہے ایک قبیلہ کی اس میں کسی نے انہیں میں سے قندیل لٹکادی یا چٹائی یا کنکری بچھادی اس سے کوئی آدمی ہلاک ہوگیا تو ضامن نہ ہوگا اور اگر غیر محلہ کا

مِنْ غَیْرِھِم ضَمِنَ وَاِنْ جَلَسَ فِیْہِ رَجُلٌ مِنْھُمْ فَعَطَبَ بِہٖ اَحَدٌ ضَمِنَ اِنْ کَانَ فِی غَیْرِ الصَّلٰوۃِ وَاِنْ فِیْھَا لاَ.

ہو تو ضامن ہوگا اگر بیٹھا مسجد میں اہل محلہ میں سے کوئی پس اسکی وجہ سے کوئی ہلاک ہوگیا تو ضامن ہوگا اگر نماز میں نہ ہو اور اگر نماز میں ہو تو ضامن نہ ہوگا۔

توضیح اللغۃ: کنیف بیت الخلاء، میزاب پرنالہ، جرصن چھجا، نافذ آر پار، حفر کھودنا، بہیمہ چوپایہ، بالوعہ روشن دان موری، بدرو، خشبہ لکڑی، قنطرہ پل، رداء چادر، عشیرہ قبیلہ، قندیل فانوس بواری جمع بوریہ چٹائی حصاۃ کنکری عطب ہلاک ہوگیا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ قتل بطریق مباشرت کے احکام سے فراغت کے بعد اس قتل کے احکام بیان کررہا ہے جو بطریق تسبب ہو وقدم الاول لکونہ اصلاً۔

قولہ من اخرج الخ شارع عام میں پاخانہ، پرنالہ، چھجا اور دکان وغیرہ نکالنا درست ہے۔ بشرطیکہ اس سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور کوئی منع بھی نہ کرے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ **لا ضرر و لا ضرار فی الاسلام** اور اگر وہ تکلیف دہ ہو تو اہل خصومت میں سے ہر شخص

....

(۱) لان الطرف التی لیست بنا فذۃ مملوکۃ لاھلھا فھم فیھا شرکاء فلا یملک التصرف الا باذنھم اضر بھم اولم یضر ۱۲ ۔ زیلعی بتغییر

(۲) لان العاقلۃ تتحمل ضمان المال ۱۲۔ زیلعی (۳) ......لان حفر البالوعۃ باذن الامام اوفی ملکہ لیس بتعد ووضع الخشبۃ والقنطرۃ بلا اذن الامام وان وجد التعدی منہ فیھما لکن تعمد المار علیھما یقطع النسبۃ الی الواضع لان الواضع مسبب والمار مباشر فصار ھو صاحب علۃ فلا یعتبر التسبب معہ ۱۲۔ زیلعی (۴) ......الحامل الدیۃ سواء تلف بالوقوع او بالعثرۃ بعد الوقوع لان حمل المتاع فی الطریق مباح لہ لکنہ مقید بالسلامۃ ۱۲۔ زیلعی، عینی، طائی۔

اس کو ابتداء روک بھی سکتا ہے اور بن جانے کے بعد توڑنے کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے اس واسطے کہ اہل خصومت میں سے ہر شخص کو اس میں مرور کا حق ہے **فکان له ذلک**۔

قوله جرصنا الخ جرصن (بضم جیم وصاد وسکون راء مہملہ وتخفیف نون) کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض نے اس کے معنی بروج کے کئے ہیں اور بعض نے چھجے کے اور بعض نے کہا ہے کہ جرصن پیش طاق کا حوض ہے جو بھی ہو حکم سب کا ایک ہے۔ (طحطاوی مجمع)۔

قوله مسجد لعشیرة الخ اہل محلہ کی ایک مسجد ہے اس میں اہل محلہ میں سے کسی نے قندیل لٹکا دی یا چٹائی بچھا دی اور اس میں کوئی شخص الجھ کر مر گیا تو وہ شخص جس نے یہ کام کئے ہیں بالاتفاق ضامن نہ ہوگا اور اگر وہ شخص غیر محلہ کا ہو تو امام صاحب کے نزدیک ضامن ہوگا صاحبین کے نزدیک ضامن نہ ہوگا وہ فرماتے ہیں کہ یہ سب امور از قبیل قربت ہیں جس کی ہر شخص کو اجازت ہے امام صاحب کے یہاں وجہ فرق یہ ہے کہ تدبیر مسجد کی ذمہ داری اہل محلہ پر ہے نہ کہ غیروں پر اس لئے غیر شخص کو فعل مباح مقید بسلامت ہوگا' ایک شخص نماز کے لئے اپنی مسجد میں یا غیر محلہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا' کوئی دوسرا شخص اس سے ٹکرا کر مر گیا تو جالس پر ضمان واجب نہ ہوگا اور اگر وہ نماز کے علاوہ اور کسی کام کیلئے بیٹھا ہو تو ضامن ہوگا' صاحبین کے نزدیک بہر دو صورت ضمان نہیں زیلعی میں حلوانی سے منقول ہے کہ اکثر مشائخ نے صاحبین کا قول لیا ہے اور اسی پر فتوی ہے' صدر الاسلام سے منقول ہے کہ صاحبین کا قول اظہر ہے عینی میں ہے کہ صاحبین کے قول کے موافق ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور اسے پر فتوی ہے وجہ یہ ہے کہ جلوس نماز کی ضروریات میں سے ہے اس لئے وہ نماز ہی کے ساتھ ملحق ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

فَصْلٌ :فِی الْحَائِطِ الْمَائِلِ حَائِطٌ مَالَ اِلیٰ طَرِیْقِ الْعَامَّةِ ضَمِنَ رَبُّهٗ مَاتَلَف بِهٖ مِنْ نَفْسٍ اَوْ مَالٍ اِنْ طَالَبَ

(فصل جھکی ہوئی دیوار میں) ایک دیوار جھک گئی شارع عام کی طرف تو ضامن ہوگا مالک دیوار اس کا جو تلف ہو جان یا مال سے اگر مطالبہ کیا ہو

بِنَقْضِهٖ مُسْلِمٌ اَوْ ذِمِّیٌّ وَلَمْ یَنْقُضْهُ فِی مُدَّةٍ یَقْدِرُ عَلٰی نَقْضِهٖ وَاِنْ بَنَاهُ مَائِلاً اِبْتِدَاءً

اس کے توڑنے کا کسی مسلمان یا ذمی نے اور اس نے نہ توڑا ہو اتنی مدت میں جس میں وہ قادر تھا توڑنے پر اور اگر شروع سے جھکی ہوئی بنائی

ضَمِنَ مَاتَلَفَ بِسُقُوْطِهٖ بِلاَ طَلَبٍ فَاِنْ مَالَ اِلیٰ دَارِ رَجُلٍ فَالطَّلَبُ اِلَی رَبِّهَا

تو ضامن ہوگا اس کا جو ہلاک ہو جائے اس کے گرنے سے بلا مطالبہ اگر جھکی کسی کے مکان کی طرف تو درخواست مالک مکان کے ذمہ ہے

فَاِنْ اَجَّلَهٗ اَوْ اَبْرَأَهٗ صَحَّ بِخِلاَفِ الطَّرِیْقِ حَائِطٌ بَیْنَ خَمْسَةٍ اَشْهَدَ عَلٰی اَحَدِهِمْ فَسَقَطَ عَلٰی رَجُلٍ ضَمِنَ

اگر وہ مہلت دے یا بری کرے تو صحیح ہے بخلاف راستے کے ایک دیوار پانچ آدمیوں کی ہے ان میں سے ایک پر گواہ کئے گئے دیوار کسی پر گر گئی تو وہ

خُمُسَ الدِّیَةِ دَارٌ بَیْنَ ثَلاَثَةٍ حَفَرَ اَحَدُهُمْ فِیْهَا بِئْرًا اَوْ بَنٰی حَائِطًا فَعَطِبَ بِهٖ رَجُلٌ ضَمِنَ ثُلُثَیِ الدِّیَةِ.

ضامن ہوگا خمس دیت کا ایک مکان تین کا ہے ایک نے اس میں کنواں کھودا یا دیوار بنائی پس اس سے کوئی ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا دو تہائی دیت کا

جھکی ہوئی دیوار کے احکام

تشریح الفقہ: **قوله فصل الخ** جو قتل مباشرت انسان یا اس کے تسبب سے متعلق ہے اس کے احکام بیان کرنے کے بعد اس قتل کے

ابن ماجہ عن عبادہ بن الصامت' ابن ماجہ' عبد الرزاق' احمد' طبرانی' ابن ابی شیبہ' دارقطنی من ابن عباس' حاکم' دارقطنی' مالک' شافعی عن ابی سعید الخدری دارقطنی عن ابی ہریرة' ابو داؤد (فی المراسیل) عن ابی لبابہ' طبرانی عن ثعلبہ بن مالک وجابر' دارقطنی' طبرانی عن عائشہ ۱۲۔

احکام بیان کررہا ہے جو متعلق بالجماد ہے جس میں انسان کے اختیار کو دخل نہیں۔

قولہ حائط الخ ایک دیوار شارع عام کیطرف جھک گئی اہل مطالبہ نے مالک سے اس کے توڑ ڈالنے کا مطالبہ کیا مگر اس نے نہیں توڑی حالانکہ اس کو اتنی مدت ملی کہ اگر وہ چاہتا تو توڑ سکتا تھا' دیوار گرگئی اور اس میں کوئی آدمی یا جانور دب کر مر گیا یا کسی کا مال تلف ہو گیا تو احناف' مالک' شریح' نخعی' ثوری اور شعبی کے نزدیک مالک دیوار ضامن ہوگا حضرت علیؓ سے بھی یہی مروی ہے مگر یہ مبنی بر استحسان ہے قیاس کی رو سے ضمان نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد فرماتے ہیں کیونکہ مالک دیوار کا کوئی قصور نہیں اس لئے کہ اصل بنا اس کی ملک میں واقع ہے اور دیوار کا جھکنا اس کا فعل نہیں وجہ استحسان یہ ہے کہ جب دیوار جھک گئی اس کے گر جانے کا خطرہ لاحق ہو چکا' گرانے کا مطالبہ بھی ہوا اس کو مہلت بھی ملی اس کے باوجود اس کا دیوار کو نہ گرانا تعدی نہیں تو اور کیا ہے؟

قولہ حائط بین خمسة الخ ایک دیوار پانچ شریکوں میں مشترک تھی وہ جھک گئی اور کسی ایک شریک سے اس کی اصلاح کیلئے کہا گیا اس نے درست نہیں کی اور وہ کسی پر گرگئی تو امام صاحب کے نزدیک صاحب دیوار کے عاقلہ پر دیت کا پانچواں حصہ ہوگا اور اگر ایک مکان تین شریکوں میں مشترک ہوا اور اس میں ایک کنواں کھودے یا دیوار بنائے اور اس کیوجہ سے کوئی مر جائے تو حافر و بانی پر دیت کی دو تہائیوں کا ضمان ہوگا صاحبین کے نزدیک دونوں مسئلوں میں دیت نصفا نصف ہوگی کیونکہ یہاں تلف دو قسم پر ہے ایک معتبر (جس شریک سے مطالبہ ہوا ہے اس کے حصے) میں اور ایک غیر معتبر (جس سے مطالبہ نہیں ہوا اس کے حصہ میں) اسی طرح حافر اپنی ملکیت کے اعتبار سے متعدی نہیں شریکین کی ملک کے اعتبار سے متعدی ہو تو تلف کی دو قسمیں ہیں لہذا دیت نصفا نصف منقسم ہو جائے گی امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ موت کی علت علت واحدہ ہے یعنی دیوار والے مسئلہ میں ثقل مہلک اور کنویں والے مسئلہ میں کنواں کا عمق لہذا کل شرکاء پر دیت بقدر املاک منقسم ہوگی۔

باب جناية البهيمة والجنايه عليها وغير ذالک

باب چوپائے کی جنایت اور چوپائے پر زیادتی وغیرہ کے بیان میں

ضَمِنَ الرَّاكِبُ مَا اَوْطَأَتْ دَابَّتُهٗ بِيَدٍ اَوْ رِجْلٍ اَوْ رَأْسٍ اَوْ كَدَمَتْ اَوْ صَدَمَتْ اَوْ خَبِطَتْ لَامَانَفَحَتْ بِرِجْلٍ

ضامن ہوگا سوار اس کا جو روندے اس کی سواری اپنی ٹانگوں سے یا سر کی ٹکر سے یا کاٹ کھائے یا دھکے یا ٹاپ میں لے لے نہ اس کا جس کو وہ لات

اَوْ ذَنَبٍ اِلَّا اِذَا اَوْقَفَهَا فِي الطَّرِيْقِ فَاِنْ اَصَابَتْ بِيَدِهَا اَوْ رِجْلِهَا حَصَاةً اَوْ نَوَاةً اَوْ اَثَارَتْ غُبَارًا اَوْ حَجَرًا

مار دے مگر اس وقت جب اس نے کھڑا کر دیا ہو اس کو راہ میں پس اگر اچھل گئی اس کی ٹانگوں سے کنکر یا گٹھلی یا اڑایا اس نے غبار، یا چھوٹا پتھر

صَغِيْرًا فَفَقَأَ عَيْنًا لَمْ يَضْمَنْ وَلَوْ كَبِيْرًا ضَمِنَ فَاِنْ رَاثَتْ اَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيْقِ لَمْ يَضْمَنْ مَنْ عَطِبَ بِهٖ

اور اس نے پھوڑ دی آنکھ تو ضامن نہ ہوگا اور اگر بڑا پتھر ہو تو ضامن ہوگا اگر اس نے لید کی یا پیشاب کیا راہ میں تو ضامن نہ ہوگا اس کا جو اسکی وجہ سے

وَاِنْ اَوْقَفَهَا لِذٰلِكَ وَاِنْ اَوْقَفَهَا لِغَيْرِهٖ ضَمِنَ وَمَا ضَمِنَهُ الرَّاكِبُ

تلف ہوجائے گو اسی لئے کھڑا کیا ہو اگر اور کام کیلئے کھڑا کیا تو ضامن ہوگا اور جس سے ضامن ہو سوار

ضَمِنَهُ السَّائِقُ وَالْقَائِدُ وَعَلَى الرَّاكِبِ اَلْكَفَّارَةُ لَاعَلَيْهِمَا.

تو ضامن ہوگا اس سے سائق اور قائد بھی مگر سوار پر کفارہ بھی ہے ان پر نہیں۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ نہایہ معراج الدرایہ وغیرہ میں اس باب کی وجہ مناسبت یہ ذکر کی ہے کہ جنایت انسان کے احکام سے فراغت کے بعد جنایت بہیمہ کے احکام اسلئے بیان کر رہا ہے کہ انسان از روئے رتبہ بہیمہ پر مقدم ہے لہٰذا ذکراً بھی مقدم ہونا چاہئے۔ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ ابھی تو مصنف جنایت انسان سے فارغ ہی نہیں ہوا کیونکہ جنایت مملوک کا باب آگے آرہا ہے صاحب غایۃ البیان فرماتے ہیں کہ اس باب کا حق تو یہی تھا کہ جنایت مملوک کے بعد ہوتا مگر چونکہ بہیمہ معدوم العقل ومعدوم النطق ہونے کی حیثیت سے جمادات کیساتھ ملحق ہے اس لئے مصنف نے اس باب کو باب مایحدث الرجل فی الطریق کیساتھ لاحق کر دیا اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اگر یہی بات تھی تو پھر اس کو ایک فصل میں لاناتھا۔ تامل۔

قولہ ضمن الراکب الخ جنایت بہیمہ کے ضمان وعدم ضمان کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جن امور میں احتراز ممکن ہے ان میں سلامتی کی شرط کیساتھ شخص کیلئے راہ چلنا مباح ہے اگر ایسے امور میں کسی کیطرف سے تعدی پائی گئی تو وہ ضامن ہوگا اور جن میں احتراز ممکن نہیں ان میں ضمان نہ ہوگا پس اگر کسی سوار کی سواری نے کسے کو روندڈالا یا کچل ڈالا یا سر سے تلف کر ڈالا یا منہ سے کاٹ کھایا یا بدن سے دھکا دیدیا تو ان صورتوں میں سوار ضامن ہوگا۔ کیونکہ ان امور سے احتراز ممکن ہے اور اگر سواری نے چلتے چلتے کسی کے ہاتھ یا لات یا دم ماردی تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ چلنے کی حالت میں اس سے احتراز ممکن نہیں الا یہ کہ سوار نے جانور کو راہ میں کھڑا کیا ہو اور پھر یہ امور پیش آئے ہوں کہ اس صورت میں ضامن ہوگا کیونکہ ٹھہرانے کی صورت میں ان سے احتراز ممکن ہے۔

لانهما مسببا بما شرتهما شرط التلف وهو تقريب الدابة الى مكان الجناية ۱۲ . هدايه

وَلَوِ اصْطَدَمَ فَارِسَانِ اَوْ مَاشِيَانِ فَمَاتَا ضَمِنَ عَاقِلَةُ كُلٍّ دِيَةَ الْاٰخَرِ وَلَوْسَاقَ دَابَّةً فَوَقَعَ السَّرْجُ عَلٰى رَجُلٍ
اگر ٹکرا جائیں دو سوار یا پیادے اور مرجائیں تو ضامن ہوگا ہر ایک کا عاقلہ دوسرے کی دیت کا اگر ہانکا جانور اور گرگئی زین کسی پر
فَقَتَلَهٗ ضَمِنَ وَاِنْ قَادَ قِطَارًا فَوَطِیَ بَعِيْرٌ اِنْسَانًا ضَمِنَ عَاقِلَةُ الْقَائِدِ الدِّيَةَ وَاِنْ كَانَ مَعَهٗ سَائِقٌ
اوراس کو مارڈالا تو ضامن ہوگا اگر آگے سے چلائی اونٹوں کی قطار اور اونٹ نے کسی کو روندد یا تو ضامن ہوگا اس کا عاقلہ دیت کا اور اگر پیچھے سے
فَعَلَيْهِمَا وَاِنْ رَبَطَ بَعِيْرًا عَلٰى قِطَارٍ رَجَعَ عَاقِلَةُ الْقَائِدِ مَاتَلَفَ عَلَى الرَّابِطِ
ہانکنے والا بھی ہو تو ان دونوں پر ہوگی اور اگر باندھ دیا تھا اونٹ قطار میں تو لے لیں قائد کے عاقلہ وہ تاوان باندھنے والے کے عاقلہ سے
وَمَنْ اَرْسَلَ بَهِيْمَةً وَكَانَ سَائِقَهَا فَاَصَابَتْ فِيْ فَوْرِهَا ضَمِنَ وَاِنْ اَرْسَلَ طَيْرًا اَوْ كَلْبًا وَلَمْ يَكُنْ سَائِقًا
اگر چھوڑ دیا جانور پیچھے سے ہانک کر اور اس نے نقصان کیا چھوٹتے ہی تو ضامن ہوگا اگر چھوڑا پرندہ یا کتا اور پیچھے سے نہیں سکارا
اَوِ انْفَلَتَتْ دَابَّتُهٗ فَاَصَابَتْ مَالًا اَوْ اٰدَمِيًّا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا لَا وَفِيْ فِقَاءِ عَيْنِ شَاةٍ لِقَصَّابٍ ضَمِنَ النُّقْصَانَ
یا نکل بھاگا جانور اور اس نے نقصان کردیا مال یا جان کا رات میں یا دن میں تو ضامن نہ ہوگا قصائی کی بکری کی آنکھ پھوڑنے میں ضامن ہوگا
وَعَيْنِ بُدْنَةِ الْجَزَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْحِمَارِ رُبُعَ الْقِيْمَةِ.
نقصان کا اور شترکش کی گائے اور اونٹ کی آنکھ پھوڑنے میں اور گھوڑے گدھے کی آنکھ پھوڑنے میں ضامن ہوگا چوتھائی قیمت کا۔

توضیح اللغۃ: اصطدم ایک دوسرے کی مزاحمت کرنا' فارسان شہسوار' ساق سوق جانور کو پیچھے سے ہانکنا' سرج زین' قاد قود اُچوپائے کو آگے سے کھینچنا بغیر اونٹ' ربط باندھا' انفلت چھوٹ گیا' فقاء پھوڑنا قصاب قصائی' جزار شترکش۔

تشریح الفقہ: قولہ ولو اصطدم الخ اگر دو سوار یا پیادہ پا باہم ٹکرا کر مرجائیں تو ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کی نصف دیت ہوگی امام زفر اور امام شافعی کے یہاں ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کی نصف۔ دیت ہوگی کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے اور اپنے صاحب کے فعل سے مرا ہو تو ان میں سے ہر ایک کا اپنا فعل رائیگاں ہوگا اور دوسرے کا معتبر ہم یہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی موت دوسرے کی طرف مضاف ہے کیونکہ انکا اپنا فعل توفی نفسہ مباح ہے حضرت علیؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ آپ نے ہر ایک کے عاقلہ کو پوری دیت کا ضامن بنایا۔

قولہ وفی فقاء عین الخ اگر کسی نے قصاب کی بکری کی آنکھ پھوڑ دی تو بقدر نقصان ضمان لازم ہوگا کیونکہ قصاب کی بکری سے مقصود اس کا گوشت ہوتا ہے اور اگر شترکش کی گائے بیل اور اونٹ کی یا گھوڑے گدھے کی آنکھ پھوڑ دی تو چوتھائی قیمت کا تاوان لازم ہوگا امام شافعی کے یہاں ان کا حکم بھی بکری کی مانند ہے یعنی بقدر نقصان ضمان آئے گا ہماری دلیل یہ ہے آنحضرت ﷺ نے جانور کی آنکھ میں چوتھائی قیمت کا حکم فرمایا ہے حضرت عمر و حضرت علی سے بھی یہی مروی ہے۔

عہ ... عبدالرزاق' ابن ابی شیبہ ۱۲۔ عہ ... طبرانی' عقیلی' عن زید بن ثابت ۱۲۔ عہ ... عبدالرزاق

باب جنایہ المملوک والجنایۃ علیہ

باب تقصیر مملوک اور اسپر جنایت کے بیان میں

جِنَایَاتُ الْمَمْلُوْکِ لاتُوْجِبُ اِلاَّ دَفْعًا وَاحِدًا لَوْمَحلاًّ لَهٗ وَاِلاَّ قِیْمَةً وَاحِدَةً جَنٰی عَبْدُهٗ خَطَاءً

غلام کی جنایتیں واجب نہیں کرتیں مگر ایک بار غلام حوالے کرنا اگر وہ اس کا محل ہو ورنہ صرف ایک قیمت جنایت کی کسی کے غلام نے خطاء

دَفَعَهٗ بِالْجِنَایَةِ فَیَمْلِکُهٗ اَوْ فَدَاهُ بِاَرْشِهَا فَاِنْ فَدَاهُ فَجَنٰی فَهِیَ کَالاُوْلٰی.

تو دیدے اسکو جنایت کے بدلہ میں پس وہ اسکا مالک ہو جائیگا یا اسکے تاوان کا عوض دیدے پس اگر اس نے جنایت کی تو اس کا حکم پہلی جنایت کا سا ہے

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ مالک یعنی آزاد کی جنایت کے احکام کے بعد جنایت مملوک کے احکام بیان کر رہا ہے کیونکہ آزاد کے مقابلہ میں مملوک کا رتبہ کم ہے مگر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابھی تو احکام دیت سے فراغت ہی نہیں ہوئی کیونکہ غلام پر آزاد کی دیت اور آزاد پر غلام کی جنایت کے احکام باقی ہیں جن کا علم اسی باب سے ہوگا۔

قولہ جنایات الخ اگر غلام کی جنایت متعدد اشخاص پر کثیر ہوں تو اولیاء کو وہ غلام دفعۃً واحدہ دیدیا جائے گا اور وہ اس میں سے اپنا اپنا حصہ بقدر جنایات لیں گے بشرطیکہ غلام اس کا محل ہو یعنی اس کی حریت کے اسباب وتدبیر واستیلاد اور کتابت منعقد نہ ہو چکے ہوں ورنہ آقا کو صرف ایک قیمت دینی پڑے گی جس کو سب وارث بقدر حصص بانٹ لیں گے۔

قولہ جنی عبدہ الخ کسی کے غلام نے از راہ خطا کسی کو قتل کر دیا تو اس کے مالک کو اختیار ہے چاہے جنایت قتل کے بدلے میں مملوک دیدے اس صورت ولی جنایت اس کا مالک ہو جائے گا اور چاہے فی الحال اس کی دیت کا فدیہ دیدے امام شافعی کے یہاں مملوک کی جنایت اس کی گردن سے وابستہ ہوتی ہے پس اس سلسلے میں اس کو فروخت کر دیا جائے گا الا یہ کہ آقا اسکا تاوان دیدے اور یہ مسئلہ دراصل صحابہؓ کے درمیان بھی مختلف فیہ رہا ہے چنانچہ کافی وکفایہ اور معراج الدرایہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس معاذ بن جبل اور ابو عبیدہ ابن الجراح سے ہمارے مذہب کیطرح منقول ہے اور حضرت عمر وحضرت علی سے امام شافعی کے مذہب کیطرح، امام شافعی فرماتے ہیں کہ موجب جنایت میں اصل یہ ہے کہ وہ متلف پر واجب ہو کیونکہ جانی درحقیقت وہی ہے مگر جانی کیطرف سے اس کے عاقلہ جنایت کے متحمل ہو جاتے ہیں اور غلام کا کوئی عاقلہ نہیں ہے لہٰذا جنایت اسکی گردن سے متعلق رہے گی ہم یہ کہتے ہیں کہ بحالت خطاء جنایت میں اصل یہ ہے کہ وہ جانی پر نہ پڑے کہ اس کی گردن ہی ٹوٹ جائے کیونکہ وہ خطاء کیوجہ سے معذور ہے بلکہ اس کے عاقلہ پر پڑنی چاہئے اور غلام کے حق میں آقا اس کا عاقلہ ہے کیونکہ عاقلہ میں اصل نصرت ہے اور غلام کی نصرت اس کے آقا ہی سے ہے لہٰذا جنایت اس کے آقا پر پڑے گی۔

فائدہ: ہمارے یہاں جنایت مملوک میں اصل واجب دفع مملوک ہے یا اس کا فدیہ؟ اس میں مشائخ کی عبارتیں مختلف ہیں صاحب تنویر وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ برقول صحیح اصل واجب دفع مملوک ہے صاحب ہدایہ نے اسکی تصریح کی ہے لیکن شرنبلالیہ میں سراج سے اور جوہرہ میں بزدوی سے اور اسرار میں بعض مشائخ سے منقول ہے کہ برقول صحیح اصل واجب فدیہ ہے، علامہ زیلعی کی تعلیل سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے، شارح مجمع ابن ملک نے امام صاحب کی طرف سے تعلیل میں بیان کیا ہے کہ ان میں سے ایک واجب ہے، محیط میں امام محمد نے مبسوط میں کہا ہے کہ جب غلام کسی پر موجب مال جنایت کرے تو اسکے آقا کو اختیار ہے چاہے غلام دے چاہے فدیہ۔

(۱)...... لانه لما طهر عن الجناية بالفداء جعل كان لم تكن وهذا ابتداء جناية ۱۲. هدايه

(۲)...... فالا ظهر ان يقال لما فرغ من بيان جناية الحر على الحر شرع في بيان جناية المملوک ۱۲.

وَاِنْ جَنٰی جِنَایَتَیْنِ دَفَعَہٗ بِھِمَا اَوْ فَدَاہُ بِاَرْشِھِمَا فَاِنْ اَعْتَقَہٗ غَیْرَ عَالِمٍ بِالْجِنَایَۃِ

اگر دو جنایتیں کیں تو دیدے غلام دونوں کے بدلہ میں یا عوض دیدے دونوں کے تاوان کا اگر آزاد کردیا اس کو جنایت سے ناواقف ہوتے ہوئے

ضَمِنَ الْاَقَلَّ مِنْ قِیْمَتِہٖ وَمِنَ الْاَرْشِ وَلَوْ عَالِمًا بِھَا لَزِمَہُ الْاَرْشُ کَبَیْعِہٖ وَتَعْلِیْقِ عِتْقِہٖ بِقَتْلِ فُلَانٍ

تو ضامن ہوگا کمتر کا اسکی قیمت اور تاوان سے اور اگر جنایت کا علم تھا تو لازم ہوگا اس کو تاوان جیسے اسکو فروخت کرنے اور اسکی آزادی کو فلاں کے قتل کرنے

وَرَمْیِہٖ وَشَجِّہٖ اِنْ فَعَلَ عَبْدٌ قَطَعَ یَدَحُرٍّ عَمَدًا وَدُفِعَ اِلَیْہِ فَحَرَّرَہٗ

یا اسکو تیر مارنے یا زخمی کرنے پر معلق کرنے میں ہوتا ہے اگر غلام اسکا مرتکب ہو غلام نے آزاد کا ہاتھ قصداً کاٹا اور وہ اسکو دیدیا گیا پس اس نے اس کو آزاد

فَمَاتَ مِنَ الْیَدِ فَالْعَبْدُ صُلْحٌ بِالْجِنَایَۃِ وَاِنْ لَمْ یُحَرِّرْہُ رَدَّہٗ عَلٰی سَیِّدِہٖ وَیُقَادُ.

کردیا پھر آزاد شخص مرگیا ہاتھ کے زخم سے تو غلام صلح ٹھہر اجنایت سے اگر آزاد نہ کیا ہو تو واپس کردے اس کے مالک کے پاس اب اس سے قصاص لیا جائیگا

تشریح الفقہ: **قولہ فان اعتقہ الخ** غلام نے کوئی جنایت کی آقا کو معلوم نہیں تھا اس نے آزاد کردیا تو قیمت اور دیت میں سے جو کم ہو آقا اسکا ضمان دیگا اور اگر جنایت سے واقف ہوتے ہوئے آزاد کیا یا اسکو فروخت کردیا یا اس سے کہا کہ اگر تو زید کو قتل کردے یا زخمی کردے تو تو آزاد ہے اور غلام نے ایسا کرلیا تو آقا پر دیت کا ضمان لازم ہوگا کیونکہ اسکی آزادی کو وجود جنایت پر معلق کرنا فدیہ کو اختیار کرنا ہے۔

قولہ عبد قطع الخ غلام نے کسی آزاد شخص کا قصداً ہاتھ کاٹ دیا مالک نے غلام اس آزاد شخص کو دے دیا اور اس نے اسکو آزاد کردیا پھر وہ قطع ید سے مرگیا تو مالک کا اس غلام کا دے ڈالنا اس تقصیر سے صلح قرار پائیگی اور مالک کے ذمہ آزاد کے قتل کا کوئی تاوان نہ ہوگا، اور اگر اس نے غلام کو آزاد نہیں کیا اور خود قطع ید کے صدمے سے مرگیا تو اس صورت میں غلام مالک کو واپس کیا جائیگا اور غلام سے قصاص لیا جائیگا کیونکہ جب اس نے اس کو آزاد نہیں کیا اور قطع ید جان تک سرایت کرگیا تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ہاتھ کی دیت واجب نہیں تھی بلکہ قصاص واجب تھا لہذا قصاص لیا جائیگا۔

جَنٰی مَاذُوْنٌ مَدْیُوْنٌ خَطَأً فَحَرَّرَہٗ سَیِّدُہٗ بِلَا عِلْمٍ عَلَیْہِ قِیْمَۃٌ لِرَبِّ الدَّیْنِ وَقِیْمَۃٌ لِوَلِیِّ الْجِنَایَۃِ مَاذُوْنَۃٌ مَدْیُوْنَۃٌ

جنایت کی عبد ماذون مقروض نے خطاء مالک نے اس کو آزاد کردیا لاعلمی میں تو مالک پر ایک قیمت ہوگی قرض خواہ کیلئے اگر ماذون مقروض باندی

وَلَدَتْ بِیْعَتْ مَعَ وَلَدِھَا لِلدَّیْنِ وَاِنْ جَنَتْ فَوَلَدَتْ لَمْ یُدْفَعِ الْوَلَدُ لَہٗ عَبْدٌ زَعَمَ رَجُلٌ

بچہ جنے تو بیچ دیا جائے گا اس کو بچہ کے ساتھ قرض کی بات، اور اگر اس نے قصور کیا پھر بچہ جنا تو بچہ نہیں دیا جائے گا کسی کا غلام ہے جس کے متعلق ایک

اَنَّ سَیِّدَہٗ حَرَّرَہٗ فَقَتَلَ وَلِیَّہٗ خَطَاءً لَاشَیْءَ لَہٗ عَلَیْہِ قَالَ مُعْتَقٌ لِرَجُلٍ

شخص نے اقرار کیا کہ آقا نے اس کو آزاد کردیا پس غلام نے اس کے ولی کو خطاء قتل کردیا تو مقر کیلئے اس پر کچھ نہ ہوگا کہا آزاد کردہ غلام نے کسی سے

قَتَلْتُ اَخَاکَ خَطَاءً وَاَنَا عَبْدٌ وَقَالَ بَعْدَ الْعِتْقِ فَالْقَوْلُ لِلْعَبْدِ وَاِنْ قَالَ لَھَا

کہ قتل کیا تھا میں نے تیرے بھائی کو خطاء غلامی کی حالت میں اس نے کہا کہ آزادی کے بعد قتل کیا ہے تو غلام کا قول معتبر ہوگا اور اگر باندی سے کہا

قَطَعْتُ یَدَکِ وَاَنْتِ اَمَتِیْ وَقَالَتْ بَعْدَ الْعِتْقِ فَالْقَوْلُ لَھَا وَکَذَا کُلُّ مَااَخَذَ مِنْھَا

کہ کاٹا تھا میں نے تیرا ہاتھ جبکہ تو میری باندی تھی باندی نے کہا آزادی کے بعد کاٹا ہے تو باندی کا قول معتبر ہوگا اسی طرح ہر اسی چیز میں جو لی ہو اس نے

إلَّا الْجِمَاعُ وَالْغَلَّةُ عَبْدٌ مَحْجُوْرٌ أَمَرَ صَبِيًّا حُرًّا بِقَتْلِ رَجُلٍ فَقَتَلَهُ فَدِيَتُهُ عَلَىٰ عَاقِلَةِ الصَّبِيِّ وَكَذَا إِنْ أَمَرَ عَبْدًا

باندی سے بجز وطی اور کمائی کے، عبد مجور نے آزاد بچہ کو حکم کیا کسی کے قتل کا اس نے قتل کر دیا تو اس کی دیت بچہ کے عاقلہ پر ہوگی اسی طرح اگر غلام کو

عَبْدٌ قَتَلَ رَجُلَيْنِ عَمَدًا وَلِكُلٍّ وَلِيَّانِ فَعَفٰى اَحَدُ وَلِيَّيْ كُلٍّ مِّنْهُمَا دَفَعَ سَيِّدُهٗ

اس کا حکم کیا ہو غلام نے دو آدمیوں کو قصداً مار ڈالا جن میں سے ہر ایک کے دو ولی ہیں پس ان میں سے ہر ایک نے معاف کر دیا تو دے مالک

نِصْفَهٗ اِلَى الْاٰخَرِيْنَ اَوْ فَدَاهُ بِالدِّيَةِ فَاِنْ قَتَلَ اَحَدَهُمَا عَمَدًا وَالْاٰخَرَ خَطَاءً فَعَفٰى اَحَدُ وَلِيَّيِ الْعَمَدِ

آدھا غلام دوسرے دو کو یا چھڑا لے اس کو دیت دے کر اور اگر ان میں سے ایک کو قصداً قتل کیا اور دوسرے کو خطاء اور عمد کے ایک ولی نے معاف کر دیا

فَدٰى بِالدِّيَةِ لِوَلِيَّيِ الْخَطَاءِ وَبِنِصْفِهَا لِاَحَدِ وَلِيَّيِ الْعَمَدِ اَوْ دَفَعَهٗ اِلَيْهِمْ اَثْلَاثًا

تو چھڑا لے کل دیت دیکر خطاء کے دونوں ولیوں کو اور آدھی دیت دیکر عمد کے ایک ولی کو یا غلام کو اس کے حوالے کر دے تہائی تہائی

عَبْدُهُمَا قَتَلَ قَرِيْبَهُمَا فَعَفٰى اَحَدُهُمَا بَطَلَ الْكُلُّ.

دو کے غلام نے ان کے قرابت دار کو قتل کیا ان میں سے ایک نے معاف کر دیا تو سب ختم ہو گیا۔

تشریح الفقہ: **قولہ ماذونۃ الخ** اگر مدیونہ ماذونہ باندی کے بچہ پیدا ہوا تو دین کے سلسلہ میں باندی کو بچہ کے ساتھ فروخت کر دیا جائیگا (بشرطیکہ ولادت لحوق دین کے بعد ہو) اور اگر اس نے کوئی جنایت کی پھر بچہ ہوا تو بچہ ورثہ جنایت کو نہیں دیا جائیگا وجہ فرق یہ ہے کہ دین وصف حکمی ہے جو باندی کے ذمہ ہے اور اس کی گردن سے متعلق ہے اس لئے وہ بچہ تک سرایت کر جائے گا بخلاف جنایت کے کہ موجب جنایت باندی کے ذمہ نہیں ولی کے ذمہ ہے اسلئے وہ بچہ تک سرایت نہیں کریگا۔

قولہ قال المعتق الخ ایک آزاد شدہ غلام نے کسی سے کہا کہ میں نے غلامی کی حالت میں تیرے بھائی کو قتل کیا تھا اور وہ شخص کہتا ہے کہ تو نے آزاد ہو جانیکے بعد قتل کیا ہے تو غلام کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ لزوم ضمان کا منکر ہے اور قول منکر ہی کا معتبر ہوتا ہے اور اگر آقا نے اپنی آزاد کردہ باندی سے کہا کہ میں نے تیرا ہاتھ اس وقت کاٹا تھا جب تو میری باندی تھی اور باندی کہے کہ میرے آزاد ہو جانیکے بعد کاٹا ہے تو باندی کا قول معتبر ہوگا کیونکہ آقا سبب ضمان یعنی قطع ید کیا اقرار کے بعد اس چیز کا دعوی کر رہا ہے جو اسکو ضمان سے بری الذمہ کر دے اسلئے اسکا قول معتبر نہ ہوگا۔

قولہ عبد قتل رجلین الخ ایک غلام نے ایسے دو آدمیوں کو عمداً قتل کیا جن کے دو وارث ہیں اور ان میں سے ایک ایک نے قصاص معاف کر دیا تو اس صورت میں مالک نصف غلام ان دونوں وارثوں کو دے جنھوں نے معاف نہیں کیا یا پوری دیت دیکر غلام کا فدیہ دیا اس واسطے کہ ہر مقتول کا ایک مستقل قصاص واجب تھا اور عفو کی وجہ سے قصاص منقلب بمال ہو گیا تو آقا پر بیس ہزار درہم واجب ہوئے جن میں سے دس ہزار درہم معاف کرنے والوں کے حصے کے ساقط ہو گئے اور جنھوں نے معاف نہیں کیا ان کے حصے کے دس ہزار درہم باقی ہیں پس اگر آقا فدیہ دینا چاہے تو دیت یعنی دس ہزار درہم دے گا۔

قولہ فان قتل احد ھما الخ اور اگر مسئلہ مذکورہ میں غلام نے ایک کو عمداً قتل کیا اور دوسرے کو خطاءً اور قتل عمد کے وارثوں میں سے

---

(۱)......لانہ اتلف حقین الدفع الی الاولیاء والبیع علی الغرماء وکل واحد منہما مضمون بکل القیمۃ حال الانفراد فکذا عند الاجتماع ۱۲۔ طحطاوی۔

(۲)......لانہ بزعمہ عتقہ اقرانہ لا یستحق العبد بل الدیۃ لکنہ لا یصدق علی العاقلۃ الا بحجۃ ۱۲۔ درمختار۔

ایک نے قصاص معاف کر دیا تو مالک قتل خطأ کے وارثوں کو پوری دیت کا فدیہ دیگا اور قتل عمد کے وارث نے معاف نہیں کیا اس کو نصف دیت کا فدیہ دیگا، اور اگر غلام دینا چاہے تو قتل خطأ کے دو وارثوں کو غلام دیدے اور بطریق عول تین تہاؤ بانٹ دے وجہ یہ ہے کہ خطا کے وارثوں کا حق پوری دیت یعنی دس ہزار درہم میں ہے اور عمد کے وارثوں کا حق قصاص میں ہے اور جب عمد کے ایک وارث نے معاف کر دیا تو دوسرے وارث کا حصہ مال ہو گیا یعنی پانچ ہزار درہم پس اگر مالک فدیہ دینا اختیار کرے تو دس ہزار خطا کے وارثوں کو دے اور پانچ ہزار عمد کے ایک وارث کو جس نے معاف نہیں کیا اور اگر مالک غلام دینا چاہے تو اس کی دو تہائیاں خطأ کے وارثوں کو دے اور ایک تہائی عمد کے وارث کو یہ تفصیل امام صاحبؒ کے یہاں ہے صاحبین کے یہاں بطریق منازعت چار حصے ہوں گے جن میں تین چوتھائیاں خطأ کے وارثوں کو ملیں گی، اور ایک چوتھائی عمد کے وارث کو۔

قولہ عبد هما قتل الخ دو آدمیوں کے ایک مشترک غلام نے ان کے قرابت دار کو مار ڈالا اور ایک مالک نے قصاص معاف کر دیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک کل قصاص باطل ہو جائیگا کیونکہ قصاص بوجہ عفو منقلب بمال ہو گیا اور غلام پر مستوجب دین نہیں ہوتا صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ جس مالک نے قصاص معاف کیا ہے وہ اپنا آدھا حصہ دوسرے مالک کو دے یا چوتھائی دیت دیکر اس کا فدیہ دے بعض حضرات نے امام محمدؒ کو امام صاحب کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

فَصْلٌ : قُتِلَ عَبْدٌ خَطَاءً تَجِبُ قِيْمَتُهُ وَنَقَصَ عَشْرَةً لَوْكَانَتْ عَشْرَةَ الافٍ اَوْ اَكْثَرَ وَفِى الاَمَةِ

(فصل) قتل کیا گیا غلام خطاء تو واجب ہوگی اس کی قیمت اور کم کئے جائیں گے دس درہم اگر ہو قیمت دس ہزار یا اس سے زیادہ اور باندی میں

عَشْرَةً مِنْ خَمْسَةِ الافٍ وَفِى الْمَغْصُوْبِ تَجِبُ قِيْمَتُهُ مَابَلَغَتْ وَمَا قُدِّرَ مِنْ دِيَةِ الْحُرِّ قُدِّرَ

دس کم کئے جائیں گے پانچ ہزار سے اور مغصوب غلام میں واجب ہوگی اس کی قیمت جتنی بھی ہو جو مقدار مقرر ہے آزاد کی دیت سے وہی مقرر ہوگی

مِنْ قِيْمَتِهِ فَفِىْ يَدِهِ نِصْفُ قِيْمَتِهِ قُطِعَ يَدُ عَبْدٍ فَحَرَّرَهُ سَيِّدُهُ فَمَاتَ مِنْهُ وَلَهُ وَرَثَةٌ غَيْرُهُ

غلام کی قیمت سے پس اس کے ہاتھ میں اس کی آدھی قیمت ہے غلام کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور مالک نے اس کو آزاد کر دیا پھر وہ مر گیا اور اس کے اور بھی

لَايُقْتَصُّ وَاِلَّا اُقْتُصَّ مِنْهُ قَالَ اَحَدُكُمَا حُرٌّ فَشُجَّا فَبَيَّنَ فِى اَحَدِهِمَا فَاَرْشُهُمَا

وارث ہیں تو قصاص نہیں لیا جائیگا کہا تم میں سے ایک آزاد ہے وہ زخمی کر دئے گئے پھر ان میں سے ایک میں آزادی کو بیان کیا تو ان کا تاوان

لِلسَّيِّدِ فَقَاءَ عَيْنَىْ عَبْدٍ دَفَعَ سَيِّدُهُ عَبْدَهُ وَاَخَذَ قِيْمَتَهُ اَوْ اَمْسَكَهُ وَلَا يَاْخُذُ النُّقْصَانَ

مالک کیلئے ہوگا کسی نے غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دی تو مالک اس کے حوالے کر دے اپنا غلام اور اسکی قیمت لیلے یا اسی کو رکھ لے اور نقصان نہ لے

جَنٰى مُدَبَّرٌ اَوْ اُمُّ وَلَدٍ ضَمِنَ السَّيِّدُ الاَقَلَّ مِنَ الْقِيْمَةِ وَمِنَ الاَرْشِ فَاِنْ دَفَعَ الْقِيْمَةَ بِقَضَاءٍ فَجَنٰى اُخْرٰى

جنایت کی مدبر نے یا ام ولد نے تو ضامن ہوگا مالک کمتر کا قیمت اور تاوان سے پس اگر دی اس نے قیمت قاضی کے حکم سے اور اس نے پھر جنایت

شَارَكَ الثَّانِى الاَوَّلَ وَلَوْ بِغَيْرِ قَضَاءٍ اَتْبَعَ السَّيِّدَ اَوْ وَلِىَّ الْجِنَايَةِ.

کی تو شریک ہوگا دوسرا پہلے کا اور اگر قاضی کے حکم کے بغیر دی تو پیچھا کرے دوسرا مالک کا یا پہلے نقصان والے کا۔

موجب قتل عبد کے احکام کی تفصیل

تشریح الفقہ : قولہ فصل الخ غیر پر مملوک کی جنایت کے احکام سے فراغت کے بعد خود مملوک پر جنایت کے بیان کر رہا ہے کیونکہ فاعل وجود مفعول پر مقدم ہوتا ہے تو ترتیب ذکری میں بھی اسی طرح ہونا چاہیئے۔

قولہ قتل عبد الخ اگر کوئی غلام یا باندی خطاً قتل ہو جائے تو ان کی قیمت واجب ہوگی اب اگر غلام کی قیمت آزاد مرد کی دیت یعنی دس ہزار درہم کے برابر ہو اور باندی کی قیمت آزاد عورت کی دیت یعنی پانچ ہزار درہم کے برابر ہو تو مملوک کے رتبہ کا انحطاط ظاہر کریں گے تو ہر ایک کی دیت سے دس دس درہم کم کر دیئے جائیں گے یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے، امام نخعی، شعبی اور ثوری اسی کے قائل ہیں یہی ایک روایت امام احمد سے ہے امام ابو یوسف کا بھی پہلا قول یہی ہے آخری قول یہ ہے کہ ان کی قیمت واجب ہوگی۔ جتنی بھی ہو۔ کیونکہ ضمان مالیت کا بدل ہے حضرت عمر و حضرت علی سے بھی یہی مروی ہے، ائمہ ثلاثہ، ابن یسرین، ابن المسیب، عمر بن عبد العزیز، زہری اسحاق، مکحول، حسن، ایاس بن معاویہ بھی اسی کے قائل ہیں، امام صاحب کی دلیل حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے "**لا یبلغ بقیمة العبد دیة الحر وینقص منه عشرة دراهم**"، نیز دیت کا وجوب آدمیت کے مقابلہ میں ہے، اور مملوک میں مالیت و آدمیت دونوں ہیں لیکن آدمیت کا رتبہ اعلیٰ ہے لہذا اسی کا اعتبار ہوگا۔

قولہ وما قدر الخ جو مقدار اعضاء حر کی دیت سے مقرر ہے وہی مملوک کی قیمت سے مقرر ہے تو مملوک کے ہاتھ میں اس کی نصف قیمت ہوگی لیکن اکثر کتب فقہیہ ہدایہ، خلاصہ، منتقی البحرین، اختیار، والوالجیۃ، منتقی مجتبیٰ وغیرہ میں ہے کہ پانچ درہم کم پانچ ہزار ہوگی اس سے زیادہ نہ ہوگی۔

قولہ :فقاء عینی الخ ایک شخص نے غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں تو اسکے مالک کو اختیار ہے چاہے وہ غلام آنکھ پھوڑنیوالے کو دے دے اور اس سے پوری قیمت لے لے اور چاہے اسی غلام کو اپنے پاس رکھے اس صورت میں وہ اس سے بقدر نقصان قیمت نہیں لے سکتا صاحبین کے یہاں لے سکتا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے غلام کی قیمت کا ضمان بھی لے اور غلام کا اندھا دھڑ اپنے پاس رکھے صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ جنایت کے سلسلہ میں غلام مال کے درجہ میں ہوتا ہے تو جیسے دیگر اموال میں مالک کو دونوں چیزوں کا اختیار ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ غلام کی ذات میں گو مالیت کا اعتبار ہے مگر آدمیت کو تو رائگاں نہیں کیا جا سکتا اب آدمیت کے احکام میں سے تو یہ ہے کہ ضمان جزء فائت اور جزء قائم ہر دو پر منقسم نہ ہو بلکہ جزء فائت کذے مقابلہ [1] ہو اور اسکے جثہ میں تملک نہ ہو، اور احکام مالیت سے یہ ہے کہ ضمان جزء فائت اور جزء قائم ہر دو پر منقسم ہو اور جثہ میں تملک ہو تو دونوں حیثیتوں پر عمل کیا جائیگا اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ نقصان نہ لے۔

قولہ: جنی مدبر الخ اگر مدبر غلام یا ام ولد کوئی جنایت نہ کرے تو قیمت اور دیت میں سے جو کم ہو مالک اسکا تاوان دے امام شافعی کے یہاں مدبر غلام عبد محض کے درجہ میں ہوتا ہے اسلیئے انکے یہاں اسکی جنایت اسی کی گردن سے متعلق ہوگی اور مالک کو اختیار ہوگا چاہے جنایت کے بدلے میں غلام دیدے اور چاہے اسکا فدیہ دیدے اب اگر وہ غلام دینا اختیار کرتا ہے تو جنایت کے عوض میں غلام کو فروخت کر دیا جائیگا اور اگر فدیہ دینا اختیار کرتا ہے تو امام شافعی کے دو قول ہیں ایک یہ کہ جنایت کے تاوان کی جو بھی مقدار ہو اسی کا

....

(۱)......لان ضمان الغصب یکون باعتبار المالية لا باعتبار الآ دمية ۱۲. مجمع (۲)......لاشتباه من له الحق لان المعتبران كان وقت الجرح فالمستحق السيد .وان كان وقت الموت فذالک الوارث وحده، اومع السيد ۱۲. طحطاوی مع تغیر (۳)......لان العتق غير نازل فی المعين والشجة تصاوف العين فبقيامملوكين فی حق الشجة ۱۲. زيلعی.

تاوان دیگا امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ تاوان جنایت اور قیمت میں سے جو کم ہو وہ دیگا امام احمد سے دوسری روایت یہی ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ مدبر کو اسکی جنایت کے سلسلہ میں فروخت نہیں کیا جاسکتا بلکہ مجنی علیہ اس سے بقدر جنایت خدمت لیتا رہے گا جب وہ خدمت لے چکے تو غلام پھر اپنے مالک کے پاس آ جائیگا اور حسب سابق مدبر رہیگا ہماری دلیل حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کا ارشاد ہے "جناية المدبر على مولاه" امام شعبی، نخعی، حسن اور عمر بن عبد العزیز سے بھی یہی روایت ہے پھر اگر مالک نے قیمت قاضی کے حکم سے دی اسکے بعد مدبر یا ام ولد نے دوسری جنایت کی تو آقا پر کچھ واجب نہ ہوگا بلکہ مقتول ثانی کا وارث مقتول اول کے وارث کا شریک ہوگا کیونکہ مدبر کی کل جنایت میں صرف ایک ہی قیمت واجب ہوتی ہے اور وہ آقا دے چکا اور اگر مالک نے پہلی جنایت کے وارثوں کو قیمت بلا حکم قاضی دی ہو تو مقتول ثانی کا وارث چاہے اپنے حصے کیمطابق قیمت لینے کیلئے مالک کا پیچھا کرے اور مقتول اول کے وارث سے اتنا ہی واپس لے لے اور چاہے وارث اول کا پیچھا کرے یعنی اس سے نصف قیمت لے لے یہ تفصیل امام صاحب کے یہاں ہے صاحبین کے یہاں بلا قاضی (قضاء) قیمت دینے میں مالک پر کچھ واجب نہیں۔

عہ......رواه القدوری فی شرح مختصر الکرخی وعبد الرزاق وابن شیبه عن النخعی والشعبی ۱۲ .عہ...... ابن ابی شیبه ۱۲ .

باب غصب العبد والمدبر والصبی والجنایة فی ذلک

باب غلام اور مدبر اور بچہ کے غصب کرنے اور اس اثنا میں اس سے قصور واقع ہونے کے بیان میں

قَطَعَ يَدَ عَبْدِهٖ فَغَصَبَهٗ رَجُلٌ وَمَاتَ مِنْهُ ضَمِنَ قِيْمَتَهٗ اَقْطَعَ وَاِنْ قَطَعَ يَدَهٗ فِي يَدِ الْغَاصِبِ

کسی نے غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر کسی نے اس کو غصب کرلیا اور وہ مرگیا تو غاصب ضامن ہوگا ہاتھ کٹے غلام کی قیمت کا اور اگر ہاتھ کاٹا اس کا غاصب کے

فَمَاتَ مِنْهُ بَرِئَ غَصَبَ مَحْجُوْرٌ مِثْلَهٗ فَمَاتَ فِي يَدِهٖ ضَمِنَ مُدَبَّرٌ جَنٰى عِنْدَ غَاصِبِهٖ

یہاں پھر وہ مرگیا تو غاصب بری ہوگا غصب کیا عبد مجبور نے اپنے جیسے کو اور وہ مرگیا اس کے پاس تو ضامن ہوگا مدبر نے جنایت کی اپنے غاصب کے

ثُمَّ عِنْدَ سَيِّدِهٖ ضَمِنَ قِيْمَتَهٗ لَهُمَا وَرَجَعَ بِنِصْفِ قِيْمَتِهٖ عَلَى الْغَاصِبِ وَدَفَعَ اِلَى الْاَوَّلِ

یہاں پھر اپنے مالک کے یہاں تو ضامن ہوگا اس کی قیمت کا دونوں کیلئے اور لیلیے گا اس کی آدھی قیمت غاصب سے اور دیدے گا اول کو

ثُمَّ رَجَعَ بِهٖ عَلَى الْغَاصِبِ وَبِعَكْسِهٖ لَايَرْجِعُ بِهٖ ثَانِيًا وَالْقِنُّ كَالْمُدَبَّرِ غَيْرَ اَنَّ الْمَوْلٰى يَدْفَعُ الْعَبْدَ هُنَا

پھر آدھی ہی اور لے لے گا غاصب سے اور اس کے عکس میں نہیں لے گا اس سے دوبارہ اور غلام مثل مدبر کے ہے بجز اس کے کہ مالک حوالے کریگا غلام یہاں

وَثَمَّهُ الْقِيْمَةَ مُدَبَّرٌ جَنٰى عِنْدَ غَاصِبِهٖ فَرَدَّهٗ فَغَصَبَهٗ فَجَنٰى عَلٰى سَيِّدِهٖ قِيْمَتُهٗ

اور وہاں قیمت مدبر نے جنایت کی اپنے غاصب کے پاس اس نے واپس کردیا اور پھر غصب کرلیا اس نے پھر جنایت کی تو مالک پر اسکی قیمت

لَهُمَا وَرَجَعَ بِقِيْمَتِهٖ عَلَى الْغَاصِبِ وَدَفَعَ نِصْفَهَا اِلَى الْاَوَّلِ وَرَجَعَ بِذٰلِكَ النِّصْفِ عَلَى الْغَاصِبِ

واجب ہوگی دونوں کیلئے اور لیلیے گا اسکی قیمت غاصب سے اور دیگا آدھی قیمت اول کو اور یہ آدھی بھی لے لیگا غاصب سے

غَصَبَ صَبِيًّا حُرًّا فَمَاتَ فِي يَدِهٖ فَجَاَةً اَوْ بِحُمّٰى لَمْ يَضْمَنْ وَاِنْ مَاتَ بِصَاعِقَةٍ اَوْ نَهْشِ حَيَّةٍ

غصب کیا آزاد بچہ اور وہ مرگیا اسکے یہاں اچانک یا بخار سے تو ضامن نہ ہوگا اور اگر وہ مرگیا بجلی گرنے یا سانپ کے ڈسنے سے

فَدِيَتُهٗ عَلٰى عَاقِلَةِ الْغَاصِبِ كَصَبِيٍّ اُوْدِعَ عَبْدًا فَقَتَلَهٗ وَاِنْ اُوْدِعَ طَعَامًا فَاَكَلَهٗ لَمْ يَضْمَنْ.

تو اس کی دیت غاصب کے عاقلہ پر ہوگی اس بچہ کی طرح جس کو سپرد کیا گیا کوئی غلام اور اس نے اس کو قتل کردیا اور اگر کھانا سپرد کیا گیا اور وہ کھا گیا تو ضامن نہ ہوگا

تشریح الفقہ : قولہ: قطع ید عبدہ الخ کسی نے غلام کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور اسکو کسی نے غصب کرلیا اور وہ سرایت زخم کیوجہ سے مرگیا تو غاصب ٹونڈے غلام کا تاوان دیگا اور اگر غلام غاصب کے قبضہ میں ؛ داور اسکے پاس رہتے ہوئے کوئی اسکا ہاتھ کاٹے پھر غلام سرایت زخم کیوجہ سے مرگیا تو غاصب تاوان سے بری الذمہ ہوگا وجہ فرق یہ ہیکہ بیع کی طرح غصب بھی ملک کا سبب ہوتا ہے تو جنایت اور سرایت کے درمیان غصب کا حائل ہوجانا قاطع سرایت ہوا اور ٹونڈا غلام گویا غاصب کے پاس کسی آفت سماویہ کیوجہ سے ہلاک ہوا لہذا ٹونڈے غلام کی قیمت دیگا، اور دوسری صورت میں قاطع سرایت پایا نہیں گیا اسلئے غاصب بری الذمہ ہوگا۔

---

(۱)......لما ذکر جناية العبد والمدبر ذکر فی هذا الباب جنايتهما مع غصبهما لان المفرد قبل المرکب ۱۲ . شبلی

(۲)......لان المحجور عليه مواخذ بافعاله وهذا من افعاله ۱۲ . زيلعی.

قولہ مدبر جنی الخ ایک شخص نے مدبر غلام غصب کیا اس نے غاصب کے پاس رہتے ہوئے کسی کو قتل کیا غاصب نے غلام اسکے مالک کو واپس کردیا غلام نے مالک کے یہاں بھی کسی کو قتل کردیا تو مالک اسکی قیمت کا تاوان دونوں مقتولوں کے ورثہ کو نصفا نصف دے اور غاصب سے مدبر کی نصف قیمت لیکر جنایت اول کے وارث کو دے کیونکہ اسکا حق پوری قیمت میں تھا اسواسطے کہ جب اسکا آدمی مقتول ہوا تھا اس وقت اسکا کوئی مزاحم موجود نہیں تھا کمی جو ہوئی ہے وہ مقتول ثانی کی مزاحمت سے ہوئی ہے اور جب مالک کے ہاتھ میں غلام کا بدلہ غیر کے حق سے فارغ ہو کر آ گیا تو اسکو وارث اول لے لیگا تا کہ اسکا حق پورا ہو جائے، اب مالک غاصب سے نصف قیمت اور لیگا کیونکہ مالک سے جو یہ لیا گیا ہے اسکا سبب تو غاصب ہی کے یہاں متحقق ہوا تھا۔

قولہ بعکسہ الخ عکس کی صورت یہ ہے کہ مدبر نے پہلے اپنے مالک کے یہاں کسی کو قتل کیا اس کے بعد غاصب کے یہاں قتل کیا' اس صورت میں مالک غاصب سے دوبارہ نصف قیمت اس لئے نہیں لے سکتا کہ پہلی جنایت خود اسے کے پاس واقع ہوئی ہے نہ کہ غاصب کے پاس۔

قولہ علی سیدہ قیمتہ الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ عمرو نے بکر کا مدبر غلام غصب کیا اس نے عمرو کے یہاں زید پر جنایت کی پھر عمرو نے وہ مدبر بکر کو واپس کر کے دوبارہ چھین لیا اور اس مرتبہ اس نے خالد پر جنایت کی تو بکر پر مدبر مذکور کی قیمت واجب ہوگی جو وہ ولی خلیتین (زید اور خالد) کو دے گا اور وہ مدبر کی پوری قیمت عمرو سے وصول کرے گا' کیونکہ دونوں جنایتیں اسی کے یہاں وقوع میں آئی ہیں اب جو قیمت بکر نے عمرو سے لی ہے اس میں نصف قیمت ولی جنایت اول یعنی زید کو دے گا۔ کیونکہ کل قیمت کا مستحق ہے (علی ماہیناسابقا) اور جو نصف قیمت اس نے زید کو دی ہے وہ پھر عمرو سے وصول کرے گا۔ کیونکہ اس نصف کا استحقاق بھی اسی سبب سے ہے جو غاصب کے یہاں واقع ہوا تھا **فیر جع بہ علیہ**۔

قولہ غصب صبیاً الخ ایک چھوٹا سا آزاد بچہ جو اپنا حال بیان نہیں کر سکتا۔ کسی نے غصب کر لیا (یعنی اس کے ولی کی اجازت کے بغیر کہیں لے گیا) اور وہ اچانک یا بخار کے سبب مر گیا تو غاصب ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ ناگہانی موت اور بخار کا آنا ہر مقام میں ممکن ہے' اور اگر وہ بجلی گرنے یا سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے مر گیا تو غاصب کے عاقلہ پر بچہ کی دیت واجب ہوگی۔ مگر استحساناً قیاس کی رو سے دونوں صورتوں میں ضمان نہیں ہونا چاہئے۔ جیسا کہ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کیونکہ آزاد کے حق میں غصب متحقق ہی نہیں ہوتا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ یہاں ضمان غصب کیوجہ سے نہیں بلکہ اتلاف کی وجہ سے ہے کیونکہ بچہ کو ایسی بھیانک جگہ لے جانا جہاں درندے اور زہریلے جانور رہتے ہوں اتلاف بالتسبب ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب القسامة

باب قسامت کے بیان میں

قَتِيلٌ وُجِدَ فِي مَحَلَّةٍ لَمْ يُدْرَ قَاتِلُهُ حُلِّفَ خَمْسُونَ رَجُلاً مِنْهُمْ يَتَخَيَّرُهُمُ الْوَلِيُّ بِاللهِ مَا قَتَلْنَاهُ وَمَا عَلِمْنَا لَهُ

مقتول پایا گیا محلہ میں جس کا قاتل معلوم نہیں تو قسم لی جائے ان میں کے پچاس آدمیوں سے جن کو منتخب کرے مقتول کا ولی بخدا ہم نے نہ اسکو قتل کیا ہے

قَاتِلاً فَإِنْ حَلَفُوا فَعَلَى اَهْلِ الْمَحَلَّةِ الدِّيَةُ وَلاَ يُحَلَّفُ الْوَلِيُّ وَحُبِسَ الْآبِي حَتّٰى يُحَلَّفَ.

اور نہ ہم اسکے قاتل کو جانتے ہیں جب وہ قسم کھالیں تو اہل محلہ پر دیت ہوگی اور قسم نہ دی جائے ولی کو اور قید کیا جائے منکر کو یہاں تک کہ وہ قسم کھائے۔

تشریح الفقہ: قوله القسامة الخ قسامہ لغۃً مصدر (یا اسم مصدر) ہے بمعنی قسم یعنی مطلق یمین وحلف خواہ ایک آدمی کھائے یا زیادہ اصطلاح شرح میں حق تعالیٰ کے نام کی قسم ہے جو بسبب مخصوص عدد (مخصوص کی جہت سے ایک مخصوص شخص پر بروجہ مخصوص کھائی جائے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

قوله قتيل الخ محلّہ میں ایک مقتول پایا گیا جس کا قاتل معلوم نہیں تو محلّہ کے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی جن کا انتخاب مقتول کا وارث کرے گا پس ان میں سے ہر شخص بصیغہ واحد یوں قسم کھائے گا کہ بخدا نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کو جانتا ہوں جب وہ قسم کھا چکیں تو ان پر دیت کا حکم کر دیا جائے گا۔

قوله ولا يحلف الولي الخ ہمارے یہاں قسم اہل محلّہ سے لیجائے گی ولی مقتول سے نہیں لی جائے گی امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر وہاں کسی قسم کا اشتباہ ہو مثلاً اہل محلہ مقتول سے ظاہری عداوت رکھتے ہوں یا کسی قتل کی علامت پائی جاتی ہو یا ظاہر حال مدعی کی صداقت کا شاہد ہو تو اولیاء مقتول سے پچاس بار قسم لیجائے گی کہ اس کو اہل محلّہ نے قتل کیا ہے اس کے بعد مدعا علیہ پر دیت کا حکم کر دیا جائے گا امام مالک کے یہاں قصاص کا حکم کیا جائے گا اگر دعوی قتل عمد کا ہو امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اولیاء مقتول سے فرمایا تھا "فيقسم منكم خمسون انهم قتلوه"۔ ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه"۔

وَإِنْ لَمْ يَتِمَّ الْعَدَدُ كُرِّرَ الْحَلْفُ عَلَيْهِمْ لِيَتِمَّ خَمْسُونَ وَلاَ قَسَامَةَ عَلٰى صَبِيٍّ وَمَجْنُونٍ وَامْرَأَةٍ وَعَبْدٍ

اگر عدد پورا نہ ہو تو مکرر لیجائے گی قسم ان سے تاکہ پوری ہو جائیں پچاس اور نہیں ہے قسامت بچہ پر دیوانہ پر عورت پر غلام پر

وَلاَ قَسَامَةَ وَلاَدِيَةَ فِي مَيِّتٍ لاَ اَثَرَ بِهِ اَوْ يَسِيْلُ دَمٌ مِنْ اَنْفِهِ اَوْ فَمِهِ اَوْ دُبُرِهِ بِخِلاَفِ عَيْنِهِ

اور نہیں ہے قسامت اور نہ دیت اس میت پر جس پر نہ ہو کوئی نشان یا بہتا ہو خون اسکی ناک یا منہ یا مقام براز سے بخلاف اسکے کہ بہتا ہو اسکی آنکھوں

وَاُذُنِهِ قَتِيلٌ عَلٰى دَابَّةٍ مَعَهَا سَائِقٌ اَوْ قَائِدٌ اَوْ رَاكِبٌ فَدِيَتُهُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ

یا کانوں سے ایک مقتول ہے جانور پر لدا ہوا جسکے ساتھ آگے یا پیچھے سے ہانکنے والا یا کوئی سوار ہے تو اسکی دیت اسکے عاقلہ پر ہے

مَرَّتْ دَابَّةٌ عَلَيْهَا قَتِيلٌ مِنْ بَيْنِ قَرْيَتَيْنِ فَعَلٰى اَقْرَبِ بِهِمَا

گذرا ایک جانور جس پر مقتول تھا دو بستیوں کے درمیان تو قسامت قریب والی بستی پر ہوگی

عہ ...... ائمہ ستہ عن سہل بن ابی حثمہ ۱۲۔ عہ ...... ترمذی، دار قطنی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ۱۲۔

وَاِنْ وجِدَ فِي دَارِانسَانٍ فَعَلَيهِ الْقَسامَةُ وَالدِّيَةُ عَلىٰ عَاقِلَتِهٖ.

اور اگر پایا گیا کسی کے مکان میں تو اس پر قسامت ہوگی اور دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔

تشریح الفقہ: قوله وان لم يتم الخ اہل محلّہ سے پچاس آدمیوں کی شمار پوری نہ ہوتو ان سے مکرر قسم لیجائے گی تاکہ پچاس قسمیں پوری ہو جائیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے جب قسامت کا فیصلہ کیا تو انچاس قسمیں ہوئیں آپ نے انہیں میں سے ایک شخص سے مکرر قسم لی یہاں تک کہ پچاس پوری ہوگئیں'' ابن ابی شیبہ نے حضرت شریح سے اور عبدالرزاق نے حضرت ابراہیم نخعی سے بھی یہی روایت کیا ہے کہ ان حضرات نے پچاس کا عدد پورا کرنے کیلئے مکرر قسم لی ہے۔

قوله ولا دية في ميت الخ اگر محلّہ میں کوئی ایسا مردہ پایا گیا جس کی ناک یا مقام براز یا منہ سے خون جاری ہوتو اس میں نہ قسامت ہے نہ ودیت کیونکہ ممکن ہے وہ نکسیر یا بواسیر یا سوداوی قے کیوجہ سے مرا ہو ہاں اگر خون آنکھوں یا کانوں سے جاری ہوتو وہ مقتول سمجھا جائے گا کیونکہ ان جگہوں سے عادۃً بلاضرب شدید خون جاری نہیں ہوتا۔

قوله مرت دابة الخ اگر کوئی مقتول دو گاؤں کے درمیان ملے تو قسامت اور دیت اس گاؤں پر ہوگی جس سے وہ زیادہ قریب ہو کیونکہ عہد نبوی میں اس طرح کا قصہ پیش آیا تو آپ نے دونوں گاؤں کی پیائش کرائی پیائش سے مردہ ایک گاؤں سے ایک بالشت قریب نکلا تو آپ ﷺ نے اسی گاؤں والوں پر قسامت کا فیصلہ فرمایا' اور اگر دونوں گاؤں برابر فاصلہ پر ہوں' تو دونوں پر لازم ہوگی' ثم قيد الدابة اتفاقي فان الحكم كذلك اذا وجد طريحاً بينهما (در' طحطاوی 'عینی)۔

قوله وان وجد الخ اگر مقتول کسی کے گھر میں ملے تو گھر والے قسامت اور اس کے عاقلہ پر دیت ہوگی کیونکہ وہ گھر اس کے قبضہ میں ہے پس مالک دار کو اہل محلّہ سے ایسی نسبت ہے۔ جیسے اہل محلّہ کو اہل شہر سے' اور اہل شہر اہل محلّہ کے ساتھ قسامت میں نہیں ہوتے تو اہل محلّہ بھی مالک مکان کے ساتھ نہ ہوں گے۔

وَهِيَ عَلىٰ اَهْلِ الْخِطَّةِ دُوْنَ السُّكَّانِ وَالْمُشْتَرِيْنَ فَاِنْ لَمْ يَبْقَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ فَعَلَى الْمُشْتَرِيْنَ وَاِنْ وُجِدَ فِي دَارٍ

اور دیت زمینداروں پر ہے نہ کہ باشندوں اور خریداروں پر اگر ان میں کوئی باقی نہ ہو تو خریداروں پر ہے اگر پایا گیا ایسے مکان میں

مُشْتَرَكَةٍ عَلَى التَّفَاوُتِ فَهِيَ عَلَى الرُّؤْسِ وَاِنْ بِيْعَ وَلَمْ يُقْبَضْ فَعَلىٰ عَاقِلَةِ الْبَائِعِ

جو مشترک ہے متفاوت طریقہ پر تو قسامت شمار کے مطابق ہوگی اگر مکان بیچدیا گیا اور قبضہ نہیں کیا گیا تو بائع کے عاقلہ پر ہوگی

وَفِي الْخِيَارِ عَلىٰ ذِي الْيَدِ وَلَا يَعْقِلُ عَاقِلَةٌ حَتّٰى يَشْهَدَ الشُّهُوْدُ اَنَّهَا لِذِي الْيَدِ وَفِي الْفُلْكِ عَلىٰ مَنْ فِيْهَا

اور بصورت خیار قابض پر، دیت نہ دیں گے عاقلہ یہاں تک کہ گواہ گواہی دیں کہ وہ قابض کا ہے اگر مقتول کشتی میں ہوتو ان پر ہوگی جو کشتی میں ہیں

مِنَ الرُّكَّابِ وَالْمَلَّاحِيْنَ وَفِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ عَلىٰ اَهْلِهَا وَفِي الْجَامِعِ وَالشَّارِعِ لَا قَسَامَةَ وَالدِّيَةُ عَلىٰ بَيْتِ

یعنی سوار اور ناخدا اگر محلّہ کی مسجد میں ہوتو اہل محلّہ پر ہوگی اگر جامع مسجد یا شارع عام میں ہوتو قسامت نہیں اور دیت بیت المال پر ہوگی

عہ ... ابن ابی شیبہ' عبدالرزاق ۱۲۔ عہ ..... طیالسی' ابن راہویہ' بزار' بیہقی' ابن عدی عن ابی سعید الخدری ۱۲۔

الْمَالِ وَيُهْدَرُ لَوْفِي بَرِيَّةٍ اَوْ وَسْطِ الْفُرَاتِ وَلَوْ مُحْتَبِسًا بِالشَّاطِئِ فَعَلٰى اَقْرَبِ الْقُرٰى وَدَعْوَى الْوَلِيِّ

خون رائیگاں ہوگا اگر مقتول جنگل میں یا دریا کے بیچ میں ہوا گر کنارے سے بندھا ہوتو قریب والی بستی پر ہوگی ولی کا دعویٰ کرنا کسی ایک پر

عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ تُسْقِطُ الْقَسَامَةَ عَنْهُمْ وَعَلٰى مُعَيَّنٍ مِنْهُمْ لاَ وَاِنِ الْتَقٰى قَوْمٌ بِالسُّيُوْفِ

غیر محلہ والے سے ساقط کردیتا ہے قسامت اہل محلہ سے اور محلہ کے کسی ایک معین پر نہیں اگر بھڑی قوم تلواروں کے ساتھ

فَاَجْلَوْا عَنْ قَتِيْلٍ فَعَلٰى اَهْلِ الْمَحَلَّةِ اِلَّا اَنْ يَّدَّعِيَ الْوَلِيُّ اُوْلٰئِكَ اَوْ عَلٰى مُعَيَّنٍ مِنْهُمْ وَاِنْ قَالَ الْمُسْتَحْلَفُ

اور جدا ہوئی ایک مقتول چھوڑ کرتو قسامت اہل محلہ پر ہوگی الا یہ کہ دعویٰ کرے ولی بھڑنے والوں پر یا ان میں کسی معین پر، اگر کہا قسم والے نے

مِنْهُمْ قَتَلَهٗ زَيْدٌ حُلِّفَ بِاللّٰهِ مَاقَتَلْتُ وَلاَ عَرَفْتُ لَهٗ قَاتِلاً غَيْرَ زَيْدٍ

کہ اسکو زید نے قتل کیا ہے تو قسم دیجائے گی اس طرح بخدا میں نے قتل نہیں کیا اور نہ میں جانتا ہوں اسکا قاتل سوائے زید کے

وَبَطَلَ شَهَادَةُ بَعْضِ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَلٰى قَتْلِ غَيْرِهِمْ اَوْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ.

باطل ہے بعض اہل محلہ کی گواہی غیر محلہ والے کے قتل پر یا ان میں سے کسی ایک پر۔

تفصیل احکام قسامت

توضیح اللغۃ: اہل خطہ اصحاب املاک قدیمہ، سکان جمع ساکن باشندہ، فلک کشتی، رکاب جمع راکب سوار، ملاحین جمع ملاح ناخدا، شاطی کنارہ، قری جمع قریہ بستی، سیوف جمع سیف تلوار، اجلوا عن کذا واضح کرنا، ظاہر کرنا۔

تشریح الفقہ: **قوله على اهل الخطه الخ** اہل خطہ سے مراد املاک قدیمہ کے لوگ ہیں جو اسے وقت سے زمین کے مالک ہوں جب سے امام نے شہر فتح کیا تھا اور غازیوں کے درمیان تقسیم کر کے ہر ایک کو اس کے حصہ کا کاغذ لکھ دیا تھا تا کہ ان کے حصے جدا جدا ہیں تو طرفین کے یہاں قسامت انہیں لوگوں پر ہوتی ہے وہاں کے باشندوں اور خریداروں پر نہیں ہوتی، امام ابو یوسف کے یہاں اس میں سب شریک ہوتے ہیں، اس واسطے کہ ولایت تدبیر منزل جس طرح ملک کے ذریعہ سے ہوتی ہے، اسے طرح رہائش کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے لہٰذا وہ سب شریک ہوں گے۔ **ولهما ان المالك هوا لمختص بنصرة البقعة دون السكان۔**

قوله وان وجد الخ اگر مقتول ایسے مکان میں پایا گیا جو چند لوگوں کے درمیان مشترک ہے اور شرکاء میں سے بعض کا حصہ زائد ہے بعض کا کم تو دیت آدمیوں کی شمار پر ہوگی مثلاً ایک شریک کا آدھا حصہ ہے دوسرے کا دسواں تیسرے کا باقی تو دیت اور قسامت ان کے عاقلہ پر تین تہاؤ ہوگی اس واسطے کہ صاحب قلیل اور صاحب کثیر حفظ وتدبیر میں سب برابر ہیں۔

قوله وان بيع الخ ایک مکان فروخت ہوا اور وہ ابھی مشتری کے قبضہ میں نہیں آیا تھا کہ اس میں ایک مقتول پایا گیا تو اس کی دیت بائع کے عاقلہ پر ہوگی، اور اگر مکان کی فروختگی کسی ایک کیلئے خیار کیساتھ ہوئی ہوتو امام صاحب کے نزدیک اس کے عاقلہ پر ہوگی جس کے قبضہ میں وہ مکان ہے (خواہ قابض بائع ہو یا مشتری) اور صاحبین کے نزدیک اس کے عاقلہ پر ہوگی جس کے لئے مکان کی ملکیت ثابت ہونے والی ہے۔ کیونکہ اس کو جو قاتل ٹھہرایا گیا ہے وہ حفاظت میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے ٹھہرایا گیا ہے تو جس کیلئے ولایت حفظ ہوگی دیت اسی پر واجب ہوگی اور ولایت حفظ ملک سے مستفاد ہوتی ہے لہٰذا ملک ہے کا اعتبار ہوگا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حفاظت دراصل قبضہ سے ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر قبضہ ہو اور ملک نہ ہوتو حفاظت ہوسکتی ہے لیکن ملک ہو اور قبضہ نہ ہوتو حفاظت نہیں ہوسکتی جب

یہ بات ہے تو قبضہ ہی کا اعتبار ہوگا نہ کہ ملک کا۔

قولہ وبطل الخ ایک محلّہ میں کوئی مقتول پایا گیا اور ولی مقتول نے غیر محلّہ کے ایک معین شخص کا نام لیا کہ ہم میں سے فلاں شخص نے مارا ہے تو امام صاحب کے نزدیک یہ گواہی باطل ہوگی اور صاحبین کے نزدیک مقبول ہوگی' یہ حکم ایک متفق علیہ اصل پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ جو شخص کسی حادثہ میں خصم ہو اور پھر خصم ہونے سے نکل جائے تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہوتی نیز جس شخص کیلئے خصم ہونا عارض ہو پھر عرضیت ختم ہو جائے اور وہ اس حادثہ میں گواہی دی تو اس کی گواہی مقبول ہوتی ہے۔ پس پیش نظر مسئلہ میں صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اگر ولی مقتول اہل محلّہ پر قتل کا دعوی کرتا ہے تو وہ خصم ہو سکتے تھے' لیکن غیر محلّہ پر دعوی ہونے کی وجہ سے وہ اس عرضیت سے نکل گئے لہٰذا ان کی گواہی مقبول ہوگی جیسے وکیل بالخصومۃ کہ اگر اس کو خصومت کرنے سے پہلے معزول کر دیا جائے اور وہ اسے حادثہ کی بابت گواہی دے تو اس کی گواہی مقبول ہوتی ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس حادثہ میں اہل محلّہ خصم ہو چکے ہیں کیونکہ مقتول انہیں میں پایا گیا ہے' اور جو شخص کسی حادثہ میں خصم ہو چکے اس کی گواہی مقبول نہیں ہوتی' **کالو کیل اذافی مجلس الحکم ثم عزلہ فشھدہ۔**

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔ فاضل دار العلوم دیوبند

كتاب المعاقل

هِيَ جَمْعُ مَعْقُلَةٍ وَهِيَ الدِّيَةُ كُلُّ دِيَةٍ وَجَبَتْ بِنَفْسِ الْقَتْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَهِيَ اَهْلُ الدِّيْوَانِ اِنْ كَانَ الْقَاتِلُ

وہ جمع ہے معقلہ کی بمعنی دیت ہر وہ دیت جو واجب ہو نفس قتل سے تو وہ عاقلہ پر ہوتی ہے اور وہ دفتر والے ہیں قاتل ان میں سے ہو

مِنْهُمْ وَتُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِي ثَلٰثِ سِنِيْنَ فَاِنْ خَرَجَتِ الْعَطَايَا فِي اَكْثَرِ مِنْ ثَلٰثٍ اَوْ اَقَلَّ اُخِذَ مِنْهَا

اور لیجائیگی ان کے عطایا سے تین سال میں اور اگر وصول ہوں عطایا تین سال سے زائد میں یا کم میں تو لے لیجائیگی اس سے

وَمَنْ لَمْ يَكُنْ دِيْوَانِيًّا فَعَاقِلَتُهُ قَبِيْلَتُهُ تُقْسَمُ عَلَيْهِمْ فِي ثَلٰثِ سِنِيْنَ لَايُؤْخَذُ مِنْ كُلٍّ فِي كُلِّ سَنَةٍ اِلَّا دِرْهَمٌ

اور دفتر والوں میں سے نہ ہو تو اس کا عاقلہ اس کا قبیلہ ہے چھانٹ دیجائیگی ان پر تین سال میں نہیں لیا جائیگا ہر ایک سے ہر سال مگر ایک درہم

اَوْ دِرْهَمٌ وَثُلُثٌ فَلَمْ يُزَدْ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ كُلِّ الدِّيَةِ فِي ثَلٰثِ سِنِيْنَ عَلٰى اَرْبَعَةٍ فَاِنْ لَمْ يَتَّسِعِ الْقَبِيْلَةُ

یا ایک درہم اور تہائی درہم پس زیادہ نہ کیا جائیگا ہر ایک پر کل دیت سے تین سال میں چار درہموں پر اگر قبیلہ میں گنجائش نہ ہو

لِذٰلِكَ ضُمَّ اِلَيْهِمْ اَقْرَبُ الْقَبَائِلِ نَسَبًا عَلٰى تَرْتِيْبِ الْعَصَبَاتِ وَالْقَاتِلُ كَاَحَدِهِمْ وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيْلَةُ مَوْلَاهُ

تو ملا لیا جائیگا ان کے ساتھ قریبی ناتے کا قبیلہ عصبات کی ترتیب پر اور قاتل بھی انکا ایک فرد شمار ہوگا آزاد کئے ہوئے کا عاقلہ اسکے مولیٰ کا قبیلہ ہے

وَيَعْقِلُ عَنْ مَوْلَى الْمُوَالَاتِ مَوْلَاهُ وَقَبِيْلَتُهُ وَلَا يَعْقِلُ عَاقِلَةٌ جِنَايَةَ الْعَبْدِ وَالْعَمْدِ وَمَالَزِمَ

اور دیت دے مولیٰ موالات کی طرف سے اس کا مولیٰ اور قبیلہ اور تاوان نہ دیگا عاقلہ غلام کی جنایت کا اور جان کر قصور کا اور اس کا جو لازم ہو

صُلْحًا اَوْ اِعْتِرَافًا اِلَّا اَنْ يُصَدِّقُوْهُ وَاِنْ جَنٰى حُرٌّ عَلٰى عَبْدٍ خَطَاءً فَهِيَ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ.

صلح سے یا اقرار سے الا یہ کہ عاقلہ اس کی تصدیق کردیں اگر جنایت کی آزاد نے غلام پر خطاء تو تاوان اسکے عاقلہ پر ہوگا۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ قتل خطا توابع قتل خطا کے احکام سے فارغ ہو کر ان لوگوں کو بیان کر رہا ہے جن پر دیت واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ احکام دیات کے لئے عواقل کی معرفت بھی ضروری ہے (معراج الدرایۃ)

قولہ ھی جمع الخ معقلۃ کی جمع ہے بمعنی دیت اس کا دوسرا نام عقل ہے کیونکہ عقل کے معنی روکنے اور باز رکھنے کے ہیں اور دیت چونکہ خونریزی سے باز رکھتی ہے اس لئے اسکو عقل کہتے ہیں۔ جب معاقل معقلۃ کی جمع ہوئی تو "کتاب المعاقل" عنوان غلط ہوا کیونکہ یہاں بیان دیات مقصود نہیں اسکے احکام تو کتاب الدیات میں بیان ہو چکے یہاں تو ان لوگوں کا بیان مقصود ہے جن پر دیت واجب ہوتی ہے جنکو عاقلہ کہتے ہیں اور جمع عواقل آتی ہے۔ پس عنوان "کتاب العواقل" ہونا چاہیئے جیسا کہ صاحب برھان وغیرہ نے اپنایا ہے۔ الا یہ کہ کلام بحذف المضاف ہو ای **کتاب اهل المعاقل**۔

---

(۱) لمالم يجد العينى فى نسخة شرحها هذا اللفظ قال" من عطا ياهم"بدل من قوله منهم۱۲ . (۲)..... لان النصرة بهم وقف قال عليه السلام مولى القوم منهم۱۲ . (۳)......الحديث ابن عباس موقوفا ومرفوعا لا تعقل العواقل عمداً ولا عبداً ولا صلحاً ولا اعترافاً ولا ما دون ارش الموضحة۱۲ . (۴)......لانه ضمان الآدمى فتجب على العاقله وقال الشافعى فى قول تجب على القاتل لانه بدل المال عنده۱۲ .

قولہ کل دیۃ الخ جو دیت نفس قتل کے باعث لازم ہو وہ قاتل کے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے یعنی اہل دیوان پر اگر قاتل لشکری ہو، دیوان اس دفتر کو کہتے ہیں جس میں لشکر والوں کے اسماء اور روزینہ و ماہانہ وغیرہ لکھا جاتا ہے، امام شافعی کے یہاں دیت کنبہ والوں پر ہوتی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہی دستور تھا' ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے دیوان مقرر کیا تو صحابہ کرام کے مجمع عام میں اہل دیوان پر دیت معین کی اور کسی نے اسکا انکار نہیں کیا' نیز آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نصرت اہل نسب سے تھی۔ اور تدوین دیوان کے بعد نصرت دیوان کے ساتھ وابستہ ہوگئی۔ اسلئے اہل دیوان عاقلہ ٹھہر گئے۔

قولہ بنفس القتل الخ اس قید سے وہ خونبہا نکل گیا جو از راہ صلح یا از راہ شبہ دیا جائے جیسے باپ اپنے بیٹے کو عمداً مار ڈالے کہ ان دونوں صورتوں میں خونبہا خاص قاتل کے مال میں ہوتا ہے نہ کہ عاقلہ پر۔

قولہ وتوخذ الخ دیت اہل دیوان کے عطایا وارزاق سے تین سال میں لیجائیگی۔ اور اگر عطایا اس سے کم وبیش مدت میں نکلیں تو تمام دیت اسی سے لے لیجائیگی۔ اور اگر قاتل لشکری نہ ہو تو عاقلہ اسکے قبیلہ کے لوگ ہونگے اور ان پر دیت تین سال پر تقسیم کر دیجائیگی بایں طور کہ ہر شخص سے سالانہ ایک درہم یا ایک اور تہائی درہم لیا جائے گا۔ اس طرح ہر شخص پر تین سال میں تین یا چار درہم پڑیں گے۔ امام مالک کے یہاں لینے کی کوئی مقدار معین نہیں۔ بلکہ عاقلہ کی استطاعت پر محمول ہے (وھو روایۃ عن احمد) امام شافعی کے یہاں مالدار سے نصف دینار اور متوسط درجہ کے لوگوں سے ربع دینار لیا جائیگا (وھو روایۃ عن احمد ایضاً) ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک قسم کا صلہ ہے جو بطریق مساوات واجب ہوتا ہے تو اس میں غنی اور متوسط سب برابر ہونگے۔

قولہ فان لم یتسع الخ اگر اس قبیلہ کے لوگ اتنے نہ ہوں کہ ان پر مذکورہ بالا حساب کے مطابق دیت پڑ سکے بلکہ انکی تعداد کم ہو اور ان پر چار درہم سے زیادہ پڑتے ہوں تو ان میں عصبات کی ترتیب سے انکا رشتہ دار دوسرا قبیلہ ملا لیا جائیگا۔ یعنی اول بھائی پھر بھتیجے پھر چچے پھر انکے بیٹے۔

قولہ والقاتل کا حدھم الخ امام شافعی کے یہاں قاتل پر کچھ واجب نہیں کیونکہ وہ بوجہ خطا معذور ہے۔ ہمارے یہاں دیت میں وہ بھی شریک ہوگا کیونکہ جنایت تو اسی سے سرزد ہوئی ہے تو اسکا بوجھ دوسروں پر ڈالنا اور اسکو خارج کر دینا بے معنی ہے۔

عہ ۔۔۔۔ ابن ابی شیبہ عن ابن عباس ١٢۔ عہ ۔۔۔۔ ابن ابی شیبہ ١٢۔

کتاب الوصایا

اَلْوَصِیَّةُ تَمْلِیْکٌ مُضَافٌ اِلٰی مَابَعْدَ الْمَوْتِ وَهِیَ مُسْتَحَبَّةٌ

وصیت وہ تملیک ہے جو مضاف ہو مابعد الموت کی طرف اور وہ مستحب ہے

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ دنیا میں انسان کا آخر حال موت ہے اس لئے آخر کتاب میں قبل از میراث کتاب الوصایا لانا عین مناسب ہے مگر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اسکے بعد تو میراث سے پہلے کتاب الخنثی ہے۔ پھر کتاب الوصایا کو آخر کتاب میں کیسے کہا جاسکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں آخر سے مراد آخر اضافی ہے نہ کہ آخر حقیقی (تامل)۔

قولہ الوصایا الخ وصایا وصیۃ کی جمع ہے جو وصیۃ کا اسم مصدر ہے۔ منہ قولہ تعالیٰ "حین الوصیة اثنان" اور موصی بہ یعنی جس چیز کی وصیت کیجائے اسکو بھی وصیت کہتے ہیں۔ ومنہ قولہ تعالیٰ "من بعد وصیة توصون بها" اصطلاح شرع میں وصیۃ وہ تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف بطریق تبرع مضاف ہو خواہ تملیک عین شئی ہو یا تملیک دین ہو یا تملیک منافع ہو کیونکہ اس میں تملیک زوال مالکیت کے زمانہ کی طرف مضاف ہوتی ہے اس لئے قیاس تو یہی چاہتا ہے کہ یہ جائز نہ ہو مگر کتاب وسنت اسکے جواز کی شاہد ہے۔ قال تعالیٰ "من بعد وصیة یوصی بها" وفی الحدیث "ان الله تصدق علیکم بثلث اموالکم فی آخر اعمارکم زیادۃ لکم فی اعمالکم تضعو نها حیث شئتم" [ع]

(فائدۃ): وصیت کنندہ کو موصی کہتے ہیں اور جسکو وصیت کیجائے اسکو وصی اور موصیٰ الیہ اور جس کے لئے وصیت ہو اسکو موصیٰ لہ اور جس چیز کی وصیت کیجائے اسکو موصیٰ بہ مثلاً زید نے خالد سے کہا کہ میرے مرنیکے بعد یہ باغ محمود کو دیدینا تو زید موصی ہے اور خالد وصی اور محمود موصی لہ اور باغ موصیٰ بہ۔

قولہ وهی مستحبة الخ وصیت کی چار قسمیں ہیں (۱) واجب جیسے ردِ ودائع اور دیون مجہولہ کی وصیت۔ (۲) مستحب جیسے کفارات اور فدیہ صوم وصلوۃ وغیرہ کی وصیت (۳) مباح جیسے اغنیاء اجانب اور اقارب کے لئے وصیت (۴) مکروہ جیسے اہل فسق ومعاصی کے لئے وصیت (طحطاوی) سوال آیت "کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة اور حدیث "لا یحل لرجل یؤمن بالله والیوم الآخر اذا کان له مال یرید الوصیة فیه ان یبیت لیلة او لیلتین الا ووصیته مکتوبة عند راسه" سے تو علی الاطلاق وصیت کا وجوب مفہوم ہوتا ہے۔ جواب یہ آیت آیۃ "یوصیکم اللہ فی اولادکم" سے منسوخ ہے۔ حضرت ابن عمر، عکرمہ، مجاہد، مالک، شافعی اور اکثر اہل تفسیر کا یہی مذہب ہے۔ اور حدیث نزول مواریث سے قبل پر یا مکارم اخلاق پر محمول ہے۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَلاَ تَصِحُّ بِمَازَادَ عَلَی الثُّلُثِ وَلاَ لِقَاتِلِهٖ وَوَارِثِهٖ اِنْ لَمْ تَجُزِ الْوَرَثَةُ وَیُوصِی الْمُسْلِمُ لِلذِّمِّیِّ وَبِالْعَکْسِ

اور صحیح نہیں تہائی سے زیادہ کی اور نہ اپنے قاتل اور وارث کے لئے اگر اجازت نہ دیں ورثہ اور وصیت کرسکتا ہے مسلم ذمی کے لئے اور اس کا عکس

قَبُوْلُهَا بَعْدَ مَوْتِهٖ وَیَبْطُلُ رَدُّهَا وَقَبُوْلُهَا فِیْ حَیٰوتِهٖ وَنَدْبُ النُّقْصُ مِنَ الثُّلُثِ

اس کا قبول کرنا موصی کی موت کے بعد ہونا چاہئے اسکی زندگی میں رد کرنا اور قبول کرنا باطل ہے اور مستحب ہے تہائی سے کم وصیت کرنا

[ع]......ابن ماجہ، بزار عن ابی ہریرہ، دار قطنی، طبرانی، ابن ابی شیبہ عن معاذ، احمد، بزار، طبرانی عن ابی الدرداء، ابن عدی، عقیلی عن ابی بکر طبرانی عن خالد بن عبید ۱۲۔

وَمَلَکَ بِقَبُوْلِہٖ اِلَّا اَنْ یَمُوْتَ الْمُوْصٰی لَہٗ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِی قَبْلَ قَبُوْلِہٖ وَلاَ تَصِحُّ وَصِیَّۃُ الْمَدْیُوْنِ

اور مالک ہوجائیگا موصی لہ اسکے قبول کرنے سے مگر یہ کہ مرجائے موصی لہ موصی کی موت کے بعد قبول کرنے سے پہلے صحیح نہیں مقروض کی وصیت

اِنْ کَانَ دَیْنُہٗ مُحِیْطاً وَالصَّبِیِّ وَالْمُکَاتَبِ وَتَصِحُّ الْوَصِیَّۃُ لِلْحَمْلِ وَبِہٖ اِنْ وَلَدَتْ لاَقَلِّ مُدَّتِہٖ مِنْ وَقْتِ الْوَصِیَّۃِ

اگر اس کا دین محیط ہو اور بچہ کی اور مکاتب کی اور صحیح ہے وصیت حمل کے لئے اور حمل کی اگر جنے اقل مدت میں وصیت کے وقت سے

وَلاَ تَصِحُّ الْھِبَۃُ لَہٗ وَاِنْ اَوْصٰی بِاَمَۃٍ اِلَّا حَمْلَھَا صَحَّتِ الْوَصِیَّۃُ وَالاِسْتِثْنَاءُ وَلَہُ الرُّجُوْعُ عَنِ الْوَصِیَّۃِ قَوْلاً

اور صحیح نہیں ہبہ حمل کے لئے اگر وصیت کی باندی کی بلا حمل تو صحیح ہے وصیت اور استثناء اور وہ رجوع کرسکتا ہے وصیت سے قولا بھی

وَفِعْلاً بِاَنْ بَاعَ اَوْ وَھَبَ اَوْ قَطَعَ الثَّوْبَ اَوْ ذَبَحَ الشَّاۃَ وَالْجُحُوْدُ لاَیَکُوْنُ رُجُوْعا

اور فعلا بھی بایں طور کہ بیچ دے یا ہبہ کردے یا کاٹ دے کپڑا یا ذبح کردے بکری اور انکار کرنا رجوع نہوگا۔

تفصیل احکام وصیت

تشریح الفقہ: **قولہ ولا تصح الخ** یہاں چار چیزیں قابل لحاظ ہیں (۱) تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کا عدم جواز (۲) قاتل موصی کیلئے وصیت کا عدم جواز (۳) وارث کے لئے وصیت کا عدم جواز (۴) ورثہ کی اجازت پر ان وصیتوں کا جواز اول کی دلیل حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث ہے جو صحاح ستہ میں مروی ہے۔ حضرت سعد فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا بہت سا مال ہے اور وارث صرف میری بیٹی ہے۔ تو میں اپنے تمام مال کی وصیت کرتا ہوں' آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں' میں نے عرض کیا: دوتہائی کی' فرمایا: نہیں' میں نے عرض کیا: نصف کی' فرمایا: نہیں' میں نے عرض کیا: تہائی کی' فرمایا: تہائی کی وصیت کر اور تہائی بھی بہت ہے۔ دوم میں قتل عام ہے عمداً ہو یا خطأ جبکہ بالمباشرہ ہو (**لان التسب لایمنع الوصیۃ ولا الارث**) امام شافعی کے یہاں قاتل کیلئے وصیت صحیح ہے۔ کیونکہ وہ میت کے حق میں اجنبی محض ہے تو جیسے دیگر اجانب کیلئے صحیح ہے اسی طرح قاتل کے لئے بھی صحیح ہوگی۔ ہماری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے "**لیس لقاتل وصیۃ**" سوم کی دلیل یہ ہے "آنحضرت ﷺ نے خطبہ پڑھا پھر فرمایا: **ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا لا وصیۃ لوراث**" حق تعالیٰ نے ہر حقدار کا حق دیدیا (یعنی مقرر فرمادیا) سواب وارث کیلئے وصیت نہیں' چہارم میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ورثہ اجازت دیں تب بھی قاتل کیلئے وصیت جائز نہیں کیونکہ جنایت تو اب بھی باقی ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے "**لا وصیۃ لوارث الا ان یشاء الورثۃ**" نیز امتناع وصیت تو حق ورثہ ہی کی وجہ سے ہے۔ اور جب وہ خود ہی راضی ہیں تو جواز میں کوئی کلام نہیں ہونا چاہیئے۔

قولہ وملک بقبولہ الخ وصیت قبول کرنے سے موصی لہ' موصی بہ کا مالک ہوتا ہے مگر ایک مسئلہ میں قبول کئے بغیر بھی مالک ہوجاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ موصی کے مرنے کے بعد وصیت قبول کرنے سے پہلے موصی لہ بھی مرجائے کہ اس صورت میں موصی بہ اس کے وارثوں کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے مگر استحساناً' قیاس کی رو سے وصیت باطل ہونی چاہئے۔ کیونکہ غیر کے لئے ملک کا اثبات اس کے اختیار کے بغیر نہیں ہوتا۔ تو یہ ایسا ہوگیا جیسے مشتری عقد بیع کے بعد مبیع قبول کرنے سے پہلے مرجائے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ موصی کی طرف سے اس کے مرجانے کے باعث وصیت پوری ہوچکی۔ جو اس طرف سے کسی طرح فسخ نہیں ہوسکتی اور اس میں توقف فقط موصی لہ کے حق کی وجہ سے تھا۔ جب وہ مرگیا تو یہ اس کی ملک میں آگئی جیسے اس بیع میں ہوتا ہے جس میں مشتری کیلئے خیار شرط ہو اور وہ بیع کو جائز رکھنے سے پہلے مرجائے۔ (ہدایہ)

قولہ والمکاتب الخ وصیت کی تین صورتیں ہیں باطل بالاجماع، جائز بالاجماع، مختلف فیہ، باطل یہ ہے کہ مکاتب اپنے مال سے عین شئی کی وصیت کرے، وجہ بطلان اس کا حقیقۃً مالک نہ ہونا ہے۔ جائز یہ ہے کہ وہ وصیت کو آزادی کی طرف مضاف کر کے یوں کہے **اذا اعتقت فثلث مالی وصیۃ لفلان** وجہ جواز یہ ہے کہ اس کا عدم جواز حق مولیٰ کی وجہ سے تھا اور آزادی پر تعلیق کے بعد اس کا حق ختم ہوگیا۔ مختلف فیہ یہ ہے کہ وہ یہ کہے "**اوصیت مالی بثلث مالی لفلان**" پھر وہ آزاد ہو جائے تو یہ امام صاحب کے یہاں باطل صاحبین کے یہاں جائز ہے۔

قولہ للحمل الخ اگر مالک یہ کہے کہ میں اپنی اس باندی کے حمل کی لئے اتنے درہموں کی وصیت کرتا ہوں تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ وصیت میں من وجہ استخلاف ہوتا ہے کہ موصی اپنے بعض مال میں موصیٰ لہ کو اپنا خلیفہ بناتا ہے۔ اور جنین ارث میں خلیفہ ہوسکتا ہے تو وصیت میں بھی ہو جائیگا۔ نیز اگر مالک یہ کہے کہ میں اس کے حمل کے لئے فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ بھی درست ہے کیونکہ حمل میں وراثت جاری ہوتی ہے تو وصیت بھی جاری ہوگی۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

باب الوصیۃ بثلث المال ونحوہ

باب تہائی مال وغیرہ کی وصیت کے بیان میں

اَوْصٰی لِذَا بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلِاٰخَرَ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَمْ تَجُزِ الْوَرَثَةُ فَثُلُثُهٗ لَهُمَا

وصیت کی اس کے لئے تہائی مال کی اور دوسرے کے لئے تہائی مال کی اور ورثہ نے جائز نہیں رکھی تو تہائی دونوں کیلئے ہوگا

وَاِنْ اَوْصٰی لِاٰخَرَ بِسُدُسِ مَالِهٖ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا اَثْلَاثًا وَاِنْ اَوْصٰی لِاَحَدِهِمَا بِجَمِيْعِ مَالِهٖ

اور اگر وصیت کی دوسرے کے لئے اپنے مال کے چھٹے حصہ کی تو تہائی مال ان دونوں میں بطریق اثلاث ہوگا اگر وصیت کی ایک کیلئے کل مال کی

وَلِاٰخَرَ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَمْ تَجُزِ الْوَرَثَةُ فَثُلُثُهٗ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ.

اور دوسرے کے لئے تہائی کی اور ورثہ نے جائز نہیں رکھی تو تہائی مال ان دونوں میں نصفا نصف ہوگا۔

تشریح الفقہ: قولہ فالثلث بینھما اثلاثا الخ ایک شخص نے زید کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اور عمرو کے لئے مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی تو تہائی مال دونوں کے درمیان تین تہاؤ ہوگا پس دو سہم زید کو ملیں گے اور ایک سہم عمرو کو۔

قولہ وان اوصیٰ الخ کسی نے زید کے لئے کل مال کی وصیت کی اور عمرو کے لئے تہائی کی اور وارث اس کی اجازت نہیں دیتے تو امام صاحب کے یہاں تہائی مال دونوں میں نصفا نصف ہوگا۔ اس واسطے کی جب تہائی سے زیادہ کی ورثہ نے اجازت نہیں دی تو وہ باطل ٹھہری۔ پس یہاں یوں قرار دیا جائے گا کہ گویا اس نے ہر ایک کے لئے تہائی مال کی وصیت کی ہے، صاحبین کے یہاں تہائی مال کے چار سہم کیے جائیں گے جس میں سے تین سہم کل کی وصیت والے کو دئے جائیں گے اور ایک سہم ثلث والے کو دیا جائے گا۔ یہ اختلاف ایک مختلف فیہ اصل پر مبنی ہے۔ جس کا بیان اگلے قول میں آرہا ہے۔

---

۱) لقولہ تعالیٰ" لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم فی الذین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم الایۃ"۱۲ (۲) لان الدین مقدم علی الوصیۃ بالاجماع ۱۲ (۳) لانہ تبرع والصبی لیس من اھلہ وعند الشافعی تصح ۱۲ (۴) لان من شرطھا القبول والقبض ولا یتصور ذلک من الجنین ۱۲ . (۵) لانہ تبرع لم تیم ۱۲ (۶) لان الرجوع الباتٌ فی الماضی نفی فی الحال والجحود نفی فیھما فلا یکون رجوعاً ۱۲ .

وَلاَ يُضْرَبُ لِلْمُوْصٰى لَهٗ بِاَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ اِلاَّ فِى الْمُحَابَاتِ وَالسِّعَايَةِ وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ وَبِنَصِيْبِ ابْنِهٖ بَاطِلٌ

نہیں ٹھہرایا جاتا موصیٰ لہ کیلئے تہائی سے زیادہ حصہ مگر محابات میں اور سعایت میں اور دراہم مرسلہ میں اپنے بیٹے کے حصہ کی وصیت باطل ہے

وَبِمِثْلِ نَصِيْبِ ابْنِهٖ صَحَّ فَاِنْ كَانَ لَهٗ ابْنَانِ فَلَهُ الثُّلُثُ وَبِسَهْمٍ اَوْ جُزْءٍ مِنْ مَالِهٖ فَالْبَيَانُ اِلَى الْوَرَثَةِ

اوراس کے حصہ کے مثل کی صحیح ہے پس اگراس کے دو بیٹے ہوں تو اسکو تہائی ملیگا اپنے مال کے سہام یا جزء کی وصیت میں بیان ورثہ پر محمول ہے

فَاِنْ قَالَ سُدُسُ مَالِىْ لِفُلاَنٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ ثُلُثُ مَالِىْ لَهٗ ثُلُثُ مَالِهٖ وَاِنْ قَالَ سُدُسُ مَالِىْ لِفُلاَنٍ

اگر کہا میرے مال کا چھٹا حصہ فلاں کے لئے ہے پھر کہا اسکے لئے تہائی مال ہے تو اسکے لئے تہائی ہوگا اگر کہا میرے مال کا چھٹا حصہ فلاں کیلئے ہے

ثُمَّ قَالَ لَهٗ سُدُسُ مَالِىْ لَهُ السُّدُسُ وَاِنْ اَوْصٰى بِثُلُثِ دَرَاهِمِهٖ اَوْ غَنَمِهٖ وَهَلَكَ ثُلُثَاهُ

پھر کہا اسکے لئے میرے مال کا چھٹا حصہ ہے تو اسکے لئے چھٹا حصہ ہوگا اگر وصیت کی تہائی دراہم یا تہائی بکریوں کی اور دو ثلث ہلاک ہو گئے

لَهٗ مَابَقِىَ وَلَوْ رَقِيْقًا اَوْ ثِيَابًا اَوْ دُوْرًا لَهٗ ثُلُثُ مَابَقِىَ وَبِاَلْفٍ وَلَهٗ عَيْنٌ وَدَيْنٌ

تو اسکے لئے مابقی ہوگا اور اگر غلام یا کپڑے یا مکان ہوں تو مابقی کی تہائی ہوگی ہزار کی وصیت کی اور مال کچھ موجود ہے کچھ قرض

فَاِنْ خَرَجَ الاَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ دُفِعَ اِلَيْهِ وَاِلاَّ فَثُلُثُ الْعَيْنِ وَكُلَّمَا خَرَجَ شَىْءٌ مِنَ الدَّيْنِ لَهٗ ثُلُثُهٗ

پس اگر ہزار مال موجود کی تہائی ہو تو وہ اس کو دیدیئے جائیں گے ورنہ موجود کی تہائی دیجائیگی اور جتنا وصول ہوتا رہیگا قرض اس کی تہائی دیتے جائیں گے

حَتّٰى يَسْتَوْفِىَ الاَلْفَ وَبِثُلُثِهٖ لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو وَهُوَ مَيِّتٌ لِزَيْدٍ كُلُّهٗ

یہاں تک کہ وہ ہزار پورے لے لے وصیت کی تہائی کی زید کیلئے اور عمرو کیلئے اور عمرو مردہ ہے تو پوری تہائی زید کیلئے ہوگی

وَلَوْ قَالَ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو وَعَمْرٌو مَيِّتٌ لِزَيْدٍ نِصْفُهٗ

اورا گر کہا کہ زید اور عمرو کے درمیان ہے اور عمرو مردہ ہے تو زید کیلئے آدھی تہائی ہوگی،

وَبِثُلُثِهٖ لَهٗ وَلاَمَالَ لَهٗ لَهٗ ثُلُثُ مَايَمْلِكُهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ.

وصیت کی تہائی کی اور مال اس کا کچھ نہیں تو اسکے لئے اسکی تہائی ہوگی جس کا وہ مالک ہو اپنی موت کے وقت۔

تہائی مال کے احکام کی تفصیل

تشریح الفقہ: قولہ ولایضرب الخ ضرب سے مراد وہ ضرب ہے جو اہل حساب کے یہاں مصطلح ہے۔ یعنی اس عدد کا حاصل کرنا جس کی نسبت احد المضر وبین کے ساتھ ویسی ہی ہو۔ جیسے دوسروں کی نسبت ایک کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کے یہاں موصیٰ لہ کو ترکہ کی تہائی سے زیادہ حصہ نہیں ٹھہرایا جاتا مگر تین صورتوں میں اول محابات دوم سعایت سوم دراہم مرسلہ محابات لغت عرب میں بمعنی عطا ہے۔

(۱)......لان الثلث يتضمن السدس فيد خل فيه فلا يتناول اكثر من الثلث ۱۲ . (۲)......يعنى سدساً واحداً لان السدس ذكر معرفا بالا ضافة الى المال والمعرف اذا اعيد معرفاً كان الثانى عين الاول ۱۲ . (۳)...... لان الميت ليس باهل فلا يزاحم الحى الذى هو اهلها ۱۲ . (۴)......لان كلمة بين توجب التنصيف فلا يتكامل ۱۲ .

یہاں اس سے مرادوہ بیع ہے جوثمن معتدل سے کمتر ہو۔محابات کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے دوغلام ہیں جن میں سے ایک کی قیمت تیس درہم ہے اور دوسرے کی ساٹھ اب اس نے وصیت کی کہ پہلا غلام زید کے ہاتھ دس درہم میں فروخت کیا جائے اور دوسرا غلام عمرو کے ہاتھ بیس میں اور ان دوغلاموں کے علاوہ اس کا کوئی اور مال ہے نہیں تو زید کے حق میں بیس درہم کی وصیت ہوئی اور عمرو کے حق میں چالیس کی۔اس لئے کہ پہلا غلام تیس درہم کا ہے اور اس نے دس میں فروخت کرنے کی وصیت کی تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ اس کو بیس درہم دلانا چاہتا ہے تو ثلث مال دونوں موصی لہ کے درمیان تین تہاؤ ہوگا اور پہلا غلام زید کے ہاتھ بیس درہم میں فروخت کیاجائے گا اور دس درہم اس کے لئے وصیت ٹھہرے گی اور دوسرا غلام عمرو کے ہاتھ چالیس درہم میں فروخت ہوگا اور یہ بیس درہم اس کیلئے وصیت ٹھہرے گی۔تو زید اور عمرو نے تہائی سے بقدر وصیت لیا اگر چہ ثلث وصیت سے زیادہ ہوگیا۔

قولہ والسعایۃ الخ سعایت کی صورت یہ ہے کہ موصی نے دوغلام آزاد کئے جن میں سے ایک کی قیمت تیس درہم ہے اور دوسرے کی ساٹھ اور ان دوغلاموں کے علاوہ اس کا کوئی مال نہیں تو اول کیلئے ثلث مال کی وصیت ہوئی اور دوسرے کیلئے دوثلث کی تو وصیت کے سہام تین تہاؤ ہوں گے ایک سہم اول کا اور دوسہم ثانی کے تو ان میں ثلث مال بھی اسی طرح مقسوم ہوگا پس اول غلام کا ثلث آزاد ہوگا جو دس درہم ہے اب وہ بیس درہم میں سعایت کرے گا اور ثانی غلام کا ثلث آزاد ہوگا جو بیس درہم ہے اب وہ چالیس میں سعایت کرے گا تو ہر ایک موصی لہ نے بقدر وصیت ضرب کی اگر چہ ثلث پر زائد ہے۔

قولہ والدراھم المرسلہ الخ دراہم مرسلہ سے مراد وہ دراہم ہیں جن میں ثلث یا نصف کی یا اس کے علاوہ کسی اور چیز کی قید نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے زید کے لئے تیس درہم کی وصیت کی اور عمرو کیلئے ساٹھ درہم کی اور اس کا کل مال نوے درہم ہے تو وصیت تہائی مال سے جاری ہوگی اور زید وعمرو کو ان کی وصیت کے موافق ترکہ کی تہائی میں سے دیا جائے گا۔

قولہ وبنصیب الخ ایک شخص نے زید کیلئے وصیت کی اور یوں کہا" **اوصیت لہ بنصیب ابنی** "میں نے اس کے لئے اپنے بیٹے کے حصہ کی وصیت کی تو یہ غیر مال کی وصیت ہونے کی وجہ سے باطل ہے کیونکہ بیٹے کا حصہ وہ ہے جو مرنے کے بعد ملے گا ہاں اگر وہ یوں کہے" **اوصیت لہ بمثل نصیب ابنی** "تو یہ صحیح ہے۔کیونکہ مثل شئی مغایر شئی ہوتا ہے۔اب اگر اس کے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کو تہائی مال ملے گا۔بایں معنی کہ اس نے گویا موصی لہ کو تیسرا فرزند قرار دیا ہے۔

قولہ وبالالف الخ ایک شخص نے ہزار درہم کی وصیت کی اور اس کا مال کچھ تو لوگوں پر دین ہے اور کچھ عین ہے تو اگر ہزار درہم عین کی تہائی سے نکلتا ہو تو اس کو وہی دیدیا جائے گا یعنی اگر اس کا متروکہ مال تین ہزار نقد ہے تو اسے نقد میں سے ایک ہزار درہم موصی لہ کو دیدیئے جائیں گے اور اگر نقد متروکہ میں سے ہزار درہم نہ نکلیں تو نقد کی تہائی پر دیدیجائے گی مثلاً نقد متروکہ تین سو درہم ہیں تو ایک سو درہم موصی لہ کو دیدیئے جائیں گے اور جتنا دین وصول ہوتا جائے گا اس کی تہائی اس کو ملتی رہے گی یہاں تک کہ اس کا ایک ہزار کا حق پورا ہوجائے۔

قولہ وبثلثہ لہ الخ ایک شخص نے کسی کیلئے ثلث مال کی وصیت کی حالانکہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تو موصی لہ اس کا مال کا ثلث پائے گا جو موصی کی موت کے وقت موجود ہو خواہ اس نے وہ مال وصیت کے بعد کمایا ہو یا وصیت سے پہلے۔وجہ یہ ہے کہ وصیت عہد تملیک ہے جو بعد الموت کیطرف مضاف ہوتا ہے اور اس کا حکم موت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے تو موت ہی کے وقت مال کا موجود ہونا شرط ہوگا۔

وَبِثُلُثِهٖ لِاُمَّهَاتِ اَوْلَادِهٖ وَهُنَّ ثَلٰثٌ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ لَهُنَّ ثَلٰثَةٌ مِنْ خَمْسَةٍ وَسَهْمٌ لِلْفُقَرَاءِ

وصیت کی تہائی کی تین ام ولد کیلئے اور فقراء ومساکین کے لئے تو امہات اولاد کے لئے تین حصے ہوں گے پانچ میں سے اور ایک حصہ فقراء کیلئے

وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِيْنِ وَبِثُلُثِهٖ لِزَيْدٍ وَلِلْمَسَاكِيْنِ لِزَيْدٍ نِصْفُهٗ وَلَهُمْ نِصْفُهٗ وَبِمِائَةٍ لِرَجُلٍ

اور ایک حصہ مساکین کیلئے، تہائی کی وصیت کی زید کیلئے اور مساکین کیلئے تو آدھی زید کیلئے ہوگیا اور آدھی مساکین کیلئے وصیت کی سو کی ایک کیلئے

وَبِمِائَةٍ لِاٰخَرَ فَقَالَ لِاٰخَرَ اَشْرَكْتُكَ مَعَهُمَا لَهٗ ثُلُثُ كُلِّ مِائَةٍ وَبِاَرْبَعَةٍ

اور سو کی دوسرے کیلئے پھر دوسرے سے کہا کہ میں نے شریک کردیا تجھ کو انکا تو اس کے لئے ہر سو کی تہائی ہوگی وصیت کی چار سو کی ایک کیلئے

وَبِمِائَتَيْنِ لِاٰخَرَ فَقَالَ لِاٰخَرَ اَشْرَكْتُكَ مَعَهُمَا لَهٗ نِصْفُ مَا لِكُلٍّ مِنْهُمَا وَاِنْ قَالَ لِوَرَثَتِهٖ

اور دوسو کی دوسرے کے لئے پھر دوسرے سے کہا کہ میں نے شریک کردیا تجھ کو انکا تو اس کے لئے ہر ایک کے حصہ کا آدھا ہوگا ورثہ سے کہا

لِفُلَانٍ عَلَيَّ دَيْنٌ فَصَدِّقُوْهُ فَاِنَّهٗ يُصَدَّقُ اِلَى الثُّلُثِ فَاِنْ اَوْصٰى بِوَصَايَا عُزِلَ الثُّلُثُ لِاَصْحَابِ الْوَصَايَا

کہ فلاں کا مجھ پر قرض ہے تو اس کی تصدیق کرو تو تہائی تک تصدیق کیجائیگی پھر اگر کچھ وصیتیں کیں تو علیحدہ کرلی جائیگی تہائی وصیت والوں کے لئے

وَالثُّلُثَانِ لِلْوَرَثَةِ وَقِيْلَ لِكُلٍّ صَدِّقُوْهُ فِيْمَا شِئْتُمْ وَمَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ فَلِلْوَصَايَا

اور دو تہائیاں ورثہ کے لئے اور ہر ایک سے کہا جائیگا کہ جتنے میں چاہو تصدیق کرو اور جو بچے تہائی سے تو وہ وصیتوں کیلئے ہوگا

وَلِاَجْنَبِيٍّ وَوَارِثِهٖ لَهٗ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ وَبَطَلَ وَصِيَّةُ الْوَارِثِ وَبِثِيَابٍ مُتَفَاوِتَةٍ لِثَلَاثَةٍ

وصیت کی اجنبی کے لئے اور اپنے وارث کیلئے تو اجنبی کو وصیت کا آدھا مال ملیگا اور وارث کی وصیت باطل ہوگی وصیت کی متفاوت کپڑوں کی تین کیلئے

فَضَاعَ ثَوْبٌ وَلَمْ يُدْرَ اَيٌّ وَالْوَارِثُ يَقُوْلُ لِكُلٍّ هَلَكَ حَقُّكَ بَطَلَتْ اِلَّا اَنْ يُسَلِّمُوْا

ایک کپڑا ضائع ہوگیا اور یہ معلوم نہیں کہ کونسا ضائع ہوا اور وارث ہر ایک سے کہتا ہے کہ تیرا حق ضائع ہوا ہے تو وصیت باطل ہوگی الا یہ کہ وہ دیدے

مَابَقِيَ فَلِذِي الْجَيِّدِ ثُلُثَاهُ وَلِذِي الرَّدِيِّ ثُلُثَاهُ وَلِذِي الْوَسَطِ ثُلُثُ كُلٍّ وَبِبَيْتٍ عُيِّنَ مِنْ دَارٍ

باقی ماندہ پس عمدہ والے کیلئے دو تہائیاں اور گھٹیا والے کیلئے اس کی دو تہائیاں ہونگی اور متوسط والے کے ہر ایک کی تہائی وصیت کی معین کوٹھری کی

مُشْتَرَكَةٍ وَقُسِّمَ وَوَقَعَ فِيْ حَظِّهٖ فَهُوَ لِلْمُوْصٰى لَهٗ وَاِلَّا مِثْلُ ذَرْعِهٖ وَالْاِقْرَارُ مِثْلُهَا

مشترک مکان سے اور تقسیم کے بعد واقع ہوئی اس کے حصہ میں تو وہ موصیٰ لہ کی ہوگی ورنہ اتنی زمین دیدیجائیگی اقرار بھی اسی کے مثل ہے

وَبِاَلْفٍ عُيِّنَ مِنْ مَالٍ اٰخَرَ فَاَجَازَ رَبُّ الْمَالِ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ وَدَفَعَهٗ صَحَّ

وصیت کی معین ہزار کی دوسرے کے مال سے اور جائز رکھی مالک مال نے موصی کی موت کے بعد اور ہزار دیدیئے تو صحیح ہے

وَلَهُ الْمَنْعُ بَعْدَ الْاِجَازَةِ وَصَحَّ اِقْرَارُ اَحَدِ الْاِبْنَيْنِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ بِوَصِيَّةِ اَبِيْهِ فِيْ ثُلُثِ نَصِيْبِهٖ

اور اس کو اختیار ہے نہ دینے کا اجازت کے بعد صحیح ہے اقرار دو بیٹوں میں سے ایک کا تقسیم کے بعد اپنے باپ کی وصیت کا اپنے حصہ کی تہائی میں

وَبِاَمَةٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِهٖ وَخَرَجَا مِنْ ثُلُثِهٖ فَهُمَا لَهٗ وَاِلَّا اُخِذَ مِنْهَا

وصیت کی باندی کی اس نے جنا موصی کی موت کے بعد اور وہ دونوں تہائی مال میں تو موصیٰ لہ کے ہونگے ورنہ پہلے باندی سے لیگا

ثُمَّ مِنْهُ وَلابْنِهِ الْكَافِرِ اَوِ الرَّقِيقِ فِى مَرَضِهِ فَاَسْلَمَ اَوْ اَعْتَقَ بَطَلَ كَهِبَتِهِ وَاِقْرَارِهِ

پھر بچہ سے وصیت کی اپنے کافر بیٹے یا غلام کیلئے مرض الموت میں وہ مسلمان ہوگیا یا آزاد ہوگیا تو باطل ہوگی جیسے اس کا ہبہ اور اقرار

وَالْمُقْعَدُ وَالْمَفْلُوْجُ وَالاَشَلُّ وَالْمَسْلُوْلُ اِنْ تَطَاوَلَ ذٰلِكَ فَلَمْ يُخَفْ مِنْهُ الْمَوْتُ فَهِبَتُهٗ مِنْ كُلِّ الْمَالِ وَاِلَّا فَمِنَ الثُّلُثِ.

اگر اپاہج فالج زدہ لنجے اور سل والے کی بیماری بڑھ جائے اور ان کے مرنے کا خوف نہ ہو تو ان کا ہبہ کل مال سے معتبر ہوگا ورنہ تہائی مال سے

تشریح الفقہ: قولہ و بثلثہ لا مہات الخ ایک شخص نے اپنی تین امہات اولاد کیلئے اور فقرا و مساکین کے لئے ثلث عمل کی وصیت کی تو شیخین کے نزدیک پانچ سہام ہونگے تین سہام امہات اولاد کیلئے اور ایک سہم فقرا کیلئے اور ایک سہم مساکین کیلئے۔ امام محمد کے یہاں سات سہام ہوں گے۔ کیونکہ فقرا اور مساکین کا لفظ جمع ہے۔ اور اقل جمع دو ہیں۔ تو موصی لہ دو فقیر ہوئے دو مساکین اور تین امہات اولاد لہٰذا سات سہام سے تقسیم ہوگی۔ شیخین یہ فرماتے ہیں کہ فقرا اور مساکین پر الف لام جنس کا ہے اور الف لام جنسی جمعیت کو باطل کر دیتا ہے۔ تو ظاہر میں گو جمع کا صیغہ ہے لیکن حقیقت میں مفرد ہے۔

قولہ وبمائۃ لرجل الخ موصی نے زید کیلئے سو کی وصیت کی اور عمرو کے لئے بھی سو کی پھر تیسرے کیلئے کہا کہ میں نے تجھ کو ان دونوں کا شریک کر دیا تو تیسرے کیلئے ہر سو کی تہائی ہوگی کیونکہ یہاں زید و عمرو دونوں کا حصہ برابر ہے تو تینوں میں برابری ممکن ہے پس ہر ایک کو سو کی دو تہائیاں ملیں گی۔ اور اگر موصی نے زید کیلئے چار سو کی وصیت کی اور عمرو کیلئے دو سو کی پھر تیسرے کیلئے کہا کہ میں نے تجھے ان دونوں کا شریک کر دیا تو تیسرے کو ہر ایک کے حصہ سے نصف ملے گا کیونکہ یہاں دونوں کے حصے متفاوت ہیں تو تیسرے کی شرکت کو ان دونوں کیساتھ مساوات پر محمول کیا جائے گا تاکہ حتی الامکان اشتراک کے مفہوم پر عمل ہو جائے۔

قولہ و ثیاب الخ موصی نے تین آدمیوں کے لئے عمدہ اور متوسط اور ناقص تین کپڑوں کی وصیت کی یعنی ہر ایک کے لئے ایک ایک کپڑے کی پھر ان میں سے ایک کپڑا ضائع ہو گیا اور یہ معلوم نہیں کہ کونسا ضائع ہوا ہے اور موصی کا وارث ہر آدمی سے کہتا ہے کہ تیرا حق ضائع ہوا ہے وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ یہاں مستحق نہیں ہاں اگر موصی کے وارث باقی کپڑے دینے پر راضی ہوں تو وصیت صحیح ہو جائے گی پس عمدہ والے کیلئے عمدہ کپڑے کی دو تہائیاں ہونگی اور ناقص والے کیلئے ناقص کی دو تہائیاں اور متوسط کپڑے والے کیلئے دونوں کپڑوں کی ایک ایک تہائی۔ کیونکہ برابری کی انتہائی صورت یہی ہے۔

قولہ وببیت الخ ایک مکان دو آدمیوں میں مشترک تھا اور ان میں سے ایک نے ایک مکان کی ایک معینہ کوٹھری کی کسی کیلئے وصیت کی تو مکان تقسیم کیا جائیگا۔ اگر تقسیم میں وہ کوٹھری موصی کے حصہ میں واقع ہو جائے تب تو کوئی بات ہی نہیں وہ کوٹھری موصی لہٗ کی ہو جائے گی اور اگر موصی کے حصہ میں واقع نہ ہو تو گز سے ناپ کر اس کی کوٹھری کے برابر زمین دیدی جائے گی۔

قولہ وصح الخ دو بیٹوں میں سے ایک نے ترکہ تقسیم کے بعد اپنے باپ کے ثلث مال کی وصیت کا اقرار کیا تو اس کا یہ اقرار اسی کے حصہ کی تہائی میں صحیح ہوگا نہ کہ اس کے نصف حصہ میں اس واسطے کہ اس نے موصی لہ کیلئے تمام ترکہ میں ثلث شائع کا اقرار کیا ہے اور ترکہ دونوں کے پاس ہے تو وہ اس مال کی تہائی کا بھی مقر ہوا جو اس کے پاس ہے اور اس مال کی تہائی کا بھی مقر ہوا جو ان کے بھائی کے پاس ہے تو اس کا اقرار صرف اسی کے حق میں مقبول ہوگا نہ کہ اس کے بھائی کے حق میں۔

---

(۱)......عندھما وہذا عند محمد ثلثہ لزید وثلثاہ للمساکین لما بیناہ ۱۲۔ (۲)...... لانہ اوصی بما یملک وبما لا یملک فصح فیما یملک وبطل فی الاخر ۱۲۔ (۳)...... لانہ تبرع بمال الغیر فیتوقف علی اجازۃ صاحبہ فاذا اجاز کان منہ ہذا ابتداء تبرع فلہ ان یمتنع من التسلیم ۱۲۔

باب العتق فی المرض
باب مرض الموت میں آزاد کرنے کے بیان میں

تَحْرِیْرُهٗ فِی مَرَضِ مَوْتِهٖ وَمُحَابَاتُهٗ وَهِبَتُهٗ وَصِیَّةٌ وَلَمْ یَسْعَ اِنْ اُجِیْزَ فَاِنْ حَابٰی

مریض کا آزاد کرنا مرض الموت میں اور کم قیمت پر بیچنا اور ہبہ کرنا وصیت کے حکم میں ہے اور سعایت نہ کریگا غلام اگر اجازت ہوگئی اگر محابات کی

فَحَرَّرَ فَهِیَ اَحَقُّ وَبِعَکْسِهٖ اِسْتَوَیَا وَاِنْ اَوْصٰی بِاَنْ یُعْتَقَ عَنْهُ بِهٰذَا الْمِائَةِ عَبْدٌ

پھر آزاد کیا تو محابات مقدم ہے اور اس کے برعکس ہو تو برابر ہیں وصیت کی کہ آزاد کیا جائے میری طرف سے ان سو روپیوں میں غلام

فَهَلَکَ مِنْهَا دِرْهَمٌ لَمْ تَنْفُذْ بِخِلَافِ الْحَجِّ بِهٖ وَبِعِتْقِ عَبْدِهٖ فَمَاتَ فَجَنٰی

پس ضائع ہوگیا ان میں سے ایک درہم تو نافذ نہ ہوگی بخلاف وصیت حج کے وصیت کی اپنے غلام کی آزادی کی پھر مرگیا اور غلام نے جنایت کی

وَدُفِعَ بَطَلَتْ وَاِنْ فُدِیَ لَا وَبِثُلُثِهٖ لِزَیْدٍ وَتَرَکَ عَبْدًا فَادَّعٰی زَیْدٌ

جس کے بدلہ میں وہ دیدیا گیا تو باطل ہوجائیگی اور اگر فدیہ دیا گیا تو نہیں وصیت کی تہائی کی زید کیلئے اور چھوڑا ایک غلام پس دعوی کیا زید نے

عِتْقَهٗ فِی صِحَّتِهٖ وَالْوَارِثُ فِی مَرَضِهٖ فَالْقَوْلُ لِلْوَارِثِ وَلَا شَیْءَ لِزَیْدٍ اِلَّا اَنْ یَّفْضُلَ مِنْ ثُلُثِهٖ شَیْءٌ

اسکی آزادی کا صحت میں اور وارث نے اسکے مرض میں تو قول وارث کا معتبر ہوگا اور زید کیلئے کچھ نہ ہوگا الا یہ کہ بچ جائے تہائی میں سے

اَوْ یُبَرْهِنَ عَلٰی دَعْوَاهُ وَلَوْ ادَّعٰی رَجُلٌ دَیْنًا وَالْعَبْدُ عِتْقًا وَصَدَّقَهُمَا الْوَارِثُ سَعٰی

یا وہ بینہ قائم کرے اپنے دعوی پر اگر دعوی کیا کسی نے قرض کا اور غلام نے آزادی کا اور تصدیق کردی دونوں کی وارث نے تو سعایت کرے

فِی قِیْمَتِهٖ وَتُدْفَعُ اِلَی الْغَرِیْمِ وَبِحُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰی قُدِّمَتِ الْفَرَائِضُ وَاِنْ اَخَّرَهَا کَالْحَجِّ وَالزَّکٰوةِ

اپنی قیمت میں اور وہ دیدیجائے قرض خواہ کو حقوق اللہ کی اصیت میں مقدم کئے جائیں گے فرائض گو اس نے مؤخر ذکر کئے ہوں جیسے حج زکوۃ

وَالْکَفَّارَاتِ وَاِنْ تَسَاوَتْ فِی الْقُوَّةِ بُدِیَٔ بِمَا بَدَأَ بِهٖ وَبِحَجَّةِ الْاِسْلَامِ اَحَجُّوْا عَنْهُ رَجُلًا

اور کفارات اگر حقوق قوت میں برابر ہوں تو ابتداء ہوگی اس سے جس سے اس نے ابتداء کی ہے حج اسلام کی وصیت میں حج کرائیں اسکی طرف سے

مِنْ بَلَدِهٖ یَحُجُّ رَاکِبًا وَاِلَّا فَمِنْ حَیْثُ یَبْلُغُ وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهٖ حَاجًّا فَمَاتَ فِی الطَّرِیْقِ

کسی کو اس کے شہر سے جو حج کرے سوار ہو کر ورنہ وہاں سے جہاں سے خرچ کافی ہو سکے نکلا اپنے شہر سے بارادۂ حج اور مرگیا راہ میں اور وصیت کی

وَاَوْصٰی بِاَنْ یُّحَجَّ عَنْهُ یُحَجُّ مِنْ بَلَدِهٖ وَالْحَاجُّ عَنْ غَیْرِهٖ مِثْلُهٗ.

کہ میری طرف سے حج کرایا جائے تو حج کرایا جائے اس کے شہر سے، دوسرے کی طرف سے حج کرنے والا بھی اسی کے مثل ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ مرض الموت میں غلام آزاد کرنا وصیت ہی کے حکم میں ہے۔ اس لئے اس کو بھی کتاب الوصایا میں ذکر کر رہا ہے۔ اور صریح وصیت کے بعد اس لئے لا رہا ہے کہ صریح اصل ہے اور صریح کی تقدیم مستغنی عن البیان ہے، بعض شراح نے جو اعتاق فی المرض کو انواع وصیت میں سے قرار دیا ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ اعتاق مغایر وصیت ہے۔

قولہ تحریرہ الخ اگر کوئی شخص مرض الموت میں غلام آزاد کرے یا محابات کرے یا کوئی چیز ہبہ کرے تو یہ عقود حقیقت میں وصیت نہیں ہیں کیونکہ وصیت تو ایجاب بعد الموت کو کہتے ہیں۔ اور یہ عقود فی الحال منجز ہوتے ہیں مگر مرض الموت میں واقع ہونے کی وجہ سے ان کا حکم وصیت کا سا ہے۔ کہ ان کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا۔ اور عتق کی صورت میں کہ اگر ورثہ کیطرف سے اجازت ہو جائے تو غلام اپنی استخلاص میں سعایت نہ کرے گا کیونکہ منع عتق حق ورثہ کی وجہ سے تھا جو اجازت کے بعد ساقط ہو گیا۔

قولہ فان حابی الخ مریض نے پہلے محابات کی یعنی دوسو کے غلام کو ایک سو میں فروخت کر دیا پھر ایک سو کے غلام کو آزاد کر دیا اور تہائی مال میں دونوں تصرفوں کی گنجائش نہیں تو ثلث مال محابات میں صرف ہوگا۔ اور اگر اس کا عکس ہو تو ثلث مال دونوں میں نصا نصف ہوگا۔ پس آزاد کردہ غلام کا نصف بلاشئی آزاد ہوگا۔ اور نصف قیمت میں سعایت کریگا اور صاحب محابات دوسرا غلام پچاس درہم دیکر خرید لے گا۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں عتق مقدم ہوگا۔

قولہ وان اوصی الخ مریض نے وصیت کی کہ سو درہم کا غلام خرید کر میری طرف سے آزاد کیا جائے۔ پھر کچھ درہم ضائع ہو گئے تو وصیت نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ تفاوت قیمت عبد سے قربت متفاوت ہو جاتی ہے۔ بخلاف وصیت حج کے کہ اس کی وصیت باطل نہ ہوگی۔ صاحبین کے یہاں دونوں صورتوں میں وصیت باطل نہیں ہوتی۔

قولہ ویعتق عبدہ الخ مریض نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد فلاں غلام کو آزاد کر دینا مریض مر گیا اور غلام نے کوئی جنایت کی جس کے بدلہ میں وہ دیدیا گیا تو وصیت باطل ہوگئی۔ کیونکہ ولی جنایت کا حق موصی اور موصی لہ کے حق پر مقدم ہے لیکن اگر ورثہ نے غلام کا فدیہ دیدیا تو وصیت باطل نہ ہوگی اور ورثہ کا فدیہ دینا ان کے ذاتی مال سے ہوگا کیونکہ انہوں نے اس کا خود ہی التزام کیا ہے۔ لہٰذا وہ متبرع ٹھہرے۔

قولہ و بثلثہ لزید الخ ایک شخص نے زید کیلئے تہائی مال کی وصیت کی اور اس نے ایک غلام چھوڑا جس کے متعلق موصی لہ (زید) اور وارث میت دونوں کو اقرار ہے کہ مرنے والے نے اس کو آزاد کر دیا تھا لیکن آزادی کے وقت میں اختلاف ہے زید کہتا ہے کہ اس نے اپنی صحت میں آزاد کیا تھا (تاکہ آزادی تمام مال سے نافذ ہو) اور وارث کہتا ہے کہ مرض کی حالت میں آزاد کیا تھا۔ (تاکہ عتق مال سے نافذ ہو) تو وارث کا قول معتبر ہوگا کیونکہ زید مدعی استحقاق ہے اور وارث منکر پس زید کو کچھ نہ ملے گا۔ الا یہ کہ ثلث مال سے کچھ بچ جائے تو فاضل مقدار ملجائے گی مثلاً ثلث مال سو درہم ہے اور غلام کی قیمت اسی روپے ہے تو زید کو بیس درہم ملیں گے یا پھر زید بینہ سے اپنا دعوی ثابت کرے کہ عتق بحالت صحت ہوا ہے۔

قولہ ولو ادعی الخ ایک شخص نے میت پر کچھ قرض کا دعوی کیا اور اس کے غلام نے آزادی کا دعوی کیا اور میت کا مال سوائے غلام کے اور کچھ نہیں ادھر ورثہ نے دونوں کی تصدیق کر دی تو غلام اپنی قیمت میں سعایت کریگا اور وہ قیمت قرض خواہ کو دیدی جائے گی صاحبین کے یہاں غلام آزاد ہو جائے گا اور سعایت بھی واجب نہ ہوگی وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں دین اور عتق دونوں وارث کی تصدیق سے ایک ہی کلام میں ظاہر ہوئے ہیں تو گویا وہ دونوں ایک ساتھ واقع ہوئے اور عتق صحت موجب سعایت نہیں ہوتا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اقرار دین اقرار عتق سے قوی تر ہے اور ادنی کی وجہ سے اقوی مندفع نہیں ہوتا۔ تو یہاں اصل عتق ہی باطل ہو جانا چاہئے۔ مگر عتق چونکہ وقوع کے بعد محتمل نقض نہیں ہوتا اسلئے یہاں سعایت واجب کر کے معنیً منتقض ہوگا۔

قولہ ومن خرج الخ ایک شخص حج کے لئے نکلا اور راہ میں وصیت کر کے مر گیا کہ میری طرف سے حج کرایا جائے تو امام صاحب وزفر کے نزدیک اس کے شہر سے حج کرایا جائے گا' صاحبین اور امام شافعی واحمد کے نزدیک وہاں سے حج کرایا جائیگا جہاں تک وہ پہونچ چکا تھا کیونکہ بہ نیت حج اس کا سفر قربت واقع ہو چکا اور اتنی مقدار قطع مسافت اس کے ذمہ سے ساقط ہو چکی **لقولہ تعالیٰ " ومن یخرج من بیتہ مهاجر االی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ"** امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس کا عمل موت کی وجہ سے باطل ہو گیا رہی آیت سووہ احکام آخرت یعنی اجر وثواب سے متعلق ہے۔

باب الوصية للاقارب وغيرهم

باب رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنے کے بیان میں

جِيرَانُهُ مُلاصِقُوهُ وَاَصْهَارُهُ كُلُّ ذِی رِحْمٍ محرمٍ مِنِ اِمْرَأَتِهِ وَاخْتَانُهُ زَوْجُ كُلِّ ذَاتِ رِحْمٍ محرمٍ مِنْهُ

مُوصی کے پڑوسی وہ ہیں جو اس کے گھر سے متصل ہوں اور اصہار وہ ہیں جو اسکی بیوی کے رشتہ دار محرم ہوں اور داماد وہ ہیں جو اسکی محرم عورتوں کے شوہر ہوں

وَاَهْلُهُ زَوْجَتُهُ وآلُهُ اَهْلُ بَيْتِهِ وَجِنْسُهُ اَهْلُ بَيْتِ اَبِيهِ وَاِنْ اَوْصٰى لاقَارِبِهِ اَوْ لِذَوِى قَرَابَتِهِ

اور اہل اس کی بیوی ہے اور آل اس کے گھر والے ہیں اور جنس اس کے باپ گھر والے ہیں اگر وصیت کی اپنے رشتہ داروں یا قرابت والوں

اَوْ لاَرْحَامِهِ اَوْ لاَنْسَابِهِ فَهِىَ لِلاَقْرَبِ فَالاَقْرَبُ مِنْ كُلِّ ذِی رِحْمٍ محرمٍ مِنْهُ وَلاَ يَدْخُلُ الْوَلْدَانِ

یا ذوی الارحام یا خاندان والوں کے لئے تو وصیت ہر اقرب کے لئے ہوگی، اس کے ذی رحم محرم میں سے اور داخل نہ ہوں دو چچا اور دو ماموں

وَالْوَلَدُ وَالْوَارِثُ وَتَكُوْنُ لِلاثْنَيْنِ فَصَاعِدًا فَاِنْ كَانَ لَهُ عَمَّانِ وَخَالاَنِ فَهِىَ لَعَمَّيْهِ

باپ اور لڑکا اور وارث اور ہوگی وصیت دو کے لئے اور زیادہ کے لئے پس اگر ہوں دو چچا اور دو ماموں تو وصیت چچاؤں کیلئے ہوگی اور اگر

وَلَوْ عَمٌّ وَخَالاَنِ لَهُ النِّصْفُ وَلَهُمَا النِّصْفُ وَلَوْ عَمٌّ وَعَمَّةٌ اسْتَوَيَا

ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کیلئے نصف ہوگا اور دو ماموں کیلئے نصف ہوگا اور اگر ایک چچا اور ایک پھوپھی ہو تو دونوں برابر ہوں گے

وَلِوَلَدِ فُلاَنٍ لِلذَّكَرِ وَالاُنْثٰى عَلَى السَّوَاءِ وَلِوَرَثَةِ فُلاَنٍ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَيَيْنِ

فلاں کی اولاد کیلئے وصیت میں مرد عورت کیلئے برابر ہوگا اور فلاں کے ورثہ کے لئے وصیت ہو تو مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہوگا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ اس باب میں مخصوص لوگوں کیلئے وصیت کے احکام ہیں اور ابواب سابقہ میں احکام وصیت علی وجہ العموم ہیں والخصوص یتلو العموم۔

قولہ جیرانہ الخ ایک شخص نے اپنے پڑسیوں کے لئے وصیت کی تو امام صاحب اور امام زفر کے نزدیک اس وصیت میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو اس کے گھر سے متصل ہوں صاحبین کے نزدیک وہ سب لوگ داخل ہوں گے جو اسکے محلّہ میں رہتے ہوں اور مسجد میں نماز پڑھتے ہوں۔ امام صاحب کا قول قیاس پر مبنی ہے۔ اور صاحبین کا قول مبنی پر استحسان ہے امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جار مجاورۃ سے ہے اور مجاورت کے حقیقی معنی ملاصقت کے ہیں یہی وجہ ہے کہ شفعہ کا استحقاق اسی جوار سے ہوتا ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے عرف میں ان سب کو جیران ہی کہا جاتا ہے۔ حدیث "لاصلوة لجار المسجد الافی المسجد" سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ امام شافعی کے یہاں پڑوس چالیس گھر تک ہوتا ہے۔ (ہر طرف سے)

(۱)...... لان الجنس النسب و النسب للاباء لاللا مهات ۱۲. (۲)...... تفصيل لمذهب ابی حنيفه بعداجماله حيث اجمل الاقرب لان ظاهره مساواة الخال والعم تساويهما درجة مع ان العم مقدم فبين ان الاقرب الاقوى مقدم على الاقرب الا ضعف ۱۲. كشف. (۳)......وقال بينهم ارباعا۱۲ (۴) لاستواء قرابتهما۱۲. (۵)...... لان اسم الولد يشمل الكل ۱۲.

قوله واصهاره الخ اگر کوئی شخص اپنی اصہار کیلئے وصیت کرے تو اس میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو اسکی بیوی کے قرابتدار ہیں جیسے بیوی کے باپ دادے چچا، ماموں، بہنیں وغیرہ صہر کی یہ تفسیر امام محمد کی ہے۔ برہان وغیرہ میں اس پر یقین ظاہر کیا ہے اور شرنبلالیہ میں اسی کو ثابت رکھا ہے۔ علامہ انزاری فرماتے ہیں کہ لغت کے سلسلہ میں امام محمد کا قول حجت ہے۔ چنانچہ ابوعبیدہ نے ''غریب الحدیث'' میں آپ کے قول سے جابجا استشہاد کیا ہے۔ صحاح میں ہے ''الاصهار اهل بيت المرأة'' فخر الاسلام بزدوی نے شرح زیادات'' میں کہا ہے کہ مہر کا اطلاق کبھی ختن پر بھی ہوتا ہے۔ (ای بدليل قولهم)۔

لكل ابى بنت اذا ما تر عرعت ثلاثة اصهار اذا عدد الصهر
فاولهم خدر ثانيهم امرؤ وثالثهم قبرو خير هم ابقر

لیکن غالب استعمال وہی ہے جو امام محمد نے ذکر کیا ہے قال حاتم بن غدی

ولو كنت صِهرالابن مروان قربت ركابى الى المعروف والطعن الرحب
ولكننى صهر لآل محمد وخال بنى العباس والخال كا لاب

(سمى نفسه صهرا وكان اخالا مرأة
العباس)

روایت میں ہے کہ حضرت جویریہ بنت حارث حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں واقع ہوئیں انہوں نے انکو مکاتب کر دیا یہ اداء بدل کتابت کیلئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے ان سے عقد نکاح کر لیا جب اصحاب نے یہ سنا تو حضرت جویریہ کی برادری کے جو لوگ اصحاب کے حصہ میں آئے تھے انہوں نے ان سب کو آپ کے اکرام کی خاطر آزاد کر دیا اور کہا کہ یہ رسول ﷺ کے اصہار ہیں۔

تنبیہ: اس موقع پر صاحب ہدایہ نے جویریہ کے بجائے ''صفیہ'' ذکر کیا ہے یہ صحیح نہیں صحیح جویریہ ہے جس کی تصریح کتب حدیث میں موجود ہے۔

قوله واهله زوجة الخ اہل سے مراد امام صاحب کے نزدیک انسان کی بیوی ہوتی ہے اور صاحبین کے یہاں مملوک کے علاوہ ''وأتونى باهلكم اجمعين'' میں بیوی کی تخصیص نہیں تعمیم ہے۔ جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں استثنا اور دوسری آیت میں اجمعین عدم کا قرینہ موجود ہے۔ امام صاحب کی دلیل یہ آیت ''فلما قضى موسى الاجل وسار باهله آنس من جانب الطور نارًا قال لاهله امكثوا'' وجہ استدلال یہ ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بیوی کے علاوہ دیگر اقرباء کا ہونا منقول نہیں۔ پس لفظ اہل سے مراد بیوی ہے۔ سوال اس سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ ''امکثوا'' میں خطاب بصورت جمع ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف بیوی مراد نہیں، جواب خطاب بصورت جمع برائے تعظیم ہے۔ کیونکہ ہم پہلے بتا چکے کہ آپ کے ساتھ دیگر اقرباء کا ہونا منقول نہیں۔

باب الوصية بالخدمة و السكنىٰ و الثمرة

باب خدمت ورہائش اور پھل کی وصیت کے بیان میں

وَتَصِحُّ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ وَسُكْنٰى دَارِهٖ مُدَّةً مَعْلُوْمَةً وَاَبَدًا فَاِنْ خَرَجَ الْعَبْدُ مِنْ ثُلُثِهٖ سُلِّمَ اِلَيْهِ

صحیح ہے وصیت اپنے غلام کی خدمت کی اور اپنے گھر کی رہائش کی معین مدت تک اور ہمیشہ کیلئے پس اگر ہو غلام تہائی مال تو دیدیا جائیگا

لِيَخْدِمَهٗ وَالْاَخْدَمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَالْمُوْصٰى لَهٗ يَوْماً وَبِمَوْتِهٖ يَعُوْدُ

تا کہ موصیٰ لہ کی خدمت کرے ورنہ خدمت کرے ورثہ کی دو دون اور موصیٰ لہ کی ایک دن اور موصیٰ لہ کے مرنے سے لوٹ جائیگا غلام

اِلٰى وَرَثَةِ الْمُوْصٰى وَلَوْ مَاتَ فِي حَيٰوةِ الْمُوْصِي بَطَلَتْ وَبِثَمَرَةِ بُسْتَانِهٖ فَمَاتَ وَفِيْهِ ثَمَرَةٌ

موصی کے ورثہ کی طرف اور اگر وہ مر گیا موصی کی زندگی میں تو وصیت باطل ہو جائیگی وصیت کی اپنے باغ کے پھل کی پس مر گیا اور باغ میں پھل ہے

لَهٗ هٰذِهِ الثَّمَرَةُ فَاِنْ زَادَ اَبَدًا لَهٗ هٰذِهٖ وَمَا يُسْتَقْبَلُ كَغَلَّةِ بُسْتَانِهٖ

تو موصی لہ کیلئے وہی پھل ہوگا اور اگر لفظ ابدا بڑھایا ہو تو وہ بھی ہوگا اور جو آئندہ پھل آئے وہ بھی ہوگا جیسے باغ کی آمدنی کی وصیت

وَبِصُوْفِ غَنَمِهٖ وَوَلَدِهَا وَلَبَنِهَا لَهُ الْمَوْجُوْدُ عِنْدَ مَوْتِهٖ قَالَ اَبَدًا اَوْ لاَ.

اپنی بکری کی اون کی یا اس کے بچوں کی یا دودھ کی وصیت کی تو موصی لہ کیلئے وہ ہوگا جو موجود ہو موصی کی موت کے وقت ابداً کہے یا نہ کہے۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ وصایا اعیان سے فارغ ہو کر وصایا منافع کو شروع کر رہا ہے۔ کیونکہ اعیان اصل ہیں۔ اور منافع فرع۔

قولہ وتصح الخ خدمت عبد اور مکان میں رہائش وغیرہ کی وصیت کرنا صحیح ہے۔ اس واسطے کہ تملیک منافع بحالت حیات صحیح ہے بالعوض ہو یا بلا عوض تو بعد الممات بھی صحیح ہوگی جیسے تملیک اعیان صحیح ہے۔

قولہ فان خرج الخ کسے نے خدمت عبد یا رہائش مکان کی وصیت کی تو یہ صحیح ہے۔ اب اگر غلام اور مکان موصی کا ثلث مال ہو تو وہ موصی لہ کو دیدیا جائیگا اور اگر وہ ثلث مال نہ ہو تو مکان کو تین تہائی تقسیم کر کے ایک تہائی موصی لہ کو دیدیا جائے گا اور دو تہائیاں ورثہ کو۔ کیونکہ موصی لہ کا حق ثلث ہے۔ اور ورثہ کا حق دو ثلث میں اور غلام کی تقسیم ناممکن ہے اس لئے اس میں باری مقرر کر دیجائے گی۔ پس غلام ایک دن موصی لہ کی خدمت کرے گا اور دو دن ورثہ کی پھر اگر موصی لہ کی حیات میں مر جائے تو وصیت باطل ہو جائیگی۔ کیونکہ اس کا مستحق ہی ختم ہو گیا۔ اور چونکہ وصیت منافع میں ملک موصی زائل نہیں ہوتی اس لئے مستحق کی موت کے بعد غلام اور مکان کے مالک موصی کے وارث ہوں گے۔

قولہ کغلة بستانه الخ ثمرہ اور غلہ کے مسئلہ میں وجہ فرق یہ ہے کہ عرف میں ثمرہ اس کو کہتے ہیں جو موجود ہو تو یہ بلا ولایت زائدہ معدوم کو شامل نہ ہوگا بخلاف غلہ کے کہ اس کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے یعنی اسپر بھی جو بالفعل موجود ہو اور اس پر بھی جو آئندہ پیدا ہو چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے غلہ سے کھاتا ہے (یعنی اس کی آمدنی سے کھاتا ہے)۔

باب وصية الذمی

باب ذمی کی وصیت کے بیان میں

ذِمِّیٌّ جَعَلَ دَارَهُ بِيعَةً اَوْ كَنِيْسَةً فِی صِحَّتِهٖ فَمَاتَ فَهِیَ مِيْرَاثٌ وَاِنْ اَوْصٰی بِذَاکَ لِقَوْمٍ مُسَمَّيْنَ فَهُوَ

ذمی نے بنا دیا اپنا گھر بیعہ یا کنیسہ اپنی صحت کی حالت میں پھر مرگیا تو گھر میراث ہوگا اگر وصیت کی ان چیزوں کی مخصوص قوم کے لئے تو اس کا اعتبار

مِنَ الثُّلُثِ وبِدارِهٖ كَنِيْسَةً لِقَوْمٍ غَيْرِ مُسَمَّيْنَ صَحَّتْ كَوَصِيَّةِ حَرْبِیٍّ مُسْتَامِنٍ بِكُلِّ مَالِهٖ لِمُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّیٍّ.

تہائی سے ہوگا وصیت کی اپنے گھر کو کنیسہ بنانے کی غیر معین لوگوں کیلئے تو یہ صحیح ہے جیسے وصیت ۔ ا مستامن کافر کا اپنے کل مال کی کسی مسلمان یا ذمی کیلئے۔

تشریح الفقہ: **قوله باب الخ** معاملات کے احکام میں کفار مسلمانوں کیساتھ بطریق طبع لاحق ہیں اسلئے متبوع (مسلمان کے احکام بیان کرنے کے بعد تابع کے احکام بیان کر رہا ہے۔

قوله ذمی جعل الخ ایک ذمی نے اپنی صحت میں اپنا مکان (معبد یہود) یا کنیسہ (معبد نصاری) بنا دیا پھر مرگیا تو مکان اس کے وارثوں کے لئے میراث ہوگا' امام صاحب کے نزدیک تو اسلئے کہ یہ وقف غیر مسجل کی مانند ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک اس لئے کہ ان کا بنانا معصیت ہے۔ سوال ان کے حق میں بیعہ ایسا ہے جیسے مسلمانوں کے حق میں اور مسجد کی نہ بیع ہوتی ہے نہ اس میں وارثت چلتی ہے تو بیعہ بھی یہی ہونا چاہئے۔ جواب ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ تو بیعہ میں رہتے سہتے اور مردوں کو دفناتے ہیں **فی لوکان المسجد کذلک یورث لانہ ح لم یصر خالصاً لله۔**

قوله وان اوصی الخ اگر ذمی نے وصیت کی کہ میرا گھر بیعہ یا کنیسہ بنا دیا جائے اور یہ وصیت مخصوص لوگوں کیلئے کی تو یہ تہائی مال سے جائز ہوگی اور موصی لہم کیلئے تملیک قرار پائے گی۔ اور اگر وصیت غیر متعین لوگوں کیلئے ہو تو امام صاحب کے نزدیک یہ بھی صحیح ہے۔ صاحبین کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ یہ معصیت ہے جس کی وصیت جائز نہیں' امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہ فی نفسہ گو معصیت ہے مگر ان کے اعتقاد میں قربت ہے۔ اور ہم ان کو ان کے اعتقاد پر چھوڑنے کے مامور ہیں۔

عہ ...... دار قطنی' حاکم عن ابی [illegible] قطنی ع جابر' ابن حبان عن عائشہ' بیہقی' ابن ابی شیبہ عن علی ۱۲ [illegible] ابو داؤد' احمد' ابن راہویہ' بزار' ابن حبان' حاکم' ابن ہشام عن [illegible]

باب الوصی

باب وصی کے بیان میں

اَوْصٰی اِلٰی رَجُلٍ فَقَبِلَ عِنْدَهٗ وَرَدَّ عِنْدَهٗ یَرْتَدُّ وَاِلَّا لَا وَبَیْعُهٗ تَرِکَتَهٗ کَقَبُوْلِهٖ

وصی کیا کسی کو اس نے منظور کرلیا اس کے سامنے اور اسی کے سامنے رد کردیا تو رد ہو جائیگا ورنہ نہیں وصی کا بیچنا موصی کا ترکہ وصایت قبول کرنا ہے

وَاِنْ مَاتَ فَقَالَ لَا اَقْبَلُ ثُمَّ قَبِلَ صَحَّ اِنْ لَمْ یُخْرِجْهُ قَاضٍ مُذْ قَالَ لَا اَقْبَلُ.

موصی مرگیا وصی نے کہا مجھے منظور نہیں پھر قبول کرلیا تو صحیح ہے اگر برطرف نہ کیا ہو اس کو قاضی نے جب سے کہ اس نے لا اقبل کہا تھا۔

تشریح الفقہ: قولہ باب الخ موصی لہ کے بیان سے فراغت کے بعد موصی الیہ یعنی وصی کے احکام بیان کررہا ہے۔ کیونکہ احکام وصایا اس کو بھی شامل ہیں، موصی لہ کے احکام پہلے اس لئے بیان کئے ہیں کہ ان کا وقوع بکثرت ہے۔ وصایا اوصی الی فلان۔ کا اسم ہے۔ بمعنی کسی کو اپنے بعد سربراہ کار کرنا تاکہ وہ وارثوں میں مال تقسیم کرے۔ جس کے ذمہ میت کا حق ہو اس سے وصول کرے، جو باتیں وہ کہہ مرے ان کی تعمیل کرے وغیرہ۔

فائدہ: وصایا کا معاملہ نہایت پرخطر اور کماحقہ اس کی انجام دہی بہت مشکل ہے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہئے۔ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اس میں پہلی بار قدم رکھنا غلطی ہے اور دوبارہ داخل ہونا خیانت ہے اور سہ بارہ اختیار کرنا سرقہ ہے، حضرت حسن فرماتے ہیں کہ وصی کماحقہ عدل نہیں کرسکتا۔ گو وہ عمر بن الخطاب ہی کیوں نہ ہوں۔ ابو مطیع کا بیان ہے کہ میں نے اپنی بیس سالہ مدت قضاء میں کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اپنے بھائی کے مال سے عدل سے کام لیتا ہو۔

قولہ فقبل عندہ الخ ایک شخص نے دوسرے کو اپنا وصی کیا اس نے موصی کے سامنے وصی ہونا منظور کرلیا تو پھر اسی کے روبرو انکار کردیا تو اس انکار سے وصایت رد ہو جائیگی۔ اور اب وہ وصی نہ رہے گا۔ اور اگر اس کے پس پشت انکار کیا تو وصی ہونا رد نہ ہوگا۔

قولہ فقال لا اقبل الخ اگر موصی مرجائے اور وصی کہے کہ مجھے وصایت منظور نہیں پھر قبول کرلے تو یہ درست ہے بشرطیکہ قاضی نے اس کے انکار کی بنا پر اس کو وصی ہونے سے برطرف نہ کیا ہو۔ اس واسطے کہ اس کا صرف لا اقبل کہنا مبطل ایصا نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں میت کا نقصان ہے۔ اور ابقا ایصا میں موجود وصی کا نقصان ہے۔ وہ ثواب کے ذریعہ سے پورا ہو جاتا ہے۔ **فدفع الضرر الاول وھوا علی اولی۔**

وَاِلٰی عَبْدٍ وَکَافِرٍ وَفَاسِقٍ بَدَّلَ بِغَیْرِهِمْ وَاِلٰی عَبْدِهٖ وَوَرَثَتُهٗ صِغَارٌ صَحَّ وَاِلَّا لَا

اگر وصی کیا غلام کو یا کافر کو یا فاسق کو تو بدل دے قاضی ان کی جگہ دوسرے کو وصی کیا اپنے غلام کو اور اس کے ورثہ کم سن ہیں تو صحیح ہے ورنہ نہیں

وَمَنْ عَجَزَ عَنِ الْقِیَامِ بِهَا ضَمَّ غَیْرَهٗ اِلَیْهِ وَبَطَلَ فِعْلُ اَحَدِ الْوَصِیَّیْنِ فِیْ غَیْرِ التَّجْهِیْزِ وَشِرَاءِ الْکَفَنِ

جو عاجز ہو وصیت کی بجا آوری سے تو کردے قاضی اسکے ساتھ کسی اور کو باطل ہے دو میں سے ایک وصی کا فعل تجہیز و تکفین خرید کفن

لانہ لیس للموصی ولایۃ [illegible] التصرف ولا غرور فیہ لانہ یمکنہ ان ینصب غیرہ ۱۲۔ کشف۔

وَحَاجَةِ الصِّغَارِ وَالاتِّهَابِ لَهُمْ وَرَدِّ وَدِيْعَةِ عَيْنٍ وَقَضَاءِ دَيْنٍ وَتَنْفِيْذِ وَصِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ وَعِتْقِ عَبْدٍ عَيْنٍ

کم سن ورثہ کی ضروریات ان کے لئے ہبہ قبول کرنے معین امانت واپس کرنے قرض چکانے معین وصیت جاری کرنے معین غلام آزاد کرنے

وَالْخُصُوْمَةِ ... فِي حُقُوْقِ الْمَيِّتِ وَوَصِيٌّ الْوَصِيِّ وَصِيٌّ التَّرْكَتَيْنِ.

اور میت کے حقوق میں جوابدہی کرنے کے علاوہ میں وصی کا وصی دونوں ترکوں میں وصی ہوتا ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ بدل الخ کسی نے دوسرے کے غلام کو یا کافر یا فاسق کو اپنا وصی کرلیا تو قاضی ان کو ہٹا کر ان کی جگہ دوسرا وصی مقرر کردے کیونکہ یہ وصایت باطل ہے۔ جیسا کہ کتاب سے مفہوم ہوتا ہے۔ قدوری کی عبارت۔ اخرجہم القاضی عن الوصیۃ" سے معلوم ہوتا ہے کہ وصایت صحیح ہے لان الاخراج انما یکون بعد الدخول۔

قولہ صغار الخ اگر کسی کے ورثہ صغیر السن ہوں اور وہ اپنے غلام کو وصی کرلے تو یہ امام صاحب کے نزدیک درست ہے صاحبین کے نزدیک درست نہیں۔ مقتضاء قیاس بھی یہی ہے۔ کیونکہ رقیت منافی ولایت ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ اس کے غلام کو جو شفقت و ہمدردی ہے وہ کسی اور کو نہیں ہو سکتی۔

قولہ وبطل الخ اگر کوئی دو آدمیوں کو وصی کرے تو طرفین کے نزدیک ان میں سے ایک کو دوسرے کے موجود ہوئے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ تفویض جس صفت کے ساتھ ہو اس کی رعایت ضروری ہے۔ اور یہاں تفویض شرط اجتماع کے ساتھ مشروط ہے کہ موصی دو کے فعل سے راضی ہے نہ کہ ایک فعل سے "البتہ تجہیز و تکفین وغیرہ امور جو صاحب کتاب نے ذکر کئے ہیں ان میں دونوں کا اجتماع ضروری ہے کیونکہ ان میں دونوں کا اکٹھا ہونا مشکل بھی ہے۔ اور دونوں سے ایک حالت میں صحیح طور پر پورے بھی نہیں ہو سکتے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک ہر کام میں ان میں سے کسی ایک کا فعل ایسا ہی ہے جیسے دونوں نے کیا ہو۔

قولہ ووصیٔ الوصی الخ زید نے عمرو کو وصی کیا تھا۔ عمرو نے مرتے دم بکر کو وصی کردیا تو بکر زید اور عمرو دونوں کا وصی ہوگا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ میت اول کے ترکہ کا وصی نہ ہوگا۔ کیونکہ میت نے اس کو تصرف کی تفویض کی ہے۔ نہ کہ ایصاً کی" ہم یہ کہتے ہیں کہ وصی اس ولایت کیوجہ سے تصرف کرتا ہے جو اس کی طرف منتقل ہو کر آتی ہے۔ اور ولایت منتقلہ میں غیر کو اپنا قائم مقام کرسکتا ہے۔ جیسے باب نکاح میں ولایت جب باپ کی طرف سے دادا کی طرف منتقل ہوتی ہے تو باپ کی طرح دادا کیلئے بھی جائز ہے کہ وہ خود نکاح کرلے یا کسی سے کرادے۔

وَتَصِحُّ قِسْمَتُهُ عَنِ الْوَرَثَةِ مَعَ الْمُوْصىٰ لَهُ وَلَوْ عُكِسَ لاَ فَلَوْ قَاسَمَ الْوَرَثَةَ وَاَخَذَ نَصِيْبَ الْمُوْصىٰ لَهُ

صحیح ہے وصی کا تقسیم کرنا ورثہ کی طرف سے موصیٰ لہ کیساتھ اس کا عکس صحیح نہیں پس اگر تقسیم کرلیا وارثوں سے اور لے لیا موصیٰ لہ کا حصہ

فَضَاعَ رَجَعَ بِثُلُثِ مَابَقِيَ وَاِنْ اَوْصىٰ الْمَيِّتُ بِحَجَّةٍ فَقَاسَمَ الْوَرَثَةَ فَهَلَكَ مَافِي يَدِهٖ

اور وہ ضائع ہوگیا تو لے لے ماقی کی تہائی اگر وصیت کی میت نے حج کی اور وصی نے مال تقسیم کردیا ورثہ کو پھر ضائع ہوگیا وہ جو وصی کے پاس تھا

اَوْ دَفَعَ اِلىٰ مَنْ يَحُجُّ عَنْهُ فَضَاعَ فِي يَدِهٖ حُجَّ عَنِ الْمَيِّتِ بِثُلُثِ مَابَقِيَ وَصَحَّ قِسْمَةُ الْقَاضِي

یا دیدیا وصی نے حج کرنے والے کو اور وہ اسکے پاس سے ضائع ہوگیا تو حج کرایا جائے میت کی طرف سے ماقی کی تہائی سے، صحیح ہے قاضی کا تقسیم کرنا

وَاَخْذُهٗ حَظَّ الْمُوْصىٰ لَهُ اِنْ غَابَ وَبَيْعُ الْوَصِيِّ عَبْدًا مِنَ التَّرِكَةِ بِغَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ وَضَمِنَ الْوَصِيُّ اِنْ بَاعَ عَبْدًا

اور موصیٰ لہ کا حصہ اپنے پاس رکھ لینا اگر وہ غائب ہو صحیح ہے وصی کا بیچنا ترکہ کے غلام کو قرض خواہوں کی غیبت میں ضامن ہوگا وصی اگر بیچا اس نے

اَوْصیٰ بِبَیْعِهٖ وَتَصَدُّقِ ثَمَنِهٖ اِنْ اِسْتَحَقَّ الْعَبْدُ بَعْدَ هَلَاکِ ثَمَنِهٖ عِنْدَهٗ

وہ غلام جس کو بیچ کر قیمت خیرات کرنے کی وصیت کی تھی اگر غلام کسی اور کا نکل آیا وصی کے پاس سے اس کی قیمت ہلاک ہوجانے کے بعد

وَیَرْجِعُ فِی تَرِکَةِ الْمَیِّتِ وَفِی مَالِ الطِّفْلِ اِنْ بَاعَ عَبْدَهٗ وَاسْتُحِقَّ وَهَلَکَ الثَّمَنُ فِی یَدِهٖ

پھر وہ لے میت کے ترکہ سے اور بچہ کے مال سے اگر بیچا اس نے اس کا غلام اور وہ کسی اور کا نکلا اور قیمت اس کے پاس سے ضائع ہوگئی

وَهُوَ عَلَی الْوَرَثَةِ فِی حِصَّتِهٖ وَصَحَّ اِحْتِیَالُهٗ بِمَالِهٖ لَوْ خَیْرًا لَهٗ وَبَیْعُهٗ وَشِرَاؤُهٗ

اور بچہ ورثہ سے لے اپنے حصے کے بقدر صحیح ہے وصی کے لئے مال صغیر کے حوالے کو قبول کرنا اگر وہ اسکے حق میں بہتر ہو اور اس کا بیچنا اور خریدنا

بِمَا یَتَغَابَنُ وَبَیْعُهٗ عَلَی الْکَبِیْرِ فِی غَیْرِ الْعِقَارِ وَلَا یَتَّجِرُ فِی مَالِهٖ

اتنے نقصان میں جتنا ہوجایا کرتا ہے اور وارث بالغ کی چیز بیچنا زمین کے علاوہ وصی تجارت نہ کرے موصی کے مال میں

وَوَصِیُّ الْاَبِ اَحَقُّ بِمَالِ الطِّفْلِ مِنَ الْجَدِّ فَاِنْ لَمْ یُوْصِ الْاَبُ فَالْجَدُّ کَالْاَبِ.

باپ کا وصی بچہ کے مال کا زیادہ حقدار ہے دادا سے اگر باپ نے وصی نہ کیا ہو تو دادا باپ کے مانند ہے۔

تشریح الفقہ: قولہ وتصح الخ موصی نے زید کو کچھ مال کی وصیت کی اور موصی کے وارث موجود نہیں تو وصی وارثوں کی طرف سے ان کا حصہ موصی لہ کے حصہ سے جدا کر سکتا ہے۔ اور اگر موصی لہ نہ ہو اور وارث ہوں تو موصی لہ کا حصہ ورثہ سے تقسیم نہیں کر سکتا۔

قولہ وصح احتیالہ الخ اگر بچہ کا مال زید کے ذمہ ہو اور وہ عمرو پر حوالہ کرے تو وصی کیلئے اس حوالے کو قبول کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ یہ بچہ کے حق میں بہتر ہو مثلاً یہ کہ محتال علیہ مالدار ہو جس سے مال جلد مل جانے کی توقع ہو۔

قولہ ووصی الاب الخ ہمارے یہاں بچہ کے مال میں تصرف کرنے کیلئے دادا کے بہ نسبت باپ کا وصی زیادہ حقدار ہے امام شافعی کے یہاں دادا احق ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وصایت کی بناء پر باپ کی ولایت وصی کی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔ تو معنوی طور پر گویا باپ ہی کی ولایت قائم ہے لہٰذا وہ مقدم ہوگی جیسے اگر خود باپ موجود ہو تو وہ دادا پر مقدم ہوتا ہے علاوہ ازیں دادا موجود ہوتے ہوئے باپ کا دوسرے کو وصی کرنا اسی پر دال ہے کہ اسکی اولاد کے حق میں دادا کی بہ نسبت وصی کا تصرف نافع تر ہے۔

فَصْلٌ فِی الشَّهَادَةِ: شَهِدَ الْوَصِیَّانِ بِاَنَّ الْمَیِّتَ اَوْصیٰ اِلیٰ زَیْدٍ مَعَهُمَا لَغَتْ اِلَّا اَنْ یَدَّعِیَ زَیْدٌ

(فصل شہادت میں) گواہی دی دو وصیوں نے کہ میت نے وصی کیا تھا زید کو ہمارے ساتھ تو گواہی لغو ہے الا یہ کہ زید مدعی ہو

وَکَذَا الْاِبْنَانِ وَکَذَا لَوْشَهِدَا لِوَارِثٍ صَغِیْرٍ بِمَالٍ اَوْ لِکَبِیْرٍ بِمَالِ الْمَیِّتِ

اسی طرح دو بیٹوں کی گواہی ہے اور اسی طرح ہے اگر گواہی دی انہوں نے کمسن وارث کیلئے مال کی یا بالغ کے لئے میت کے مال کی

وَلَوْ شَهِدَ رَجُلَانِ لِرَجُلَیْنِ عَلیٰ مَیِّتٍ بِدَیْنِ اَلْفٍ وَشَهِدَ الْاٰخَرَانِ لِلْاَوَّلَیْنِ بِمِثْلِهٖ تُقْبَلُ.

اگر گواہی دی دو نے دو آدمیوں کے لئے میت پر ایک ہزار کے قرض کی اور گواہی دی ان دو نے پہلے دو کے لئے ایک ہزار کی تو مقبول ہوگی

وَاِنْ کَانَتْ شَهَادَةُ کُلِّ فَرِیْقٍ بِوَصِیَّةِ اَلْفٍ لَا.

اور اگر ہو گواہی ہر فریق کی ایک ہزار کی وصیت پر تو مقبول نہ ہوگی۔

شہادت وصی کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ شھد الوصیان الخ دو وصیوں نے گواہی دی کہ میت نے ہمارے ساتھ زید کو بھی وصی کیا ہے تو یہ گواہی لغو ہے۔ کیونکہ وہ اپنے لئے مددگار ثابت کررہے ہیں جس میں ان کا نفع ہے تو وہ متہم ہوسکتے ہیں' اسی طرح اگر میت کے دو بیٹے گواہی دیں کہ ہمارے باپ نے فلاں کو وصی کیا ہے۔ تو یہ بھی لغو ہے کیونکہ وہ بھی متروکہ مال کی حفاظت کیلئے نگہبان چاہتے ہیں جس میں انکا نفع ہے۔ مگر یہ اس وقت ہے جب وہ شخص منکر وصایت ہو جس کے متعلق وہ وصی ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ اور اگر وہ وصی ہونے کا دعوی کریں تو دونوں مسئلوں میں شہادت مقبول ہوگی۔

قولہ و کذا لو شھدا لخ اسی طرح اگر دو وصی وارث صغیر کے مال کی گواہی دیں (خواہ صغیر کو وہ مال میراث سے ملا ہو یا ہبہ وغیرہ سے) یا وارث کبیر کیلئے میت کے مال کی گواہی دیں تو یہ بھی لغو ہے۔ کیونکہ وہ پہلی صورت میں اپنے لئے ولایت تصرف اور دوسری صورت میں ولایت حفظ کے مدعی ہیں جس میں وہ متہم ہوسکتے ہیں۔

قولہ ولو شھد رجلان الخ دو آدمیوں نے دوسرے دو آدمیوں کے گواہی دی کہ میت کے ذمہ انکا ایک ایک ہزار روپیہ قرض ہے اور یہی ان دونوں نے پہلے دو کیلئے دی تو طرفین کے نزدیک یہ دونوں گواہیاں صحیح ہیں کیونکہ دین واجب فی الذمہ ہوتا ہے جس میں مختلف حقوق واجب ہوسکتے ہیں ہاں اگر ان میں سے ہر فریق دوسرے کیلئے ایک ہزار کی وصیت کی گواہی دے تو یہ مقبول نہ ہوگی کیونکہ اس میں وہ متہم ہیں۔

(۱)..... لانها تتعلق بالتركه ... من غير تعلق بالذمة فتثبت الشركة فى التركة ابتداءً بخلاف الدين لانه يتعلق بالذمة ابتداءً وبالتركة بعدالموت فافترقا ۱۲ ا.

کتاب الخنثیٰ

هُوَ مَنْ لَهُ ذَكَرٌ وَفَرْجٌ فَإِنْ بَالَ مِنَ الذَّكَرِ فَغُلَامٌ وَإِنْ بَالَ مِنَ الْفَرْجِ فَأُنْثَى

خنثیٰ وہ ہے جس کے ذکر اور فرج دونوں ہوں پس اگر وہ پیشاب کرے ذکر سے تو مرد ہے اور اگر پیشاب کرے فرج سے تو عورت ہے

وَإِنْ بَالَ مِنْهُمَا فَالْحُكْمُ لِلْأَسْبَقِ وَإِنِ اسْتَوَيَا فَمُشْكِلٌ وَلَا عِبْرَةَ بِالْكَثْرَةِ فَإِنْ بَلَغَ

اور اگر پیشاب کرے دونوں سے تو جس سے پہلے نکلے اس کا اعتبار ہے اور اگر برابر نکلے تو خنثیٰ مشکل ہے اور اعتبار نہیں کثرت کا پس اگر وہ بالغ ہو

وَخَرَجَتْ لَهُ لِحْيَةٌ أَوْ وَصَلَ إِلَى النِّسَاءِ فَرَجُلٌ وَإِنْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ أَوْ لَبَنٌ أَوْ حَاضَ أَوْ حَبِلَ أَوْ أَمْكَنَ وَطْيُهُ

اور ڈاڑھی نکل آئے یا عورتوں سے صحبت کی تو مرد ہے اور اگر اس کی چھاتیاں ابھر آئیں یا دودھ اتر آیا یا حیض آیا یا حمل ٹھہر گیا یا اس سے وطی ممکن ہو

فَامْرَأَةٌ وَإِنْ لَمْ تَظْهَرْ عَلَامَةٌ أَوْ تَعَارَضَتْ فَمُشْكِلٌ فَيَقِفُ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

تو عورت ہے اور اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو یا دونوں ظاہر ہوں تو مشکل ہے پس وہ کھڑا ہو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان

وَتُبْتَاعُ لَهُ أَمَةٌ لِتَخْتِنَهُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ فَمِنْ بَيْتِ الْمَالِ ثُمَّ تُبَاعُ

اور خریدی جائے باندی اس کی ختنہ کرنے کے لئے اگر اس کا کچھ مال نہ ہو تو بیت المال سے خریدی جائے پھر بیچ دیجائے

وَلَهُ أَقَلُّ النَّصِيبَيْنِ فَلَوْ مَاتَ أَبُوهُ وَتَرَكَ ابْنًا لَهُ سَهْمَانِ وَلِلْخُنْثَى سَهْمٌ.

اور اس کے لئے دوحصوں میں سے کمتر ہے پس اگر مرگیا اس کا باپ ایک بیٹا چھوڑ کر تو بیٹے کیلئے دو سہم ہیں اور خنثیٰ کیلئے ایک سہم۔

تشریح الفقہ: قولہ کتاب الخ غالب الوجود (مرد و عورت) کے احکام کے بعد نادر الوجود (خنثیٰ) کے احکام بیان کر رہا ہے۔ خنثیٰ خنث سے مشتق ہے۔ مغرب میں ہے کہ یہ ترکیب نرمی اور تکسر پر دال ہے۔ مخنث کے اعضا اور گفتگو میں لچک اور لوچ ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو مخنث کہتے ہیں۔

قولہ ہو من لہ الخ مخنث وہ ہے جس کے ذکر اور فرج دونوں ہوں پس اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہو تو اس کو مذکر مانا جائے گا اور دوسری علامت شگاف پر محمول ہوگی۔ اور اگر فرج سے پیشاب کرتا ہو تو مؤنث مانا جائے گا اور دوسری علامت ثلول (مسہ) پر محمول ہوگی روایت میں ہے کہ "حضور ﷺ سے خنثیٰ کے متعلق دریافت کیا گیا: کیف یورث؟ آپ نے فرمایا: من حیث یبول" حضرت علی سے بھی اسی طرح مروی ہے اور اگر دونوں سے پیشاب کرتا ہوں تو جس سے پیشاب پہلے نکلے اسی کا اعتبار ہوگا کیونکہ یہ اسکے عضو اصلی ہونے کی دلیل ہے۔ اور اگر دونوں سے ایک ساتھ نکلتا ہو تو اس کا معاملہ مشکل ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کثرت بول کا اعتبار ہوگا کیونکہ کثرت خروج بھی اصالت عضو کی دلیل ہے۔ امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ کثرت خروج کشادگی راہ کی دلیل ہے نہ کہ اصالت عضو کی۔

قولہ ولہ اقل الخ امام صاحب کے یہاں خنثیٰ کو میراث سے اقل النصیبین ملے گا یعنی دیکھا جائے گا کہ اگر اہم اس کو مرد فرض کریں تو کتنا ملتا ہے اور مؤنث فرض کریں تو کتنا ملتا ہے پس ان میں سے جو کم ہو وہ ملے گا اور اگر کسی ایک تقدیر پر وہ محروم ہوتا ہو تو کچھ نہ ملے گا تو اگر خنثیٰ کا باپ اس کے ساتھ ایک اور بیٹا چھوڑ کر مر جائے تو بیٹے کو دو سہم ملیں گے اور خنثیٰ کو ایک۔ صاحبین کے یہاں اس کو آدھا حصہ مذکر کا اور آدھا مؤنث کا ملے گا۔

---

(۱)...... لان ہذہ من علامات الذکران ۱۲۔ (۲)...... لان ہذہ من علامات النساء ۱۲۔ (۳)...... لان بیت المال اعد لنوائب المسلمین ۱۲۔

مَسَائِلُ شَتّٰی : اِیْمَاءُ الاَخْرَسِ وَکِتَابَتُهٗ کَالْبَیَانِ بِخِلاَفِ مُعْتَقِلِ اللِّسَانِ فِی وَصِیَّةٍ وَنِکَاحٍ وَطَلاَقٍ

(متفرق مسائل) گونگے کا اشارہ اور لکھنا زبانی بیان کے مثل ہے بخلاف اس کے جس کی زبان بند ہوگئی ہو وصیت میں نکاح وطلاق میں

وَبَیْعٍ وَشِرَاءٍ وَقَوَدٍ لاَ فِی حَدٍّ غَنَمٌ مَذْبُوحَةٌ وَمَیْتَةٌ فَاِنْ کَانَتِ الْمَذْبُوحَةُ اَکْثَرَ تَحَرّٰی وَاَکَلَ وَاِلاَّ لاَ

خرید وفروخت میں اور قصاص میں نہ کہ حد میں کچھ بکریاں مذبوح ہیں کچھ مردار پس اگر مذبوح زائد ہوں تو تحری کر کے کھالے ورنہ نہیں

لُفَّ ثَوْبٌ نَجِسٌ رَطْبٌ فِی ثَوْبٍ طَاهِرٍ یَابِسٍ فَظَهَرَ رُطُوبَتُهٗ عَلٰی ثَوْبٍ طَاهِرٍ لٰکِنْ لاَیَنْعَصِرُ لَوْ عُصِرَ

لپیٹا گیا ناپاک گیلا کپڑا خشک پاک کپڑے میں پس ظاہر ہوگئی اس کی تری پاک کپڑے پر لیکن وہ نہیں ٹپکتا نچوڑنے سے

لاَ یَنْجَسُ رَاْسُ شَاةٍ مُتَلَطِّخٍ بِالدَّمِ اُحْرِقَ وَزَالَ عَنْهُ الدَّمُ فَاتُّخِذَ مِنْهُ مَرِقَةٌ جَازَ وَالْحَرْقُ کَالْغَسْلِ

تو ناپاک نہ ہوگا بکری کا خون آلود سر جلا دیا گیا اور اس سے خون جاتا رہا پھر اس کا شوربا تیار کیا گیا تو درست ہے اور جلانا مثل دھوڈالنے کے ہے

سُلْطَانٌ جَعَلَ الْخَرَاجَ لِرَبِّ الاَرْضِ جَازَ وَاِنْ جَعَلَ الْعُشْرَ لاَ وَلَوْ دَفَعَ الاَرَاضِی الْمَمْلُوکَةَ اِلٰی قَوْمٍ

بادشاہ نے مقرر کردیا خراج زمیندار کے لئے تو جائز ہے اور اگر عشر مقرر کیا تو نہیں اگر دی مملوکہ اراضی کسی کو

لِیُعْطُوا الْخَرَاجَ جَازَ وَلَوْ نَوٰی قَضَاءَ رَمَضَانَ وَلَمْ یُعَیِّنِ الْیَوْمَ صَحَّ وَلَوْ عَنْ رَمَضَانَیْنِ

تاکہ وہ خراج ادا کریں تو جائز ہے اگر نیت کی قضاء رمضان کی اور دن معین نہیں کیا تو صحیح ہے گو دو رمضانوں کا ہو

کَقَضَاءِ الصَّلٰوةِ صَحَّ وَاِنْ لَمْ یَنْوِ اَوَّلَ صَلٰوةٍ اَوْ اٰخِرَ صَلٰوةٍ عَلَیْهِ.

جیسے نماز کی قضاء صحیح ہے گو نیت نہ کی ہو پہلی یا آخری نماز کی جو اس کے ذمہ ہے۔

تشریح الفقہ: **قوله مسائل شتی الخ** شتی شتیت کی جمع ہے بمعنی متفرق۔ ارباب قلم کی یہ عام عادت ہے کہ جو مسائل اپنے مواقع سے رہ جاتے ہیں ان کو بغرض تدارک آخر کتاب میں مسائل شتی، مسائل متفرقہ، مسائل منثورہ، مسائل لم تدخل فی الابواب اور فروع وغیرہ کے عنوان سے ذکر کردیتے ہیں یہاں بھی اسی قسم کے مسائل ہیں، اگر گونگا آدمی پلک یا ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرے تو نکاح وطلاق خرید وفروخت اور قصاص وغیرہ کے احکام میں زبانی تقریر کے مانند ہے بشرطیکہ حاکم اس کا اشارہ سمجھ جائے یا کوئی اشارہ فہم متقی سمجھادے بخلاف معتقل اللسان کے کہ اس کا اشارہ زبانی تقریر کے درجہ میں نہیں ہے۔ البتہ امام شافعی کے یہاں اسکا بھی یہی حکم ہے۔

قوله غنم الخ کچھ بکریاں مذبوح ہیں کچھ مردار۔ اگر مذبوح زائد ہوں تو تحری کر کے کھالے اور دونوں برابر ہوں یا مردار زائد ہوں تو نہ کھائے۔ کثرت کا اعتبار اس لئے ہے کہ افادہ اباحت میں غلبہ ضرورت کے قائم مقام ہوتا ہے، گیلا ناپاک کپڑا خشک کپڑے میں لپیٹا گیا اس کی رطوبت پاک کپڑے پر ظاہر ہوگئی اور ناپاک کپڑا تھا کہ اگر اس کو نچوڑتے تو نہ ٹپکتا تو پاک کپڑا ناپاک نہ ہوگا۔

قوله سلطان الخ بادشاہ نے زمین کا خراج زمین دار کیلئے مقرر کردیا تو یہ جائز ہے اور اگر عشر مقرر کیا تو جائز نہیں ہے۔ طرفین کے یہاں دونوں جائز نہیں کیونکہ خراج عام مسلمانوں کیلئے فئی ہے اور عشر زکوۃ ہے تو وہ فقیروں کا حق ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ خراج میں صاحب خراج کا حق ہے۔ لہٰذا وہ اس کے پاس چھوڑا جاسکتا ہے۔

(۱)......لان الحدود تندری بالشبہات ۱۲۔ (۲)......لان النار تاکل مافیہ من النجاستہ ۱۲۔ (۳)......ای اذا عجزوعن زراعۃ الارض واداء الخراج ۱۲۔ (۴)......ہذا قول لبعض المشائخ والاصح انہ یجوز فی رمضان واحد ولا یجوز فی رمضانین مالم یعین انہ صائم عن رمضان سنۃ کذا وکذا فی قضاء الصلوۃ ۱۲۔

ابْتَلَعَ بُزَاقَ غَيْرِهٖ كَفَّرَ لَوْصَدِيْقَهٗ وَاِلَّا لَا قَتْلُ بَعْضِ الْحَاجِّ عُذْرٌ فِيْ تَرْكِ الْحَجِّ توزن من شدی

نگل گیا کسی کا تھوک تو کفارہ دے اگر اس کا محبوب ہو ورنہ نہیں مارا جانا بعض حاجیوں کا عذر ہے حج کے لئے نہ جانے میں تو میری عورت ہوگئی

فَقَالَتْ شدم لَمْ يَنْعَقِدِ النِّكَاحُ خویشتن را زن من گردانیدی فَقَالَتْ گردانیدم وَقَالَ پذیرفتم يَنْعَقِدُ

اس نے کہا ہوگئی تو نکاح منعقد نہ ہوگا، تو نے خود کو میری بیوی بنایا عورت نے کہا بنایا مرد نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح منعقد ہوگیا

دختر خویش را بہ پسر من ارزانی داشتی فَقَالَ داشتم لَايَنْعَقِدُ مَنْعُهَا زَوْجَهَا عَنِ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا وَهُوَ يَسْكُنُ مَعَهَا

تو نے اپنی لڑکی میرے بیٹے کے لائق کردی اس نے کہا کردی تو نکاح نہ ہوگا عورت کا شوہر کو اپنے پاس آنے سے روکنا جبکہ وہ رہتا ہے اس کے ساتھ

فِيْ بَيْتِهَا نُشُوْزٌ وَلَوْ سَكَنَ فِيْ بَيْتِ الْغَصَبِ فَامْتَنَعَتْ مِنْهُ لَا قَالَتْ لَا اَسْكُنُ مَعَ اَمَتِكَ

اس کے گھر میں نافرمانی ہے اور اگر رہتا ہو غصب کے مکان میں پھر عورت رکے تو نافرمانی نہیں بیوی نے کہا میں نہیں رہتی تیری باندی کے ساتھ

وَاُرِيْدُ بَيْتًا عَلٰحِدَةً لَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ قَالَتْ مرا طلاق دہ فَقَالَ دادہ گیر او کردہ گیر او دادہ باد او کردہ باد يَنْوِيْ

اور علیحدہ مکان چاہتی ہوں تو اس کو یہ حق نہیں بیوی نے کہا مجھے طلاق دے شوہر نے کہا دی ہوئی یا کی ہوئی سمجھ یا کہا ہو جیو تو نیت معلوم کی جائے گی

وَلَوْ قَالَ دادہ است او کردہ است يَقَعُ نَوٰى اَوْلَا وَلَوْ قَالَ دادہ انگار او کردہ انگار لَايَقَعُ وَاِنْ نَوٰى

اور اگر کہا کہ دی ہے یا کی ہے تو طلاق ہو جائیگی نیت کرے یا نہ کرے اگر کہا کہ دی ہوئی جان یا کی ہوئی فرض کر تو واقع نہ ہوگی گو نیت کر لے

وی مرا نشاید تا قیامت او ہمہ عمر لَايَقَعُ اِلَّا بِالنِّيَّةِ حیلہ زناں کن اِقْرَارٌ بِالثَّلٰثِ حیلہ خویش کن لَا

وہ مجھے نہیں چاہئے قیامت تک یا عمر بھر تو واقع نہ ہوگی مگر نیت سے تو عورتوں کا حیلہ کر یہ اقرار ہے تین طلاقوں کا اپنا حیلہ کر نہیں

کابین ترا بخشیدم مرا از جنگ باز دار اِنْ طَلَّقَهَا سَقَطَ الْمَهْرُ وَاِلَّا لَا قَالَ لِعَبْدِهٖ يَا مَالِكِيْ

میں نے مہر تجھے بخشا مجھ سے ہاتھ اٹھالے اگر اس نے طلاق دیدی تو مہر ساقط ہو جائیگا ورنہ نہیں، کہا اپنے غلام سے اے میرے مالک

وَلِاَمَتِهٖ اَنَا عَبْدُكَ لَا يَعْتِقُ بر من سوگندست کہ ایں کار نکنم اِقْرَارٌ بِالْيَمِيْنِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى

یا باندی سے میں تیرا غلام ہوں تو آزاد نہ ہوں گے مجھ پر قسم ہے یہ کام نہ کرونگا اقرار ہے اللہ کی قسم کا

وَاِنْ قَالَ بر من سوگند است بطلاق لَزِمَهٗ ذٰلِكَ فَاِنْ قَالَ قُلْتُ ذٰلِكَ كِذْبًا لَايُصَدَّقُ.

اور اگر کہا مجھ پر قسم ہے طلاق کی تو لازم ہوگی اس پر یہ پس اگر وہ کہے کہ میں نے جھوٹ کہا ہے تو تصدیق نہیں کیجائیگی۔

تشریح الفقہ: قولہ ابتلع الخ اگر کوئی روزہ دار کسی کا تھوک نگل جائے تو اگر وہ شخص روزہ دار کا محبوب ہو تب تو اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا اور اگر وہ اس کا محبوب نہ ہو تو قضا واجب ہوگی وجہ یہ ہے کہ محبوب کے تھوک سے طبیعت کو نفرت نہیں ہوتی تو یہ ایسا ہو گیا جیسے روٹی وغیرہ مرغوب چیزیں۔ بخلاف غیر محبوب کے کہ اس کے تھوک سے نفرت ہوتی ہے۔

(١)...... لان امن الطریق شرط الوجوب او شرط الاداء ولایحصل ذلک مع قتل البعض ١٢. (٢)...... لانه اخبار عن الوقوع مطلقا ١٢.

قولہ توزن من شدی الخ کسی نے عورت سے کہا: توزن من شدی (تو میری بیوی ہوگئی؟) عورت نے کہا: شدم تو جب تک وہ شخص قبول کردم' نہ کہے نکاح نہ ہوگا۔ کیونکہ عورت کا قول ''شدم'' ایجاب ہے اور قائل کا قول ''توزن من شدی'' بطور استفہام ہے۔ **فمالم یوجد القبول لاینعقد۔**

قولہ دختر خویش را الخ کسی نے دوسرے سے کہا: دختر خویش را بہ پسر من ارزانی داشتی؟ یعنی تو نے اپنی لڑکی میری بیٹے کے لائق کی؟ اس نے کہا: داشتم یعنی کردی۔ علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ نکاح نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ کلام ایجاب قبول پر مشتمل نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ اس کے بعد ''قبول کردم'' کہے تب بھی نکاح نہ ہوگا' لیکن مجمع الانہر میں ہے ''**لاینعقد مالم یقل کردم**'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح بشرط قبول منعقد ہو جائے گا۔

قولہ منعها زوجها الخ اگر عورت نے اپنے شوہر کو اپنے پاس آنے سے منع کیا حالانکہ شوہر اس کے پاس ہی رہتا ہے۔ تو یہ نافرمانی میں داخل ہے۔ شوہر پر اس کا نان ونفقہ واجب نہ ہوگا کیونکہ اس کا خود کو روکنا بے جا ہے' اور اگر شوہر غصب کے مکان میں رہتا ہو اور عورت اس کے پاس آنے سے رکے تو یہ نافرمانی نہیں ہے' کیونکہ غصب کے مکان میں رہنا حرام ہے لہٰذا شوہر پر نان ونفقہ واجب ہوگا۔

قولہ ینوی الخ عورت نے شوہر سے کہا: طلاق دہ: یعنی طلاق دیدے' اس نے جواب میں کہا: دادہ گیر' کردہ گیر' دادہ باد' کردہ باد' تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اگر اس نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں **لانهامن الکنایا ت عندهم۔**

قولہ حیلہ زناں کن الخ شوہر نے بیوی سے کہا: حیلہ زناں کن یعنی عورتوں کا حیلہ کر' تو یہ تین طلاقوں کا اقرار ہے۔ کیونکہ لفظ مذکور فارسی زبان کو والوں کے یہاں طلاق سے کنایہ ہے بخلاف حیلہ خویش کن کے کہ یہ طلاق سے کنایہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ طلاقوں کا اقرار نہ ہوگا۔

قولہ کابین ترا الخ عورت نے شوہر سے کہا: کابین ترا بخشیدم مرا از چنگ باز دار' میں نے تجھ کو مہر بخشا مجھ سے ہاتھ اٹھالے اور شوہر نے اسی مجلس میں طلاق دیدی تو مہر ساقط ہو جائے گا۔ ورنہ نہیں۔ کیونکہ اس نے مہر کو طلاق کا عوض ٹھہرایا ہے۔ اور جب طلاق نہیں دی تو مہر ساقط نہ ہوگا۔

قولہ قال لعبدہ الخ مالک نے غلام سے کہا: اے میرے مالک' یا' باندی سے کہا: میں تیرا غلام ہوں' تو یہ آزاد نہ ہونگے کیونکہ یہ لفظ عتق کے لئے نہ صریح ہے نہ کنایہ' کسی نے کہا: مجھ پر قسم ہے یہ کام نہ کرونگا تو یہ یمین کا اقرار ہے اگر اس نے وہ کام کرلیا تو کفارہ یمین واجب ہوگا۔ اور اگر ''برمن سوگند ست بطلاق'' کہا پھر وہ کام کرلیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلَوْقَالَ مراسوگندخانہ است کہ ایں کارنکنم فَهُوَ اِقْرَارٌ بِالْيَمِيْنِ بِالطَّلَاقِ قَالَ لِلْبَائِعِ بها بازده فَقَالَ الْبَائِعُ باز بدہم

اگر کہا مجھے قسم ہے گھر کی کہ یہ کام نہ کرونگا تو یہ اقرار ہے طلاق کی قسم کا کہا بائع سے قیمت پھیردے بائع نے کہا پھیرتا ہوں

يَكُوْنُ فَسْخاً لِلْبَيْعِ اِنْ فَعَلْتُ كَذَا مَادُمْتُ بِبُخَارَا فَخَرَجَ مِنْهَا وَرَجَعَ وَفَعَلَ لَا يَحْنَثُ بَاعَ اَتَانًا

تو یہ بیع کو فسخ کرنا ہوا اگر کروں ایسا جب تک کہ میں خارا میں ہوں پھر وہاں سے چلا گیا اور واپس آ کر کیا تو حانث نہ ہوگا گدھی فروخت کی

لَايَدْخُلُ جَحْشُهَا فِي الْبَيْعِ وَالْعَقَارُ الْمُتَنَازَعُ فِيْهِ لَايَخْرُجُ مِنْ يَدِ ذِي الْيَدِ مَالَمْ يُبَرْهِنِ الْمُدَّعِي عِقَارٌ

تو داخل نہ ہوگا اس کا بچہ بیع میں جھگڑے والی زمین نہ نکلے گی قابض کے قبضہ سے جب تک کہ بینہ قائم نہ کرے مدعی ایک زمین ہے

لاَ فِی وِلاَیَةِ الْقَاضِیْ لاَیَصِحُّ قَضَاؤُهٗ فِیْهِ اِذَا قَضَی الْقَاضِیْ فِی حَادِثَةٍ بِبَیِّنَةٍ

جو قاضی کی ولایت میں نہیں ہے تو صحیح نہیں اس کا فیصلہ اس میں جب فیصلہ کیا قاضی نے کسی مقدمہ میں بینہ کے ساتھ

ثُمَّ قَالَ رَجَعْتُ عَنْ قَضَائِی اَوْ بَدَا لِی غَیْرُ ذٰلِکَ اَوْ وَقَعْتُ فِی تَلْبِیْسِ الشُّهُوْدِ اَوْ اَبْطَلْتُ حُکْمِیْ

پھر کہا کہ میں نے رجوع کرلیا اپنے فیصلہ سے یا میری رائے بدل گئی یا میں گواہوں کے دام میں پھنس گیا یا میں نے اپنا فیصلہ باطل کر دیا

وَنَحْوُذٰلِکَ لاَیُعْتَبَرُ وَالْقَضَاءُ مَاضٍ اِنْ کَانَ بَعْدَ دَعْوٰی صَحِیْحَةٍ وَشَهَادَةٍ مُسْتَقِیْمَةٍ

یا کچھ اور کہا تو اس کا اعتبار نہ ہوگا اور فیصلہ نافذ رہے گا اگر ہو صحیح دعوے اور ٹھیک گواہی کے بعد۔

تشریح الفقہ: قوله مر اسو گند خانه الخ اگر کسی نے کہا'' مرا سو گند خانه است اه'' مجھے گھر کی قسم ہے۔ تو یہ یمین طلاق کا اقرار ہوگا۔ کیونکہ قسم کا مدار عرف پر ہے اور عرف میں لفظ بیت یا خانہ بولکر بیوی سے کنایہ کرتے ہیں۔

قوله عقار لافی ولایة الخ جو زمین قاضی کی ولایت میں نہ ہو اس کی بابت اس قاضی کا حکم صحیح ہے یا نہیں؟ کنز کی طرح ملتقی میں ہے کہ صحیح نہیں۔ لیکن صاحب تنویر نے کہا ہے کہ صحیح ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ہم نے صاحب کنز کے قول پر سے اس لئے عدول کیا کہ بزازیہ اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ قاضی کا حکم محدود میں صحیح ہے اگرچہ عقار محدود اس قاضی کی حکومت میں نہ ہو۔

قوله ببینة الخ لفظ بینہ کی تخصیص صرف اس لئے کی ہے کہ اس کے بعد ہے'' اووقعت فی تلبیس الشهود'' ورنہ اگر فیصلہ اقرار کی وجہ سے ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ (طحطاوی)۔

خَبَاءَ قَوْمًا ثُمَّ سَأَلَ رَجُلاً عَنْ شَیْءٍ فَاَقَرَّ بِهٖ وَهُمْ یَرَوْنَهٗ وَیَسْمَعُوْنَ کَلاَمَهٗ

چھپا دیا کچھ لوگوں کو پھر سوال کیا ایک شخص سے کسی چیز کا اس نے اقرار کرلیا اور وہ لوگ اس کو دیکھ رہے ہیں اور اس کا کلام سن رہے ہیں

وَهُوَ لاَ یَرٰهُمْ جَازَتْ شَهَادَتُهُمْ وَاِنْ سَمِعُوْا کَلاَمَهٗ وَلَمْ یَرَوْهُ لاَ بَاعَ عِقَارًا

اور وہ ان کو نہیں دیکھ رہا تو ان کی شہادت جائز ہے اور اگر انہوں نے صرف کلام سنا اس کو دیکھا نہیں تو جائز نہیں زمین فروخت کی

وَبَعْضُ اَقَارِبِهٖ حَاضِرٌ یَعْلَمُ الْبَیْعَ ثُمَّ اَدّٰی لاَ تُسْمَعُ وَهَبَتْ مَهْرَهَا لِزَوْجِهَا فَمَاتَتْ فَطَالَبَتْ وَرَثَتُهَا

کسی رشتہ دار کی موجودگی میں جس کو علم ہے بیع کا پھر اس نے دعوی کیا تو نہ سنا جائیگا ہبہ کیا اپنا مہر اپنے شوہر کو پھر مرگئی اس کے ورثہ نے شوہر سے

مَهْرَهَا مِنْهُ وَقَالُوْا کَانَتِ الْهِبَةُ فِی مَرَضِ مَوْتِهَا وَقَالَ فِی الصِّحَّةِ فَالْقَوْلُ لَهٗ اَقَرَّ بِدَیْنٍ اَوْ غَیْرِهٖ ثُمَّ قَالَ

مہر کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ہبہ اس کے مرض الموت میں ہوا تھا شوہر نے کہا کہ صحت میں ہوا تھا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اقرار کیا قرض وغیرہ کا پھر بولا

کُنْتُ کَاذِبًا فِیْمَا اَقْرَرْتُ حُلِّفَ الْمُقَرُّلَهٗ مَاکَانَ کَاذِبًا فِیْمَا اَقَرَّ وَلَسْتُ بِمُبْطِلٍ فِیْمَا اَدَّعِیْهِ عَلَیْهِ الاِقْرَارُ

کہ میں اقرار میں جھوٹا تھا تو مقرلہ سے قسم لیجائیگی کہ وہ اقرار میں جھوٹا نہیں ہے اور میں باطل پر نہیں ہوں اس میں جس کا میں مدعی ہوں اقرار نہیں

(۱) لانه ستر داد الثمن ورده فسخ للعقد ۱۲۔

(۲) من ههنا الی قوله البیع " لم یوجد فی نسخة من النسخ ولا فی شرح من الشروح الا فی نسخة والمراد ظاهر ۱۲۔

(۳) قول القاضی فی کل ذلک لتعلق حق الغیر به ۱۲۔

لَيۡسَ بِسَبَبٍ لِلۡمِلۡكِ قَالَ لِاٰخَرَ وَكَّلۡتُكَ بِبَيۡعِ هٰذَا فَسَكَتَ صَارَ وَكِيۡلاً وَكَّلَهَا بِطَلَاقِهَا

ہے سبب ملک کا کہا دوسرے سے کہ میں نے وکیل کیا تجھ کو اس کے بیچنے کا وہ خاموش رہا تو وہ وکیل ہوگیا بیوی کو اسی کی طلاق کا وکیل کیا

لَايَمۡلِكُ عَزۡلَهَا وَكَّلۡتُكَ بِكَذَا عَلٰى اَنِّىۡ مَتٰى عَزَلۡتُكَ فَاَنۡتَ وَكِيۡلِىۡ يَقُوۡلُ فِىۡ عَزۡلِهٖ

تو اس کو معزول نہیں کرسکتا وکیل کیا میں نے تجھ کو اس شرط پر کہ جب میں تجھے معزول کروں تو تو میرا وکیل ہے تو کہے اس کو معزول کرنے کے لئے

عَزَلۡتُكَ ثُمَّ عَزَلۡتُكَ وَلَوۡ قَالَ كُلَّمَا عَزَلۡتُكَ فَاَنۡتَ وَكِيۡلِىۡ يَقُوۡلُ رَجَعۡتُ عَنِ الۡوَكَالَةِ الۡمُعَلَّقَةِ

کہ میں نے تجھے معزول کیا پھر معزول کیا اور اگر کہا کہ جتنی دفعہ معزول کروں تو تو میرا وکیل ہے تو کہے کہ نے رجوع کیا مشروط وکالت سے

وَعَزَلۡتُكَ عَنِ الۡوَكَالَةِ الۡمُنۡجِزَةِ قَبۡضُ بَدَلِ الصُّلۡحِ شَرۡطٌ اِنۡ كَانَ دَيۡنًا بِدَيۡنٍ وَاِلَّا لَا اِدَّعٰى رَجُلٌ عَلٰى صَبِىٍّ

اور تجھے معزول کیا موجودہ وکالت سے بدل صلح پر قبضہ کرنا شرط ہے اگر صلح دین ہو دین کے عوض ورنہ نہیں دعوی کیا کسی نے بچہ پر

دَارًا فَصَالَحَهٗ اَبُوۡهُ عَلٰى مَالِ الصَّبِىِّ .فَاِنۡ كَانَ لِلۡمُدَّعِىۡ بَيِّنَةٌ جَازَ اِنۡ كَانَ بِمِثۡلِ الۡقِيۡمَةِ اَوۡ اَكۡثَرُ

مکان کا پس صلح کرلی اس سے اس کے باپ نے بچہ کے مال پر سو اگر مدعی کے پاس بینہ ہو تو جائز ہے اگر قیمت کے برابر ہو یا قدرے زائد ہو

مِمَّايَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيۡهِ وَاِنۡ لَمۡ يَكُنۡ لَهٗ بَيِّنَةٌ اَوۡ كَانَتۡ غَيۡرَ عَادِلَةٍ لَا قَالَ لَابَيِّنَةَ لِىۡ فَبَرۡهَنَ

کہ لوگ اتنے کا نقصان اٹھالیتے ہوں اور اگر نہ ہو اس کے پاس بینہ یا ہو غیر قابل وثوق تو جائز نہیں کہا کہ میرے پاس بینہ نہیں پھر بینہ قائم کردیا

اَوۡ قَالَ لَاشَهَادَةَ لِىۡ فَشَهِدَ تُقۡبَلُ لِلۡاِمَامِ الَّذِىۡ وَلَّاهُ الۡخَلِيۡفَةُ

یا کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں پھر گواہ لایا تو قبول کیا جائیگا حق ہے اس امام کے لئے جس کو والی بنایا ہو خلیفہ نے

اَنۡ يَقۡطَعَ اِنۡسَانًا مِنۡ طَرِيۡقِ الۡجَادَةِ اِنۡ لَمۡ يَضُرَّ بِالۡمَارَّةِ.

یہ کہ دے ڈالے کسی کو قطعہ زمین شارع عام کے اگر مضر نہ ہو گذرنے والوں کے لئے۔

تشریح الفقہ: **قولہ خبأ قوماً الخ** ایک شخص نے کچھ لوگوں کے گھر میں کسی جگہ چھپادیا پھر ایک آدمی سے کسی چیز کے متعلق پوچھا اس نے اقرار کرلیا وہ لوگ جو چھپے ہوئے ہیں اس مقر کو دیکھ رہے ہیں اور اس کا کلام سن رہے ہیں لیکن یہ مقر انکو نہیں دیکھ رہا تو اس مقر کے اقرار پر ان لوگوں کی گواہی جائز ہے۔ اور اگر انہوں نے صرف اس کا کلام سنا ہو دیکھا نہ ہو تو گواہی جائز نہیں کیونکہ آواز میں تشابہ ہوسکتا ہے۔

قولہ وھبت مھرھا الخ بیوی نے اپنا شوہر کو ہبہ کیا اور مرگئی اب اسکے وارث شوہر سے مہر کا مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مہر کا ہبہ مرض الموت میں ہوا ہے۔ شوہر کہتا ہے کہ تندرستی میں ہوا ہے تو شوہر کا قول معتبر ہوگا' قیاس کی رو سے ورثہ کا قول معتبر ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہبہ امر حادث ہے اور حوادث میں اصل یہی ہے۔ کہ وہ اقرب اوقات کیطرف مضاف ہوں' وجہ استحسان یہ ہے کہ مہر میں ورثہ کا حق نہیں ہے زوجہ کا ہے اور ورثا اپنے فائدہ کیلئے اس کا دعوی کررہے ہیں اور زوج منکر ہے تو زوج ہی کا قول معتبر ہوگا۔

قولہ اقر بدین الخ کسی نے قرض وغیرہ کا اقرار کیا پھر بولا کہ میں اقرار میں جھوٹا ہوں تو امام ابو یوسف کے نزدیک مقرلہٗ سے قسم لی جائی گی کہ مقر اقرار میں جھوٹا نہیں ہے۔ اور میں اس پر جس چیز کا دعوی کررہا ہوں اس میں میں باطل پر نہیں ہوں طرفین کے یہاں قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ اقرار تو شرعاً حجت ملزمہ ہے اس کے ہوتے ہوئے قسم کی ضرورت نہیں۔ امام ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عام

دستور یہی ہے کہ جب قرض وغیرہ دیتے ہیں تو لکھا پڑھی ہوجاتی ہے۔ تو صرف اقرار دلیل نہیں بن سکتا۔

قولہ الاقرار لیس الخ اقرار کرنا ملک کا سبب نہیں ہوتا یعنی مقر پر مقر لہٗ کیلئے مثبت حق نہیں ہوتا۔ کیونکہ اقرار محض اخبار ہے۔ اور مثبت ملک انشاءات ہوتے ہیں جیسے بعتُ اشتریت وغیرہ سو اگر کسی کیلئے کچھ مال کا اقرار کیا حالانکہ واقع میں اس کے ذمہ کچھ نہیں تو جس کیلئے اقرار کیا ہے اس کو فیما بینہ وبین اللہ اس مال کا لینا درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر مقر اپنی خوشی سے دے تو لے سکتا ہے کیونکہ یہ از سر نو مالک کرنا ہے۔

قولہ یقول فی عزلہ الخ زید نے عمرو سے کہا کہ میں نے تجھ کو اس کام کا وکیل کیا اس شرط پر کہ جب میں تجھ کو وکالت سے معزول کروں تو تو میرا وکیل ہے، سو اگر اس صورت میں زید عمرو کو معزول کرنا چاہے تو یوں کہے " **عزلتک ثم عزلتک** " دوسری دفعہ معزول کرنے کو کہنا اسلئے ہے کہ جو وکالت معزول کرنے پر معلق کی تھی اس سے بھی برطرف ہو جائے۔

قولہ ان کان دیناً بدین الخ اگر صلح دین سے دین کے عوض میں ہو تو صلح جائز ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ جس دین پر صلح ہوئی ہے اس پر مجلس میں قبضہ ہو ورنہ صلح درست نہ ہوگی اور اگر صلح ایک اسباب یا دین سے دوسرے معین اسباب کے عوض میں ہو تو قبضہ کرنا شرط نہیں ہے، دین سے دین کے بدلے صلح کرنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید کے عمرو پر ہزار روپے آئے تھے عمرو نے انکار کر دیا پھر رجعت کے بعد دس اشرفیوں پر دس روز کے وعدے پر دونوں نے صلح کر لی تو اگر زید اسی مجلس میں دس اشرفیاں لے لے تو صلح درست ہوگی ورنہ نہیں۔

وَمَنْ صَادَرَهُ السُّلْطَانُ وَلَمْ يُعَيِّنْ بَيْعَ مَالِهٖ فَبَاعَ مَالَهٗ صَحَّ خَوَّفَهَا بِالضَّرْبِ حَتّٰى وَهَبَتْ مَهْرَهَا لَهٗ

ڈنڈ ڈالا کسی پر بادشاہ نے اور نہیں کہا مال بیچنے کے لئے اس نے بیچ ڈالا تو صحیح ہے ڈر یا بیوی کو مار سے یہاں تک کہ اس نے بخش دیا اپنا مہر اس کو

لَمْ تَصِحَّ اِنْ قَدَرَ عَلَى الضَّرْبِ وَاِنْ اَكْرَهَهَا عَلَى الْخُلْعِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَا يَسْقُطُ الْمَالُ وَلَوْ اَحَالَتْ

تو صحیح نہیں اگر وہ قادر ہو مارنے پر اگر زبردستی کی عورت پر خلع کرنے کے لئے تو واقع ہو جائیگی طلاق اور ساقط نہ ہوگا مال اگر اتار دیا عورت نے

اِنْسَانًا عَلَى الزَّوْجِ ثُمَّ وَهَبَتِ الْمَهْرَ لِلزَّوْجِ لَا تَصِحُّ اِتَّخَذَ بِئْرًا فِيْ مِلْكِهٖ اَوْ بَالُوْعَةً فَنَزَّ مِنْهَا حَائِطُ جَارِهٖ

کسی کا قرضہ شوہر پر پھر اس نے مہر بخش دیا شوہر کو تو صحیح نہیں بنایا کنواں اپنی ملک میں یا پاخانے کا کھتا پس تری پہونچی اس سے پڑوسی کی دیوار کو

وَطَلَبَ تَحْوِيْلَهٗ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ فَاِنْ سَقَطَ الْحَائِطُ مِنْهُ لَمْ يَضْمَنْ عَمَّرَ دَارَ زَوْجَتِهٖ بِمَالِهٖ

اور ہٹانے کی درخواست کی تو اس پر جبر نہیں کیا جائیگا اور اگر دیوار گر پڑے تو وہ ضامن نہ ہوگا عمارت بنائی بیوی کے احاطہ میں اپنے مال سے

بِاِذْنِهَا فَالْعِمَارَةُ لَهَا وَالنَّفَقَةُ عَلَيْهَا وَلِنَفْسِهٖ بِلَا اِذْنِهَا فَلَهٗ وَلَهَا بِلَا اِذْنِهَا

اس کی اجازت پر تو عمارت بیوی کی ہوگی اور صرفہ اسی کے ذمہ ہوگا اگر اپنے لئے بنائی بلا اجازت تو شوہر کی ہوگی اگر بیوی کیلئے بنائی بلا اجازت

فَالْعِمَارَةُ لَهَا وَهُوَ مُتَطَوِّعٌ وَلَوْ اَخَذَ غَرِيْمَهٗ فَنَزَعَهٗ اِنْسَانٌ مِنْ يَدِهٖ لَمْ يَضْمَنْ فِيْ يَدِهٖ مَالُ اِنْسَانٍ

تو عمارت بیوی کی ہوگی اور وہ متبرع ہوگا پکڑ لیا اپنا قرض دار اور چھڑا دیا کسی نے اس کے ہاتھ سے تو ضامن نہ ہوگا ایک شخص کے ہاتھ میں کسی کا مال ہے

فَقَالَ لَهٗ سُلْطَانٌ اِدْفَعْ اِلَيَّ هٰذَا الْمَالَ وَاِلَّا اَقْطَعُ يَدَكَ اَوْ اَضْرِبُكَ خَمْسِيْنَ فَدَفَعَ لَمْ يَضْمَنْ وَضَعَ مَنْجَلًا

اس سے بادشاہ نے کہا کہ یہ مال مجھے دیدے ورنہ تیرا ہاتھ کاٹ دونگا یا پچاس کوڑے مارونگا اس نے دیدیا تو ضامن نہ ہوگا

فِی الصَّحْرَاءِ لِیَصِیْدَ بِہٖ حِمَارَ وَحْشٍ وَسَمّٰی عَلَیْہِ فَجَاءَ فِی الْیَوْمِ الثَّانِیْ وَوَجَدَ الْحِمَارَ مَجْرُوْحاً مَیِّتًا لَمْ یُؤْکَلْ

برچھی گاڑی جنگل میں گورخر کے شکار کے لئے اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر آیا دوسرے دن اور پایا گورخر کو زخمی مردہ تو نہ کھایا جائے۔

تشریح الفقہ: قولہ ومن صادر الخ جس شخص پر بادشاہ نے ڈنڈ ڈالا ہو اور یہ نہ کہا ہو کہ اپنا مال فروخت کر کے ادا کر اور وہ شخص اپنا مال بیچ کر تاوان ادا کرے تو اس کی بیع درست ہوگی کیونکہ وہ مکرہ نہیں ہے بلکہ اس نے اپنے اختیار سے فروخت کیا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کو مال فروخت کرنے کی ضرورت پیش آ گئی اور صرف اتنی بات سے اکراہ ثابت نہیں ہوتا جیسے کوئی مدیون قرض کی وجہ سے محبوس ہو جائے اور وہ اپنا مال فروخت کرے کہ اس کی بیع درست ہے، ہاں اگر بادشاہ نے مال بیچنے کیلئے کہا ہو تو اس صورت میں بیع درست نہ ہوگی۔ کیونکہ اب بیع زبردستی سے ہوئی ہے۔

قولہ ولو احالت الخ ایک عورت کے ذمہ زید کا کچھ قرض ہے اس نے اپنے مہر میں وہ قرضہ شوہر پر اتار دیا پھر شوہر کو ہبہ کر دیا تو یہ ہبہ درست نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے محتال کا حق وابستہ ہو چکا ہے۔

کُرِہَ مِنَ الشَّاۃِ الْحَیَا وَالْخُصْیَۃُ وَالْغُدَّۃُ وَالْمَثَانَۃُ وَالْمَرَارَۃُ وَالدَّمُ الْمَسْفُوْحُ وَالذَّکَرُ وَنُخَاعُ الصُّلْبِ

مکروہ ہیں بکری وغیرہ کی یہ چیزیں شرمگاہ، کپورے غدود پھکنا پتا جاری خون آلہ تناسل ریڑھ کی ہڈی کا گودا

لِلْقَاضِیْ اَنْ یُقْرِضَ مَالَ الْغَائِبِ وَالطِّفْلِ وَاللُّقْطَۃِ صَبِیٌّ حَشْفَتُہٗ ظَاہِرَۃٌ بِحَیْثُ لَوْرَاٰی اِنْسَانٌ ظَنَّہٗ مَخْتُوْنًا

اختیار ہے قاضی کو قرض دینے کا غائب اور بچہ کے مال کا اور پڑے پائے ہوئے مال کا بچہ کی سپاری اتنی کھلی ہوئی ہے کہ کوئی دیکھے تو مختون خیال کرے

وَلاَ یُقْطَعُ جِلْدُ ذَکَرِہٖ اِلَّا بِتَشْدِیْدٍ تُرِکَ کَشَیْخٍ اَسْلَمَ وَقَالَ اَہْلُ الْبَصِیْرَۃِ

اور اس کی کھال نہیں کاٹی جا سکتی مگر شدید تکلیف کیساتھ تو یونہی چھوڑ دیا جائے جیسے وہ بوڑھا جو مسلمان ہو اور تجربہ کار لوگوں نے کہا

لاَیُطِیْقُ الْخِتَانَ وَوَقْتُہٗ سَبْعُ سِنِیْنَ وَالْمُسَابَقَۃُ بِالْفُرُوْسِ وَالاِبِلِ وَالاَرْجُلِ وَالرَّمِیِ جَائِزَۃٌ وَحُرِمَ

یہ ختنہ کی طاقت نہیں رکھتا ختنہ کا وقت ساتواں سال ہے باہم سبقت کرنا گھوڑے اونٹ پاؤں اور تیر اندازی سے جائز ہے اور حرام ہے

شَرْطُ الْجُعْلِ مِنَ الْجَانِبَیْنِ لاَمِنْ اَحَدِ الْجَانِبَیْنِ وَلاَ یُصَلّٰی عَلٰی غَیْرِ الاَنْبِیَاءِ وَالْمَلٰئِکَۃِ اِلَّا بِطَرِیْقِ التَّبَعِ

مال کی شرط جانبین سے نہ کہ ایک جانب سے درود نہ بھیجے غیر انبیاء اور غیر ملائکہ پر مگر بالتبع

وَالاِعْطَاءُ بِاسْمِ النَّیْرُوْزِ وَالْمِہْرَجَانِ لاَیَجُوْزُ وَلاَ بَاْسَ بِلُبْسِ الْقَلاَنِسِ وَنُدِبَ لُبْسُ السَّوَادِ

کسی کو کچھ دینا نوروز اور مہرگان کے نام سے جائز نہیں کوئی مضائقہ نہیں گوشہ دار ٹوپی پہننے میں مستحب ہے سیاہ کپڑا پہننا

وَاِرْسَالُ ذَنَبِ الْعِمَامَۃِ بَیْنَ کَتِفَیْہِ اِلٰی وَسْطِ الظَّہْرِ وَلِلشَّابِّ الْعَالِمِ اَنْ یَّتَقَدَّمَ عَلَی الشَّیْخِ الْجَاہِلِ

اور لٹکانا عمامہ کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان پشت کے درمیان تک جوان عالم کے لئے آگے بڑھنا بوڑھے جاہل سے جائز ہے

(۱)...... لانہ تعلق بہ حق المحتال ۱۲. (۲)...... لانہ تصرف فی خالص حقہ ۱۲. (۳)...... لان الشرط ان یذبحہ انسان اویجرحہ وبدون ذلک لایحل ۱۲.

وَلِحَافِظِ الْقُرْآنِ اَنْ يَخْتِمَ فِي اَرْبَعِيْنَ يَوماً.

حافظ قرآن کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایک ختم کرلیا کرے چالیس روز میں۔

تشریح الفقہ: قوله كره الخ بھیڑ بکری وغیرہ کے مذکورہ ذیل اعضاء مکروہ ہیں فرج' خصیہ' غدود' مثانہ' پتہ' جاری خون' نازا' ریڑھ کی ہڈی کا گودا' خون رواں تو مطلقاً حرام ہے اور باقی مکروہ بکراہت تنزیہہ اور بعض کے نزدیک کراہت تحریمی ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت مجاہد سے روایت موجود ہے۔ وقد نظمها بعضهم فقال

ذكر والا نثيان مشانة كذاک دم ثم المرارة والغدد

اس میں چھ چیزیں مذکور ہیں مگر ذکر سے مراد پیشاب گاہ ہے نر کی ہو یا مادین کی۔

قوله صبی الخ ایک لڑکے کی سپاری اسطرح نمودار ہے کہ ناظر اس کو مختون خیال کرتا ہے اور کھال کاٹنے میں تکلیف شدید ہوتی ہے تو اسکو اس حالت پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ ختنہ کا مقصد انکشاف حشفہ ہے۔ اور وہ خود ہی نمودار ہے تو کاٹنے کی ضرورت نہیں۔

قوله ووقته الخ ختنہ کے وقت میں امام صاحب نے سکوت کیا ہے اور صاحبین سے بھی کوئی روایت نہیں ہے اس لئے اس میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض نے سات برس بعض نے دس برس بعض نے بارہ اور بعض نے بلوغ سے پہلے تک کا زمانہ مانا ہے۔

کتاب الفرائض

قوله کتاب الخ وصیت کا وقوع اکثر اوقات مرض موت میں ہوتا ہے جسکے بعد موت آجاتی ہے۔ اور میت کے ترکہ کی تقسیم کا مسئلہ چھڑ جاتا ہے اس لئے وصیت کے بعد کتاب الفرائض لا رہا ہے۔

قوله الفرائض الخ فرائض فریضۃ کی جمع ہے جو فرض سے مشتق ہے۔ **قال الازهری اذا دخل فی الفریضة الهاء جعلت اسماء لامعنی (ای وصفاً)** لفظ فرض لغت عرب میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً وجوب، حصہ، مقدار، قطع کرنا، مقرر کرنا وغیرہ، علم فرائض میں یہ سب معانی پائے جاتے ہیں اس لئے اس کو فرائض کہتے ہیں۔ اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ "**هی علم باصول من فقه وحساب یعرف بها حق الورثه من الترکة**" فرائض علم فقہ اور حساب کے ان قواعد کے جاننے کا نام ہے جن سے ہر ایک وارث کا حصہ ترکہ سے معلوم ہو جاتا ہے۔

فائدہ: احادیث میں علم فرائض کی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس کے سیکھنے سکھانے کی بھی بہت تاکید ہے جس سے علم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: مسلمانو، علم فرائض ایسی توجہ اور محنت سے سیکھو جیسے قرآن مجید سیکھتے ہو، حضور ﷺ کا ارشاد ہے "**تعلموا الفرائض وعلموه الناس**" علم فرائض خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھلاؤ۔ نیز آپ کا ارشاد ہے "**تعلموا الفرائض فانها نصف العلم**" علم فرائض سیکھو کیونکہ یہ نصف علم ہے۔ آپ نے اس کو نصف علم فرمایا ہے۔ اس کی چند وجوہ ہیں (۱) انسان کی دو حالتیں ہیں حالت حیات، حالت ممات علم فرائض کے علاوہ دیگر علوم میں ان امور و واقعات کے احکام بیان ہوتے ہیں جو انسان کو اس کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔ اور علم فرائض میں مابعد الموت کے احکام بیان ہوتے ہیں۔ اور ایک حال دو حال کے مجموعہ کا نصف ہے اس لحاظ سے فرائض نصف علم ہوا (۲) جن امور سے ملک ثابت ہوتی ہے ان کی دو قسمیں ہیں اختیاری جیسے کسی چیز کو خریدنا، ہبہ کرنا، اس کی وصیت کرنا وغیرہ، غیر اختیاری جیسے ارث کہ اس میں لینے اور دینے والے کا کوئی اختیار نہیں چار و چار چیز ایک ملک سے نکل کر دوسرے کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے۔ فرائض میں غیر اختیاری سبب سے مالک ہونے کی بحث ہوتی ہے اور باقی علوم میں اسباب اختیاری سے ملک ثابت ہونے کی بحث ہوتی ہے اس لئے فرائض نصف علم ہوا (۳) احکام شرعیہ بعض تو صرف نص سے ثابت ہیں اور بعض نص اور غیر نص دونوں سے ثابت ہیں۔ فرائض کے جملہ مسائل نص سے ثابت ہیں۔ اور باقی مسائل جو دیگر علوم میں مذکور ہیں وہ نص اور غیر نص دونوں سے ثابت ہیں اس لحاظ سے فرائض نصف علم ہے۔ علماء نے اور بھی وجوہ ذکر کی ہیں **من شاء فلیر اجع الی المطولات**۔

تنبیہ: یہاں نص سے مراد وہ ہے جو اجماع کو بھی شامل ہے۔ اس واسطے کہ فرائض کے بعض مسائل اجماع سے ثابت ہیں چنانچہ جدہ کی وراثت حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے ثابت ہے جس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

يُبْدَأُ مِنْ تَرِكَةِ الْمَيِّتِ بِتَجْهِيْزِهٖ ثُمَّ دَيْنِهٖ ثُمَّ وَصِيَّتِهٖ ثُمَّ يُقْسَمُ بَيْنَ وَرَثَتِهٖ وَهُمْ ذُوْ

پہلے میت کے ترکہ سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائیگی پھر اس کا قرض ادا کیا جائیگا پھر وصیت پوری کیجائیگی پھر ورثہ تقسیم کیا جائیگا اور وہ اصحاب فرض

فَرْضٍ اَیْ ذُوْ سَهْمٍ مُقَدَّرٍ فَلِلْاَبِ اَلسُّدُسُ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ

یعنی مقرر حصوں والے ہیں پس باپ کے لئے چھٹا حصہ ہے بیٹے پوتے کے ساتھ

عہ ...... دارمی ۱۲۔ عہ ...... احمد، نسائی، حاکم عن عبداللہ بن مسعودؓ ۱۲۔ عہ ...... ابن ماجہ، دارقطنی، حاکم عن ابی ہریرۃ ۱۲۔

تشریح الفقہ: قولہ یبدأ الخ مال میت سے پانچ حقوق وابستہ ہوتے ہیں جس کو بطریق حصر یوں سمجھو کہ ان حقوق میں یا تو میت کا بھی کوئی حصہ ہوگا یا نہ ہوگا۔ اول تجہیز ہے یعنی وہ کل سامان جس کا میت مرنے سے دفن ہونے تک محتاج ہو ثانی کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو انکا ثبوت موت سے پہلے ہوگا یا موت کے بعد اول کی پھر دو قسمیں ہیں۔ متعلق بالذمہ ہوگا یا نہیں اول دین مطلق ہے اور ثانی متعلق بالعین اور اگر ان کا ثبوت موت کے بعد ہو تو وہ بھی دو قسم پر ہے۔ اول اختیاری جیسے وصیت دوم اضطراری جیسے میراث۔ سواولاً میت کے ترکہ سے اس کی تجہیز و تکفین ہوگی اس کے بعد جو مال باقی رہے اس سے اس کا وہ قرض ادا کیا جائے گا جو شئی معین سے متعلق نہ ہو۔ پھر باقی ماندہ مال کی تہائی سے اس کی وصیتوں کو پورا کیا جائے گا اس کے بعد جو مال باقی رہے وہ ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔

قولہ من ترکہ الخ ترکہ لغۃً بمعنی متروک ہے جیسے طلبہ بمعنی مطلوب اصطلاح میں ترکہ میت کا وہ چھوڑا ہوا مال ہے جس کے عین میں کسی غیر شخص کا حق متعلق نہ ہو مال کی قید سے اہل و عیال خارج ہو گئے اور عین ترکہ میں عدم تعلق حق غیر سے مرہون شئی نکل گئی کہ وہ ترکہ میں شمار نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے مرتہن کا حق متعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح عبد جانی، عبد ماذون، مدیون وغیرہ بھی خارج ہو گیا۔

قولہ وھم ذو فرض الخ میت کے ورثہ تین قسم کے ہیں اصحاب فروض، عصبات، ذو رحم محرم، فروض فرض کی جمع ہے بمعنی حصہ، اصحاب فروض وہ ہیں جن کے حصے کتاب اللہ میں معین طور پر مذکور ہیں اور وہ چھ ہیں آدھا، چوتھائی، دو تہائی، ایک تہائی، چھٹا حصہ۔ ان حصوں کے مستحقین بارہ نفر ہیں۔ دس از جہت نسب جن میں سے تین مرد ہیں یعنی باپ، دادا، اخیافی بھائی اور سات عورتیں ہیں یعنی بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، سوتیلی بہن، اخیافی بہن، ماں دادی اور دو از جہت سبب جن میں سے ایک مرد ہے یعنی شوہر اور ایک عورت ہے یعنی بیوی۔

باپ کی میراث کا بیان

قولہ فللاب الخ (۱) باپ کی تین حالتیں ہیں فرض مطلق، فرض و تعصیب، تعصیب محض، فرض مطلق یعنی وہ حصہ جو قرآن میں مقرر ہے اور وہ چھٹا ہے جب بیٹے یا پوتے کے ساتھ ہو قال تعالیٰ **ولا بویه لکل واحد منهما السدس مما ترک ان کان له ولد** فرض و تعصیب اس وقت ہے جب بیٹی یا پوتی کیساتھ ہو پس بیٹی یا پوتی کے ساتھ باپ کو اولاً چھٹا حصہ بطور فرض ملے گا۔ لماتلونا۔ اور بیٹی یا پوتی کا حصہ دینے کے بعد باقی مال بطریق تعصیب **لقوله علیه السلام" الحقو االفرائض با هلها فما ابقت فلا ولی عصبة ذکر**" تعصیب محض اس وقت ہے جب میت لاولد ہو یعنی نہ بیٹا ہو نہ بیٹی اور ورثہ میں باپ موجود ہو تو ذوی الفروض کے بعد باقی مال باپ لے لے گا **قال تعالیٰ فان لم یکن له ولد وورثه ابواه فلامه الثلاث**" اس میں ماں کا حصہ بیان کر کے باقی ماں باپ کا قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ باپ عصبہ ہے۔

وَالْجَدُّ كَالاَبِ اِنْ لَمْ يَتَخَلَّلْ فِي نِسْبَتِهٖ اُمٌّ اِلَّا فِي رَدِّهَا اِلٰى ثُلُثِ مَابَقِيَ وَحَجَبِ اُمِّ الاَبِ

اور دادا مثل باپ کے ہے اگر نہ آئے اس کی نسبت میں ماں مگر پھرا دینے میں اس کے حصہ کو باقی ماندہ کے ثلث کی طرف اور دادی کو محروم کرنے میں

فَيَحْجِبُ الاِخْوَةَ وَلِلاُمِّ اَلثُّلُثُ وَمَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الاِبْنِ وَاِنْ سَفَلَ وَالاِثْنَيْنِ مِنَ الاِخْوَةِ وَالاَخَوَاتِ

پس محروم کریگا وہ بھائی بہنوں کو اور ماں کیلئے تہائی ہے اور اولاد اور اولاد کے ساتھ گو کتنے ہی نیچے کی ہو اور دو بھائی یا بہنوں کے ساتھ

عہ ...... اگر ایسا فرض چھوڑ کر مرا جو ترکہ کی شئی معین سے متعلق ہو تو وہ تجہیز و تکفین پر بھی مقدم ہوگا ۱۲۔ عہ ...... اور میت کے یہاں ماں باپ کو ہر ایک کیلئے دونوں سے چھٹا حصہ ہے مال سے جو چھوڑا اگر میت کے اولاد ہے ۱۲۔ عہ ...... اگر اس کے اولاد نہیں اور وارث ہیں اس کے ماں باپ تو اس کی ماں کا ہے تہائی۔ ۱۲۔

لاَ اَوْلاَدَهُمْ اَلسُّدُسُ وَمَعَ الاَبِ وَاَحَدُ الزَّوْجَيْنِ ثُلُثُ الْبَاقِي بَعْدَ فَرْضِ اَحَدِهِمَا.

نہ کہ ان کی اولاد کے ساتھ چھٹا حصہ ہے اور باپ کے ساتھ اور شوہر یا بیوی کے ساتھ تہائی ہے اس کا جو باقی رہے ان کا حصہ دیکر۔

دادا کی میراث کا بیان

تشریح الفقہ : قولہ والجد الخ (۲) جد اس کی دو قسمیں ہیں، جد صحیح، جد فاسد۔ جد صحیح وہ ہے کہ میت کیطرف اس کی نسبت میں ماں نہ آئے اسی کو دادا کہتے ہیں، اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ باپ کے ہوتے ہوئے دادا کو کچھ نہیں ملتا بالکل محروم ہوتا ہے۔ ہاں اگر باپ نہ ہو تو پھر دادا کے بھی وہی تین حالات ہیں جو باپ کے ہیں یعنی فرض مطلق، فرض و تعصیب، تعصیب محض۔

قولہ الافی ردھا الخ باپ کی عدم موجودگی میں باپ کا حکم دادا کا سا ہے۔ مگر دو مسئلوں میں اس کا حکم جدا ہے۔ اول یہ کہ اگر میت والدین اور احد الزوجین کو چھوڑے تو ماں کو احد الزوجین کے حصہ کے بعد ماقی کا ثلث ملتا ہے اور اگر بجائے باپ کے دادا ہو تو ماں کو کل مال کا ثلث ملے گا البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک اس صورت میں بھی ماقی کا ثلث ملے گا۔ دوم یہ کہ باپ کے ساتھ دادی وارث نہیں ہوتی۔ اور دادا کے ساتھ وارث ہوتی ہے۔

فائدہ: سراجی میں ہے کہ چار مسئلوں میں دادا باپ کی مانند نہیں ہے اور صاحب اشباہ نے تیرہ مسئلے ذکر کیے ہیں۔ اور شیخ صالح نے حاشیہ اشباہ (زواہر الجواہر) میں فصولین سے ایک مسئلہ اور زائد نقل کیا ہے من شاء فلیر اجع۔

ماں کی میراث کا بیان

قولہ وللام الخ (۳) اس کی تین حالتیں ہیں۔ اول یہ کہ اگر بیٹا یا پوتا یا دو بھائی یا دو بہنیں نہ ہوں تو ماں کو کل ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا۔ لقولہ تعالیٰ فان لم یکن له ولدو ورثه ابواه فلامه الثلث'' دوم یہ کہ اگر مذکورہ بالا اشخاص میں سے کوئی ہو تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ لقولہ تعالیٰ ولابویه لکل واحد منهما السدس ان کان له ولد'' وقال تعالیٰ فان کان له اخوة فلامه السدس'' سوم یہ کہ باپ اور احد الزوجین کے ساتھ ماں کو احد الزوجین کا حصہ دے دینے کے بعد باقی ماندہ کا ثلث ملے گا جس کی دو صورتیں ہیں (۱) عورت شوہر اور ماں باپ چھوڑ کر مرگئی تو ترکہ چھ سہام پر تقسیم ہوگا۔ نصف یعنی تین سہم شوہر کے ہوں گے اور باقی ماں کی تہائی یعنی ایک سہم ماں کا ہوگا اور دو سہم باپ کے (۲) ایک شخص ماں باپ اور بیوی چھوڑ کر مر گیا تو بارہ سہام پر تقسیم ہوگا۔ چوتھائی یعنی تین سہم بیوی کے اور باقی کی تہائی یعنی تین سہم ماں کے اور باقی چھ سہم باپ کے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلِلْجَدَّاتِ وَاِنْ كَثُرْنَ اَلسُّدُسُ اِنْ لَمْ يَتَخَلَّلْ جَدٌّ فَاسِدٌ فِي نِسْبَتِهَا اِلَى الْمَيِّتِ وَذَاتُ جِهَتَيْنِ كَذَاتِ جِهَةٍ

اور جدات کیلئے گو کتنی ہی ہوں چھٹا ہے اگر نہ آئے جد فاسد یعنی نانا اس کی نسبت میں میت کی طرف دو ناتے والی مثل ایک ناتے والی کے ہے

وَالْبُعْدٰى تُحْجَبُ بِالْقُرْبٰى وَالْكُلُّ بِالاُمِّ وَلِلزَّوْجِ اَلنِّصْفُ وَمَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الاِبْنِ وَاِنْ سَفِلَ

اور دور کے ناتے والی محروم ہوگی قریب والی سے اور سب محروم ہوں گی ماں سے اور شوہر کے لئے آدھا ہے اور اولاد اور اولاد کی اولاد کے ساتھ

اَلرُّبُعُ وَلِلزَّوْجَةِ اَلرُّبُعُ وَمَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الاِبْنِ وَاِنْ سَفِلَ اَلثُّمُنُ.

گو کتنے ہی نیچے کی [illegible] ہے اور بیوی کیلئے چوتھائی ہے اور اولاد اور اولاد کی اولاد کے ساتھ گو کتنے ہی نیچے کی ہو [illegible]

دادی کی میراث کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ وللجدات الخ (۴) اکمل الدین نے شرح سراجیہ میں کہا ہے کہ ہر شخص کی دو جدہ ہوتی ہیں ایک ماں کی ماں اور دوسری باپ کی ماں اسی طرح اس کے والدین کی اور جمیع اصول کی۔ جدہ کی دو قسمیں ہیں صحیحہ فاسدہ۔ جدہ صحیحہ وہ ہے کہ میت کی طرف اس کی نسبت میں ایک باپ دو ماؤں کے درمیان واقع نہ ہو اور جدہ فاسدہ وہ ہے کہ دو ماؤں کے درمیان باپ واقع ہو۔ پھر جدہ سے صرف باپ کی ماں مراد نہیں بلکہ دادا کی ماں اور دادی کی ماں (یعنی باپ کی نانی) وغیرہ کی بھی شرعاً جدہ کہتے ہیں۔ یہاں جدہ سے مراد جدہ صحیحہ ہے کیونکہ ذوی الفروض میں سے یہی ہے۔ بخلاف جدہ فاسدہ کے کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے۔

قولہ وان کثرن الخ جدہ صحیحہ کی دو حالتیں ہیں (۱) چھٹا حصہ اگر چہ کتنی ہی ہوں اور کیسی ہی ہوں بشرطیکہ ثابتات ومتحاذیات ہوں ثابتات بمعنی صحیحات ہے اور متحاذیات بمعنی متساویات ومتقابلات یعنی جدہ صحیحہ خواہ دادی ہو یا نانی اگر ایک ہے تو چھٹا حصہ لیگی اور چند ہیں تو وہی چھٹا حصہ آپس میں تقسیم کرلیں گی۔ اور اگر جدہ صحیحہ نہ ہو یا ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں مساوی نہ ہوں تو چھٹا حصہ صرف جدہ صحیحہ واحدہ کو ملے گا۔

فائدہ: جدہ کا سدس حصہ تو اپنی جگہ پر ثابت ہے اور جدات کے سدس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دو جدات کے لئے سدس کا فیصلہ فرمایا' حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فیصلہ میں حضرت محمد بن مسلمہ سے بھی یہی مروی ہے۔

قولہ وذات جهتين الخ جب میت کی جدہ جمع ہوں ایک جدہ ایک قرابت والی ہو جیسے باپ کی ماں کی ماں یعنی باپ کی نانی اور دوسری جدہ دو قرابت یا اس سے زیادہ والی ہو جیسے ماں کی نانی جو باپ کی دادی بھی ہو جس کی صورت یہ ہے۔
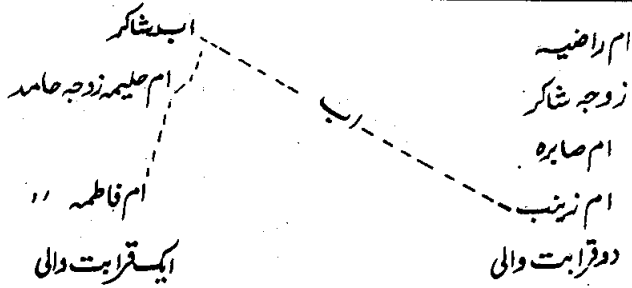
تو اس صورت میں امام محمد کے نزدیک ایک سدس کو باعتبار جہات قرابت دونوں جدات کے درمیان تین تہاؤ تقسیم کیا جائے گا یعنی ایک قرابت والی کو سدس کی ایک تہائی دی جائے گی اور دو قرابت والی کو سدس دو کی تہائیاں کیونکہ میراث کا استحقاق جہات قرابت کے اعتبار سے ہوتا ہے تو جس میں قرابت کی ایک جہت ہے اس کو ایک ملے گا۔ اور جس میں دو جہتیں ہیں اس کو دو حصے ملیں گے۔

شیخین' امام مالک اور امام شافعی کے یہاں سدس دونوں کے درمیان باعتبار ابدان نصفا نصف تقسیم ہوگا۔ صاحب کتاب نے اسی کو لیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ استحقاق میراث میں تعدد اس وقت ہوتا ہے جب تعدد جہت کے ساتھ نام بھی متعدد ہو۔ اور یہاں نام میں تعدد نہیں۔ بلکہ جس طرح ایک قرابت والی کو جدہ کہا جاتا ہے اسیطرح دو قرابت والی کو بھی جدہ بولتے ہیں۔ علامہ طحاوی نے کہا ہے کہ فتویٰ شیخین کے قول پر ہے۔

تنبیہ: سراجیہ میں امام ابو یوسف کے ساتھ امام صاحب کو ذکر نہیں کیا' شریفیہ شرح سراجیہ میں امام سرخسی کا قول نقل کیا ہے کہ امام صاحب سے تعدد قرابت احدی الجدتین میں کوئی روایت نہیں ہے۔ لیکن حسن بن عبدالرحمٰن بن عبدالرزاق شاشی شافعی کے فرائض میں ہے کہ امام ابو حنیفہ' مالک' شافعی کا قول امام ابو یوسف کے قول کی مانند ہے۔

قولہ والبعدی الخ جدہ قریبہ ماں کی جہت سے ہو یا باپ کی جہت سے۔ بہر دوصورت جدہ بعیدہ کو محروم کر دیتی ہے۔ خواہ جدہ قریبہ وارث ہو یا نہ ہو' جس کی چار صورتیں ہیں (۱) جدہ قریبہ مادری جدہ بعیدہ مادری کو محجوب کرتی ہے (۲) جدہ قریبہ مادری جدہ بعیدہ پدری کو محجوب کرتی ہے (۳) جدہ قریبہ پدری جدہ بعیدہ پدری کو محجوب کرتی ہے (۴) جدہ قریبہ پدری جدہ بعیدہ مادری کو محجوب کرتی ہے۔

قولہ والکل الخ جدہ کی یہ دوسری حالت ہے جدات پدری ہوں یا مادری یعنی دادیاں ہوں یا نانیاں یہ سب ماں کی موجودگی میں ساقط ہو جاتی ہیں۔

شوہر کی میراث کا بیان

قولہ وللزوج الخ (۵) شوہر اس کی دو حالتیں ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں اور نہ کوئی ایسی صورت ہے جس میں شوہر محروم ہو (۱) زوجہ کا انتقال ہوا اور بیٹا بیٹی' پوتا پوتی (اھ) کوئی نہیں چھوڑا تو شوہر کو زوجہ کے ترکہ کا نصف ملے گا۔ (۲) اگر زوجہ بیٹا بیٹی' پوتا پوتی (اھ) چھوڑ کر مرے تو شوہر کو کل ترکہ کا ربع ملے گا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ" **ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولدفان کان لھن ولد فلکم الربع مماترکن۔**

تنبیہ: اوپر جو یہ کہا گیا کہ زوجہ کی اولاد ہو تو شوہر کو چوتھائی ملتا ہے اس کا یہ مطلب ہے نہیں کہ وہ اولاد اسی شوہر سے ہو بلکہ عام ہے اسی شوہر کی ہو یا اس سے پہلے شوہر کی ہو یا دونوں کی ہو بہر سہ صورت ان کی موجودگی میں شوہر کو ربع ملے گا۔

بیوی کی میراث کا بیان

قولہ وللزوجۃ الخ (۶) زوجہ۔ جس طرح شوہر میراث سے محروم نہیں ہوتا اسی طرح بیوی بھی محروم نہیں رہ سکتی۔ اور جیسے شوہر کی میراث کے دو حال تھے اسی طرح بیوی کے بھی دو حال ہیں (۱) اگر شوہر کا بیٹا بیٹی' پوتا پوتی (اھ) نہ ہو تو بیوی کو شوہر کے کل ترکہ کا ربع ملے گا۔ (۲) اگر ان میں سے کوئی ہو تو ثمن یعنی ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے" **ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مماترکتم** "شوہر کے حالات میں جو تنبیہ کی گئی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔

وَلِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِلاَکْثَرِ الثُّلُثَانِ وَعَصَّبَهَا الابْنُ وَلَهُ مِثْلُ حَظِّهِمَا وَوَلَدُ الابِنِ کَوَلَدِهٖ

بیٹی کے لئے آدھا ہے اور زیادہ کے لئے دو تہائی ہے اور عصبہ کر دیتا ہے ان کو بیٹا اور بیٹے کے لئے ان کا دونا حصہ ہے اور پوتا مثل بیٹے کے ہے

عِنْدَ عَدَمِهٖ وَیَحْجِبُ بِالابِنِ وَمَعَ الْبِنْتِ لاَقْرَبِ الذُّکُوْرِ الْبَاقِی وَلِلاِنَاثِ السُّدُسُ

اس کے نہ ہونے کے وقت اور محروم ہو جاتا ہے بیٹے سے اور بیٹی کیساتھ قریبی مذکر کے لئے باقی ہے اور پوتیوں کے لئے چھٹا ہے

تَکْمِلَةً لِلثُّلُثَیْنِ وَحُجِبْنَ بِبِنْتَیْنِ اِلاَّ اَنْ یَّکُوْنَ مَعَهُنَّ اَوْ اَسْفَلَ مِنْهُنَّ ذَکَرٌ فَیُعَصِّبُ مَنْ کَانَتْ بِحِذَائِهٖ

پورا کرنے کے لئے دو تہائی اور محروم ہو جاتی ہیں دو بیٹیوں سے مگر یہ کہ ہو ان کے ساتھ یا ان سے نیچے کوئی مذکر پس وہ عصبہ کر دیگا اس کو جو اس کے برابر

عہ ...... اور تمہارا آدھا مال جو چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہو ان کے اولاد اور اگر ان کے اولاد ہے تو تمہارے واسطے چوتھائی ہے اس سے جو چھوڑ گئیں۔ اور عورتوں کیلئے چوتھائی ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو تمہارے اولاد اور اگر تمہارے اولاد ہے تو ان کیلئے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے کہ جو کچھ تم نے چھوڑا۔

وَمَنْ كَانَتْ فَوْقَهُ مِمَّنْ لَمْ يَكُنْ ذَاتَ سَهْمٍ وَيَسْقُطُ مَنْ دُوْنَهُ وَالاَخَوَاتُ لاَبٍ وَاُمٍّ كَبَنَاتِ الصُّلْبِ عِنْدَ عَدَمِهِنَّ

میں ہو اور جو اس سے اوپر ہو ان میں سے جو صاحب فرض نہیں اور ساقط ہونگی اس کے علاوہ حقیقی بہنیں بیٹیوں کے مثل ہیں ان کے نہ ہونے کے وقت

بیٹی کی میراث کا بیان

تشریح الفقہ: **قوله وللبنت الخ** (۷) بیٹی۔ اس کی تین حالتیں ہیں (۱) صرف ایک بیٹی ہو اور کوئی بیٹا نہ ہو تو اس کو نصف ترکہ ملے گا **لقوله تعالیٰ وان كانت واحدة فلها النصف** ''اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو باقی نصف بھی اسی کو مل جاتا ہے (۲) دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو ترکہ کی دو تہائیاں ملیں گی (۳) اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا بھی ہو تو اس صورت میں بیٹی کا کوئی حصہ مقرر نہیں رہتا بلکہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ ملکر عصبہ بالغیر ہو جاتی ہے۔ تو جس قدر بیٹے کو ملے گا اس کا نصف ہر بیٹی کو ملے گا ایک بیٹی ہو یا دو چار ہوں۔

قوله وولد الابن الخ پوتے کا حکم بیٹے کا سا ہے اگر بیٹا موجود نہ ہو بیٹے کے ہوتے ہوئے اس کو کچھ نہیں ملتا۔ اور اگر پوتے کے ساتھ بیٹی ہو تو بیٹی کو آدھا ترکہ دے کر جو باقی رہے وہ پوتے کو ملے گا۔ کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

پوتی کی میراث کا بیان

قوله وللاناث الخ (۸) پوتیاں۔ انکی چھ حالتیں ہیں جن میں سے تین تو وہی ہیں جو بیٹیوں کی اوپر مذکور ہوئیں یعنی ایک کو نصف اور دو یا دو سے زیادہ کو دو تہائی اور پوتیوں کیساتھ انکا بھائی ہو تو تعصیب اور تین حالتیں پوتیوں کے ساتھ خاص ہیں (۱) اگر ایک صلبی بیٹی ہو تو پوتیوں کو چھٹا حصہ ملے گا تاکہ دو تہائیاں کامل ہو جائیں۔ اس واسطے کہ پوتی بھی گویا بیٹی ہی ہے تو دو تہائیاں جو بیٹیوں کا حق ہے وہ ان کو اس طرح ملے گا کہ آدھا بیٹی کو دیں گے۔ اور چھٹا حصہ پوتی کو تاکہ دونوں مل کر دو تہائی ہو جائے (۲) دو یا دو سے زیادہ بیٹیوں کے ساتھ پوتیاں محروم ہوتی ہیں لیکن اگر اس صورت میں پوتیوں کے ساتھ یا ان سے نیچے کوئی لڑکا ہو تو وہ اپنے ساتھ والیوں اور اوپر والیوں کو ذوی الفروض بیٹیوں کے علاوہ عصبہ کر دیتا ہے اور مرد کو عورت کے حصہ سے دونا مل جاتا ہے۔ اور جو اس سے نیچے ہوں انکو کچھ نہیں ملتا (۳) اگر میت کا بیٹا موجود ہو تو پوتیوں کو کچھ نہیں ملتا۔

قوله الا ان يكون الخ اس کو سمجھنے کیلئے یوں فرض کرو کہ ایک شخص نے اپنا ایک بیٹا چھوڑا پھر اس کے بیٹے نے ایک ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی پھر اس کے بیٹے نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی اور میت نے ایک دوسرا بیٹا چھوڑا پھر اس کے بیٹے اور پوتے اسی طرح بیٹا بیٹی چھوڑی اور میت نے ایک تیسرا بیٹا چھوڑا پھر اس کے بیٹے اور پوتے نے اسی طرح بیٹا بیٹی چھوڑی مثال یہ ہے
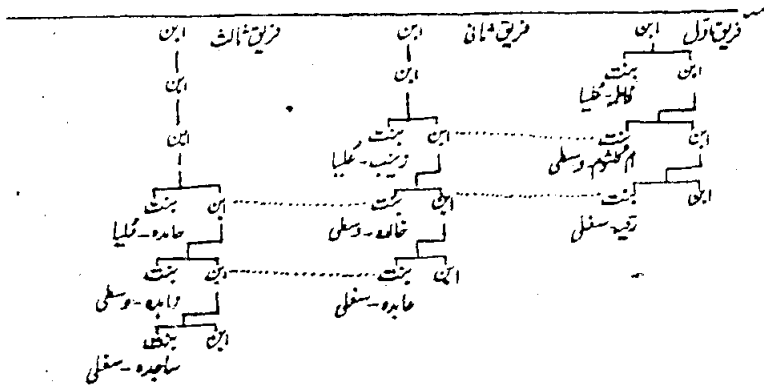
تو یہاں فریق اول کی علیا (فاطمہ) میں اور میت میں صرف ایک واسطہ ہے اور اس کے برابر میں کوئی عورت نہیں تو وہ جد اعلیٰ کے ترکہ سے نصف لیگی۔ کیونکہ وہ بنت صلبی کی قائم مقام ہے۔ اور فریق اول کی وسطی (ام کلثوم) کے برابر فریق ثانی کی علیا (زینب) ہے اور دونوں ہمدرجہ ہیں کیونکہ انمیں اور میت میں دو دو واسطے ہیں تو ان دونوں کو سدس ملے گا کیونکہ فریق اول کی علیا (فاطمہ) نصف پا چکی تو ثلثین میں سے جو سدس باقی ہے وہ انکو مل جائے گا تاکہ دو تہائیاں پوری ہو جائیں۔ ان تین کے بعد اب جو چھ سفلیات ہیں انکے لئے کچھ نہ ہوگا الا یہ کہ سفلیات میں سے کسی کے ساتھ بھائی فریق اول کی سفلی کے ساتھ ہو تو فریق کی علیا (فاطمہ) نصف لے گی اور فریق اول کی وسطی (ام کلثوم) اور فریق ثانی کی علیا (زینب) سدس پائیں گی۔ اور باقی ثلث فریق اول کی سفلی (رقیہ) اور اس کے بھائی اور فریق ثانی کی وسطی (خالدہ) اور فریق ثالث کی علیا (حامدہ) میں للذکر مثل حظ الانثیین پانچ حصے ہو کر تقسیم ہوگا اور فریق ثانی کی سفلی (عابدہ) اور فریق ثالث کی وسطی (زاہدہ) اور سفلی (ساجدہ) ساقط ہونگی وعلی ھذا القیاس۔

حقیقی بہن کی میراث کا بیان

قوله وللاخوات لاب وام الخ (۹) حقیقی بہن انکی پانچ حالتیں ہیں (۱) ایک ہو تو نصف ملے گا لقوله تعالیٰ " **وله اخت فلها النصف** " (۲) دو یا اس سے زیادہ ہوں تو ثلث ملیں گے لقوله تعالیٰ **فان کانتا اثنتین فلهما الثلثان** " (۳) اگر ان کے ساتھ کوئی حقیقی بھائی ہو تو للذکر مثل حظ الانثیین ہوگا یعنی لڑکے کا حصہ لڑکی کے حصہ سے دونا ہوگا **لقوله تعالیٰ وان کانوا اخوة رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین** " (۴) اگر بیٹیاں یا پوتیاں ہوں تو انکو بچا ہوا مال ملجائیگا۔ کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ " بہنوں کو بیٹیوں کی موجودگی میں عصبہ قرار دو (۵) اگر میت کا باپ دادا بیٹا پوتا (اھ) موجود ہو۔ تو امام صاحب کے یہاں بہنیں محروم ہونگی۔ صاحبین کے یہاں دادا کی موجودگی میں محروم نہیں ہوتیں لیکن فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَلاَبٍ كَبَنَاتِ الابنِ مَعَ الصُّلبِيَاتِ وَعَصَّبَهُنَّ اِخوَتُهُنَّ وَالبِنتُ وَبِنتُ الابنِ
اور علاتی مثل پوتیوں کے ہیں بیٹیوں کے ساتھ اور عصبہ کردیگا ان کو ان کا بھائی اور بیٹی اور پوتی

وَلِلوَاحِدِ مِنْ وَلَدِ الاُمِّ اَلسُّدُسُ وَلِلاَكثَرِ اَلثُّلُثُ ذَكَرُهُم كَاُناثِهِم
ایک اخیافی بھائی بہن کے لئے چھٹا حصہ ہے اور زیادہ کے لئے تہائی اور مذکر و مؤنث برابر ہیں

وَحُجِبنَ بِالابنِ وَابنِهٖ وَاِنْ سَفِلَ وَبِالاَبِ وَالجَدِّ وَالبِنتُ تُحجِبُ وَلَدَ الاُمِّ فَقَط.
اور محروم ہونگے بیٹے اور پوتے سے گو نیچے کے ہوں اور باپ دادا سے اور بیٹی محروم کرتی ہے صرف اخیافی اولاد کو۔

علاتی (باپ شریک) بہن کی میراث کا بیان

تشریح الفقہ: **قوله ولاب الخ** (۱۰) علاتی یعنی باپ شریک بہن۔ بہنوں کا حال پوتیوں کا سا ہے۔ یعنی جو حال پوتیوں کا بیٹیوں کے ساتھ ہے وہی علاتی بہنوں کا حقیقی بہنوں کے ساتھ ہے۔ کہ اگر حقیقی بہنیں نہ ہوں تو (۱) ایک علاتی بہن کے لئے نصف ہے۔ (۲) دو یا دو سے زیادہ کیلئے دو تہائی ہے (۳) ایک حقیقی بہن کیساتھ چھٹا حصہ ہے (۴) اگر دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنیں ہوں تو علاتی بہنیں محروم ہوتی ہیں (۵) چوتھی صورت میں اگر ان کے ساتھ علاتی بھائی ہو تو وہ ان کو عصبہ کر دیتا ہے۔ اور عصبہ کے ساتھ ان کو مرد کے حصہ سے آدھا ملتا ہے۔ (۶) بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ علاتی بہنیں عصبہ ہو جاتی ہیں اور ذوی الفروض سے جو مال بچتا ہے وہ ان کو مل جاتا ہے۔ (۷) اگر میت کا باپ دادا بیٹا پوتا (اھ) موجود ہو تو علاتی بہنیں محروم ہوتی ہیں۔

اخیافی (ماں شریک) بھائی بہن کی میراث کا بیان

قولہ وللواحد الخ (۱۱-۱۲) اخیافی یعنی ماں شریک بھائی اور بہن کا' ان کا حال یہ ہے کہ اگر ایک ہو تو چھٹا حصہ ملتا ہے اور زیادہ ہو تو تہائی' ان میں مرد اور عورت کا حصہ برابر ہے۔ یہ نہیں کہ مرد کو عورت کے حصے سے دونا ملے اور بھائی بہن حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی سب میت کے بیٹے پوتے (اھ) نرینہ اولاد کے ہوتے ہوئے اسی طرح میت کے باپ دادا کے ہوتے ہوئے محروم ہوتے ہیں اور حقیقی بیٹی اور پوتی صرف اخیافی بھائی بہن کو محروم کرتی ہے حقیقی اور علاتی کو محروم نہیں کرتی۔ یہاں تک بارہ ذوی الفروض کے احکام ختم ہو گئے۔

فائدہ: فروض مقررہ چھ ہیں نصف' ربع' ثمن' ثلثین' ثلث' سدس۔ ان میں سے نصف پانچ اصناف کا فرض ہے (۱) شوہر۔ جبکہ بیوی کا بیٹا بیٹی پوتا پوتی نہ ہو (۲) حقیقی بیٹی (۳) پوتی جبکہ حقیقی بیٹی نہ ہو (۴) حقیقی بہن (۵) سوتیلی بہن جبکہ حقیقی بہن نہ ہو' ربع دو اصناف کا حصہ ہے (۱) شوہر۔ جبکہ ولد یا ولد الابن ہو (۲) بیوی جبکہ ولد یا ولد الابن نہ ہو۔ اور ثمن صرف ایک صنف کا حصہ ہے یعنی بیوی کا جبکہ ولد یا ولد الابن ہو اور ثلثین چار اصناف کا فرض ہے (۱) دو یا دو سے زیادہ حقیقی بیٹیوں کا (۲) دو یا دو سے زیادہ پوتیوں کا جبکہ حقیقی بیٹی نہ ہو (۳) دو یا دو سے زیادہ حقیقی بہنوں کا (۴) دو یا دو سے زیادہ سوتیلی بہنوں کا جبکہ حقیقی بہنیں نہ ہوں اور ثلث دو صنف کا حصہ ہے (۱) ماں کا جبکہ میت کا ولد الابن نہ ہو اور نہ دو بھائی ہوں نہ دو بہنیں (۲) مادری اولاد نہ ہوں یا زیادہ مرد ہوں یا عورت۔ اور سدس سات اصناف کا حصہ ہے (۱) باپ کا جبکہ میت کا ولد الابن ہو (۲) اسی طرح جد صحیح کا جبکہ میت کا باپ نہ ہو (۳) ماں کا جبکہ میت کا ولد یا ولد الابن ہو یا دو بھائی یا دو بہنیں ہوں (۴) جدہ صحیحہ کا (۵) پوتی کا حقیقی بیٹی کیساتھ دو تہائی پورا کرنے کیلئے (۶) سوتیلی بہن کا حقیقی بہن کیساتھ (۷) مادری اولاد کا جبکہ ایک ہو مرد ہو یا عورت (غایۃ الاوطار)

وَعَصَبَةٌ اَیْ مَنْ اَخَذَ الْکُلَّ اِذَا انْفَرَدَ وَالْبَاقِیَ مَعَ ذِیْ سَهْمٍ وَالاَحَقُّ الاِبْنُ ثُمَّ اِبْنُهُ وَاِنْ سَفِلَ

اور عصبہ ہے جو لے کل مال جبکہ اکیلا ہو اور باقی ماندہ مال جبکہ فرض والے کیساتھ ہو اور زیادہ حق دار بیٹا ہے پھر پوتا گو نیچے کا ہو

ثُمَّ الاَبُ ثُمَّ اَبُ الاَبِ وَاِنْ عَلا ثُمَّ الاَخُ لاَبٍ وَاُمٍّ ثُمَّ الاَخُ لاَبٍ ثُمَّ اِبْنُ الاَخِ لاَبٍ وَاُمٍّ ثُمَّ اِبْنُ الاَخِ لاَبٍ

پھر باپ پھر دادا کتنے ہی اوپر کا ہو پھر حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی پھر حقیقی بھائی کا بیٹا پھر علاتی بھائی کا بیٹا

ثُمَّ الاَعْمَامُ ثُمَّ اَعْمَامُ الاَبِ ثُمَّ اَعْمَامُ الْجَدِّ عَلَی التَّرْتِیْبِ ثُمَّ الْمُعْتِقُ ثُمَّ عَصَبَتُهُ عَلَی التَّرْتِیْبِ

پھر چچے پھر باپ کے چچے پھر دادا کے چچے ترتیب وار پھر آزاد کنندہ پھر اس کے عصبات ترتیب وار

وَاللاَّتِیْ فَرْضُهُنَّ النِّصْفُ وَالثُّلُثَانِ یَصِرْنَ عَصَبَةً بِاِخْوَتِهِنَّ لاَغَیْرُ.

اور جن عورتوں کا حصہ آدھا اور دو تہائی ہے وہ عصبہ ہو جاتی ہیں اپنے بھائیوں کے ساتھ نہ کہ ان کے علاوہ

عصبات کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ و عصبة الخ شروع کتاب میں جو "ذو فرض" گزرا ہے اس پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے ای الورثة ذو فرض و عصبة اہ عصبہ عربی زبان میں پٹھے کو کہتے ہیں۔ شریعت میں عصبہ وہ شخص ہے جو گوشت پوست میں شریک ہو جس کے عیب

لہ دو تہائی پورا کرنے کیلئے خواہ علاتی بہن ایک ہو یا ایک سے زیادہ ہو ۱۲

دار ہونے سے خاندان میں عیب لگے۔اس کی اولاد دو قسمیں ہیں سببی، نسبی۔ عصبہ سببی کو مولی عتاقہ کہتے ہیں عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں۔ عصبہ بنفسہ جو بذات خود عصبہ ہو، عصبہ بغیرہ جو اپنے عصبہ ہونے میں دوسرے عصبہ کا محتاج ہو۔ عصبہ مع غیرہ جو عصبہ ہونے میں دوسرے کا محتاج تو ہو مگر محتاج الیہ خود عصبہ نہ ہو۔ پھر خود عصبہ بنفسہ چار قسم کے ہیں۔ جزء میت جیسے بیٹا پوتا اھ اصل میت جیسے باپ دادا اھ میت کے باپ کا جزء جیسے بھائی، بھتیجا میت کے دادا کا جزء جیسے چچا اور اس کی اولاد ان میں جو سب سے زیادہ قرابت دار ہو وہ مقدم ہوتا ہے اس کے بعد اس سے فروتر ہو تو میت کا جزء اس کی اصل پر مقدم ہوگا یعنی بیٹا پھر پوتا الخ اس کے بعد اصل میت یعنی باپ مقدم ہوگا پھر دادا الخ ماذکرہ المصنف۔

قولہ ثم الاخ الخ حقیقی بھائیوں پر دادا کا مقدم ہونا امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین، امام مالک، امام شافعی کے نزدیک حقیقی بھائی دادا پر مقدم ہے، فتوی کے لئے امام صاحب کا قول مختار ہے بعض حضرات نے صاحبین کے قول پر فتوی ذکر کیا ہے۔ مگر علامہ طحطاوی نے کہا ہے کہ امام صاحب ہی کا قول معتمد ہے۔

قولہ ثم العتق الخ سب سے آخری عصبہ سببیہ ہے یعنی معتق (آزاد کنندہ) جو جمہور کے نزدیک ذوی الارحام پر مقدم ہوتا ہے جس کی تائید حاکم اور دارمی وغیرہ نے کی ہے۔ حضرت علی و زید بن ثابت بن کا بھی یہی قول ہے البتہ حضرت عبداللہ بن مسعو کے نزدیک معتق ذوی الارحام سے مؤخر ہے۔

قولہ واللاتی الخ جن عورتوں کا حصہ آدھا اور تہائی ہے جیسے بیٹیاں، پوتیاں، حقیقی اور علاتی بہنیں تو یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں ان کے سوا اور عورتیں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ نہیں ہوتیں۔

وَمَنْ يُدْلِي بِغَيْرِهٖ حُجِبَ بِهٖ سِوٰى وَلَدِ الْاُمِّ وَالْمَحْجُوْبُ يَحْجُبُ كَالْاَخَوَيْنِ اَوِ الْاُخْتَيْنِ

جو منسوب ہو غیر کے ذریعہ سے وہ محروم ہوتا ہے اس کے ہوتے ہوئے سوائے اخیافی اولاد کے جو محجوب ہو وہ محجوب کر سکتا ہے جیسے دو بھائی اور بہنیں

يَحْجُبَانِ الْاُمَّ اِلَى السُّدُسِ مَعَ الْاَبِ لَا الْمَحْرُوْمُ بِالرِّقِّ وَالْقَتْلِ مُبَاشَرَةً وَاخْتِلَافِ الدِّيْنِ اَوِ الدَّارِ

کر دیتی ہیں ماں کا حصہ چھٹے کی طرف باپ کے ساتھ نہ کہ وہ جو محروم ہو غلام ہونے یا مباشرۃً قاتل ہونے یا اختلاف دین یا اختلاف دار کی وجہ سے

وَالْكَافِرُ يَرِثُ بِالنَّسَبِ وَالسَّبَبِ كَالْمُسْلِمِ وَلَوْ حَجَبَ اَحَدُهُمَا فَبِالْحَاجِبِ

اور کافر وارث ہوتا ہے جہت نسب وعلاقہ سبب سے مسلمان کی طرح اگر محجوب ہو ایک قرابت تو وارث ہوگا حاجب قرابت سے

لَا بِنِكَاحِ مُحْرِمٍ وَيَرِثُ وَلَدُ الزِّنَا وَاللِّعَانِ بِجِهَةِ الْاُمِّ فَقَطْ وَوُقِفَ لِلْحَمْلِ حَظُّ ابْنٍ

نہ کہ محرم کیساتھ نکاح کرنے سے اور وارث ہوگا حرامی اور ولد لعانی صرف ماں کی جہت سے اور رکھ دیا جائیگا حمل کے لئے ایک بیٹے کا حصہ

وَيَرِثُ اِنْ خَرَجَ اَكْثَرُهٗ فَمَاتَ لَا اَقَلُّهٗ وَلَا تَوَارُثَ بَيْنَ الْغَرْقٰى وَالْحَرْقٰى

اور وارث ہوگا اگر اکثر باہر ہو کر مرا ہو نہ کہ اقل کی صورت میں وراثت جاری نہ ہوگی ڈوب کر یا جل کر مرنے والوں میں

اِلَّا اِذَا عُلِمَ تَرْتِيْبُ الْمَوْتٰى وَذُوْ رَحِمٍ وَهُوَ قَرِيْبٌ لَيْسَ بِذِيْ سَهْمٍ وَعَصَبَةٍ.

الا یہ کہ معلوم ہو مرنے والوں کی ترتیب اور ذو رحم ہے اور وہ وہ رشتہ دار ہے جو نہ صاحب فرض ہو اور نہ عصبہ ہو۔

حجب کا بیان

تشریح الفقہ: قولہ ومن یدلی الخ یہاں سے حجب کے احکام بیان کر رہا ہے۔ حجب کے معنی روکنا اور باز رکھنا ہے۔ ان سے حاجب بمعنی دربان ہے' اصطلاح اہل فرائض میں حجب کے یہ معنی ہیں کہ ایک وراث معین کو دوسرے وارث کیوجہ سے اس کے حصہ سے کم ملے یا کچھ نہ ملے' حجب کی دو قسمیں ہیں۔ حجب نقصان اور وہ محروم ہونا ہے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کیطرف۔ یہ پانچ اشخاص کیلئے ہوتا ہے یعنی شوہر' بیوی' ماں' پوتی' علاتی بہن۔ دوسری قسم حجب حرمان ہے اس میں دو قسم کے ورثہ ہیں۔ ایک وہ جو کسی حال میں محروم نہیں ہوتے اور وہ چھ ہیں۔ تین مرد یعنی بیٹا باپ شوہر اور تین عورتیں یعنی لڑکی' ماں' بیوی' دوسری قسم کے ورثہ وہ ہیں جو ایک وقت میں وارث ہوتے ہیں اور کسی دوسری وقت میں محروم ہو جاتے ہیں۔ مصنف کے قول ''ومن یدلی'' کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا ناتا میت کیساتھ کسی دوسرے کے ذریعہ سے ہو وہ اس کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں پاتا جیسے پوتا اور دادا کہ انکا ناتا میت کیساتھ بیٹے یا باپ کے ذریعہ سے ہے تو بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا اور باپ کے ہوتے ہوئے دادا کچھ نہیں پائے گا' مگر اخیافی بھائی بہن اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں کہ ان کا رشتہ ماں کے ذریعہ ہے اور ماں کے ہوتے ہوئے بھی محروم نہیں ہوتے اس واسطے کہ ماں خود ہی پورے ترکہ کی مستحق نہیں ہوتی۔

قولہ والمحجوب الخ جو شخص محجوب ہو یعنی کسی قریبی رشتہ دار کی بنا پر ترکہ سے محروم ہو وہ بالاتفاق دوسرے کو محجوب کر سکتا ہے مثلاً میت کا باپ' ماں' دو بھائی یا دو بہنیں ہیں تو باوجودیکہ باپ کے ہونے سے بھائی بہنوں کو کچھ نہیں ملتا لیکن وہ ماں کے حصے کو تہائی سے چھٹا کر دیتے ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو ماں کو تہائی ملتا ان کی وجہ سے ماں کے حصہ میں نقصان آ گیا وہ خود محروم ہیں۔

قولہ لا المحروم الخ جو شخص میراث سے کلیۃً محروم ہو مثلاً میت کا بیٹا کسی کا غلام ہو یا میت کا قاتل ہو یا کافر ہو یا دارالحرب میں رہتا ہو تو وہ ہمارے نزدیک میت کے دیگر ورثہ بھائی' بہن وغیرہ کو محروم نہیں کر سکتا عام صحابہ کرام کا یہی قول ہے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود کے نزدیک وہ دوسرے کے لئے حاجب ہو سکتا ہے مگر حجب نقصان کے ساتھ۔

قولہ ولو حجب الخ اگر کافر کی دو قرابتوں میں سے ایک محجوب ہو اور ایک حاجب تو وہ حاجب کی قرابت سے میراث پائیگا نہ کہ محجوب کی' مثلاً کسی کافر نے اپنی لڑکی سے نکاح کر لیا اور اس سے لڑکا ہوا تو یہ لڑکا اس کافر سے دو قرابتیں رکھتا ہے ایک بیٹا ہونے کی اور ایک نواسا ہونے کی اور نواسا ہونیکی قرابت محجوب ہے اور بیٹا ہونے کی حاجب تو اس کافر کی میراث بیٹا ہونے کی جہت سے پائے گا نہ کہ نواسا ہونے کی جہت سے۔

ڈوب کر یا جلکر مرنیوالوں کی میراث کا بیان

قولہ ولا توارث الخ غرقی غریق کی جمع ہے ڈوبے ہوئے لوگ اور حرقی حریق کی جمع ہے جلے ہوئے لوگ جیسے قتلی قتیل کی جمع ہے۔ یہاں ایسے لوگوں کی میراث کا بیان ہے جو آپس میں رشتہ دار ہوں اور یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کون مرا ہے۔ سو ایسے لوگوں کی پانچ صورتیں ہیں (۱) ان میں سے پہلا مرنیوالا بالیقین معلوم ہو اس کا حکم ظاہر ہے کہ بعد والا پہلے کا وارث ہوگا (۲) پہلا مرنے والا شروع میں تو علی التعیین معلوم تھا۔ بعد میں شبہ پڑ گیا۔ اس کا حکم یہ ہے۔ کہ اس کی میراث موقوف رہے گی۔ جب تک کہ شبہ زائل ہو کر یقین نہ ہو جائے۔ یا وارث باہم صلح نہ کر لیں (۳) پہلا مرنے والا بلا تعیین معلوم ہو (۴) سب کی موت ایک ساتھ واقع ہوئی ہو (۵) سبقت اور معیت کچھ معلوم نہ ہو' پچھلی تین صورتوں میں ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا بلکہ ان کا مال ان کے زندہ ورثہ کے درمیان بقدر استحقاق تقسیم کر دیا جائیگا۔ احناف' امام مالک' امام شافعی اور عام صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ فرائض شریفی میں ہے کہ صدیق اکبر نے اہل یمامہ کے مقتولین میں یہی حکم کیا ہے یعنی مردوں کی میراث زندوں کو دلائی تھی' اسی طرح جب عمواس میں لوگ وبا سے مرے تو حضرت عمر فاروقؓ نے یہی حکم فرمایا

تھا۔ نیز حضرت علی نے بھی صفین اور جمل کے مقتولین میں یہی کیا تھا۔ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کے وراث ہوں گے۔

ذوی الارحام کی میراث کا بیان

قولہ وذورحم الخ قول سابق ''وعصبۃ'' پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یہاں سے ذوی الارحام کی وراثت کا بیان ہے اکثر صحابہ کرام حضرت علی، حضرت عمر، عبداللہ بن مسعود، ابوعبیدہ، معاذ، ابوالدرداء اور حضرت ابن عباس بروایت مشہورۃ توریث ذوی الارحام کے قائل ہیں ائمہ احناف اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس (بروایت شاذہ) ان کی توریث کے قائل نہیں۔ وارث نہ ہونے کی صورت میں صرف مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، امام شافعی اور امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آیت مواریث میں صرف ذوی الفروض اور عصبات کا حصہ بیان کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ آیت ''**واولو الارحام بعضھم اولیٰ ببعض**'' کی تفسیر **اولی بمیراث بعضٍ عن غیرہ** کی گئی ہے۔

قولہ وھو قریب الخ مغرب میں ہے کہ رحم دراصل عورت کے پیٹ کا وہ حصہ ہے جہاں بچہ رہتا ہے۔ پھر ان لوگوں کو ذوی الارحام کہنے لگے جو رحم سے پیدا ہوں اور ان سے رشتہ داری ہو، علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ ذوی الارحام مطلقاً رشتہ داروں کو بھی کہتے ہیں خواہ ان سے کسی قسم کی رشتہ داری ہو، اصطلاح میں ذورحم ہر وہ رشتہ دار ہے جو نہ ذوی الفروض سے ہو اور نہ عصبہ ہو۔ اس میں چار قسم کے لوگ ہیں (۱) جو میت کی طرف منسوب ہوں جیسے نواسیاں، پوتیاں (۲) جن کی طرف میت منسوب ہو جیسے اجداد فاسد، جدات فاسدہ (۳) جو میت کے والدین میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہوں جیسے بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیاں، اخیافی بھائیوں کے بیٹے (۴) جو میت کے دادا، نانا، یا دادی یا نانی کی طرف منسوب ہوں جیسے پھوپھیاں، اخیافی چچا، ماموں، خالائیں پس یہ سب لوگ ذوی الارحام میں داخل ہیں۔

وَلَايَرِثُ مَعَ ذِیْ سَھْمٍ وَعَصَبَۃٍ سِوٰی اَحَدِ الزَّوْجَیْنِ لِعَدَمِ الرَّدِّ عَلَیْھِمَا وَتَرْتِیْبُھُمْ

اور وارث نہیں ہوتا کسی صاحب فرض اور عصبہ کے ساتھ سوائے شوہر بی بی کے ساتھ کے ان پر رد نہ ہونے کی بنا پر اور ان کی ترتیب

کَتَرْتِیْبِ الْعَصَبَاتِ وَالتَّرْجِیْحُ بِقُرْبِ الدَّرَجَۃِ ثُمَّ بِکَوْنِ الاَصْلِ وَارِثًا وَعِنْدَ اِخْتِلَافِ جِھَۃِ الْقَرَابَۃِ

عصبات کی ترتیب کے مثل ہے اور ترجیح درجہ کے قرب سے ہے پھر اصل کے وارث ہونے سے اور جہت قرابت کے اختلاف کے وقت

فَلِقَرَابَۃِ الاَبِ ضِعْفُ قَرَابَۃِ الاُمِّ وَاِنِ اتَّفَقَ الاُصُوْلُ فَالْقِسْمَۃُ عَلَی الاَبْدَانِ

باپ کی قرابت والے کے لئے دونا ہے ماں کی قرابت والے سے اور اگر اصول ایک سے ہوں تو تقسیم شمار کے لحاظ سے ہوگی

وَاِلَّا فَالْعَدَدُ مِنْھُمْ وَالْوَصْفُ مِنْ بَطْنٍ اِخْتَلَفَ.

ورنہ عدد ان سے ہوگا اور وصف اس بطن سے جس میں اختلاف ہوا ہے۔

تشریح الفقہ: **قولہ ولا یرث الخ** ذورحم کسی صاحب فرض اور عصبہ کے ساتھ وارث نہیں ہوتا بجز شوہر اور بیوی کے کہ اگر ان کے ساتھ ہو تو باوجودیکہ یہ دونوں صاحب فرض ہیں مگر ان کے ساتھ وارث ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کو بچا ہوا مال دوبارہ نہیں دیا جاتا۔ بخلاف اور فرض والوں کے اگر انکے حصے سے کچھ مال بچتا ہے تو وہ انہیں حسب حصص دوبارہ دے دیا جاتا ہے۔

قولہ وترتیبھم الخ ذوی الارحام کی ترتیب ترتیب عصبات کے مثل ہے تو جزء میت بیٹیوں پوتیوں کی اولاد مقدم ہوگی دیگر اقسام

پر پھر اصل میت یعنی جد فاسد اور جدات فاسدہ پھر میت کے والدین کا جز یعنی عینی یا علاتی یا اخیافی بہن بھائیوں کی اولاد پھر جدین اور جدتین کی اولاد یعنی پھوپھی، تائی اور چچا کی لڑکیاں تو پھر باپ کے ماموں، خالہ وغیرہ۔

قولہ والترجیح الخ ذوی الارحام میں درجہ کے قریب سے ترجیح ہوتی ہے یعنی قریبی رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دور والے کو نہیں ملتا۔ اور اگر قرب میں برابر ہو تو پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کی اصل وارث ہے کہ نہیں۔ اگر وارث ہو تو اس کو اس پر مقدم کرتے ہیں جس کی اصل وارث نہ ہو مثلاً اگر بھتیجے کی بیٹی اور ہمشیر زادی کا بیٹا وارث ہو تو مال برادر زادہ کی دختر کو ملے گا۔ کیونکہ اس کی اصل یعنی برادر زادہ عصبہ ہے۔ اور ہمشیر زادی کے پسر کو نہ ملے گا کیونکہ اس کی اصل یعنی ہمشیر زادی وارث نہیں ذو رحم ہے۔ (احسن)

قولہ وعند اختلاف الخ جب ذوی الارحام کی جہت قرابت میت سے مختلف ہو تو جس کی قرابت باپ کی طرف سے ہوگی اسکو دگنا ملے گا۔ اور جس کی قرابت ماں کی طرف سے ہوگی اس کو اکہرا حصہ ملے گا مثلاً میت نے اپنے باپ کا نانا، اور ماں کا دادا چھوڑا تو اول کو دو تہائی اور دوم کو ایک تہائی ملے گی۔ (احسن)

قولہ وان اتفق الخ اگر ذوی الارحام کی اصلیں ایک سی ہوں تو ترکہ کو ان کی شمار پر تقسیم کریں گے مثلاً ایک بہن کی اولاد ہو یا دو بہنوں کی اولاد ہو تو سب بھانجوں اور بھانجیوں کو شمار کر کے ترکہ برابر تقسیم کریں گے اگر سب مذکر ہو یا سب مؤنث ہوں۔ اور اگر کچھ مرد اور کچھ عورتیں ہو تو عورتوں کے حصے کی بہ نسبت مرد کو دونا ملے گا۔ اور اگر ان کے اصول مذکر اور مؤنث ہونے کی صفت میں متفق نہ ہوں بلکہ بعض کی اصل مرد ہو اور بعض کی عورت تو جس بطن میں اختلاف ہوگا اس بطن کو اولاً للذکر ضعف الانثی کے طریق پر تقسیم کیا جائے گا۔ پھر ایک کا حصہ اس کے فروع کو دیا جائے گا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی۔

وَالْفُرُوْضُ نِصْفٌ وَرُبُعٌ وَثُمُنٌ وَثُلُثَانِ وَثُلُثٌ وَسُدُسٌ وَمَخَارِجُهَا اِثْنَانِ لِلنِّصْفِ

اور فروض یہ ہیں آدھا چوتھائی آٹھواں دو تہائی ایک تہائی چھٹا اور ان کے مخارج دو کا عدد ہے آدھے کے لئے

اَرْبَعَةٌ وَثَمَانِيَةٌ وَثَلٰثَةٌ وَسِتَّةٌ لِسَمِيِّهَا وَاِثْنَا عَشَرَ وَاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ بِالْاِخْتِلَاطِ.

اور چار اور آٹھ اور تین اور چھ کا عدد ہے اپنے اپنے ہمنام کیلئے اور بارہ اور چوبیس کا عدد ہے اختلاط کی صورت میں

مخارج فروض کا بیان

قولہ والفروض الخ یہاں سے مخارج فروض بیان کر رہا ہے جن کی تقسیم ترکات میں ضرورت پیش آتی ہے۔ مخرج اس عدد کو کہتے ہیں جس سے کوئی کسر یعنی حصہ جیسے نصف یا ثلث یا ربع صحیح نکل سکے اور اس سے کم ہو تو بغیر ٹوٹے نہ نکلے، اور اس حصے کو کسر کہتے ہیں قرآن پاک میں جو فرض حصے مذکور ہیں دو طرح کے ہیں تین ایک قسم کے نصف، ربع، ثمن، اور تین دوسری قسم کے یعنی ثلثان، ثلث، سدس، ان کے مخارج کی تشریح یہ ہے کہ آدھے کیلئے مخرج دو کا عدد ہے اور چوتھائی کیلئے چار کا اور آٹھویں حصہ کیلئے آٹھ کا اور دو تہائی اور ایک تہائی کے لئے تین کا اور چھٹے حصے کیلئے چھ کا۔ تو جب مسائل میں ان فروض میں سے ایک ایک آئے تو مخرج اس کا ہمنام ہوگا مثلاً میت نے شوہر اور بیٹا چھوڑا تو شوہر کو بیٹے کی وجہ سے ربع ملے پس اس صورت میں فروض مذکورہ میں سے صرف ربع ہے لہٰذا مسئلہ چار سے ہوگا اور یہی چار اس کا مخرج کہلائے گا۔ صورت یہ ہے

میت	مسئلہ ۴
زوج ۱	ابن ۳

اور جب ان فروض میں سے جب دو دو تین تین آئیں اور سب ایک ہی قسم کے ہوں تو ان کا مخرج وہی ہوگا جو ان میں چھوٹے عدد کا مخرج ہے مثلاً میت نے شوہر اور ایک لڑکی اور ایک چچا چھوڑا تو شوہر کو لڑکی کی وجہ سے ربع ملے گا اور لڑکی کی تنہا ہونے کی وجہ سے نصف لے گی تو یہاں نصف اور ربع جمع ہوئے جن میں چھوٹا عدد اربعہ ہے تو اسی کو مخرج بنایا

جائے گا صورت یہ ہے۔ مسئلہ ۴ — زوج، بنت، عم

اور اگر میت نے بیوی اور ایک لڑکی اور ایک چچا چھوڑا تو زوجہ کو ایک لڑکی کی وجہ سے ثمن ملے گا اور لڑکی نصف لے گی تو یہاں نصف اور ثمن جمع ہوئے جن میں چھوٹا عدد ثمانیہ ہے تو اس کا مخرج آٹھ ہوگا۔ صورت یہ ہے مسئلہ ۸ — زوجہ ۱، بنت ۴، عم ۳

اور اگر پہلی قسم میں سے صرف نصف دوسری قسم کے ایک یا دو یا تینوں کیساتھ مخلوط ہوا تو مسئلہ چھ سے ہوگا اور مخرج چھ کا عدد۔

قولہ واثنا عشر الخ اگر پہلی قسم سے ربع اور دوسری قسم کے ثلثان یا ثلث یا سدس یا تینوں کے ساتھ مخلوط ہو تو مخرج بارہ کا عدد ہوگا۔ مثلاً بیوی اور ماں اور ایک چچا چھوڑا تو زوجہ کا حصہ ربع ہے اور ماں کا ثلث تو ربع کے ساتھ مخلوط ہوا تو مسئلہ بارہ سے ہوگا اور بارہ اس کا مخرج کہلائے گا۔ صورت یہ ہے۔ مسئلہ ۱۲ — زوجہ ۳، ام ۴، عم ۵

اور اگر پہلی قسم سے ثمن دوسری قسم کے کسی فرض کیساتھ مخلوط ہو تو مخرج چوبیس کا عدد ہوگا۔ مثلاً میت نے بیوی اور دو لڑکیاں اور ایک چچا چھوڑا تو زوجہ کا حصہ ثمن ہے اور لڑکیوں کا ثلثان تو مسئلہ چوبیس سے ہوگا۔ صورت یہ ہے مسئلہ ۲۴ — زوجہ ۳، بنتان ۱۶، عم ۵

وَتَعُوْلُ بِزِيَادَةٍ فَسِتَّةٌ اِلٰى عَشَرَةَ وِتْرًا وَشُفْعًا وَاثْنَا عَشَرَ اِلٰى سَبْعَةَ عَشَرَ وِتْرًا وَاَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اِلٰى سَبْعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ

اور عول ہوتا ہے مخارج میں پس چھ عول کرتا ہے دس تک طاق اور جفت اور بارہ سترہ تک بطریق طاق اور چوبیس ستائیس تک

عول کا بیان

تشریح الفقہ : قولہ وتعول الخ تعول عول سے ہے اور عول لغت میں جور و غلبہ، رفع و زیادت مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب حصوں کے مخرج کا عدد کم ہے اور سہام زیادہ ہو جائیں تو مخرج میں کچھ اضافہ کر دیا جاتا ہے تا کہ سب حصے والوں کو ان کے سہام پہنچ جائیں۔ اس اضافہ کا نام عول ہے۔

فائدہ: مجموعہ مخارج سات ہیں ۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۱۲، ۲۴ حقیقت میں یہ کل نو تھے چھ تو فروض ستہ انفراد کی حالت میں اور تین اختلاط کی حالت میں مگر چونکہ ثلث اور ثلثان کا مخرج ایک ہی ہے اس لئے ایک عدد کم ہو گیا نیز نصف اور سدس کی اختلاط میں بھی مخرج ایک ہی ہے یعنی چھ اس لئے ایک اور کم ہو گیا۔ پس سات رہ گئے ان میں سے ۲، ۳، ۴، ۸ کا عول نہیں ہوتا۔ کیونکہ مسئلہ کی جتنی احتمالی صورتیں نکلتی ہیں وہ اپنے مخرج کے برابر ہوتی ہیں اور ۶، ۱۲، ۲۴ میں اکثر اوقات مخرج کم ہوتا ہے اور حق دار زیادہ اس لئے ان میں عول کی ضرورت ہوتی ہے۔ (تنویر، تہذیب)

قولہ فستة الخ چھ کا عول دس تک ہوتا ہے طاق بھی یعنی سات اور نو کی طرف اور جفت بھی یعنی آٹھ اور دس کی طرف۔ اس کی مثالیں یہ ہیں۔ (مثالیں ہیں)

مسئلہ ۶ — ۷: زوج ۳، اختان لاب ۴

مسئلہ ۶ — ۸: زوج ۳، اختان لاب ۴، ام ۱

مسئلہ ۶ — ۹: زوجہ ۳، اختان لاب ۴، اختان لام ۲

مسئلہ ۶ — ۱۰: زوج ۳، اختان لاب ۴، اختان لام ۲، ام ۱

قولہ واثنا عشر الخ بارہ کا عول سترہ تک ہوتا ہے مگر صرف طاق یعنی ۱۳، ۱۵، ۱۷، جفت کی طرف اس کا عول نہیں ہوتا۔ مثالیں یہ ہیں:

مسئلہ ۱۲ عـ ۱۳: زوجہ ۳، اختان عینیہ ۸، ام ۲

مسئلہ ۱۲ عـ ۱۵: زوجہ ۳، اختان عینیہ ۸، اختان لام ۴

مسئلہ ۱۲ عـ ۱۷: زوجہ ۳، اختان عینیہ ۸، اختان لام ۴، ام ۲

قولہ واربعة وعشرون الخ چوبیس کا عول صرف ۲۷ کی طرف ہوتا ہے جیسا کہ مسئلہ منبریہ میں ہے جسکی مثال یہ ہے:

مسئلہ ۲۴ عـ ۲۷: زوجہ ۳، بنتان ۱۶، اب ۴، ام ۴

مسئلہ ۲۴ عـ ۳۱: زوجہ، ام، اختان لاب، اختان لام ۸، ابن کافر = محروم

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ چوبیس کا عول اکتیس تک کرتے ہیں مثال یہ ہے ابن کافر ہمارے نزدیک حاجب نہیں ہوتا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک حاجب بحجب نقصان ہوتا ہے اس لئے زوجہ کو چوتھائی کے بجائے آٹھواں حصہ دیا گیا اور ام کو چھٹا' عول کی بحث کا حاصل یہ نکلا کہ چھ کا عول چار مرتبہ ہوتا ہے اور بارہ کا تین مرتبہ اور چوبیس کا صرف ایک مرتبہ۔

فائدہ: مسئلہ منبریہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کوفہ کی مسجد میں منبر پر خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے اسی وقت یہ مسئلہ دریافت کیا گیا آپ نے فوراً جواب دیا جس سے سائل اور سامعین حیران رہ گئے۔ (تنویر بتہذیب)

وَاِنْ اِنْكَسَرَ حَظُّ فَرِيْقٍ ضُرِبَ وَفْقُ الْعَدَدِ فِي الْفَرِيْضَةِ اِنْ وَافَقَ.

اگر ٹوٹ جائے کسی فریق کا حصہ تو ضرب دیجائیگی وفق رؤس کو اصل مسئلہ میں اگر توافق ہو۔

کسر پوری کرنے کی ترکیب

تشریح الفقہ: **قولہ وان انکسر الخ** یہاں سے مسائل تصحیح کا آغاز ہے دو عددوں میں چار نسبتوں میں سے کوئی ایک ہوا کرتی ہے۔ تماثل' تداخل' توافق' تباین۔ تماثل دو عددوں کے برابر ہونے کو کہتے ہیں جیسے چار چار یا دس دس۔ تداخل اس کو کہتے ہیں کہ دو عددوں میں سے بڑا عدد چھوٹے پر پورا تقسیم ہو جائے کہ کسر باقی نہ ہو۔ یا کہ ان میں چھوٹے عدد کو نکالتے جائیں تو دوبارہ یا اس سے زیادہ میں بڑا عدد فناء ہو جائے۔ مثلاً پچیس اور پانچ میں تداخل ہے کہ پچیس پانچ پر پورا تقسیم ہو جاتا ہے اور پانچ پانچ کم کرنے سے پچیس کا عدد پانچ مرتبہ میں فنا ہو جاتا ہے۔ توافق اس کو کہتے ہیں کہ دو عددوں میں توافق بالربع کہلاتا ہے اور ایک ربع کو ضرب کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر تہائی میں موافق ہوں تو ایک کی تہائی کو ضرب کرتے ہیں۔ **وعلی ھذا القیاس**۔ تباین اس کو کہتے ہیں کہ ایک کہ عدد کے علاوہ کوئی تیسرا عدد بھی ان دونوں کو فناء نہ کرے جیسے نو اور دس ہے۔ ان نسبتوں کو معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بڑے عدد کو چھوٹے عدد پر تقسیم کریں اگر پہلی تقسیم میں کچھ نہ رہے تو تداخل ہے اور باقی رہے تو باقی پر چھوٹے کو تقسیم کریں اسی طرح کرتے جائیں اگر کسی تقسیم میں کچھ نہ رہے تو دیکھیں گے کہ اس کا مقسوم علیہ کیا ہے اگر دو ہوں تو دونوں عددوں میں **توافق بالنصف ہو گا اور تین ہو تو افق بالثلث وعلی ھذا القیاس**' اور اگر پہلی تقسیم میں یا اور کسی تقسیم میں ایک عدد بچ رہے تو ان دونوں میں تباین ہو گا (احسن بتغییر)۔

قولہ حظ فریق الخ اگر ورثہ کے ہر فریق کے حصے ان پر بلا کسر تقسیم ہو جائیں تب تو ضرب کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً میت نے والدین اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ تو والدین کو چھٹا چھٹا یعنی ایک ایک ملے گا۔ جو ان پر بلا کسر تقسیم ہو جاتا ہے اسی طرح دو بیٹیوں کو دو

تہائی یعنی چار ملیں گے۔اور چار بھی ان پر بلا کسر تقسیم ہوجاتا ہے تو ضرب کی ضرورت نہیں صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۶

اب	ام	بنت	بنت

لیکن اگر برابر تقسیم نہ ہو تو ضرب کی ضرورت ہوگی ہم دیکھیں گے کہ کسر کسی ایک فریق پر ہے یا زائد پر اگر ایک ہی فریق پر ہو تو اس فریق کے سہام اور روس میں نسبت کو دیکھیں گے اگر توافق کی نسبت ہو تو وفق روس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے اور اگر مسئلہ میں عول ہو تو عول میں ضرب دیں گے مثلاً میت نے والدین اور دس لڑکیاں چھوڑی تو ماں باپ کو سدس سدس ملے گا اور لڑکیوں کو دو تہائی پس مسئلہ چھ سے ہوا کیونکہ سدس اور ثلثان جمع ہے اب ماں باپ پر تو ایک ایک برابر تقسیم ہے لیکن دس لڑکیوں پر چار منقسم نہیں ہوتے تو اس کا وفق نکالیں گے سو عدد روس یعنی دس اور عدد سہام یعنی چار میں توافق بالنصف ہے۔ کیونکہ دو چار کو دو مرتبہ اور دس کو پانچ مرتبہ فنا کررہا ہے پس وفق روس یعنی پانچ کو اصل مسئلہ یعنی چھ میں ضرب دیں گے جس سے تیس حاصل ہونگے۔ پھر وفق روس (پانچ) کو سہام سے ضرب دے کر تقسیم کردیں گے پس والدین کو پانچ پانچ ملیں گے اور دس لڑکیوں کو مجموعۃً بیس اور فرداً فرداً دو دو۔صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۶ تصح ۳۰　　　دتی ۵

اب	ام	بنات ۱۰
۱/۵	۱/۵	۴/۲۰

عول کی مثال یہ ہے:

مسئلہ ۱۲ عـ ۱۵ تصح ۴۵

زوج	اب	ام	بنات ۶
۳/۹	۲/۶	۲/۶	۸/۲۴

وَاِلَّا فَالْعَدَدُ فِي الْفَرِيْضَةِ فَالْمَبْلَغُ مَخْرَجٌ وَاِنْ تَعَدَّدَ الْكَسْرُ وَتَمَاثَلَ ضُرِبَ وَاحِدٌ فَاِنْ تَدَاخَلَ فَالْاَكْثَرُ

ورنہ کل عدد روس کو اصل مسئلہ میں پس حاصل ضرب مخرج ہوگا اور اگر کئی جگہ ہو کسر اور تماثل ہو تو ضرب دیجائیگی ایک کو اور اگر تداخل ہو تو بڑے عدد کو

وَاِنْ تَوَافَقَ فَالْوُفُقُ وَاِلَّا فَالْعَدَدُ فِي الْعَدَدِ ثُمَّ وَثُمَّ ثُمَّ الْمَبْلَغُ فِي الْفَرِيْضَةِ وَعَوْلِهَا.

اور توافق ہو تو وفق عدد کو ورنہ عدد روس کو دوسرے عدد میں ضرب کرتے جائیں گے پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں اور عول ہو تو عول میں ضرب دینگے

تشریح الفقہ: **قوله والا فالعدد الخ** کسر تو ایک ہی فریق پر ہو لیکن عدد روس اور سہام میں توافق نہ ہو تباین ہو تو جس فریق کے سہام میں کسر ہے اس کے کل عدد روس کو اصل مسئلے میں ضرب دیں گے اور اگر اصل مسئلے میں عول ہو تو عول میں ضرب دیں گے مثلاً میت نے والدین اور پانچ لڑکیاں چھوڑی تو والدین کو چھٹا چھٹا یعنی ایک ایک اور پانچ لڑکیوں کو دو تہائی یعنی چار ملے اور لڑکیوں والے فریق کے سہام میں کسر ہے اور عدد سہام (چار) اور عدد روس (پانچ) میں تباین ہے۔تو عدد روس یعنی پانچ کو اصل مسئلہ یعنی چھ سے ضرب دیں گے۔ صورت یہ ہے

مسئلہ ۶ تصح ۳۰

اب	ام	بنات ۵
۱/۵	۱/۵	۴/۲۰

عول کی مثال یہ ہے　مسئلہ ۱۶ عـ ۷ تصح ۳۵

زوج	اخوت لام ۵
۳/۱۵	۴/۲۰

قوله وان تعدد الكسر الخ اگر دو یا اس سے زیادہ فریقوں پر کسر ہو تو جس جس فریق پر کسر ہو تو ان کے عدد سہام اور عدد روس میں مثل سابق نسبت کا لحاظ کریں گے اگر ان میں تماثل ہو تو اعداد مماثلہ میں سے کسی ایک کو اصل مسئلہ میں ضرب دیدیں گے مسئلہ صحیح ہوجائیگا۔ مثلاً میت نے چھ لڑکیاں، تین جدات اور تین چچا چھوڑے تو یہاں سدس اور ثلثان جمع ہونے کیوجہ سے اصل مسئلہ چھ سے ہوا

جس میں ان کے سہام (چار) میں توافق بالنصف ہے پس نصف رؤس (تین) کو جو وفق رؤس ہے پھر محفوظ رکھا اور جدات کے سہام ورؤس میں اسی طرح ہوگا اسی طرح اعمام کے سہام ورؤس میں تباین ہے اسی لئے ہر ایک کے کل رؤس (تین) کو محفوظ رکھا اس کے بعد ان تمام اعداد محفوظہ میں نسبت تلاش کی۔تو تماثل پایا تو ان میں سے کسی ایک (تین) کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے اٹھارہ حاصل ہونگے اور اسی اٹھارہ سے سب کو تقسیم کیا جائے گا۔صورت یہ ہے۔

مسئلہ ٦ تصح ١٨

بنات ٦	جدات ٣	اعمام ٣
٢/١٢	١/٣	١/٣

قولہ وان تداخل الخ اور اگر بعض اعداد کا بعض میں تداخل ہو تو سب سے بڑے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے مسئلہ صحیح ہو جائے گا مثلاً میت نے چار بیویاں، تین جدات اور بارہ اعمام چھوڑے تو زوجات ربع کی حق دار ہیں اور جدات سدس کی پس ربع وسدس کے جمع ہونے کیوجہ سے اصل مسئلہ بارہ سے ہوا ربع (تین) زوجات کے ہوئے اور سدس (دو) جدات کے ہوئے اور باقی بطریق عصوبت اعمام کا ہوا۔اب یہاں رؤس میں تداخل کی نسبت ہے کیونکہ ۳،۴،۱۲ میں ۴،۱۲ سے یا تین سے تقسیم ہو جاتا ہے۔تو سب سے بڑے عدد (بارہ) کو اصل مسئلہ (بارہ) سے ضرب دیں گے جس سے ۱۴۴ حاصل ہوں گے۔پس اسی بارہ کو زوجات کے حق ربع (تین) سے ضرب دیں گے تو چاروں زوجات کو مجموعہ ۳۶ اور فی کس نو ملیں گے اور تین جدات کے حق سدس (دو) کو بارہ سے ضرب دیں گے تو تینوں جدات کو مجموعہ ۲۴ اور فی کس آٹھ ملیں گے اور بارہ اعمام کے حق عصوبت (سات) کو بارہ سے ضرب دیں گے۔تو بارہ اعمام کو مجموعہ ۸۴ اور فی کس سات ملیں گے۔ صورت یہ ہے:

مسئلہ ۲ تصح ۱۴۴

زوجات ۴	جسات ۳	اعمام ۱۲
۹/۳۶	۸/۲۴	۷/۸۴

قولہ وان توافق الخ اگر بعض اعداد کو بعض کیساتھ توافق کی نسبت ہو تو کسی ایک عدد کے وفق کو دوسرے کے تمام سے ضرب دیا جائے گا پھر حاصل ضرب کو تیسرے عدد کے وفق سے ضرب دیا جائے گا۔بشرطیکہ حاصل ضرب کو تیسرے کے ساتھ توافق ہو۔ورنہ حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے گا مسئلہ میت نے چار زوجات، اٹھارہ لڑکیاں، پندرہ دادیاں، اور چھ چچا چھوڑے تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہوا چار زوجات کو ثمن (تین) ملے جن کے سہام ؤرس میں تباین ہے اس لئے ہم نے جمیع عدد رؤس (چار) کو محفوظ رکھا اور اٹھارہ لڑکیوں کو دو تہائی (سولہ) ملے جو ان پر برابر تقسیم نہیں ہوتے اور رؤس وسہام میں توافق بالنصف ہے لہٰذا عدد رؤس (نو) کو محفوظ رکھا اور پندرہ جدات کے لئے سدس (چار) ہیں اور رؤس سہام میں تباین ہے لہٰذا جمیع رؤس (پندرہ) کو محفوظ کیا اور چھ اعمام کے بقیہ باقی (ایک) ہے۔ان کے رؤس اور سہام میں بھی تباین ہے لہٰذا جمیع عدد رؤس (پندرہ) کو محفوظ کیا اب کل عدد رؤس محفوظہ ۴،۹،۱۵،۶ ہوئے۔اور ہم نے ان میں نسبت تلاش کی ۴،۶ میں توافق بالنصف نکلا اس لئے چار کے نصف دو کو چھ میں ضرب دیا تو حاصل ضرب بارہ ہوئے اور اب بارہ اور نو میں توافق بالثلث کی نسبت ہوئی تو بارہ کے ثلث چار کو نو سے ضرب دیا تو حاصل ضرب ۳۶ ہوئے اب ۳۶ اور ۱۵ میں بھی توافق بالثلث ہوا اس لئے چھتیس کے ثلث بارہ کو پندرہ سے ضرب دیا تو حاصل ضرب ۱۸۰ ہوئے پھر اس مجموعہ کو اصل مسئلہ ۲۴ سے ضرب دیا ۴۳۲۰ ہوا پس ۱۸۰ کو ہر ایک حصہ میں ضرب دینے سے چار زوجات کو مجموعۃً ۵۴۰ اور فرداً فرداً ۱۳۵ اور اٹھارہ لڑکیوں کو مجموعۃً ۲۸۸۰ اور فرداً فرداً ایک سو ساٹھ اور پندرہ جدات کو مجموعۃً سات سو بیس اور سولہ اعمام کو مجموعۃً ایک سو اسی اور فرداً فرداً تیس ملیں گے۔صورت یہ ہے:

مسئلہ ۲۴ تصح ۴۳۲۰

زوجات ۴	بنات ۱۸	جدات ۱۵	اعمام ۶
۱۳۵/۵۴۰	۱۶۰/۲۸۸۰	۴۸/۷۲۰	۱/۱۸۰

قولہ والا فالعدد الخ اگر اعداد میں توافق نہ ہو تباین ہو تو کسی ایک عدد کو جمیع ثانی میں ضرب دیں گے اور اس کے حاصل ضرب کو جمیع ثالث میں پھر اس کے حاصل ضرب کو جمیع رابع میں و ہکذا اس کے بعد جو کچھ جمع ہو اس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے اور عول ہو تو عول میں ضرب دیں گے مثلاً میت نے دو بیویاں' چھ دادیاں' دس لڑکیاں اور سات چچا چھوڑے تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہوا جس کا ثمن (تین) دو بیویوں کو ملا۔ اور ان کے رؤس وسہام میں تباین ہے اس لئے کل عدد رؤس (دو) کو محفوظ رکھا اور سدس (چار) جدات کو ملا ان کے رؤس سہام میں توافق بالنصف ہے اس لئے نصف عدد روس (تین) کو محفوظ کیا اور دو تہائی (سولہ) دس لڑکیوں کو ملا۔ انمیں بھی توافق ہے اس لئے نصف عدد رؤس (پانچ) کو محفوظ کرلیا۔ اب کل ۲،۳،۵،۷ متباینہ اعداد ہو گئے۔ پس ہم نے دو کو تین سے ضرب دیا تو چھ ہوئے۔ پھر حاصل ضرب چھ کو پانچ سے ضرب دیا تو تیس ہوئے پھر تیس کو سات سے ضرب دیا تو دو سو دس ہوئے۔ اب اس مجموعہ کو اصل مسئلہ چوبیس میں ضرب دیا تو کل ۵۰۴۰ ہوئے اسی سے سب کو حصے ملیں گے بایں طور کہ حاصل ضرب دو سو دس کو ہر فریق کے حصہ میں ضرب دیا تو دو زوجات کو مجموعۃً چھ سو تیس اور فرداً فرداً تین سو پندرہ اور چھ جدات کو مجموعۃً ایک ہزار آٹھ سو چالیس اور فرداً فرداً چار سو دو ملے۔ اور دس بنات کو مجموعۃً تین ہزار تین سو ساٹھ اور فرداً فرداً تین سو چھتیس اور سات اعمام کو مجموعۃً دو سو دس اور فرداً فرداً تیس ملیں گے۔

صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۲۴ تصح ۵۰۴۰

زوجات ۲	جدات ۶	بنات ۱۰	اعمام ۷
۳ / ۶۳۰	۴ / ۸۴۰	۱۶ / ۳۳۶۰	۱ / ۲۱۰

وَمَا فَضَلَ يُرَدُّ عَلٰى ذَوِى الْفُرُوْضِ بِقَدْرِ سِهَامِهِمْ اِلَّا عَلَى الزَّوْجَيْنِ فَاِنْ كَانَ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ جِنْسًا وَاحِدًا

اور جو بچ جائے وہ لوٹایا جائیگا ذوی الفروض کو ان کے سہام کے مطابق سوائے زوجین کے پس اگر ہو من یرد علیہ واحد

فَالْمَسْئَلَةُ مِنْ رُؤُسِهِمْ كَبِنْتَيْنِ اَوْ اُخْتَيْنِ.

تو مسئلہ ان کی شمار کے موافق ہوگا جیسے دو بیٹیاں یا دو بہنیں۔

مسائل رد کی تفصیل

تشریح الفقہ : قولہ وما فضل الخ۔ یہاں سے مسائل رد بیان کر رہا ہے، رد عول کی ضد ہے کیونکہ عول میں سہام مخرج سے زیادہ ہوتے ہیں اور رد میں مخرج سہام سے زیادہ ہوتا ہے۔ رد کی اصطلاحی تعریف یہ ہے "**صرف الباقی من الفروض النسبیہ بقدر حقوقھم عند عدم عصبتہ**" یعنی تقسیم اول کے بعد نسبی ذوی الفروض سے بچے ہوئے مال کو ان ہی پر ان کے حصوں کے مطابق صرف کرنا رد کہلاتا ہے۔ اس میں نسبیہ کی قید احترازی ہے، پس جو ذوی الفروض نسبی نہ ہوں ان پر رد نہ ہوگا۔ اسی لئے زوجین پر رد نہیں ہوتا کیونکہ ان سے نسبی رشتہ نہیں ہے۔ اکثر صحابۂ کرام کا یہی قول ہے اسی کو احناف نے لیا ہے، حضرت زید بن ثابت کے نزدیک ذوی الفروض پر کسی حال میں بھی رد نہیں ہو سکتا بلکہ فاضل مال بیت المال کا ہے، امام مالک، امام شافعی اور زہری وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔

قولہ الاعلی الزوجین الخ۔ متقدمین احناف کا قول تو وہی ہے جو جمہور صحابہ کا ہے کہ زوجین پر رد نہیں ہوتا لیکن متاخرین احناف اور بعض شوافع یہ فرماتے ہیں کہ جب بیت المال غیر منتظم ہو تو زوجین پر بھی بقدر حقوق رد ہوگا۔ بشرطیکہ دوسرے مستحقین نہ ہوں، رد المحتار میں مستصفی سے نقل کیا ہے کہ اس زمانہ میں فتوی جواز رد پر ہے۔ اشباہ میں بھی یہی ہے۔

قولہ فان کان الخ مسائل رد چار قسم پر ہیں۔ اول یہ کہ مسئلہ میں صرف وہی ایک جنس کے لوگ ہوں جن پر رد ہوتا ہے (اور من لا یرد

علیہ نہ ہوں) دوم یہ کہ مسئلہ میں صرف ایک جنس کے لوگ نہ ہوں بلکہ دو یا اس سے زیادہ جنسیں ہوں اور من لا یرد علیہ نہ ہو۔ سوم یہ کہ ایک جنس کے لوگ ہوں اور ان کے ساتھ من لا یرد علیہ بھی ہو۔ چہارم یہ کہ ایک جنس کے لوگ نہ ہوں بلکہ دو یا اس سے زیادہ جنسیں ہوں اور ان کے ساتھ من لا یرد بھی ہو۔

پہلی قسم کی تشریح یہ ہے کہ اگر مسئلہ میں صرف ایک ہی جنس کے لوگ ہوں اور من لا یرد علیہ نہ ہو تو اس صورت میں مسئلہ ان کے عدد رؤس کے مطابق ہوگا مثلاً میت نے دو لڑکیاں چھوڑیں تو اصل مسئلہ تین سے ہونا چاہئے کیونکہ بنتان کا حق ثلثین ہے لیکن اگر تین سے کیا جائے تو ایک بچتا ہے جو پھر انہی پر رد کیا جائیگا اس لئے مسئلہ ابتداءً ہی دو سے کر کے نصفا نصف کر دیا جائیگا۔ محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَالَّا فَمِنْ سِهَامِهِمْ فَمِنْ اِثْنَيْنِ لَوْسُدُسَانِ وَثَلٰثَةٍ لَوْثُلُثٌ وَسُدُسٌ وَاَرْبَعَةٍ لَوْ نِصْفٌ وَسُدُسٌ

ورنہ ان کے سہام کے موافق ہوگا پس دو سے ہوگا اگر دو سدس ہوں اور تین سے اگر تہائی اور چھٹا ہو اور چار سے اگر آدھا اور چھٹا ہو

وَخَمْسَةٍ لَوْثُلُثَانِ وَسُدُسٌ اَوْ نِصْفٌ وَسُدُسَانِ اَوْنِصْفٌ وَثُلُثٌ وَلَوْ مَعَ الاَوَّلِ مَنْ لاَيُرَدُّ عَلَيْهِ

اور پانچ سے اگر دو تہائی اور چھٹا یا آدھا اور دو چھٹے یا آدھا اور تہائی ہو اور اگر ہو اول کے ساتھ وہ جس پر رد نہیں ہوتا

اَعْطِ فَرْضَهُ مِنْ اَقَلِّ مَخَارِجِهٖ ثُمَّ اقْسِمِ الْبَاقِي عَلٰى مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ كَزَوْجٍ وَثَلٰثِ بَنَاتٍ وَاِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ

تو دیدے اس کا فرض اقل مخارج سے پھر تقسیم کر دے باقی من یرد علیہ پر جیسے شوہر اور تین بیٹیاں اور اگر پورا نہ بٹے

فَاِنْ وَافَقَ رُؤُسَهُمْ فَاضْرِبْ وُفْقَ رُؤُسِهِمْ فِي مَخْرَجِ مَنْ لاَيُرَدُّ عَلَيْهِ كَزَوْجٍ وَسِتِّ بَنَاتٍ وَاِلاَّ فَاضْرِبْ

تو پھر اگر ان کے رؤس میں توافق ہو تو ضرب دے وفق رؤس کو من لا یرد علیہ کے مخرج میں جیسے شوہر اور چھ بیٹیاں ورنہ ضرب دے

كُلَّ رُؤُسِهِمْ فِي مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لاَيُرَدُّ عَلَيْهِ كَزَوْجٍ وَخَمْسِ بَنَاتٍ.

کل رؤس کو من لا یرد علیہ کے فرض کے مخرج میں جیسے شوہر اور پانچ بیٹیاں۔

تشریح الفقہ: قولہ والا الخ دوسری قسم کا بیان ہے کہ اگر مسئلہ میں صرف من یرد علیہ ہوں اور جنس واحد کے نہ ہوں دو یا اس سے زائد کے ہوں تو مسئلہ ان کے سہام سے ہوگا پس اگر مسئلہ میں دو سدس جمع ہوں تو مسئلہ دو سے ہوگا جیسے (مسئلہ ۲: جدہ ۱، اخت لام ۱) اور ثلث اور سدس جمع ہوں تو تین سے ہوگا جیسے (مسئلہ ۳: ولد ام ۲، ام ۱) اور اگر نصف اور سدس جمع ہوں تو چار سے ہوگا جیسے (مسئلہ ۴: بنت ۳، ام ۱) اور اگر ثلثان وسدس، نصف وسدس، نصف وثلث جمع ہوں تو پانچ سے ہوگا جیسے (مسئلہ ۵: بنت ۴، ام ۱) (مسئلہ ۵: بنت ۳، بنت الابن ۱، ام ۱) (مسئلہ ۵: حقیقی بہن ۳، ام ۲) یہ سب مسئلے اصل میں چھ سے تھے

قولہ ولو مع الاول الخ۔ تیسری قسم کا بیان ہے کہ اگر مسئلہ میں ایک جنس کے لوگ ہوں اور ان کے ساتھ من لا یرد علیہ بھی ہو تو من لا یرد علیہ کو اس کے اقل مخارج سے ضرب دیکر باقی مال من یرد علیہ پر تقسیم کر دیا جائیگا اگر برابر تقسیم ہو جاتا ہو جیسے (مسئلہ ۴: زوج ۱، بنات ۳) اور اگر باقی مال من یرد علیہ پر برابر تقسیم نہ ہوتا ہو تو دیکھا جائیگا کہ عدد رؤس وعدد سہام میں توافق ہے یا نہیں۔ اگر توافق ہو تو وفق رؤس کو اصل میں ضرب دیں گے مثلاً میت نے زوج اور چھ لڑکیاں چھوڑیں تو زوج کا فرض اقل مخارج یعنی چار سے ایک دیا تو تین بچے جو چھ لڑکیوں پر برابر تقسیم نہیں ہوتے اس لئے چھ کے وفق یعنی ۲ کو اصل مسئلہ یعنی چار سے ضرب دیجائیگی حاصل ضرب آٹھ ہوں گے جس میں دو زوج کو ملیں گے اور چھ حصے چھ لڑکیوں کو، صورت یہ ہے (مسئلہ ۴ تصح ۸، وفق ۲: زوج ۲، بنات ۶) اور اگر عدد رؤس وعدد سہام میں توافق نہ ہو تباین ہو تو کل رؤس کو من لا یرد علیہ کے فرض کے مخرج میں ضرب دیں گے مثلاً میت نے زوج اور پانچ لڑکیاں چھوڑیں تو زوج کو اقل

مخارج یعنی ۴ سے ایک دینے کے بعد تین بچے جو ۵ لڑکیوں پر تقسیم نہیں ہوسکتے اور تین اور ۵ میں تباین ہے اس لئے کل عدد روس (۵) کو اصل مسئلہ یعنی چار سے ضرب دیں گے حاصل ضرب بیس ہوگا تو زوج کو ۵ اور لڑکیوں کو مجموعہ (۱۵) اور فی کس تین تین ملینگے۔ صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۴ تصح ۲۰

زوج	بنات ۵
۵	۱۵

وَلَوْ مَعَ الثَّانِی مَنْ لَایُرَدُّ عَلَیْهِ فَاقْسِمْ مَابَقِیَ مِنْ مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَایُرَدُّ عَلَیْهِ عَلٰی مَسْئَلَةِ مَنْ یُرَدُّ عَلَیْهِ

اور اگر ہو ثانی کے ساتھ من لایرد علیہ تو تقسیم کر اس کو جو باقی رہے من لایرد علیہ کے فرض کے مخرج سے من یرد علیہ کے مسئلہ پر

کَزَوْجَةٍ وَاَرْبَعِ جَدَّاتٍ وَسِتِّ اَخَوَاتٍ لِاُمٍّ وَاِنْ لَمْ یَسْتَقِمْ فَاضْرِبْ سِهَامَ مَنْ یُرَدُّ عَلَیْهِ

جیسے بیوی اور چار جدات اور چھ اخیافی بہنیں اور اگر پورا نہ بٹے تو ضرب دے من یرد علیہ کے سہام کو

فِیْ مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَایُرَدُّ عَلَیْهِ کَاَرْبَعِ زَوْجَاتٍ وَتِسْعِ بَنَاتٍ وَسِتِّ جَدَّاتٍ ثُمَّ اضْرِبْ سِهَامَ مَنْ لَایُرَدُّ عَلَیْهِ

من لایرد علیہ کے فرض کے مخرج میں جیسے چار بیویاں اور نو بیٹیاں اور چھ جدات پھر ضرب دے من لایرد علیہ کے سہام کو

فِیْ مَسْئَلَةِ مَنْ یُرَدُّ عَلَیْهِ وَسِهَامَ مَنْ یُرَدُّ عَلَیْهِ فِیْمَا بَقِیَ مِنْ مَخْرَجِ مَنْ لَایُرَدُّ عَلَیْهِ وَاِنِ انْکَسَرَ فَصَحِّحْ کَمَا مَرَّ

من یرد علیہ کے مسئلہ میں اور من یرد علیہ کے سہام کو اس میں جو باقی رہے من لایرد علیہ کے مخرج سے اور اگر کسر واقع ہو تو تصحیح کر مثل سابق

تشریح الفقہ : قولہ ولو مع الثانی الخ۔ چوتھی قسم کا بیان ہے کہ اگر مسئلہ میں ایک جنس کے لوگ نہ ہوں اور ان کیساتھ من لایرد علیہ بھی ہو تو اس صورت میں اس مال کو جو من لایرد علیہ فرض کے مخرج سے باقی رہا ہے اس کو من یرد علیہ کے مسئلہ سے تقسیم کردو۔ مثلاً میت نے زوجہ، چار جدات اور چھ اخوات لام چھوڑیں تو زوجہ کو اس کا فرض (ربع اقل مخارج (۴) سے ایک دینے کے بعد تین بچے، اب ہم نے من لایرد علیہ کو معدوم فرض کرکے من لایرد علیہ یعنی دادیوں اور ماں شریک بہنوں کا مسئلہ علیحدہ کیا جو دو جنس کی ہیں تو دادیاں چھٹے حصے کی مستحق ہیں لہذا انہیں ایک دیا اور ماں شریک بہنیں ثلث کی مستحق ہیں اس لئے انہیں دو دیئے۔ پھر سب کے عدد روس و عدد سہام میں نسبت دیکھی تو چار دادیوں اور ان کے سہام (۱) میں تباین کی نسبت نکلی اس لئے ایک کو دوسرے سے ضرب دی اور حاصل ضرب یعنی بارہ کو اصل مسئلہ یعنی چار سے ضرب دی تو کل حاصل ضرب ۴۸ ہوئے۔ اسی سے سب کو تقسیم کیا جائیگا تو ایک بیوی کو بارہ اور چار دادیوں کو مجموعۂ بارہ اور فی کس تین تین اور چھ ماں شریک بہنوں کو مجموعۂ چوبیس اور فی کس ۴ ملیں گے صورت یہ ہے۔

مسئلہ ۴ تصح ۴۸

زوجہ	جدات ۴	اخوات لام ۶
۱ / ۱۲	۱ / ۱۲	۲ / ۲۴

قولہ وان لم یستقم الخ۔ اور اگر من لایردعلیہ کے فرض کا مخرج من یردعلیہ کے مسئلہ پر مستقیم نہ ہو تو من یردعلیہ کے جمیع مسئلہ کو من لایردعلیہ کے فرض کے مخرج سے ضرب دیدو پس حاصل ضرب فریقین کے فروض کا مخرج ہوگا۔ پھر من لایردعلیہ کے سہام کو من لایردعلیہ کے مسئلہ میں ضرب دو اور من لایرد کے سہام کو من لایردعلیہ کے مخرج سے بچے ہوئے عدد سے ضرب دو۔

وَاِنْ مَاتَ الْبَعْضُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَصَحِّحْ مَسْئَلَةَ الْمَيِّتِ الاَوَّلِ وَاَعْطِ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ ثُمَّ صَحِّحْ

اگر مرجائے کوئی تقسیم سے پہلے تو تصحیح کر میت اول کے مسئلہ کو اور دے ہر وارث کا حصہ پھر تصحیح کر

مَسْئَلَةَ الْمَيِّتِ الثَّانِي فَانْظُرْ بَيْنَ مَافِي يَدِهِ مِنَ التَّصْحِيحِ الاَوَّلِ وَبَيْنَ التَّصْحِيحِ الثَّانِي ثَلٰثَةَ اَحْوَالٍ

میت ثانی کا مسئلہ پس لحاظ کر تصحیح اول کے مافی الید میں اور تصحیح ثانی میں تین حالتوں کا

فَاِنْ اسْتَقَامَ مَافِي يَدِهِ مِنَ التَّصْحِيحِ الاَوَّلِ عَلَى التَّصْحِيحِ الثَّانِي فَلاَ ضَرْبَ وَصَحَّتَا مِنْ تَصْحِيحِ الْمَيِّتِ الاَوَّلِ

پس اگر مستقیم ہو تصحیح اول کا مافی الید تصحیح ثانی پر تو ضرب کی ضرورت نہیں بلکہ صحیح ہوجائیں گے دونوں مسئلے میت اول کی تصحیح سے

وَاِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ فَاِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا مُوَافَقَةٌ فَاضْرِبْ وُفْقَ التَّصْحِيحِ الثَّانِي فِي كُلِّ التَّصْحِيحِ الاَوَّلِ

اور اگر مستقیم نہ ہو تو اگر ان میں موافقت ہو تو ضرب دے تصحیح ثانی کے وفق کو تصحیح اول کے کل میں

وَاِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا مُبَايَنَةٌ فَاضْرِبْ كُلَّ التَّصْحِيحِ الثَّانِي فِي التَّصْحِيحِ الاَوَّلِ فَالْمَبْلَغُ مَخْرَجُ الْمَسْئَلَتَيْنِ

اور اگر ان میں مباینت ہو تو ضرب دے کل تصحیح ثانی کو تصحیح اول میں پس حاصل ضرب دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا

وَاضْرِبْ سِهَامَ وَرَثَةِ الْمَيِّتِ الاَوَّلِ فِي التَّصْحِيحِ الثَّانِي اَوْ فِي وُفْقِهِ

اور ضرب دے میت اول کے ورثہ کے سہام کو تصحیح ثانی میں یا اس کے وفق میں

وَسِهَامَ وَرَثَةِ الْمَيِّتِ الثَّانِي فِي نَصِيبِ الْمَيِّتِ الثَّانِي اَوْ فِي وُفْقِهِ.

اور میت ثانی کے ورثہ کے سہام کو میت ثانی کے نصیب میں یا اس کے وفق میں۔

مناسخہ

تشریح الفقہ : قولہ وان مات البعض الخ۔ یہاں سے مناسخہ کے احکام بیان کررہا ہے، مناسخہ نسخ سے ہے بمعنی نقل وتحویل، یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ ہنوز میت اول کا ترکہ ورثہ پر تقسیم نہ ہوا ہو کہ کوئی وارث مرجائے اور اس کے حصہ کا مال پچھلوں کی طرف منتقل ہوجائے ایسی صورت میں پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کیجائیگی اور ہر وارث کے سہام دیدئے جائیں گے پھر میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کیجائیگی اور دونوں تصحیحوں کے مافی الید میں غور کریں گے کہ ان میں استقامت ہے یا توافق یا تباین۔ اگر تصحیح اول کا مافی الید تصحیح ثانی پر مستقیم ہو یعنی اسکے وارثوں پر بلا کسر مقسوم ہوجائے تب تو ضرب وغیرہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں اور اگر مستقیم نہ ہو اور میت ثانی کے سہام میں اور اس کے مسئلہ میں توافق نہ ہو تباین ہو تو جمیع تصحیح ثانی کو جمیع تصحیح اول میں ضرب دیں گے پس جو حاصل ضرب ہو وہ دونوں مسئلوں کا مخرج ہوگا اس کے بعد میت اول کے سہام کو مضروب میں ضرب دیں گے یعنی بتقدیر مباینت تصحیح ثانی میں اور بتقدیر توافق تصحیح ثانی کے وفق میں ضرب دیں گے، اس طریق پر ہر وارث کا حصہ مبلغ مذکور سے نکل آئیگا، اس کی ایک جامع مثال جس میں احوال ثلثہ یعنی استقامت اور توافق اور تباین مجتمع ہوں یہ ہے کہ ایک عورت زوج اور بیٹی اور ماں چھوڑ کر مرگئی پھر زوج تقسیم ترکہ سے پیشتر ایک زوجہ اور والدین چھوڑ کر مرگیا پھر بیٹی دو بیٹے اور ایک بیٹی اور اس جدہ کو چھوڑ کر مرگئی جو میت اول کی ماں ہے پھر وہ جدہ، زوج اور دو بھائی چھوڑ کر مرگئی تو اس میں میت ثانی استقامت کی مثال ہے۔ اور میت ثالث توافق کی اور میت رابع تباین کی۔ اب ہم نے پہلے میت اول کا مسئلہ صحیح کیا اور ہر وارث کو اس کے

سہام دیئے پھر ثانی مسئلہ کی تصحیح کی اور میت ثانی اور اس کی تصحیح میں غور کیا تو مسئلہ اولی کی تصحیح نصف وربع اور سدس کے اجتماع کی وجہ سے بارہ سے ہوئی اور ردفرض کرنا پڑا، بایں طور کہ زوج کے تین سہم اور بنت کے چھ اور ماں کے دو ہوئے ایک سہم باقی رہا اس کو بیٹی اور ماں پر ان کے سہام کے مطابق رد کرینگے تو عمل رد کی ضرورت پڑی، سو اس مسئلہ میں من یردعلیہ کی دو جنسوں کے ساتھ من لا یردعلیہ جمع ہوا یعنی بنت اور ام کیساتھ زوج، تو زوج کا حصہ اقل مخارج یعنی ۴ سے دیا اور من لا یردعلیہ کا مسئلہ بھی چار ہے اس واسطے کہ اگر ربع سے قطع نظر کریں تو مسئلہ چھ سے ہے۔ نصف یعنی تین بنت کا فرض ہے اور سدس یعنی ایک ام کا ہے تو من یردعلیہ کا مسئلہ چار ہوا اور زوج کو دینے کے بعد تین باقی ہے وہ من یردعلیہ کے مسئلہ پر مستقیم نہیں تو من لا یردعلیہ کے فرض کے مخرج میں من یردعلیہ کے مسئلہ کو یعنی چار کو ضرب دینے کی ضرورت پڑی اور من لا یردعلیہ کے فرض کا مخرج بھی چار ہے تو چار کو چار میں ضرب دینے سے ۱۶ حاصل ہوئے۔ اب زوج کا حصہ چار میں سے ایک تھا جب اس کو مسئلہ من یردعلیہ یعنی چار میں ضرب دیا تو چار ہی ہوئے اور من یردعلیہ کا حصہ مخرج فرض کی باقی میں ضرب دیا تو ماں کا حصہ چار میں سے ایک تھا جب اسکو اس تین میں ضرب دیا تو جو مخرج سے باقی ہے تو تین ہی حاصل ہوئے اور بیٹی کا حصہ تین تھا جب اس کو تین میں ضرب دیا تو نو حاصل ہوئے پس اس تقسیم سے زوج کو چار سہم حاصل ہوئے اور ماں کو تین اور بیٹی کو نو، پھر ہم نے میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی یعنی زوج کی تو اس کی تصحیح چار سہم سے پائی، کیونکہ اس کی زوجہ کا ربع ہے اور اس کی ماں کا حصہ باقی مال کا تہائی ہے اور اسکے باپ کا حصہ دو تہائیاں ہیں اس کے بعد ہم نے زوج کے مافی الید سہام میں غور کیا تو چار سہام پائے جو اس کے ورثہ پر بلا کسر مستقیم ہیں ان میں سے ایک سہم زوجہ کا ہے اور ثلث باقی یعنی ایک سہم ماں کا اور دو ثلث یعنی دو سہم باپ کے تو اس تصحیح میں ضرب کی ضرورت نہیں پڑی اور پہلا مسئلہ اور دوسرا مسئلہ سولہ سے صحیح ہو گیا۔ پورے مسئلہ کی صورت یہ ہے۔ (غایۃ الاوطار بتہذیب)

مثال مناسخہ

میت اول — مسئلہ (ردیہ) ۴ — ۱۶ — ۳۲ — ۱۲۸ — ہندہ

زوج	بنت	ام
حامد	صالحہ	زہرہ
۱/۴	۹	۳/۴

میت دوم — مسئلہ (مستقیم) ۴ — حامد مص ۴

زوجہ	ام	اب
شاکرہ	راضیہ	خالد
۱/۴	۱/۴	۲/۴
۸	۸	۱۶

میت سوم — مسئلہ ۶ توافق بالثلث — مسئلہ ۹ — عبدہ

ابن	ابن	بنت	
زید	عمرو	صابرہ	زہرہ
۲/۶	۲/۶	۱/۶	۱/۳
۲۴	۲۴	۱۲	

میت چہارم — مسئلہ ۲ تباین — زہرہ مص ۹

زوج	اخ	ام
قمر	کوکب	خورشید
۲/۱۸	۱/۹	۱/۹

الاحیاء — المبلغ ۱۲۸

شاکرہ	راضیہ	خالد
۸	۸	۱۶
زید	عمرو	صابرہ
۲۴	۲۴	۱۲
قمر	کوکب	خورشید
۱۸	۹	۹

(ماخوذ از غایۃ الاوطار)

وَيُعْرَفُ حَظُّ كُلِّ فَرِيْقٍ مِنَ التَّصْحِيْحِ بِضَرْبِ مَالِكُلٍّ مِنْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ فِيْمَا ضَرَبْتَهُ

اور معلوم ہو جاتا ہے ہر فریق کا حصہ تصحیح سے اس کو ضرب دینے سے جو ہر ایک کے لئے ہے اصل مسئلہ سے اس میں جس میں ضرب دی ہے تو نے

فِي اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ وَحَظُّ كُلِّ فَرْدٍ بِنِسْبَةِ سِهَامِ كُلِّ فَرِيْقٍ مِنْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ اِلٰى عَدَدِ رُؤُسِهِمْ مُفْرَدًا

اس کو اصل مسئلہ میں اور ہر شخص کا حصہ نسبت قائم کرنے سے اصل مسئلہ سے ہر فریق کے حصہ کی ان کے عدد رؤس کے ساتھ تنہا

ثُمَّ يُعْطٰى بِمِثْلِ تِلْكَ النِّسْبَةِ مِنَ الْمَضْرُوْبِ بِكُلِّ فَرْدٍ.

پھر دیدیا جائے اسی نسبت کے بقدر مضروب سے ہر فرد کو۔

تصحیح میں سے ہر فریق کے حصہ کی شناخت کا طریقہ

تشریح الفقہ : **قولہ ویعرف الخ** اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ تصحیح میں سے ہر فریق کا کتنا حصہ ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ عدد جو ہر فریق کو اصل مسئلہ سے ملا تھا اس کو اس عدد میں ضرب دیں جس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا گیا ہے۔ پس اس ضرب سے جو حاصل ہو وہی اس فریق کا حصہ ہوگا جیسے۔

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۵۰۴۰

زوجات	جدات ٦	بنات ١٠	اعمام ٧
۳	۴	۱٦	۱
٦۳۰ فی ۳۱۵	۸۴۰ فی ۱۴۰	۳۳٦۰ فی ۳٦۰	۲۱۰ فی ۳۰

اس میں زوجات، جدات وغیرہ جتنے حق دار ہیں سب فریق ہیں اور وہ بڑا عدد جو ۲۴ سے ضرب دینے کے بعد حاصل ہوا ہے یعنی ۵۰۴۰ عدد تصحیح ہے اور جس عدد سے ۲۴ کو ضرب دی ہے وہ مضروب ہے اور ۲۴ کو جتنے حصوں میں اولاً تقسیم کیا ہے وہ اصل مسئلہ ہے۔ اب اگر ہم یہ چاہیں کہ تصحیح (۵۰۴۰) سے ہر فریق مثلاً زوجات کو کتنا ملا ہے تو زوجہ کے حصے (۳) کو اسی عدد میں ضرب دیں گے جس کو اصل مسئلہ (۲۴) سے ضرب دیا ہے، جس کو مضروب کہتے ہیں یعنی ۲۱۰۔

ضرب کی صورت یہ ہے ۲۱۰ $\frac{۳}{٦۳۰}$ پس حاصل ضرب یعنی ٦۳۰ کل زوجات کا حصہ ہے۔

تصحیح سے ہر فریق کے ہر فرد کا حصہ معلوم کرنے کا طریقہ

قولہ وحظ کل فرد الخ۔ اگر یہ معلوم کرنا چاہیں کہ تصحیح میں سے ہر فریق کے ہر ہر فرد کو کتنا ملا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اصل مسئلہ سے ہر فریق کے حصہ کی نسبت عدد رؤس کے ساتھ قائم کی جائے پھر اسی نسبت کے مثل مضروب سے اس فریق کے ہر ہر شخص کو حصہ دیدیا جائے۔ مثلاً مسئلہ مذکورہ میں زوجات کے رؤس وسہام میں تباین کی نسبت ہے تو عدد رؤس (۲) اور عدد سہام (۳) میں نسبت دیکھی معلوم ہوا کہ ان میں ڈیوڑھے کی نسبت ہے۔ اسی ڈیوڑھی نسبت کو مضروب (۲۱۰) میں ضرب دیں گے جس سے ۳۱۵ حاصل ہونگے پس یہی ۳۱۵ ہر زوجہ کا حصہ ہوگا۔ وعلی ہذا القیاس (تنویر بتغییر) محمد حنیف غفرلہ گنگوہی

وَاِنْ اَرَدْتَ قِسْمَةَ التَّرِكَةِ بَيْنَ الْوَرَثَةِ اَوِ الْغُرَمَاءِ فَاضْرِبْ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ مِنَ التَّصْحِيْحِ فِيْ كُلِّ التَّرِكَةِ

اور اگر تو چاہے ترکہ تقسیم کرنا ورثہ میں یا قرضخواہوں میں تو ضرب دیدے تصحیح سے ہر وارث کے سہام کو جمیع ترکہ میں

ثُمَّ اقْسِمِ الْمَبْلَغَ عَلَى التَّصْحِيْحِ وَمَنْ صَالَحَ مِنَ الْوَرَثَةِ فَاجْعَلْهُ كَاَنْ لَمْ يَكُنْ وَاقْسِمْ مَابَقِيَ عَلٰى سِهَامِ مَنْ بَقِيَ

پھر تقسیم کردے مبلغ کو تصحیح پر جس نے صلح کرلی ورثہ میں سے تو اس کو معدوم فرض کر کے تقسیم کر مابقی کو باقی ورثہ کے سہام پر،

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ

تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس کی نعمت سے انجام پاتے ہیں امور خیر اور درود وسلام ہو اس کے رسول محمد ﷺ پر

خَيْرِ خَلْقِهٖ وَاٰلِهٖ اَجْمَعِيْنَ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ.

جو بہترین خلق ہیں اور آپ کی تمام آل پر جو پاک صاف ہیں۔

ورثہ پر تقسیم ترکہ کی ترکیب

تشریح الفقہ : قولہ وان اردت الخ۔ اگر میت کا ترکہ ورثہ میں تقسیم کرنا ہو تو تصحیح میں سے جتنا ایک وارث کو پہونچے اس کو کل ترکہ میں ضرب دینگے اور حاصل ضرب کو تصحیح پر تقسیم کرینگے پس جو خارج قسمت ہو وہ ترکہ میں سے وارث مذکور کا حصہ ہوگا۔ مثلاً میت نے ماں باپ اور دولڑکیاں چھوڑیں اور کل ترکہ سات دینار ہے تو ماں کا حصہ جو ایک ہے اس کو جمیع ترکہ یعنی سات میں ضرب دینگے تو حاصل ضرب سات ہی ہوگا پھر سات کو اصل مسئلہ یعنی چھ سے تقسیم کرینگے تو حاصل قسمت ۱ ۱/۶ ہوا، یہی ۱ ۱/۶ کل ترکہ سے ماں کا حصہ ہوا۔

تخارج کا بیان

قولہ ومن صالح الخ۔ اگر کوئی وارث ترکہ میں سے کسی مقدار پر صلح کرلے تو اس کے سہام کو کان لم یکن کر کے باقی ترکہ باقی ورثہ کے سہام پر تقسیم کیا جائیگا۔ مثلاً ورثہ شوہر، ماں اور چچا ہیں اور شوہر نے کسی مقدار پر صلح کرلی تو باقی ترکہ ماں اور چچا کے درمیان تین حصوں پر تقسیم ہوگا ان دونوں کے سہام کے اندازہ کے مطابق، پس دو سہم ماں کے ہونگے اور ایک سہم چچا کا۔

سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین
قد وقع الفراغ من شرح المجلد الثانی ثانیا بعد ما سرق منہ جزء والحمد للہ وحدہ
والصلوٰة علیٰ من لا نبی بعدہ

محمد حنیف غفرلہ گنگوہی
۵/ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ